

عشق سبحان اللہ

از قلم شیخ سسرز

مکمل ناول

واؤ یار یہ زیڈ۔ کے بھی کیا بندہ ہے نا، اف کیا پرسنائی ہے، میں تو مر مٹی، بس ایک دفعہ مل جائے یہ پھر تو اسے کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دوں گی آئی سویر، ایک لڑکی جوش سے بولی تھی۔

مگر یہ زیڈ۔ کے کسی کو منہ نہیں لگاتا، سنا ہے بڑا ہی مغرور اور موڈی ٹائپ ہے، آج تک کوئی ایسی لڑکی نہیں آئی جو زیڈ۔ کے کو جیت لے، بہت ہی بگڑا ہوا اور فلرٹ قسم کا انسان ہے یہ، تمہاری دال نہیں گلنی، دوسری لڑکی نے اسکے خوابوں پر پانی پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

آج تک اسکا پالا میسہ علی سے جو نہیں پڑا، میسہ کو جو چیز پسند آجائے وہ اسے حاصل کر کے ہی رہتی ہے، وہ لڑکی اترا کے بولی تھی۔

چلو تم بھی ٹرائی کر کے دیکھ لو میسہ میڈم، پہلی لڑکی نے جیسے اسکا حوصلہ بڑھایا تھا۔

یہ اس شہر کا سب سے بڑا اور فیمس کلب تھا جہاں، وہ دونوں لڑکیاں کافی دیر سے سامنے بیٹھے اس مغرور شخص کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔

فجر کی نماز پڑھ کر وہ حسبِ معمول قرآن پاک کی تلاوت کرنے بیٹھ گئی تھی۔

کیونکہ آج سنڈے تھا اسی لیے یونی سے آف تھا اور وہ گھر پر ہی تھی۔

اسلئے قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے بعد اس کا ارادہ نیچے جانے کا تھا۔

اس نے شاور لے کے پنک کلر کی لانگ کرتی اور بلیک ٹراؤزر زیب تن کیا تھا، جو کہ اس کی دودھیا رنگت پر بہت کھل رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے لمبے گھنے سلکی، سنہری بالوں کو کیچر میں قید کیا تھا۔

بلیک ہی کلر کا دوپٹہ شانوں پر اچھے سے پھیلا کر ایک نظر خود پر ڈال کر وہ روم سے باہر نکلی تھی۔

وہ بلیک ٹراؤزر پر بلیک ہی شرٹ پہنے، "خان" ہاؤس میں موجود خاص اسکے خود کے لیے بنوائے گئے جم میں موجود تھا۔

اس وقت وہ پنچنگ بیگ پر اس قدر جنونی انداز میں کلمے برسا رہا تھا گویا وہ پنچنگ بیگ نہیں اسکا کوئی مخالف ہو۔

اسکی نیلی سمندر سی آنکھوں میں جیسے دنیا کو تسخیر کرنے کا ایک عزم تھا۔

سرخ و سفید رنگت اس وقت اور بھی سرخ معلوم ہو رہی تھی۔

جبکہ اسکے بھورے بال بے ترتیبی سے پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے، گھنیری مونچھوں تلے، عنابی لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے، جیسے مسکراہٹ انہیں کبھی چھو کر بھی ناگزری ہو۔

خان ایک انتہائی بگڑا ہوا رئیس زادہ تھا۔

اکڑ تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ بلا کا وجیہ مرد تھا۔

اسکے بھورے بال ہمیشہ ماتھے پر بکھرے رہتے تھے، جنہیں وہ وقتن فوقتن ہاتھ سے ماتھے سے پیچھے ہٹاتا رہتا تھا۔

وہ سرخ و سفید رنگت کا مالک تھا اسکی نیلی سمندر سی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں، جو اسکی آنکھوں میں ایک بار دیکھ لیتا وہ نظریں نہیں چرا سکتا تھا۔

بالوں کے ہی ہم رنگ اسکے چہرے پر بھورے رنگ کی ہلکی ہلکی داڑھی تھی، جبکہ اسکے عنابی لب ہمیشہ بھنچے رہتے تھے۔

وہ مضبوط و توانا جسم کا مالک تھا، لڑکیاں اسکی وجاہت پر مرتی تھیں، اسکی ایک نظر کے لیے ترستی تھیں مگر وہ اتنا اکڑو اور مغرور تھا کہ وہ کسی پر ایک نگاہ غلط ڈالنا بھی پسند نہ کرتا تھا۔

اسے اپنی بھرپور وجاہت کا اندازہ تھا، اسی چیز نے اسے خود پسند بنا دیا تھا۔

Woohh..!

یہ برو برو برو، واٹ آر یو ڈوئنگ؟ اس نے جم میں انٹر ہوتے ہی سامنے کھڑے اپنے اکھڑ مزاج بھائی سے پوچھا تھا۔

کیونکہ اس نے اسے اس قدر جنونی انداز میں کافی دنوں بعد دیکھا تھا۔

مگر اگلی طرف سے کوئی جواب نا آیا تھا، بلکہ اس شخص کی پہنچنگ کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔

ہے برو، کس کا غصہ اس بے بیچارے قصور پہنچنگ بیگ پر اتار رہے ہیں؟ کچھ تو بتائیں؟
صائم اب اس کے قریب جا کر کھڑے ہوتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اس اسے پہلے کے صائم کو کوئی چوٹ پہنچتی، خان نے ایک جھٹکے سے ایک ہاتھ سے ہی
اس بے تحاشہ وزنی پہنچنگ بیگ کو پکڑ کر روکا تھا اور ایک غصے بھری نگاہ سامنے کھڑے
صائم خان آفریدی پر ڈالی تھی۔

تمہیں ہزار بار منع کیا ہے اس طرح میری پریکٹس کے بیچ میں مت آیا کرو صائم خان، میں ہر
بار تمہیں سیف نہیں کرنے والا، انڈر اسٹینڈ، خان اسکی طرف دیکھتا ہوا انتہائی سرد لہجے میں
بولا تھا۔

لیس باس، آئی انڈسٹوڈ بٹ صائم خان آفریدی جانتا ہے کہ خان اسے کبھی نقصان نہیں پہنچنے دے گا، اس نے مسکرا کر اسکی طرف دیکھتے ہوئے پراعتماد انداز میں جواب دیا تھا۔

جس پر خان نے ایک طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

سوچ ہے تمہاری، کیونکہ خان صرف اپنے لیے جیتا ہے، خان شان بے نیازی سے بولا تھا۔

چلو میں یہی سوچ کر خوش ہو جاتا ہوں، صائم مسکرا کر کہتا خان کو زہر لگا تھا۔

مگر فلمال میں آپکو یہ بتانے آیا ہوں کہ بابا جان نے آپکو بریک فاسٹ کے لیے بلایا ہے، صائم نے اسے اطلاع دی تھی۔

ان سے کہو مجھے نہیں کرنا بریک فاسٹ، آئی ایم بزمی، انکا بہت بہت شکریہ اس احسان کے لیے، اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

مگر برو، صائم نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

دروازہ اسطرف ہے، خان نے اسکی بات کاٹ کر گویا اسے مہذب لفظوں میں گیٹ لاسٹ کہا تھا۔

صائم کی مسکراہٹ سمٹی تھی، اور وہ جی کہہ کر واپسی کے لیے مڑ گیا تھا۔

یہ صبح 8 بجے کا وقت تھا جب سماہر بیگم اسے اٹھانے اس کے روم میں آئیں تھیں۔

انہوں نے کمرے کا دروازہ دھکیل کر کھولا تو انکے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

کمرے میں نیم اندھیرا تھا اور وہ آڑھا ترچھا بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اسکے کمرے کے پردے ہٹائے تو باہر سے سورج کی روشنی چھن چھن کر کے اندر داخل ہوئی تھی، پورا کمرہ بکھرا ہوا تھا، کمرے کی ایسی حالت دیکھ کر سماہر بیگم کا دل چاہا وہ ضوریز خان کی حالت بری کر دیں۔

مگر افسوس وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتی تھیں، کیونکہ ضوریز خان اپنے باپ کی بگڑی ہوئی اولاد تھا تو انکا بھی لاڈلا تھا، وہ چاہے لاکھ اس پر غصہ ہو جاتیں، مگر یہ بات بھی سچ تھی کہ ضوریز خان میں انکی جان بستی تھی۔

لیکن کبھی کبھی تو انہیں دکھ ہوتا تھا کہ کاش شہروز خان اسکی بے جاضدیں پوری کر کر کے اسے اس قدر نا بگاڑتے، تو وہ کم سے کم اچھے برے کی تمیز کر پاتا، مگر ضوریز خان کی دُکھنری میں لفظ "تمیز" تھا ہی نہیں۔

وہ انتہائی بگڑا ہوا رئیس زادہ، بہت ہی زہین، دوراندیش اور شارپ مائنڈ شخص تھا۔

غور تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، وجہ اسکی رگوں میں دوڑنے والا پٹھانوں کا خون تھا۔

ضوریز اٹھو بیٹا، حلیہ دیکھا ہے آپ نے اپنے روم کا؟ دیکھو کیا حال بنایا ہوا ہے؟ مجھے تو حیرت ہوتی ہے، ضوریز خان، یعنی میرا بیٹا، جو کہ ایم بے اے کے لاسٹ ایئر میں ہے، اور پورا زمانہ جس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتا مگر مجھے تو آج تک آپ کا ایسا کوئی کارنامہ نظر نہیں آیا جس پر میں فخر کر سکوں، انہوں نے آگے بڑھ کر صبح صبح ہی اسے اچھے سے جھاڑ پلاتے ہوئے آواز دی تھی۔

اف او، کیا ہے موم، آپ پھر سے صبح ہی شروع ہو گئیں، آپکو تو بس مجھ میں خامیاں نکالنے کا موقع چاہیے، میں نے ایسا بھی کیا کر دیا، وہ جھنجھلیا ہوا اٹھ بیٹھا تھا۔

اسکی گرے آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔

میرے چاند ٹائم دیکھو، آدھا شہر اٹھ گیا ہے اور نواب صاحب کی صبح نہیں ہوئی اب تک، انہوں نے اسکے یہاں وہاں بکھرے ہوئے، کپڑے اٹھاتے ہوئے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

کب سدھرو گے تم، بچوں کی طرح سارے کپڑے پھیلائے ہوئے وہ مسلسل بڑبڑاتی ہوئی پھیلاوا سمیٹ رہیں تھیں۔

ضوریز بنا کچھ کھے اٹھ کر شاور لینے چلا گیا تھا۔

مگر غصے کے اظہار میں اس نے واشروم کا دروازہ اس قدر زور سے بند کیا تھا کہ "ضویرز
ہاؤس" کے در و دیوار نے بھی پناہ مانگی تھی۔

یا اللہ خیر، اس نالائق کو ہدایت دے، اس کے اس قدر زور سے دروازہ بند کرنے پر سماہر
بیگم نے دہل کر کہا تھا۔

میں تمہارا بریک فاسٹ ریڈی کرواتی ہوں، شرافت سے فریش ہو کر نیچے آجانا، جاتے جاتے
انہوں نے تیز آواز میں اسے تاکید کی تھی، آخر کو وہ بھی اسی کی ماں تھیں۔

وہ سب اس وقت ڈائینگ حال میں موجود تھے۔

زروا بیٹا آپ کی اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں؟ کوئی پرابلم تو نہیں نانچے؟

سفیر خان اپنے مخصوص نرم و شفیق لہجے میں اس سے پوچھ رہے تھے جو اس سے بات کرتے وقت ہمیشہ ہی ہوتا تھا۔

جی بڑے پاپا کوئی پریشانی نہیں، سب ٹھیک ہے، اس نے مسکرا کر آہستہ سے جواب دیا تھا۔

فرقان خان محض مسکرا کر بھائی اور بیٹی کی باتیں سن رہے تھے۔

ہوں، چلو اچھی بات ہے بچے، ویلے بھی تم بہت زہین ہو، اللہ ہمارے بچے کو ایسے ہی ہمیشہ پریشانی سے دور رکھے اور خوب ترقی کرو تم، انہوں نے دل سے اپنی اس پیاری سی بھتیجی کو دعا دی تھی۔

اسلام و علیکم ایوری ون، وہ مسکراتا ہوا ڈائینگ حال میں داخل ہوا تھا۔

و علیکم اسلام نچے، یہ انگریزوں کی اولاد بننا ضروری ہوتا ہے صبح صبح تمہیں؟ سفیر خان نے اسے شرم دلائی تھی۔

انکی نات پر زروا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ رنگ گئی تھی۔

ارے بابا میں نے سوچا آپکو بھی تھوڑی سی انگلش آنی چاہیے نا، آخر کو آپکے سارے نچے ہی ماشاء اللہ بڑی بڑی یونیورسٹیز میں پڑھ رہے ہیں اور سب ہی انگلش میں مہارت رکھتے ہیں، تو آپکا بھی تو حق ہے نا انگلش سیکھنے کا، اس نے کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھتے ہوئے شرارتی انداز میں جواب دیا تھا۔

اچھا تو تم اب باپ کو پڑھاؤ گے؟ صبح صبح ہم سے جوتا کھاؤ گے تم صائم، انہوں نے اسے جھاڑ پلائی تو وہ ہنس دیا تھا۔

ارے لالہ، جانے دیں بچہ ہے، مراد خان نے لاڈلے بھتیجے کی طرف داری کی تھی۔

بڑے لالہ، 23 سال کا بچہ نہیں ہوتا، اور قینچی کی طرح زبان چلتی ہے اسکی، ملازم کے ساتھ اندر آتی ہوئی پلوشہ بیگم نے بھی صائم کو لپیٹا تھا۔

چھوڑو آپ اسے، یہ بتاؤ ابھی تک آپکے دوسرے صاحبزادے کی صبح نہیں ہوئی؟ انہوں نے اب کے بڑے بیٹے کے متعلق پوچھا تھا۔

میں نے صائم کو بھیجا تو تھا آپکے نام سے اسے بلانے، بس اتنا ہی ہوگا، انہوں نے صائم کو منہ بند رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

اچھا آپ لوگ تو ناشتہ شروع کریں، گل تم سرو کرو سب کو، انہوں نے ملازمہ سے کہا تو وہ جی کہہ کر آگے بڑھی تھی۔

بھابھی بیگم آج بھی خان بیٹے نے آنے سے انکار کر دیا؟ نگین بیگم نے آہستہ سے جیٹھانی سے پوچھا تھا۔

جواباً انہوں نے ہمیشہ کی طرح اثبات میں سر ہلایا تھا۔

آپ پریشان مت ہوں، سب ٹھیک ہو جائیگا، نگین بیگم نے انہیں تسلی دی تھی۔

جواباً پلوشہ بیگم پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھیں۔

یہ مثال کہاں ہے؟ مراد خان نے اچانک پوچھا تھا۔

خان آپ کو پتہ ہے ناسنڈے کو ہماری مش صاحبہ لیٹ اٹھتی ہیں، میں 3 دفعہ اٹھا آئی
مگر مجال ہے جو محترمہ اٹھ جائیں، نگین بیگم تو جلی مہنی بیٹھی تھیں۔

انکی بات سن کر سب ہی کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

سب جانتے تھے انہیں مشال کا لیٹ اٹھنا جتنا برا لگتا ہے مشال انہیں اتنا ہی زچ کرتی
ہے۔

اسلام و علیکم، یقیناً میری ہی باتیں ہو رہی ہیں یہاں۔

اسی وقت مشال نے ڈائینگ حال میں داخل ہوئی تھی۔

و علیکم اسلام بچے، سفیر خان نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا تھا۔

سب ہی نے اسکے سلام کا جواب دیا تھا۔

جی بیٹا آپکی ہی بات ہو رہی تھی، فرقان خان بولے تھے۔

یہ سورج کہاں سے نکلا ہے آج؟ صائم کی زبان میں کھجلی ہوئی تھی۔

آپکے سر میں سے، مثال تپ ہی تو گئی تھی۔

بری بات بیٹا، بھائی ہے نا، نگین بیگم نے اسے گھڑکا تھا۔

صائم نے معصومیت سے اسکی طرف دیکھا تھا۔

مشال اسے گھور کر فلوقت چپ ہو گئی تھی۔

اسکا موبائل کافی دیر سے وائبریٹ ہو رہا تھا۔

6 سے 7 بیل کے بعد بالاخر زیڈ۔ کے نے کال رسیو کرنے کی زحمت کر ہی لی تھی۔

زیڈ۔ کے اسپیکنگ، شانہ انداز میں تعارف کروایا گیا تھا۔

ہے زیڈ۔ کے کہاں ہو ڈیوڈ؟ دوسری طرف سے مانی اس سے پوچھ رہا تھا۔

ناٹ یور میٹر، سیدھی طرح کام کی بات پر آؤ، اس نے اپنے ازلی روڈ لہجے میں جواب دیا تھا۔

پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو، دوسری طرف مانی نے دل میں سوچا تھا۔

جو میں ہوں وہی سمجھتا ہوں، مجھ پر ریسرچ بعد میں کر لینا فلحال مراتب سے باہر نکلو ورنہ میں کال کٹ کر رہا ہوں، اسکی غصے بھری آواز پر مانی گر بڑیا تھا۔

وہ زیڈ کے بوکسنگ کے لیے اسی منٹ کی 18 ڈیٹ فکس ہوئی ہے، تمہاری تیاری پوری ہے؟ سنا ہے وہ جونی بہت محنت کر رہا ہے، مانی نے اسے اطلاع دی تھی جس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

لسن، فرسٹ آف آل، زیڈ کے کو کسی قسم کی تیاری کی ضرورت نہیں اینڈ سیکیونڈ تمھنگ، لاسٹ ٹائم تک پریکٹس وہ کرتے ہیں جنہیں خود پر یقین نہیں ہوتا، زیڈ کے کو خود پر اور اپنی طاقت پر پورا یقین ہے، اسے بوکسنگ کے لیے تیاری کی ضرورت نہیں، انڈر سٹینڈ، زیڈ کے کے لہجے میں اپنی ذات کے لیے فخر تھا۔

ہوتا بھی کیوں نا؟ وہ واقع ہی لمحوں میں مقابل کو دھول چٹانے کی طاقت رکھتا تھا۔

مانی کو چپ لگ گئی تھی۔

بائی، زیڈ۔ کے نے کہتے ہی کال کٹ کردی تھی۔

اسلام و علیکم ممانی جان، کیسی ہیں آپ؟ اس نے کال ریسو کرتے ہی سلام کیا تھا۔

و علیکم اسلام، میری بچی میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ پلوشہ بیگم نے پیار بھرے لہجے

میں اس سے پوچھا تھا۔

میں بھی ٹھیک ہوں ممانی جان، عانیہ نے دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا۔

ہم نے دراصل آپ سب کو آج ڈنر پر انوائٹ کرنے کو کال کی تھی، انہوں نے اسے وجہ بتائی تھی۔

جی ٹھیک ہے، میں ماما کو بتا دوں گی، عانیہ نے جواب دیا تھا۔

جیتی رہو میری بچی، میں فون رکھتی ہوں پھر ان شاء اللہ شام میں ملاقات ہوتی ہے، اللہ حافظ انہوں نے اسے دعا دی تھی۔

جی ممانی جان، خدا حافظ، اس نے کال کٹ کر دی تھی۔

اوہ تو آج پھر سے اتنے دنوں بعد، عانیہ خان تمہیں روبرو دیکھ سکھگی، اس نے مسکرا کر سوچا تھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گئی تھی۔

ضوریز بیٹا بات سنیں، وہ صبح کا گیا دوپہر 3 بجے گھر واپس آیا تھا۔

وہ جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا جب سماہر بیگم نے اسے آواز دی تھی۔

جی موم، وہ پلٹا تھا۔

آج شام میں ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں ہم، تمہارے ماموں کی طرف، یاد سے ریڈی ہو جانا، انہوں نے اسے حکم دیا تھا۔

مگر موم میں وہاں کیا کرونگا، آپ ڈیڈ اور گریا کے ساتھ جائے نا، اس نے فورن انکار کیا تھا۔

میں نے آپ سے پوچھا نہیں ہے، آپکو بتایا ہے، انہوں نے اسے گھورا تھا۔

سو واٹ؟ یو نو ڈیٹ، آئی ڈونٹ لائک دز ٹائپ آف گیدرنگز، سو پلیز ڈونٹ فورس می، وہ کہہ کر رکا نہیں تھا، اور ہوا کی طرح اوپر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

زیادہ ہی دماغ خراب ہو گیا ہے صاحب زادے کا، لیکن آج میں بھی دیکھتی ہوں تم میری بات کیسے نہیں مانتے بیٹا جی، سماہر بیگم سوچتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھیں۔

یہ شام 6 بجے کا وقت تھا جب وہ فرقان خان کے روم میں آئی تھی۔

اسلام و علکیم پاپا جان، اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے انہیں سلام کیا تھا۔

وعلیکم اسلام میری گڑیا آئی ہے، ادھر آؤنا میری بچی انہوں نے مسکرا کر جواب دینے کے ساتھ اسے پاس بلایا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی انکے پاس آئی تھی۔

اب کیسی طبیعت ہے آپکی پاپا جان؟ زروا اب انکے سرہانے بیٹھی مسکرا کر ان سے پوچھ رہی تھی۔

تمہیں دیکھ لیا نا میری گڑیا اب بالکل ٹھیک ہوں، انکے جواب پر زروا مسکرا دی تھی۔

پاپا جان آپ نے کون سی ایسی ٹینشن لے لی ہے، جس نے آپ کو بیمار ہی کر دیا، زروا اداس سی انکا ہاتھ تھامے پوچھ رہی تھی۔

ارے نہیں بیٹا اب ایسا بھی کوئی بیمار نہیں ہوں میں، بس ہلکا سا بخار ہی تو ہوا تھا، وہ
بھی اب نہیں ہے بچے، اللہ کے فضل سے اب میں بہتر ہوں، ان شاء اللہ ایک دو دن تک
آفس بھی جانے لگوں گا، انہوں نے اسکا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے تسلی دی تھی۔

بابا بس آپ جلدی سے پوری طرح ٹھیک ہو جائیں، ابھی کوئی نا میں جانے دوں گی آفس آپکو
ہاں، زروا منہ بسور کر بولی تھی۔

ہا ہا ہا، ہماری پاگل بچی اس کے اس طرح منہ بنانے پر وہ ہنس دیے تھے۔

زروا بھی انہیں ہنستا دیکھ ہنسنے لگی تھی۔

گڑیا آج تو آپکی دوست آرہی ہے نا آپ تیار نہیں ہوئے بچے؟ انہوں نے اس کی طرف دیکھ
کر پیار سے پوچھا تھا۔

جی پایا جان بس جا ہی رہی تھی سوچا آپ کی طبیعت پوچھ لوں، اس نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

ہم ٹھیک تو ہیں گریٹا، اب آپ جا کر تیار ہوں مہمان آتے ہی ہوں گے۔

فرقان خان نے پھر سے کہا تو زروا جی کہہ کر اٹھ گئی تھی۔

اسکا ارادہ پہلے اپنے اسائنمنٹ پر نظر ثانی کرنے کا تھا، اس کے بعد اس نے فریش ہو کر نیچے لاؤنج میں جانے کا سوچا تھا۔

زروا، فرقان خان کی چہیتی شریکِ حیات کی اکلوتی نشانی تھی، جس میں انکی جان بستی تھی۔

فرقان خان نے اس کے جانے کے بعد دل ہی دل میں اچھے نصیب کی دعا کی تھی۔

بلو جینس پر بلیک شرٹ پہنے جو کہ اسکی سفید رنگت پر خوب چرچ رہی تھی، اپنے گولڈن بالوں کو ایک اسٹائل سے سیٹ کیے، باس کی خوشبو میں رچا بسا، اپنی گرے مغرور آنکھوں کو بلیک شیڈز سے کور کیے، وہ باہر جانے کے لیے بالکل ریڈی تھا۔

وہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی کیز اور موبائل اٹھا کر پلٹا ہی تھا کہ اسکے روم کا ڈور ناک ہوا تھا۔

یس کم ان، اس نے موبائل چیک کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں اجازت دی تھی۔

لالہ آپ کو ڈیڈ نے ابھی لاؤنج میں بلایا ہے، عانیہ نے اندر داخل ہوتے ہی اسے شہروز خان کا پیغام دیا تھا۔

اوکے تم چلو میں آتا ہوں، اس نے جواب دیا تو عانیہ جی کہہ کر مر گئی تھی۔

ضوریز ایک کال کرنے کے بعد، کچھ سوچتا ہوا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

اسکا رخ لاؤنج کی طرف تھا۔

ارے بھا بھی بیگم آپ کچن میں کیا کر رہی ہیں؟ کوئی کام تھا تو مجھے کہہ دیا ہوتا، نگین بیگم نے جیٹھانی کو کچن میں دیکھا تو بول پڑی تھیں۔

ارے نہیں نگین کام تو کوئی نہیں تھا، ہوتا تو میں تم سے ضرور کہتی، میں تو بس یہ دیکھنے آئی تھی کہ شام کے ڈنر کی تیاری ٹھیک سے ہوگئی یا نہیں، ایک یہی تو دن ہوتا ہے سنڈے کا جب دونوں فیملیز اکٹھا ہوتی ہیں ساتھ بیٹھ کر باتیں اور ڈنر کرتی ہیں، کمی نہیں رہنی چاہیے بس، انہوں نے دیورانی کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے مخصوص نرم لہجے میں جواب دیا تھا۔

جی بلکل بھابھی بیگم یہ تو آپ نے سہی کہا، نگین بیگم بھی انکی بات سے قائل ہوئی تھیں۔

چلیں چل کر لاؤنج میں بیٹھتے ہیں، نگین بیگم نے کہا تو پلو شہ بیگم بہنوں جیسی دیورانی کی اپنے لیے فکر مندی دیکھ کر مسکراتی ہوئی انکے ساتھ چل دی تھیں۔

اچھا دونوں بچیاں کہاں ہے؟ آج تو سنڈے ہے نا پھر بھی دیکھی نہیں کب سے، انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے دیورانی سے پوچھا تھا۔

زروا تو شاید اپنے روم میں پڑھ رہی ہوگی، ماشاء اللہ بہت محنتی ہے ہماری بیٹی، باقی مشعال ابھی ابھی اپنی کسی فرینڈ کے گھر گئی ہے، انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔

اچھا اچھا سہی ہے، اسلہ دونوں کے نصیب اچھے کرے، پلوشہ بیگم کے لہجے میں بھتیجیوں کے لیے پیار تھا۔

اسی وقت سفیر خان آفرید مراد خان آفریدی لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

اسلام علیکم، دونوں نے ہی سلام کیا تھا۔

وعلیکم اسلام، پلوشہ بیگم اور نگین بیگم نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

وہ دونوں ہی آفس سے آئے تھے، جبکہ فرقان خان طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے گھر پر ہی تھے۔

کیا بات ہے پلوشہ، یہ گھر میں اتنا سناٹا کیوں ہے، ہمارے چاروں بچے کہاں ہیں؟ سفیر خان نے بیگم سے پوچھا تھا۔

خان تو اپنے روم میں ہی ہے، زروا بھی روم میں پڑھ رہی ہے، صائم دوستوں کی طرف گیا ہے۔

مشعال بھی کسی فرینڈ سے ملنے گئی ہے، انہوں نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

مگر بھابھی بیگم آج تو شہروز بھائی اور سماہرا نوائیڈ ہیں گھر پر، آپ نے مشعال اور صائم کو روکنا چاہیے تھا، مراد خان نے پلوشہ بیگم سے کہا تھا۔

میں نے کہہ دیا تھا دونوں سے وہ 8 بجے سے پہلے آجائینگے، پلوشہ بیگم کی جگہ جواب نگین بیگم نے دیا تھا۔

ہوں ٹھیک ہے، سفیر خان نے بس اتنا کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

نگین آپ منع کیا کریں مشعال کو، اسے شام کے بعد گھر سے مت نکلنے دیا کریں، مراد خان نے بیگم سے کہا تھا۔

ارے مراد ہمارے بچے بہت سمجھدار ہیں، تم بے فکر رہو وہ ہمیں کبھی شرمندہ نہیں ہونے دینگے، مشعال آجائگی کچھ ہی دیر میں، سفیر خان نے بھتیجی کی سائیڈ لی تھی۔

ہے ایوری ون واٹس اپ؟ لاؤنج میں اسی وقت صائم خان داخل ہوا۔

لو آگیا انگریزوں کا چھیلا، سفیر خان نے بڑبڑاتے ہوئے اسے گھورا تو وہ فورن شریف بنا تھا۔

میرا مطلب اسلام و علیکم، صائم نے جلدی سے سلام کیا تھا۔

و علیکم اسلام، لگتا ہے عقل آگئی ہے صاحب زادے کو، مراد خان نے بھتیجے کو چھیڑا تھا۔

انکی بات سن کر سب ہی مسکرا دیے تھے۔

چچا جان، آپکا بھتیجا خیر سے بہت عقلمند اور زہین ہے بس کچھ لوگوں کو قدر نہیں ہے تو اب اس میں میرا کیا قصور، اس کے معصومانہ انداز پر اس دفعہ تو سفیر خان بھی ہنس دیے تھے۔

کبھی سدھرنا مت بچے ہر وقت زبان چلوا لو تم سے، سفیر خان نے اسے پھر سے شرم دلائی تھی۔

اب کہ صائم نے چپ رہنے میں عافیت جانی تھی۔

اچھا ہم تو چلتے ہیں، پھر ڈنر پر بات ہوتی ہے، آپ لوگ باتیں کرو، سفیر خان کہہ کر اپنے روم کی جانب چل دیے تھے۔

انکے جانے کے کچھ دیر بعد ہی مراد خان بھی اٹھ کر چلے گئے تھے۔

اب لاؤنج میں نگین بیگم پلوشہ بیگم اور صائم ہی بچے تھے۔

بروگھر پر ہیں ماما؟ انکے جانے کے بعد اس نے خان کے بارے میں پوچھا تھا۔

ہاں مگر اس نے روم کے باہر وہی ڈونٹ ڈسٹرب والا بورڈ لگا دیا ہے، انہوں نے آہستہ سے اسے بتایا تو صائم محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

اس نے بلو جینس پر بلو ہی شرٹ پہنی تھی، اور بھورے بالوں کو ماتھے پر سے ہٹا کر ہاتھ سے ہی پیچھے کی طرف سیٹ کیا تھا۔

اسکی سرخ و سفید رنگت پر گہرے رنگ بہت بچتے تھے۔

خود پر کرسٹائن اسپرے کر کے اس نے پاؤں کو جوتوں میں قید کیا تھا اور اپنا جائزہ لیتے ہوئے آئی فون اور کی چین اٹھاتا ہوا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

جی تو صاحب زادے آپ نے انکار کر دیا ہے "خان پیلیس" ڈنر پر جانے سے؟

یاہ، لٹھ مار انداز میں صرف اتنا ہی کہا گیا تھا۔

مگر ہم چاہتے ہیں آپ ہمارے ساتھ چلیں، شہروز خان نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جو صوفے پر بیزار سی شکل لیے بیٹھا تھا۔

مگر یار ڈیڈ میں فیملی ڈنر میں کیا کرونگا؟ اس نے جھنجھلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

عانیہ بیٹا اپنے لالہ کو بتائیے، فیملی ڈنر میں کیا کرتے ہیں، سماہر بیگم نے طنزیہ انداز میں کہا تو ضوریز تپ گیا تھا۔

لالہ وہ، عانیہ بولنے والی تھی کہ ضوریز نے اسے گھورا تھا۔

وہ چپ ہو گئی تھی۔

کیا ہے موم میں اب اتنا بھی پاگل نہیں ہوں کہ مجھے ڈنر کا مطلب بھی نا معلوم ہو، وہ اپنے ہی کلمے لفظوں میں الجھا تھا۔

گڈ، یعنی ضوریز خان کو فیملی ڈنر کا مطلب پتہ ہے، سماہر بیگم تو جیسے تہی بیٹھی تھیں۔

ضوریز نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے غصہ ضبط کیا تھا۔

عانیہ نے نیچے منہ کر کے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

شہروز خان نے بیگم کو چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

بیٹا آپکے ماموں جان نے اتنے پیار سے ہمیں انوائیٹ کیا ہے، آپ نہیں جائینگے تو انہیں کتنا برا لگیگا نا، وہ کیا سوچینگے؟ انہوں نے خاص آپکو ساتھ لانے کا کہا ہے، آپ ہر دفعہ ٹال جاتے ہیں، اور تو اور جب وہ لوگ یہاں آتے ہیں تب بھی آپ اکثر گھر سے غائب ہوتے ہیں، آپ نہیں گئے تو وہ سمجھیں گے ہم اپنے بیٹے سے اتنی سی بات نہیں منواسکتے؟ شہروز خان نے بہت پیار سے اپنے اکھڑ مزاج شہزادے کو قابو کیا تھا۔

وہ ایسے ہی اپنے لفظوں میں الجھا کر اسے پیار سے ہی قابو کرتے تھے، ورنہ ضرور غصے میں تو کسی کے بھی قابو نہیں آتا تھا، اس عرصے میں سماہر بیگم خاموش بیٹھی تھیں۔

ضرور خاموشی سے انکی بات سن رہا تھا۔

آل رائٹ، بٹ یہ مت سوچیے گا میں فل اموشنل بلیک میل ہوچکا ہوں، نو، یو نو ڈیٹ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں، اور مجھ پر اموشنز اثر نہیں کرتے، آپ لوگ جائیں میں اپنی

گاڑی میں آؤنگا، اس نے اپنے خود سر انداز میں جواب دیا تھا کیونکہ وہ ضوریز خان ہی کیا جو سیدھی طرح سے کوئی بھی بات مان جائے۔

اوکے فائن، یاد سے 9 بجے تک آجائے گا، اب آپ جاسکتے ہیں، انہوں نے اسکے حامی بھرنے پر ہی شکرا ادا کیا تھا، ورنہ ضوریز خان وہ شخص تھا جس سے اس کی مرضی کے خلاف بات منوانا پہاڑ سر کرنے کے مترادف تھا۔

اوکے بائے، کہہ کر وہ لمبے لمبے دُگ بھرتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

یہ آپ ہی کی شہ ہے، آپکے بے جالاڈ میں رہ کر دیکھیں کتنا بدتمیز ہو گیا ہے یہ، کسی کی بات ہی نہیں مانتا، سماہر بیگم نے اسکے جانے کے بعد شوہر سے شکوہ کیا تھا۔

ارے بیگم صاحبہ ایک ہی تو بیٹا ہے ہمارا، اسکے بھی لاڈ نا اٹھاؤں؟ مان تولی اس نے ہماری بات، اور کونسی بدتمیزی؟ اس نے ایک لفظ بھی نامناسب نہیں بولا ہمیں، ہاں بس تھوڑا سا

غصے کا تیز اور ضدی ہے، ہماری کروڑوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہے وہ اور پھر پھٹان ہے آخر، اتنا تو حق بنتا ہے نا اسکا، شہروز خان نے اسی کی حملیت لی تو سماہر بیگم تپ کے رہ گئی تھیں۔

کریں آپ باپ بیٹا جو کرنا ہے، آئندہ میں ایک لفظ بھی نہیں بولونگی، وہ کہہ کر جا چکی تھیں۔

پیچھے سے عانیہ اور شہروز خان ہنس دیے تھے۔

بلیک کلر کی گھیردار فراک اور چوڑی دار میں اسکی گوری رنگت اور بھی نمایاں ہو رہی تھی، جبکہ اسکے ناک میں موجود ڈائمنڈ کی نوز پن اسے کے چہرے پر چھ رہی تھی۔

بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی۔

اپنے لمبے گھنے سنہری بالوں کو چوٹی کی شکل دینے کے بعد اسکی نظریں اسکے گلے میں موجود زید کے لاکٹ پر پڑی تھیں جسے چھو کر اسکے لب مسکرائے تھے۔

اس نے اپنے بلیک کلر کے دوپٹے کو سلیقے سے سر پر لیا تھا اور پورے 7 بجے کیڑی ہو کر روم سے باہر نکلی تھی۔

وہ سب اس وقت لاؤنج میں موجود تھے۔

اسلام و علیکم، سماہر بیگم کی آواز پر سب ہی نے سامنے کی طرف دیکھا تھا۔

سماہر بیگم شہروز خان اور عانیہ ایک ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

وعلیکم اسلام بچے، سفیر خان نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور ساتھ ہی شہروز خان سے بگلگیر ہوئے تھے۔

اسلام علیکم ماموں جان ممافی جان، عانیہ نے دھیمے انداز میں ان چاروں کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

سب ہی نے اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر اسکے سلام کا جواب دیا تھا۔

ارے یہ اپنا ضروریز کہاں ہے؟ وہ نہیں آیا؟ مراد خان نے پوچھا تھا۔

وہ کچھ دیر تک آئیگا لالہ جان اسے کوئی کام آگیا تھا، بس وہی نمٹانے چلا گیا، سماہر بیگم نے بات بنائی تھی۔

چلو ٹھیک ہے، انہوں نے محض اتنا کہا تھا۔

اسکے سماہر بیگم بھا بھویوں سے مل ان ہی کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں جبکہ شہروز خان، سفیر خان مراد خان اور فرقان خان کے ساتھ سیٹنگ روم کی جانب چل دیے تھے۔

سب ہی لیڈیز صوفوں پر براجمان تھیں۔

پلوشہ بیگم، نگین بیگم اور سماہر بیگم باتوں میں مشغول تھیں، عانیہ خاموش بیٹھی تھی۔

کیسی ہے میری بیٹی؟ پلوشہ بیگم نے چپ بیٹھی عانیہ سے پوچھا تھا۔

میں ٹھیک ہوں ممانی آپ کیسی ہیں؟ عانیہ نے پوچھا تھا۔

میں بھی ٹھیک ہوں بچے، انہوں نے جواب دیا تھا۔

ممانی جان، مشعال اور زروا کہاں ہیں؟ اس نے پوچھا تھا۔

بیٹا وہ اپنے روم میں ہی ہونگی ایسا کرو تم جا کر ان سے مل لو اور انہیں بلا بھی لاؤ، انہوں نے کہا تو وہ مسکرا کر جی کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

اسی وقت صائم وہاں آیا تھا۔

اسلام و علیکم پھوپو جان، صائم مسکراتا ہوا سماہر بیگم کے قریب آیا تھا۔

وعلیکم اسلام، انہوں نے اس کے سلام کا جواب دے کر اسکے سر پر پیار کیا تھا۔

پھوپو ضروریز برو نہیں آئے؟ اس نے یہاں وہاں دیکھ کر پوچھا تھا۔

بیٹا اسے کوئی کام تھا، اس سے فری ہو کر ڈنر تک آجائیگا، انہوں نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے، میں پھوپھا سے مل کر آتا ہوں، اس نے مسکرا کر کہا تھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

وہ اس وقت شہر کے مشہور کلب میں بیٹھا تھا۔

بلو جینس پر بلو ہی شرٹ پہنے ایک شان سے پاؤں پاؤں رکھے اردگرد سے بے نیاز

بیٹھا، بلاشبہ وہ وہاں سب میں نمایاں تھا۔

ہیلو زیڈ۔ کے، واٹس اپ، ایک کافی ماڈرن سی لڑکی نے اسے ہیلو کیا تو زیڈ۔ کے ایک نگاہ

اس پر ڈال کر پھر سے موبائل میں بڑی ہو گیا تھا۔

اس لڑکی کو اپنا نظر انداز کرنا ناگوار گزرا تھا مگر پھر بھی اس نے کوشش ترک نہ کی تھی۔

ہے زیڈ۔ کے کم آن، لاکھوں لڑکے میسہ علی پر مرتے ہیں اور تم اس پر ایک نگاہ تک

نہیں ڈال رہے ایسی بھی کیا بے نیازی، وہ لڑکی کہتی ہوئی بے باکی سے اسکے قریب ہی

بیٹھ گئی تھی۔

زیڈ۔ کے نے پھر بھی اسکی طرف دیکھنا گوارا نا کیا تھا۔

اور ایٹیٹیوڈ کہیں کا، میسہ علی دل ہی دل میں جربز ہوئی تھی۔

ہے کم آن ہینڈسم لک ایٹ ٹومی نا، اس نے کہتے ہوئے اسکے شالڈر پر ہاتھ رکھا تھا۔

ہے یوسلی گرل ڈونٹ ٹچ می، اسکا ہاتھ جھٹک کر زیڈ۔ کے اس قدر طیش آمیز انداز میں دھاڑا تھا کہ میسہ علی کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

اسکے بعد زیڈ۔ کے نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے دھکا دینے کے انداز میں خود سے دور کر دیا تھا۔

اسکے اس قدر جارہانہ انداز پر میسہ علی کا خون خشک ہو گیا تھا۔

اب وہاں موجود سب ہی نوجوان انکی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔

ناؤ واٹ؟ اس نے میسہ علی کو ہنوز وہیں جھے دیکھ کر روڈلی پوچھا تھا۔

میسہ علی حوش میں آئی تھی۔

یہ تم نے اچھا نہیں کیا زیڈ۔ کے، تم نے میسہ علی کی انسلٹ کی ہے، تم جانتے نہیں
میسہ علی کون ہے، تمہیں پچھتانے پر مجبور نا کر دیا تو کہنا، وہ چلا کر بولی تھی۔

زیڈ۔ کے نے اسکی وقت کان سے کاٹن نکال کر ایک طرف اچھالے تھے، اور اس کے
قریب آیا تھا۔

آر یو ٹالکنگ ود می؟ اب وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

او زیڈ۔ کے، یو ور میکنگ می فول؟ آئی کل یو؟ میسہ علی کو تو گویا آگ لگ گئی تھی۔

یو آر آل ریڈی آگ فول، اس نے اس پر ایک نگاہ غلط ڈالے بنا ہتک آمیز انداز میں کہا تھا اور جانے کے لیے مڑا تھا۔

یو ہیو ٹو پے فار اٹ زیڈ۔ کے، میسہ علی تجھے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

اوہ ریٹلی؟ پوچھتے ہوئے وہ پلٹا تھا۔

میسہ علی اسے گھور کر جانے لگی تھی۔

ویٹ آمنٹ، زیڈ۔ کے نے اسے روکا تھا۔

بیسہ علی پٹی تھی۔

ہے لسن ویٹر، اس نے ویٹر کو آواز دی تھی۔

یس سر، ویٹر فورن اسکے پاس آیا تھا۔

گومی ون گلاس آف واٹر، اس کے پانی مانگنے پر ویٹر نے اس سر پھرے انسان کو حیرت سے دیکھا تھا، جو کلب میں اتنا ہنگامہ مچا چکا تھا اور اب کھڑا اس سے پانی مانگ رہا تھا۔

سر آر یو شیور؟ ویٹر نے اسکی طرف دیکھ کر کنفرم کرنا چاہا تھا۔

آئی سیڈ گومی ون گلاس آف واٹر یو گاڈ ڈیم اٹ، اس نے اب کے چلا کر کہا تھا۔

لیس لیس سر، ویٹر فورن گیا تھا اور اسے منزل واٹر کی بوتل لا کر دی تھی۔

میسہ علی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس نے وہیں کھڑے کھڑے بوتل کا ڈھکن کھول کر پانی سے اپنے ہاتھ واش کیے تھے اور بوتل واپس ویٹر کی طرف بڑھائی تھی۔

یہ تمہاری حیثیت ہے میری نظر میں، کہ تمہیں چھونے کے بعد زیڈ۔ کے نے اپنے ہینڈز واش کیے ہیں، میسہ علی کا چہرہ مارے اہانت کے سرخ ہوا تھا۔

او یو شٹ اپ، وہ غرائی تھی۔

ہے یو، یو جسٹ شٹ یور ماؤتھ، انڈر سٹینڈ، زیڈ۔ کے اس سے بھی کئی گنا زیادہ اونچی آواز میں دھاڑا تھا۔

اینڈ تم پوچھ رہی تھیں نا کہ زیڈ۔ کے نے تم پر نظر کیوں نہیں ڈالی جبکہ سب تم پر مرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سستی چیزوں ہزاروں گاہگ ہوتے ہیں جبکہ زیڈ۔ کے تو کتنا بھی نسل دیکھ کر پالتا ہے تو تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ زیڈ۔ کے تمہیں دیکھے گا؟

تمہیں؟ آر یو میڈ یو نانسینس، ایک ایک لفظ پر زور دے کر نہایت تحضیک آمیز لہجے میں کہتا، وہ میسہ علی کے کو اسکی اوقات بتا رہا تھا۔

لسن یو، اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

ابھی میری بات کمپلیٹ نہیں ہوئی، زیڈ۔ کے نے اسے لٹکا تھا۔

ویئر واز آئی ہیمپ پیپ آئی واز سیٹنگ ڈیٹ اسٹے اوے فرام می، اینڈ آئیندہ مجھے ٹچ کرنے کی یا مجھ سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہونگی، سارا موڈ خراب کر دیا ایڈیٹ، وہ مغرورانہ انداز میں بات مکمل کرتا بنا اسے کچھ بولنے کا موقع دیے وہاں سے چلا گیا تھا۔

اسکے پیچھے میسہ علی بل کھاتی رہ گئی تھی۔

تمہیں اس انسلٹ کا بدلہ تو اتلانا ہوگا زیڈ۔ کے، تم نے میسہ علی کی ساتھ بدتمیزی کی ہے، چھوڑو نگلی نہیں تمہیں میں، اس نے زیر خند انداز میں سوچا تھا۔

اور تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

عانیہ کو زروا راستے میں ہی مل گئی تھی، تو وہ دونوں ساتھ ہی مشعال کے روم میں چلی گئی تھیں۔

عانیہ وغیرہ کو آئے گھنٹہ ہو چکا تھا۔

وہ تب سے ہی وہیں تھیں۔

مشعال کی زروا سے کم ہی بنتی تھی، مگر زروا صرف عانیہ کی وجہ سے اس کے ساتھ چلی گئی تھی۔

جبکہ سب ہی بڑے اب ساتھ بیٹھے تھے۔

سنیں، ضوریز کو تو کال کریں ابھی تک نہیں آیا وہ، 8 بج رہے ہیں، تھوڑا جلدی آجاتا، اب کیا پورے ہی 9 بجے آئیگا کیا وہ؟ سماہر بیگم نے شوہر سے کہا تھا۔

ابھی تک تو واقع ہی اسے آجانا چاہیے تھا، آپ رکیں میں کرتا ہوں کال اسے، اور بیگم صاحبہ آپ جا کر باتیں کیجئے، شہروز خان مسکرا کر بولے تو سماہر بیگم نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ہے ضوریز اس بار تمہارا برتھ ڈے کچھ اسپیشل طریقے سے سیلیبریٹ ہونا چاہیے ہنی، ایک لڑکی نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو باقی سب نے بھی اسکی تائید کی تھی۔

وہ اس وقت اپنے دوست کے فلیٹ پر تھا جہاں وہ اور اسی کے جیسے کچھ بگڑے ہوئے اور رئیس خاندان کے لڑکا لڑکی موجود تھے، وہ یہاں اکثر آتا تھا۔

جب وہ یہاں آیا اسکا موڈ کافی خراب تھا۔

یہ وائی ناٹ، ضوریز خان کا برتھ ڈے ہے، کسی عام انسان کا نہیں، اسے تو اسپیشل ہونا ہی ہے، اس لیے ضوریز خان کی طرف سے اس دفعہ بھی ایک شاندار پارٹی دی جائیگی، جس میں وہ تم سب کو انوائٹ کرتا ہے۔

وہ شہزادوں کے سے انداز میں بولا تو سب ہنس دیے تھے۔

وہ اتنی دیر بعد اب کچھ بہتر ہوا تھا اور اپنی جون میں واپس آچکا تھا۔

اسی وقت اسکا موبائل بجاتا تھا۔

اس نے بیزاگی سے کال رسیو کی تھی۔

لیکن کچھ دیر بات کرنے کے بعد وہ اچانک اٹھا تھا اور پھر وہ سب کو بائی کہہ کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا تھا۔

وہ وہاں سے نکل کر سڑکوں پر بلا مقصد گاڑی دوڑا رہا تھا۔

پھر کچھ سوچ کر اس نے گاڑی ایک جانب موڑ لی تھی۔

اب وہ ریش ڈرائونگ کرتا ہوا ایک سمت جا رہا تھا۔

برو ویئر آریو؟ اس نے کال رسیو ہوتے ہی پوچھا تھا۔

نوٹ یور بزنس، کال کی وجہ؟ اس نے اپنے اذلی اکھڑ انداز میں پوچھا تھا۔

وہ خان تھا، خان پولیس کی جان، یہ شان بے نیازی اسکی شخصیت کا حصہ تھی۔

وہ برو میں تو بس اسلیے پوچھ رہا تھا کہ آج گھر پر ڈنر ہے تو، وہ پھوپھو کی فیملی انوائیڈ ہے تو اگر آپ بھی، اس کی بات پوری ہونے سے پہلے "خان" نے کاٹ دی تھی۔

میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا آئی ایم ناٹ انٹرسٹڈ ان دز ٹائپ آف گیدرنگز، وہ چڑ کے بولا تھا۔

اسلام و علیکم ایوری ون، ضریرز نے گھر میں انٹر ہوتے ہی سب کو سلام کیا تھا۔

موبائل میں اسکی آواز گونجی تو "خان" چونکا تھا۔

بٹ برو پلیز نا، صائم نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن "خان" نے پھر سے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

ویسے کون کون آیا ہے؟ اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا تھا۔

پھوپھو پھوپھا، عانیہ اور ہاں ضریرز برو ابھی آئے ہیں، صائم نے تفصیلی بتایا تھا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد موبائل میں "خان" کی آواز گونجی تھی۔

او کے آئی ایم کمنگ، اس نے اچانک فیصلہ کیا تھا۔

ہرے، او کے برو وی آر ویٹنگ، صائم خوشی سے بولا تھا تو اگلی جانب سے بنا کچھ کے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔

"تعارف اسپیشل"

بچے آپکی اسٹیز کیسی جارہی ہیں؟ مراد خان نے پیار بھرے لہجے میں بھانجے سے سوال کیا تھا۔

سیم ایز آلویز، فینڈاسٹک ماموں جان، اینڈ آئی ایم آلسو ڈوٹنگ مائی بیسٹ، اس نے اپنے انگریزوں کے سے لب و لہجے میں انگلش میں ہی جواب دیا تھا۔

سماہر بیگم نے اسے گھورا تھا، جسے وہ انتہائی سکون سے نظر انداز کر گیا تھا۔

ماشاء اللہ بچے بہت خوب، مراد خان نے اسکی تعریف کی تھی۔

واہ بھئی ہمارا ضوریز تو بہت ہی زہین ہے، فرقان خان بھی پیار سے بولے تو ضوریز کی تنی ہوئی گردن مزید تن گئی تھی۔

تھینک یو ماموں جانیز، وہ پھر اسی انداز میں بولا تو شہروز خان اور سفیر خان بھی مسکرا دیے تھے۔

بیٹا یہی بات آپ اردو میں بھی کہہ سکتے تھے، بالآخر سماہر بیگم نے اسے ٹوک ہی دیا تھا۔

موم یو نو ڈیٹ، میں اسی طرح بات کرتا ہوں، جواباً ضرور برا سا منہ بناتے ہوئے بولا تھا۔

ارے سماہر بیگم چھوڑیں آپ، جانتی تو ہیں آپ، اسے عادت ہے، شہروز خان نے فوراً اسکی حمایت کی تھی۔

ارے ہاں بالکل بھئی ہمارے اکلوتے بھانجے کو بالکل کچھ مت کہو تم سماہر، اسکا جیسے من ہو ویسے بات کریگا وہ، مراد خان نے بھی اسکی سائیڈ لی تھی۔

سماہر بیگم مجبوراً چپ ہی رہی تھیں۔

اوگاڈ، کہاں پھنس گیا، 20 منٹس میں ہی میرا تو حال برا ہو گیا ہے زبردستی ہنس ہنس کے
جبرے بھی دکھنے گے، یہ ناجانے کونلے گناہ کی سزا دے رہی ہیں موم،
اینڈ ڈونٹ نو وائی شی از ٹرینٹنگ می لائک آچاٹڈ، وہ بظاہر مسکراتا ہوا دل ہی دل میں
بیزاریت سے سوچ رہا تھا۔

سب بڑوں کے ساتھ بیٹھا انکی باتوں کے جواب دے دے کر وہ اب اکتا سا گیا تھا۔

اسی وقت عانیہ زروا اور مشعال ایک ساتھ لائنج میں انٹر ہوئے تھے۔

ضوریز نے ایک نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

اسلام و علیکم ضوریز لالہ، صرف زروا نے اسے سلام کیا تھا۔

ضوریز نے سر کے اشارے سے اسے سلام کا جواب دیا تھا۔

زروا بیٹا کھانا لگوا لو آپ اور مشعال جاؤ، نگین بیگم نے کہا تو وہ تینوں ہی چلی گئیں تمہیں۔

وہ سب باتوں میں مشغول تھے،

ضوریز بھی اپنے موبائل میں بڑی ہو گیا تھا۔

اسلام و علیکم، اسکی آواز پر سب ہی چونکے تھے، جبکہ ضوریز ایک نگاہ اس پر ڈال کر پھر سے موبائل میں بڑی ہو گیا تھا۔

وعلیکم اسلام میرا بچہ آگیا، سب سے پہلے سماہر بیگم نے جواب دیا تھا۔

جی پھوپو جان، اس نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے سنجیگی سے کہا تھا۔

اسے دیکھ پلوشہ بیگم کا دل پرسکون ہو گیا تھا۔

سب ہی نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

وہ اب شہروز صاحب کی طرف بڑھا تھا ان سے ملنے۔

جبکہ ضوریز کی طرف اس نے دیکھنا تک بھی گوارا نا کیا تھا۔

کیسے ہو "خان" شہروز صاحب نے اس سے بگلگیر ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"خان" جیسا تھا ویسا ہی پھوپھا جان، وہ کہہ کر ان سے الگ ہوا تھا۔

ضوریز نے غصیلی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

بیٹا، ضوریز بھی یہاں ہیں، ان سے بھی گلے ملیں، پلوشہ بیگم کی آواز پر "خان" نے ایک نگاہ سامنے بیٹھے اس شخص پر ڈالی تھی جسے وہ دیکھنا تک پسند نہیں کرتا تھا کجا اس سے گلے ملنا۔

ارے ہاں بھئی یہ تو سہی کہا آپ نے بھا بھی بیگم، آج تو ہمارے دونوں شہر ایک ساتھ اس محفل میں ہیں، مراد خان بھانجے اور بھتیجے کو دیکھ کر پیار سے بولے تھے۔

جبکہ "خان" اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔

مگر ماموں جان شیر جنگل کا بادشاہ ہے نا اور بادشاہ تو ایک ہی ہوتا ہے، ضوریز اسکی جانب دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراتا ہوا بولا تھا۔

سب ہی نے اسکی بات ہلکے پھلکے انداز میں لی تھی۔

جبکہ اسکی بات سن کر سماہر بیگم اور شہروز خان جربز ہوئے تھے۔

اسی وقت اس صدی کا عظیم واقع ہوا تھا، "خان" خود اسکی طرف بڑھا تھا۔

ضوریز خان کو حیرت ہوئی تھی۔

"خان" شاہانہ چال چلتا ہوا اس کے سامنے جا کر کا تھا۔

ضوریز خان نے بیزاریت سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

سب اپنی باتوں میں مصروف ہو چکے تھے، اس لیے اب کسی کا دھیان انکی جانب نا تھا۔

لیس یو آر رائیٹ، بادشاہ تو ایک ہی ہوتا ہے، بٹ "زائر خان" کو بادشاہ بننے کے لیے خود کو جانور کہلانے کا کوئی شوق نہیں، آفرآل شیر بھی تو ایک جانور ہی ہے۔

اسلیے یہ تم پر ہی سوٹ کرتا ہے، زائر خان اس کے مقابل کھڑا اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے طنزیہ لہجے میں کہتا اسے تپا گیا تھا۔

اسکی بات سن کر ضوریز خان کا دماغ گھوما تھا، اسکی رگیں تن گئی تھیں، اس نے مٹھیاں بھیج کر غصے پر قابو پایا تھا۔

ہے لسن یو، ضوریز خان نے اب کچھ کہنا چاہا تھا۔

یو لسن مسٹر ضوریز خان آفریدی، ڈونٹ یو ڈیئر ٹو میس ود می، انڈرسٹینڈ؟ وہ انگلی اٹھا کر اسکی جانب نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا اسے وارننگ دینے کے سے انداز میں بولا تھا۔

سیم ہیئر مسٹر زائر خان آفریدی، کوز آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ٹالک ود یو، وہ ایک ابرو اوپر چڑھائے
اسی کے انداز میں ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کرتا حساب برابر کر چکا تھا۔

دین ڈونٹ ڈو، آئی ڈونٹ لائک یور شی ٹی وائز، زائر خان اپنے مغرور سے لب و لہجے میں بولا
تھا۔

لینڈ آئی ڈونٹ لائک یو، ضوریز خان نے بھی روڈی جواب دیا تھا۔

ہو کیئرز، "زائر خان" نے اسے آگ ہی تو لگا دی تھی۔

وہ دونوں ہی بلا کے پرکشش و ذہین مرد تھے۔

ان میں سے ایک سیر تھا تو دوسرا سوا سیر، وہ بہت کم ہی ایک دوسرے کے مقابل
کھڑے ہوتے تھے۔

کھانا لگ گیا ہے تائی جان، اس سے پہلے کے انکی یہ تلخ کلامی طول پکڑتی لاؤنج میں زروا کی
آواز گونجی تھی۔

"خان" بیٹا جائیں آپ بھی فریش ہو کر آجائیں، پلو شہ بیگم نے کہا تو "زائر خان" ایک
نفرت بھری نظر سامنے کھڑے شخص پر ڈال کر جانے کو پلٹا تھا۔

ضوریز خان کا موبائل بجا تو وہ بھی سر جھٹک کر کال رسیو کرتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

واؤ بہت خوب بھئی، آج تو مینیو بہت ہی زبردست ہے بیگم صاحبہ، سفیر خان نے فش کباب ٹیسٹ کرتے ہوئے کہا تو سماہر بیگم نے بھی انکی تائید کی تھی۔

جی بھابھی بیگم واقع ہی یہ تو میرے فیورٹ ہیں۔

انکی بات سن کر سب مسکرا دیے تھے۔

ارے پھوپو جان آپ یہ چکن کڑھائی ٹرائی کریں نا یہ بھی بہت مزے کا ہے، صائم نے انکی جانب دُش بڑھایا تھا۔

زمیں ٹرائفل لے کر آتی ہوں، زروا کہہ کر اٹھی تھی۔

زروا بچے زرا اپنے لالہ کو بھی بلا لانا، نگین بیگم نے کہا تو وہ جی کہہ کر چلی گئی تھی۔

خاور خان آفریدی کا تعلق سوات کے ایک معزز پٹھان خاندان سے تھا۔

ان کے خاندان میں باہر شادیاں کرنے کا رواج نا تھا، انکی شادی بھی اپنی تایا زاد، شہانہ خان سے ہوئی تھی۔

وہ لوگ جدی پشتی رئیس تھے، دولت تو گویا انکے گھر کی باندھی تھی مگر پھر بھی انہوں نے اپنے سب ہی بچوں کی تربیت بہت اعلیٰ انداز میں کی تھی۔

خاور خان آفریدی اور شہانہ بیگم کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

بڑے بیٹے سفیر خان تھے، جو کہ بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری لینے کے بعد اپنا خاندانی بزنس سنبھال رہے تھے، انکی شادی شہانہ بیگم کی ہی بہن کی بیٹی سے ہوئی تھی، پلوشہ بیگم ایک باوفا اور سلجھی ہوئی طبیعت کی خاتون تھیں، انہوں نے آتے ہی شوہر کے گھر کو بہت اچھے سے سنبھال لیا تھا۔

سفیر خان اور پلوشہ بیگم کے دو ہی بیٹے تھے۔

بڑا بیٹا زائر خان آفریدی، جو کہ ایم۔بی۔اے کے لاسٹ ایئر میں تھا۔

زائر ایک انتہائی بگڑا ہوا بدتمیز اور مغرور قسم کا انسان تھا۔

جبکہ صائم خان اسکا الٹ تھا، صائم خان جتنا ہنس مکھ شرارتی اور زندہ دل تھا، زائر خان اتنا ہی اکھڑ مزاج اور بدماغ شخص تھا۔

لیکن دونوں ہی حسن و وجاہت میں اپنی مثال آپ تھے۔

دونوں ہی یونی کے اسٹوڈنٹ تھے، زائر خان کا بزنس ایڈمنسٹریشن کا لاسٹ ایئر تھا۔

جبکہ صائم ایم۔بی۔بی۔ایس کے سیکنڈ ایئر میں تھا۔

سفیر خان کے بعد مراد خان تھے، انکی شادی بھی خاندان میں ہی ہوئی تھی۔

سلجھے ہوئے مزاج کی اور نیک سیرت سی نگین بیگم انکی کزن ہی تھیں، مراد خان اور نگین بیگم کی ایک ہی بیٹی تھی، جس میں ان دونوں کی جان بستی تھی۔

مشعال خان آفریدی، جسے فیشن ڈیزائنر بننے کا جنون تھا۔

مراد خان آفریدی کے بعد تمہیں سماہر خان آفریدی، تینوں بھائیوں کی لاڈلی اور بابا کی جان۔

انکی شادی اپنے چچا زاد سے ہوئی تھی۔

شہروز خان اکلوتے تھے، اور انکا اپنا بزنس تھا۔

کم عمر میں ہی، سماہر خان رخصت ہو کر شہروز خان کے ہمراہ انکے بنگلے میں آگئیں
تمہیں، جو کہ سوات ہی میں تھا۔

انکا ایک ہی بیٹا تھا۔

ضوریز خان آفریدی، جو کہ بزنس ایڈمنسٹریشن کے لاسٹ ایئر میں تھا۔

ضوریز بھی نیچر میں زائر جیسا ہی تھا۔

انکی کبھی نہیں بنی تھی، جس کے پیچھے ایک بہت بڑی وجہ تھی۔

سب سے آخر میں تھے فرقان خان آفریدی، جنکی شادی انکی کلاس فیلو، زونیرہ ناز سے ہوئی تھی۔

انکے یہاں خاندان سے باہر شادی کا عواج نا تھا، جبکہ یہ انکی پسند کی شادی تھی، مگر خاور خان آفریدی نے پھر بھی اپنے بیٹے کی خوشی کو ترجیح دی تھی۔

یوں زونیرہ ناز، زونیرہ فرقان خان بن کر خان پریس آگئیں۔

زونیرہ بیگم اور فرقان خان کی ایک ہی بیٹی تھی۔

زروا خان آفریدی، جو کہ ایک کم گو سلجھی ہوئی اور ملنسار لڑکی تھی۔

سنہری بال اور ہیزل گرین آنکھوں والی زروا خان آفریدی بے حد حسین لڑکی تھی دیکھنے والوں کو وہ کوئی کانچ کی گرٹیا ہی معلوم ہوتی تھی۔

وہ یونی کی اسٹوڈنٹ تھی یہ اسکا ایم۔اے انگلش کا فرسٹ ایئر تھا۔

وہ شلوار قمیض سے ایسے دور بھاگتا تھا جیسے اس میں کانٹے گئے ہوں۔

اس وقت بھی اس نے شاور لے کر بلیک ٹراؤزر پینٹ پر بلیک ہی راؤنڈ نیک شرٹ پہنی تھی۔

شاید اسے اپنی بے پناہ وجاہت کا بخوبی اندازا تھا۔

بھورے بالوں کو رف سے انداز میں ہاتھ سے ہی سیٹ کرتے ہوئے خود پر اچھے سے باڈی اسپرے کیا تھا اور ایک نظر خود پر ڈال کر باہر کی جانب بڑھا تھا۔

ایسکیوز می وہ آپکو اندر کھانے کے لیے بلا رہے ہیں، زروا نے لان میں کھڑے ضروریز سے کہا تھا۔

ضوریز کا رخ دوسری جانب تھا، وہ جو موبائل پر کسی سے بات کرنے میں بڑی تھا، زروا کی آواز پر پلٹا تھا۔

ہے یو لسن، اسٹاپ، ضروریز موبائل کان سے ہٹاتا تیز آواز میں بولا تھا۔

زروا جو کہ بات مکمل کر کے پلٹنے ہی والی تھی کہ اسکی آواز پر کی تھی۔

یہ منظر اپنے روم کی ونڈو سے "خان" نے بھی دیکھا تھا۔

"خان" کو زروا اور ضروریز کا ساتھ کھڑا ہو کے باتیں کرنا ناگوار گزرا تھا۔

جی؟ وہ اب اسکے سامنے کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی۔

بلیک کلر کی گھیردار فراک میں دوپٹہ سلیقے سے سر پر لیے، بنا کسی میک اپ کے بھی
اسکا چہرہ دمک رہا تھا۔

مگر ضروریز کو اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی، اس نے تو اسے صرف اس شخص کو جلانے کے
لیے روکا تھا۔

اس شخص پر اسکی اس حرکت کا اثر بھی ہو چکا تھا۔

آپ کو کوئی کام تھا؟ زروا نے اسے خاموش دیکھ کر خود ہی پوچھ لیا تھا۔

کیوں میں بنا کسی کام تم سے بات نہیں کر سکتا؟ آفٹر آل وی آر کرنز، اس نے زروا کی
طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

یہ وہ کام تھا جو کہ وہ کم ہی کرتا تھا۔

نہیں میں نے ایسا تو نہیں کہا مگر آپ نے مجھے آواز دی تو مجھے لگا، زروا کچھ بول رہی تھی مگر ضوریز کی نظریں اور زہن ابھی ابھی ونڈو کی جانب تھیں۔

رہش، بڑی پارسا بنتی ہے اور اس کمینے سے یوں باتیں کر رہی ہے جیسے برسوں کی جان پہچان ہو، ایک زہریلی سوچ "خان" کے دماغ میں بہت تیزی سے آئی تھی۔

نہیں کام تو کوئی نہیں، ضوریز اپنی عادت کے برخلاف آرام سے بولا تھا۔

پھر میں جاؤں؟ زروا نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا تھا۔

نہیں، ضوریز بے دھیانی میں بول گیا تھا۔

ہیں؟ زروا حیران ہوئی تھی، کیونکہ اسے اب یہاں کھڑے ہو کر ضریرز سے بات کرنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

آں ہاں، نتھنگ یو کین گو، آئی ایم کمینگ، ضریرز نے اچانک سے لٹن چلنج کرتے ہوئے اسے اپنے اسی روڈی انداز میں جانے کو کہا تھا۔

جی ٹھیک ہے، زروا کہتے ہی جانے کو پلٹ گئی تھی۔

ضریرز نے ایک نظر ونڈو کی طرف ڈالی تھی، مگر وہاں اب کوئی نہیں تھا، اسی لیے اس نے زروا کو واپس بھیج دیا تھا۔

ضریرز نے اس کے تاثرات نوٹ کر لیے تھے اسی لیے یہ حرکت کی تھی۔

کھانا کافی خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

وہ سب اب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

جب زروا سب کے لیے کولڈ ڈرنک لے کر آئی تھی۔

"خان" موبائل میں بڑی تھا، جبکہ ضوریز صائم سے باتوں میں مشغول تھا، یا یہ کہنا بہتر ہوگا کہ باتیں کرنے پر مجبور تھا۔

زروا نے کول ڈرنک ضوریز کی جانب بڑھائی تھی۔

ضوریز نے جان بوجھ کر اسے ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔

وجہ صرف وہاں سے اٹھنا تھا۔

آئی ایم سوری لالہ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا، زروا شرمندہ ہو گئی تھی۔

سب کی ہی نظریں انکی جانب اٹھی تھیں۔

بچے آپ کا دھیان کہاں تھا، لالہ کے سارے کپڑے خراب کر دیے نا، فرقان خان نے بیٹی کو آرام سے ہی کہا تھا۔

اسی وقت "خان" نے بھی سرسری نگاہ انکی جانب ڈالی تھی۔

سماہر بیگم پریشان ہو گئیں تھیں، انہیں اور شہروز خان کو بھی لگا تھا کہ اب وہ پھٹیکا، مگر ہمیشہ کی طرح ضوریز نے اس بار بھی انکی سوچ بالکل ہی الٹ دی تھی۔

وہ کب کیا کریگا یہ اسکے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

اُس اوکے انکل، ضوریز کے منہ سے نکلنے والے لفظ سن کر سماہر بیگم کو شاک لگا تھا۔

جبکہ شہروز خان مسکرا دیئے تھے۔

لالہ میری شرٹ تو آپکو آئیگی نہیں، آپ ایسا کرو "خان" برو کی شرٹ پہن لو، صائم کی بات پر "خان" نے ایک خشمکیں نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

نہیں صائم اُس اوکے میں بس اسے تھوڑا واش کر لیتا ہوں، وہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اور اسمارٹی، اس صائم کو یہ بھی نہیں پتہ اس ایڈیٹ نے یہ کیوں کیا، "خان" نے تنفر سے سوچا تھا۔

اچھا یہاں سے سیڑھیاں چڑھ کر لیفٹ پر میرا روم ہے، آپ وہاں چلے جائیں، صائم نے اسکی مشکل حل کی تھی۔

اوکے تھینکس، وہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

ایسکیز می، آئی ہیو این ارجنٹ کال، "خان" کہتے ہی اٹھ کر اپنے روم کی جانب چل دیا تھا۔

زروا تم اپنا وہ اسائنمنٹ لے آؤ، سماہر پھوپو بھی ایم۔ اے انگلش میں ڈگری ہولڈر ہیں،
تمہاری ہیلپ ہو جائیگی، نگین بیگم نے کہا تو زروا کی پریشانی کم ہوئی تھی۔

وہ جی کہہ کر اپنے روم کی جانب بڑھی تھی۔

یہ صائم کا روم تو نہیں لگتا؟ اس نے دل میں سوچا تھا، ابھی وہ روم میں انٹر ہی ہوا تھا۔

خیر مجھے کونسا یہاں رہنا ہے، وہ شرٹ کے بٹن کھولتا ہوا، واشروم کی جانب بڑھا تھا۔

وہ کسرتی جسم کا مالک ایک انتہائی خوبو شخص تھا۔

اسکے سکس پیک ایبس اسکی مضبوط جسامت کا پتہ دیتے تھے۔

اس نے شرٹ اتار کر اسے داغ والی جگہ سے واش کیا تھا اور خود بھی فریش ہو کر شرٹ ہاتھ میں لیے ٹاول شانوں پر ڈالے واشروم سے باہر آیا تھا۔

اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹاول ہٹا کر شرٹ پہنے کو ہاتھ بڑھایا تھا۔

اسی وقت اپنے ہی دھیان میں آتی زروا روم میں انٹر ہوئی تھی۔

آآپ، اف میں وہ، زروا اسے اس طرح دیکھ گھبرا گئی تھی اور آنکھوں پر ہاتھ رکھے پلٹ کر رخ موڑ گئی تھی۔

اوشٹ، مجھے لگا یہ صائم کا، ضروریز بھی پہلی بار کسی لڑکی کے سامنے یوں جھجکا تھا۔

پلیز پہلے شرٹ پہنیں، زروا رخ موڑے موڑے ہی بولی تھی۔

اویس، آئی ایم ویئرنگ اٹ، اس نے کہتے ہی شرٹ پہنی تھی اور جلدی سے اوپر کے دو
بٹن چھوڑ کر نیچے کے تینوں بند کر لیے تھے۔

لسن یو، یو کین ٹرن، ضروریز محض اتنا بولا تھا۔

مگر آپ نے شرٹ، زروا ابھی بھی شک میں ہی تھی۔

لسن مس میں شرٹ پہن چکا ہوں، آپ پلٹ سکتی ہیں، ضروریز چڑ کر بولا تھا۔

زروا پلٹی تھی، اور آہستہ آہستہ دونوں ہاتھ آنکھوں سے ہٹائے تھے۔

ضوریز اسکے اس انداز پر ہنسا تھا۔

اومائی گاڈ، یو آر ٹو شائی، وہ ہنستا ہوا بولتا زروا کو زہر لگا تھا۔

آپ کو کم سے کم کنفرم کرنا چاہیے تھا یہ کس کا روم ہے، آپ ایسے کسی لڑکی کے روم میں کیسے آسکتے ہیں ہاں؟ وہ اب غصے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

لسن مس میں نے کہا یہ غلطی میں ہوا، مجھے کوئی شوق نہیں آپ کے روم میں آنے کا، سو ڈونٹ ٹالک وڈ می ان دز ٹون ضروریز اب کے زہ تیز لہجے میں بولا تھا۔

زروا اب اسکے سامنے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

غلطی پر سوری کہا جاتا ہے، اب کی بار اسے شرمندہ کیا گیا تھا۔

یہ لفظ میری دُکھنری میں نہیں، وہ مغرور سے انداز میں بولا تھا۔

زروا کو اسکی دُھٹائی پر کافی غصہ آیا تھا۔

اندازہ ہو گیا ہے مجھے، پلیز اب آپ جائیں یہاں سے، زروا ضبط کرتے ہوئے بولی تھی، کیونکہ کسی سے بحث کرنا اسکی شرست میں نا تھا۔

اوکے اوکے آئی ایم گوئیٹنگ بے بی، وہ خلافِ معمول تحمل سے بولا تھا۔

مجھے ان واہیات ناموں سے مت پکاریں، کہتے ہی زروا نے نظروں کا زاویہ دوسری طرف کر لیا تھا۔

لسن، اب کی بار آؤگا تو تم مجھے نکال نہیں سکوگی، ضروریز سرد سے انداز میں کہتا اسے
بدحواس کرتا روم سے نکل گیا تھا۔

اف کتنے بدتمیز ہیں یہ، زروا نے دل میں سوچا تھا۔

گھٹیا لڑکی، اسے زروا کے روم سے نکلتے دیکھ، "خان" نے حقارت سے سوچا تھا۔

تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے روم میں آنے کی؟ وہ اس قدر زور سے دھاڑا تھا کہ زروا کا
دل کانپ اٹھا تھا۔

وہ انتہائی شاندار پرسنالٹی والا شخص اسے اس وقت انتہائی بد دماغ اور بدتمہذیب انسان لگا تھا۔

مم میں یہ آپ کے کپڑے رکھنے، اسکی بات پوری ہونے سے پہلے ہی "خان" نے اسکے ہاتھ سے دھلی دھلائی اور طے شدہ شرٹس لے کر ڈسٹ بن میں ڈالی تھیں۔

وہ حیرت زدہ سی اسکا یہ اقدام دیکھتی رہ گئی تھی۔

تمہاری یہ اوقات ہے میری نظروں میں، کہ تمہارے ہاتھ گے کپڑوں کو پہننا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں کجا تمہیں اپنے روم میں برداشت کرنا، سمجھیں؟ ایک ایک لفظ پر زور دے کر حقارت سے بولتا وہ پل بھر میں اسے اسکی حیثیت باور کروا گیا تھا۔

وہ کچھ لمحوں کو تو گنگ سی رہ گئی تھی، اسکے منہ سے نکلنے والے شعلہ بار لفظوں نے اسکا پورا وجود جھلسا دیا تھا۔

ایک آنسو تیزی سے اسکی آنکھ میں آیا تھا، اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتی "خان" نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے روم سے باہر نکالا تھا اور دروازہ دھاڑ سے بند کر دیا تھا۔

آئی ہیٹ ہم، زروا روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

وہ دونوں ساتھ ہی یونیورسٹی پہنچی تھیں۔

مشعال اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف چلی گئی تھی۔

جبکہ زروا فریال کو دیکھ کر اسکی جانب بڑھ گئی تھی۔

زروا کی کالج لائف سے وہ ایک ہی دوست تھی، وہ کم ہی کسی سے بات کرتی تھی، وہ

یونیورسٹی بھی چادر لے کر آتی تھی۔

زروا اور فریال کی دوستی وقت کے ساتھ گہری ہوتی گئی تھی جس میں زیادہ تر ہاتھ فریال کا

ہی تھا۔

عانہ کی بھی ان سے بہت بنتی تھی۔

کیسی ہو بے مروت دوست؟ میں نے کل کتنے میسجز کیے تمہیں، مگر مجال ہے جو تم ایک کا بھی ریپلائی کردو، فریال اب اس سے گلے ملتے ہوئے شکوہ کر رہی تھی۔

کل پھوپھ کی فیملی ڈنر پر انوائٹ تھی، تمہیں تو پتہ ہے نا ہر ویک ہوتا ہے یہ ڈنر، تو بس اسی میں بڑی تھی۔

یار مجھے اپنا اسائنمنٹ بھی بنانا ہے، اتنا کام بچتا ہے۔

اس نے آہستہ سے جواب دیئے کے ساتھ اسائنمنٹ کا بھی بتایا تھا۔

اوہ ہو ڈنر ہم، وہ تمہارا ہینڈسم کزن بھی تو آیا ہوگا نا؟ فریال اب سب بھول کر شرارتی انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

جب کہ زروا کا دھیان اپنے اسائنمنٹ کی طرف تھا۔

کون؟ زروا نے غائب دماغی سے پوچھا تھا۔

ارے وہی گولڈن بال، 6 فٹ ہائیٹ مغرور سا گرے آنکھوں والا، عانیہ کا بھائی، فریال نے ایک جست میں اسکا سارا حلیہ بتا دیا تھا۔

زروا نے اسے گھورتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی فائل اسکے بازو پر کھینچ کے ماری تھی۔

تم نا ہمیشہ یہی سب نوٹ کرتی رہا کرو، نکمی کہیں کی، اب چلو بھی کلاس کے لیے لیٹ ہو جائیں گے ورنہ، اب وہ تپے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔

ارے ظالم مار کیوں رہی ہو، چل رہی ہونا، فریال اپنا بازو سہلاتے ہوئے دہائی کے انداز میں بولی تھی۔

زروا اسکی نوٹنکی پر ہنستے ہوئے اسکے ساتھ چل دی تھی۔

آج یونیورسٹی میں معمول سے ہٹ کے چہل پہل تھی۔

وہ اس وقت کینٹین میں بیٹھی تھی، جب صائم وہاں آیا تھا۔

ارے زروا تم یہاں ہو، میں تمہیں پوری یونی میں ڈھونڈ آیا ہوں، تمہیں پتہ بھی ہے یونی میں
آج کیا ہے، مگر تمہیں کیسے پتہ ہوگا تم تو اپنی کتابوں کو پیاری ہو بس، اسکے علاوہ ارد گرد
دیکھنے کی فرصت ہی کہاں ہے تمہیں، ورنہ اس بات سے بے خبر نا ہوتی، وہ آتے ہی ایک
سانس میں بولتا گیا تھا۔

صائم بول کے رکا تھا۔

زروا حیرت سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

کیا ہو گیا اب؟ میں نے ایسا بھی کیا بول دیا جو تم اسٹیچو ہو گئی ہو؟ صائم پھر سے بولا تو زروا نے اسے گھورا تھا۔

صائم تم اصل بات بتانے کے علاوہ تقریباً ہر قسم کا سسپینس پھیلا چکے ہو، جبکہ مجھے تمہاری بات کا ایک لفظ بھی سمجھ نہیں آیا، زروا اسکی طرف دیکھتے ہوئے تپے ہوئے لہجے میں بولی تو صائم نے سر پر ہاتھ مارا تھا۔

اوتیری یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ میں اصل بات تو بتانا بھول ہی گیا، صائم معصومیت سے بولا تھا۔

اب پھوٹ بھی لو، یا انویٹیشن دینا پڑیگا تمہیں، زروا نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

خان برو اور ضوریز برو یونی کے لیڈر کی سیٹ کے لیے الیکشن میں کھڑے ہو رہے ہیں، اور سب سے بڑی بات وہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہونگے، مطلب جو بھی جیتے، جیت ہماری ہی فیملی میمبر کی ہوگی نا، صائم خوشی سے اسے اور بھی بہت کچھ بتا رہا تھا۔

زروا بے دلی سے سن رہی تھی اسے اس قسم کی سرگرمیوں میں کوئی دلچسپی نا تھی جبکہ "خان" کو ووٹ دینے کا تو وہ سوچ بھی نا سکتی تھی۔

اسے شدید چڑ جو تھی اس مغرور انسان سے۔

اسی وقت صائم کا موبائل بجا تو وہ زروا سے ایسکیوز کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

کوئی بھی جیتے ان دونوں میں سے، مجھے کیا، میری نظر میں تو دونوں ہی اس سیٹ لے لائق نہیں، زروا نے دل میں سوچا تھا۔

اسکی آنکھ کھلی تو گھڑی صبح کے 9 بج رہی تھی۔

اوشٹ، میں پھر سے لیٹ ہو گیا، وہ فورن بیڈ سے اترتا تھا۔

کب بورڈ سے بلو جینس اور پیچ کلر کی شرٹ لے کر وہ شاور لینے واشروم کی جانب بڑھا تھا۔

10 منٹس بعد وہ فریش ہو کر مرر کے سامنے کھڑا اپنے گولڈن بالوں کو جیل سے سیٹ کر رہا تھا۔

اسی وقت اسکا موبائل بجا تھا۔

یاہ، ضوریز از ہیئر، اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

کیا تم الیکشنز کے لیے تیاری کر رہے ہو؟ دوسری جانب سے پوچھا گیا تھا۔

تمہیں کس نے کہا ضوریز کو جیتنے کے لیے کسی قسم کی تیاری کی ضرورت ہے؟ ضوریز نے اکھڑ لہجے میں اس سے پوچھا تھا، اس کے لہجے میں اسکی ذات کا غرور جھلک رہا تھا۔

آئندہ کے بعد مجھ سے کچھ پوچھتے وقت ہزار بار ضرور سوچنا، ضوریز نے خود پر پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں کہا تھا اس نے کان میں بلوٹوم فون لگائے ہوئے تھے۔

واٹ دا ہیل، شٹ اپ، ضوریز اسکی اگلی بات سن کر ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

شٹ یور ماؤتھ لینڈ ڈونٹ کال می اگین انڈر سٹینڈ، ایڈیٹ، اس نے کہتے ہی کال کاٹ دی تھی۔

یہ "خان" زیادہ ہی اچھل رہا ہے، اسے زمین پر لانا ہوگا، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا اور اپنا بیگ کندھے پر ڈالے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

گڈ مارنگ موم، میں یونیورسٹی جا رہا ہوں، اس نے لاؤنج میں سے گزرتے ہوئے جلدی جلدی کہا تھا۔

رکو بیٹا بریک فاسٹ تو کر لیتے، سماہر بیگم نے اسے آواز دی تھی۔

میں وہیں کچھ کھالونگا موم آئی ایم آل ریڈی لیٹ، وہ کہتا ہوا تیزی سے لاؤنج سے نکل گیا تھا۔

یہ لڑکا بھی نا طوفان محل ہے، جب بھی آتا ہے جلدی میں ہی آتا ہے، کب عقل آئیگی اسے، اسکے جانے کے بعد سماہر بیگم بڑبڑائی تھیں۔

پورے ساڑھے 9 بجے ان دونوں کی بانکس یونی میں انٹر ہوئی تھیں۔

ایک جھٹکے سے بانک کو بریک لگا کر ضروریز نیچے اترا تھا۔

جبکہ زائر ایک اسٹائل سے ہیلمنٹ ہاتھ میں لیے ہنوز بانک پر ہی بیٹھا تھا۔

ہے یو، ضروریز نے زائر کو مخاطب کیا تھا۔

میرے پاس تمہاری بکواس سننے کے لیے زرا بھی وقت نہیں، اور نا ہی تمہاری فضول گوئی سننے میں کوئی دلچسپی ہے، اسلیے میرا راستہ چھوڑو مجھے بانگ پارک کرنی ہے، زائر نے اسکی بات نظر انداز کرتے ہوئے حاکمانہ انداز میں اپنی بات مکمل کی تھی۔

مجھے بھی تمہاری بات سننے کا کوئی شوق نہیں، اور یہ حکم تم کسی اور پر چلانا لینڈ فار یور کاسٹڈ انفارمیشن، (اور تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے)

یہ میری پارکنگ ہے کیونکہ میں پہلے یہاں پہنچا ہوں، اسلیے مزید میرا وقت برباد کیے بنا، اپنی یہ کھٹارا سائیڈ کرو، ضروریز نے تپے ہوئے لہجے میں اسکی برانڈ نیو ہیوی بانگ کو کھٹارا کہتے ہوئے اپنا بدلہ چکایا تھا۔

میں تمہارے دل کا حال سمجھ سکتا ہوں، پر کیا ہے نا، زائر خان جہاں کھڑا ہوتا ہے نا، وہ جگہ اسکی ملکیت ہوتی ہے، اور میں چاہوں تو یہ پارکنگ کیا، یہ پوری یونی کھڑے کھڑے خرید لوں، اسلیے ڈونٹ کریٹ میلو ڈرامہ، وہ اب بانک سے اتر کر اسکے مقابل کھڑا اسکی طرف دیکھ کر اپنے ازلی مغرورانہ انداز میں کہتا اسے آگ لگا گیا تھا۔

یہ ہی بات میں بھی کہہ سکتا ہوں، پر وہ کیا ہے نا قبل ازوقت جیت کے نشے میں چور ہو کر خوشیاں منانے والے لوگ پاگل کہلاتے ہیں، اصل مزہ تو تب ہے جب تم یہ الیکشن جیت کے دیکھاؤ، ضریر نے سب باتیں ایک طرف کر کے اسے الیکشن کے لیے چیلنج کیا تھا۔

چیلنج کر رہے ہو؟ زائر نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

یہی سمجھ لو، کیونکہ جیت تو تم ویلے بھی نہیں سکو گے، ضریر کا انداز اٹل سا تھا۔

تو پھر ٹھیک ہے، چیلنج ایکسیپٹڈ، زائر خان یہ الیکشن جیتے گا بھی اور تمہیں ہرائیگا بھی، چیلنج ایکسیپٹڈ، زائر خان نے پراعتماد انداز میں کہتے ہوئے اسکا چیلنج قبول کیا تھا۔

وی ول سی، ضروریز نے تنفر سے کہتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

یاہ وی ول، زائر کہتا ہوا بنا اس پر ایک نگاہ ڈالے اسکے قریب سے گزر گیا تھا۔

ضروریز نے غصہ سے ہوا میں مکا چلایا تھا۔

الیکشن کی وجہ سے اسکی کافی کلاسز مس ہونی تھیں وہ جانتا تھا، مگر اسے اس سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

وہ "خان" تھا، لندن یونیورسٹی آف بزنس ایڈمنسٹریشن کا ٹاپر، اسکا تعلیمی ریکارڈ شاندار تھا اسے بھلا چند کلاسز مس کرنے سے کیا فرق پڑ جاتا تھا۔

کیونکہ وہ چاہے یونی آئے نا آئے، ٹاپ اسے ہی کرنا تھا، اسی چیز نے اسے مغرور بنا دیا تھا۔

اوپر سے وہ مشہور بزنس مین سفیر خان کا بیٹا تھا، جن کے فنڈز اکثر بیشتر یونی میں آتے رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی پروفیسر یا پرنسپل اسے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔

مگر بحر حال وہ کچھ دیر کو شور شرابے سے بچنے کے لیے کلاس کی جانب بڑھ گیا تھا۔

بلو جینس پر وائٹ شرٹ پہنے اور اپنی نیلی مغرور آنکھوں کو بلیک گلاسز سے کور کیے
شانے پر ایک سائیڈ بیگ لٹکائے وہ شاہانہ انداز میں چلتا کلاس روم میں انٹر ہوا تھا۔

اس نے سر واجد سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا، اور چلتا ہوا اپنی مخصوص نشست
تک پہنچا تھا، جو کہ ابھی بھی خالی ہی تھی۔

سارے اسٹوڈنٹس اسی کی طرف متوجہ تھے، خاص کر لڑکیاں، جنہیں وہ سرے سے نظر انداز
کرتا آگے بڑھ چکا تھا۔

اسٹاپ مسٹر خان، سر واجد نے غصے سے اسے روکا تھا۔

یس؟ خان پلٹا تھا، اور بیزاریت سے انکی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

آریو ان یور سینس؟ (کیا تم اپنے حوش میں ہو؟) سر واجد نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔

نو سر ایبسلوٹلی آئی ایم ناٹ، اینڈ دا پروف از مائی پریزنس ان یور کلاس، (نہیں سر یقیناً میں نہیں ہوں، ثبوت میری آپکی کلاس میں موجودگی ہے) وہ باظاہر سنجیدگی سے کہتا گہرا طنز کر گیا تھا، جس کے پیچھے کی وجہ سے سر واجد اور صرف وہی واقف تھے۔

سر واجد نے اسے گھورا تھا۔

اسکی بات پر کلاس میں دبی دبی ہنسی اور سرگوشیاں گونجنے لگیں تھیں۔

سائینس، سر واجد کی آواز پر کلاس میں سناٹا چھا گیا تھا۔

جبکہ خان اپنی بات مکمل کرتے ہی اپنی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

ناؤ یو کین اسٹارٹ دا لیکچر، (اب آپ لیکچر شروع کر سکتے ہیں) وہ سیٹ پر کافی اسٹائل سے بیٹھا اونچی آواز میں بولا تھا، جبکہ انداز تحکمانہ سا تھا۔

اس کی آواز پر سوچوں میں گم سر واجد چونکے تھے۔

اب وہ اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بنا ایک بار پھر سے اپنے لیکچر کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔

الیکشنز کی تیاریوں کی وجہ سے آج سر جبار کی کلاس نہیں ہے، ایک لڑکی نے دوسری کو بتایا تھا۔

افف یعنی اب 1 گھنٹہ فری، مطلب خواری، ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوتی زروا نے اس لڑکی کی بات سنتے ہی دل میں سوچا تھا۔

خیر، وہ اپنی چادر سنبھالتی اپنا بیگ تھامے ایک جانب بڑھنے لگی تھی۔

وہ ایم۔ اے انگلش کے فرسٹ ایئر میں تھی۔

یعنی یہ اسکا یونی میں پہلا سال تھا اور اسکی کسی سے زیادہ جان پہچان نا تھی۔

چلو آج یونی ہی گھوم لیا جائے، زروا نے سوچتے ہوئے ایک جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔

وہ ابھی کچھ ہی دور گئی تھی کہ اسے محسوس ہوا کوئی اسکا پیچھا کر رہا ہے، اس نے جلدی جلدی قدم اٹھانا شروع کر دیے تھے۔

کیونکہ یہ یونی کا کافی ویران گوشہ تھا اس لیے اسے اب ڈر لگنے لگا تھا۔

زروا نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نا تھا۔

اس نے سکون کا سانس لیا تھا اور سامنے والے ڈیپارٹمنٹ میں فریال کو بلانے چل دی تھی۔

فریال اور عانیہ آرٹس کی اسٹوڈنٹس تھیں، اور اکثر ساتھ ہی پائی جاتی تھیں۔

زروا کی بھی عانیہ سے بنتی تھی، اسی وجہ سے ان تینوں کی کافی گہری دوستی تھی۔

تیاریاں کیسی چل رہی ہیں؟ اس نے کال پک کرتے ہی پوچھا تھا۔

لیس باس سب اوکے ہے، جیت آپکی ہی ہوگی ہوگی ان شاء اللہ دوسری طرف سے جوش سے بتایا گیا تھا۔

اوکے فائن، اس نے کہتے ہی کال کاٹ دی تھی، اور ایک جانب چل دیا تھا۔

زیڈ۔ کے کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی۔

ضویرز اپنے گروپ کے ساتھ یونی کے کارڈور میں تھا۔

جب اپنے دھیان میں چلتا خان وہاں پہنچا تھا۔

اسے دیکھتے ہی اتحاد پارٹی کے میمبرز نے نعرے لگانے شروع کر دیے تھے۔

اتحاد پارٹی زندہ باد

اتحاد پارٹی زندہ باد

خان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش کروادیا تھا۔

اسکے صرف ایک اشارے پر ہی وہاں گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

ضوریز نے ناگواری سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

خان کی آنکھوں میں بھی اسکے لیے نفرت تھی۔

جیتے گی تو ہمدرد پارٹی ہی، آخر کو اپنے ضوریز خان کی پارٹی ہے، ایک منچلے نے کمیٹنٹ پاس کیا تھا۔

کیوں بھئی اتحاد پارٹی کسی سے کم تو نہیں، اپنے خان سے جیتنا امپا سبل، ایک اور کمیٹنٹ دیا گیا تھا۔

بکواس بند کرو تم سب اپنی، ضوریز دھاڑا تھا۔

خان نے ایک تحقیر بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

ضوریز اب چلتا ہوا اسکے مقابل آیا تھا۔

خان نے بیزاگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

سمجھتے کیا ہو خود کو؟ بہت ہی کوئی اونچی شے ہو تم؟ ایک اشارے پر ہجوم کو خاموش
کروایا تو تمہیں لگ رہا ہے تمہارے اشارے پر ہی سب ووٹز تمہیں مل جائیں گے، اور تم جیت
جاؤ گے؟ ہے نا؟ ضوریز تمسخر بھرے انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

سب انکی جانب متوجہ تھے۔

حیرت انگیز طور پر خان خاموشی سے اسکی بات سن رہا تھا، اور جب بولا تو ضوریز کو آگ لگا گیا تھا۔

جو میں ہوں وہ تم چاہ کر بھی نہیں بن سکتے، اس لیے کوشش بھی مت کرو، اور ہاں جیتنا خان کے خون میں شامل ہے، اسی لیے خان کو دوسروں کی طرح جیتنے کے لیے کسی قسم کی تگ و دو کی ضرورت نہیں، وہ اپنے اسی مغرورانہ انداز میں بولا تھا، جو اسکے لہجے کا حصہ تھا۔

اسکی بات نے سامنے کھڑے ضوریز کو آگ ہی تو لگا دی تھی۔

لسن یو، ضوریز غصے میں سیدھے ہاتھ کو پیچ کی طرح اٹھاتا اسے مارنے اسکی جانب بڑھا تھا۔

خان نے سیکینڈ سے بھی کم وقفے میں اسکی کوشش ناکام کی تھی۔

آں ہاں، مانا تمہیں اپنی باکسنگ کے جوہر دیکھانے کا بہت شوق ہے پر ابھی نہیں، یہ
فائٹ تم پر ڈیو رہی، وہ کیا ہے نا، مجھے ضروری کام ہے، اسلیے فالتو لوگوں کے منہ لگ کر
میں اپنا ٹائم ویسٹ نہیں کرنا چاہتا، سو گڈ بائے کزن، وہ کہتا ہوا ایک جھٹکے سے اسکا ہاتھ
جھڑکتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

بلڈی ایڈیٹ، اسکے جانے کے بعد ضروریز تلملاتے ہوئے غصے سے دھاڑا تھا۔

عانیہ تم فری ہو؟ زروا نے لائبریری سے نکلتی عانیہ سے پوچھا تھا۔

ہاں بس فری ہی ہوں، کوئی کام ہے کیا؟ عانیہ نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

ارے نہیں یا، آج کلاسز نہیں ہیں تو میں سوچ رہی تھی گھر ہی چلی جاؤں، پر ابھی ڈرائور
نہیں آیا اور میں موبائل گھر بھول آئی ہوں، اس لیے سوچا تمہارے سیل سے کال کرلوں، زروا
اب اس کے ساتھ چلتی اسے بتا رہی تھی۔

ایسا کرتے ہیں ہم دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں میری بھی کوئی کلاس نہیں ہے اب، عانیہ
نے اسے بتایا تو زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ اور عانیہ ایک ساتھ ہی چل دی تھیں۔

یہ بے وقوف زروا عانیہ کے ساتھ کیوں جا رہی ہے، اس نے دونوں کو ایک ساتھ کار میں
بیٹھتے دیکھ دل ہی دل میں سوچا تھا۔

خیر آئی ڈونٹ کیئر اس نے سوچتے ہوئے قدم ایک جانب بڑھا دیے تھے۔

اسکا رخ اپنی پسندیدہ جگہ کی طرف تھا کیونکہ وہ جس کام کے لیے یونی آیا تھا وہ ہنچکا تھا۔

"میں نے سب راستوں کو ناپا ہے"

"تم سے بس چاند تک کی دُوری ہے"

زروا کے نانا کرنے کے باوجود عانیہ اسے "ضوریز ہاؤس" لے آئی تھی۔

ارے میری گریا زروا آئی ہے، عانیہ کے ساتھ آتی زروا کو دیکھ کر سماہر بیگم خوشی سے کھل اٹھی تھیں۔

زروا انکی بھتیجی ہونے کے ساتھ ساتھ انکی پیاری دوست زونیرہ ناز کی واحد نشانی تھی۔

کسی زمانے میں ہنس مکھ اور شریر سی زونیرہ ناز اور نرم مزاج خان زادی سی سماہر خان
آفریدی کی دوستی مثالی رہی تھی۔

انہیں بھائی بھابھی کے علاوہ بھی زروا بے حد عزیز تھی، جبکہ زروا کی بھی سماہر بیگم سے
بہت بنتی تھیں۔

اسلام و علیکم پھوپھو جان، اس نے اپنے خوش اخلاق لہجے میں انہیں سلام کیا تھا۔

و علیکم اسلام، آجاؤ میرا بچہ، پھوپھو کی جان، سماہر بیگم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے
ساتھ لگا کر پیار کیا تھا۔

انہوں نے ہمیشہ سے زروا کو اپنے اکلوتے لاڈلے کے حوالے سے دیکھا تھا۔

کیسی ہیں آپ پھوپو جان؟ زرو اب انکے ساتھ بیٹھی ان سے حال چال پوچھ رہی تھی۔

جبکہ عانیہ صوفے پر بیٹھی مسکراتی ہوئی پھوپھی بھتیجی کے لاڈانجوائے کر رہی تھی۔

اسی وقت وہ لاؤنچ میں انٹر ہوا تھا۔

اسے سامنے دیکھ زرو کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

اسکے ایک شالڈر پر بیگ تھا جبکہ ایک ہاتھ میں موبائل، وہ ایک شان سے چلتا ہوا انکے قریب پہنچا تھا۔

ہیلو لیڈیز آپ سب ایک ساتھ؟

واؤ واؤس اپ؟ اب وہ اپنے مزاج سے ہٹ کر شوخ سے لہجے میں پوچھتا صوفے پر زروا
کے عین سامنے ٹک چکا تھا۔

جبکہ کسی کام سے عانیہ وہاں سے جا چکی تھی۔

وہ بظاہر تو مزاق کے سے انداز میں پوچھ رہا تھا مگر اسکی نظروں کا مرکز زروا ہی تھی۔

زروا کو اسکی نظروں سے کوفت ہونے لگی تھی۔

کچھ نہیں بیٹا جی بس، ہماری زروا بیٹی آئیں ہیں تو ان سے ہی باتیں ہو رہی تھیں، سماہر
بیگم نے مسکراتے ہوئے بیٹے کو جواب دیا تھا۔

اوائی سی، ضوریز نے سماہر بیگم کی بات پر اوہ کہتے ہوئے ہونٹ سکیڑے تھے۔

ویلے لالہ آپ آج اتنی جلدی کیسے؟ عانیہ جو کہ اس کے یلے ہی ملک شیک لے آئی تھی، ضوریز کی طرف گلاس بڑھاتے ہوئے اب اس سے پوچھ رہی تھی۔

بس آج فری تھا سو گھر آگیا، مختصر جملے کہتے ہوئے اس نے گلاس تھاما تھا۔

ویلے میری گریا تو بہت سمجھدار ہے، تمہیں یاد تھا میں جب اس وقت گھر پر ہوتا ہوں تو اسٹابری شیک ہی لیتا ہوں؟ ضوریز نے سپ لیتے ہوئے سوال کیا تو عانیہ مسکرا دی تھی۔

جی بلکل، میں اپنے لالہ کی پسند اچھے سے جانتی ہوں، اسکی بات پر سماہر بیگم ہنس دی تھیں۔

تھینکس گریٹا، ضوریز نے اپنی لاڈلی بہن کی اپنے لیے فکر محسوس کرتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

تم بھی بہن کا کچھ خیال کر لیا کرو، سماہر بیگم نے اسے چھیڑا تھا۔

زروا کو انکے بچ اپنا آپ مس فٹ محسوس ہوا تھا۔

کر تو لیا موم، دیکھیے نا، آج کا دن میری پیاری سی بہن کے نام، میں اپنا سارا ٹائم اسی کے ساتھ اسپینڈ کرونگا، بظاہر یہ بات اس نے عانیہ کے لیے کہی تھی، مگر زروا اسکے الفاظ اچھے سمجھ گئی تھی۔

یہ بھی خوب کہی تم نے، سماہر بیگم اپنے بیٹے کی، بہن کے لیے فکر دیکھ نہال ہوئی تھیں۔

مگر آج تو زروا بھی یہاں ہیں، تو اب ضوریز خان انہیں بھی اپنی بہترین کمپنی سے نوازے گا۔

زروا کی طرف دیکھ کر ایک ادا سے کہتا وہ زروا کو سخت زہر لگا تھا۔

اسکی اس بات پر، زروا نے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

جبکہ عانیہ اور سماہر بیگم ہنس دی تھیں۔

تم سے تو بس باتیں بنوالو، اسکی مسلسل چلتی زبان سے، زروا کو بے آرام ہوتے دیکھ، سماہر بیگم نے اسے گھورا تھا۔

تو سہی تو کہہ رہا ہوں موم یہ تو اچھا ہی ہونا میں گھر آگیا، ڈیئر کزن بھی یہاں موجود ہیں، آئی ہوپ یہ بھی تمہارے لالہ کی کمپنی انجوائے کریں گی، کیوں عانیہ؟ وہ زو معنی انداز اور اپنے اسی دلنشین انداز میں بولتا زروا کو چونکا گیا تھا۔

اسکی گرے آنکھوں میں شرارت رقصاں تھی۔

اسکی بات سن کر عانیہ اور سماہر بیگم مسکرا دی تھیں جبکہ زروا کا دل مارے خوف کے بہت زور سے دھڑکا تھا۔

وہ صدا کا اکھڑ مزاج ضوریز خان آج ناجانے اسکی یہاں موجودگی سے کیوں اتنا خوش ہو رہا تھا۔

ہاں بالکل لالہ آپ ہیں ہی ایسے، کوئی بھی آپکا ساتھ پسند کریگا، عانیہ عام سے انداز میں بولی تھی۔

جبکہ ضوریز نے اسکی بات پر اپنا ہی مطلب نکالے ہوئے زروا کو اسمائل پاس کی تھی۔

پھوپو میں اب چلتی ہوں، میں نے عانیہ کے موبائل سے تائی جان کو اسکے ساتھ آنے کے متعلق ٹیکسٹ کر دیا تھا، وہ اب پریشان ہو رہی ہونگی، سماہر بیگم سے کہتی وہ ضوریز خان کو نظر انداز کر گئی تھی۔

اسکا یہ انداز ضوریز کو سخت ناگوار گزرا تھا۔

ارے کوئی پریشان نہیں ہوتا، بھابھی جان سے میں خود بات کر لوں گی، ابھی تو آئی ہو، آج تم یہیں رکو گی، سمجھیں؟ سماہر بیگم پیار بھری دھونس سے بولی تھیں۔

مگر پھوپو جان مجھے اپنا اسائنمنٹ بنانا ہے، جس پر میں کافی ٹائم سے کام کر رہی ہوں، زروا نے ایک اور عذر تراشا تھا۔

ضوریز اس کا گریز اچھے سے سمجھ رہا تھا۔

اور ایٹمیڈ کہیں کی، سمجھتی کیا ہے خود کو، میں کیا اس کے لیے مرا جارہا ہوں، ریش،
ضوریز نے دل ہی دل میں غصے سے سوچا تھا۔

ارے تو آپکی اسائنمنٹ میں بنوادونگا نازوا، موم اتنے پیار سے کہہ رہی ہیں، رک جائے نا،
ضوریز اپنے غصے پر قابو پاتا معصومیت سے بولا تھا۔

ہاں زوا، لالہ کی ناچ بہت زبردست ہے، کوئی سا بھی ٹاپک ہو، یہ اسے بہت آسانی سے
کور کر لیتے ہیں، عانیہ نے بھی اسکی تائید کی تھی۔

زواتنذب کا شکار ہوئی تھی، کہاں کچھ ملے اس بدتمیز شخص کے سامنے بیٹھنا دشوار ہو رہا
تھا، کجا یہاں رکنا، اور یہ پہلی مرتبہ ہی ہوا تھا کہ وہ اسے یوں زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

ورنہ ضرور اپنے کام سے کام رکھتا تھا، مگر جب سے زروا کے لیے اسکا انداز بدلا تھا، زروا کو اس سے ڈر لگنے لگا تھا۔

بس پھر آپ رک رہی ہیں، اُس فائل، سماہر بیگم نے فیصلہ سنایا تھا۔

زروا صرف جی کر کے رہ گئی تھی۔

عانہ جاؤ بہن کو اپنے روم میں لے جاؤ، آپ سب جا کر فریش ہوں جائیں، جب تک میں کھانا تیار کرواتی ہوں سماہر مسکرا کر کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں تمہیں۔

جبکہ ضرور بھی اٹھ کر اپنے روم کی جانب چل دیا تھا۔

تم ایسا کرو میرے روم میں جاؤ، اور میرا کوئی بھی ڈریس لے کر فریش ہو جاؤ، میں بس آدھے گھنٹے تک اپنی پینٹنگ کو فائل کر کے کر روم میں آتی ہوں، پھر ہم لنچ کرسنگے اور اسکے بات ڈھیر ساری باتیں، عانیہ نے سیکینڈز میں پروگرام ترتیب دیا تھا۔

زرا اثبات میں سر بلاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اکثر یہاں آتی رہی تھی، اس لیے اسے عانیہ کا روم معلوم تھا۔

یہ دوپہر 2 بجے کا وقت تھا جب وہ فریش ہو کر نکلی تھی۔

وہ اس وقت پنک کمر کی گھٹنوں تک آتی کرتی اور پنک ہی ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔

عانہ کے کب بورڈ میں اسی کی طرح ڈھیروں کی تعداد میں ٹراؤزر شرٹس موجود تھیں۔

ہر کمر وہاں موجود تھا، مگر زروا کو لائٹ کلرز پسند تھے۔

اسی لیے اس نے لائٹ پنک کا انتخاب کیا تھا۔

وہ اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے لمبے گھنے سنہری بالوں کو تویلے کی مدد سے آہستہ آہستہ خشک کر رہی تھی۔

اسی وقت روم ناک ہوا تھا۔

کم ان عانیہ، تم اپنے روم ہی میں آنے سے پہلے ناک کیوں کر رہی ہو، زروا نے مسکراتے ہوئے باہر موجود شخص کو عانیہ سمجھ کر اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

ساتھ ہی اس نے بالوں کا میسی جوڑا بناتے ہوئے دوپٹہ خود پر پھیلا دیا تھا۔

پھر بھی اسکے بالوں کی کچھ آوارہ لٹیں اسکے چہرے پر آہی گئی تھیں۔

اوہ مائی گاڈ، یو آر کلنگ گورجیئس ان دزپنک ڈریس، (اوہ میرے خدا، تم اس گلابی سوٹ میں خوبصورت لگ رہی ہو) اس نے اندر آتے ہی زروا کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے اسی ازلی منہ پھٹ انداز میں کمیٹ پاس کیا تھا۔

زروا تو اسے سامنے دیکھ ہی شرم سے پانی ہوئی تھی، اوپر سے اسکے الفاظ۔

افف، زروا کی بچی تو کیوں کی یہاں، وہ دل ہی دل میں جی بھر کے خود کو یہاں رکے پر
کوس چکی تھی۔

او ہیلو مس قومہ واپس آجاؤ، ضروریز نے اسے سوچوں میں غلطاں دیکھ طنزیہ انداز میں کہتے
ہوئے اسکے سامنے چٹکی بجائی تھی۔

اس نے چونک کر جلدی سے اپنے دوپٹے کا سرا سر پر لیا تھا۔

آپ کو شاید واقع ہی مینرز نہیں پتہ، جب من ہوا کسی بھی لڑکی کے روم میں یوں بنا
اجازت، آجاتے ہیں، تمیز نام کی چیز آپ کو چھو کر بھی نہیں گزری، زروا نے اسکی
طبیعت صاف کی تھی۔

ضروریز جو اسکے چہرے کے اتار چڑھاؤ نوٹ کر رہا تھا اسکی بات پر حیران ہوا تھا۔

او ہیلو، فرسٹ آف آل (او ہیلو سب سے پہلے) یہ کسی لڑکی کا نہیں میری بہن کا روم ہے، اسلیے مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا تم یہاں ہو۔

اینڈ سیکینڈ تھنگ، (اور دوسری بات) میں روم ناک کر کے ہی اندر آیا ہوں۔

اس بات کی گواہ آپ خود ہیں، کیونکہ آپ ہی نے کم ان کہا تھا، آپ اپنی ہی کہی بات نہیں جھٹلا سکتیں۔

اسلیے اپنے یہ مینرز والے لیکچر اپنے پاس رکھو، آئی سمجھ؟ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتا اسے جی بھر کے شرمندہ کر گیا تھا۔

اچھا بس مجھے آپ سے کوئی بحث نہیں کرنی پلیز آپ جائے یہاں سے، زروا نے مصلحت آمیز انداز اختیار کیا تھا۔

آں ہاں، ایسے کیسے، ابھی تو آیا ہوں اتنی جلدی بھی کیا ہے ڈیئر کزن، گھمبیر لہجے میں کہتا
وہ اب پڑی سے اترتا تھا۔

اسکے اس لب و لہجے پر زروا بدحواس ہوئی تھی۔

دیکھیں پلیز یہاں سے جائیے، زروا نے با مشکل یہ لفظ ادا کیے تھے۔

کیوں بھئی مس زروا خان آفریدی؟ آپ کو میری کمپنی نہیں پسند؟ ضرور اب اسکے سامنے
سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا بڑے مزے سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

مجھے آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دینا، زروا نے اسے گھورتے ہوئے اب کی بار
غصے میں جملہ مکمل کیا تھا۔

مگر ضرور نے اسے خلاف توقع کوئی جواب نا دیا تھا۔

اسے سنہری زلفوں والی اپنی یہ معصوم سی کزن شاید کچھ زیادہ ہی پسند آگئی تھی ورنہ ضرور
خان کوئی دل پھینک عاشق بالکل بھی نا تھا، وہ فلرٹ تھا، اسکی کافی ساری گرل فرینڈز رہ
چکی تھیں، مگر اس نے کبھی اپنی حدود نہیں پھلانگی تھی۔

وہ اب چلتا ہوا اسی کی جانب آ رہا تھا۔

عانیہ کا روم انتہائی شاندار اور وسیع تھا، ڈریسنگ ٹیبل سے ڈور تک کا فاصلہ کافی تھا۔

دیکھیں پھوپھو یا عانیہ میں سے کوئی یہاں آگیا تو کیا سوچے گا، اپنا ناسی میرا ہی خیال کر لیں،
پلیز یہاں سے جائیں، زروا نے اسے اپنی طرف آتے دیکھ روہانسی انداز میں کہا تو ضرور کے
قدم وہیں تھمے تھے۔

پلیز جائیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی، زروا نے اسے رکے دیکھ پھر سے کہا تو ضریرز
لمبے لمبے قدم اٹھاتا اسکے قریب پہنچا تھا۔

اسکے قریب آنے سے زروا کا سانس رکا تھا۔

انکے بیچ اب فاصلہ تقریباً 4 قدم کا تھا۔

جا رہا ہوں کیونکہ میری وجہ سے کوئی تمہیں کچھ کہے ایسا میں ہرگز بھی نہیں چاہوں گا،
انڈر سٹینڈ؟ اب وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اپنے اندر اٹھتے طیش پر قابو پاتے ہوئے
اس سے سوال کر رہا تھا۔

زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا گویا سب سمجھ گئی ہو۔

اس پل زروا کو محسوس ہوا تھا کہ ضریرز میں انسانیت باقی ہے۔

اینڈیس، میں یہ تمہارے بالکل بھی نہیں کر رہا، یہ میں اپنے لیے کہہ رہا ہوں، کیونکہ ضریر خان کو اپنی ایگو اپنی سیلف بہت عزیز ہے، میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمہاری وجہ سے مجھ پر انگلی اٹھائے، ڈیٹس اٹ، لگے ہی پل اس نے زروا کی غلط فہمی درست کی تھی۔

زروا کا دل اس پل شدت سے چاہا تھا، کہ کوئی وزنی چیز اٹھا کر اس مغرور شخص کے سر پر دے مارے، مگر وہ ایسا صرف سوچ سکتی تھی۔

ابھی کے لیے بائے بٹ بھولنا مت، ضریر کی نظر اب تم پر ہے، وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی واپسی کے لیے پلٹ گیا تھا۔

جبکہ زروا نے بنا اسکی آخری بات پر غور کیے فلحال تو بس اسکے وہاں سے چلے جانے پر ہی شکر ادا کیا تھا۔

ارے صائم تم اکیلے آگئے؟

نگین بیگم نے ابھی ابھی گھر میں داخل ہوتے ہوئے صائم کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔

کیا مطلب چچی جان؟ صائم نے حیرت سے پوچھا تھا۔

ارے بھئی، زروا اور مشعال ابھی تک گھر نہیں آئیں، شام کے 6 بج رہے ہیں، مجھے لگا انکی کوئی کلاس ہوگی اور ہمیشہ کی طرح آج بھی تمہارے ساتھ آجائیں گی، تو اسلیے تم سے پوچھا، نگین بیگم نے اسے وجہ بتائی تھی۔

نہیں چچی جان، آج تو زروا نے مجھ سے ایسا کچھ نہیں کہا، مگر مشعال ضرور ملی تھی، اسے میں لے آیا ہوں، وہ ابھی ابھی ہی مجھ سے آگے اپنے روم میں گئی ہے، اسکے ساتھ اسکی کوئی فرینڈ آئی ہے، جبکہ زروا نے مجھے آج ایکسٹرا کلاس کا نہیں بتایا، انفیکٹ آج کل تو یونی میں الیکشن کی تیاریوں کی وجہ سے کم ہی کلاسز ہو رہی ہیں، صائم نے انہیں تفصیل بتائی تھی۔

اچھا اچھا، میں نے نہیں دیکھا، میں ابھی روم سے نکلی ہوں۔

نگین بیگم نے اسکی بات پر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

مگر زروا کہاں رہ گئی وہ تو کبھی ایسے لیٹ نہیں ہوتی، انہیں اب زروا کی فکر ہوئی تھی۔

ہاں یہ تو میں بھی سوچ رہا ہوں، صائم بھی متفکر ہوا تھا۔

ارے نگین اور صائم بیٹا پریشان مت ہوں آپ دونوں، دوپہر میں اسکا ٹیکسیٹ آیا تھا وہ عانیہ کے ساتھ یونی سے نکلی تھی، پھر عانیہ اسے گھر لے گئی، سماہر کی کال آئی تھی، وہ اسی کے اسرار پر سماہر کی طرف رک گئی ہے۔

میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی۔

لاؤنج میں داخل ہوتی پلوشہ بیگم نے انہیں اصل بات سے آگاہ کیا تو دونوں ہی مطمئن ہو گئے تھے۔

شکر، میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی، نگین بیگم آہستہ سے بولی تمہیں۔

ہاں واقع ہی میں بھی تو پریشان ہو گیا تھا، صائم نے بھی انکی تائید کی تھی۔

ہو جاتا ہے ایسا، خیر اب تو سب کلیئر ہے، تو ڈرنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں،
پلو شہ بیگم مسکرا کر بولی تمہیں۔

چلیں ٹھیک ہے مومی جان، میں بھی چلتا ہوں پھر اپنے روم میں، صائم کہتا ہوا وہاں سے
چلا گیا تھا۔

خلاف معمول وہ آج ڈنر پر موجود تھا۔

تو صاحب زادے آج تم نے بھی ڈائینگ ٹیبل کو رونق بخش ہی دی۔

اسے ڈائینگ حال میں داخل ہوتے دیکھ، سفیر خان نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

جسے وہ نظر انداز کرتے ہوئے چیئر پر بیٹھ چکا تھا۔

آپ نے شاید سنا نہیں بیٹا جی ہم آپ سے مخاطب ہیں، اسے خاموش دیکھ کر انہوں نے
پھر سے طنز کیا تھا۔

باقی سب خاموش بیٹھے تھے۔

زائر خان نے سر اٹھا کر انکی جانب دیکھا تھا۔

جی فرمائیے میں سن رہا ہوں، بلکہ میں آپکا لیکچر سننے ہی تو آج خاص یہاں موجود ہوں۔

طنزیہ انداز میں جواب دیتا وہ انہیں بتا گیا تھا، کہ وہ انہی کا بیٹا ہے۔

دیکھ رہی ہیں آپ، کس قدر بدتمیز ہو گیا ہے یہ لڑکا، انہوں نے پلو شہ بیگم کی طرف دیکھ کر غصے سے کہا تھا۔

آپ کچھ کہہ رہے تھے غالباً، زائر نے انکی توجہ خود کی طرف کرواتے تھے۔

مراد خان کچھ کہنے والے تھے کہ نگین بیگم نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

تمہیں تو اپنے باپ داد کی اور خاندان کی عزت کا کوئی خیال نہیں مگر ہمیں تو ہے، اس لیے تمہارے لیے اچھا ہوگا تم جو یہ خرافات اپنے دماغ میں لیے گھوم رہے ہو نا جو یہ الیکشن اور سیاست کا بھوت تم پر سوار ہوا ہے، اسے جلد از جلد دماغ سے نکال دو ورنہ ہم سے برا کوئی نا ہوگا۔

آپ سے برا تو کوئی ہو بھی نہیں سکتا، زائر بڑبڑایا تھا۔

انہوں نے غصے میں اسے ٹھیک ٹھاک سنا دی تھی۔

کیا کہا تم نے؟ انہوں نے اسے گھورا تھا، آج پھر سے انکا جلالی موڈ آن ہوا تھا۔

سیاست میرا شوق ہے اور میں آپ کے لیے اپنا شوق ہرگز بھی نہیں چھوڑ سکتا سو آپ یہ بات اپنے دماغ سے نکال دیجئے کے میں آپکی بات مانوں گا، وہ بدتمیزی سے کہتا چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

یہ لب و لہجہ یہ انداز اسکی ذات کا حصہ ناتھے، مگر کچھ سال پہلے کے واقع نے اسے اس قدر سخت اور بے حس بنا دیا تھا۔

وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

یہ لڑکا ہمیں خوار کروا کر رہیگا، سفیر خان غصے سے بولے تھے۔

جبکہ اسکے جانے کے بعد آج ایک بار پھر سے پلو شہ بیگم جی بھر کے شرمندہ ہوئیں تھیں۔

اسے جب سے زروا کے "ضوریز ہاؤس" رکنے کا پتہ چلا تھا وہ شدید غصے میں تھا۔

وہ اس وقت اتنی ٹھنڈ میں بھی بنا کسی گرم کپڑے یا شال کے، رف سے حلیے میں لان میں موجود تھا۔

وہ یہاں سے وہاں ٹھلتا ہوا نا جانے کہوں اضطراب کی سی کیفیت میں تھا۔

بالاخر اس نے کچھ سوچتے ہوئے سماہر بیگم کے نمبر پر کال ملائی تھی۔

اسلام و علیکم پھوپھو جان، اسنے کال رسیو ہوتے ہی سلام کیا تھا۔

و علیکم اسلام میرا بچہ، آج میرے خان بیٹے کو بھی پھوپو کی یاد آہی گئی، سماہر بیگم کے لہجے میں اسکے لیے بے پناہ پیار تھا۔

جی پھوپو بس، وہ مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی، زائر بنا گفتگو کو لمبا کیے اصل بات کی طرف آیا تھا۔

جی ہماری جان بولے، ہم سن رہے ہیں، سماہر بیگم لاڈ سے بولی تھیں۔

وہ اصل میں مجھے یہ کہنا تھا کہ زروا کو آپ واپس بھیج دیں، اس نے جلدی جلدی میں صرف اتنا کہا تھا۔

اسکی بات پر سماہر بیگم چونکی تھیں۔

کیا مطلب بچے؟ کوئی پریشانی ہے؟ زروا میرے پاس بالکل خیریت سے ہے، انہوں نے اپنے مخصوص پر شفقت انداز میں اسے جواب دیا تھا۔

سماہر بیگم کے اس طرح کہنے پر زائر کو احساس ہوا تھا کہ وہ جلدی جلدی میں کچھ غلط بول گیا تھا۔

ارے نہیں، میرا مطلب تھا کہ فرقان چلو کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، وہ کبھی بھی نیند میں بھی زروا کو بلا لیتے ہیں، اور زروا ہی انہیں میڈیسنز دیتی ہے، وہ ہی پوچھ رہے تھے، فلحال تو میں نے انہیں ٹال دیا مگر آپ جانتی ہیں نا زروا ان سے بے حد ایج ہے سو، میں بس اس لیے کہہ رہا تھا، اس نے فورن بات سنبھالی تھی۔

اچھا اچھا ٹھیک ہے بچے میں سمجھ سکتی ہوں آپکی بات، آپ کی یہ کیئر دیکھ کر اچھا لگا،
میں اسے ابھی بھی بھیجتی ہوں، انہوں نے اسے نرمی سے جواب دیا تھا۔

جی ٹھیک ہے، تھینکس، زائر نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

ایک سیکنڈ پھوپو، میں نے آپ کو کال کی یہ کسی سے مت کہیے گا میں نہیں چاہتا میری
وجہ سے کوئی پریشان ہو، زائر نے اپنی پوزیشن پہلے ہی کلیئر کر دی تھی۔

اوکے میری بچے آپ بے فکر رہی، انہوں نے اسے اطمینان دلایا تھا۔

اوکے ٹیک کیئر پھوپو جان، زائر نے کہتے ہی رابطہ منقطع کیا تھا۔

یس آئی ون اگین، لوزر ضوریز خان آفریدی، زائر دل ہی دل میں کہتا، مسرور سا اپنے روم کی

جانب بڑھا تھا۔

زروا کے جانے کے بعد وہ اپنی پسندیدہ جگہ پر آگئی تھی

وہ اس وقت اپنے پینٹنگ روم میں موجود تھی، اور دانتوں میں برش دبائے، اپنی حال ہی میں مکمل ہوئی پینٹنگ کا جائزہ لے رہی تھی۔

فاٹلی پورے ایک ہفتے کی محنت کے بعد آج اسکی پینٹنگ مکمل ہو چکی تھی۔

اسکی نظریں پینٹنگ پر ہی جمعی تھیں، اور وہ خود جیسے کسی گرمی سوچ میں گم تھی۔

کیا کر رہی ہے میری گریٹا؟ وہ اپنے بابا کی پیار بھری آواز پر چونکی تھی۔

اسکے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

آپکو معلوم تو ہے بابا، فارغ وقت میں میرا ایک ہی مشغلہ ہے، اور وہ ہے پینٹنگ، بس اب بھی وہی کر رہی ہوں، اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

ساتھ ہی پھر سے پینٹنگ کا جائزہ لینے لگی تھی۔

اسکے سامنے کینوس پر ایک خوبصورت سی پینٹنگ تھی۔

جسے اس نے آج ہی مکمل کیا تھا۔

اچھا زرا میں بھی تو دیکھوں میری گڑیا کیا بنا رہی ہے، شہروز خان کہتے ہوئے اسکے برابر آن رکے تھے۔

موسٹ ویلکم بابا، عانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

پینٹنگ میں ایک چھوٹی سی بچی تھی، جس نے گلابی رنگ کی فراک پہنی تھی اور اسکے ہاتھ میں ڈھیروں رنگ برنگے پھول تھے۔

وہ بچی مسکراتی ہوئی ان پھولوں کو ہاتھ میں پکڑے، شاید کہیں جارہی تھی۔

واہ بھئی زبردست، بہت خوبصورت پینٹنگ بنائی ہے تم نے تو، انہوں نے دل سے اسے سرہایا تھا۔

ویسے آج پہلی بار ہماری گریڈ نے کوئی مسکراتی ہوئی پینٹنگ بنائی ہے، انہوں نے اسے چھیڑا تھا۔

انکی بات سن کر عانیہ مسکرا دی تھی۔

بابا آپ بھی نا، اس نے مصنوعی خفگی سے گھورا تو شہروز خان ہنس دیے تھے۔

اچھا بھئی بچے ہم تو مزاق کر رہے تھے، انہوں نے کہتے ہوئے اسکے گرد بازوؤں سے
پر شفقت حصار باندھا تھا۔

مجھے پتہ تھا بابا، میں بھی تو مزاق کر رہی تھی، کہتے ہی عانیہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

ہماری لاڈلی، ہمیشہ خوش رہو، اسے ہنستا دیکھ شہروز خان نے دل سچے سے دعا کی تھی، ان
کے لہجے میں باپ والی مخصوص شفقت تھی۔

یہ رات کے 10 بجے کا وقت تھا، اور اسکے عالیشان کمرے میں قبر جیسا اندھیرا تھا۔

وہ کمرے کی کھڑکی کے آگے کھڑا تھا جسکے دونوں پٹ کھلے تھے۔

بلیک سینڈوز کی بلیک ہڈ سر پہ تھی سوات میں ٹھنڈ بہت پڑتی تھی مگر ہوا زیادہ تیز نہ تھی۔

اسکے ہاتھ میں موجود سگریٹ کی روشنی اس گھپ اندھیرے میں کوئی ننھا سا جگنو محسوس ہو رہی تھی۔

وہ آسمان کو دیکھتے ہوئے بس کش لگانے میں مصروف تھا۔

آنکھیں لال تھیں ناجانے کس بات کا غصہ تھا اسے جسے وہ اندر ہی اندر دبا رہا تھا۔

اسکی سوچوں کا مرکز وہ دو شخصیات تھیں، جنہیں وہ سخت ناپسند کرتا تھا۔

اس کے اس رویے کی وجہ وہ واقع ہی تھا، ناجانے کیوں وہ 4 سال پہلے ہوئے اس واقع کو بھلا نہیں پا رہا تھا۔

اسے اس وقت بھی یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ضوریز خان کا زروا سے بات کرنا اسے کیوں برا لگتا ہے جبکہ زروا بھی تو اسکی مجرم تھی۔

ضوریز خان آفریدی وہ شخص تھا جس نے زائر خان آفریدی کو خود سے منصوب ہر رشتے کے لیے حس بنادیا تھا۔

تو زروا خان وہ لڑکی تھی جس نے اس حسین و وجیہ مرد کو پتھر دل بنایا تھا۔

یہ زائر خان کی سوچ تھی، اور سوچوں پر کسی کا بس نہیں چلتا۔

مگر خود کی زروا خان کے لیے یہ فکر اسے اندر ہی اندر ڈسٹرب کر رہی تھی۔

کیوں اسے ضرور خان کا زروا کے آس پاس رہنا طیش دلاتا تھا؟ یا یہ صرف اسکی ضرور خان کے لیے نفرت تھی، اسی وجہ سے اسے یہ سب اتنا پریشان کر رہا تھا۔

پوری یونی میں اسٹون مین کے نام سے مشہور، بلاشبہ وہ شخص، بے مثال تھا، مگر کچھ باتیں ایسی تھیں جہاں آکر وہ خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔

وہ تھی زروا سے متعلق اسکی سوچ، وہ جتنا اس سے پیچھا چھڑاتا تھا، وہ لڑکی اتنی ہی اسکے خیالوں میں آتی تھی۔

وہ اسکے عشق میں گرفتار ہرگز بھی نہ تھا بلکہ اسکی وجہ تو اسکی زروا سے شدید قسم کی نفرت تھی، (جو کہ اس

کی سوچ تھی شاید حقیقت کچھ اور ہی تھی)

پچھلے 4 سال سے ضوریز سے اسکا مقابلہ چل رہا تھا، جس میں کبھی جیت اسکی ہوتی تھی کبھی بازی ضوریز لے جاتا تھا مگر انکی یہ جنگ جاری رہتی تھی نا جانے آگے چل کر یہ ہار جیت کا یہ کھیل کیا رنگ لانے والا تھا۔

اسکی زندگی کا عین مقصد ضوریز خان کو برباد کرنا تھا، یہ اسکا خیال تھا۔

مگر تف ہے اس پر جو کبھی کسی پر اسکی یہ سوچیں آشکار ہوئی ہوں، وہ لمحوں میں تاثرات بدلنے کا ہنر رکھتا تھا۔

کوئی بھی شخص ہزار بار بھی اس سے مل کر اسے سمجھ نہیں پاتا تھا۔

زائر خان ایک پھیلی تھا، جسے سلجھانا ہر کسی کے بس میں نا تھا۔

"تیرے حسن نے _____ یہ راز کھولا ہے"

"صنم حسین ہو تو نیت بدل ہی جاتی ہے"

ایک جھٹکے سے اسکی لینڈکروز "خان ہاؤس" کے سامنے کی تھی۔

خلافِ توقع پورا راستہ وہ خاموش ہی رہا تھا جبکہ زروا نے بھی دل ہی دل میں اسکے خاموش رہنے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

گاڑی کی آواز سن کر زائر فورن پورچ میں آیا تھا۔

اسے ضوریز کے ساتھ گاڑی سے اترتے دیکھ اسکی پیشانی پر بل پڑے تھے۔

جبکہ ضوریز کے چہرے پر زومعنی مسکراہٹ تھی۔

زروا اسے سامنے دیکھ حیران ہوئی تھی، مگر پھر سر جھٹک کر اس کے قریب سے گزرنے لگی تھی، ابھی وہ کچھ ہی قدم آگے بڑھی تھی جب زائر کی رعب دار آواز ماحول میں گونجی تھی۔

اسٹاپ مس زروا خان آفریدی، زائر نے انتہائی غصے میں تقریباً دھاڑ کے کہا تھا۔

زروا کی روح فنا ہوئی تھی جبکہ قدم وہیں تھم گئے تھے۔

ہے خان، والس رائگ و دیو؟ (ہے خان، تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے) ضرور کو اسکا یہ انداز ناگوار گزرا تھا، اسلیے فورن بول پڑا تھا۔

او جسٹ شٹ یور ماؤتھ، آئی ایم ناٹ ٹالکنگ و دیو، انڈر سٹینڈ (او اپنا منہ بند رکھو، میں تم سے بات نہیں کر رہا) زائر پہلے سے کئی گناہ تیز آواز میں چلایا تھا۔

یہ اوائل نومبر کے دن تھے، سردیوں کی آمد آمد تھی، رات کے 10 بجے ہی ہر طرف ہوکا سا عالم تھا۔

ایسے میں اسکی غصے سے بھری آواز زروا کو سردی سے زیادہ کپکپانے پر مجبور کر گئی تھی۔

جبکہ ضریرز کو اس سے کوئی فرق نا پڑا تھا وہ ہنوز اسی طرح اپنی کار سے ٹیک لگائے ایک اسٹائل سے کھڑا تھا۔

اوکے ٹیک آچل، کوز آئی ایم آلسوناٹ انٹرسٹڈ ٹو ٹالکنگ و دیو، (اوکے ٹھنڈ رکھو، کیونکہ مجھے بھی تم سے بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں) ضریرز اسی کے انداز میں اسے جواب دے کر واپسی کے لیے پلٹا تھا۔

یاہ دزاز بیٹر فار یو، (ہاں یہ تمہارے لیے اچھا ہے) زائر طنزیہ انداز میں کہتا ضریرز کو آگ لگا گیا تھا۔

مقصد اسے روکنا تھا جس میں وہ کامیاب رہا تھا۔

ضریرز کا گاڑی کے دروازے کی طرف بڑھتا ہاتھ تھما تھا۔

ضوریز اسی وقت پٹ کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا اسکی جانب آیا تھا۔

اس بات سے کیا مطلب ہے تمہارا ہاں؟ تمہیں لگتا ہے میں تم سے ڈرتا ہوں؟ وہ اب اشتعال آمیز انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا

زائر بنا اسے جواب دیئے ایک نفرت بھری نگاہ سامنے اس شخص پر ڈالے ہوئے، زروا کی طرف پلٹا تھا۔

زروا کی طرف اٹھتا زائر کا ایک ایک قدم زروا کو سہما رہا تھا۔

ناجانے اب وہ اسے لفظوں کے کونے زخم دینے والا تھا، زروا جانتی تھی زائر خان اس سے بے حد نفرت کرتا ہے، جس کا اظہار بھی وہ اکثر اپنے رویے سے کرتا رہتا تھا۔

زروا کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے جو دیکھا تھا اس کا ساتھ دے بیٹھی تھی۔

مگر وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی زائر کی نظر میں مجرم ٹھہرا دی گئی تھی۔

وہ زروا سے نفرت کرتا تھا اور بہت شدید کرتا تھا، وہ اسکی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نا جانے دیتا تھا، اسکا یہ رویہ زروا کے ننھے سے دل کو توڑ دیتا تھا۔

زائر اس کے پاس آکر رکا تھا اور اپنی لہو رنگ ہوتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

اسکی خود پر جمعی غیض و غضب سے بھری نگاہوں سے اس پل زروا کو بے حد خوف محسوس ہوا تھا۔

لسن تم سے میں بعد میں نیٹونگا، تم صرف اندر جا کر اپنا منہ بند رکھنا، اور کسی پر یہ ظاہر مت کرنا کہ تمہیں واپس میں نے بلایا ہے، انڈر سٹینڈ؟ زائر نے اپنی بات کہہ کر آخر میں اس سے پوچھا تھا۔

زروا جو کہ حیرانگی سے اسکی بات سن رہی تھی بے اختیار ہی اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

گڈ، ناؤ یو مے گو، (اب تم جاسکتی ہو)

ضویریز کو اسکے اس حاکمانہ انداز سے چڑ تھی، وہ ہر کسی پر رعب جھاتا رہتا تھا۔

زروا کو جیسے زندگی کی نوید مل گئی تھی، وہ بنا اسکی جانب دیکھے دوڑنے کے انداز میں وہاں سے نکلی تھی۔

زائر اب پلٹ کر ضویریز کی طرف آیا تھا۔

تم یہ جو الٹی سیدھی حرکتیں کرتے پھرتے ہونا ان سے باز آجاؤ کیونکہ اگر میں نے تمہیں اپنے طریقے سے سمجھایا تو یقیناً تمہیں میرا طریقہ بالکل پسند نہیں آئیگا، زائر اب اسکی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں اسے وارننگ دے رہا تھا۔

جسکا ضروریز پر اثر ہونا ناممکن ہی تھا۔

پہلے تو تم زروا پر اپنی حکومت جتنا بند کرو، اور دوسری بات یہ، مت بھولو کہ اس رات زروا نے بھی میرا ساتھ دیا تھا، تمہیں شکست دینے میں، وہ طنزیہ انداز میں کہتا اسکے زخموں کو ادھیڑ گیا تھا۔

اسکی بات پر بے اختیار ہی زائر کا ہاتھ اٹھا تھا، جسے ضروریز نے باآسانی روک لیا تھا۔

یو بلڈی، زائر نے اسے پیچ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا۔

آں ہاں ڈیئر کزن، اپنی ہی بات سے پھر رہے ہو؟ میں جانتا ہوں تمہیں اپنے زور بازو پر بڑا ناز ہے، اور اپنی طاقت کے جوہر دیکھانے کا بھی بڑا ہی شوق ہے، مگر وہ کیا ہے نافلحال میرے پاس تمہاری یہ فضول خواہشات پورا کرنے کا وقت نہیں ہے، اسلیے الیکشن کے بعد فرصت سے اس بارے میں سوچونگا؟ ویلے تو تم الیکشن ہار کر یونی میں نظر ہی نہیں آؤگے اور اگر آ بھی گئے تو ضوریز کو چیلنج کرنے کی ہمت کبھی نا کر سکو گے۔

ضوریز اس سے بھی زیادہ سرد لہجے میں بولتا ہوا، اسی کے کلمے اپنے ازلی مغرورانہ انداز میں اسے لوٹا گیا تھا۔

جیت سے پہلے جیت کا جشن منانے والے لوگ بے وقوف کہلاتے ہیں غالباً ایسا ہی کچھ بکا تمہانا تم نے؟ ویلے تم ابھی تقریباً ایسا ہی کچھ کر رہے تھے۔

زائر اب طنزیہ انداز میں اس سے سوال کرتا اسے اسکی بات یاد دلا رہا تھا۔

ضوریز نے دانت کچکچائے تھے۔

ہے یو ڈونٹ بی اور اسمارٹ، (ہے تم زیادہ ہوشیار مت بنو) ضوریز ایک ایک لفظ چبا کر بولا تھا۔

جو میں ہوں مجھے وہ بننے کی ضرورت نہیں، جسے ضرورت ہے وہ ان سب باتوں پر غور کرے، فلحال میں چلتا ہوں وہ کیا ہے نا میرا وقت بہت قیمتی ہے جسے میں تم جیسے دوکے کے آدمی کے ساتھ بحث کر کے برباد نہیں کرنا چاہتا، سو بھائی بیڈ نائٹ، ہیو آ بارر ڈریمز، زائر مزے سے بات مکمل کرتا اسے تپاتے ہوئے واپسی کے لیے پلٹ گیا تھا۔

اور کانفیڈنس لے ڈوبتا ہے مسٹر زائر خان آفریدی، ضوریز کی پاٹ دار آواز پر زائر کے قدم تھمے تھے۔

زائر خان وہ ستارہ ہے جو چمکنے کے لیے بنا ہے، اسلیے تم بے فکر رہو، میں ڈوبا تو تمہیں
بھی ساتھ لے کر جاؤںگا، وہ بنا مڑے اسے جواب دیتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

کون ڈوبتا ہے اور کون نہیں، یہ تو وقت بتائیگا خان، ضریر سوچتے ہوئے غصے میں کار کی
جانب بڑھا تھا۔

اسکی آنکھ کھلی تو گھڑی صبح کے 9 بج رہی تھی۔

رات والا واقع سرے سے اسکے زہن سے نکل چکا تھا۔

اومائی گاڈ یہ کیا ہوا، میں آج یونی کے لیے لیٹ ہو گئی، زروا نے سر پر ہاتھ مارا تھا اور فورن
بیڈ سے اتری تھی۔

او نو آج تو اسائنمنٹ سمٹ کروانا تھا، زروا سوچتے ہوئے کپڑے لینے کب بورڈ کی جانب
بڑھی تھی۔

جلدی جلدی، میں جو ہاتھ میں آیا نکال کر فریش ہونے واشروم کی جانب بھی تھی۔

گلے 15 منٹس میں وہ مکمل ریڈی تھی۔

وائیٹ کلر کی لانگ شرٹ جس کی نیک اور دامن پر ملٹی کلر کی ملتانئی کڑھائی تھی، اور
وائیٹ ٹراؤزر پہنے وہ بے انتہاء خوبصورت لگ رہی تھی۔

جبکہ زیڈ۔ کے کا لوکٹ پوری شان سے اسکے گلے میں جگمگا رہا تھا۔

لبے گھنے سنہری بالوں کو اس نے چوٹی کی شکل دی تھی۔

اس نے اپنا ملٹی کلر شیفون کا دوپٹہ سر پر سلیقے سے سیٹ کیا تھا اور مہرون شال خود پر اچھے سے لپٹا کر وہ مطمئن سی نظر خود پر ڈال کر اپنا بیگ اٹھاتی باہر کی جانب بڑھی تھی۔

بلو جینس پر وائیٹ شرٹ، اور بلو ہی لیڈر کی جیکٹ پہنے، وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا، بلاشبہ وہ مردانہ وجاہت کا مکمل شاہکار تھا اور اسکی سرخ و سفید رنگت پر یہ کلرینچ رہا تھا۔

اپنے بھورے بالوں کو اس نے اسٹائل سے جیل سے سیٹ کیا تھا، جبکہ نیلی سمندر سی آنکھوں کو بلیک گلاس سے کور کرتے ہوئے، اس نے خود پر پرفیوم اسپرے کیا تھا، وہ

بے پناہ وجیہ مرد تھا، مگر وہ مسکراتا بہت کم تھا، اس وقت بھی اسکے عنابی لب آپس میں سختی سے پیوست تھے، اس نے اپنا موبائل اور کی چین اٹھایا تھا اور روم سے نکلا تھا۔

آج اسے پھر سے صبح صبح ایک پارسل موصول ہوا تھا۔

یہ صائم کے ساتھ اب اکثر ہونے لگا تھا۔

اسے ہر مہینے ایک پارسل ملتا تھا۔

جس میں کسی خوبصورت منظر کی پینٹنگ ہوا کرتی تھی، جبکہ ساتھ ہی وہی مخصوص ہینڈ رائٹنگ والا مختصر سا پیغام ہوتا تھا۔

آج پھر اس انجان شخص نے اسے پینٹنگ بھیجی تھی۔

یہ ایک بہت خوبصورت پینٹنگ تھی، جس میں ایک لڑکی ایک درخت سے بندھے جھولے پر بیٹھی تھی، اس جگہ پر دور دور تک سبزہ پھیلا تھا، اسکے کھلے بال ہوا سے پیچھے کی طرف اڑ رہے تھے اور وہ چہرہ اٹھا کر آسمان کو دیکھ رہی تھی، آسمان پر پھیلے دھنک کے رنگ جیسے اسکے چہرے پر بھی بکھرے تھے، اس خوبصورت پینٹنگ میں رنگوں کا جہان آباد تھا پر مکمل اور اس قدر خوبصورت ہوتے ہوئے بھی اس پینٹنگ میں کہیں کچھ کمی تھی؟

ہاں...؟

وہاں خوشی کے رنگوں کی کمی تھی، اس پھول چہرہ لڑکی کی حسین آنکھوں میں خوشی کے رنگ نہ تھے بلکہ ان میں اداسی تھی جہاں ہلکی ہلکی نی کا گمان ہوتا تھا، وہ حسین آنکھیں

حسرت سے آسمان کو دیکھ رہی تھیں، جیسے انہیں کسی چیز کی کمی ہو، جیسے ان میں کوئی
انجانا سا دکھ ہو۔

صائم مہبوت سا پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا جب اسکی نظریں پینٹنگ کے بالکل آخر میں نیچے کہ
طرف خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھے اس پیغام پر کی تھیں۔

"کیپ اسمائل آلویز، یور ویل وشر"

فنٹاسٹک، اسکے منہ سے بے اختیار یہ لفظ ادا ہوئے تھے۔

مختصر سا پیغام تھا مگر لفظ تھے کہ کوئی سحر، صائم بنا اسے دیکھے بنا اس سے لے ہی، اس
ویل وشر کے سحر میں جکڑنا جا رہا تھا، اب اس کا اس انجانی شخصیت سے ملنا ضروری ہو گیا
تھا۔

اتنا تو صائم جان گیا تھا کہ وہ ویل وشر کوئی لڑکی تھی، لیکن آخر وہ تھی کون؟ جو اس کی
اس قدر دیوانی تھی؟

بے اختیار ہی صائم خان آفریدی کے لب مسکرائے تھے، چاہے جانے کا سرور ہی ایسا تھا۔

اس پانی سے شفاف دل شہزادے کے دل کا حال کچھ اس غزل جیسا تھا۔

میرے اجنبی میرے آشنا؟

کبھی کاش تجھ سے میں کہہ سکوں؟

کہ یہ ساعتیں ہیں کھٹن بہت!

میرے زخم۔ جاں کے طبیب آ

میرے تن بدن سے بھی ربط رکھ۔!

میری روح کے بھی قریب آ

میرے اجنبی میرے آشنا

کبھی کاش تجھ سے میں کہ سکوں!

میں بھی بن تیرے ناب رہ سکوں۔

اب تو تمہیں ڈھونڈنا ہی ہوگا مائی ویل وشر، اور ایک نا ایک دن صائم خان تمہیں ضرور ڈھونڈ نکالے گا، اس نے مسکراتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

صائم وہ پینٹنگ بھی پچھلی 4 پینٹنگز کے ساتھ رکھ کر روم سے باہر نکلا تھا

یہ اس کا دوسرا راونڈ تھا، وہ دو راونڈ مکمل کر چکا تھا وہ اپنی فٹنس کے ساتھ کبھی سمجھوتا نہیں کرتا تھا۔

اس نے کان میں ہیڈ فونز لگا رکھے تھے وہ گراؤنڈ سے باہر آچکا تھا۔

ابھی وہ گراؤنڈ سے باہر ہی آیا تھا کہ اسکے موبائل پر کال آ رہی تھی ۔

ضوریز نے موبائل اسکرین پر بابا جان کالنگ دیکھ کر فورن کال رسیو کی تھی۔

لیس بابا آئی ایم کمنگ، ضروریز نے منہ بنا کر ہاں میں جواب دیا تھا اور ضروریز ہاؤس کی جانب چل دیا تھا۔

تائی جان میرا آج یونی جانا بہت ضروری ہے، مجھے اپنا اسائنمنٹ سمٹ کروانا ہے، زروا نے پلوشہ بیگم کو بتایا تھا۔

ز بی بی گھر کا 3 گاڑیاں تو باہر گیا ہے، اور جو ہیں انکا ڈریور نہیں ہے، اب آپ کیسے جائیگا؟ گل نے بھی گفتگو میں حصہ لینا ضروری سمجھا تھا۔

زروا کے لے یہ بات شک ہی تو تھی، کیونکہ اس وقت 10 بج رہے تھے، اسے ہر حال میں 11 بجے کلاس میں پہنچنا تھا۔

اب کیا کروں؟ زروا ادا سی سے بولی تھی۔

تائی جان میں پبلک ٹرانسپورٹ سے چلی جاؤں؟ زروا نے پوچھتے ہوئے اجازت طلب نگاہ سے انکی جانب دیکھا تھا۔

خبردار ایسا سوچا بھی، ہماری لاڈلی اب بسوں میں دھکے کھاتی پھرگی؟ بالکل بھی منظور نہیں یہ ہمیں، انہوں نے قطعی اندازم کہا تھا مگر انکا لہجہ نرم ہی تھا۔

زروا نے منہ بسورا تھا۔

میں کچھ بولوں جی، گل جو پوری توجہ سے انکی باتیں سن رہی تھی، پھر سے بولی تھی۔

گل یہ منع کرینگے تم تب بھی بولوگی ہی، اس لیے بول ہی لو تم، اندر آتی نگین بیگم نے
بولے کے ساتھ اسے گھورا تھا۔

ہی ہی ہی، گل ہنسی تھی۔

اب پھوٹو بھی، پلوشہ بیگم نے اسے لتاڑا تھا۔

زررا تو پریشان کھڑی تھی۔

تائی جان نے صائم کو کال کی تو وہ کلاس میں تھا، ورنہ زررا کو یونی جانے میں کوئی
مسئلہ ہی نا ہوتا۔

وہ خان بابا بھی تو گھر میں ہی ہیں، اگر بڑی بیگم بولینگے تو کیا پتہ وہ، میرا مطلب، گل
جھجکی تھی۔

جبکہ پلوشہ بیگم مسکرا دی تھیں، انہیں اسکی آدھی بات کا پورا مطلب سمجھ آ گیا تھا۔

زروا کا تو سانس رک گیا تھا، خان کا نام سن کر، کجا وہ اسکے ساتھ جاتی، اس سے پہلے وہ انکار کرتی، تائی جان کی بات نے اسے خاموش کروا دیا تھا۔

گل ویلے تو تم بہت بے وقوف ہو، پر آج تم نے بہت عقلمندی والی بات کی ہے۔

پلوشہ بیگم کی بات پر گل شرمائی تھی۔

جی وہ تو بس میں ہوں ہی سیانی، گل دانت نکوستے ہوئے بولی تھی۔

اب جاکر کام کرو اپنا، نگین بیگم نے اسے مزید پھیلنے دیکھ فورن وہاں سے بھگایا تھا۔

زروا بیٹا تم چادر سہی کر کے باہر آؤ، میں ابھی اسے کہتی ہوں تمہیں بھی ساتھ لے جائے،
تائی بیگم کہتے ہوئے کچن سے جا چکی تھیں۔

زروا ناچاہتے ہوئے بھی انکے پیچھے کچن سے نکلی تھی۔

یہ ایک خوبصورت و عالیشان لان کا منظر تھا۔

جہاں ایک 8 سالہ معصوم سی ہیزل گرین آنکھوں اور سنہری بالوں والی ایک بے حد
خوبصورت بچی بال ہاتھ میں اٹھائے کھڑی تھی۔

جبکہ اسکے عین سامنے ایک 12 سالہ لڑکا کھڑا تھا جو اسکا بہترین دوست تھا۔

وہ لڑکا بھی کوئی کم حسین نا تھا۔

نبیلی آنکھوں والا وہ لڑکا ہاتھ میں بیٹ تھا مے شاٹ لگانے کو ریڈی تھا۔

جبکہ کسیر کی ڈیوٹی انجام دیتا لڑکا جو کہ اس بیٹ والے لڑکے کا ہی ہم عمر تھا، بھی اپنی پوزیشن سنبھالے کھڑا تھا۔

اس بچی کے دونوں ساتھی بچے بھی آس پاس ہی تھے۔

اسی وقت اس بچی نے بال ڈالی تھی اور سامنے کھڑا وہ لڑکا غلط شارٹ کھیل کر جان بوجھ کر آؤٹ ہو گیا تھا۔

ہپ ہپ ہرے، ہم جیت گئے، زروا مارے خوشی کے چلاتی ہوئی اپنے ساتھیوں کی جانب بھاگی تھی۔

جبکہ زائر کے اس طرح غلط شارٹ کھیل کر آؤٹ ہونے پر اسکے دونوں ساتھی مشعال اور ضوریز ہکا بکا اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کے انہیں اس سے ایک بار پھر غداری کی توقع نہیں تھی۔

جبکہ دوسری طرف زروا صائم اور عانیہ کے ساتھ مل کر اپنی جیت سیلیبرٹ کر رہی تھی اس بات سے انجان کے وہ نیلی آنکھوں والا لڑکا اسے اس طرح خوشی سے جھومتا دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اسکی وجہ سے اسکی ٹیم ہار چکی ہے۔

ابھی شائد وہ اس مشغلے میں مصروف رہتا کے ضوریز کے غصے سے پکارنے پر وہ انکی طرف
متوجہ ہوا تھا۔

یہ فاؤل ہے زائر ضوریز نے اسے دیکھتے ہوئے غصے میں کہا تھا۔

جبکہ مشعال نے بھی اسکی تائید کی تھی لیکن زائر ہنوز مسکراتے ہوئے ان دونے کے
غصے سے پھولے ہوئے چہرے دیکھ رہا تھا۔

پھر زائر کی یہی مسکراہٹ مشعال کو غصہ دلا گئی تھی اور اگلے ہی پل وہ پاؤں پٹختی ہوئی
وہاں سے واک اوٹ کر گئی تھی۔

ضوریز نے اسے تاسف سے دیکھا تھا۔

تم زروا کو خوش کرنے کے لیے ہمیشہ مشعال کے ساتھ ناانصافی کرجاتے ہو زائر، ضروریز
کا لہجہ سرسری سا تھا۔

یار میں کیا کروں، میں اسے اداس نہیں دیکھ سکتا یو نو ڈیٹ، زائر کا انداز بے بسی لیے
تھا۔

اسکی بات سن کر ضروریز نے ایک لمبا سانس لیا تھا، اور زروا کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

ان سے کچھ فاصلے پر ہی زروا، عانیہ اور صائم کے ساتھ کھڑی کھلکھلاتی ہوئی باتوں میں
مشغول تھی۔

اسے ہنستا دیکھ ضروریز کو بھی سکون سا محسوس ہوا تھا۔

اسے بھی اب زائر کی بات سے کچھ کچھ اتفاق سا ہوا تھا۔

وہ بھی تو زروا کو خوش دیکھنا چاہتا تھا، تو پھر بھلا وہ کیسے زائر سے مستفوق نا ہوتا؟

اسے مسکراتے دیکھ، زائر نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اور وہ دونوں ہنستے ہوئے اندر کی جانب چل دیئے تھے۔

کافی دنوں بعد آج وہ ڈائینگ ٹیبل پر موجود تھا۔

مگر اس وقت وہ اکیلا ہی تھا، کیونکہ سفیر خان، فرقان خان اور مراد خان آفس جا چکے تھے۔

جبکہ صائم اور مشعل یونی میں تھے۔

اب گھر میں صرف پلوشہ بیگم، نگین بیگم اور زروا ہی تھے۔

وہ اس وقت موبائل میں کچھ چیک کرتا ہوا، جوس کے سپ لے رہا تھا۔

خان بیٹا، آپ فری ہیں؟ پلوشہ بیگم کی بات پر خان نے نگاہ اٹھا کر انکی جانب دیکھا تھا۔

وہ دونوں اس وقت کیفے ٹیریا میں موجود تھیں۔

آج کل تم اپنی اس کزن کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتیں؟ کیا بات ہے کہیں

دوستی دوستی تو نہیں ہوگئی؟ میسہ علی نے تاک کر نشانہ لگایا تھا۔

مشعال حسب معمول تلملا اٹھی تھی۔

جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، اسی طرح مشعال خان اور زروا خان کبھی دوست نہیں بن سکتیں، سمجھیں؟ وہ انتہائی اشتعال بھرے انداز میں بیسہ علی سے پوچھ رہی تھی۔

اوہ آئی سی، بیسہ علی نے صرف اتنا کہا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ مزید کوئی بکواس کرتی، مشعال وہاں سے اٹھ کر باہر کی جانب چل دی تھی۔

جبکہ بیسہ علی مسکراتی ہوئی موبائل کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔

بلیک جینس پر ریڈ شرٹ اور بلیک اپر پہنے وہ وہاں سب سے نمایاں تھا۔

اسکی گرے مغرور آنکھوں میں کچھ کر دکھانے کا عزم تھا۔

الیکشن کے دن نزدیک تھے، ہر کوئی اپنی اپنی پارٹی کو سپورٹ کر رہا تھا اور اسے جیتانے کے لیے مختلف قسم کی کوششیں کر رہا تھا۔

وہ بھی اس وقت اپنے سپورٹرز سے مخاطب تھا۔

نرم و گھمبیر لہجے میں عوام سے مخاطب وہ شخص وہ کہیں سے بھی اس وقت روڈ اور مغرور
ضویرز خان آفریدی نہیں لگ رہا تھا۔

ماحول میں خاموش رقصاں تھی، صرف ایک اسی کی آواز گونج رہی تھی، سب جیسے صرف اسے سننے ہی وہاں آئے تھے۔

دیکھیے میں کوئی بہت بڑے دعوے ہرگز نہیں کرونگا، صرف اتنا کہوں گا کہ آپ لوگ ایک دفعہ مجھے ضرور آزمائیں، یقین جانیں، ضوریز خان آفریدی اپنے وعدوں سے پیچھے نہیں ہٹتا، مجھے بس آپ سب کی سپورٹ کی ضرورت ہے، اور وہ کیا کہتے ہیں، ہاں آزمائش شرط ہے، اینڈ میں اس نے بات کو مزاحیہ رخ دے دیا تھا۔

اسکی بات پر ماحول گل گلزار ہوا تھا۔

سب ہمدرد پارٹی زندہ باد کے نعرے لگانے لگے تھے۔

ایک فخریہ مسکراہٹ نے ضوریز کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

آج وہ جلدی یونی آیا ہی اسی وجہ سے تھا۔

اسکا مقصد زیادہ تر اسٹوڈنٹس کو اپنی طرف کرنا تھا۔

اسکی چارمنگ پرسنالٹی نے آدھا کام تو کر ہی دیا تھا۔

آدھی سے زیادہ گرلز اس ہینڈسم اور خوبو سے ضروریز آفریدی کی طرف تھیں، جبکہ اب کافی سارے بوائز، جو کہ اسے کاپی کرتے تھے وہ بھی اسکے اسٹائل سے متاثر ہو کر اسی کی طرف تھے۔

وہ سب سے ایسکیوز کرتا، شاداں فرحاں سا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

میں یونی کے لیے نکل رہا ہوں، اس نے موبائل میں کچھ چیک کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔

بیٹا آپ زروا کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں، آج یہ لیٹ ہو گئی ہے، پلو شہ بیگم نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

زائر کو جھٹکا لگا تھا، جبکہ انکے پیچھے کھڑی زروا کا دل اسکے ساتھ جانے کا سوچتے ہی کانپنے لگا تھا۔

مومی جان میں؟ زائر نے ایک دم سر اٹھا کر انکی جانب دیکھتے ہوئے حیرت سے سوال کیا تھا۔

یہاں آپکو کوئی اور دکھ رہا ہے؟ پلوشہ بیگم نے سنجیگی سے استفار کیا تھا۔

آف کورس ناٹ مومی جان، (یقیناً نہیں مومی جان) زائر نے بیزاریت سے جواب دیا تھا۔

تو پھر، آپ ہی سے کہہ رہی ہوں، آپ زروا کو بھی ساتھ لے کر جارہے ہیں، ڈیٹس مائی آرڈر، (یہ میرا حکم ہے) انہوں نے اسے اسی کے انداز میں ڈیل کیا تھا، اور بس یہی وہ شخصیت تھیں، جنکی وہ کوئی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔

بٹ مومی جان، اس نے زروا کو گھورتے ہوئے، کچھ کہنا چاہا تھا۔

بٹ وٹ کچھ نہیں، جائیں آپ دونوں، دیر ہو رہی ہے، پلوشہ بیگم نے بات ختم کی تھی۔

اوکے فائن، اس نے بالاخر اوپر کے دل سے ہاں کر ہی لی تھی، جبکہ دل ہی دل میں زروا کو کچا چبا چکا تھا۔

زروا بیٹا جاؤ، انہوں نے کب سے خاموش کھڑی زروا سے کہا تو وہ جی کہہ کر مرے مرے
قدموں سے آگے آئی تھی۔

جبکہ زائر بنا اسکی جانب دیکھے باہر کی طرف بڑھ چکا تھا۔

زروا اسکے پیچھے جلدی سے پورچ میں آئی تھی۔

وہ باہر آئی تو زائر اپنی بیوی بانگ کے پاس کھڑا ہیلمنٹ سر پر رکھ چکا تھا۔

ہم اس پر جائینگے؟ زروا نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

ظاہر ہے، اب تمہارے لیے میں پرائیویٹ چوپر تو ہائیر کرنے سے رہا، اس نے طنزیہ جواب دیا تھا، اسکا دل تو چاہ رہا تھا سامنے کھڑی زروا کو جان سے مار دے۔

زروا کو اس کے اس طرح جواب دینے پر غصہ آیا تھا مگر وقت کا تقاضا تھا کہ غصہ تھوک دیا جائے ورنہ کہیں یہ بدتمیز انسان اسے یہیں ناچھوڑ جائے۔

او ہیلو، میں تمہاری طرح فارغ نہیں ہوں، یہ کھڑی کھڑی سونے کا کام تم بعد میں کر لینا، سٹ ہیئر، مجھے لیٹ ہو رہا ہے، اس کی طنز سے بھرپور آواز پر زروا چونکی تھی۔

بٹ مجھے اس پر بیٹھنا نہیں آتا، زروا نے شرمندگی سے جواب دیا تھا۔

اب کی بار زائر ہیلمنٹ اتار کر اس کی جانب آیا تھا۔

واؤ، ون مور نیو انفارمیشن، (واہ ایک اور نئی خبر) اس نے تالی بجاتے ہوئے گویا زروا کا مزاق اڑایا تھا۔

زروا کا چہرہ خفت کے مارے سرخ ہوا تھا۔

مگر میں اسی پر یونی جاتا ہوں اگر بیٹھنا ہے تو بیٹھو ورنہ یہیں رہو، میں کوئی تمہارا سرونٹ نہیں ہوں جو یہاں کھڑا تمہارے نخرے برداشت کرونگا، انڈر سٹینڈ؟ اس نے منہایت بدتمیزی سے کہتے ہوئے اینڈ میں اس سے سوال کیا تھا۔

مم میں بیٹھ رہی ہوں، زروا نے ڈرتے ڈرتے ہاں میں جواب دیا تو زائر بنا اسکی جانب دیکھے بانک پر بیٹھ چکا تھا۔

زروا نے ڈرتے ڈرتے بانک پر پاؤں رکھا تھا، اور ہمت کر کے اسکے ساتھ لڑکیوں جیسے ہی بیٹھ گئی تھی۔

اوسیلو مس جاہل، یہ کیسے بیٹھ رہی ہو تم ہاں؟ تم میری انسلٹ کرواؤ گی پکا، اوگاڈیہ میں کہاں پھنس گیا، زائر نے بیزاگی سے پیچھے مڑ کر کہا تھا، اور بانک سے اترا تھا۔

اترو، اس نے اپنے اسی اکھڑ انداز میں کہا تو زروا حیران ہوئی تھی۔

آئی سیڈ اترو، اب کی بار وہ دھاڑا تھا۔

زروا فورن بانک سے نیچے اتری تھی۔

کک کیا ہوا؟ اس نے آہستہ سے پوچھا تھا

جیسے میں بیٹھونگا تم بھی ویلے ہی بیٹھو سمجھی؟ اس کی بات پر زروا کا دم خشک ہوا تھا۔

نونیور، میں ایسے کبھی نہیں بیٹھونگی، زروا نے ہٹ دھرمی سے جواب دیا تھا، اس وقت وہ اسے وہی بچپن والی زروا لگی تھی جو ایک دھڑلے سے اس سے اپنی ضد منوالیا کرتی تھی۔

اب تم مجھ سے زبان چلاؤ گی؟ زائر بولتا ہوا ایک دم اسے قریب آیا تھا۔

زروا بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

وہ میں زبان نہیں چلا رہی، میرا مطلب، زروا نے ہکلاتے ہوئے تھوک نکلا تھا۔

پھر کیا کر رہی تھی؟ زائر کے انداز سے اسکی جان ہوا ہوئی تھی۔

مم تو بس، کچھ کہنے کے لیے زروا کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

جبکہ زائر نے دو قدم اور آگے بڑھائے تھے۔

اب مزید پیچھے ہونے کے لیے جگہ باقی نا رہی تھی، زروا اب کے بانک سے جا لگی تھی۔

دیکھیں آپ، اسکی ہیزل گرین آنکھوں میں خوف کی لکیر تھی۔

زائر نے ایک ہاتھ بانک کی سیٹ پر رکھا تھا۔

زروا نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں تھی۔

زائر کو وہ اس وقت بہت معصوم اور ہر قسم کے فریب سے پاک لگی تھی۔

دیکھ رہا ہوں، وہ گھمبیر لہجے میں بولے ہوئے، اس ظالم و جابر زائر خان کو جیسے کہیں پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

وہ سرخ و سفید رنگت قدرتی انار ہونٹ اور ہیزل آنکھوں والی حسین لڑکی ہرگز بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھی۔

اسکے دونوں گالوں پر پڑنے والے ڈمپلز میں کسی کا بھی دل ڈوب سکتا تھا۔

جبکہ ہونٹوں کے عین نیچے سیاہ تل اسکی خوبصورتی میں چار چاند لگاتا تھا۔

وہ شبم کے پہلے قطرے کی طرح صاف و شفاف لڑکی دل کی بھی اتنی ہی صاف تھی، اسے دیکھ کر کوئی بھی پاگل ہو سکتا تھا۔

20 سالہ زروا اپنے نازک سراپے کی وجہ سے کوئی کانچ کی گڑیا ہی تو لگتی تھی۔

زروا خان آفرید پر یہ شعر صادق آتا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر، یقین ہوتا ہے"

"دنیا واقعی ہی خوبصورت ہے"

مگر مقابل بھی کوئی ایرا غیرا تو نا تھا، جو اس کے حسن پر دل ہار بیٹھتا، وہ زائر خان آفریدی
تھا جو مقابل کو چاروں شانے چت کرنے کا ہنر جانتا تھا۔

جو حسن و وجاہت میں اپنی مثال آپ تھا۔

جسکی ایک نظر کے لیے ہزاروں لڑکیاں منتظر رہتی تھیں۔

مگر اسکا دل تسخیر کرنا کوئی عام سی بات تو نا تھی۔

مگر وہ کہتے ہیں نا؟

"کچھ خاص دلوں کو عشق کے الہام ہوتے ہیں"

"محبت معجزہ ہے اور معجزے کب عام ہوتے ہیں"

زائر کی نظروں کے ارتکاز اور گھمبیر لہجے سے زروا نے پٹ سے آنکھیں کھولی تو اس کی اس قدر قربت پر اسکی ہتھیلیوں سے پسینہ پھوٹنے لگا تھا۔

جبکہ اسکا نازک سا وجود لرز رہا تھا۔

میں بیٹھ جاؤنگی آپکی طرح، پلیز پیچھے ہٹیں، زروا کی آواز پر زائر چونکا تھا اور فورن اپنے خول میں سمٹا تھا۔

نوپ، چلو تم، ہم کار میں چل رہے ہیں، کہتے ہوئے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنی ہیلکس کی جانب بڑھا تھا۔

زروا حیرانگی سے اپنی ناہموار سانسوں پر قابو پاتی اس دھوپ چھاؤں سے شخص کی تقلید میں اسکے پیچھے چل دی تھی۔

آئی ایم ناٹ یور سرونٹ سو آگے آکر بیٹھو، زروا کو بیک ڈور اوپن کرتے دیکھ زائر نے بے حد سرد انداز میں بولا تھا۔

زروا فورن آگے آکر بیٹھ گئی تھی۔

اس کے بیٹھتے ہی زائر نے زن سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

ایسا نہیں ہو سکتا، نو نیور، ہی از مائن، تم جھوٹ بول رہے ہو، 16 سالہ زروا سامنے کھڑے لڑکے کی بات سن کر ہتھ سے اکھڑ گئی تھی۔

میں تم سے جھوٹ کیوں بولونگا زروا؟ تم جانتی تو ہو وہ میرا بھی تو فرینڈ ہے، وہ 20 سالہ لڑکا مکاری سے چال چل رہا تھا۔

مگر زروا خان اپنے پارٹنر پر خود سے بڑھ کر یقین کرتی تھی اسلیے وہ اتنی آسانی سے اس کی باتوں میں آنے والی نا تھی۔

کی اسٹوڈنٹ تھی اور اس وقت کالج سے نکل کر th یہ چھٹی کا وقت تھا، وہ کلاس 9 اپنے ڈرائیور کو ڈھونڈ رہی تھی جب وہ لڑکا اسکے راستے میں آیا تھا۔

آج عانیہ اور مشعال کالج نہیں آئیں تھیں اسلیے زروا اکیلی ہی تھی اور منان علی یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے سکتا تھا، اسی لیے اس نے اپنے پلان کے مطابق اپنی چال چل دی تھی۔

مگر زروا اس کے لیے ٹیڑھی کھیر ثابت ہو رہی تھی، وہ اسکی کسی بات کو ماننا تو دور سننے کو بھی راضی نا تھی۔

میں نے خود اسے اس لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے زروا ٹرسٹ می، منان چہرے پر دنیا جہان کی مسکینیت طاری کیے ہمدردی سے بولا تھا۔

آئی ڈونٹ کیئر، آئی سیڈ ہی از مائن دین ہی از مائن، انڈرسٹینڈ، (مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا،
میں نے کہا وہ میرا ہے تو میرا ہے، سمجھے) اسے خشمگین نگاہوں سے گھورتی وہ چلا کر بولی
تو کافی لوگ انکی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

منان علی نے گھبرا کر آس پاس دیکھا تھا۔

تم بے شک میری بات مت مانو بٹ تم دیکھنا میں تمہیں یہ پروف کر کے دیکھاؤں گا، منان
علی لوگوں کو متوجہ ہوتا دیکھ اب کی بار قدرے آہستہ سے بولا تھا۔

ہو کیئرز کہتے ہوئے زروا نے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

اسے اسی وقت اپنی کار آتی دیکھائی دی تھی۔

ہٹو میرے راستے سے ورنہ زائر سے کہہ کر تمہاری واٹ لگوا دوں گی۔

اسے وہیں جھے دیکھ زروا نے اسے زائر کی دھمکی دی تو منان علی دانت پیستا ہوا غصے میں وہاں سے چلا گیا تھا۔

یہ ہے نابلس جلتا ہے میرے خان اور میرے فریڈ سے، ریس تو جیت نہیں سکتا بڑا آیا مجھے بھڑکانے، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

خیر مجھے کیا، جیتیں گے تو میرے پارٹنرز ہی، وہ سر جھٹک کر 3 دن بعد ہونے والی اپنے دونوں پارٹنرز کی بانگ ریس کا سوچتے ہوئے مسرور سی اپنی کار کی جانب بڑھ گئی تھی۔

یہ سوچے بنا کہ آج سے 3 دن بعد جو ہونے والا تھا اس سے ان سب کی زندگی بدل جانی تھی۔

ان زندہ دل لوگوں کے ساتھ قسمت جانے کونسا کھیل کھیلنے والی تھی۔

تو کیا محبت نفرت پر حاوی ہونے والی تھی؟

یا پھر جیت اس دفعہ نفرت کا مقدر تھی؟

یہ رات 10 بجے کا وقت تھا جب وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر لاؤنج آئی تھی۔

لاؤنج میں اس وقت فرقان خان سفیر خان مراد خان اور صائم میچ دیکھنے میں مصروف تھے۔

جبکہ پلوشہ بیگم اور نگین بیگم ایک طرف صوفے پر بیٹھی گھر میں ہر بار کی طرح اس بار بھی ہونے والی سالانہ محفلِ میلاد کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔

یہ انکے گھر کا رواج سا بن گیا تھا۔

"خان پبلیس" میں سب ہی لوگ اپنے اپنے کالج یونی اور آفس میں، جبکہ خواتین گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھیں۔

مگر 12 ربی الاول کے دن گھر میں ہونے والا جینٹس کے محفل میلاد اور لیڈیز کی قرآن خوانی میں سب ہی لوگ لازمی موجود ہوتے تھے، یہ انکا ہر سال کا معمول تھا۔

زروا مسکراتی ہوئی پلو شہ بیگم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اس نے حوش سنبھالے ہی چچی اور تائی کو ہی اپنی ماں کے روپ میں دیکھا تھا، وہ محض 4 سال کی تھی جب ایک دن اچانک زونیرہ فرقان خان آفریدی ہارٹ اٹیک کی وجہ سے اسے چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں تھیں۔

ایسے میں ننھی سی زروا کو پلوشہ بیگم اور نگین بیگم نے ہی سنبھالا تھا۔

جبکہ سماہر خان آفریدی بھی اس سے کچھ کم محبت نا کرتی تھیں، زروا انکی سب سے پیاری دوست اور انکے فرقان لالہ کی اکلوتی اولاد تھی، دوست کے حوالے سے بھی زروا انہیں بے حد عزیز تھی۔

زروا نے ماں کا رشتہ کھو کر جو رشتے پائے تھے۔

ان میں سے 1 نام، اسکے اس مخلص ساتھی کا بھی تھا جس نے اسے اس وقت کسی نازک گریٹا کی طرح سنبھالا تھا، جو اسکا دوست ہمدرد رازدار، اور محافظ سب کچھ تھا۔

وہ شخص تھا زائر خان آفریدی۔

وہ خود سے 4 سالہ چھوٹی زروا کو اس طرح ٹیٹ کرتا تھا جیسے وہ کوئی کانچ کی گریٹا ہو جو ہاتھ لگانے سے ٹوٹ جائیگی۔

اس کے منہ سے نکلا ہر لفظ ہر بات اور ہر خواہش پوری کرنا زائر خان اپنا فرض سمجھتا تھا۔

وہ اکثر اپنی پوکٹ منی سے اسکے لیے کھانے پینے کی مختلف اشیاء اور کھلونے، لایا کرتا تھا، جنہیں پاکر زروا کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

اسے خوش دیکھ زائر کو بھی تو دلی خوشی محسوس ہوتی تھی، وہ دیوانہ تھا اس کے گال پر پڑتے ان ڈمپلز کا، اسکی معصوم مسکراہٹ کا، اسکی بے ضرر سی شرارتوں کا اور اس کی ہر اک ادا کا۔

سنہری بالوں والی وہ گریٹا زروا بھی تو اسکی دیوانی تھی، وہ بھی اس سے اس قدر مانوس ہو چکی تھی کہ وہ اب اپنی ہر ضد اس سے منوانا اپنا حق سمجھتی تھی۔

یہ کہنا غلط نا ہوگا کہ زروا خان میں زائر خان کی آفریدی کی جان بستی تھی اور اگر اس " خان پیلیس " میں کوئی ہستی زائر خان آفریدی کو اپنی انگلیوں پر نچا سکتی تھی تو وہ تھی زروا خان آفریدی۔

زائر خان کے بعد ایک اور شخص بھی زروا کو اسکی طرح ہی سمجھتا تھا۔

وہ شخص تھا، ضوریز خان آفریدی جو کہ زائر خان آفریدی کا بہترین دوست تھا۔

وہ اکثر اپنے والدین کے ساتھ "خان پیلیس" آیا کرتا تھا۔

ایسے ہی ایک دن جب زروا کی ماما کی ڈیٹھ کے 1 ہفتے بعد وہ "خان پیلیس" آیا تھا۔

اب شروعات ہوئی تھی اسکی اور زروا کی اس معصوم سی دوستی کی، جو وقت کے ساتھ ساتھ گہری ہونے والی تھی۔

اس روز زروا روئے جا رہی تھی اور 8 سالہ زائر اسے چپ کروانے کی کوشش میں ہلکان تھا۔

جب "خان پیلیس" میں داخل ہوتے ضوریز خان نے یہ منظر دیکھا تو وہ فوراً اس پھولے ہوئے گالوں اور سنہری بالوں والی گڑیا کے پاس آیا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں موجود رنگ برنگے چاکلیٹس کا پیکیٹ اسے دے دیا تھا۔

حیرت انگیز طور پر زروا چاکلیٹ لیتے ہی چپ ہو چکی تھی۔

جبکہ زائر نے سکون کا سانس لیا تھا۔

اب اس نے زروا کو صوفے پر بیٹھا دیا تھا۔

شی از ویری پریٹ نا، زائر نے مسکراتی ہوئی زروا کو دیکھ کر ضوریز سے رائے لی تھی۔

یاہ شی از، بلکل زونیرہ ممانی جیسی ہے یہ تو، بٹ آئی ایم فیلینگ ویری سیڈ فار ہر، (مگر مجھے اس کے لیے بہت دکھ محسوس ہو رہا ہے) ضوریز نے چاکلیٹس کھاتی زروا کو دیکھ کر دکھ سے کہا تھا۔

ہاں یہ تو ہے، اسکی ماما بھی گاڈ کے پاس چلی گئیں ہیں، زائر نے سمجھداری سے کہتے ہوئے اسکی تائید کی تھی۔

مے بی تم سے بہت اٹج ہے یہ، ضوریز مسکرا کر بولا تھا۔

ہاں بالکل، اور اب سے ہم دونوں اسکا خیال رکھیں گے، اسکے فرینڈز اور پارٹنرز بن کر، ڈن؟
زائر نے کہتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

ضوریز نے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کچی عمر میں ایک بہت پکا وعدہ کیا تھا۔

جسے اب وہ دونوں ہی دل سے نبھانے والے تھے۔

اسکے دوست بن کر مہربان ساتھی بن کر وہ دونوں ہی اپنا یہ وعدہ ایفا کرنے والے تھے۔

قسمت ان کی اس معصوم سی منصوبہ بندی پر مسکرا دی تھی۔

الیکشن کی تیاریاں عروج پر تھیں، سب ہی اسٹوڈنٹس اپنی اپنی پارٹیوں کو سپورٹ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔

مختلف پارٹیوں کے چھوٹے بڑے جھنڈوں، جھنڈیوں اور بینرز سے یونی سبھی ہوئی تھی۔

جلسے جلوس نکالے جا رہے تھے، ایک دوسرے پر آوازیں کسی جا رہی تھیں، مختلف نعرے لگا کر اپنی اپنی پارٹیز کو چیئر اپ کیا جا رہا تھا۔

یونی میں رونق سی لگی ہوئی تھی، ایک شور سا ہر طرف گونج رہا تھا۔

ایسے میں بھی وہ اپنی کتابیں لیے لائبریری میں اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔

الیکشن کی وجہ سے آج کل لائبریری میں اکا دکا ہی اسٹوڈنٹس موجود ہوتے تھے۔

زروا جلدی چلو باہر دیکھو کتنی رونق لگی ہوئی ہے، صائم اپنی عادت کے مطابق بولتا ہوا اسکے قریب آیا تھا۔

صائم یہ لائبریری ہے آہستہ بولو، زروا نے اسے سرزنش کی تھی۔

بات ہی ایسی ہے کے، میں بہت ایکسائیڈ جو ہوں وہ کیا ہے نا۔

شش ساٹینس۔۔؟

اسے مزید تیز بولتا دیکھ، لائبریرین نے اب کی بار اسے گھورتے ہوئے وارننگ دی تھی۔

ارے یار زروا باہر چلو نا یہ کھڑوس بات بھی نہیں کرنے۔۔۔

مس زروا اینڈ مسٹر صائم آپ دونوں اپنی ڈسکشنز باہر جا کر بھی کر سکتے ہیں، سو یو مے گو نا۔

اسکا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی لائبریرین نے انہیں منہایت غصے میں باہر جانے کا کہا تھا۔

اب چلو نا، صائم کی وہی رٹ تھی۔

زروا صائم کو گھورتی ہوئی مجبوراً اپنی بکس اٹھا کر اسکے ساتھ باہر آگئی تھی۔

صائم اب بکو بھی، ایسا کیا ہو گیا جو تم یونی کو سر پر اٹھائے ہوئے ہو؟ زروا باہر آتے ہی چڑ کر بولی تھی۔

وہ دیکھو سامنے، صائم کے اشارے پر زروا نے اسی سمعت دیکھا تھا۔

سامنے ہی کابڈور کی سیرھیوں پر کھڑا وہ شخص بے حد دھیمے لہجے میں اسٹوڈنٹس سے مخاطب تھا۔

وہاں بے شمار لوگ موجود ہونے کے باوجود خاموشی طاری تھی۔

صرف ایک آواز گونج رہی تھی، زائر خان آفریدی کی آواز۔

زروا نے دیکھا تھا لوگ نہایت احترام سے اسے سن رہے تھے جیسے وہ کوئی بہت معزز شخصیت ہو۔

اسکا لہجہ عام سیاسی لیڈروں کی طرح جذباتی اور جوشیلا نہیں تھا بلکہ بہت تحمل و نرمی سے وہ اپنے ساتھیوں تک اپنی باتیں پہنچا رہا تھا۔

میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا؟ قسمت کس کا ساتھ دیگی، اور الیکشن کون جیتے گا، اور نا ہی زائر خان آپ سب سے کوئی بلند و بانگ دعوے کریگا، میں یہاں صرف یہ کہنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، کہ ووٹ دینا آپکا فرض ہے، اور اپنے لیے اچھا لیڈر چننا بھی آپکا حق ہے اسلیے میں صرف اتنا کہوں گا آپ کسی کی باتوں میں آنے کے بجائے اپنے دل سے فیصلہ کریں، اور جو آپکو اس سیٹ کے قابل لگتا ہو اسے ہی ووٹ دیں، یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے گائز اور اب یہ آپ پر ڈیپنڈ کرتا ہے کہ آپ کے اس ذمہ داری کو نبھانے کے لائق سمجھتے ہیں۔

آپ کا دیا ایک ایک ووٹ اس بات کا فیصلہ کریگا کہ آنے والے وقت میں وہ کون ہوگا جو یونیورسٹی کے لیڈر کی سیٹ سنبھالیگا، اسلیے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجئے، کہیں آپ کا ایک غلط ووٹ کسی غلط شخص کے حق میں فیصلہ نا کر دے۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ مجھے ووٹ دیں، نو۔

بلکہ جو آپ کو سہی گے جس کے لیے آپکا دل مطمئن ہو، آپ اسے ووٹ دیجئے، زائر کی
پراعتماد آواز نے ماحول میں سحر سا پھونک دیا تھا، سب بہت توجہ سے اسے سن رہے
تھے۔

ہاں آخر میں آپ سب سے آج صرف یہ ایک وعدہ کرتا ہوں، کہ الیکشن چاہے جو بھی جیتے
ہم سب اس یونی کے اسٹوڈنٹس ہے اور ہم یہاں امن و امان قائم رکھیں گے، یہ یونیورسٹی
ہماری درس گاہ ہے اور اس کے تقدس کا خیال کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

اسی لیے لیڈر چاہے جو بھی بنے، اس یونی کی بقاء کے لیے ہم سب مل کر کام کریں گے، اور
ان سب میں زائر خان آفریدی ہمیشہ آپ سب کے ساتھ رہیگا چاہے وہ جیتے یا ہارے۔

بنا مانک کے اسکی گھمبیر آواز ہر طرف گونج رہی تھی، سادہ سے الفاظ تھے مگر انہیں ادا
کرنے والا شخص ہرگز بھی عام نا تھا۔

لیڈر بننے کے لیے چرب زبان ہونا ضروری نہیں، ایک سوچ سرعت سے زروا کے دماغ میں آئی تھی۔

زروا اکیلی ہی اب وہاں کھڑی تھی، صائم کب کا وہاں سے جا چکا تھا۔

یہ نرم لہجے میں بولتا ہوا شخص اس زائر خان آفریدی سے مختلف تھا جسے زروا پچھلے 4 سالوں سے دیکھتی آرہی تھی، یہ تو وہ زائر خان تھا جو کبھی اسکا بہترین ساتھی ہوا کرتا تھا۔

اسٹوڈنٹس پر یقیناً اسکی باتوں کا اثر ہو رہا تھا۔

اس بات کا اندازہ اس چیز سے بخوبی لگایا جاسکتا تھا کہ لوگ کافی سنجیدگی اور عقیدت سے اسے سن رہے تھے۔

بلاشبہ وہ لفظوں کا جادوگر تھا۔

"اس شہر میں کتنے چہرے تھے، کچھ یاد نہیں سب بھول گئے"

"اک شخص کتابوں جیسا تھا، وہ شخص زبانی یاد ہوا"

وہ تقریر ختم کر چکا تھا مگر زروا ابھی بھی گم سم سی وہیں کھڑی تھی، وہ ابھی مزید اس کے سحر میں گرفتار رہتی کہ مشعال کی نفرت میں ڈوبی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

اب کونسا گھنونا کھیل کھیلنے کا سوچ رہی ہو تم؟ مشعال کے لفظ کسی زہریلے تیر کی طرح تھے۔

اسکی اس آواز پر ایک طلسم تھا جو ٹوٹا تھا، جب زروا پلٹی تو سامنے ہی مشعال کھڑی تھی۔

زروا اسے بنا کچھ کھے واپس مڑنے کو تھی۔

جب مشعال نے اسے پھر سے مخاطب کیا تھا۔

آج 4 سال بعد وہ دونوں پھر سے مقابل آنے والے ہیں زروا خان، بولو ناب کیا گیم کھیلنے والی ہو تم؟ اچھا یہ تو بتادو تمہارا دل نہیں بھرتا جو تم بچپن سے ان دونوں سے بہلاتی رہی ہو پھر بھی انکی جان نہیں چھوڑتی؟ مشعال اب چلا کر پوچھ رہی تھی۔

ایک درد کی لہر زروا کے دل میں اٹھی تھی، اور ایک ننھا سا آنسو اسکی خوبصورت آنکھوں سے گر کر اسکے رخسار کو بھلگو گیا تھا۔

زروا کے چہرے پر قرب کے آثار تھے، وہ اسے جواب دینے کی پوزیشن میں نا تھی۔

اس سے پہلے کے وہ اسے اپنے لفظوں سے مزید زخم دیتی وہ وہاں آیا تھا۔

او مشعال یو جسٹ شٹ اپ، صائم کی آواز پر دونوں نے ہی سراٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا، وہ ناجانے کب وہاں آیا تھا مگر یقیناً وہ سب سن چکا تھا۔

ہے اس کے لیے تم مجھ سے اسطرح بات نہیں کر سکتے صائم، مشعال تو جیسے غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

تمہیں بھی زروا سے اس لہجے میں بات کرنے کا کوئی حق نہیں سمجھیں؟ صائم کا لہجہ بے لچک تھا۔

جبکہ زروا اسی جگہ خاموشی سے بت بنی کھڑی تھی۔

چلو زروا، اور ہاں مس مشعال خان آفریدی، آج کے بعد تم نے زروا سے اس قسم کی کوئی
بکواس کی تو میں بھول جاؤں گا تم میری کزن ہو، صائم ہاتھ اٹھا کر اسے وارننگ دیتا ہوا زروا
کو ساتھ لے کر شدید غصے میں وہاں سے نکلا تھا۔

زروا بے جان سے وجود کے ساتھ گم سم سی اسکے ہمراہ چل دی تھی۔

مائی فٹ، زروا خان تم نے مجھ سے میری محبت چھینی ہے، تم نے سوچ بھی کیسے لیا میرا
سکون برباد کر کے تم چین سے رہ سکوگی؟ میں تمہیں تباہ و برباد کردوں گی زروا خان میں تم
سے تمہارا سب کچھ چھین لوں گی، انکے جانے کے بعد مشعال نے بے تحاشہ نفرت سے
سوچا تھا۔

"ماضی اسپیشل"

وہ جو یونی آنے کے بعد سے اپنے روم میں بند تھی، اور نا جانے کب وہ روتے روتے سو گئی
تھی اب رات 9 بجے دروازہ ناک ہونے پر ہڑبڑا کر نیند سے جاگی تھی۔

او مائی گاڈ میں اتنی دیر تک سو گئی، زروا نے گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے دل میں سوچا تھا
اور فورن بیڈ سے اتری تھی۔

اس نے جلدی سے بالوں پر ہاتھ مار کر شانوں پر سلیقے سے دوپٹہ لیا تھا اور بیڈ کے عین
سامنے موجود ڈریسنگ ٹیبل کے آئیے میں اپنا جائزہ لے کر جلدی سے دروازے کی جانب
بڑھی تھی۔

یہ سوچے بنا کہ اسکی آنکھیں اسکے مسلسل رونے کی گواہ ہیں۔

دروازہ کھولتے ہی اسے سامنے پلوشہ تائی جان نظر آئی تھیں۔

اسلام و علیکم تائی جان، اندر آئیے، اس نے فورن انہیں سلام کیا تھا اور ساتھ ہی اندر آنے کا بھی کہا تھا۔

و علیکم اسلام بیٹا جانی، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پیار سے اسکی طبیعت پوچھی تھی۔

جی میں بالکل ٹھیک ہوں بس یونی سے آئی تو تھکاوٹ کی وجہ سے لیٹے ہی کب نیند آگئی پتہ ہی نہیں چلا، صائم نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا اسی لیے اس نے بھی اصل بات گول کر دی تھی۔

اچھا مگر بیٹا پتہ نہیں کیوں مجھے آپکی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی آپکی آنکھیں بھی لال لگ رہی ہیں، جیسے آپ روئی ہوں؟ کیا بات ہے بیٹا جانی کوئی مسئلہ ہے تو آپ اپنی تائی جان کو بتا سکتی ہیں، میں نے کبھی آپ میں اور زائر صائم میں کوئی فرق نہیں رکھا میری جان، انہوں نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس سے پیار سے پوچھا تھا۔

انکے سوال پر ایک تلخ لہجہ اسکی سماعت میں گونجا تھا، آنسو آنکھوں سے جھلکنے کو بے تاب تھے۔

نہیں تائی جان ایسا کچھ نہیں ہے، میں بس رات کو دیر تک اسائنمنٹ پر کام کرتی رہی تھی اسلیے نیند پوری نہیں ہو سکی بس اسی لیے یہ تھوڑی سی تھکاوٹ ہے، نیند پوری کرونگی تو ٹھیک ہو جاؤنگی، زروا نے خود پر قابو پاتے ہوئے انہیں مطمئن کیا تھا۔

چلو ٹھیک ہے بچے، محنت بھی تو بہت کرتی ہو تم، اللہ تمہیں کامیاب کرے میری جان، پر پڑھائی کے ساتھ صحت کا خیال بھی رکھا کرو ایسے خود کو اتنی اذیت دے کر محنت کرونگی تو بیمار پڑ جاؤنگی، خیال رکھا کرو اپنا، نیند پوری لیا کرو بچے، انہوں نے اسکے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔

جی تائی جان میں خیال رکھونگی آئندہ، زروا نے فرمانبرداری سے انکی بات مانی تھی۔

یہ ہوئی نا بات، اچھا اب تم فریش ہو جاؤ میں تمہارا کھانا یہیں بھیج دیتی ہوں، تم کھانا کھا کر بس جلدی سو جانا اور اسائنمنٹ کل دیکھ لینا، آرام دو ان آنکھوں کو تاکہ زہن کو سکون مل سکے، پلو شہ بیگم نے اسے ماؤں والے پر شفقت انداز میں تائید کی تھی کیونکہ وہ پچھلی 3 راتوں سے دیر رات تک اسکے روم کی لائٹس آن دیکھ چکی تھیں۔

انہیں پتہ تھا زروا اپنی پڑھائی کے معاملے میں جنونی ہے، اور جس کام میں ہاتھ ڈالتی ہے اسے پورا کر کے ہی چھوڑتی ہے، پھر چاہے اس میں اسکی صحت کا ہی نقصان کیوں نا ہو، اسی لیے انہوں نے آج اسے سمجھانا ضروری سمجھا تھا۔

تھینکس ٹائی جان، آپ سب کے ہوتے مجھے کبھی بھی اپنی ماما جان کی کمی محسوس نہیں ہوتی، آپ لوگ نا ہوت تو جانے میرا کیا ہوتا، انا اتنا پیار اور خلوص دیکھ کر بوٹے بوٹے شدتِ جذبات کے مارے زروا کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

ارے پاگل، زونیرہ کی امانت ہو تم ہمارے پاس، اور ہمیں بہت عزیز ہو، باقی سب بچوں کی طرح ہی تم بھی ہماری ہی بیٹی ہو، اور اس فیملی کا حصہ ہو، ایسے کیسے ہم اپنی گریبا کا خیال نارکھیں، اور ماؤں کو تھیکنس نہیں کہتے بچے، انہوں نے اسے سینے سے لگایا تو زروا انکی اس قدر محبت پر مشعال کا وہ تلخ رویہ سرے سے بھول گئی چکی تھی۔

بلاشبہ 4 سال پہلے جو ہوا وہ ان میں کوئی نہیں سے بھول سکا تھا، لیکن کوئی اس واقع کو یاد بھی نہیں کرتا تھا۔

زروا کے لیے بھی اب ان چند نفرتوں سے بڑھ کر تھیں وہ محبتیں جن کے سہارے وہ جی رہی تھی۔

ضوریز کیچین انگلیوں پر گھماتا ہوا گھر میں انٹر ہوا تھا۔

اسے سامنے ہی صوفے پر سماہر بیگم اور شہروز خان بیٹھے نظر آئے تھے۔

اسے انکے تیور دیکھ خطرے کا الارم اپنے اردگرد بجاتا، محسوس ہوا تھا۔

سماہر بیگم اسے انتہائی سخت تیوروں سے گھور رہی تھیں، جبکہ شہروز خان کا انداز بھی ان سے کچھ مختلف نا تھا۔

اس جیسے زیرک شخص کو یہ سمجھنے میں زرا بھی دیر نا لگی تھی کہ وہ دونوں اس وقت یہاں کیوں موجود ہیں۔

ضویرز خان آفریدی، چاہے جتنا بھی بے حس کیوں نا ہو، مگر وہ انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اسی لیے خود کو پراعتما د ظاہر کرتا انکی جانب بڑھ رہا تھا۔

دنیا کے لیے چاہے وہ ایک ہٹ دھرم بے حس اور سخت دل انسان تھا، مگر اس دنیا میں
تین شخصیات ایسی بھی تھیں جن کے لیے وہ ہر حد سے گزر سکتا تھا۔

اور وہ تین انسان تھے، سماہر بیگم، شہروز خان اور اسکی لاڈلی بہن عانیہ خان۔

ہے ڈیڈ، ہے موم واٹس اپ؟ ضرور بظاہر خود کو لاپرواہ ظاہر کرتا ان سے کچھ فاصلے پر
کھڑا مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

وہیں رک جاؤ، ضرور خان آفریدی، تو اب آپ اتنے بڑے ہو گئے ہیں کہ اتنا بڑا فیصلہ
کرنے سے پہلے آپ نے ہماری اجازت لینا تو دور ہمیں بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا؟ شہروز
خان کی غصے میں بھری آواز لاؤنج میں گونجی تھی۔

ضرور کے قدم وہیں تمہم گئے تھے۔

میں سمجھا نہیں آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں؟ وہ اب انجان بنا ان سے پوچھ رہا تھا۔

ضوریز کے اسطرح سے انجان بننے پر سماہر بیگم کا تو پارہ ہائی ہوا تھا۔

واہ بیٹا جی واہ بہت اچھے، دنیا بھر کو پتہ چل چکا کہ ہمارا بیٹا یونیورسٹی میں لیڈرشپ کے لیے الیکشن میں کھڑا ہوا رہا ہے اور تم اب بھی جھوٹ بول کر ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو؟ ہم تمہیں پاگل دیکھائی دیتے ہیں؟ وہ پھٹ ہی تو پڑی تھیں۔

اوہ اچھا اچھا اس بارے میں بات کر رہے تھے آپ لوگ، اس نے صرف اتنا کہہ کر سر ہلایا تھا، شہروز خان اور سماہر بیگم کے مقابلے میں ضوریز کا انداز بالکل پرسکون تھا۔

ہاں اسی بارے میں بات کر رہے ہیں، تمہیں شرم نہیں آتی ماں باپ کو دھوکے میں رکھتے ہوئے؟ ہم نے کبھی سوچا نا ضوریز تم ہم سے کچھ چھپاؤ گے، تمہیں ہماری عزت کا زہ

بھی خیال نہیں، ورنہ تم پولیٹکس جیسے کیچڑ میں اتر کر ہمارا نام نا ڈوباتے، شہروز خان کا غصہ آسمان چھو رہا تھا۔

اوہ ڈیڈ پلیز ریلیکس، میں نے ایسا بھی کیا کر دیا جو آپ اتنا ہائپر ہو رہے ہیں؟

پولیٹکس کو کیچڑ ہر کوئی کہہ دیتا ہے مگر کیا کسی نے کبھی اس کیچڑ کو صاف کرنے کی کوشش کی؟ نہیں ڈیڈ بالکل نہیں، کوئی اس بارے میں نہیں سوچتا، کیونکہ یہ بہت ہمت کا کام ہے اور جب ہم اس کام کو کرنے کی ہمت رکھتے ہیں تو کیا ہمارا فرض نہیں ہم اپنے ملک کے لیے، یہاں کے لوگوں کے لیے کچھ خدمات انجام دیں؟ مگر نہیں سب کو یہاں صرف اپنی پڑی ہے، ضروریز کا لہجہ ایک دم سے تلخ ہوا تھا۔

وہ دونوں اپنے ضدی بیٹے کی باتیں سن رہے تھے، اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتے، سماہر بیگم بول پڑی تھیں۔

میں تمہاری بات سے ایگری ہوں مگر تم اکیلے کیا کر لو گے ہاں؟ جو اتنا اچھل رہے ہو، تمہیں اندازہ بھی یہ کتنی بڑی ذمہ داری کا کام ہے؟ تم جو اپنی ذات کو اتنا بڑھ کر رکھتے ہو، تم کیا دوسروں کے لیے کچھ سوچ سکو گے، تمہارے پاس تمہاری فیملی کے لیے تو وقت ہوتا نہیں تم اسٹوڈنٹس کے مسائل سننے کو وقت نکالو گے؟ نہیں ضرور خان تم میرے بیٹے ہو میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں، یہ بھی باقی چیزوں کی طرح تمہارا وقتی شوق ہے اور تم چند ہی دنوں میں اس شوق سے اکتا جاؤ گے، سماہر بیگم بولی تو بولتی ہی چلی گئیں، ضرور سر جھکائے انکی باتیں سن رہا تھا۔

مگر موم میں نے جب اس بات کی ذمہ داری لینے کا سوچ لیا ہے تو میں اب اپنی پوری کوشش کرونگا اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے میں اپنی جان لگا دوں گا، ضرور اب قدرے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

بس ضرور، آج سے 4 سال پہلے بھی تم نے اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں اپنی جان لگائی تھی نا؟ مگر نتیجہ کیا ہوا تھا تمہیں یاد ہے نا؟ سماہر بیگم کے ان جملوں نے ضرور کو آج ایک بار پھر سے اس تکلیف دہ ماضی کی یاد دلا دی تھی۔

سماہر پلیر کام ڈاؤن، شہروز خان نے انکے شانے پر ہاتھ رکھ کر انہیں ریلیکس کرنا چاہا تھا۔

جبکہ ضوریز نے بے یقینی سے سر اٹھا کر انکی جانب دیکھا تھا، اسے اپنی نرم مزاج ماں آج ایک بار پھر سے صرف زائر خان آفریدی کی پھوپھو محسوس ہوئی تھیں۔

انکی یہ باتیں اسے طیش دلانے کو کافی تھیں مگر وہ بنا کچھ کہے صرف ایک شکوہ کناں نگاہ ان پر ڈال کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد سماہر بیگم صوفے پر ڈھے سی گئی تھیں۔

آج سے 4 سال پہلے۔۔

16 سالہ زروا اپنی ہم عمر مشعال اور عانیہ کے ہمراہ لان میں بیٹھی تھی۔

آج پارٹنرز کی ریس ہے، میں تو بہت ایکسائیڈ ہوں عانی، زروا چمک کر بولی تو عانیہ مسکرا دی تھی۔

ایکسائیڈ تو میں بھی ہوں زروا آج میرے لالہ اور زائر لالہ دونوں ایز آ پارٹنرز ریس میں حصہ لے رہے ہیں، کتنا مزہ آئیگا نا، عانیہ بھی جوش سے بولی تھی۔

ہاں یار مجھ سے تو 7 بجے کا انتظار بھی نہیں ہو رہا، مشعال نے بھی انکی تائید کی تھی۔

اسی وقت صائم وہاں آیا تھا۔

ارے تم لوگ یہاں بیٹھی ہو، جاؤ جا کر ریڈی ہو جاؤ، ہمیں ریس سے پہلے ہی وہاں پہنچنا ہے۔

صائم کی بات پر ان تینوں، نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

کیا مطلب؟ ابھی 2 گھنٹے ہیں ریس میں تو، جبکہ بولی صرف زروا ہی تھی۔

ہاں تو زائر لالہ نے ہی کہا ہے کہ ہم سب انکی بھیجی ہوئی گاڑی میں ابھی ہی وہاں آجائیں، وہ جگہ کافی پیاری ہے تو ہم تھوڑا گھوم پھر لیں گے، صائم نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

ہرے، زروا نے نعرہ لگایا تو باقی تینوں، ہنس دیے تھے۔

صائم انہیں بتا کر جاچکا تھا۔

پھر بھئی میں تو چلی ریڈی ہونے، مشعال کہتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عانہ اور زروا بھی اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

سوات شہر کے پچ و پچ تین منزلہ ماربل سے بنا عالیشان "خان پیلیس" دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کے لیے کافی تھا۔

رات کے 11 بجے بھی خان پیلیس میں جلتی بیشمار لائٹس رات کی سیاہی کو اجالے میں بدل رہیں تھیں۔

یہ پیلس اس قدر خوبصورتی سے بنایا گیا تھا کہ دیکھنے والے کو وہ داد دینے پر مجبور کر دیتا تھا۔

سیاہ گیٹ سے اندر آئیں تو نگاہ جم سی جاتی تھی، خان پیلس کے چاروں طرف پھولوں سے بھرا مہکتا لان تھا، دور دور تک رنگ برنگے پھول پھیلے ہوئے تھے، جو ہلکی ہوا سے رقص کر رہے تھے۔

آہنی گیٹ عبور کرتے ہی، کشادہ سبک روش تھی، جسکے دونوں اعطرف میں سبزہ پھیلا ہوا تھا۔

یہ راستہ ختم ہوتے ہی سامنے ہی وہ شیش محل تھا، جسکے عین سامنے یعنی لان کے بیچ و بیچ ایک خوبصورت فوارہ نصب تھا، جس کے ارد گرد لگی لائٹس رات کے وقت مزید خوبصورت منظر پیش کر رہی تھیں۔

خان پبلیس کے ایک سائیڈ بڑا سا پورچ تھا جہاں بہت سی مہنگی مہنگی گاڑیاں ایک قطار میں کھڑی تھیں۔

جبکہ بیک سائیڈ پر سوئنگ پول بنایا گیا تھا۔

خان پبلیس کے فرسٹ فلور کے ایک روم کی گلاس والز سے پردے ہٹے ہونے کی وجہ سے اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

جہاں وہ شاندار سا شخص صوفے پر نیم دراز تھا۔

وہ شخص زائر خان تھا، جو شہزادوں کہ سی آن بان رکھتا تھا۔

وجاہت میں اسکا کوئی ثانی نہیں تھا، مغرور ایسا کہ اسکی بے رخی جان سے مار ڈالے اور مہربان ہونے پر آئے تو اپنا سب کچھ وار دے۔

اسکی وجاہت میں جو چیز چار چاند لگاتی تھی وہ تھیں اسکی سمندر سی نیلی مغرور آنکھیں جن میں ہر وقت ایک سرد پن ہوتا تھا۔

بلا کی دلکش تھیں اس کی آنکھیں، جو ایک بار دیکھ لے اپنا دل ہار بیٹھے۔

عورت کی حسین آنکھوں کے بارے میں تو بہت سنا ہے کہ عورت کی آنکھیں حسین ہوں تو مرد اپنا دل ہار بیٹھتا ہے پر اگر مرد کی آنکھیں حسین ہوں تو عورت دیوانی ہو جاتی ہے اور اگر ان آنکھوں میں بے نیازی بھی ہو تو پھر عورت کہیں کی نہیں رہتی، زائر خان کی آنکھوں میں بھی وہی جادو تھا۔

جس سے وہ خوب واقف تھا، وہ یونیورسٹی کا اسٹون مین تھا۔

وہ سخت دل ایسا تھا کہ کسی پر ایک نگاہ ڈالنا پسند نہ کرتا تھا۔

اس وقت وہ اپنے عالیشان روم میں صوفے پر براجمان تھا۔

ہلکی بڑھی ہوئی شیو، سنجیدہ چہرہ، روشن الجھن بھری آنکھیں لے زائر خان مختلف سوچوں کے جال میں پھنسا تھا۔

اسکی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے تھے، آستینیں کہنیوں تک فولڈ ہونے کی وجہ سے شرٹ سے اسکی مضبوط کسرتی بازو دکھائی دے رہے تھے۔

وہ ایک لمبا چوڑا مضبوط مرد تھا جو اپنے اندر پہاڑوں سے ٹکرانے کی قوت رکھتا تھا۔

اسکے بھورے بال منتشر تھے، پر کشش چہرے پر عجیب سی کیفیت تھی۔

لمبی سانس کھینچ کر اس نے ہاتھ میں پکڑا سگریٹ لبوں سے لگایا تھا اور ایک لمبا کش لے کر دھواں ہوا کے سپرد کیا تھا۔

اسکی نظریں دھویں پر جم سی گئی تھیں، جبکہ زہن کی اسکرین پر ماضی کا ایک تلخ واقعہ کسی فلم کی مانند چل رہا تھا۔

"ماضی"

یہ مرکزی شہر سے کوئی پچاس کلو میٹر دور ایک خوبصورت، وسیع و عریض فارم ہاوس کا منظر تھا۔

جہاں پورے آفریدی خاندان کا لاڈلا، زائر خان آفریدی سر جھکائے مجرم بنا کھڑا تھا۔

اس کے دائیں جانب اسکا سب سے عزیز از جان دوست، اسکا یار، اسکا بھائی اس کا سب کچھ، ضوریز خان آفریدی کھڑا تھا۔

جبکہ اسکے بائیں جانب آنکھوں میں آنسو لیے وہ دشمنِ جان کھڑی تھی۔

اسکے بالکل سامنے اسکی پوری فیملی کھڑی تھی۔

اسکے پیارے ماں باپ، چچا چچی، اسکی پیاری سی دوست مشعال، اسکا 18 سالہ بھائی صائم خان آفریدی، اسکے شہروز پھپھا سماہر پھوپھو، سب ہی تو تھے وہاں، مگر پھر بھی وہ آج خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہا تھا۔

اتنے سارے لوگوں کی موجودگی کے باوجود فارم ہاؤس پر موت کا سا سنٹا تھا۔

وہ سب وہاں صرف سفیر خان کا فیصلہ سننے کے لیے کھڑے تھے۔

خان مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی، یہ آواز زروا خان کی تھی۔

اسی آواز پر زائر خان آفریدی کا دل ڈوبا تھا۔

دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے زائر خان، میرے گھر میں تمہارے لیے اب کوئی جگہ نہیں، میں تمہیں اس گھر سے نکل جانے کا حکم دیتا ہوں، یہ بے اعتباری بھری آواز اسکے بابا جان کی تھی۔

فیصلہ ہو چکا تھا، زائر خان کے لیے اب وہاں کچھ نہیں بچا تھا، وہ ایک نگاہ غلطی میں سے کسی پر بھی ڈالے بنا اپنا بیگ اور بانک کی کیز اٹھا کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

موبائل کی مسلسل بجتی بیل پر ایک دم سے زائر خان حال میں لوٹا تھا۔

میں تمہیں اب اپنے مزید اپنے ساتھ کوئی گیم نہیں کھیلنے دوںگا، اس بار جیت صرف زائر
خان کی ہوگی۔

ضوریز خان تم مجھے کبھی نہیں سمجھ سکو گے، زائر خان ایک پھیلی ہے، جسے سلجھانا تمہارے
بس کی بات نہیں۔

مگر ہاں تم وہ شخص ہو جسے برباد کرنے کے لیے زائر خان ہر حد سے گزر سکتا ہے۔

زائر نے انتہائی نفرت سے سوچا تھا۔

وہ تنفر سے سر جھٹک کر موبائل کی جانب بڑھا تھا۔

"سر خوشی جیت کی یونہی نہیں طاری ہوئی ہے"

"کھل گیا مجھ پہ کہ بازی اب میری ہوئی ہے"

"گزرے کل تک جو لگا کرتی تھی پھولوں جیسی"

"آج وہ زیست میری جان پہ بھاری ہوئی ہے"

"ہر فسانے میں، غزل میں رہا چڑچا جس کا"

"میں نے وہ شام ترے ساتھ گزاری ہوئی ہے"

"دشمنِ جاں بھی وہی اور میری جاں بھی وہی"

"اس کی یادوں سے ہر اک رات سنواری ہوئی ہے"

"چاندنی رات اپنے عروج پر ہے پھر سے"

"یہ آج یادوں کی گھٹا جانے لٹ کے برسی ہے کدھر سے"

"اک ادا سی ہے جو پھر شام سے طاری ہوئی ہے"

ماضی --

وہ سب اس وقت سوات کی سب سے خوبصورت مقام پر موجود تھے۔

یہ جگہ خاص کر بانک ریس کے لیے بہت مشہور تھی۔

جس کے ایک سائیڈ پر خوبصورت سا دریا بہتا "Chackdara Road" اس وقت "تمہا، اس جگہ پر بے حد گہما گہمی کا سا عالم تھا کیونکہ کچھ ہی دیر میں ہر سال کی طرح اس کی سب سے بڑی بانک ریس شروع ہونے والی تھی۔

روڈ پر اس وقت 6 بانگس کھڑی تھیں، ہر ایک بانک پر دو لوگ تھے۔

ہر اک کو ریس جیتنے کے فکر لگی ہوئی تھی۔

جبکہ ایک بانک پر وہ دونوں جگری دوست بے حد کانفیڈنس اور بے فکری کے ساتھ ایک اسٹائل سے بیٹھے تھے۔

جیسے جیت صرف انکا مقدر تھی۔

بلیک اور بلو اسپوٹ سوٹ پر بلیک ہی جوگرز پہنے، دونوں ہاتھوں پر گلوں چڑھائے سر کو ہیلمنٹ سے کور کیے، وہ ریس کے لیے اپنی ہیوی بانگ پر آگے کی جانب بیٹھا تھا۔

اپنی پوزیشن سنبھالے پر اعتماد انداز میں بیٹھے زائر خان آفریدی کی نیلی سمندر سی گہری آنکھوں میں جیتنے کا عزم تھا۔

اسکے پیچھے ہی بلیک اور ریڈ اسپوٹ سوٹ پر ریڈ اینڈ بلیک جوگرز پہنے سر پر ہیلمنٹ لیے پرجوش سا ضوریز خان آفریدی اپنے دوست کے ساتھ بانگ پر بیٹھا جیسے ہر قسم کی مصیبت سے بھڑنے کو تیار تھا۔

روڈ کے ایک سائیڈ ڈوناٹ انٹر کی سرخ پٹی لگا کر وہاں کھڑے سپورٹرز کے سامنے جیسے
حدود باندھ دی گئیں تھیں۔

وہاں کھڑے لوگ مختلف قسم کے نعرے لگاتے ہوئے اپنے اپنے ساتھیوں کو چیئر اپ
کر رہے تھے۔

ہے پارٹنرز جیت کے آنا ہے آج، زروا نے جوش سے چلاتے ہوئے سامنے کھڑی بانگ پر
بیٹھے زائر اور ضوریز کو دیکھتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

ہیلمنٹ پہنے زائر کی آنکھیں اسکے بچوں جیسے انداز پر مسکرا اٹھی تھیں۔

جبکہ ضوریز نے زروا کو دیکھتے ہوئے جواباً مسکراتے ہوئے ہاتھ بلایا تھا۔

عانیہ، مشعال اور صائم بھی انہیں چیئر اپ کرنے کو وہاں موجود تھے۔

آر یو بیڈی گائز؟ اسی وقت یہ آواز ماحول میں گونجی تھی۔

آئی ایم ودیو جگر، ضوریز نے کہتے ہوئے زائر کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا جبکہ بانگ کے ہینڈل پر زائر کی گرفت مضبوط ہوئی تھی۔

آئی نو جگر، زائر نے جواب دیا تھا۔

بیسٹ آف لک پارٹنرز، زوروا نے زائر اور ضوریز کو وکٹری کا سائن دیتے ہوئے لک وٹش کیا تھا۔

زائر کے لب مسکرائے تھے، اسے اب ہر حال میں یہ ریس جیتی تھی۔

زروا کے چہرے پر موجود مسکراہٹ کو قائم رکھنے کے لیے۔

اسی وقت ہری جھنڈی کے سگنل ملنے پر ریس اسٹارٹ ہوئی تھی۔

زائر نے ایک جھٹکے سے بانک اسٹارٹ کی تھی۔

ایک خطرناک کھیل کا آغاز ہو چکا تھا جس کا اختتام سب کی زندگیاں بدل دینے والا تھا۔

"ہم جیت بھی سکتے تھے اس۔ عشق کی بازی کو"

"وہ جیت کے خوش ہوگا ہم یہ سوچ کر ہار گئے"

اس قدر سرد ہواؤں کے باوجود وہ کھڑکیاں کھولے، کافی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں کھڑا اپنے ماضی میں کھویا ہوا تھا۔

ماضی میں جو ہوا، اس میں آخر میرا کیا قصور تھا؟ میں نے کیا غلط کیا؟ اس شخص کے کے سزا مجھے دی جا رہی تھی، کیا میں اپنے حق میں بھی نا بولتا؟

ضوریز نے خود سے سوال کیا تھا۔

یقیناً نہیں، کیونکہ اگر غلطی میری ہوتی تو زرا کیوں میرا ساتھ دیتی؟ اور منان نے بھی تو کہا تھا کہ یہ سب زائر نے کیا ہے۔

میں پھر بھی اس کی بات نا مانتا مگر وہ آواز تو اسی کی تھی جس میں اس نے خود اقرار کیا تھا۔

مگر وہ تو میرا جگر تھا اسے مجھ سے کیا دشمنی؟ کہیں ان سب میں کوئی کڑی کم تو نہیں؟ اس کے دماغ میں اچانک یہ بات آئی تھی۔

وہ آج ایک بار پھر سے ماضی کہ اس تلخ باب میں کھویا ہوا تھا۔

نہیں کچھ مسنگ نہیں، سب کلیئر ہے، اور میں نے کچھ نہیں کیا، زائر نے غلطی کی تھی، اسے اسی کی سزا ملی ہے، میرا کوئی قصور نہیں اس میں، میری نفرت اس کے لیے جائز ہے وہ اسی کے لائق ہے، ایک سوچ تیزی سے اس کے دماغ پر حاوی ہوئی تھی۔

آدھا رستہ طے کر آیا

اب کیا سوچ رہا ہے آخر

انجانی منزل کی جانب

چلتا جائے

یا واپس ہو جائے راہی!

سوچ کے بھی انداز عجیب ہیں

سوچ کے ہی آغاز کیا تھا

سو رستوں میں ایک چنا تھا

اور اب سوچ ہی روک رہی ہے؟

آگے بھی کچھ تاریکی ہے!

لوٹ کے جانا بھی مشکل ہے!

سوچ کا سورج ڈوب رہا ہے!

نا ایسے راہی کی منزل ہے

نا کوئی اسکا رستہ ہے۔

مجھے کسی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مجھ سے جو ٹکرائے گا، میں اس دنیا سے اسکا نام و نشان

مٹا دوں گا۔

جیت صرف ضوریز خان کا نصیب بنے گی، اس نے زہر خند انداز میں سوچا تھا۔

زائر خان آفریدی اور ضوریز خان آفریدی، ایک ہی تصویر کے دو رخ تھے۔

ایک خطرناک آندھی تو دوسرا خاموش طوفان تھا، مگر کام دونوں کا ہی تباہی مچانا تھا۔

اب خدا جانے کل کا سورج ان دونوں کی زندگی میں کیا رنگ لے کر آنے والا تھا۔

جیت کس کی ہونی تھی، اور ہار کس کا مقدر تھی یہ تو آنے والا وقت ہی بتانے والا تھا، مگر جو بھی تھا، آریا پار ایک کام تو ہونا ہی تھا۔

ایک نئی اور روشن صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔

ڈائینگ ٹیبل پر تقریباً سب موجود سوائے صائم کے جبکہ زائر تو خیر شاذ و نادر ہی وہاں آیا کرتا تھا۔

ارے آج یہ صائم کہاں رہ گیا بھابھی بیگم؟ وہ تو کبھی لیٹ نہیں ہوتا، وہ نہیں ہے تو گھر میں بھی اتنا سناٹا لگ رہا ہے، فرقان خان نے شرارتی بھتیجے کی کمی محسوس کرتے ہوئے، پلوشہ بیگم سے پوچھا تھا۔

سورہے ہونگے لاڈ صاحب، آپ کو تو پتہ ہے فرقان لالہ، رات بھر جاگے رہتے ہیں آج کل کے بچے پھر صبح جب ہی تو آنکھ دیر سے کھلتی ہے، ایسے حالات رہے تو بن گئے یہ ڈاکٹر، پلوشہ بیگم نے صائم کے لیٹ ہونے پر تپتے ہوئے، جواب دیا تھا۔

ارے بھابھی جان غصہ تو مت ہوں، آجائیکا، آج ہی تو لیٹ ہوا ہے ورنہ آپ جانتی ہیں وہ ہمارا سب سے فرمانبردار بچہ ہے۔

ہاں تائی جان، وہ فضول میں بالکل بھی نہیں جاگتا، جب جاگتا ہے تو صرف پڑھنے کے لیے، زروا نے بھی اسکی سائیڈ لی تھی۔

تم تو بس ہی کرو، صائم کی چمچی نا ہو تو، پلو شہ بیگم نے اسے بھی لپیٹ دیا تھا۔

زروا ہنسی روکتی ہوئی ناشتے کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔

جبکہ اب سفیر خان مراد خان اور فرقان خان بھی ہنسی روکے انکا غصہ ملاحظہ کر رہے تھے۔

مشعال تم ایسا کرو جا کر صائم کو جگاؤ، نگین بیگم نے جیٹھانی کا غصہ دیکھتے ہوئے، بیٹی سے کہا تھا۔

میں ؟ مشعال نے انکی جانب دیکھ کر سوال کیا تھا۔

میرے خیال سے مشعال تمہارا ہی نام ہے، نگین بیگم نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے اسے گھورا تو وہ منہ بناتی صائم کو جگانے کے لیے چلی گئی تھی۔

نیوی بلو ٹراؤزر اور اسکن کلر کی کرتی پر نیوی بلو ہی دوپٹہ گلے میں ڈالے کمر تک آتے براؤن بالوں کی اونچی پونی بنائے، وہ یونی جانے کے لیے بیڑی تھی۔

اس نے ایک ہاتھ میں نازک سا ڈائمنڈ کا بریسلٹ پہنا تھا، جبکہ اسکے دوسرے ہاتھ میں ریسٹ وایچ تھی۔

وہ سرخ و سفید رنگت اور مناسب سراپے والی کافی خوبصورت لڑکی تھی جبکہ اسکی آنکھوں کا رنگ گہرا کھٹئی تھا۔

بنا کسی میک اپ کے ہی وہ کافی پیاری لگتی تھی۔

آج کا دن بہت اہم ہے میرے لیے، ایک طرف میرے لالہ ہیں تو دوسری طرف تم ہو، اور میں آپ دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔

آج پھر سے وہ دونوں آمنے سامنے آنے والے ہیں، یا اللہ تو کچھ ایسا کردے کہ ان دونوں کے بیچ جو نفرت اور دوڑیاں حائل ہو گئی ہے وہ ہمیشہ کے لیے مٹ جائیں۔

یہ وہ لمحہ تھا جب سچے دل سے مانگی گئیں اسکی یہ معصوم و پر خلوص دعا یقیناً عرش الہی تک جا پہنچی تھی مگر اسے پورا ہونے میں کتنا وقت باقی تھا یہ صرف اللہ پاک ہی جانتا تھا۔

ایک طرف میری محبت کی خوشی کا سوال ہے تو دوسری طرف میرے پیارے لالہ۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کسے ووٹ دوں؟ کس کا ساتھ دوں؟ یا اللہ میں کیا کروں تو ہی میری مدد کر، وہ اپنے مالک سے مخاطب تھی، جو بے شک ہر فیصلے پر قادر تھا۔

کہیں پھر سے کچھ غلط ہو گیا تو؟ اس سوچ نے اسے خوفزدہ سا کر دیا تھا۔

نہیں اب پھر سے کچھ غلط نہیں ہوگا، اب صرف سب ہی ہوگا، مجھے اللہ پر پورا یقین ہے۔

پر میں ووٹ کسے دوں؟ خیر جو بھی ہوگا، اللہ مالک ہے، زروا اور مشعال سے پوچھونگی وہ کسے ووٹ دینگے، پھر میں بھی اسی حساب سے کچھ سوچتی ہوں، اس نے بالآخر دل ہی دل میں سوچا تھا۔

عانیہ خود کا جائزہ لیتی اپنا ہینڈیگ اٹھا کر یونیورسٹی جانے کے لیے روم سے باہر نکلی تھی۔

مشعال نے جیسے ہی صائم کے روم کا دروازہ ناک کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو وہ ان لاک تھا۔

مشعال نے روم ڈور کا ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔

سامنے ہی ڈبل بیڈ پر وہ گہری نیند میں سویا ہوا تھا۔

کتنے مزے سے سو رہا ہے نیستی کہیں کا، مشعال بڑبڑاتی ہوئی اسے جگانے کے لیے اسکی جانب بڑھی تھی۔

ابھی اس نے صائم کو جگانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ چھم سے ایک خیال اس کے دماغ میں آیا تھا۔

ابھی بتاتی ہوں اسے تو، اپنی سوچ پر عمل کرنے کے لیے اس نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کیا تھا اور اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے واپس مڑی تھی۔

یہ منظر خان پیلیس کی دوسری منزل پر موجود زائر خان کے کمرے کا تھا، جو خان پیلیس کا سب سے عالیشان کمرہ تھا۔

بلکہ اسے حال کہا جائے تو غلط نا ہوگا۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی سامنے کنگ سائز بیڈ نظر آتا تھا، بیڈ کے عین سامنے خوبصورت سنگل صوفہ تھا۔

جبکہ کنگ سائز بیڈ کے پیچھے والی وال پر زائر خان آفریدی، کی انلارج ہنستی مسکراتی تصویر نظر آتی تھی۔

بیڈ کے بائیں جانب شیشے کے دروازے کے اس پر ایک عالیشان ڈریسنگ روم کا منظر نظر آتا تھا، جہاں شاید ہی دنیا میں موجود کسی مہنگے برانڈ کی اشیاء موجود نہ ہو۔

جبکہ ڈریسنگ روم کے ساتھ بنے دروازے کے اس پار ایک عالیشان واشروم کا منظر نظر آتا ہے۔

بیڈ کے دائیں جانب گلاس وال تھی، جہاں سے خان پیلیس کے لان کا خوبصورت منظر دیکھائی دیتا تھا۔

زائر خان ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا خود پر امپورٹنٹ پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔

بلیک جینس پر وائیٹ شرٹ اور بلو سنگل بٹن بلیزر پہنے بالوں کو اسٹائل سے سیٹ کیے
وہ حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

اسکی نیلی سمندر سی آنکھوں میں کچھ پالینے کا عزم تھا۔

خود پر ایک مطمئن ہوتی نگاہ ڈال کر، وہ پلٹ کر بیڈ کے قریب آیا تھا۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے موبائل اور کی چین اٹھا کر وہ اپنی مخصوص شاہانہ چال چلتا باہر کی
جانب بڑھا تھا۔

واٹ دا ہیل از دز، سونے بھی نہیں دیتے کیا مسئلہ ہو گیا ہے یار۔۔۔

خود پر گرنے والے ٹھنڈے پانی کے جگ سے صائم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

سامنے ہی مشعال کھڑی ہنس رہی تھی۔

صائم کے حواس بیدار ہوئے تو اسکے ہاتھ میں موجود پانی کا خالی جگ دیکھ کر اسے اب پوری بات سمجھ آئی تھی۔

تم نے مجھ پر پانی ڈالا؟ صائم اب اٹھ بیٹھا تھا اور خوشخوار تیور لیے مشعال کو گھورتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

ہاں نا، تم جانتے ہو نا ایک میں ہی تو ہوں بس یہاں جسے اپنے اس پیارے سے کزن کا خیال ہے، اسکے سوال کرنے پر مشعال نہایت معصومیت سے بولی تھی۔

جبکہ صائم کا دل چاہا اس آفت کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے، جو صبح سویرے ہی اس پر نازل ہوئی تھی۔

تم نے اتنی ٹھنڈ میں مجھ پر پانی ڈالا، میں تمہیں جان سے مار دوں گا مشعال، صائم چلایا تھا۔

تو میں اور کیا کرتی تم اٹھ ہی نہیں رہے تھے اتنا لیٹ ہو گیا تھا تو میں نے سوچا اس طرح تمہارا ٹائم بچیکا اسلیے میں نے، اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی صائم نے پاس رکھا کشن اسے پھینک کر مارا تھا جس سے مشعال سہولت سے جھکتی ہوئی بچ گئی تھی۔

اسلیے تم نے میرا منہ بھی دھلوادیا ہے نا، واہ مشعال خان تم تو گریٹ ہو تمہیں تو انعام ملنا چاہیے، اسکا چھوڑا ہوا جھلا پورا کرتے ہوئے صائم بیڈ سے اترتا تھا۔

جبکہ مشعال اسکا ارادہ بھانپتی ہوئی دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

وہ میں تو مزاق کر رہی تھی تم تو سیرئیس ہی ہو گئے، مشعال گر بڑائی تھی۔

ہاں تو میں نے تو کچھ کہا ہی نہیں، بس سوچ رہا ہوں اپنی اس پیاری سی کزن کے کارنامے پر اسے چھوٹا سا انعام تو دے دوں، صائم بولتا ہوا دنیا جہان کی معصومیت چہرے پر سجائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

صائم دیکھو میں نے کہا نا مزاق کر رہی تھی ہاں، مشعال کے قدموں میں تیزی آئی تھی۔

مگر میں تو سیرئیس ہوں نا، صائم اب کے اسکے پیچھے دوڑا تھا۔

مشعال دروازے سے دائیں جانب ہو کر بیڈ کی طرف بھاگ گئی تھی۔

تمہاری تو خیر نہیں مشعال کی بچی، صائم کہتا ہوا اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

بھاگتی کہاں ہو بزدل، ہمت ہے تو سامنہ کرو میرا، صائم اب جم کے میدان میں آچکا تھا۔

شرم نہیں آتی ایک معصوم لڑکی سے مقابلہ کرتے ہو صائم خان، پیچ پیچ تف ہے تم پر،
مشعال نے اسے چھیڑا تھا۔

تم نے مجھے بے شرم کہا؟ صائم کو اسکی بات سن کر صدمہ ہی تو لگا تھا۔

رکو تم، اب تو تمہارا انعام بنتا ہی ہے، اب وہ تپا ہوا مشعال کی جانب بڑھا تھا۔

ارے نہیں مجھے کوئی انعام نہیں چاہیے میں نے جو کیا وہ تو میرا فرض تھا، اچھا اب میں چلتی ہوں، مشعال جلدی جلدی کہتی جان بچاتی ہوئی چھپاک سے بیڈ سے کودتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

ہرے، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ پائے صائم خان، مشعال نے اسے جلایا تھا اور بھاگ گئی تھی۔

جبکہ صائم کا پاؤں کسی چیز میں الجھ گیا تھا اور اس سے پہلے کے صائم اس تک پہنچتا مشعال رفوچکر ہو چکی تھی۔

پاگل لڑکی، صائم نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد صائم بالوں میں ہاتھ پھیرتا فریش ہونے چل دیا تھا

مومی جان پلیز اس انف، میں کسی جنگ پر نہیں جا رہا اور ویسے بھی مجھے نظر وغیرہ پر یقین نہیں آپ جانتی ہیں۔

زائر نے بیزاریت سے ڈیجیٹل واچ میں ٹائم دیکھتے ہوئے، اسکے سامنے کھڑی اسکی نظر اتارتی پلوشہ بیگم سے کہا تھا۔

وہ لاؤنج سے گزر رہا تھا جب انہوں نے اسے روک لیا تھا، اور پچھلے 20 منٹس سے پتہ نہیں کون کون سی آئیٹیمیں پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔

چپ رہو تم، ہر وقت بکواس کرو الو تم سے، تمہیں کیا پتہ ماں کے دل کا حال، جب تک تم واپس نہیں آؤ گے میرا دل ایسے ہی ہولتا رہیگا، سنا ہے لوگ جیتنے کے لیے اپنے مخالف کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتے، پھر بھی تم نے پتہ نہیں کیوں یہ فضول کا کھڑاک پال لیا ہے، پلو شہ بیگم بولی تو بولتی ہی چلی گئیں۔

زائر کے لب انکی فکر دیکھ کر بے ساختہ مسکرائے تھے۔

مومی جان آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں نا تو مجھے کچھ نہیں ہوگا، اور پھر آپ ہی تو کہتی ہیں جو دوسروں کے لیے اچھا سوچتا ہے اسکا ساتھ کبھی برا نہیں ہونے دیتا، بس آپ اچھا اچھا سوچیں اور میرے لیے دعا کیجئے، زائر کے منہ سے بے اختیار ہی یہ لفظ ادا ہوئے تھے۔

ورنہ ایک عرصہ ہوا تھا اس نے دعا مانگنی چھوڑ دی تھی۔

زائر نے بوٹے بوٹے انکے آگے سر جھکایا تھا۔

اللہ تمہارا حامی و ناصر میرے بچے، اِن شاء اللہ کامیابی تمہارے قدم چومگی، پلوشہ بیگم نے اسے دعا دیتے ہوئے اسکی پیشانی چومی تھی۔

اب میں چلتا ہوں مومی جان، زائر کہتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

پلوشہ بیگم نے اسکی کامیابی کے لیے صدقِ دل سے دعا کی تھی۔

زرّوا تم پھر سے وہی غلطی دہرا رہی ہو پلّیز خدا کے واسطے ایسا مت کرو، تم اور لالہ دونوں مجھے بہت عزیز ہو، میں نہیں چاہتا تم دونوں کے بیچ مزید فاصلے آئیں۔

صائم بول رہا تھا، زرّوا گم سم سی کھڑی تھی۔

مگر میری اکیلی کے ووٹ دینے سے کیا ہوگا صائم، فیصلہ تو سب کے ووٹس سے ہوگا، زرّوا نے کمزور سی دلیل دی تھی۔

بے شک فیصلہ سب کے ووٹس سے ہوگا مگر لالہ کے دل کا فیصلہ صرف تمہارے ووٹ سے ہوگا، تم انہیں ووٹ دے کر انہیں احساس دلاؤ کہ تم آج بھی انکے ساتھ ہو، انکی وہی 4 سال پہلے والی پارٹنر ہو۔

زروا پلینز انہیں واپس لے آؤ، انکی مسکراہٹ تک کہیں کھو گئی ہے، وہ بہت اکیلے ہو گئے ہیں، انکا دل پتھر ہو گیا ہے جسے صرف تم پگھلا سکتی ہو، صائم اپنے مخصوص نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

اس کی باتیں زروا کے دل پر لگ رہی تھیں۔

میں باہر پورچ میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں، زروا میں یونی سے واپس اسپیشلی صرف تمہیں لینے آیا ہوں، اگر تمہارا دل میرے لالہ کے حق میں فیصلہ کر دے تو 10 منٹس میں باہر آ جانا ورنہ میں سمجھونگا تم بھی باقی سب جیسی ہو، صائم کہتا ہوا روم سے نکل چکا تھا۔

اسکے جانے کے بعد، زروا سر تھام کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔

کیا میں نے جو کیا وہ غلط تھا؟ کیا مجھ سے انجانے میں کوئی غلط فیصلہ ہو گیا تھا؟

ہاں شاید میں نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے۔

تو کیا میں کبھی اپنی اس غلطی کا ازالہ کر سکونگی؟

زروا نے دل میں سوچا تھا۔

اپنے دھیان میں آتی عانیہ سامنے سے آتے شخص سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

اس سے پہلے کے وہ زمین بوس ہوتی دو مضبوط بازوؤں نے اسے تھام لیا تھا۔

عانیہ نے اپنے اس محسن کو دیکھنے کے لیے سرائٹھایا تو وہ شخص زائر خان تھا۔

آپ، آئی ایم سو سو ری، اف میرا مطلب تھینکس، عانیہ کنفیوز ہوتی ہوئی بولی تھی۔

زائر نے ایک جھٹکے سے اسے ایک طرف کیا تھا۔

اُس اوکے مس عانیہ خان، زائر سنجیگی سے کہتا ہوا آگے بڑھنے کو تھا۔

مگر سامنے سے آتے ضوریز خان کو دیکھ کر اس کا ارادہ بدلا تھا اسکے قدم وہیں رک گئے تھے، اور اسکے لبوں پر شاطرانہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

عانیہ کے ساتھ کھڑے شخص کو دیکھ کر ضوریز کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے، اور غصے کے مارے اسکے دماغ کی رگیں تن گئیں تھیں۔

کہاں ہوتی ہو ڈیئر آج کل تو تم دیکھائی ہی نہیں دیتی، زائر نے بظاہر تو عام سے انداز میں بات کا آغاز کیا تھا۔

کچھ فاصلے پر کھڑے ضریر کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر زائر سمجھ گیا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے والا واقعہ ملاحظہ کر چکا ہے۔

میں تو بس یہیں ہوتی ہوں آپ ہی مصروف ہوتے ہیں، عانیہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

اسکے جواب پر زائر آہستہ سے ہنسا تھا۔

اسکی یہ ہنسی ضریر کا خون کھولا گئی تھی، وہ مٹھیاں بھینچے غصہ ضبط کر رہا تھا۔

تو اب یہ کمینہ میری بہن کو استعمال کر رہا ہے، ضریر نے سوچتے ہوئے دانت بھینچ کر زائر کو کچا چبا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

بس ڈیئر یونونا الیکشنز سر پر تھے سو بڑی تو ہوتا ہی خیر تم اس ڈیس میں کافی پیاری لگ رہی ہو، زائر نے دلکشی سے مسکراتے ہوئے تانک کر نشانہ لگایا تھا۔

اسکی اس تعریف پر، عانیہ کے لب مسکرائے تھے۔

بس ضرور کی برداشت یہیں ختم ہوئی تھی اور وہ غصے میں بھرا، زائر کی جانب بڑھا تھا۔

تھینکس آلاٹ زائر لالہ، عانیہ نے مسکرا کر اسے تھینکس کہا تھا۔

اوکم آن ڈیئر اب تم اتنے ہینڈسم بندے کو لالہ تو مت کہو، زائر نے مسکراتے ہوئے مزید ایک تیر چلایا تھا۔

عانیہ۔۔۔ ضریرز کی غصے بھری آواز پر عانیہ اچھل کر پلٹی تھی۔

جج جی لالہ، اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا تھا۔

جاؤ یہاں سے، ضریرز تقریباً دھاڑ کے بولا تھا۔

مم مگر میں نے، عانیہ نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

آئی سیڈ جسٹ گو فرام ہیئر، (میں نے کہا، جاؤ یہاں سے) ضریرز قدرے چلا کر بولا تھا۔

اسکے اس قدر تیز چلانے پر آس پاس کے لوگ انکی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔

اس کا غصے سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ عانیہ جی کہتی ہوئی فورن وہاں سے چلی گئی تھی۔

تم کہینے ہو یہ تو میں بچپن سے جانتا ہوں، مگر اس قدر گھٹیا ہو گئے یہ مجھے آج پتہ چلا ہے، ضرور اسکی طرف دیکھتا ہوا انتہائی اشتعال انداز میں لہجے میں بولا تھا۔

وہ زائر کا آخری جملہ سن چکا تھا جو کہ اسے طیش دلانے کو کافی تھا۔

تھینکس فار دا کمپلیمنٹ، (تعریف کے لیے شکریہ) مگر تمہارے بارے میں میرے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات ہیں، وہ کیا ہے نا تم تو شروع سے ہی گھٹیا تھے، گھٹیا ہو اور گھٹیا رہو گے، ٹھنڈے پرسکون لہجے میں جواب دیتا زائر ضرور کو آگ ہی تو لگا گیا تھا۔

مگر جب ضرور بولا تو اسکا لہجہ بے حد سرد تھا۔

تم جیسے انسان کے منہ لگ کر میں اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہتا اس لیے صرف اتنا کہونگا، ہمارے بچ جو ہے اسے ہم تک ہی رکھو، میری بہن کو ان سب کے بچ میں لانے کی ضرورت نہیں، وہ بہت معصوم ہے زائر، آج کے بعد تم مجھے اسکے آس کے آس پاس بھی دیکھائی دیئے تو میں تمہیں جان سے مار دوںگا، ضروریز نہایت نفرت آمیز لہجے میں بولا تھا۔

میرا جب جو دل چاہیے گا میں وہی کروںگا، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

تم مجھ پر اپنی مرضی مسلط کرو گے؟ سوچ ہے تمہاری، زائر خان اپنی مرضی کا مالک ہے، تم مجھے عانیہ سے بات کرنے سے نہیں روک سکتے، تمہاری بہن میری کزن ہے، اور مجھے نہیں لگتا پھوپھو کو عانیہ سے میرے بات کرنے پر کوئی پروہلم ہوگی، سوٹیک اٹ ایزی مین، اسی کے انداز میں بولتا زائر اسے بہت کچھ جتنا گیا تھا۔

او یو شٹ اپ، ضروریز دھاڑا تھا۔

ہے یو، یو شٹ اپ، اینڈ ڈونٹ یو ڈیئر ٹو ٹالک وڈ می اگین، ان دز ٹون انڈرسٹینڈ، (ہے تم، تم چپ کرو اور مجھ سے آئندہ اس لحجے میں بات کرنے کی ہمت مت کرنا) زائر اس سے بھی تیز آواز میں چلایا تھا۔

اس سے پہلے کے انکی بحث مزید بڑھتی، ایک اسٹوڈنٹ انہیں، ووٹنگ پول پر آنے کے لیے بلانے آگیا تھا۔

سو فائلی دا گیم از بگن ڈیئر کزن، زائر ایک اسٹائل سے کہتا ہوا گلاسز سے آنکھیں کور کرتا اسکے برابر سے گزرا تھا۔

اسٹوڈنٹ، ایڈیٹ، نانسینس ضروریز بھی اسے مختلف القابات سے نوازتا، سر جھٹک کر اسی جانب چل دیا تھا۔

صبح 8 بجے سے جاری ووٹنگ کا ٹائم اب ختم ہونے کو تھا۔

یونی کے گارڈن میں بنے ووٹنگ پول کے سامنے چیئرز پر یونی کے سب ہی اساتذہ کا اسٹاف بیٹھا تھا۔

جبکہ ایک قطار میں وہ لوگ تھے جو مختلف سیٹس کے لیے الیکشن میں کھڑے ہوئے تھے۔

ان ہی لوگوں میں سب سے آگے والی نشستوں میں ایک اسٹائل سے چیئر پر زائر خان بیٹھا تھا۔

جبکہ اس سے کچھ فاصلے پر ضوریز خان بھی وہیں موجود تھا۔

دونوں کی نظریں ووٹنگ پول کی جانب تھیں، وہ دونوں ہی لاشعوری طور پر ایک ہستی کے منتظر تھے۔

بس چند ہی پلوں میں انکا یہ انتظار ختم ہوا تھا، ایک سائیڈ سے صائم کے ساتھ آتی زروا ووٹنگ پول کی جانب بڑھی تھی۔

اسی محلے زائر خان اور ضوریز خان ایک بار پھر سے 4 سال پہلے والے مقام پر آکھڑے ہوئے تھے۔

"یاد ماضی عذاب ہے یارب"

"چھین لے مجھ سے حافظہ میرا"

"ماضی"

رہس شروع ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا۔

اس عرصے میں چار بانکس پیچھے رہ گئیں اب صرف دو بانکس بچیں تھیں۔

فیصلے کا وقت بہت قریب تھا، جیسے جیسے منزل نزدیک آرہی تھی، سب ہی کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔

اچانک ایک بانک، جس پر منان علی اور اسکا کزن میسم علی سوار تھے، وہ آگے کی طرف ہو گئی تھی۔

دور کھڑی زروا اور مشعال کا دل ڈوب ڈوب گیا تھا۔

زائر نے اپنا ہاتھ ہوا میں لہرایا تھا، گویا دور کھڑی زروا کے دل کا حال جان گیا ہو۔

ونگ لائن کچھ ہی فاصلے پر تھی۔

آریو بیڈی جگر؟ زائر نے بانک کے ہینڈل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے ضوریز سے پوچھا تھا۔

یس جگر آئی ایم آلویز بیڈی، ضوریز نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی ساتھ کا یقین دلایا تھا۔

زائر کے لب مسکرائے تھے، اور وہ ہوا کی طرح بانک کو دوڑاتے ہوئے پل بھر میں ونگ لائن کراس کر گیا تھا۔

یہ سب بس پلک جھپک میں ہوا تھا۔

سب ہن دق رہ گئے تھے۔

بالاخر جیت انکا مقدر ٹھہری تھی۔

ونگ لائن کراس کرتے ہی زائر اور ضوریز نے خوشی سے جھومتے ہوئے ہیلمنٹ اتار کر سیلبریشن کے لیے وکٹری کا نشان بناتے ہوئے ہاتھ ہوا میں لہرایا تھا۔

وکٹری کا سائن پاتے ہی دور کھڑے ان کے ساتھیوں کے چہرے بھی خوشی سے کھل اٹھے تھے۔

یاہو، ہم جیت گئے، زروا نے خوشی سے چلا کر نعرہ لگایا تھا۔

یس یس ہم جیت گئے زروا، مشعال اور زروا ایک دوسرے کے گلے لگی تھیں۔

ہرے، فاضلی جیت میرے دونوں بروز کی ہی ہوئی ہے، صائم بھی خوشی سے چلایا تھا۔

زائر خان اور ضوریز خان ہنستے مسکراتے، اب اپنی جیت کا انعام لینے ایک جانب بنے اسٹج کی جانب بڑھ رہے تھے۔

یاہو، یس وی آر دا چیمپیئنز، اگلے کچھ ہی لمحوں بعد اب وہ دونوں ایک خوبصورت سی ٹرافی ایک ساتھ تھام کر اسے ہوا میں لہراتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

اس بات سے بے خبر کے یہ خوشی صرف کچھ وقت کی ہے۔

آج رات کے بعد ان سب کی زندگیوں میں ایک طوفان آنے والا تھا جو سب کچھ تہس
نہس کر دینے والا تھا۔

"کانٹے تو قسمت میں آنے ہی تھے"

"پھول جو ہم نے گلاب چنا تھا"

دوئنگ کلوز ہو چکی تھی۔

سب کو ہی اب شدت سے نتائج کا انتظار تھا۔

اب سامنے بنے اسٹیج پر نتائج کا اعلان کیا جانا تھا۔

عانیہ ضوریز اور صائم ایک ہی نشت میں بیٹھے تھے، جبکہ مشعال اور زائر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

زروا نے اپنے فیصلے پر عمل کر لیا تھا اور اسی لیے اسے اب مزید یہاں رکے کا کوئی جواز نظر نہ آیا تھا، وہ صائم سے ضد کر کے گھر واپس جا چکی تھی۔

اتحاد پارٹی کے امیدوار، زائر خان آفریدی 3000 ووٹس کی اکثریت سے یہ الیکشن جیت گئے ہیں۔

یہ آواز مانگ میں گونجی تھی اور لاکھوں لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔

وہیں ضوریز خان آفریدی کا چہرہ زائر خان آفریدی کی طرف سے ملنے والی اس شکست کے مارے غصے سے سرخ ہوا تھا۔

جبکہ زائر خان کا سر فتح کے احساس بلند ہوا تھا۔

یونیورسٹی کی انتظامیہ انہیں اس جیت پر تمہ دل سے مبارکباد پیش کرتی ہے۔

اب زائر خان کو مبارک باد دی جا رہی تھی۔

زائر خان آفریدی، سے ریکویسٹ کی جاتی ہے کہ وہ اب اسٹیج پر آکر کچھ ورڈز اپنی جیت کے حوالے سے کہیں۔

اس اناؤسمینٹ پر جیت کی خوشی سے ہمکنار چہرہ اور تنی ہوئی گردن بے سرشار سا زائر خان اب اسٹیج کی جانب بڑھ رہا تھا۔

جاتے جاتے اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا اور ایک دل جلانے والی مسکراہٹ ضرور کی طرف اچھالی تھی۔

ضرور زلفت سے اسکی جانب دیکھتا ایک جھٹکے سے اپنی سیٹ سے اٹھا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

عانیہ مشعال اور صائم نے اسکی طرف دیکھا تھا مگر وہ جانتے تھے اسے روکنے کا کوئی فائدہ نہیں، اسی لیے انہوں نے کوشش بھی نہیں کی تھی۔

زائر اب ڈانس پر کھڑا تھا۔

فرسٹ آف آل آپ سب کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اتنی بڑی ذمہ داری کے قابل سمجھا، مانک میں اسکی گھمبیر آواز گونجی تھی۔

اسکی آواز پر ہزاروں لوگ خوشی سے نعرے لگانے لگے تھے۔

میں وعدہ کرتا ہوں، کہ اس ذمہ داری کو ایمانداری سے نبھاؤں گا اور پوری کوشش کروں گا کہ آپ سب کی مجھ سے وابستہ امیدوں پر پورا اتر سکوں۔

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولتا ہوا اپنے لفظوں کے جادو سے ماحول پر چھایا ہوا تھا۔

سو تھینکس اگین، اینڈ ناؤ ایسکیوز می، وہ چند ہی جملوں میں تقریر مکمل کرتے ہوئے سب سے ایسکیوز کرتا شان بے نیازی سے چلتا، اسٹیج سے اترتا تھا۔

اسے آتے دیکھ ہزاروں لوگ اسے مبارکباد دینے اسکی جانب آئے تھے۔

ایسکیوز می لالہ ہم بھی منتظر ہیں، صائم کی آواز پر زائر نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

رش کے بیچ سے نکل کر بامشکل آگے آتے ہوئے صائم کے چہرے پر اسکی جیت کی خوشی واضح طور پر دیکھائی دے رہی تھی۔

Yahooooo....!

لالہ آپ جیت گئے، صائم بچوں کے سے انداز میں خوش ہوتا اسکے گلے لگنے آگے آیا تھا۔

مگر زائر نے ہاتھ بڑھا کر باقی سب کی طرح اس سے بھی صرف ہینڈشیک کرنا چاہا تھا۔

صائم جو کہ کچھ دیر پہلے تک مسکرا رہا تھا اس کے اس انداز پر اسکا دل ایک ایک دم سے

اداس ہوا تھا، اسکی مسکراہٹ سمٹی تھی، زائر کے دل کو کچھ ہوا تھا، اور آج زائر چاہ کر

بھی اسے دھتکار نہیں پایا تھا۔

کانگریٹس لالہ، صائم نے مسکرا کر کہتے ہوئے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا۔

صائم یو آر ریٹلی ٹوچ، اتنی سی بات پر تمہارا چہرہ اتر جاتا ہے، زائر نے سوچتے ہوئے ایک جھٹکے سے اسے سینے سے لگایا تھا۔

آئی لو یو لالہ یو آر دا بیسٹ، صائم سب کچھ بھلا کر اب زائر کے گلے لگا بول رہا تھا۔

صائم یار کیا ہو گیا ہے، بس ہنی زائر نے آہستہ سے کہتے ہوئے اسے دور کیا تھا۔

اسی وقت عانیہ اور مشعال بھی انکے قریب آئیں تھیں۔

کانگریٹس زائر لالہ، عانیہ نے مسکرا کر اسے وش کیا تھا۔

تھینکس عانیہ، زائر نے صرف اتنا کہا تھا۔

کانگریٹس زائر خان، مشعل اسکی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

تھینکس مشعل خان، زائر مبہم سے لہجے میں اسی کے انداز میں بولا تھا۔

لالہ اب آپ کی جیت کی خوشی میں ایک زبردست سی پارٹی تو بنتی ہے، صائم چکا تھا۔

یہ آف کورس والے ناٹ، تم سب آج رات اپنے اپنے فرینڈز کو "خان پیلیس" میں پارٹی کے لیے انوائٹ کر دو۔

زائر خان کچھ سوچتے ہوئے سنجیگی سے بولا تو وہ تینوں، مسکرا دیے تھے۔

مجھے کچھ ضروری کام ہے سو ناؤ ایسکیوز می کہتے ہی وہ بنا کسی کی جانب دیکھے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

آئی ایم سو پیپی، زائر لالہ الیکشن جیت گئے زروا۔

آج رات انکی جیت کی خوشی میں پارٹی ہوگی۔

زروا کو صائم کا ٹیکسیٹ موصول ہوا تھا تب ہی سے وہ عجیب سے احساسات میں گھری ہوئی تھی۔

تو تم جیت ہی گئے زائر خان، زروا نے دل میں سوچا تھا۔

ناجانے کیوں دل ہی دل میں لاشعوری طور پر وہ اسی خبر کی منتظر تھی۔

مجھے پتہ تھا تم جیت جاؤ گے، تمہارے چاہانے والے تو ہزاروں ہیں تمہیں جیتنے کے لیے
میرے ایک ووٹ کی کیا ضرورت ؟

زروا نے ایک عجیب سے احساس سے دل میں سوچا تھا۔

مگر میرا ضمیر مطمئن ہے، میں نے اسے ہی ووٹ دیا ہے جو اسکے لائق تھا۔

سوچتے ہوئے زروا مسکرائی تھی۔

"پتھر تھا مگر برف کی گالوں کی طرح تھا"

"وہ شخص اندھیرے میں اجالوں کی طرح تھا"

"خوابوں کی طرح تھا نہ خیالوں کی طرح تھا"

"وہ علم ریاضی کے سوالوں کی طرح تھا"

"الہجھا ہوا تھا ایسا کہ کبھی کھل نہیں پایا"

"سلجھا ہوا تھا ایسا کہ کی کہ مثالوں کی طرح تھا"

"وہ مل تو گیا تھا مگر اپنا ہی مقدر"

"شطرنج کی ابھی ہوئی چالوں کی طرح تھا"

وہ انتہائی خطرناک تیوریلے، تقریباً دوپہر 12 بجے کے قریب یونیورسٹی سے واپس آیا تھا اور اب گھڑی شام کے 5 بج رہی تھی۔

وہ مسلسل 5 گھنٹوں سے روم میں بند تھا۔

سماہر بیگم اور عانیہ کافی بار اسے بلانے آئیں تھیں۔

مگر ضروریز نے کوئی جواب نا دیا تھا۔

وہ بار بار مایوسی سے ڈور ناک کر کے بالا خراب تھک کر واپس جا چکی تھیں۔

اس وقت اس کا کمرہ کسی جنگ کا سامیدان محسوس ہو رہا تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل پر موجود اسکے بیش قیمتی پرفیومز اور باقی کا سامان زمین کی زینت بنا ہوا تھا۔

بیڈ شیٹ اور کشنز بھی زمین پر پڑے ہوئے تھے، جبکہ بہت سے قیمتی شوپیز اور بھی کئی چیزوں کو وہ اپنے عتاب کا نشانہ بنا چکا تھا۔

ضوریز نے جیسے اپنے ہار جانے کا سارا غصہ ان بے جان چیزوں پر اتارا تھا۔

اسوقت وہ روم میں اندھیرا کیے روم کے بیچ و بیچ موجود صوفے پر بیٹھا تھا۔

موسم کافی سرد تھا اسکے باوجود اسکے جسم پر شرٹ نداد تھی، اسکے اندر تو گویا آگ لگی ہوئی
تھیں جس کی تپش کے آگے یہ ٹھنڈ کچھ نا تھی۔

اسکا دل چاہ رہا تھا سب کچھ تھس نہس کر کے رکھ دے۔

وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا اپنے اندر اٹھتے اس اشتعال کو کم کرنے کی کوشش کر رہا
تھا، اس کا عالیشان کمرہ سگریٹ کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔

تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟ الیکشن جیت کر تم نے سب کچھ جیت لیا؟ نہیں زائر خان، تم
نے میری جیت مجھ سے چھینی ہے، اب میں تم سے تمہاری ہر خوشی چھین لوں گا، ابھی تو
گیم اسٹارٹ ہوا ہے کزن، میں تمہیں برباد کر دوں گا، سمجھے تم، نفرت آمیز انداز میں سوپتے
ہوئے ضروریز غصے سے چلایا تھا۔

اسی وقت اسکا موبائل بجا تھا۔

جسے کچھ دیر نظر انداز کرنے کے بعد بالآخر اس نے کال رسیو کر ہی لی تھی۔

اگلی طرف سے ملنے والی نیوز سن کر اس کے لبوں پر شاطرانہ مسکراہٹ رہنگ گئی تھی۔

اوہ تو آج رات "خان پیلیس" میں تمہاری جیت کی خوشی میں پارٹی رکھی گئی ہے۔

اصل مزہ تو اب آئیگا، تمہاری ہی پارٹی میں آکر تمہارا ہی موڈ اسپواٹل نا کیا تو میرا نام ضرور
خان نہیں۔

تمہاری خوشیوں بھری شام کو تباہ کرنے کے لیے ضرور خان آفریدی ضرور تمہاری پارٹی کو
رونق بخشنے گا۔

ضوریز کا شیطانی دماغ کافی تیزی سے چل رہا تھا۔

"خان پیلیس" کی تو آج شان ہی نرالی تھی اور ہوتی بھی کیوں نا، آج زائر خان آفریدی کی جیت کا جشن جو تھا۔

پورے حال کو بہت خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔

وہاں جلتی مرکزی لائٹس نے ہر طرف گویا نور سا پھیلا دیا تھا۔

حال میں ایک طرف گول ٹیبلز اور چیئرز لگائیں گئیں تھیں۔

بہت قرینے سے گول میز کے گرد سرخ ویلوٹ کے کور والی چیئرز لگی ہوئیں تھیں، جبکہ ہر میز پر درمیان میں سرخ تازہ گلاب کے پھولوں کے مہکتے سجے ہوئے گلدستے رکھے ہوئے تھے، ان پھولوں کی دلفریب مہک نے ماحول میں لطیف سا احساس بکھیر دیا تھا۔

حال کے بالکل پچ و پچ بیش قیمتی فانوس نصب تھا، جسکی روشنی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

جبکہ اس فانوس کے عین نیچے مضبوط گلاس فلور لگا ہوا تھا، جس پر پڑتی فانوس کی روشنی بہت خوبصورت منظر پیش کر رہی تھی۔

غرض کہ پورا پیلیس روشنیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

پارٹی میں لوگ آنا شروع ہو چکے تھے۔

جبکہ سفیرخان بھی آج فلوقت سارا غصہ بھول کر دل سے بیٹے کی خوشی میں شریک تھے،
گویا اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتے ہوں۔

پلوشہ بیگم اور نگین بیگم اپنے جانے والی لیڈیز کے ساتھ ایک سائیڈ کھڑی باتوں میں
مصروف تھیں، جبکہ سفیرخان مراد خان اور فرقان خان کے ساتھ کھڑے اپنے حلقہ احباب
سے بیٹے کی جیت کی مبارکباد وصول کر رہے تھے۔

صائم اس وقت اپنے یونی فیلوز کے ساتھ کھڑا اپنے لالہ کے ہی متعلق باتیں کر رہا
تھا، بلاشبہ آج وہ بہت خوش تھا اور یہ خوشی اسکے چہرے سے صاف جھلک رہی تھی، بلو
پینٹ اور وائٹ شرٹ پر بلو ہی کوٹ پہنے اپنے چاکلیٹ براؤن بالوں کو اسٹائل سے سیٹ
کے مسکرا کر سب کو ویلکم کرتا صائم خان آفریدی بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

ارے جن کے اعزاز میں یہ پارٹی رکھی گئی ہے زرا انہیں بھی تو بلاؤ صائم خان، بیسہ علی
کی آواز پر صائم پلٹا تھا۔

براؤن کلر کے سلیولیس ٹاپ میں ڈارک میک اپ اور گولڈن ڈائی بالوں میں، وہ کافی بولڈ
لک میں تھی۔

ارے ہاں صائم کہاں ہیں تمہارے لالہ، ہم بھی ہیں راہوں میں، ایک اور لڑکی شوخ انداز
میں بولی تو سب ہنس دیے تھے۔

وہ کیا ہے نا گاٹز، میرے لالہ اس پارٹی کے چیف گیسٹس ہیں اور انہی کے لیے تو
اسپیشلی یہ پارٹی تمہرو کی گئی ہے، اسلیے آپ سب کو زرا ویٹ کرنا ہوگا، صائم ایک ادا سے
بولا تھا، شرارتی انداز مسکراتا لب و لہجہ، وہ کسی بھی لڑکی کی پسند ہو سکتا تھا۔

اسکائی بلو باربی اسٹائل گاؤن جو کہ اسکے قدم چھو رہا تھا، میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

لائٹ سے میک اپ، نے عانیہ کی خوبصورتی کو نکھار دیا تھا جبکہ جیولری کے نام پر اس نے صرف ڈائمنڈ ایئرنگز پہنے ہوئے تھے۔

کمر تک آتے براؤن سلکی بالوں کو اس نے سائیڈ بن کی شکل دی تھی، جس کے اطراف سے کچھ لٹیں نکل کر اسکے چہرے کو چھو رہی تھیں۔

سو عانیہ خان تو تم پارٹی کے لیے ریڈی ہو، اس نے آئینہ دیکھتے ہوئے مسکرا کر زیر لب کہا تھا۔

پنک لپ اسٹک کو ایک اور کوڈ دے کر، عانیہ نے اپنی تیاری کو فائل ٹچ دیا تھا، اور مسکرا کر اپنا گاؤن سنبھالتی ہوئی روم سے نکلی تھی جہاں شہروز خان اور سماہر بیگم "خان پیلیس" جانے کے لیے اسکا انتظار کر رہے تھے۔

زائر کی طرف سے انہیں ود فیملی انوائیٹ کیا گیا تھا۔

ٹی پنک کلر کے زمین کو چھوتے ہاف سلیوز گاؤن میں ماہرانہ انداز میں کیے گئے میک اپ میں وہ کوئی شہزادی ہی لگ رہی تھی۔

ٹی پنک ہی نفیس سی جیولری اس کے نازک سراپے پر بچ رہی تھی، جبکہ کمر سے تھوڑے اوپر آتے گولڈن براؤن بالوں کو اس نے خوبصورتی سے رول کر کے کھلا چھوڑا گیا تھا۔

ایک ہاتھ سے اپنا گاؤں سنبھالتی وہ سچ سچ کر قدم اٹھاتی حال میں انٹر ہوئی تو صائم اسے دیکھتے ہی اسکی جانب آیا تھا۔

کیسی لگ رہی ہوں میں؟ مشعال اسکے قریب آتے ہی اک ادا سے پوچھ رہی تھی۔

یہ تو میں بتاتا ہوں پر تم ہو کون ویلے؟ وہ انجان بنا تھا۔

ایں ہیں، حد ہو گئی، میں مشعال ہوں صائم، تم نے مجھے نہیں پہچانا، مشعال کو تو صدمہ ہی لگ گیا تھا۔

اوہ تو یہ تم ہو، میں نے تو تمہیں پہچانا ہی نہیں، ویلے جب ہی تو میں بولوں، کہ آج یہاں ایک سے بڑھ کر ایک حسینائیں موجود ہیں ایلے میں یہ چڑیل کہاں سے آگئی، معصومیت سے بولتا صائم اسے تپا ہی تو گیا تھا۔

واٹ؟ تم نے مجھے چڑیل کہا؟ مشعال نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

نہیں تو، میں نے تو یہاں موجود لڑکیوں کو خوبصورت کہا، صائم نے جان بچانے کو بات گھمائی تھی۔

میں ہے ناسب سمجھتی ہوں، صائم تم سدھر جاؤ ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گی، مشعال تپے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

اسی وقت کچھ مہمانوں کے ساتھ پلوشہ بیگم وہاں آئیں تھیں۔

سو مسز صدیقی یہ ہے میرا چھوٹا بیٹا، صائم خان آفریدی، پلوشہ بیگم نے انہی کی ہم عمر ایک لیڈی کو اسکے بارے میں بتایا تھا۔

ہائے آنٹی، صائم نے مسکرا کر انہیں ہائی کیا تھا۔

ہیلو بیٹا، ماشاء اللہ بہت پیارا ہے آپ کا بیٹا تو، مسز صدیقی نے اسے جواب دیتے ہوئے
پلوشہ بیگم سے مسکرا کر کہا تو صائم بھی ہنس دیا تھا۔

تعریف سن کر زیادہ ہی دانت نہیں نکل رہے تھارے، مشعال نے اس کے کان میں
سرگوشی کی تھی۔

تو تم کیوں جل رہی ہو جل ککڑی، صائم بھی دوہرو بولا تھا۔

تم سے جلتی ہے میری جوتی، مشعال کہاں پیچھے رہتی۔

چلو وہی سہی، جل تو گئی نا، صائم نے اسے پھر سے تپایا تھا۔

ویسے ماشاء اللہ آپکی بہو بھی بہت پیاری ہے، انہوں نے پلوشہ بیگم سے بات کرتے ہوئے
مشعال کی طرف دیکھتے کر کہا تو مشعال کو شاک لگا تھا جبکہ صائم نے بامشکل اپنی ہنسی
کنٹرول کی تھی۔

ہنسنا بند کرو ورنہ تم میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گے، مشعال نے بوٹے ہوئے اس کے
پاؤں پر پاؤں مارا تھا۔

صائم بس اسے گھور کر رہ گیا تھا، وہ پلوشہ بیگم اور مسز صدیقی کی موجودگی میں اسے کچھ
بول بھی ناسکا تھا۔

ارے نہیں مسز صدیق یہ میری بھتیجی ہے، ابھی تو میرے بیٹے کی شادی بھی نہیں ہوئی،
پلوشہ بیگم نے جلدی سے انکی غلط فہمی، دور کی تھی کہ کہیں وہ کچھ اور ہی نا بول دیں۔

او آئی ایم ریٹلی سوری مجھے غلط فہمی ہو گئی، وہ اب شرمندہ ہوئی تھیں۔

اُس اوکے آنٹی کوئی بات نہیں، صائم نے مسکرا کر کہتے ہوئے انکی شرمندگی کم کرنا چاہی تھی۔

ویلے آپ کا دوسرا بیٹا کہاں ہے جس کے لیے یہ پارٹی رکھی ہے؟ اب وہ زائر کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔

وہ دن بھر بڑی تھا اسلیے لیٹ ہو گیا ہے بس ابھی آتا ہی ہوگا، پلوشہ بیگم نے انہیں مطمئن کیا تھا۔

آئیے ہم وہاں چل کر بیٹھتے ہیں، انہوں نے ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو مسز صدیقی انکے ساتھ چل دی تھیں۔

ویسے کیا خیال ہے پھر؟ انکے جانے کے بعد صائم، مشعال کی طرف دیکھتے ہوئے
مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

کس بارے میں؟ مشعال نے حیرانگی سے اس سے سوال کیا تھا۔

میری مومی جان کی بہو بننے کے بارے میں، صائم شرارتی آنکھ کا کونا دباتا ہوا انداز میں بولا
تھا۔

اسکی بات سن کر مشعال کا دماغ گھوما تھا۔

ویسے تمہاری یہ بات سن کر میں سوچ رہی ہوں تمہارا گلانا دبا دوں، مشعال خطرناک تیور لیے
اسکی جانب بڑھی تھی۔

ہاہاہا، صائم تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے رفوچکر ہو گیا تھا۔

ہے موم ڈیڈ، ویٹ آئی ایم آلسو کمینگ، (ہے موم ڈیڈ ریکے میں بھی آ رہا ہوں)

وہ تینوں، جو باہر کی جانب بڑھ رہے تھے اسکی آواز پر انکے قدم رکے تھے۔

سیڑھیوں کے قریب ہی، بلیک پینٹ شرٹ پر بلیک ہی ویلوٹ کا کوٹ پہنے، گولڈن بالوں کو جیل سے سیٹ کیے، عنابی لبوں پر جاندار مسکراہٹ لیے خوشبوؤں میں رچا بسا ضوریز خان اپنے چارمنگ لک میں بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

سامبر بیگم نے دل ہی دل میں اپنے تختِ جگر کی نظر اتلاری تھی۔

لالہ آپ بھی ہمارے ساتھ جائیں گے؟ عانیہ نے خوشی اور حیرت کے لے جھلے تاثرات سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ہاں بھئی بلکل، ضروریز نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

مگر بیٹا تم تو بہت غصے میں تھے سو ہم نے سوچا، سماہر بیگم کی بات پوری بھی نا ہونے پائی تھی کہ وہ بول پڑا تھا۔

ارے موم میں میں کیوں اپنے بھائی کی خوشیوں میں شامل نا ہوؤںگا، میں نے مانا میں یہ الیکشن جیت نہیں سکا مگر میں زائر کی جیت سے بھی تو سیلیبرٹ کر سکتا ہوں نا، وہ اپنے مزاج کے برخلاف نرمی سے کہتا انہیں حیران کر گیا تھا۔

ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے بچے، ہمیں تم سے یہی امید تھی، جو دوسروں کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں، اسدا انہیں بہت نوازتا ہے، شہروز خان اسکا شانہ تھپاتے ہوئے پیار سے بولے تو ضوریز نے بلا کی معصومیت چہرے پر سجا کر جی کہا تھا۔

ویلے لالہ آج تو آپ بہت ڈیشنگ لگ رہے ہیں، عانیہ نے دل سے اپنے پیارے بھائی کی تعریف کی تھی۔

تھینکس گرٹیا، تم بھی بہت پیاری لگ رہی ہو، ضوریز نے بہن کی طرف دیکھ کر محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

وہ تو میں ہوں ہی، مگر لالہ میرے ایک بات سمجھ نہیں آئی، آج دوپہر ہی آپ کی اور زائر، عانیہ کی بات ضوریز نے کاٹ دی تھی۔

یار گریا میں اب اتنا بھی برا نہیں ہوں جتنا آپ لوگ مجھے سمجھتے ہیں، ضروریز مصنوعی اداسی سے بولا تھا۔

(بلکہ میں اس سے بھی کئی زیادہ برا ہوں) اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

ارے ہمارا بیٹا بالکل بھی برا نہیں بس غصے کا تھوڑا تیز ہے، ورنہ دل کا ہیرا ہے ہمارا شہزادہ، شہرو خان مسکراتے ہوئے بولے تو ضروریز کو اچانک کھانسی کا دوڑا پڑا تھا۔

ارے کیا ہوا، تم ٹھیک تو ہونا بیٹا؟ سماہر بیگم ایک دم پریشان ہوئی تھیں۔

ارے نتھنگ موم، آئی ایم فائن، آپ چلیے میں آتا ہوں، ضروریز نے انہیں مطمئن کیا تھا۔

ٹھیک ہے جلدی آنا، ہم گاڑی میں ویٹ کر رہے ہیں، شہروز خان بولے تو ضروریز نے

اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اففف، انکے جانے کے بعد ضوریز نے ایک لمبا سانس خارج کیا تھا، اسکے لبوں پر ایک شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔

اوگاڈ، کتنے سوال کرتے ہیں میرے پیرینٹس، ان سے تو بچ کے رہنا ہوگا، ورنہ تم تو گئے ضوریز۔

ضوریز آہستہ سے بڑبڑایا تھا۔

بٹ ویل ڈن کیا ایکٹنگ کرتے ہو تم ضوریز خان، اس نے مسکراتے ہوئے خود کو داد دی تھی۔

سوزائر خان آئی ایم کمنگ مائی ڈیئرلیسٹ کزن، فار میکنگ یور ایوننگ مور اسپیشل، یوجسٹ ویٹ لینڈ واچ۔

(تو زائر خان میں آ رہا ہوں میرے پیارے کزن، تمہاری شام کو اور بھی خاص بنانے، بس
تم انتظار کرو)

اس نے نفرت سے سوچا تھا اور ایک شوخ سی دھن گنگنا تا ہوا باہر کی جانب بڑھا تھا

وہ کافی دیر سے تذبذب میں تھی۔

صائم کے کافی میسجز آپکے تھے کہ وہ اب تک نیچے کیوں نہیں آئی، مگر اس نے کوئی
جواب نا دیا تھا۔

اب کہ تو اسکا باقاعدہ دھمکی والا مہیج آیا تھا۔

تم اگر اگلے 20 منٹس میں نیچے نا آئی تو میں مومی جان کے ساتھ اوپر آجاؤنگا پھر وہ تمہیں
یلے بنا واپس نہیں آئینگے، اب تمہیں کیا کرنا ہے یہ تم پر ہے۔

اسکے اس دھونس بھرے انداز پر زروا ہنس دی تھی۔

میں بس آرہی ہوں، اس نے کچھ سوچ کر ٹائپ کر ہی دیا تھا۔

وہ جانتی تھی وہ نہیں جائیگی تو سب پریشان ہو جائینگے اور پھر زائر خان کو چاہے اس سے
کوئی فرق پڑے نا پڑے مگر وہ باقی سب کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اسی یلے کچھ سوچ کر وہ اپنا ڈیس لے کر فریش ہونے چل دی تھی۔

ارے آگئے آپ لوگ، آپ کا ہی انتظار تھا بھائی صاحب، شہروز خان اور سماہر بیگم کو دیکھتے ہی فرقان خان سب سے پہلے آگے بڑھے تھے۔

ہاں بس بھائی یہ آپکے بھانجے صاحب نے تمھوڑی دیر کروادی، وہ ہنس کر کہتے ہوئے فرقان خان سے بگلگیر ہوئے تھے۔

اوہ ڈیڈ آپ بھی نا، انکی بات پر ضوریز نے منہ بنایا تھا۔

اسے منی پھلائے دیکھ سب ہنس دیے تھے۔

جبکہ اب باقی سب بھی شہروز خان سے مل رہے تھے۔

سماہر بیگم اپنے تینوں لالہ سے مل کر اب پلو شہ بیگم اور نگین بیگم کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

غانیہ مشعال کو دیکھ کر اسکے پاس چلی گئی تھی جبکہ ضوریز خان بھی سب سے مل کر اب اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

بلیک کلر کی نیٹ فیڑی اسٹائل فرائڈ جو کہ قدم چھوتی تھی، اس کی دودھیارنگت اور نازک و دلکش سہا ہے پر بے حد چمک رہی تھی۔

لائٹ نفاست سے کیے گئے میک اپ پر ریڈ لپ اسٹک لگائے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی، اس پر اس کے ہونٹ کے عین نیچے موجود سیاہ تل اسکی خوبصورتی کو چار چاند لگاتا تھا۔

اسکے ناک میں موجود ڈائمنڈ کی نوزین اسکے صبح چہرے کو ایک الگ ہی جلا بخش رہی تھی۔

جبکہ اپنے لمبے گھنے خوبصورت سنہری بالوں کو اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

اس نے تیار ہونے کے بعد ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنے گلے میں موجود زیڈ۔ کے کے لاکٹ کو چھوا تو اس کے لبوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ آگئی تھی۔

جبکہ اسکے گال پر پڑتے ڈمپل بھی مسکرے اٹھے تھے۔

وہ آج سہی معنوں میں کسی شاعر کی خوبصورت غزل معلوم ہو رہی تھی۔

خوبصورت غزل جیسا ہے اسکا چاند سا چہرہ !!!

نگاہیں شعر پڑھتی ہیں، تو لب ارشاد کہتے ہیں !!!

صائم مشعال، عانیہ اور ضوریز ایک ساتھ کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔

اسی وقت بلیک جینس پر بلیک ہی شرٹ اور گرے کلر کا کھانسی کا کوٹ پہنے اپنے
بھورے بالوں کو جیل سے سیٹ کیے، ایک شان سے سیڑھیوں سے اترتا ہوا زائر خان
آفریدی ان سے کچھ فاصلے پر آکر رکا تھا۔

بے شمار نظریں اسکی جانب اٹھی تھیں، جن میں سے کچھ میں حسد تھا تو کئی نظریں رشک
لے ہوئے تھیں۔

اپنی چھا جانے والی پرسنالٹی کے ساتھ بلاشبہ وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

اسکی نیلی سمندر سی آنکھوں میں فح کی چمک تھی۔

ایک ہاتھ جیب میں ڈالے جبکہ دوسرے ہاتھ میں موبائل تھامے حال کے پیچ و پیچ کھڑا وہ
آج اس محفل کی جان بنا ہوا تھا۔

آؤ سناؤں تمہیں قصہ

اک شخص کا

بتاتی ہوں تمہیں

وہ شخص کیسا تھا

گلاب کے شجر کی مانند لگتا تھا

خزاؤں میں موسم بہار جیسا تھا

اس کے ہونے سے

رقص کرتی تھیں خوشیاں

اسکی باتیں دلفریب،

اسکی مسکراہٹ دل و جاں

جیسے ہو ہر سو جشن بہاراں

اداس چہروں پہ

مسکراہٹ کے پھول کھلا دے

بے رونق محفل میں اپنی آمد سے

روشنیاں بکھیر دے، چار چاند لگا دے

خوبصورت دل کا مالک

وہ انمول سا شخص

باکمال سا شخص

حسن و وجاہت میں

وہ بے مثال سا شخص

بے رنگ زندگی میں

بہاروں جیسا ہے

سنو وہ شخص ایسا ہے

کسی کہانی کے شاہکار

کرداروں جیسا ہے

اسے دیکھ کر ضوریز خان کے دماغ میں ایک خیال تیزی سے آیا تھا اور وہ اسکی جانب بڑھا
تھا جبکہ زائر خان بھی اپنی مخصوص شاہانہ چال چلتا ہوا اس کے قریب آکر رکا تھا۔

زائر اب بالکل ضوریز کے سامنے کھڑا تھا۔

تو تم بھی یہاں موجود ہو، اٹس امیزنگ، زائر خان بظاہر مسکرا کر بولا تھا۔

ہاں بالکل، تمہاری جیت کا جشن ہے، مجھے تو یہاں آنا ہی تھا، میرے بنا تو یہ محفل ادھوری ہوتی ڈیئر کزن، ضوریز خان نے بھی مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔

ویلے مجھے تو لگا تھا تم کہیں منہ چھپائے بیٹھے ہونگے اور اپنی ہار کا ماتم منا رہے ہونگے مگر تم تو انتہائی بے شرم نکلے، مجھ سے اتنی بری طرح شکست پانے کے باوجود منہ اٹھا کر میری ہی جیت کے جشن میں چلے آئے ہو، چچ چچ چچ، نہایت ہی کوئی بے غیرت مٹی سے بنے ہو تم ضوریز خان، لفظ تھے کہ شعلہ، زائر خان ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ہتک آمیز انداز میں کہتا ضوریز خان کو سرتاپا سلگا گیا تھا۔

مارے غصے کے ضوریز کا خوبو چہرہ پل بھر میں سرخ ہوا تھا۔

مگر لگے ہی پل اس نے خود پر قابو پالیا تھا اور بولا تو زائر سلگ ہی تو اٹھا تھا۔

شاید وہ بھول گیا تھا کہ سامنے بھی ضوریز خان تھا، جو اسی کی طرح مقابل کو لا جواب کرنے میں کوئی ثانی ناکھتا تھا۔

تم نے ابھی صرف ایک بازی جیتی ہے، پوری جنگ ابھی باقی ہے ڈیئر کزن، اور وہ دراصل کیا ہے نا، میں جو کرتا ہوں نا اس کے پیچھے خاص وجہ ہوتی ہے، تمہاری طرح جوش میں جوش گنوا کر بے وقوفوں والی حرکتیں کرنا ضوریز خان کی شرست میں نہیں، اور جو میں آج کرنے والا ہوں نا اس سے یقیناً تمہیں بالکل بھی خوشی نہیں ہوگی۔

اسلیے جتنا اچھلنا ہے اچھل لو، جتنی خوشیاں منانی ہے منا لو، کیونکہ کچھ دیر میں ہی تمہاری یہ جو مسکراہٹ ہے نا وہ میں چھین لوں گا اور تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔

ضوریز خان نے اردگرد نظر دواراتے ہوئے ایک ادا سے کہا تھا۔

ایک دم سے زائر کی رگیں تنی تمہیں مگر وہ فلحال صرف اتنا بولا تھا۔

وی ول سی۔

زائر خان نے لاہرواہی سے کہا تو ضوریز نے اچانک اس سے بگلگیر ہوا تھا۔

دور سے دیکھنے والوں کو وہ دونوں بہت گہرے دوست معلوم ہوتے تھے جو ایک دوسرے سے گپ شپ میں مصروف تھے۔

یس ڈیئر کزن وی ول سی، وہ اب اس کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

ان سے کچھ فاصلے پر کھڑے صائم عانیہ اور مشعال نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ شکر آج انکے بچ کوئی جنگ ناچڑھی تھی۔

انہیں باتوں میں مصروف دیکھ وہ لوگ بھی اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

اب کوئی انکی جانب متوجہ نا تھا۔

ہوٹے پیچھے ایڈیٹ انسان، زائر خان نے اسے ایک جھٹکے سے الگ کیا تھا۔

بابا، تم تو ابھی سے ڈر گئے، ضرور ہنسنا تو زائر تپ گیا تھا۔

سوچ ہے تمہاری، ناسینس، وہ کہتا ہوا اسے نظر انداز کرتا آگے بڑھا تھا۔

اوہ واؤ، لالہ یو آر لوکنگ سو ڈیشنگ، صائم نے اسے دیکھتے ہی دل سے تعریف کی تھی۔

تھینکس، زائر نے محض اتنا کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

اسی وقت صائم کا موبائل بجا تو وہ ایسکیوز کرتا وہاں سے چلاگی تھا۔

عانیہ دوپہر والی بات کی وجہ سے زائر سے مخاطب نا ہوئی تھی جبکہ مشعال کھل کر اس سے بات کرنے لگی تھی۔

وہ سب بہت خوش تھے کیونکہ آج رات زائر خان اور ضوریز خان کی بانک ریس جیتنے کی خوشی میں انکے فارم ہاؤس پر ایک بے حد شاندار پارٹی رکھی گئی تھی۔

ساتھ ہی ساتھ آج رات 12 بجے زائر خان کا برتھ ڈے بھی تھا، جسے وہ پانچوں مل کر یادگار بنانا چاہتے تھے۔

انکا پلان آج رات پارٹی کے بعد 12 بجے پوری فیملی کے ساتھ زائر کو برتھ ڈے وش کرنے کا تھا۔

زائر ان کے اس پلان سے بے خبر تھا۔

مشعال عانیہ، زروا اور صائم نے پوری فیملی کو اپنے پلان کا بتایا تو سب ہی بڑوں نے انکا ساتھ دینے کی حامی بھر لی تھی۔

وہ سب اس بات سے بے خبر تھے کہ آج قسمت ان کے ساتھ بہت بڑا کھیل کھیلنے والی ہے۔

--

زائر ابھی اپنے روم میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ اس کا موبائل بجاتا تھا۔

ضوریز کا میج دیکھ کر اس نے جلدی سے اوپن کیا تھا۔

جگر جلدی فارم ہاؤس آجا میں ویٹ کر رہا ہوں، کچھ کام ہے، ضروریز

اسے اس وقت کونسا کام پڑ گیا جو ٹائم سے پہلے بلا رہا ہے؟ یہ تو ایک گیٹ لو گیر ہے، اسلیے سب وقت پر ہی آئیگا پھر کوئی کام بھی نہیں تو ضروریز ابھی سے وہاں کیا کر رہا ہے۔

خیر، اب یہ تو وہاں جا کر ہی پتہ چلیگا، زائر میج پڑھتے ہی باہر کی جانب بڑھا تھا کچھ سوچ کر بانک کی کیز اٹھا کر فارم ہاؤس کے لیے نکل گیا تھا۔

کمینہ اب مجھے بلا کر خود غائب ہے، اس نے فارم ہاؤس کا مین گیٹ اپنے پاس موجود کیز سے کھولے ہوئے سوچا تھا۔

زائر جب فارم ہاؤس پہنچا تو شام کے 6 بج رہے تھے یعنی پارٹی شروع ہونے میں ابھی 3 گھنٹے باقی تھے، وہ ساری لائٹس آن کرتا ایک روم کی جانب بڑھا تھا۔

یہ روم اس کے ہی زیر استعمال تھا وہ جب بھی یہاں آتا تھا یہیں رکتا تھا۔

زائر نے جب روم کا دروازہ کھولا تو وہ حیران رہ گیا تھا۔

روم بے حد خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔

ہر طرف گلاب کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔

سامنے ہی ٹیبل پر ایک کارڈ رکھا ہوا تھا۔

زائر نے قریب جا کر اسے اٹھا کر پڑھا تھا۔

آج رات 12 بجے تیرا برتھ ڈے ہے مگر میں سب سے پہلے تجھے وش کرنا چاہتا تھا اس لیے یہ چھوٹا سا سرپرائز تیرے لیے، ساتھ ہی ایک گفٹ باکس اور ایک چاکلیٹ کیک رکھا تھا۔

زائر نے اسے اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا تو اسکی نظر اپنے فیورٹ چاکلیٹ کیک پر پڑی تھی۔

زائر نے گفٹ کھولنے سے پہلے کیک کا پیس کاٹ کر منہ رکھا تو کچھ ہی دیر میں اسے زور کا چکر آیا تھا اور وہ ایک جھٹکے سے زمین پر گرا تھا۔

وقت نے اپنی چال چل دی تھی۔

ابھی وہ اپنی فراک کا گھر سنبھالے روم سے باہر ہی نکلی ہی تھی کہ اچانک ساری لائٹس آف ہو گئیں تھیں۔

یالہاب یہ لائٹس کو کیا ہو گیا، زروا نے کوفت سے سوچا تھا اور وہی رک گئی تھی۔

اسی وقت ایک مضبوط مردانہ ہاتھ نے اسے ایک جھٹکے سے اپنی جانب کھینچا تھا۔

زروا کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس شخص کے سینے سے جا لگی تھی۔

یہ سب اتنا آنا فانا ہوا تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔

خود کو اس شخص کے حصار میں دیکھ کر، مارے خوف کے اسکی چیخ نکلنے کو تھی۔

اس سے پہلے ہی مقابل نے اسکے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کروایا تھا۔

ڈر کے مارے زروا تھر تھر کانپ رہی تھی، اسکا نازک وجود لرز رہا تھا جبکہ ہیزل گرین خوبصورت آنکھوں میں خوف کی لکیر تھی۔

اسکی آنکھ کھلی تو اسے اپنا سر بری طرح چکراتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

وہ فوراً اٹھ کر بیٹھا تھا، میں کہاں ہوں؟ اس نے چکراتے ہوئے سر کو تھامتے ہوئے سوچا تھا۔

اسی وقت ایک نسوانی آواز اسکے کانوں میں گونجی تھی۔

ہے زائرِ ہاؤ آریو؟ ایک انتہائی بولڈ سی لڑکی اسکے قریب ہی براجمان تھی اور اس سے اس طرح
حال چال پوچھ رہی تھی گویا برسوں کی شناسائی ہو۔

زائرِ خان جو کہ غنودگی کی سی کیفیت میں تھا، اسے سامنے دیکھ کر اسے شدید جھٹکا لگا تھا
اور وہ فوراً حوش میں آیا تھا۔

وہ لڑکی ریڈ سلپولیس اور قدرے گہرے گلے والے ٹاپ میں ملبوس تھی جو کہ اسکے جسم کے
نشیب و فراز کو کھل کر نمایاں کر رہا تھا۔

آریو اوکے؟ اب وہ بے حد اپنائیت سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

ہے یو، ہو آریو؟ لینڈ واٹ آریو ڈونگ ہیئ؟ (ہے تم، کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہی ہو
(زائر خان کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

وہ میں، مجھے تو ضریرز خان نے یہاں بھیجا ہے، تمہیں برتھ ڈے کا سرپرائز دینے کے لیے،
آئی ایم یور گفٹ ہنی، وہ لڑکی پل بھر کو تو گر بڑائی تھی مگر پھر سنبھل کر بوٹے ہوئے اسکے
شانے سے لگی تھی۔

ڈونٹ ٹچ می یو، زائر چلایا تھا۔

اسی وقت کمرے کا دروازے کھلا تھا۔

اب وہ شخص زروا کو کھینچتے ہوئے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

زروا اس کے ساتھ کسی بے جان شے کی مانند گھسیٹتی چلی جا رہی تھی۔

کمرے کے سامنے پہنچتے ہی اس شخص نے ایک جھٹکے سے زروا کو اندر دھکیلا تھا اور خود بھی اسکے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا تھا اور کمرے کو لاک کیا تھا۔

کک کون ہو تم، زروا نے سنبھلتے ہی چلا کے پوچھا تھا۔

اسی وقت لائٹس آن ہوئیں تھیں۔

سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر زروا کو شاک لگا تھا۔

آپ، مجھے آپ سے اس قدر گھٹیا، حرکت کی امید نہیں تھی آپ انتہائی، اس سے پہلے کے وہ مزید کچھ کہتی ضوریز خان کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی تھی۔

ہے یو، جسٹ شٹ اپ، ضوریز خان دھاڑا تھا۔

وہ پل بھر میں فاصلہ مٹاتا اسکے قریب آیا تھا زروا اچھل کر پیچھے ہٹی تھی۔

ضوریز نے دلچسپی سے اسکا سجاہوا روپ دیکھا تھا۔

اسکے اس قدر خطرناک تیور دیکھ کر زروا سم گئی تھی۔

پلیز دور ہٹیے، زروا نے اسکے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیلا تھا۔

ضوریز ایک دم حوش میں آیا تھا اور پیچھے ہٹا تھا۔

آپ بہت گھٹیا، اسکی بات ضروریز نے سختی سے کاٹ دی تھی۔

شٹ اپ، کونے گھٹیا پن کے مظاہرے کر دیے میں نے تمہارے ساتھ؟ ہاں؟ ضروریز دھاڑا تھا۔

اس کی تیز آواز اور سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر زروا کی بولتی بند ہوئی تھی۔

جبکہ ضروریز خان اب مٹھیاں بھینچے اپنے اندر اٹھتے اشتعال کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کچھ ایسا بول دے جس سے زروا اس سے بدگمان ہو جائے اور اسکا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے اور وہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہو بھی گیا تھا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جب وہ دوبارہ زروا کی طرف متوجہ ہوا تو اسکے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور لہجہ پہلے کی نسبت کافی حد تک نرم تھا۔

دیکھو میں تو بس موم کے کہنے پر تمہیں دیکھنے آیا تھا صرف، اسی وقت لائٹ آف ہو گئی، اور تم چیخنے والی تھیں، سو اسلیے مجھے تمہیں روکنے کے لیے یہ کرنا پڑا، مگر میرا ارادہ ہرگز بھی غلط نہ تھا، اب وہ چہرے پر دنیا جہان کی معصومیت سجائے دھیمے لہجے میں بولتا ہوا، اسے مطمئن کر رہا تھا۔

اسکی بات سن کر زروا کچھ پل تو خاموش رہی تھی۔

اب تم پر ایسے الزامات لگاؤ گی تو مجھے غصہ تو آئیگا ہی نا؟ ضروریز انتہائی چالاک سے جال بن رہا تھا۔

مگر آپ نے بالکل بھی اچھا طریقہ استعمال نہیں کیا ضرور، زروا نے بے ساختہ اس سے شکوہ کیا تھا۔

اچھا یار غلطی ہو گئی، میں بس جلدی میں تھا، اب چل بھی لو نا، موم ویٹ کر رہی ہونگی، ضرور نے شرمندگی سے کہتے ہوئے آخر میں سماہر بیگم کے نام کا سہارا لیا تھا۔

زروا کچھ سوچ کر اس کے ساتھ چل دی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی پوری آفریدی فیملی روم میں انٹر ہوئی تھی۔

ساتھ ہی عانیہ، ضروریز خان سماہر بیگم اور شہروز خان بھی تھے۔

انہیں دیکھ کر زائر کے چہرے کا رنگ اڑا تھا اسے بہت کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

جبکہ دوسری طرف ان سب کا حال بھی کچھ مختلف نا تھا۔

اسے اس طرح دیکھ کر سب ہی شاک کی سی کیفیت میں تھے۔

کمرے کا نقش چیخ چیخ کر بہت کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہا تھا، جسے وہاں موجود کسی بھی شخص کا دل ماننے کو تیار نا تھا، مگر آنکھوں دیکھا جھٹلانا بھی تو نا ممکن تھا۔

جبکہ آج زائر خان بنا کسی جرم کے اپنے پیاروں کے سامنے مجرم بن گیا تھا۔

زائر نے پاس رکھی شرٹ جلدی سے جسم پر ڈالی تھی اور اُلے سیدھے بٹن بند کیے تھے۔

سب سے پہلے سفیر خان حوش میں آئے تھے۔

زائر خان آفریدی تم اس قدر گھٹیا نکل جاؤ گے ہمیں تم سے یہ امید نا تھی، سفیر خان کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی تھی۔

زائر فورن اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

نہیں بابا جان ایسا کچھ نہیں آپ پلیز میری بات تو سنیں، زائر دوڑ کر ان تک آیا تھا جبکہ نیلم نامی وہ لڑکی اب مزے سے یہ تماشہ انجوائے کر رہی تھی۔

بس، ہمیں کچھ نہیں سننا، تم جس قدر گھٹیا اور گرمی ہوئی حرکت کر چکے اس کے بعد ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں۔

خان آپ ایک دفعہ اسکی بات تو سن لیں، پلوشہ بیگم نے بیٹے کی حملیت کی تھی۔

بس پلوشہ تم چپ رہو، یہ سب تمہارے ہی لاڈ کا نتیجہ ہے جو یہ اتنا بگڑا ہے، سفیر خان غرا کر بولے تھے۔

پلوشہ بیگم کو یک نخت چپ لگی تھی اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تھے۔

زائر یہ سب کیا ہے؟ پلیز بول دے یہ سب جھوٹ ہے، ضرور عجیب سی کیفیت میں تھا۔

سماہر بیگم بھی لاڈلے بھتیجے کو اس حال میں دیکھ کر بے یقینی کے سے عالم میں تھی۔

تم خاموش رہو ضوریز، زائر نے اشتعال آمیز انداز میں کہتے ہوئے ایک زہر خند نگاہ ضوریز پر
ڈالی تھی۔

ضوریز خاموش ہو گیا تھا۔

لالہ یہ لڑکی جھوٹی ہے میں جانتا ہوں میرے لالہ کچھ بھی غلط نہیں کر سکتے، صائم تڑپ کر
اس تک آیا تھا۔

مشعال اور عانیہ بھی ایک طرف کھڑی تھی، مگر ان میں کچھ بولنے کی ہمت نہ تھی۔

جبکہ زروا تو ہنوز گم سم سی تھی۔

بھا بھی بیگم سنبھالیے خود کو، نگین بیگم فورن جیٹھانی کے قریب آئیں تمہیں۔

بابا یہ سب جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا بابا جان، بلکہ مجھے، مجھے تو ضوریز نے یہاں بلایا تھا، زائر خان اپنی صفائی میں جلدی جلدی بولتا ہوا انہیں اپنی سچائی کا یقین دلا رہا تھا۔

جبکہ ضوریز حیرانگی سے اپنا نام سن کر آگے آیا تھا۔

خاموش بے شرم، ناہنجار، پہلے خود غلطی کرتے ہو اور اب الزام اس بے قصور بچے کو دے رہے ہو، اب ایک لفظ بھی مزید تم نے ضوریز کے بارے میں کہا تو ہم سے برا کوئی نا ہوگا، سفیر خان انتہائی غصے سے بولے تھے۔

یہ کہا کہہ رہا ہے تو زائر؟ جھوٹ بولنا بند کر، یہ تمہی تیری دوستی؟ تو مجھ پر الزام لگائیگا میں نے کبھی سوچا نا تھا، ضوریز طیش آمیز انداز میں چلایا تھا۔

بس ضریر بس، بند کر یہ ڈرامہ، یہ سب تیرا کیا دھرا ہے، اب تو چپ ہو جا اور کتنا گرائے
گا مجھے تو سب کی نظروں میں، تو دوست کی شکل میں میرا سب سے بڑا دشمن ہے مجھے آج
پتہ چلا، زائر چلیخا تھا۔

آپ سب میری بات کیوں نہیں سن رہے، میں بول رہا ہوں میں نے کچھ نہیں کیا، میں
تو اس لڑکی کو جانتا تک نہیں، زائر اب دیوانہ وار یہاں وہاں گھومتا ہوا اپنی صفائی پیش کر رہا
تھا۔

چچا جان آپ تو میری بات کا یقین کیجئے میں آپکا زائر ہوں، آپ بتائیں نا بابا کو میں ایسا
نہیں کر سکتا، وہ اب فرقان خان اور مراد خان کے پاس آیا تھا۔

لالہ کیا پتہ سچائی کچھ اور ہو، ہمارا زائر کچھ غلط نہیں کر سکتا ہمیں اپنی تربیت پر پورا، اس
سے پہلے کے انکی بات مکمل ہوتی ایک بار پھر سے سفیر خان کا خاندانی جلال عود آیا تھا۔

ہاں خان پلیر ایک بار اسے کچھ کہنا کا موقع تو دیں، پلوشہ بیگم پھر سے بولی تھیں۔

جو کوئی بھی اس نافرمان کی بات سنیگا آج سے اسکے لیے ہم مرگئے، خاص کر یہ بات پلوشہ بیگم آپ کے لیے ہے، آج آپ ہمیں چنینگلی یا بیٹے کو یہ آپکے ہاتھ میں ہے، سفیر خان کی نفرت بھری آواز پر کچھ کہتے ہوئے مراد خان خاموش ہوئے تھے۔

انکی بات سن کر پلوشہ بیگم کا دل لرز اٹھا تھا اور بامشکل انہوں نے زائر کے اشارے پر ہی بالآخر شوہر کو چنا تھا زائر کی نظروں میں انکے لیے کوئی شکوہ نہ تھا۔

چچا پلیر، زائر اب وہ مراد خان کی منت پر اتر آیا تھا۔

مراد خان اور فرقان خان نے مجبوراً نگاہیں پھیر لی تھیں۔

جبکہ باقی سب کی زبان پر بھی جیسے تالا لگ گیا تھا۔

باباجان میں سچ بول رہا ہوں آپ میری بات کا یقین تو کریں یہ سب ضرور کا، زائر کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

جب سفیر خان کا ہاتھ اٹھا تھا اور اسکے گال کے بجائے دل پر شاید کبھی ناٹنے والے نشانات چھوڑ گیا تھا۔

انکے اس اقدام پر وہاں موجود ہر شخص ہکا بکا رہ گیا تھا، جبکہ پلوشہ بیگم بے جان سی ہوتی صوفے پر ڈھے سی گئی تھیں۔

زائر کی حالت پر سب کا دل دکھ رہا تھا مگر کسی کی بھی ہمت نہ تھی کہ ان باپ بیٹے کے پیچ بول سکے۔

جبکہ زائر حیرت اور غم کے لے جھلے تاثرات لیے گال پر ہاتھ رکھے کھڑا سفیر خان کو دیکھ رہا تھا۔

بب بابا جان، آپ نے، وہ کچھ بول بھی ناپایا تھا۔

اسے اس تمپڑ سے زیادہ سفیر خان کی بے اعتباری کا دکھ تھا، جس نے اسے توڑ دیا تھا۔

پھوپو آپ تو جانتی ہونا، مم میں ایسا نہیں ہوں؟ آپ کا زائر ایسا گرا ہوا نہیں ہو سکتا، ہے ہے نا پھوپو جان؟ زائر نے آخری سہارا ڈھونڈا تھا۔

ہاں میرے نپے میری جان، آپکی پھوپو کو آپ پر پورا یقین ہے، کوئی کچھ بھی کہے میں آپ کے ساتھ ہوں، کب کی خاموش کھڑی سماہر بیگم تڑپ کر اس کے پاس آئیں تمہیں۔

موم----

آپ اس دھوکے باز کا ساتھ کیسے دے سکتی ہیں، یہ یہ میرے خلاف بول رہا تھا، ضریرز تو گویا آگ بگولا ہو گیا تھا۔

چپ کرو ضریرز، اب ایک لفظ بھی تمہارے منہ سے میں زائر کے خلاف ناسنوں، تم نے کچھ تو کیا ہوگا ورنہ زائر تمہارا نام کیوں لیتا؟ جب کہ تم دونوں تو بہت پکے دوست ہو، سماہر بیگم تقریباً چلا کر بولی تھیں۔

ضریرز خان ماں سے بدگمان ہوتے ہوئے خاموش ہو گیا تھا۔

آپ کو میری بات پر یقین نہیں نا؟ آپ ایسا کریں، اس سے پوچھ لیں، یہ یہ مجھے خود بتا رہی تھی کہ اسے ضریرز نے بھیجا ہے، اے لڑکی بتاؤ انہیں، زائر نے ان نے کہتے ہوئے نیلم کو بھی مخاطب کیا تھا۔

سوری بٹ میں اسے نہیں جانتی، وہ لڑکی کہتے ہی اپنا بیگ اٹھا کر سینڈل ٹک ٹک کرتی
ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔

ضوریز خان نے ایک طنز بھری نگاہ زائر خان پر ڈالی تھی۔

ہے یولائر، اسٹاپ اٹ، زائر نے اس لڑکی کو آواز دی تھی۔

مگر وہ جاچکی تھی، اور جاتے جاتے زائر سے اسکے اپنوں کا ساتھ چھین کر لے گئی تھی۔

زائر خان اب بھی کچھ باقی بچا ہے؟ سفیر خان نے اسکی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں پوچھا
تھا۔

زائر کا سر جھک سا گیا تھا۔

چاہے جو بھی ہو جائے، میں اپنے پارٹنر کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی، ایک آواز اسکے کان میں گونجی تھی۔

ایک امید کی کرن زائر خان کے ارد گرد چمکی تھی۔

زروا، وہ پکارتا ہوا زروا کی طرف بڑھا تھا۔

زروا پلیز تم انہیں بتاؤ، میں ایسا نہیں ہوں، میں نے کچھ نہیں کیا، تم جانتی ہونا؟ زائر اسے بازو سے تھام کر پوچھتا ہوا آج اپنی پارٹنر سے اس کا ساتھ مانگ رہا تھا۔

زائر، کیوں اس معصوم کو اپنے اس گندے کھیل میں گھسیٹ رہے ہو، اسے تمہارے
اس قریب کی کچھ بھی سمجھ نہیں، پلیز زروا سے دور رہو، چھوڑو اسے ضرور غصے میں بولتا ہوا
اس کے قریب آیا تھا۔

تم دور رہو میرے معاملے سے دھوکے باز انسان، تم نے کرلی نا اپنی آئی، اب خاموش رہو
ورنہ میں بھول جاؤں گا تم میرے کیا لگتے ہو، زائر زروا کو چھوڑ کر، غصے سے سرخ ہوتا چہرہ
یلے نفرت سے کہتا ہوا اسکی جانب مڑا تھا۔

او یو جسٹ شٹ اپ، یو لوزر، ضرور چلایا تھا۔

یو شٹ اپ، یو چیٹر، زائر کی آواز اس سے کئی گنا بلند تھی۔

خدا کے واسطے چپ کر جائیں آپ دونوں، اور ضروریز آپ تو چپ ہی رہو، اگر آپ نے مزید کوئی بکواس کی میرا مرا منہ دیکھیں گے آپ سمجھے، سماہر بیگم کی نم ہوتی آواز پر زائر ڈھیلا پڑا تھا۔

جبکہ ضروریز دانت بھینچتا ہوا خاموش ہو گیا تھا۔

زروا تم بول کیوں نہیں رہی پلیز زروا بولو، تم تو سب جانتی ہو نا؟ زائر اب کے نرمی سے زروا سے پوچھ رہا تھا۔

زروا بتادو اسے کہ تمہیں اس سے کوئی بات نہیں کرنی، یہ گھٹیا انسان تم سے بات کرنے کے لائق نہیں، ضروریز سے چپ نا رہا گیا تو پھر سے نفرت سے بول پڑا تھا۔

میری پارٹنر ایسا نہیں کہہ سکتی، ہے نا زروا؟ تمہیں مجھ پر یقین ہے نا؟ زائر ضروریز کو نظر انداز کرتا ہوا پرامید نگاہ زروا پر جمائے اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

بولونا زروا، تم بتا رہی تھیں نا اس دن کہ یہ کسی لڑکی کے ساتھ، ضوریز خان نے پچھلی بات کا حوالہ دیا تھا، جو زروا نے اسے بتائی تھی، جب منان نے اس کا راستہ روکا تھا۔

بس ضوریز خاموش، ضوریز کے برابر کھڑی سماہر بیگم کا ہاتھ اٹھا تھا، جسے شہروز خان نے روک لیا تھا۔

سماہر یہ کیا کر رہی ہو، حوش میں آؤ، شہروز خان غصے سے بولے تھے۔

آپ اپنے لاڈلے کو چپ کروائیں ورنہ مجھ سے برا کوئی نا ہوگا، سماہر بیگم اس وقت صرف زائر خان کی پھوپھو جان تھیں۔

ضوریز نے خونخوار نظروں زائر کو گھورا تھا، مگر بولا کچھ نا تھا۔

آپ اس قدر گرے ہوئے ہونگے میں نے سوچا نا، ضوریز بلکل ٹھیک کہہ رہا ہے، آپ تو مجھ سے بات کرنے کے بھی لائق نہیں، مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی خان، چلے جائیے آپ یہاں سے، مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی، یہ آواز زروا خان کی تھی۔

بس اسی آواز پر زائر خان آفریدی کا دل ڈوبا تھا۔

جبکہ ایک فتح مند سی مسکراہٹ ضوریز خان کے چہرے پر امد آئی تھی۔

سن لیا؟ زروا بیٹی نے بھی اپنا جواب دے دیا ہے، اب دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے زائر خان، میرے گھر میں تمہارے لیے اب کوئی جگہ نہیں، میں تمہیں اس گھر سے نکل جانے کا حکم دیتا ہوں، یہ بے اعتباری بھری آواز اسکے بابا جان کی تھی۔

فیصلہ ہو چکا تھا، زائر خان کے لیے اب وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔

زائر خان نے ایک شکوہ کناں نگاہ سامنے کھڑی زروا خان آفریدی پر ڈالی تھی، وہ جو اسکی سب سے پیاری دوست تھی جس پر اسے سب سے زیادہ مان تھا، آج اس نے بھی اسے مجرم ٹھہرا دیا تھا۔

جبکہ شکوہ تو اسے ضوریز خان سے بھی تھا، کیونکہ ضوریز خان وہ شخص تھا جس پر زائر خان خود سے بڑھ کر یقین کرتا تھا، اور اسی نے زائر خان کو دھوکا دے دیا تھا۔

اس نے سرخ ہوتی آنکھوں سے باری باری ضوریز اور زروا کی جانب دیکھا تھا۔

کیا کیا نا تھا اسکی نگاہوں میں؟ دکھ، شکوہ، درد، بے بسی، غصہ، ٹوٹے ہوئے اعتبار کی کہچیاں۔

زائر کی اس ایک نظر نے زروا کو اندر تک لرزا کے رکھ دیا تھا۔

زروا کو اس پل شدت سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا مگر اب پچھتانے کا وقت گزر چکا تھا۔

جبکہ احساس تو ضرور کو بھی ہوا تھا مگر اپنی موم کے لفظ یاد کر کے یہ احساس پل بھر میں زائل ہوا تھا۔

زائر خان غصے سے لال انگارہ ہوتی آنکھیں لیے، ایک نگاہ غلط ان میں سے کسی پر بھی ڈالے بنا اپنا بیگ اور بانک کی کیز اٹھا کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

صائم اور عانیہ اس کے پیچھے آئے تھے مگر وہ جاچکا تھا۔

وہ ان سب سے دور چلا گیا تھا شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، مگر پیچھے کئی لوگوں کو پچھتاوے
نے آن گھیرا تھا۔

سوائے ضوریز خان کے، کیونکہ زائر کی وجہ سے ضوریز خان کی موم نے اس پر ہاتھ اٹھانا چاہا
تھا، اسی لیے اس کے جانے سے اسے ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی تھی، وہ خوش تھا
یہ سوچے بنا کہ آج اس نے اپنا سب سے بہترین دوست کھودیا تھا۔

سب ہی اپنی اپنی جگہ گم سم سے تھے، مگر وہ سب اس بات سے بے خبر تھے کہ بے
شک آج قسمت نے زائر کا ساتھ نہ دیا ہو مگر آنے والا وقت زائر خان کا تھا۔

جس پر صرف اسکی حکومت ہونی تھی، وہ بے گناہ تھا یہ وقت سب کو بتانے والا تھا والا
تھا۔

قسمت بھی آج پہلی بار اداس کھڑی تھی، اسے بھی جیسے زائر کے بے گناہ ہونے پر یقین تھا۔

بے شک وقت کا پاسہ پلٹنے والا تھا سب کچھ بدلے والا تھا۔

ان سب کی زندگی کا ایک باب ختم ہوا تھا، اور دوسرا باب شروع ہوا تھا، وہ باب جو داستان عشق لکھنے والا تھا۔

"منتظر تھے وہ میرے زوال کے"

"میرے اپنی بھی تھے کمال کے"

کسی سے اپنی جیت کی مبارکباد وصول کرتا زائر خان آج ایک عرصے بعد مسکرایا تھا۔

اسی وقت ضوریز خان کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتی زروا خان کو دیکھ کر زائر خان کی وہ مسکراہٹ پل بھر میں سمٹی تھی۔

اسکے وجیہ چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ اب تناؤ سا آگیا تھا۔

جبکہ نیلی سمندر سی آنکھوں میں غصے کی لکیر تھی۔

اس نے یک لخت اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں، جو اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اپنے طیش پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔

جبکہ ضوریز خان کے چہرے پر اسکے تاثرات دیکھ کر فتح مندانہ مسکراہٹ رنگ گئی تھی۔

زائر خان کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا، ایک ان دیکھی آگ اسے اپنے آس پاس جلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

ضویریز سیڑھیوں سے اتر کر اب زروا کے ساتھ اس سے کچھ فاصلے پر آ کر رکا تھا۔

انہیں ساتھ دیکھ کر ایک نفرت کی لہر زائر خان کے دل و دماغ میں اٹھی تھی، جیسے کوئی طوفان سا اسکے اندر اٹھ رہا تھا۔

اسکے ارد تاثرات دیکھ کر زروا کا دل کانپ گیا تھا۔

جبکہ زائر نے ایک قہر برساتی نگاہ ان پر ڈالی تھی اور لگے ہی پل دوسری جانب بڑھ گیا تھا۔

ضوریز نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا تھا جو بنا کچھ کے وہاں سے چلا گیا تھا۔

مگر لگے ہی پل زائر نے اسکی یہ حیرانگی دور کردی تھی۔

وہ اب عانیہ کے قریب کھڑا اس سے باتوں میں مصروف تھا، لینٹ کا جواب پتھر سے دینا زائر خان کو بخوبی آتا تھا۔

اسکی اس حرکت پر ضوریز خان کا دماغ گھوما تھا۔

جبکہ زروا اس عرصے میں سماہر بیگم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زائر عانیہ سے ہنس ہنس کے باتیں کرتا ضوریز کے تن بدن میں آگ لگا گیا تھا۔

مگر وہ مجبور تھا، سب کی موجودگی میں وہ زائر سے باز پرس نہیں کر سکتا تھا اسی لیے خاموشی سے سماہر بیگم کے ساتھ کھڑی زرا کی جانب بڑھ گیا تھا۔

جبکہ زائر نے اسے سرے سے نظر انداز کیا تھا۔

بس مارا ہوا ہوں وقت کا

جناب مجھے ہلکا نا لیجئے

بڑا ہی سر پھرا ہوں میں

زرا احتیاط کیجئے

خاموش ہوں جب تک میں

سکون میں ہیں سب رقیب

بولا جو کسی روز تو

منظر بدل دوں گا

جو سوچتے ہیں کہ

مجھے ہراچکے ہیں وہ

انکی سوچوں کا تو

میں رخ ہی بدل دوںگا

میں مقدر کا سکندر ہوں

بازی پلٹ کر رکھ دوںگا

(بقلم صنم شیخ)

سب اپنی باتوں میں مشغول تھے انکے بچ موجود چیقلش سے صرف وہ دونوں ہی واقف تھے
اسی لیے کوئی بھی انکی جانب متوجہ نہ تھا۔

--

اسی وقت لائٹس آف ہوئیں تمہیں اور وہ اسکا نازک ہاتھ تمہارے اسپاٹ لائٹس کی روشنی میں
اسے لے کر ڈانس فلور کی جانب بڑھا تھا۔

انکے اسٹیج پر جاتے ہی بیک گراؤنڈ میں خوبصورت سا میوزک آن ہوا تھا۔

اس نے ایک اسٹائل سے اسے ڈانس کے انداز میں اپنی جانب کھینچا تھا۔

سب ہی کی نظریں اس خوبصورت جوڑے پر تھیں۔

سرخ والا سوز والا

فیض والا لو

انکے فلور پر آتے ہی بیک گراؤنڈ میں خوبصورت سایہ سانگ گونجا تھا۔

زائر نے ڈانس کے اسٹائل میں عانیہ کا ہاتھ تھام کر اسے خود سے دور کرتے ہوئے پھر سے قریب کیا تھا۔

اب عانیہ زائر کے بازوؤں کے گھیرے میں تھی۔

زائر نے عانیہ کی طرف جھکتے ہوئے ایک دل جلانے والی مسکراہٹ ضوریز کی جانب اچھالی تھی۔

گھٹیا انسان میں تیری جان لے لوں گا زائر، ضوریز دل ہی دل میں اسے گالیوں سے نوازتا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

ہوتا ہے جو لو سے زیادہ

ویسے والا لو

عشق والا لو

ضوریز خان اقرار کرلو کہ وقت میرا ہے اور میں نے تمہیں تمہاری ہی چال سے ناہرایا تو میرا
نام بھی زائر خان نہیں، زائر خان نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

زائر نے سوچوں سے پیچھا چھڑاتے ہوئے عانیہ کو گول گول گھمایا تھا، عانیہ مسکراتی
ہوئی اس کے ساتھ رقص کر رہی تھی جبکہ اسے زائر کے ساتھ دیکھ کر ضوریز کا خون
کھول اٹھا تھا۔

سب ہی مسکرا کر انکا ڈانس انجوائے کر رہے تھے مگر زروا کا دل ناجانے کیوں ایک دم
ماحول سے اچاٹ ہوا تھا۔

وہ بے دلی سے یہاں وہاں نظریں دوڑا رہی تھی۔

واٹ آناس کپل نا؟ ایک لڑکے نے پاس کھڑی لڑکی سے کہا تھا۔

یہ جملہ زروا کے دل میں تباہی سی مچا گیا تھا۔

ہوا جو درد بھی جو ہم کو

آج کچھ زیادہ ہوا عشق والا لو

زائر اب عانیہ کو باہنوں میں بھر کے ڈانسنگ اسٹائل میں ایک طرف جھکا تھا۔

عانیہ اسی کی جانب متوجہ تھی، زائر اب اسے اب دوبارہ اوپر کی جانب کر رہا تھا۔

عانیہ مسکراتی ہوئی اسکا ساتھ دے رہی تھی لیکن سامنے کھڑے ضرور کے دماغ میں جیسے
آندھی کے جھکڑ سے چل رہے تھے۔

اگلے ہی لمحے وہ کچھ سوچتا ہوا کمینگی سے مسکرایا تھا، اور مسرور سا زروا کی جانب بڑھا تھا۔

وڈیو لائک ٹو ڈانس وڈ می؟ اب وہ اپنے دلکش لہجے میں زروا سے ڈانس کا پوچھ رہا تھا۔

زروا نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتی سماہر بیگم
کی آواز نے اس کے لفظ زبان پر ہی روک دیے تھے۔

ارے بیٹا جاؤ نا، تم بھی جا کر انجوائے کرو، وہ مسکرا کر بولی تھیں، انہیں زروا اپنے اکلوتے
بیٹے کے لیے بے حد پسند تھی۔

زروا تنہا کا شکار ہوئی تھی۔

اب تو موم نے بھی کہہ دیا کزن سو مے آئی؟ ضوریز مسکراتا ہوا اسکے سامنے ہاتھ بڑھائے
کھڑا تھا۔

زروا نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا اور کچھ سوچ کر ضوریز کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھما دیا
تھا۔

ضوریز زروا کا ہاتھ تھامے ایک شان سے چلتا ہوا ڈانس فلور پر آیا تھا۔

زائر نے ایک نفرت بھری نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

اسی پل میوزک تیز ہوا تھا۔

سرخ والا سوز والا

فیض والا لو

ضوریز نے زروا کو بے حد قریب کرتے ہوئے آگے کی جانب ایک اسٹیپ لیا تھا۔

زروا کا ایک ہاتھ ضروریز کے شالڈر پر تھا جبکہ دوسرا ہاتھ ضروریز نے مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔

ہوتا ہے جو لو سے زیادہ

ویسے والا لو

زائر نے ضروریز اور زروا کو نظر انداز کرتے ہوئے عانیہ کو ایک ادا سے گھمایا تھا جبکہ ضروریز زروا کو باہنوں میں لیے ہوئے ہی گول گھوما تھا۔

عشق والا لو

عشق والا لو

یہ کیا ہوا کیا خبر

یہی پتہ ہے زیادہ ہوا

عشق والا لو

زائر کی نظریں مسلسل زروا کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں وہ چاہ کر بھی اب پہلے جیسے
ڈانس پر فوکس نہیں کر پا رہا تھا۔

زروا کو ضرور کی باہنوں میں دیکھ اسکے اندر ایک آتش فشاں ساپک رہا تھا۔

ضوریز پلینز تھوڑا سمپل بھی کر سکتے ہیں ہم، ضروریز کے اس قدر بولڈ اسٹیپ لینے پر زروا جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

اس کی اس قدر قربت پر زروا کا چہرہ شرم سے لال ہوا جارہا تھا۔

کیوں؟ ان اسٹیپ میں کیا خرابی ہے ڈیئر کزن؟ ضروریز اب اسے مزید قریب کرتے ہوئے اس کے کان میں بولا تھا۔

ضروریز کو زروا کے کان میں سرگوشی کرتے دیکھ زائر کے دماغ کی رگیں تن سی گئی تھیں اس نے بامشکل خود پر قابو پایا تھا۔

زروا نے غیر محسوس انداز میں ضروریز سے فاصلہ قائم کیا تھا، جسے ضروریز انتہائی ماہرانہ انداز میں اسے گول گھماتا ہوا کور کر گیا تھا۔

دھیان نا ہونے کی وجہ سے زائر سے عانیہ کا ہاتھ چھوٹا تھا اور وہ ان بیلینس ہوئی تھی۔

مگر زائر نے اسے گرنے نہیں دیا تھا اور اپنی مضبوط باہنوں میں تھام لیا تھا، یہ سب اچانک ہوا تھا اس میں زائر کا کوئی قصور نا تھا، اس نے صرف عانیہ کو گرنے سے بچایا تھا اسکی نظریں تو ہنوز زروا پر ہی تھیں، اسکے خوبو چہرے پر تناؤ سا تھا، مگر اسکے اس اقدام پر زروا کا دل ٹوٹ سا گیا تھا۔

واؤ یار زائر لالہ اور ضوریز لالہ کتنا زبردست ڈانس کرتے ہیں نا، صائم نے مشعال سے رائے لینے کے انداز میں کہا تھا۔

جبکہ اپنی محبت کو کسی اور کے ساتھ دیکھ کر مشعال کا دماغ غصے کے مارے پھٹنے کو تھا۔

اس نے بامشکل اثبات میں سر ہلایا تھا۔

آؤ ہم بھی چلتے ہیں، صائم نے کہا تو مشعال نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

ارے ڈانس فلور پر، ڈانس کرنے، صائم نے جیسے اسکی نظروں کا مفہوم سمجھ لیا تھا اس لیے فورن جواب دیا تھا۔

مشعال خود پر قابو پاتی اس کے ساتھ فلور پر آئی تھی۔

اگر یہ اس کو بھی ہوا ہے

پھر بھی مجھ کو زیادہ ہوا

عشق والا لو

صائم نے مشعال کو سمپل سے انداز میں گول گھماتے ہوئے ڈانس اسٹیپ لیا تھا۔

وہ سب اب ایک ہی اسٹائل میں قطار کی صورت میں کھڑے تھے سب کا رخ ایک ہی جانب تھا۔

ان سب کے دل ہی ایک دوسرے کے لیے دھڑکتے تھے مگر کون کسے چاہتا ہے اس سے صرف وہی واقف تھا۔

اسی وقت اچانک سے سب نے اپنے پارٹنرز اکسیجین کیے تھے، اس طرح صائم عانیہ کے ہمراہ ہو گیا تھا ضروریز کے ہاتھ میں مشعال کا ہاتھ آیا تھا۔

جبکہ زائر نے زروا کو اپنی متاعِ جاں کی طرح باہنوں میں تھاما تھا۔

میری نیند جیسے

پہلی بار ٹوٹی تھی
آنکھیں بھر کے میں
نے دیکھی ہے صبح
ہوئی دھوپ زیادہ
لے کر تیری روشنی
دن چڑھا دن چڑھا

اسے کسی نازک کانچ کی گڑیا جیسے نرمی سے باہنوں میں بھر کر خود سے قریب کرتے
ہوئے زائر اپنی چھا جانے والی پرسنالٹی کے ساتھ زروا کا دل دھڑکا گیا تھا۔

زائر اپنی نیلی سمندر سی گہری آنکھیں اسکی آنکھوں میں گرٹائے ہوئے تھا۔

عشق والا لو

عشق والا لو

اسکی لودیتی نظروں سے زروا نروس ہوئی تھی، آج اس کی نظروں میں سرد یا اجنبیت نا تھی
بلکہ زائر کی نگاہیں تو کچھ اور ہی پیغام سنا رہی تھی۔

جتنا تم مجھ سے بھاگنا چاہتی ہو بھاگ لو پارٹنر، مگر یاد رکھنا تمہارے سارے راستے مجھ تک ہی
آتے ہیں، بے ساختہ ہی زائر کے منہ سے یہ دل دھڑکا دینے والے لفظ ادا ہوئے تھے۔

زروا نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا، اس پل جیسے وقت تھم سا گیا اور زروا جیسے اس
ظالم کی نیلی سمندر سی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہوئی تھی۔

یہ کیا کہہ گیا تھا وہ؟ آج وہ پھتر کیسے موم ہو گیا تھا؟ زروا سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔

زائر اسکی حیرانگی بھری نگاہوں کا مفہوم اچھے سے سمجھ گیا تھا مگر بولا کچھ نا تھا۔

زروا کو زائر کی باہنوں میں دیکھ ضروریز کا دل جل گیا تھا۔

ہوا جو درد بھی جو ہم کو

آج کچھ زیادہ ہوا

عشق والا لو

ضروریز نے زائر اور زروا کو دیکھتے ہوئے بے دلی سے مشعال کو گھمایا تھا اور سامنے کی جانب کیا تھا، اب مشعال اسکی باہنوں میں تھی جبکہ اسکا رخ سامنے کی جانب تھا، ایک خوبصورت مسکراہٹ نے مشعال کے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔

یہ کیا ہوا کیا خبر

یہی پتہ ہے زیادہ ہوا

عشق والا لو

زائر نے بے حد نرمی سے زروا کو خود سے لگا کر اسٹیپ لیا تھا، اس کے اس انداز پر زروا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔

زائر کے لب مسکرائے تھے، زروا نے حیرانگی سے اس جلاد کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

جو ایسے ہوتا جو ملتے تم
ہو جاتے گم ساتھ میرے

ہوتے ہوتے ہوگا

سمجھائیں ہم

تمہم جائیں تم

او دل میرے

یہ فقرے جیسے عانیہ کے جذبات کی عکاسی کر رہے تھے، اسی وقت صائم نے عانیہ کو
باہنوں میں بھرا تھا، ایک شرمیلی مسکراہٹ عانیہ کے لبوں پر ٹھہر گئی تھی۔

یو آر لوکنگ بیوٹیفل، صائم نے دل سے اسکی تعریف کی تھی۔

تھینکس، عانیہ بامشکل بولی تھی صائم کی قربت پر اسکے دل کی حالت غیر ہو رہی تھی جبکہ
اسکی پلکھیں سجدہ ریز ہوئی تھیں۔

ٹوٹا زیادہ زیادہ تارہ جب گرا

زرا زیادہ زیادہ مانگوں دل تیرا

زائر کے تو آج انداز ہی الگ تھے باقی سب کے مقابلے وہ کافی بولڈ اسٹیپ میں زروا کے ساتھ ڈانس کر رہا تھا۔

اس کی سانسوں کی تپش زروا کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی، زروا کی ہتھیلیاں عرق آلود ہوئی تھیں۔

جبکہ زائر نے غور سے اسکے تاثرات نوٹ کیے تھے۔

اسکی جزبے لٹاتی نگاہوں سے زروا کا دل پھسلایا توڑ کر باہر آنے کو تھا، یہ وہ زائر تو نا تھا جسے زروا پچھلے 6 مہینے سے دیکھ رہی تھی۔

یہ تو وہ 4 سال پہلے والا زائر خان تھا اسکا پارٹنر، زروا نے دل میں سوچا تھا۔

ٹوٹا زیادہ زیادہ تارہ جب گرا

زرا زیادہ زیادہ مانگوں دل تیرا

جب بھی زیادہ زیادہ مانے نا

دل یہ سر پھرا

مشعال یک ٹک اسے ہی دیکھے جارہی تھی۔

عشق والا لو

عشق والا لو

گانے کے آخری فقرے پر زائر نے زروا کو ایک طرف کرتے ہوئے ایک ادا سے ساتھ لگایا

تمہا اور وہیں سب نے اپنی اپنی پارٹنرز، کو سامنے کھڑا کیا تھا۔

انکا خوبصورت ڈانس اختتام پزیر ہوا تو ہر طرف تالیوں کا شور گونج اٹھا تھا۔

ڈانس ختم ہوتے ہی زروا سب سے ایسکیز کرتی اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنیں سنبھالتی ایک جانب بڑھ گئی تھی۔

عانیہ بھی فلور سے اتر گئی تھی۔

جبکہ ضوریز کافی خطرناک تیور لیے زائر کی جانب آیا تھا۔

تو تم اپنی گھٹیا حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے؟ ضوریز جارحانہ انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

تم اپنی کمینگی سے باز آجاؤ تو میں بھی اس بارے میں کچھ سوچ سکتا ہوں، زائر کا طنزیہ لہجہ ضوریز کو تنپا گیا تھا۔

اس سے پہلے کے انکے بچ کوئی بدمزگی ہوتی پلوشہ بیگم نے زائر کو آواز دی تھی۔

زائر اسے گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

جبکہ ضروریز دانت پیس کر رہ گیا تھا۔

وہ اس وقت کافی اداس بیٹھی تھی۔

آج زائر خان کو گھر چھوڑ کر گئے پورا ایک مہینہ ہو چکا تھا۔

سب کی ہی زندگیاں اپنے معمول پر آچکی تھی۔

مگر ایک کمی تھی جو ہر ایک کو شدت سے محسوس ہوتی تھی۔

وہ کمی تھی زائر خان کی کمی، سب ہی اپنی اپنی جگہ اسے یاد کرتے تھے مگر کوئی کسی سے اس بارے میں بات نہیں کر سکتا تھا۔

سفیر خان کا حکم تھا کہ اس گھر میں زائر خان سے متعلق کوئی بات نہیں ہوگی۔

یہ رات 9 بجے کا وقت تھا جب وہ اپنے روم میں موجود تھی۔

اسی وقت اسے باہر شور سا محسوس ہوا تھا۔

زروا اپنے روم سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو سامنے ہی سماہر بیگم عانیہ، شہروز خان اور ضوریز خان بیٹھے تھے۔

زروا نے سب کو سلام کیا تھا اور عانیہ کو لے کر روم میں آگئی تھی۔

اسی وقت عانیہ کا موبائل بجا تھا، یہ موبائل اسے زائر نے اسکی سولہویں سالگرہ پر گفٹ کیا تھا۔

دوست کالنگ دیکھ کر عانیہ نے مسکرا کر کال رسیو کی تھی۔

زروا نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

جواباً عانیہ نے اسے خاموش رہنے کا کہا تھا۔

کیا؟ ایسا مت کرو دوست پلیز واپس آجاؤ۔

اگلی جانب ناجانے کون تھا جسکی بات سن کر عانیہ کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں یہ موبائل تو میرا گفٹ ہے، عانیہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔

ہاں میں تمہاری بات مانوگی، عانیہ نے اگلی جانب موجود شخص کی بات ماننے کی حامی بھری تھی۔

پھر کافی دیر تک اس کی بات سنتی رہنے کے بعد اس نے بے دلی سے موبائل ایک سائیڈ رکھا تھا کیونکہ کال کٹ چکی تھی۔

یہ کون تھا عانیہ؟ کال کٹ ہوتے ہی زروا نے اس سے پوچھا تھا۔

عانیہ کچھ دیر خاموش رہی تھی۔

مگر پھر جب بولی تو زروا ساکت رہ گئی تھی۔

زائر کی کال تھی زروا۔

آج تو تم سب بچوں نے محفل میں چار چاند لگا دیے، واقع ہی سب کا پرفانس بہترین تھا،
سماہر بیگم نے دل سے اپنے سب ہی بچوں کو سرہایا تھا۔

وہ سب ایک ساتھ کھڑے تھے سوائے زروا کے وہاں سب موجود تھے۔

ہاں سماہر مجھے بھی آج سب مکمل لگا، پلو شہ بیگم نے کافی عرصہ بعد اپنے لاڈلے کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا انکے لیے یہ شام بہت اچھی تھی۔

کچھ دیر باتوں کے بعد ڈنر کا دور چلا تھا اور اسطرح یہ یادگار و حسین شام اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔

کئی دلوں کو آج سکون ملا تھا جب کہ کچھ لوگوں کا سکون تباہ ہو گیا تھا۔

وہ دونوں ابھی یونیورسٹی پہنچی ہی تھیں، کہ انہیں سامنے سے عانیہ اور فریال آتی دیکھائی دی تھیں۔

ہائی، فریاں نے مسکراتے ہوئے انہیں ہائی کہا تھا۔

زروا نے مسکرا کر جواب دیا تھا جبکہ مشعال نے جواب دینا ضروری نا سمجھا تھا۔

وہ عانیہ سے باتوں میں مشغول ہو چکی تھی۔

زروا مشعال میرا آج شاپنگ کا موڈ ہے، تم لوگ بھی جوائن کر لو نا، عانیہ نے اپنا پلان بتانے کے ساتھ انہیں آفر بھی کر دی تھی۔

ابھی زروا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ مشعال بول پڑی تھی۔

وہ ایکچوٹلی میں تھوڑا بزمی ہوں اسلیے سوری یار عانیہ میں تو تمہارے ساتھ شاپنگ میں شامل نہیں ہو سکتی، میں چلتی ہوں میری کلاس ہے، وہ مسکرا کر جواب دیتی ایسکیز کر کے کلاس کی جانب بڑھ گئی تھی۔

کتنی گھمنڈی ہے یہ تمہاری کزن، عانیہ تمہیں اس سے پوچھنا ہی نہیں چاہیے تھا، فریال نے مشعال کے جانے کے بعد منہ بگاڑتے ہوئے کمینٹ پاس کیا تھا۔

اسکے اسطرح ناک منہ چڑھانے پر زروا اور عانیہ دونوں ہنس دی تھیں۔

ارے یار وہ بس ایسی ہی ہے، نیچر ہی ایسا ہے اسکا، مگر وہ دل کی بری نہیں نہیں ہے، عانیہ نے مشعال کی سائیڈ لی تھی۔

ہاں بس رہنے دو تم تو، سب ہی تمہیں اچھے لگ جاتے ہیں، فریال تو گویا جلی بھنی بیٹھی تھی۔

اچھا بس نا، زروا نے اسے چپ کروایا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے میں کلاس میں جارہی ہوں، پھر تم لوگ باتیں کرو، فریال بھی ایسکیوز کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

عانیہ تم مشعال کی باتوں کو دل پر مت لینا، میں چلونگی تمہارے ساتھ، بتاؤ کب جانا ہے؟ فریال کے جانے کے بعد زروا نے ہاں کرنے کے ساتھ ہی اس سے وقت بھی پوچھ لیا تھا۔

نہیں یار مجھے پتہ ہے اسکی نیچر، وہ اصل میں اسی ویک لالہ کی برتھ ڈے ہے، تو میں سوچ رہی تھی کہ انکے لیے کوئی اچھا سا گفٹ لے آؤں اور اپنے لیے بھی کچھ ڈریسز وغیرہ لے لوںگی، عانیہ نے اسے اپنا ارادہ بتایا تھا۔

اچھا، زروا نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا تھا، کیونکہ ضروریز کا برتھ ڈے یاد تو اسے بھی تھا۔

چلوگی نا تم؟ عانیہ نے آس سے پوچھا تھا۔

آں ہاں میں چلونگی، زروا نے بے دھیانی میں جواب دیا تھا۔

اچھا پھر کل شام میں ریڈی رینا میں جاتی ہوئی تمہیں پک کر لونگی، عانیہ نے فورن پلان ترتیب دیا تھا۔

ٹھیک ہے، زروا نے مسکرا کر حامی بھری تھی۔

چلو پھر میں چلتی ہوں کلاس ہے میری، عانیہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

جبکہ زروا بھی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گئی تھی۔

وہ کارڈور سے گزر رہا تھا جب سامنے سے آتی میسہ علی جان بوجھ کر اس سے ٹکرائی تھی۔

زائر جو کہ موبائل پر کچھ چیک کر رہا تھا اس کے یوں ٹکرانے پر اسکا موبائل ہاتھ سے چھوٹے چھوٹے بچا تھا۔

واٹ دا ہیل از دز؟ آریو بلائینڈ؟ زائر غصے میں چلایا تھا۔

تمہیں دیکھ کر کون کمبخت حوش میں رہتا ہے زائر خان آفریدی، اور تم پوچھتے ہو کہ میں

اندھی ہوں؟ ہاہاہا

میسہ علی نے ایک ادا سے کہتے ہوئے آخر میں قنقہ لگایا تھا۔

اور میٹلی؟ زائر جانے کس موڈ میں تھا جو اس سے اس طرح آرام سے پوچھ رہا تھا۔

میسہ علی تو بے حوش ہونے کو تھی۔

اف زائر خان تم مسکراتے بھی ہو؟ وہ دل پر ہاتھ رکھے نہایت ہی بے باک انداز میں ہنستی ہوئی اس سے پوچھ رہی تھی۔

کیوں؟ کیا میں مسکرا نہیں سکتا؟ زائر خان نے اسکی طرف جھکتے ہوئے قاتلانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

میہ علی تو سوجان سے اس پر قربان ہوئی تھی۔

بلیک جینس پر اسٹائیش لانگ سلیوز، سلم پریل شرٹ پہنے آنکھوں کو بلیک گلاس سے کور کیے، خوشبوؤں میں مہکتا ہوا وہ شخص میہ علی کو پاگل کر رہا تھا۔

میں نے ایسا تو نہیں کہا ہینڈسم وہ تو بس میں ایسے ہی، میہ علی کی بات زائر خان نے نہایت آرام سے کاٹ دی تھی۔

ہے سویٹ ہارٹ، ٹونائٹ، لیٹ 9 پی ایم، وڈیو لانگ ٹو ہیو کافی ود می؟ (اے سویٹ ہارٹ، آج رات 9 بجے تم میرے ساتھ کافی پینا پسند کرو گی؟)

وہ اپنے مخصوص دلکش انداز میں پوچھ رہا تھا۔

یس وائی ناٹ، زائر کی سوچ کے عین مطابق اس نے فورن ہاں کی تھی۔

اوکے دین سی یو ٹوناٹ، ناؤ بب بائی، وہ اسی انداز میں کہتا ہوا گلے ہی پل وہاں سے نکلتا
چلا گیا تھا۔

اسکی اتنی سی نوازش پر، میسہ علی تو گویا آسمانوں کی سیر کرنے لگی تھی۔

وہ مسرور سی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھی تھی۔

اس روز عانیہ کے پاس زائر کی آخری کال آئی تھی۔

گھر چھوڑ کر جانے کے بعد اس نے صرف عانیہ اور صائم سے کانٹیکٹ رکھا تھا۔

اس نے اس روز عانیہ کو موبائل توڑ کر اس سے بات چیت کا ذریعہ ختم کرنے کا کہا تھا۔

مگر عانیہ اسکی بات ماننے کو تیار نا تھی۔

پھر بالآخر وہ نمبر ڈیلیٹ کرنے پر راضی ہو گئی تھی۔

اس کے بعد زائر نے اسے اپنے یہ ملک چھوڑ کر لندن جانے کا بتایا تھا۔

زائر ایک مہینے سے اسی چکر میں الجھا ہوا تھا۔

اس کا اکاونٹ تو سفیر خان بند کروا چکے تھے، اس نے اپنی بیوی بانک سیل کردی تھی اور اس کے پاس کافی سیونگنز موجود تھیں جس کی بدولت اسکا کام باآسانی ہو گیا تھا۔

عانیہ سے بات کرنے کے 3 دن بعد اسکا ویزا اور پاسپورٹ آگیا تھا اور اسی رات وہ یہ ملک چھوڑ گیا تھا۔

کچھ پانے کے لیے زائر خان کو بہت کچھ کھونا پڑا تھا۔

وہ خالی ہاتھ صرف اپنے شولڈر بیگ میں چند سوٹ لیے پاکستان کو خیر آباد کہہ گیا تھا۔

مگر قسمت کا ہمیر پھیر اسے بہت کچھ نوازنے والا تھا۔

ایک شاندار مستقبل اسکا منتظر تھا۔

ہے زیڈ۔ کے واٹس اپ ڈیوڈ؟ اسے دیکھتے ہی منان علی عرف مانی اسکے پاس آیا تھا۔

زیڈ۔ کے جو بس کچھ دیر پہلے ہی کلب آیا تھا، نے بنا اسکی جانب دیکھ محض سر ہلایا تھا، یہ اسکے ہیلو کا جواب تھا۔

زیڈ۔ کے نے جیسے اس پر احسان کیا تھا۔

اسکی اس شان بے نیازی پر مانی بل کھا کر رہ گیا تھا۔

جبکہ اسکن جینس پر براؤن شرٹ اور براؤن ہی اپر پہنے سگریٹ تھامے کسی گہری سوچ میں گم زیڈ۔ کے اسکے تاثرات سے بے خبر تھا۔

ہے واٹس ایساؤٹ ٹوٹائیٹ ؟ (اے آج رات کے بارے میں کیا خیال ہے) منان علی نے اسے سوچوں میں کھویا دیکھ اس سے پوچھا تھا۔

نتھنگ، زیڈ۔ کے نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

سو کم ود می آئی ہیو سمتھنگ اسپیشل فار یو، (تو میرے ساتھ آؤ میرے پاس تمہارے لیے کچھ خاص ہے) منان علی آنکھ کا کونا دباتے ہوئے کمینگی سے بولا تھا۔

زیڈ۔ کے کچھ دیر خاموش رہا تھا پھر اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا تھا۔

منان علی نے اسے کلب میں موجود ایک کمرے کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

زیڈ۔ کے نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

یار اندر جاؤ سب سمجھ آ جائیگا، منان علی کہتے ہوئے روم کا دروازہ کھولا تھا۔

زیڈ۔ کے کچھ سوچ کر اندر داخل ہو گیا تھا۔

سفیر خان اس وقت فرقان کے کمرے میں موجود تھے۔

آج دوپہر ہی سے انکی طبیعت ناساز تھی اسی لیے سفیر خان نے انہیں آفس سے گھر بھیج دیا تھا۔

اب آفس سے آتے ہی وہ فرقان خان کے پاس موجود تھے۔

لالہ میری آپ سے ایک التجا ہے، فرقان خان نے بڑے بھائی کا ہاتھ اپنے میں لیتے ہوئے مان سے کہا تھا۔

ارے تم بولو تو ہم سن رہے ہیں، سفیر خان مسکرا کر بولے تھے۔

میری طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی میں نہیں جانتا کہ میری کتنی زندگی ہے مگر پتہ نہیں کیوں مجھے بس زروا کی طرف سے ڈر لگا رہتا ہے، وہ بہت معصوم ہے لالہ ہے، اگر مجھے کچھ ہو گیا تو آپ اسکا خیال رکھیے گا، فرقان خان آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

ارے یہ کیا بات کردی تم نے، اسلانا کرے کہ تمہیں کچھ ہو، اور زروا ہماری بھی بیٹی ہے اور ہمیں خود سے بڑھ کر عزیز ہے ہاں رہی بات تمہاری طبیعت کی تو اسلانا نے چاہا تو بہت جلد تم صحت یاب ہو جاؤ گے اس لیے فضول مت سوچو، سفیر خان نے آخر میں انہیں بڑپن سے ڈانٹ ہی دیا تھا۔

مگر لالہ دل کے مریضوں کا آپ جانتے ہی ہیں میری زونیرہ بھی تو اسی وجہ سے مجھ چھوڑ
گئی تھی، فرقان خان کے لہجے میں دکھ تھا۔

اسی وقت پلوشہ بیگم روم میں داخل ہوئیں تھیں۔

فرقان لالہ آپکی یہ فکر میں اپنے ذمہ لیتی ہوں، وہ ہاتھ میں پکڑا سوپ کا باؤل سائیڈ ٹیبل پر
رکھ کر مسکراتی ہوئی بولی تھیں۔

انکی بات کا مطلب سمجھ کر سفیر خان بھی مسکرائے تھے۔

میں سمجھا نہیں بھا بھی بیگم، فرقان خان نے بے حد احترام سے ان سے پوچھا تھا۔

میں سالوں پہلے کیا وعدہ نبھانا چاہتی ہوں فرقان لالہ، جو وعدہ میں نے زونیرہ سے کیا تھا،
اپنی بات مکمل کر کے پلوشہ بیگم مسکرائی تھیں۔

ہاں بالکل پلوشہ تم ٹھیک کہہ ہی ہو، میں تم سے اس بارے میں بات کرنے ہی والا تھا،
سفیر خان نے بھی مسکراتے ہوئے شریک حیات کی تائید کی تھی۔

انکی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے فرقان خان کا دل پرسکون ہوا تھا۔

تو پھر کیا خیال ہے فرقان؟ سفیر خان نے خاموش بیٹھے فرقان خان سے جواب مانگا تھا۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں لالہ، ابھی آپ ہی نے تو کہا زروا آپکی بیٹی ہے تو پھر آپ سے بہتر
کون سوچیکا میری لاڈو کے لیے، آپ جیسا چاہیں وہی کریں میں آپکے ہر فیصلے پر راضی
ہوں، فرقان خان نے مسکراتے ہوئے انہیں مثبت جواب دیا تھا۔

انکے حامی بھرنے پر پلوشہ بیگم اور سفیر خان مسکرا دیے تھے۔

اب بس انہیں، جلد ہی وہ فیصلہ کرنا تھا جسکا وعدہ وہ سالوں پہلے زونیرہ بیگم اور فرقان خان سے کر چکے تھے۔

قسمت اور وقت اب ساتھ ساتھ چل رہے تھے، دونوں کا راستہ جیسے اسی ایک شخص پر آکر رکتا تھا۔

وہ اس وقت اپنی زندگی کی سب سے خوبصورت اور قیمتی پینٹنگ بنانے کے لیے اپنے پینٹنگ روم میں موجود تھی۔

اس نے کل پارٹی کے بعد ہی یہ پینٹنگ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ اس وقت کینوس کے سامنے کھڑی بیس بنانے کا آغاز کر رہی تھی۔

دو مسکراتی ہوئی آنکھیں چہم سے اسکے زہن کی اسکرین پر ابھری تھیں۔

پل بھر میں عانیہ بے چین ہوئی تھی۔

وہ اب آنکھیں موندے اس دشمنِ جاں کے تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔

اسکی تعریف کرتا وہ لہجہ بے حد دلنشین تھا۔

اسکی سماعت میں بار بار اسکی وہ آواز گونج رہی تھی۔

عانیہ نے کچھ پل آنکھیں بند رکھنے کے بعد کھولی تمھیں اور مسکراتے ہوئے پینٹنگ کا آغاز کیا تھا۔

کیوں آتے ہو تم میرے خیالوں میں اتنا بھی مت ستاؤ کے میں پاگل ہو جاؤں، عانیہ دل ہی دل میں سوچتی ہوئی ہنس دی تھی۔

اسکے تصور نے ہی عانیہ کے لبوں پر تبسم بکھیر دیا تھا اسے یاد کر کے ہی وہ کھل اٹھی تھی یا محبت شاید اسی کا نام ہے۔

"سمندر عشق کی گہرائی کو مت ناپ"

"تصور میں یار کو رکھ اور ڈوبتا جا"

وہ شاہانہ انداز میں چلتا ہوا روم میں اُسُ ہوا تھا۔

اس نے اندر آتے ہی کمرے کو لاک لگایا تھا، کمرے کا ماحول کافی خوابناک تھا۔

بیڈ پر وائیٹ بیڈ شیٹ بچھی تھی جس پر جانبجاں گلاب کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔

لائس آف تھیں مگر کمرے میں ہر طرف چھوٹی چھوٹی کینڈل جلائی گئی تھی جو کہ ماحول کو کافی رومانوی تاثر دے رہی تھی۔

زیڈ۔ کے نے چاروں طرف نظریں دوڑائی تھیں مگر وہاں کوئی نا تھا۔

اسی وقت ایک انتہائی ماڈرن لڑکی بلیک کلر کی سلویس نائیٹی جو کہ سکے جسم کے نشیب و فراز نمایاں کر رہ تھی، میں ملبوس واشروم سے باہر آئی تھی۔

اے زیڈ۔ کے تو تم آہی گئے، وہ ایک کہتی ہوئی ایک ادا سے ہنسی تھی۔

زیڈ۔ کے نے غور سے اسکی جانب دیکھا تھا اور بنا کچھ کہے لگے ہی پل مسکراتے ہوئے بیڈ کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہ لڑکی جو کہ ضرورت سے زیادہ ہی شاطر تھی فورن ہی اسکا اشارہ سمجھتے ہوئے اسکے پیچھے بیڈ تک آئی تھی۔

زیڈ۔ کے نے اسے ایک جھٹکے سے اپنی جانب کھینچا تھا وہ لڑکی کسی کپے ہوئے پھل کی مانند اسکے پہلو میں آگری تھی۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر زروا نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے۔

اسکا دل آج نا جانے کیوں پریشان سا ہو رہا تھا۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے دعا کا آغاز کیا تھا۔

وہ جب بھی دعا مانگتی تھی اسکی دعا میں خود سے جڑے ہر رشتے کی سلامتی ہوتی تھی وہ ہمیشہ انکی دائمی خوشیوں کی دعا کرتی تھی۔

وہ اپنے لیے کم ہی کچھ مانگا کرتی تھی اسکی اپنے لیے صرف ایک ہی دعا ہوتی تھی کہ اللہ اسے نیکی کے راستے پر چلنے کی توفیق دے، مگر آج اسکا دل چاہ رہا تھا کچھ اور مانگے اور اس نے مانگا بھی تھا۔

وہ کل سے زائر کی باتوں میں الجھی ہوئی تھی، وہ جانتی تھی کہ زائر اور ضوریز کے بیچ کچھ بھی سی نہیں ہوا انکے دلوں میں آج بھی ایک دوسرے کے لیے نفرت موجود تھی۔

وجہ وہی چار سال پہلے کا واقعہ تھا مگر ضوریز کا رویہ زروا سے تو ٹھیک ہی تھا۔

لیکن زائر جب سے واپس آیا تھا اسکے لہجے میں زروا نے اپنے لیے جو بات سب سے زیادہ محسوس کی تھی وہ تھی اجنبیت اور سرد مہری، مگر کل زائر کا انداز اسے بہت کچھ ایسا سمجھا گیا تھا جسے دل ماننے سے انکاری تھا۔

یا اللہ میں نہیں جانتی میرے نصیب میں کیا لکھا ہے مگر آج میں تجھ سے ایک چیز مانگتی ہوں۔

اے میرے پاک پروردگار، اے میرے مہربان مالک، میں اس لائق تو نہیں کے تیرے سامنے ہاتھ اٹھا کر کچھ مانگ سکوں، نا ہی میری اتنی اوقات ہے مگر تیری شان تو سب سے

اعلیٰ ہے تو چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا، اسی لیے تیری یہ گہنگار بندی تیری بارگاہ میں سوالی بن کر آئی ہے۔

اے اللہ پاک میری دعا ہے کہ جو میرا نصیب ہو وہ تجھ سے بے حد قریب ہو، میں نہیں جانتی کہ میں نیک ہوں یا گہنگار مگر میں تجھ سے ایک نیک اور پاکباز ساتھی کی دعا مانگتی ہوں، میری دعا جو میرا ہے وہ صرف میرا بن کے رہے، اسکا دل ہر قسم کے فریب سے پاک ہو، تو تو دلوں کے حال جانتا ہے اے رب میری دعا بھی سن لے، جو میرے حق میں بہتر ہے اسے میرا نصیب بنا دے، دعا مانگتے مانگتے آخر میں زروا کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

آنسو اسکی آنکھ سے مسلسل جاری تھے جبکہ وہ وقت شاید قبولیت کا تھا اور اس کی دعا عرش الہی تک جا پہنچی تھی۔

جبکہ دعا مانگنے کے بعد زروا کا دل ہلکا ہو گیا تھا ایک سکون سا اسکے جسم و جان میں سرائیت کر گیا تھا۔

"میرے وہم سے میرے گمان تک"

"یہ مرحلہ میری وفا کا تھا"

"میری طلب سے میرے نصیب تک"

"یہ معاملہ میرے خدا کا تھا"

زیڈ۔ کے نے خود پر جھکتی اس لڑکی کو اچانک، خود سے دور کیا تھا۔

وہ لڑکی ہڑبڑا کر دور ہٹی تھی۔

ہے یو اسٹے اوے، (اے تم دور رہو) زیڈ۔ کے جاہانہ انداز میں دھاڑا تھا۔

کچھ دیر پہلی والی مسکراہٹ اب اسکے دلکش چہرے سے سرے سے غائب تھی۔

خوبرو چہرے پر عجیب سی بے گانگی تھی، جبکہ اسکے تاثرات خطرناک حد تک سرد تھے۔

بٹ واٹ ہسپینڈ زیڈ۔ کے؟ (لیکن کیا ہوا زیڈ۔ کے) وہ لڑکی اب کافی لگاؤ سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

ننتھنگ، جسٹ گو فرام ہیئر، (کچھ نہیں بس جاؤ تم یہاں سے) وہ بری طرح چلایا تھا۔

لڑکی خوفزدہ سی پیچھے ہٹی تھی۔

زیڈ۔ کے ایک جھٹکے سے وہاں سے اٹھا تھا اور باہر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

لڑکی حیرانگی سے اسکا یہ انداز دیکھ رہی تھی۔

اسی وقت اچانک ہی زیڈ۔ کے پلٹا تھا اور اس نے جیب سے ہزار ہزار کے نوٹ کی دو تین گڈیاں نکال کر اس کی طرف اچھالی تھی۔

لڑکی چیل کی طرح پیسوں پر جھپٹی تھی۔

اس روم میں جو ہوا وہ صرف تم تک ہی رہے گا، یہ ہے منہ بند رکھنے کی قیمت، انڈر سٹینڈ؟
زیڈ۔ کے بے حد سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

لڑکی نے پیسے گنتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

زیڈ۔ کے آنکھوں کو گلاس سے کور کرتا روم سے باہر نکلا تھا۔

"وہ میرے وفا کا عروج ہے"

"میرا عشق اس پر تمام شد"

واٹ دا ہیل از دز؟ وہ غصے سے بر بڑایا تھا۔

سامنے سے آتی پولیس کی گاڑی کو بچانے کی وجہ سے اس نے ایک جھٹکے سے بریک لگایا تھا۔

ضوریز کی گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے اور گاڑی روڈ کے پیچ و پیچ کی تھی۔

پولیس والا ہے تو من آئی کریگا، اسکی تو، وہ غصے میں بھرا باہر نکلا تھا۔

سامنے والی گاڑی میں کوئی بگڑا ہوا پولیس والا تھا۔

ضوریز کی زرا سی غلطی اسکے گلے پڑنے والی تھی۔

کیوں بے ہیرو، رات کے وقت پی کے گاڑی چلاتا ہے، رک تجھے تو ابھی حوالات کی سیر کرواتا ہوں، وہ کمینگی سے کہتا اسکی جانب بڑھا تھا۔

ضوریز حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا، الٹا پور کو تو وال کو ڈانٹے والا حساب ہو گیا تھا۔

میں نے کوئی ڈنک ورنک نہیں کی، بکواس بند کرو تم، ضروریز حلق کے بل چلایا تھا۔

اے او شانے آواز نیچے ورنہ ساری گولیاں تیری کھوپڑی میں اتار دوںگا، اس نے بوٹے ہوئے گن والا ضروریز کے سامنے لہرایا تھا۔

اس سے پہلے کے ضروریز کچھ بولتا اس نے ضروریز کے سر پر گن تانی تھی اور اسے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

اب کی بار ضروریز خاموشی سے اسکے ساتھ چل دیا تھا۔

ناجانے قسمت اب اسکے ساتھ کونسا کھیل کھیلنے والی تھی۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے حوالات میں بند تھا۔

اس کے چیخنے چلانے کا کسی پر کوئی اثر نا ہوا تھا۔

ہے یو ایڈیٹ انسپکٹر تم نے مجھے یہاں کس جرم میں بند کیا ہے؟ ضرور حوالات میں بند غصے سے سامنے چیئر پر بیٹھے اس کمیٹ پولیس والے پر چلایا تھا۔

ارے او ہیرو مجھ سے شان پتی نہیں چلگی اس لیے چپ چاپ اپنی جگہ پر بیٹھ جا، ورنہ تیرا وہ حال کرونگا نا کہ ساری ہیکڑی نکل جائیگی، وہی پولیس والا حد درجہ جاہلانہ انداز میں بولا تھا۔

ضرور نے ایک زور دار کک جیل کی سلاخوں پر رسید کی تھی۔

نتیجاً اسکے ہی پاؤں میں لگ گئی تھی وہ پولیس والے کو ڈھیروں گالیوں سے نوازنا اپنا پاؤں سنبھالے لگا تھا۔

ایک دفعہ مجھے اپنے ڈیڈ سے بات کرنے دو ورنہ، ضروریز دھاڑا تھا۔

کیوں رے زیادہ ہی جوانی کا جوش ہے تیرے میں؟ ایک حوالدار نے مزاحیہ انداز میں کہا تو
باقی سب بھی ہنس دیے تھے۔

ضروریز طیش زدہ سا ہوا میں مکا چلا کر رہ گیا تھا۔

بابا لالہ ابھی تک گھر نہیں آئے مجھے فکر ہو رہی ہے پتہ نہیں کیوں دل پریشان ہو رہا ہے،
عانیہ شہروز خان کے روم میں داخل ہوتے ہی بولی تھی۔

ارے ہماری گریس آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں آپ جانتی تو ہیں آپکے لالہ کی عادت، وہ بے وقوف تو اکثر لیٹ ہو جاتا ہے، انہوں نے اسکا موڈ سہی کرنے کو بات کو مزاق کا رنگ دے دیا تھا۔

بابا میں مانتی ہوں وہ اکثر لیٹ ہو جاتے ہیں مگر آج وہ کال نہیں اٹھا رہے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ میری کال رسیو نہ کریں، عانیہ کی بات پر شہروز خان بھی اب کچھ پریشان ہوئے تھے۔

وہ سہی کہہ رہی تھی ضرور چاہے جتنا بھی ضدی ہٹ ڈھرم کیوں نا ہو مگر وہ کبھی بھی گھر سے کی گئی کال اگور نہیں کرتا تھا، چاہے پھر وہ آدھی رات کو ہی کیوں نا کی جائے، وہ ہر ویک اینڈ فرینڈز کے ساتھ گھر سے باہر ہوتا تھا مگر اس نے کبھی اپنی حدود نہیں پھلانگی تھیں۔

اسی لیے شہروز خان اس پر بے جا سختی کے قائل نا تھے انہیں بیٹے پر پورا یقین تھا۔

کیا ہوا بابا؟ میں کہہ رہی ہوں لالہ کا موبائل آن ہے مگر کال نہیں رسیو ہو رہی، عانیہ نے انہیں سوچوں میں ڈوبا دیکھ بات دہرائی تھی۔

آں ہاں تم اپنے روم میں جا کر آرام کرو چے، میں دیکھتا ہوں کیا بات ہے جو وہ کال نہیں اٹھا رہا، شہروز خان نے اسے جانے کا کہا تھا کیونکہ سماہر بیگم سوچکی تھیں اگر وہ جاگ جائیں تو ضروریز کی خیر نا تھی۔

عانیہ کے جاتے ہی شہروز صاحب ضروریز کا نمبر ٹرائی کرنے لگے تھے۔

شومئی قسمت انکی کال رسیو ہو گئی تھی۔

لاپرواہی کی بھی حد ہوتی ہے خان، تم ہو کہاں الو کے پٹھے؟ انہوں نے کال رسیو ہوتے ہی اسے التقابات سے نوازا تھا۔

تمہارا خان جیل میں بند ہے بڑے خان صاحب اگر اسکی خیریت چاہتے ہو تو ابھی پولیس اسٹیشن آجاؤ وہ کیا ہے نا یہ بہت بکواس کر رہا ہے کہیں ایسا نا ہو کہ پولیس کا ڈنڈا اس پر چل جائے، وہ خباثت سے کہتا ہوا ہنسا تھا۔

بکواس بند کرو، ہمارے بیٹے کو ایک خروچ بھی آئی تو تمہاری خیر نہیں، شہروز خان غصے سے دھاڑے تھے۔

ہماری اس سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں اسلیے جتنا کہا ہے اتنا ہی کرو بڑے خان جی، پولیس والا بدتمیزی سے بولا تھا۔

سامنے کھڑے ضوریز نے غصے سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

ہم ابھی آتے ہیں ایڈریس بتاؤ، شہروز خان نرم پڑے تھے۔

انسپکٹر نے ایڈریس بتایا تو وہ کال کٹ کرتے ہی کار میں بیٹھ کر پولیس اسٹیشن روانہ ہوئے تھے۔

یہ رات 12 بجے کا وقت تھا اتنی دیر ہو گئی تھی پھر بھی آج اسے نیند نہیں آرہی تھی۔

بالآخر وہ اٹھ بیٹھی تھی اب اسکا ارادہ کچھ نوٹس بنانے کا تھا۔

اسی لیے وہ اپنی بکس اور ریجسٹر لے کر رائیٹنگ ٹیبل پر آگئی تھی۔

اسی وقت اسکے روم کا ڈور ناک ہوا تھا۔

اس وقت کون ہوگا؟ اس نے دل میں سوچا تھا۔

یس کم ان، اس نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا۔

کیا کر رہی ہو چڑیل، صائم نے روم کے اندر جھانکتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

ابھی وہ جواب دینے ہی والی تھی کہ خود ہی بولنا شروع ہو چکا تھا۔

خیر جو بھی کر رہی تھیں، فورن سے نیچے آؤ اور مجھے کھانا گرم کر کے دو بہت تیز بھوک لگی

ہے۔

اصل میں مومی سو گئی ہیں اس وجہ سے تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہوں۔

ویسے ہاں اگر تم سوچ رہی ہو کہ میں رات کے 12 بجے ڈسٹرب کرنے پر تمہیں سوری بولونگا تو ایسا ہرگز بھی نہیں ہے۔

اپنی بات کے جواب میں زروا کو منہ کھولتا دیکھ کر وہ دوبارہ سے بولا تھا اور پلک جھپکتے ہی روم سے غائب ہو گیا تھا۔

وہ آندھی کی طرح آیا تھا اور طوفان کی طرح واپس چلا گیا تھا۔

یا اللہ کیا بنیگا اسکا؟ اس کے جانے کے بعد زروا سر پکڑ کر رہ گئی تھی۔

ماضی

ضوریز جو اپنی دھن میں سیٹی بجاتا گھر میں داخل ہوا تھا سماہر بیگم کی آواز پر رکا تھا۔

تم نے ایسا کیوں کیا ضریر؟ انکے سوال پر وہ حیران ہوا تھا۔

میں نے کیا کیا موم؟ ضریر نے سوال کیا تھا۔

زیادہ بنومت میں جانتی ہوں تم نے ہی زائر کو پھنسیا ہے تاکہ وہ گھر چھوڑ جائے اور تم سب کی نظروں میں اٹھ جاؤ، اسکی جگہ لینے کے لیے تم نے اس پر اتنا رکیک الزام کیسے لگادیا وہ تو تمہارا بہترین دوست نا تھا ضریر کیوں کیا تم نے ایسا بولو؟ سماہر بیگم پھٹ ہی تو پڑی تھیں۔

موم پلینز آپ اسکی سائیڈ لینا بند کیجئے میں بہت جلد آپ کو اسکا پروف دونگا میری کوئی غلطی نہیں، وہ غلط تھا اسی لیے اسے سزا ملی ہے آپ کیوں میری جان کو آگئی ہیں، میں نے کچھ نہیں کیا، ضوریز بیزاگی سے کہتا اپنے روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

سماہر بیگم سرتھام کر رہ گئی تھیں۔

شہروز خان ضوریز کی بیل کروا کر 1 بجے "ضوریز ہاؤس" واپس آئے تھے۔

ضوریز نے انہیں، ساری بات بتادی تھی جس پر کچھ غصہ ہونے کے بعد بالآخر وی مان ہی گئے تھے۔

گھر آتے ہی ضوریز اپنے روم کی جانب چل گیا تھا جبکہ شہروز خان پہلے ہی جا چکے تھے۔

ضوریز حیران تھا، جانے یہ کس کی دعاؤں کا حصار تھا اس کے گرد وہ جب بھی مشکل میں گھرتا تھا، صاف بچ نکلتا تھا۔

"مشکلات بھی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں"

"تیرے گرد ان دیکھی دعاؤں کا حصار ہے"

وہ صائم کو کھانا اسکے روم میں ہی دے آئی تھی۔

اب اسکا ارادہ اپنے لیے کافی بنانے کا تھا۔

زروا ابھی مگ میں کافی پھینٹ رہی تھی جب وہ کچن میں داخل ہوا تھا۔

زروا کا رخ دوسری جانب تھا اسلیے وہ اسے نہیں دیکھ سکی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بالکل اسکے قریب جا کر رکا تھا۔

کیا ہو رہا ہے؟ زائر خان کی سنجیدہ مگر گھمبیر آواز زروا کے کانوں میں گونجی تھی

زروا کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔

آپ، اسے دیکھ کر زروا شکڈ سی ہو گئی تھی۔

اوہ تو کافی بنا رہی ہو، اس نے اسکے قریب چہرہ کر کے کافی کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا۔

زروا ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

ایک مگ کافی مجھے بھی پلا دو، زائر نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے اب کہ مزے سے فرمائش کی تھی۔

انہیں، کیا ہو گیا؟ یہ اتنا فرینک کیوں ہو رہے ہیں؟ زروا نے دل میں سوچا تھا۔

مم میں بناتی ہوں، پلیز آپ تھوڑا دور کھڑے ہوں، وہ کہتے ہی اب جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔

زائر اس سے کچھ فاصلے پر سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا تھا اور دلچسپی سے اسکی یہ گھبراہٹ ملاحظہ کر رہا تھا۔

اسکی موجودگی سے زروا کنفیوز ہو رہی تھی۔

بلیک لیلن کے ٹراؤزر سوٹ میں ملٹی شیڈز کا ڈوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ مگن سی کافی مکس کر رہی تھی۔

اسکے سنہری بال کچر میں قید تھے جبکہ کچھ لٹیں اسکے چہرے پر آ رہی تھیں۔

اپنی اس سادگی میں بھی وہ قیامت کی ادا رکھتی تھی۔

زائر بے خود سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

اسکی نظروں کی تپش زروا کو صاف محسوس ہو رہی تھی بار بار اسکے ہاتھ لرز رہے تھے۔

یہ لیں کافی، زروا کافی کا مگ تھا مے اسکے سامنے کھڑی تھی۔

زائر ایک دم حوش میں آیا تھا۔

تھینکس بٹ نو تھینکس، سپاٹ لہجے میں کہتا وہ اس سے کافی کا مگ لیتے ہوئے سینک کی جانب بڑھا تھا۔

زروا حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے زائر نے کافی کا مگ سینک میں خالی کر دیا تھا اور واپس پلٹا تھا۔

زروا ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

جب آپکو کافی پینی نہیں تھی تو بنوائی کیوں؟ وہ اسکے سامنے کھڑی غصے سے پوچھ رہی تھی۔

میری مرضی، میں جو کروں تم نے میرے لیے بنائی تھی اور میں نے سینک میں ڈال دی بات ختم، وہ بدتمیزی کے سے لہجے میں کہتا کچن سے نکل گیا تھا۔

زروا کا دل چاہا اس بددماغ شخص کا دماغ درست کر دے مگر وہ ایسا صرف سوچ ہی سکتی تھی۔

اسکے جانے کے بعد وہ جلتی کڑھتی کچن سے نکلی تھی۔

"دل پہ غصہ کرو بھی تو کیا فائدہ"

"کوئی قانون نا عشق کا قاعدہ"

وہ ناشتے کے بعد سب کو خدا حافظ کہتی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

آج ویک اینڈ تھا اسلیے یونی سے آف تھا مگر وہ فریال کے ساتھ لائبریری جانے کا کہہ کر گھر سے نکلی تھی۔

اسکا ارادہ آج اس مزار پر جانے کا تھا جس کے بارے میں فریال نے اسے بتایا تھا۔

کوئی 15 منٹس بعد وہ مزار کے سامنے تھی۔

تو تو آہی گئی، اسے دیکھتے ہی ایک بوڑھی عورت، جو کے دیکھنے میں کوئی ملنگ لگتی تھی، اس کے پاس آئی تھی۔

سبز رنگ کے لباس میں ملبوس وہ عورت 60 سے 70 کے درمیان کی تھی۔

سفید بالوں کی چھوٹی بنائے سر پر بڑا سا ڈوپٹہ لپے، وہ اپنی بڑی بڑی کاجل سے بھری سیاہ آنکھیں اس پر گرٹھائے ایک ہاتھ میں چھڑی تھامے جبکہ دوسرے ہاتھ میں تسبیح لیے اسکا راستہ روکے کھڑی تھی۔

زرواڑ کے مارے اچھل کر کچھ قدم پیچھے ہٹی تھی۔

کک کون ہیں آپ؟ اس نے تقریباً ہکلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

یہ سوات یونی سے کچھ دور ایک مزار تھا۔

وہ گھر میں بنا بتائے یہاں آئی تھی اور اب اسے اس ملنگ نادریش عورت سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

جبکہ وہ درویش عورت اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسکے چہرے سے اسکے دل کا حال جان گئی ہو۔

اسے خاموش دیکھ زروا واپس مڑنے لگی تھی۔

رک جامیری بچی، اس عورت کی نرم مگر سنجیدہ آواز پر زروا کے اٹھتے ہوئے قدم وہیں تھمے تھے اور وہ پلٹی تھی۔

جج جی آپ کک کون ہیں؟ زروا اب ڈرتے ڈرتے اس سے پوچھ رہی تھی۔

میں اللہ کی زمین پر رہنے والی عام سی بندی ہوں۔

مگر تو بہت خاص ہے، تو وہ ہے جسے گناہوں میں ڈوبے اس شخص کو اللہ کی طرف لانا ہے، تجھے یہ موقع اس خداوند کریم نے دیا ہے، تو بہت نصیبوں والی ہے، تیرا بخت بہت بلند ہے بچھی، وہ جو اللہ کی راہ سے بھٹک گیا ہے، تو اسے دین کی طرف لائگی، تو نے نادانی میں اسے در بدر کیا تھا تو ہی دانا بن کر اسے واپس لائگی، وہ مالک ہے نا؟ وہ سب جانتا ہے وہ ضرور تجھے تیری منزل تک پہنچائیگا، وہ آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ناجانے کس شخص کے بارے میں بات کر رہی تھی، زروا کو خاک بھی پلے نا پڑا تھا۔

مگر وہ پھر بھی خاموش کھڑی اسے سن رہی تھی، وہ عمر میں اس کی دادی نانی جیسی تھیں اسی لیے زروا احتراماً وہاں کھڑی تھی۔

مگر میں سمجھی نہیں آئی آپ کیا بول رہی ہیں، میں کیوں کسی کو در بدر کرونگی؟ زروا نے آہستہ سے ان سے استفسار کیا تھا۔

سب سمجھ آجائے گا، جب وقت کا چکر گھومے گا، جب اسے خدا تیرے روبرو لائے گا۔

سن تو اسے اسلام سیکھا ئیگی؟ اسے دین کی طرف لائے گی؟ وہ عجیب پراسرار سے انداز میں بول رہی تھی، زروا حیرانگی سے اسے سن رہی تھی۔

میرے کچھ سمجھ نہیں آ رہا آئی یہ آپ کس کے بارے میں بات کر رہی ہیں؟ زروا نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

سمجھ آنے والا ہے سب سمجھ آنے والا ہے، بس تھوڑ سا صبر، بول نہیے؟ تجھے جب موقع ملیگا کسی بھٹکے ہوئے کو راہ پر لانے کا، تو اپنا فرض نبھائیگی نا؟ وہ اب زروا سے پوچھ رہی تھی۔

جانے کون س کشش تھی اس پراسرار سی عورت کی باتوں میں، زروا کا سر بے اختیار اثبات میں ہلاتھا۔

اسکے ہاں کرنے پر وہ عورت مسکرائی تھی۔

مگر میں کسی کو کیسے راہ پر لاسکتی ہوں؟ میں تو کسی کو زیادہ جانتی بھی نہیں، میرے تو کوئی فرینڈز بھی نہیں، تو کون ہے وہ جو اسلام سے دور ہے؟ اور میں کیسے اسے سنبھالونگی، میں تو کسی ایسے شخص کو جانتی بھی نہیں، زروا سادگی سے بولی تھی یہ سوچے بنا کہ وہ کسی ایسے شخص کو بہت اچھے سے جانتی ہے۔

سب پتہ چل جائیگا، بس کچھ وقت کی بات ہے، سارے بھید کھلیں گے، اور ہاں بلکل برا نہیں ہے وہ شخص، بس حالات اسکے ساتھ نہیں تھے، وہ ٹوٹا ہوا ہے تجھے اسے سنبھالنا ہوگا، اے بلند بختوں والی اساتذہ تجھے کامیابی دے، تیری زندگی کا مقصد پورا ہو، آج میں تجھے دل سے دعا دیتی ہوں تو جسے چاہے وہ عمر بھر کے لیے تیرا ہو جائے، تن سے بھی اور من سے بھی، اس کے دل پر صرف تیرا راج ہو، تم دونوں کا ساتھ عمر بھر قائم رہے، وہ اسے دعا دیتی مسکراتی ہوئی اپنی چھڑی سنبھالتی اس کے قریب سے گزر گئی تھی جبکہ زروا گم سم سی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

زروا بچے، آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں اگر آپ کہیں تو گھر چلیں، بڑی بی بی پریشان ہو رہی ہونگی؟ زروا ڈرائور انکل کی آواز پر چونکی تھی۔

آں ہاں، جی ڈرائور انکل چلیے، زروا کہتے ہوئے ان کے ساتھ چل دی تھی۔

اسکے بیٹھتے ہی کریم بابا نے گاڑی چلائی تھی۔

زروا سوچوں میں کھوئی، سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا گئی تھی۔

اس عورت کی عجیب و غریب باتیں زروا کو بے سکون کر گئی تھیں۔

ناجانے وقت اب اسے کس موڑ پر لا کر کھڑا کرنے والا تھا۔

"پھر اس کے بعد ایک وہ منزل بھی آئے گی"

"دل سے اسکا خیال مٹایا کرتی تھی آپ"

آج ویک اینڈ تھا اور اصول کے مطابق ایک ویک اینڈ کو ڈنر خان پیلس اور اگلے ویک اینڈ
ضوریز ہاؤس میں ہوتا تھا۔

جبکہ ویک اینڈ پر بریک فاسٹ لیٹ ہونے کی وجہ سے لچ تو اکثر گول کر دیا جاتا تھا مگر اس
بار کا ویک اینڈ ہر بار سے ہٹ کر کافی اسپیشل تھا۔

کیونکہ آج سفیر خان اور پلوشہ بیگم کوئی بہت اہم بات کرنے والے تھے اور اس ہی وجہ سے
پلوشہ بیگم نے سب بچوں کو سختی سے ڈنر پر موجود ہونے کی تاکید کی تھی اور یہ تاکید سب
کے لئے تھی زائر خان آفریدی کے لئے بھی۔

یہ شام 6 بجے کا وقت تھا۔

زرّوا جب سے مزار سے آئی تھی اسکا زہن اسی پراسرار عورت کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔

وہ ابھی انہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی جب اسکے روم کا ڈور ناک ہوا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی گل کھڑی تھی۔

گل نے اسے آج سب کے ضریرز ہاؤس جانے ڈنر پر کا بتایا تھا۔

پلوشہ بیگم نے اسے بھی 7 بجے تک تیار رہنے کی تاکید کی تھی۔

زرّوا اسکی بات سن کر بے دلی سے اثبات میں سرہلاتی واپس مڑی تھی۔

ضریرز کو صبح ہی ایک پارسل موصول ہوا تھا۔

اس نے اسے کھولا تو اس میں ایک کیسیٹ تھا۔

یہ کیسیٹ مجھے کون بھیج سکتا ہے؟

ضویرز کچھ سوچتا ہوا وہ کیسیٹ لے کر اپنے روم میں آیا تھا۔

اس نے کیسیٹ پلے کیا تو کیسیٹ میں کیے گئے انکشافات نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ جو خود کو زائر سے نفرت کرنے پر آمادہ نہیں کر پا رہا تھا اور پچھلے کچھ دنوں سے شرمندہ تھا، اسے رہ رہ کر اپنے کیے پر پچھتاوا ہو رہا تھا، مگر آج ایک کیسیٹ نے اس سے پل بھر میں وہ فیصلے کروا دیے تھے جن کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ فیصلہ تھا، زائر خان آفریدی سے نفرت کا، اسے تباہ کرنے کا، اسے زندگی کے ہر موڑ پر شکست دینے کا، اس سے اسکے کئے کا بدلہ لینے کا۔

اس نے وہ کیسٹ اسی شام سب کے سامنے پلے کیا تھا۔

اس کیسٹ میں موجود بیان سے کچھ لوگوں کی زائر خان سے نفرت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

جب کہ کچھ کو ابھی بھی اس بات پر یقین نہ تھا۔

مگر ضوریز خان کے لیے اس دن سے زائر خان اسکا سب سے بڑا دشمن بن گیا تھا۔

لالہ اگر آپ ریڈی ہیں تو نیچے آجائیے، سب آپکا ویٹ کر رہے ہیں، پھوپھو کی کافی کالز آچکی ہیں، صائم نے زائر کو جیسے اطلاع دی تھی۔

مومی نے یہ کونسا فضول آرڈر جاری کر دیا ہے، ایک تو میرا بلکل بھی موڈ نہیں وہاں جانے کا، وہ بے زارگی سے بولا تھا۔

مگر لالہ آج مومی اینڈ بابا کوئی بہت اہم بات کرنے والے ہیں اسلیے ہم سب کا وہاں ہونا ضروری ہے، صائم نے جیسے اسے قائل کرنا چاہا تھا۔

اور سٹی؟ وہ اسکی طرف دیکھتا ہوا طنزیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

ہاں لالہ میں جب ہی آپکو بلانے آیا ہوں، صائم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

اوکے فائن تم جاؤ میں آ رہا ہوں، زائر نے گویا اس پر احسان کیا تھا۔

صائم کے جانے کے بعد وہ بے دلی سے شاور لینے چل دیا تھا۔

لگے 10 منٹس میں وہ اپنی چھا جانے والی پرسنائی کے ساتھ، اسکن کلر کی جینس پر بلیک شرٹ اور بلیک ہی جیکٹ پہنے آنکھوں کو بلیک گلاسز سے کور کیے باہر جانے کے لیے بالکل ریڈی تھا۔

مسٹر خان اسٹینڈ اپ، مس سمانتھا کی غصے میں بھری آواز پر وہ جو اپنی دھن میں بیٹھا تھا فورن کھڑا ہوا تھا۔

بلو جینس پر بلو ہی شرٹ پہنے، وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

آنکھوں پر بلیک گلاس چڑھائے سپاٹ چہرہ لیے بالکل اسٹریٹ کھڑا وہ وہاں سب سے
نمایاں تھا۔

آپکا دھیان کہاں ہے ؟ وہ اب اس سے اپنے اسی برٹش لب و لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

مگر وہ بالکل خاموش تھا۔

میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں مسٹر خان، مس سمانتھاب کے زرا سختی سے بولی تھیں۔

مگر خان پھر بھی کچھ نا بولا تھا۔

میں نے کہا آپ کا دھیان کہاں تھا؟

آپ پاکستانی ہیں نا؟ آپ کلاس میں یہ سب کرنے آتے ہیں؟ اب کی بار وہ چپ نارہ
سکا تھا اور جب بولا تھا پوری کلاس کے میں سناٹا سا چھا گیا تھا۔

جب کہ مس سمانتھا کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔

ایکچوٹلی میرا دھیان وہاں تھا جب آپ فرسٹ بینچ پر بیٹھے رابرٹ کو چیٹینگ کرتے ہوئے
بھی نظر انداز کر رہی تھی اور خود اسے کھلی چھوٹ دے رہی تھیں، پیپر 1 کے فرسٹ 3
آپ اسے شاید پہلے ہی حل کر کے دے چکی ہیں مزید آپکا ارادہ M.C.Q.s کو لیچن اور
اسے بلینکس فل کروانے کا تھا، اور میں نے جہاں تک پچھلے ایک ویک سے نوٹ کیا ہے
تو مسٹر رابرٹ کے فادر آپ کے انکل ہیں مگر میں سوچ یہ رہا ہوں کہ آپ نے ایسا کیا
کیوں؟ کیا آپکو نہیں معلوم یہ کتنا بڑا جرم ہے اور اسکی سزا کے طور پر آپ سسپینڈ بھی
ہو سکتی ہیں، میرے خیال میں اتنا بریف کافی ہے، اگر آپ چاہیں تو میں مزید بتا دیتا ہوں
کہ میرا دھیان کہا تھا، بٹ ایسا نا ہو میں کچھ کہوں اور آپ کو برا لگ جائے، اصل میں ہم
پاکستانی اپنی ٹیچرز کی بہت رسپیکٹ کرتے ہیں، وہ پرسکون سے انداز میں انگلش میں ہی
جواب دیتا مس سمانتھا کی بولتی بند کروا گیا تھا۔

اسکا جواب سن کر مس سمانٹھا سرخ چہرہ لیے ہونق بنی کھڑی تھیں وہ اس کے جواب پر
تلملا سی گئی تھیں۔

جبکہ پوری کلاس میں دبی دبی سرگوشیاں گونجنے لگی تھیں۔

سائینس، وہ غصے میں چلائی تھیں۔

کلاس میں خاموشی چھا گئی تھی۔

زائر خان سنجیدہ چہرہ لیے اسی پوزیشن میں کھڑا تھا۔

لینڈیو مسٹر زائر خان، میں آپ سے تو بعد میں بات کرتی ہوں، اب وہ خشمگین تیور لیے اسکی جانب مڑتی ہوئی تپے ہوئے انداز میں انگلش میں ہی بولی تھیں۔

شیور، خان دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے بولا تھا اور اپنا بیگ شالڈر پر ڈالے کلاس سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ بدتمیز ہر گز بھی نا تھا، مگر پچھلے 1 سال اور 6 مہینوں کی اسٹرگل نے اسے بہت کچھ سیکھا دیا تھا۔

جس میں نمبر ایک پر اس نے جو سیکھا تھا۔

وہ تھا، دھوکہ باز اور دہری فطرت لوگوں کو سبق سیکھانا، اور وہ یہ کام بخوشی کرتا تھا۔

اسکی کسی سے نہیں بنتی تھی، پوری یونی میں وہ اپنی اکھڑ مزاجی اور بدتمیزی کی وجہ سے مشہور تھا۔

مگر ساتھ ہی ساتھ وہ یونیورسٹی کا نمبر 1 اسٹوڈنٹ تھا، ہر مقابلے میں اول آنا جیسے اسکا جنون بن گیا تھا، کوئی ایسا کام نہ تھا جس میں زائر خان پیچھے رہ جائے، اسی وجہ سے وہ ہر بار اپنی زبانت اور طاقت کے بل بوتے پر ہر میدان فتح کرجاتا تھا۔

وہ پٹھان تھا اور کاہینڈسم تھا، لڑکیاں اسکی وجاہت پر مرتی تھیں، مگر کچھ دن فلرٹ کرنے سے زیادہ اس نے کبھی کسی کو لفٹ نہیں کروایا تھا۔

کانفیڈنٹ تو وہ پہلے ہی تھا، اس قدر پزیرائی نے اسے خود پسند اور مغرور، بنادیا تھا، سرکشی اور ہٹ دھرمی تو جیسے اسکی فطرت میں رچ بس گئی تھی۔

اس نے اس ڈیڑھ سال کے عرصے میں خود کو بے حد مصروف کرلیا تھا۔

اسے بہت آگے جانا تھا، اور ان لوگوں کو کچھ بن کے دیکھانا تھا جنہوں نے اس سے اسکی مسکراہٹ چھینی تھی۔

اس واقع نے زائر خان سے بہت کچھ چھین لیا تھا مگر لندن آکر اس نے بہت کچھ پایا بھی تھا۔

ابھی تو شروعات تھی، ایک بہترین مستقبل اسکا منتظر تھا۔

کیونکہ محنت کرنے والوں کی کبھی ہار نہیں ہوتی اور ارادے مضبوط ہوں تو منزل مل ہی جاتی ہے۔

زائر خان کی منزل اسکی منتظر تھی۔

وہ سب ضوریز ہاؤس پہنچے تو سماہر بیگم عانیہ اور شہروز خان انہیں لاؤنج میں ہی اپنے منتظر
لے تھے۔

سب ہی ایک دوسرے سے مل کر اب لاؤنج میں ہی بیٹھ گئے تھے۔

ارے زائر نہیں آیا؟ جب سے واپس آیا ہے مجال ہے جو پھوپو کے گھر ایک بھی چکر لگا لیا
ہو، سماہر بیگم نے پلوشہ بیگم سے زائر کا پوچھا تھا۔

ارے پھوپو وہ لالہ اپنی کار میں آرہے ہیں انہیں ایک چوٹی کچھ سامان لینا تھا آپ کے لیے،
انہوں نے کہا ہم جائیں وہ بس آرہے ہیں، جواب صائم نے دیا تھا۔

اسی وقت اسے سیڑھیوں سے زوریز خان اترتا دیکھائی دیا تھا۔

صائم فورن اسکی جانب بڑھا تھا۔

ہے زوریز لالہ، صائم نے مسکراتے ہوئے اس سے مصافحہ کیا تھا۔

ہے چیمپ، زوریز نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

یار برو میں بچہ نہیں ہوں، صائم نے منہ بسورا تھا۔

زوریز ہلکا سا مسکرایا تھا، اسکی خوبصورت گرے آنکھیں بھی مسکرا اٹھی تھیں۔

لائٹ براؤن کاٹن کی شرٹ اور بلیک جینس میں اسکا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔

آج سردی کچھ زیادہ تھی اس لیے اس نے شرٹ کے اوپر سے بلیک کلر کا اپر پہنا ہوا تھا۔

بلاشبہ وہ ایک سحرکن پرسنالٹی کا مالک تھا۔

صائم سے باتیں کرتا وہ اب سب کی جانب آ رہا تھا۔

اسے دیکھ کر کسی کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

اسلام و علیکم، ضوریز نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

وعلیکم اسلام، سب نے ہی مسکرا کر جواب دیا تھا۔

سماہر بیگم کو اسکا سلام کرنا بہت اچھا لگا تھا، انہیں اپنے لاڈلے کو اسی روپ میں تو دیکھنا تھا۔

ضوریز سب سے مل کر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

اسکے عین سامنے پنک اینڈ وائٹ کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں شانوں کے گرد پنک ہی کلر کی گرم شال پھیلائے زروا بیٹھی تھی۔

وہ عانیہ سے باتوں میں مصروف تھی۔

بالوں کو چٹیا کی شکل دیے، سلیقے سے دوپٹہ سر پر لیے وہ سادگی میں بھی بے حد خوبصورت لگتی تھی۔

ضوریز کی نگاہیں جیسے اس پر سے ہٹنے سے انکاری تھیں۔

اسی وقت لاؤنج میں ایک دلکش آواز گونجی تھی۔

اسلام و علیکم، زائر سب کو سلام کرتا ہوا لاؤنج میں گئے گلاس ڈور سے اندر داخل ہوا تھا۔

یہ وہ گھر تھا جہاں زائر خان آفریدی پورے 3 سال اور 6 ماہ بعد قدم رکھ رہا تھا۔

اسکے خوبرو چہرے پر بلا کی سنجیگی تھی۔

وہ شاہانہ چال چالتا ہوا سب کے سامنے آکر رکا تھا۔

اسے دیکھ کر ضوریز کی چہرے کے زاویے بگڑے تھے جبکہ سب ہی نے اسے سلام کا جواب دیا تھا۔

پلوشہ بیگم بھی مسکرا رہی تھیں۔

اس نے ہاتھ میں موجود پھولوں کا کچلے اور ڈھیروں شاپرز سماہر بیگم کی جانب بڑھائے تھے۔

سماہر بیگم ہی تو تھیں جن کی بدولت آج زائر خان اس مقام پر تھا۔

ہر لمحہ اس سے باخبر رہنے والیں، اسکی عزیز از جان پھوپھو۔

ارے میرا بچہ آگیا، سماہر بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے سامان لیا تھا اور عانیہ کو تھمایا تھا۔

جی پھوپھو صرف آپ کے لیے آیا ہوں، اس نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا تھا مگر اس کے لفظوں میں عجیب سی سرد مہری تھی۔

اس نے اب سماہر بیگم کے سامنے عقیدت سے سر جھکایا تھا۔

سماہر بیگم تو دل و جان سے صدقے واری ہوئیں تھیں۔

انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کی پیشانی پر پر شفقت بوسہ دیا تھا۔

زائر ان سے ملنے کے بعد شہروز خان کی جانب بڑھا تھا۔

شہروز خان بھی اس سے خوش دلی سے ملے تھے۔

ضوریز بیٹا، یہ کیا بات ہے، بھائی آیا ہے آپ کو دکھتا نہیں، چلیے آپ بھی اٹھیں اور زائر سے ملیں، شہروز خان نے حکمیہ کہا تھا۔

ضوریز جو پاؤں پر پاؤں رکھے ایک شان سے صوفے پر بیٹھا تھا منہ بسورتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ویلے تم کچھ زیادہ ہی ڈھینٹ ہو کرن، ضوریز طنزیہ انداز میں کہتا ہوا آگے بڑھ کر اس سے بگلگیر ہوا تھا۔

تمہاری ہی صحبت ہے گندہ اثر تو ہوگا، خیر تم چاہے جتنی کوشش کرلو، زائر خان سے جیت نہیں سکتے وہ تمہیں تم سے ہمیشہ دو قدم آگے لے گا، زائر نے اس سے گلے ملتے ہوئے مزاق اڑانے والے لہجے میں کہا تھا۔

ضوریز کا دماغ گھوما تھا وہ اس سے الگ ہو کر ایک طرف جا کر بیٹھ گیا تھا۔

جبکہ زائر بھی اب صائم کے برابر میں صوفے پر بیٹھا تھا۔

وہ آج کافی وقت بعد اس جم میں آیا تھا۔

زائر کے جانے کے بعد وہ بھی اپنی اسٹریز میں بڑی ہو گیا تھا۔

ان دونوں کا ایک ہی خواب تھا، مل کر ایک بہت بڑا بزنس اسٹیبلش کرنا، اور اپنا نام ملک کے بزنس ٹائیکونز میں شامل کرنا، جس کے لیے دونوں ہی محنت کر رہے تھے۔

آج وہ ایک عرصے بعد وقت نکال کر جم آیا تھا۔

اسکا ارادہ پھر سے جم جوائن کرنے کا تھا۔

بوکسنگ اسکا جنون تھی، وہ 22 سال کی عمر میں ہی انتہائی ماہرانہ انداز میں رنگ میں لڑتا تھا۔

وہ سرخ و سفید رنگت اور لمبی چوڑی جسامت والا ایک بھرپور طاقت ور نوجوان تھا۔

وہ خود کو ایک دم فٹ رکھتا تھا، لڑکیاں اسکے لکس اور فٹنس پر مرتی تھیں، یہی چیز اسے مغرور بنا چکی تھی۔

اسکی گرے مغرور، آنکھوں میں زہانت کی چمک تھی، بلاشبہ وہ ایک وجیہ مرد تھا۔

اسے اپنی اس وجاہت کا بھرپور اندازہ تھا اسی لیے اسکا ڈریسنگ سینس بھی کمال تھا۔

وہ بلا کا ذہین شخص تھا مگر یونی میں وہ فلرٹ کے نام سے مشہور تھا۔

اسے جم میں آتے دیکھ مانی فورن اسکے قریب آیا تھا۔

ہے ضرور تمہیں اتنے دن بعد یہاں دیکھ کر اچھا لگا، مانی چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے بول رہا تھا۔

ضرور بنا کوئی جواب دیے آگے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہ سب اس وقت باتوں میں مشغول تھے۔

جب عانیہ نے آکر میز پر کھانا لگنے کا بتایا تھا۔

سب ہی ایک ایک کر کے اٹھ کر ڈائیننگ حال کی طرف بڑھ گئے تھے۔

آج یونیورسٹی میں اسٹوڈنٹس ایوارڈ فنکشن تھا، جس میں ہر سال اسٹوڈنٹس کو مختلف ایوارڈز سے نوازا جاتا تھا۔

وہ ابھی لندن یونیورسٹی آف بزنس کے گیٹ پر پہنچا ہی تھا۔

اس نے اپنی بانگ ایک سائیڈ پارک کی تمھی اور اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

بلیک پینٹ اور وائیٹ شرٹ پر بلیک ہی اسٹائلز سا کوٹ پہنے وہ آڈیٹوریم میں داخل ہوا تھا۔

آڈیٹوریم اسٹوڈنٹس بھرا پڑا تھا، وہ اپنی ریزرو سیٹ پر براجمان ہو گیا تھا۔

اسٹیج پر موجود ڈائریکٹر اسٹوڈنٹس کی تعریف کر رہا تھا۔

جبکہ وہ اس جگہ اتنی بے نیازی سے بیٹھا ہوا تھا جیسے آج کے اس فنکشن سے اسے کوئی دلچسپی نا ہو۔

پھر وہ گھڑی بھی آہی گئی جب پچھلے سال کی طرح اس سال بھی ڈائریکٹر نے اسٹوڈنٹ آف دا ایئر کا ایوارڈ لینے کے لیے اسکا نام لیا تھا۔

2 سال میں یہ دوسری کامیابی اسکی منتظر تھی۔

اسے جیسے پتہ تھا کہ اسٹوڈنٹ آف دا ایئر کا یہ ایوارڈ زائر خان کا ہی ہے، اسکے تاثرات میں رتی بھر بھی تبدیلی نہیں آئی تھی، وہ بہت ہی عام سے انداز میں اپنی نشست سے اٹھا تھا اور متواتر اور مناسب چال چلتا ہوا اسٹیج پر پہنچا تھا اور بے نیازی سے ایوارڈ لے کر بغیر کچھ کہے اسٹیج سے اتر آیا تھا۔

ایوارڈ وصول کرتے ہی وہ وہاں سے نکلا تھا اور اپنی ہیوی بانک پر بیٹھ کر اپنے اپارٹمنٹ کی جانب چل دیا تھا۔

کھانے کے بعد اب سب ہی بڑے دوسرے روم میں کسی اہم بات میں مصروف تھے۔

جب ینگ جنریشن لاؤنج میں تھی۔

ویسے کیا لگتا ہے اندر کیا بات ہو رہی ہوگی؟ صائم سے زیادہ دیر چپ نا رہا گیا تھا۔

اب یہ مجھے کیا پتہ؟ مجھے کیا الہام ہوا ہے؟ مشعال چڑ کر بولی تھی۔

مجھے تم سے تو رائے لینی ہی نہیں چاہیے تھی، تم تو ہو ہی جنگلی بلی، صائم نے تپے ہوئے انداز میں جواب دیا تھا۔

جبکہ زروا اور عانیہ انکی نوک جھونک پر ہنس دی تھی۔

زائر جو کہ موبائل میں بڑی تھا زروا کو ہنستے دیکھ اس نے سر اٹھایا تھا۔

جبکہ اسے متوجہ دیکھ زروا کی ہنسی کو بریک لگا تھا۔

اسی وقت ضروریز لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

اسکا کوئی فریڈ آیا تھا جس وجہ سے وہ کھانا کھاتے ہی باہر چلا گیا تھا۔

ہے گائر واٹس اپ؟ اور یہ اتنا سننا کیوں ہے؟ وہ کشن اٹھا کر گود میں رکھتا صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

ارے یار لالہ وہی تو میں کہہ رہا ہوں، کہ سب بڑے اندر کیوں ہیں اور کیا بات ہو رہی ہے،
مگر یہ مشعال مجھ سے ہی لڑ رہی ہے، صائم نے منہ بناتے ہوئے مشعال کی طرف اشارہ
کیا تھا۔

سو مشعال یو ہیو اپنی آئیڈیا؟ (تو مشعال تمہیں کچھ اندازہ ہے) ضروریز نے اپنے دلکش انداز
میں براہ راست اسے مخاطب کیا تھا۔

مم میں، مجھے کیا پتہ، مشعال کچھ پل کو گرہڑائی تھی۔

ضروریز اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

مجھے کچھ نہیں پتہ اسے ہی درد اٹھ رہا ہے اندر کی باتیں جاننے کا، اب کی بار وہ اپنے اذلی
پر اعتماد لہجے میں بولی تھی۔

زروا نظریں جھکائے خاموش بیٹھی تھی جبکہ زائر بھی یوں بیٹھا تھا گویا وہاں موجود ہی نا ہو۔

اسی وقت سب بڑے مسکراتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

زائر کے علاوہ سب ہی وہ سب ہی اب پر تجسس سے تھے۔

مومی اب بتا بھی دیں کیا بات کرنی تھی آپ نے؟ انہیں آتے دیکھ صائم جلدی سے بولا تھا۔

اسکی بے تابی پر سب مسکرا دیے تھے۔

چچی جان آپ ہی بتادیں، صائم اب نگین بیگم سے پوچھ رہا تھا۔

ایسا کریں اس نالائق کو ہی بتادیں پلوشہ بیگم یہ ہی سب کو یہ خوشخبری دے گا، سفیر خان
ہنستے ہوئے بولے تو پلوشہ بیگم اور نگین بیگم بھی ہنس دی تھیں۔

یس بابا از رائٹ، صائم پر ہوش ہوا تھا۔

اب تو ضوریز بھی حیران سا ہو رہا تھا۔

تو پھر ٹھیک ہے، صائم اپنے لالہ کو بتادو، پلوشہ بیگم شرارتی انداز میں بولے بولے رکی
تھیں۔

ان کے اس جملے نے زروا کے دل کی ڈھرکنیں تیز کی تھیں، جبکہ اب زائر نے بھی
سراٹھایا تھا۔

کہ کیا تائی جان؟ مشعال نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

کہ ہم نے زروا اور زائر کی بات پکی کردی ہے، پلوشہ بیگم کے جملوں نے وہاں موجود کچھ افراد کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیری تھی تو کچھ کے سروں پر گویا دھماکہ کیا تھا۔

وہاں موجود تین نفوس تو گویا سکتے میں تھے۔

زائر ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھا تھا۔

ضوریز کو بھی شاک لگا تھا جب کہ زائر کے دماغ میں جیسے آندھی کے سے جھکڑ چلنے لگے تھے۔

زروا کی بھی حالت غیر ہو رہی تھی۔

کانگریٹس زروا، میں بتا نہیں سکتی میں کتنی خوش ہوں میرے پیارے دوست جیسے لالہ اور
میری بہن کی شادی، اومائی گاڈ زروا، عانیہ اسکے گلے لگی اور بھی جانے کیا کچھ بول رہی
تھی مگر زروا تو جیسے ساکت سی کھڑی تھی۔

زائر مٹھیاں بھینچے اپنے طیش پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

قسمت نے یہ کیسا فیصلہ کر دیا تھا اس کی زندگی کا؟ وہ لڑکی جس سے وہ بے انتہا نفرت کرتا
تھا اس سے شادی؟

اگلے ہی پل اسکا ضدی اور ہٹ دھرم روپ عود آیا تھا، وہی بے پرواہ انداز جس کے لیے وہ
مشہور تھا۔

بنا اسکے تاثرات نوٹ کیے اب سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔

اسی وقت لاؤنج میں اسکی برف سی سرد آواز گونجی تھی۔

سوری مومی بٹ میں یہ شادی نہیں کر سکتا، سپاٹ لہجے میں کہہ کر وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا
وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

اسکے لفظوں سے وہاں موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔

ہر کوئی اپنی اپنی جگہ شک کی سی کیفیت میں تھا۔

اس کے انکار نے سب ہی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

پلوشہ بیگم اور سفیر خان کے سر مارے شرمندگی کے جھک سے گئے تھے۔

زروا کا چہرہ بھی مارے ذلت کے سرخ ہو رہا تھا اسکی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں، جبکہ
فرقان خان خاموش تھے۔

ہر وقت ہنسنے مسکرانے والا صائم بھی خاموش سا بیٹھا تھا۔

مشعال کو ان سب سے کوئی خاص فرق نا پڑا تھا جبکہ غانیہ کو اس انکار سے بہت دکھ پہنچا
تھا، اسے زروا کے لیے بھی بہت برا فیمل ہو رہا تھا، وہ زروا کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔

ضوریز خان وہاں وہ واحد شخص تھا جسے زائر کے انکار سے جیسے دلی سکون میسر آ گیا تھا۔

تم کہتی تھیں نا وہ بدل گیا ہے، دیکھا آج تمہارے لاڈلے نے ہمیں پھر سے ذلیل کروادیا،
میں ہی پاگل تھا جو اس بے غیرت سے امید لگالی، سفیر خان زائر پر بے حد غصہ تھے۔

اسی وقت ماحول میں ایک پراعتماد آواز گونجی تھی۔

فرقان ماموں، میں جانتا ہوں زائر نے جو کیا وہ غلط تھا، اور یہ وقت بالکل یہ بات کرنے کا نہیں مگر میں زروا سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اب سے نہیں، اس رشتے کے طے ہونے کے سے پہلے سے ہی، تو کیا آپ مجھے اپنی فرزندگی میں لیں گے؟ پر اعتماد انداز، اٹل لہجہ، بے شک وہ کسی کو بھی اپنی باتوں سے قائل کرنے کا ہنر جانتا تھا۔

ایک تفاخر بھری مسکراہٹ شہروز خان کے لبوں پر آئی تھی جبکہ سماہر بیگم بھی بیٹے کے اس فیصلے سے کھل سی گئی تھیں، انہیں زروا ویلے بھی ضروریز کے لیے بے حد پسند تھی مگر زائر میں بھی انکی جان تھی، وہ اپنے لالہ کے اس فیصلے پر بھی خوش تھیں، مگر جو ہوا اس نے انہیں بے حد دکھی کر دیا تھا، مگر بیٹے کے فیصلے نے انکے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

ضروریز کی بات سن کر سب ہی حیرانگی سے اب اسکی جانب دیکھ رہے تھے۔

جبکہ کسی کا دل ٹکرے ٹکرے ہوئے ہوا تھا۔

فرقان خان نے بھی سراٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

زروا بے جان مورت بنی سب سن رہی تھی جیسے یہ سب باتیں اسکے نہیں بلکہ کسی اور کے متعلق ہو رہی تھیں۔

جب وہ سستگر ہی اسے بے مول کر گیا تھا تو وہ شکوہ کس سے کرتی؟ ضرور تو پھر بھی اسے اپنانے کی بات کر رہا تھا۔

تم حوش میں تو ہو بیٹا، تم کیا کہہ رہے ہو؟ فرقان نے اس سے پوچھا تھا۔

جی بالکل ماموں جان، میں پورے حوش و حواس میں آپ سے یہ گزارش کر رہا ہوں، اور باقی

کی بات میرے موم ڈیڈ آپ سے کریں گے، مگر ہوسکے تو مجھ پر ایک دفعہ بھروسہ کر کے

دیکھیے گا میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا، ضوریز خان نے سر جھکائے فرمانبرداری سے جواب دیا تھا۔

ہاں لالہ جان، میں خود آپ سے اپنی بیٹی زروا کا ہاتھ اپنے ضوریز کے لیے مانگتی ہوں، سماہر بیگم مسکراتی ہوئی آگے آئی تھیں۔

ہاں فرقان ہم پر بھروسہ کرو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں، ہمارے بیٹے ضوریز خان کے ساتھ زروا کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، وہ اسے بہت خوش رکھیگا، شہروز خان اپنے نرم لب و لہجے میں بولے تھے۔

فرقان خان سوچ میں پڑ گئے تھے، انہیں ضوریز میں بھی کوئی کمی نہیں دیکھائی دیتی تھی، انہوں نے سفیر خان کی جانب دیکھا تھا، سفیر خان نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

میں آپکو سوچ کر جواب دوں گا شہروز لالہ، فرقان خان نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

ایک فتح مند سی مسکراہٹ ضوریز خان کے لبوں پر آئی تھی۔

جبکہ کسی کا چین و سکون برباد ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سب اجازت لے کر واپسی کے لیے نکلے تھے۔

ناجانے اب ان سب کی زندگیوں میں کونسا موڑ آنے والا تھا۔

انکی قسمت کونسا کھیل کھیلنے والی تھی اور وقت کا پاسہ کس جانب پلٹنا تھا، یہ تو وقت آنے پر ہی پتہ چلتا مگر ضوریز خان ایک بار پھر سے ہاری ہوئی بازی جیت گیا تھا جبکہ زائر خان نے خود جیت کو چھوڑ دیا تھا۔

تو کیا رنگ لانے والا تھا اسکا یہ فیصلہ؟

ضوریز ہاؤس سے نکلنے کے بعد سے وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے بلا سبب سرکوں پر گاڑی دوڑا رہا تھا مگر اسکا اضطراب کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

آج ایک بار پھر سے وہ اس لڑکی کی وجہ سے اسی دورا ہے پر کھڑا تھا جہاں آج سے 4 سال پہلے قسمت نے اسے لا پٹھا تھا۔

اسے لگ رہا تھا وقت جیسے 4 سال پیچھے چلا گیا ہو۔

نہیں آج میں کمزور نہیں ہوں، وہ وقت اور تھا جب مجھے بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرم بنادیا گیا تھا، مگر اس بار نہیں، زائر خان اس بار غلط نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

کیوں کہ میں نے جو کیا سہی کیا، وہ لڑکی اس قابل نہیں کہ زائر خان اسے اپنی زندگی میں شامل کر سکے، ایک زمربلی سوچ اسکے دماغ میں آئی تھی۔

وہ اب ریش ڈرائنگ کر رہا تھا، اس کی کار کارخ اپنے بنگلے کی طرف تھا جو اسکی ملکیت تھا۔

شاید وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ ضروری نہیں کہ جیسا ہم چاہتے ہیں ہر بار ویسا ہی ہو۔

کیا پتہ قسمت کو کیا منظور تھا۔

ماضی

پھوپو جان آئی ون اگین، آئی گوٹ 98% ان تھرڈ سمسٹر، (میں دوبارہ جیت گیا میں نے
تیسرے سمسٹر میں 98 فی صد حاصل کیا ہے)

زائر کا انگریزوں سالب و لہجہ موبائل میں گونجا تھا۔

اسکی پرچوش سی آواز پر موبائل پر بھی سماہر بیگم مسکرا دی تھیں۔

ماشاء اللہ پھوپو کی جان، اللہ میرے بچے کو یونہی کامیاب کرے بس، آمین۔

سماہر بیگم نے دل سے اسے دعا دی تھی۔

پھوپو جان بس اب ایک سال اور، اور پھر دنیا زائر خان کا عروج دیکھی گی، وہ اپنے ازلی
پر اعتماد انداز میں بولا تھا۔

سماہر بیگم نے دل ہی دل میں اسکی یہ خوشی قائم رہنے کی دعا کی تھی۔

آج زائر خان نے پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تھا اور اب اسکا یہاں ایک ہی سال بچا تھا۔

سماہر بیگم وہ واحد ہستی تھیں جنہوں نے اسکا تب یقین کیا تھا جب پوری دنیا اسکی مخالف
تھی، اس رات زائر خان ٹوٹ گیا تھا، وہ سماہر خان ہی تھیں جنہوں نے اسے سمیٹا تھا اور
اسے اسکے ہونے کا یقین دلایا تھا، اسکی ذات پر اسکے اعتماد کو بحال کرنے والیں، اسکی
عزیز ازجان پھوپو، جو اسکے لیے اسکی ماں کے برابر تھیں۔

ان سے وہ پچھلے تین سال سے کانٹیکٹ میں تھا اور بس اب ایک سال ہی بچا تھا اسکی واپسی میں، مگر زندگی ایک بار پھر سے اسکے ساتھ کھیل کھیلنے والی تھی، ایک اور امتحان اسکا منتظر تھا۔

مگر اس بار زائر خان ہارنے والا نہ تھا۔

ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔

مگر خان ہاؤس میں گہرا سکوت سا طاری تھا۔

مراد خان اور سفیر خان سویرے ہی آفس جا چکے تھے۔

جبکہ فرقان خان اپنے میں ہی تھے۔

صائم اور مشعال یونیورسٹی چلے گئے تھے، زروا اپنے روم میں بند تھی، کسی نے بھی اسے جگانا مناسب نا سمجھا تھا۔

یہ صبح کے 10 بجے کا وقت تھا مگر خان ہاؤس میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اب پلوشہ بیگم کو زروا کی فکر ہونے لگی تھی وہ کبھی بھی اتنی دیر تک نہیں سوتی تھی۔

وہ کچھ سوچتی ہوئی زروا کے روم کی جانب بڑھی تھیں۔

روم لاک نا تھا اسلیے انکے ہاتھ لگاتے ہی کھل گیا تھا۔

مگر روم کے اندر کی صورتحال دیکھ کر انہیں جھٹکا لگا تھا۔

لائس آف تمہیں اور زروا بیڈ کے قریب بے حوش پڑی تھی۔

وہ تڑپ کر اسکی جانب بڑھی تمہیں انہونے کسی چھوٹی بچی کی طرح اسے بانہوں میں بھرا تھا۔

وہ اسے ایک سائیڈ کرتی ہوئی باہر کی جانب دوڑی تمہیں۔

کچھ ہی پل میں وہ صائم کو کال کر کے ڈاکٹر کو لانے کا کہہ چکی تھیں۔

اسکی آنکھ کھلی تو عانیہ اسکے قریب ہی بیٹھی تھی۔

ارے تم اٹھ گئی، کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟ عانیہ اسکی طرف دیکھتی ہوئی فکر مندی سے پوچھ رہی تھی اس کے لہجے میں زروا کے لیے بہنوں والی اپنائیت تھی۔

میں ٹھیک ہوں پر تم یہاں؟ زروا اپنے چکراتے ہوئے سر کو سنبھالتی با مشکل گاؤ تکیے کے سہارے اٹھ بیٹھی تھی۔

میں تو کافی دیر سے یہاں ہوں میری پیاری بہنا اور سب بھی ہیں، لالہ بھی آئے ہیں، اور تم اٹھ کیوں گئی تمہیں ریسٹ کی ضرورت ہے زروا، پلیز لیٹ جاؤ، عانیہ تفصیل بتاتی ہوئی فورن اسے سہارا دینے اسکے قریب آئی تھی۔

اتنے میں ہی روم ناک کر کے فرقان خان اندر آئے تھے۔

انہیں، دیکھ کر عانیہ اجازت لے کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

وہ اب زروا کی جانب آرہے تھے۔

بابا، زروا کا ضبط انہیں دیکھتے ہی ٹوٹنے کو تھا۔

بابا کی جان، میرا بچہ، کیسی ہے میری گریٹا؟ میری ایک غلطی نے میری بچی کا کیا حال کر دیا، فرقان خان نے اسے خود سے لگاتے ہوئے پر شفقت انداز میں پوچھا تھا۔

میں ٹھیک ہوں بابا جان، زروا ناچاہتے ہوئے بھی سسک اٹھی تھی۔

میری بچی میں جانتا ہوں میں نے اپنی زروا کے ساتھ بہت برا کیا ہے، میری وجہ سے ہی میری شہزادی اس حال میں پہنچی ہے، وہ کم ظرف انسان میری بیٹی کے لائق بالکل بھی نا تھا، کاش یہ بات میں پہلے سمجھ جاتا تو یہ سب نا ہوتا، وہ شخص میری بیٹی کو یوں سب کے سامنے رد کرنے والا ہوتا کون ہے، مگر غلطی تو مجھ سے بھی ہوئی ہے، میں تمہارے

حق میں غلط فیصلہ کیسے کر گیا میری گریبا، اپنے بابا کو معاف کر دو بیٹی، وہ بوٹے بوٹے اب اسکے آگے ہاتھ جوڑ گئے تھے۔

نہیں باباجان، خدا را مجھے گنہگار نا بنائیں، زروا نے تڑپ کر انکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے تھے۔

آپکا کوئی قصور نہیں، آپ نے تو میرے اچھے کے لیے یہ فیصلہ لیا تھا نا، میری ہی قسمت میں یہ سب ہونا لکھا تھا سو ہو گیا، مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں باباجان، زروا اپنے دل کی اجڑی ہوئی حالت پر قابو پاتی انہیں مطمئن کر رہی تھی، ورنہ کوئی زروا کے دل سے پوچھتا ٹھکرائے جانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔

یہ ہوئی نا بات، میں آپ کو زندگی کے ہر مقام پر ایسے ہی بہادر اور مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں بچے، وہ اسے حوصلہ دے رہے تھے۔

کاش میں تم سے بدلہ لے سکتی زائر خان، تمہاری وجہ سے آج میرے باباجان اس قدر پریشان ہیں، زروا سوچوں میں گم تھی۔

مگر میں اب اپنی غلطی نہیں دہراؤنگا میری گریٹا، اسی لیے میں آپ سے آج کچھ پوچھنے آیا ہوں، فرقان خان نے تمہید باندھی تھی۔

جی باباجان؟ زروا چونک کر انکی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

بیٹا میں نے بہت سوچ بچار کے بعد کچھ فیصلہ لیا ہے، مگر میرے لیے اب میری بیٹی کی رائے اہم ہے، میں اب پھر سے تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا، اس لیے میں جو بھی تم سے پوچھوں گا اس میں آخری فیصلہ تمہارا ہی ہوگا، وہ آرام آرام سے بول رہے تھے۔

زروا کا دل ناجانے کیوں کسی انجانے خوف میں مبتلا تھا، وہ غور سے انکی باتیں سن رہی تھی۔

میں نے ضرور بیٹے کے پرپوزل پر غور کیا ہے، وہ بینڈ سم ہے، ویل اٹجو کیٹیڈ ہے، کچھ ہی وقت بعد اپنا بزنس جوائن کرنے والے ہیں اور انکا مستقبل بھی شاندار ہے، سب سے بڑی بات وہ میری آنکھوں کے سامنے پلا بڑا ہے، اس لیے

مجھے ان کے پرپوزل میں کوئی خرابی نہیں دیکھی، اور پھر وہاں آپکی سماہر چھوچھو ہونگی آپ کو ایڈجسٹمنٹ میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، وہ بوٹے بوٹے خاموش ہوئے تھے۔

زروا سانس روکے انہیں سن رہی تھی، اسکا دل ناجانے کیوں بے سکون ہو رہا تھا۔

کیا ہوا باباجان؟ انہیں خاموش دیکھ زروا نے آہستہ سے پوچھا تھا۔

کچھ نہیں، بس میں سوچ رہا ہوں اگر آپکی ماما ہوتی تو وہی آپ سے یہ بات کرتیں مگر میں نے آپکو ماں باپ دونوں کا پیار دیا ہے، بات کرتے کرتے انکی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

باباجان پلیز ایسے روئے مت، میرے لیے آپ ہی میرا سب کچھ ہیں، زروا نے انکے آنسو صاف کیے تھے۔

وہ اسکی فکر پر مسکرا دیے تھے۔

بیٹا میں نے سوچا ہے سماہر آیا کو ہاں کہہ دوں ضرور اور آپکے رشتے کے لیے، وہ آہستگی سے بولے تھے۔

زروا کا دل بند ہونے کو تھا، وہ ظالم شخص تو اسے پچھلی رات ہی بے مول کر کے چلا گیا تھا، اور شادی تو اسکی کہیں نا کہیں ہونی ہی تھی، تو پھر اب یہ دکھ کس بات کا تھا؟ زروا نے اپنے آپ سے سوال کیا تھا۔

بیٹا آپ سن رہی ہیں ہے نا؟ اسے خاموش دیکھ فرقان خان نے پوچھتے ہوئے پیار سے اسکے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

جج جی باباجان، زروا جلدی سے بولی تھی۔

میں اب آپکی مرضی جاننا چاہتا ہوں، جیسا آپ کہیں گی میں وہی فیصلہ لونگا، فرقان نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا۔

کچھ پل کو تو زروا سن رہ گئی تھی۔

سوری بٹ میں یہ شادی نہیں کر سکتا، ایک سرد لہجہ اسکی سماعتوں میں گونجتا تھا، درد کی ایک لہر اسکے دل میں اٹھی تھی۔

بیٹا میں نہیں جانتا میری زندگی کتنی ہے، مگر میری طبیعت خراب رہتی ہے اور میں چاہتا ہوں میں اپنی بیٹی کا ہاتھ کسی ایسے انسان کو تھماؤں جو اسے شہزادی بنا کر رکھے، اور کل ضروریز نے جس طرح میرا مان رکھا، یقین مانیے بیٹا آپ کو اگر خوش رکھ سکتا ہے تو وہ ہے

ضوریز خان، اسلیے سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا، اسے سوچوں میں غلطاں دیکھ فرقان خان نے اسے سمجھایا تھا۔

پلیز باباجان ایسا مت کیے، آپکو کچھ نہیں ہوگا، آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے، اور میرے لیے اپنے باباجان سے بڑھ کر کچھ نہیں اسلیے جو آپکا فیصلہ وہی میرا فیصلہ ہے، وہ اپنے اسی زلی نرم اور بادب لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بوتی آخر میں نظریں جھکا گئی تھی۔

اسکا اقرار سن کر، فرقان خان کھل اٹھے تھے۔

جیتی رہو میری گریا، ہمیشہ خوش رہو، انہوں نے اسکی پیشانی پر پر شفقت بوسہ دیا تھا۔

زرا کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں مگر صرف اپنے عزیز از جان باباجان کے لیے وہ ناچاہتے ہوئے بھی اس رشتے کے لیے ہاں کر گئی تھی۔

میں اب چلتا ہوں، باہر سماہر آیا اور شہروز لالہ کو بھی یہ خوشخبری دینی ہے، وہ شاید بے حد خوش تھے اس لیے اسکی نم آنکھیں نا دیکھ سکے تھے مگر زروا انہیں دکھی نہیں دیکھ سکتی تھی اسلیے اپنے دل پر جبر کر کے وہ اس رشتے کے لیے ہاں کر گئی تھی، اسے بھی ضرور میں بظاہر تو کوئی خرابی نظر نا آئی تھی، اور پھر کل جیسے اس نے اسکت بابا کا جھکا ہوا سر بلند کیا تھا تب سے تو زروا کا دل اسکی جانب سے صاف ہو گیا تھا۔

انکے جانے کے بعد وہ مختلف باتیں سوچتی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا گئی تھی۔

واٹ؟ سماہر بیگم نے جو نیوز اسے دی تھی اس کے بعد زائر کا اب وہاں رکنے کا جواز ختم ہو گیا تھا۔

اسکی عزیز ازجان مومی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہیں تھیں، انہیں شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تھا، اور انکی زبان پر صرف اسکا نام تھا۔

وہ پچھلے 3 سال سے اور 5 مہینوں سے جس جیت کے لیے سرگرداں تھا وہ بس کچھ ہی قدم کے فاصلے پر تھی۔

مگر بھلا ہوا اسکی قسمت کا جو ایک بار پھر سے اسے دغا دینے کو تیار کھڑی تھی۔

مگر اس بار اسے کوئی دکھ نہ تھا، بات اسکی ماں کی تھی جن سے بڑھ کر اسکے لیے کچھ نہ تھا۔

ویسے بھی وہ یونی کا نمبر 1 اسٹوڈنٹ تھا، اسے یونی کے نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

اسے پڑھنا تھا وہ چاہے لندن یونیورسٹی سے پڑھتا یا سوات یونیورسٹی سے، اس ریس کا وہ بہترین کھلاڑی تھا، وہ محنت پر یقین رکھتا تھا اور بے شک اس کا محنت کرنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا، کامیابی بے شک اس کا مقدر تھی۔

پھر اسی شام اس نے ایک فیصلہ لیا تھا، بے شک وہ فیصلہ اس کی زندگی کے اس اہم مقصد کے لیے بہت غلط بھی ثابت ہو سکتا تھا مگر اب اسے اس بات کی کوئی پرواہ نا تھی۔

اس نے جلد از جلد اپنے سوسائز استعمال کرتے ہوئے اپنا مائیکریشن سوات یونیورسٹی میں کروایا تھا اور اسی رات صرف اپنے اہم ڈاکا منٹس لیے، باقی سب کچھ جیسے کا تیسرا چھوڑ کر پاکستان آنے والی پہلی فلائٹ لیتا وہ لندن کو خیر آباد کہہ گیا تھا۔

یہ شام 6 بجے کا وقت تھا جب وہ سوکراٹھی تھی۔

فرقان خان کے جانے کے بعد سماہر بیگم اور شہروز خان اس سے ملنے آئے تھے سماہر بیگم نے اسے بات پکی ہونے پر رسم کے طور پر نیگ دیا تھا۔

زروا بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی تھی۔

جبکہ سب ہی نے اسے دل سے مبارکباد پیش کی تھی، اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مبارکباد وصول کی تھی۔

صائم زائر کی وجہ سے اداس تھا مگر اسے ضرور بھی زائر کی طرح ہی عزیز تھا، اسلیے فلحال وہ بھی صرف زروا کی خوشی میں خوش تھا۔

مشعال نے ایک بار بھی اسکے پاس آنے کی زحمت نا کی تھی جبکہ عانیہ کافی دیر تک اسکے پاس بیٹھی رہی تھی۔

اسی نے ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان زروا کو کھانا اور سکون کے لیے میڈیسنز دی تھیں جنہیں کھاتے ہی زروا سو گئی تھی۔

اسکی آنکھ کھلی تو گھڑی شام کے 6 بج رہی تھی۔

دوپہر کا ہر منظر اسکی آنکھوں میں گھوم گیا تھا۔

جب کے دماغ میں کسی کا وہی سرد لہجہ شدت سے گونجنے لگا تھا۔

اف، تم کیوں میرا پیچھا نہیں چھوڑ دیتے خان، جب تم مجھے ٹھکرا چکے تو کیوں بار بار
میرے زہن میں تمہارا خیال آتا ہے؟ میں خود کے آگے بھی شرمندہ ہو جاتی ہوں، زروا نے
قرب سے آنکھیں بند کر کے کھولی تھیں۔

سوچوں میں ڈوبے ہوئے ہی بے دھیانی میں اسکی نظر گھڑی پر گئی تھی، اومائی گاڑ میں
اتنی دیر تک سوئی رہی ہوں، زروا نے سوچتے ہوئے سر پر ہاتھ مارا تھا۔

میری نماز بھی قضا ہو گئی اف خدایا، وہ فوراً بیڈ سے اٹھی تھی۔

اس نے ایک نظر آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر ڈالی تھی۔

بکھرے ہوئے بال بے ترتیب حلیہ، رونے کی وجہ سے سرخ ہوتی آنکھیں، شکن زدہ لباس،
یہ زروا خان تو نا تھی۔

زروا نے کچھ سوچتے ہوئے کب بورڈ سے اپنا ہینگ ہوا سوٹ نکالا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ اسکائی بلو کلر کی گھٹنوں تک آتی شرٹ اور ٹراؤزر میں فریش ہو کر واشروم سے باہر آئی تھی۔

وہ اب آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سنہری بالوں کو برش کر رہی تھی۔

اس نے اس کام سے فارغ ہو کر جلدی سے نماز کے اسٹائل میں ڈوپٹہ اوڑھا تھا اور قضا نماز کی نیت باندھی تھی۔

وہ ابھی سجدے میں ہی تھی کہ اسکے روم کا ڈور ناک ہوا تھا۔

جواب نالینے پر دروازہ مسلسل بج رہا تھا، یقیناً باہر موجود شخص بھی کچھ زیادہ ہی ڈھینٹ تھا۔

پھر اچانک دروازہ بچنا بند ہوا تھا۔

زروا نے ابھی سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ ہی اٹھائے تھے کہ ضوریز خان نہایت ہی آرام سے اسکے روم میں داخل ہوا تھا اور مزے سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

اسے دیکھ کر ڈھینٹ کہنے والی بات کچھ غلط بھی نا تھی۔

آپ یہاں، اس نے جیسے ہی دعا مانگ کر چھیرے پر ہاتھ پھیرا تو اپنے دائیں جانب موجود شخص کو دیکھ کر اسکے حوش اڑے تھے۔

وہ فوراً جائے نماز طے کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی، زروا پچھلی بار کی بات یاد کرتے ہوئے گھبرا گئی تھی۔

میں صرف تمہاری طبیعت پوچھنے آیا ہوں، اسلیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مائی
ڈیئر وائف ٹو بی، ضروریز بھی اسے کھڑی ہوتے دیکھ دلکشی سے کہتا اس کے قریب آیا تھا۔

پلیز آپ، زروا نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے تھے کے ضروریز نے انتہائی آرام سے اسکی
بات کاٹ دی تھی۔

کیسی ہو سویٹی؟ بلو جینس پر وائیٹ شرٹ اور ریڈ لیڈر کی جیکٹ پہنے، ایک ہاتھ پوکٹ میں
ڈالے اسکے عین سامنے کھڑا، اسے نظروں کے حصار میں لیے گھمبیر لب و لہجے میں نرمی
سے پوچھتا اسے حیران کر گیا تھا۔

مگر زروا کی سوئی تو اسکے ایک لفظ پر اٹک گئی تھی۔

مم میں ٹھیک ہوں، پلیز مجھے ایسے ناموں سے مت پکاریں، زروا نے نگاہیں جھکائے آہستہ
سے کہا تھا۔

اسکی بات پر ضوریز کا جاندار قفقہ گونجا تھا۔

زروا نے اسے عرصے بعد اسے یوں ہنستے ہوئے دیکھا تھا، وہ ہونق سی اسے دیکھ رہی تھی،
گویا سوچ رہی ہو، کہ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہو گیا۔

ضوریز آہستہ آہستہ چلتا ہوا بالکل اسکے قریب آکر رکا تھا۔

کیا سوچ رہی ہو؟ یہی نا کہ میں پاگل تو نہیں ہو گیا؟ ضوریز سنجیگی سے پوچھ رہا تھا مگر
آنکھوں میں شرارت رقصاں تھی۔

میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی پلیز آپ یہاں سے جائے ورنہ میں، زروا کافی پہلے کہی بات
دہرانے والی تھی مگر ضوریز نے اچانک اسکی بات اچکی تھی۔

ورنہ کچھ نہیں، میں پلوشہ ممانی سے اجازت لے کر تم سے ملنے اور تمہاری طبیعت پوچھنے
آیا ہوں، وہ اسکے سندر چہرے کو نگاہ کی زد میں لیے بول رہا تھا۔

میں بتا چکی آپکو میں ٹھیک ہوں، اب آپ جائے یہاں سے، زروا نے قدرے درشت لہجے
میں اسے دو ٹوک جواب دیا تھا۔

کچھ پل کو تو ضوریز کا چہرہ مارے بے عزتی کے سرخ ہوا تھا مگر پل بھر میں وہ خود کو کمپوز
کر چکا تھا۔

لیکن اس بار وہ بولا تو کچھ دیر پہلے والی نرمی اسکے لہجے سے سرے سے غائب تھی۔

میں نے تمہیں کہا تھا نا اب کی بار میں تمہارے روم میں آؤں گا تو تم مجھے نکال نہیں سکو گی،
دیکھ لو میں نے اپنی بات پوری کر دی، وہ مغرور سے انداز میں بولتا اسے لا جواب کر گیا تھا۔

میں نے اس رشتے کے لیے ہاں کر دی تو اس کا مطلب یہ نہیں کے آپ جب چاہیں گے جیسے چاہیں گے کریں گے، زروا کی آواز میں غصہ بھرا تھا۔

میں کر تو بہت کچھ سکتا ہوں مائی وائف ٹو بی، وہ کہتا ہوا دو قدم آگے آیا تھا۔

زروا غیر محسوس انداز میں پیچھے ہی تھی۔

بٹ میں فلحال یہاں سے جا رہا ہوں، مگر یہ بات اب تم اپنے دماغ میں بٹھالو کہ تم اب میری ہو، سمجھی؟ ضرور حاکمانہ سے انداز میں کہتا زروا کو سہما گیا تھا۔

اس سے پہلے کے زروا کچھ کہتی ضرور کا موبائل وائبرٹ ہوا تھا۔

سو میں ابھی تو جا رہا ہوں بٹ، بھولنا مت، تم اب ضرور خان کی ہو، ضرور موبائل چیک کرتے ہوئے اسے وارن کرنے کے انداز میں بولتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

یا اللہ یہ تو پہلے ہی اتنے بدتمیز تھے اب تو کچھ زیادہ ہی اوور ہو گئے ہیں، یہ میں کہاں پھنس گئی، اس کے جانے کے بعد زروا نے کوفت سے سوچا تھا اور سرپکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

زروا خان تم نے مجھ سے میری محبت چھین لی نا آخر؟ مجھے اسی بات کا تو ڈر تھا، بچپن سے وہ تمہارے آگے پیچھے گھومتا آیا تھا اور اب تو تم نے اسے بالکل ہی اپنا بنالیا ہے، وہ تم سے شادی کرنے والا ہے، مگر کیوں؟ کہیں وہ تم سے محبت؟ ننن نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، تہ تم صرف میرے ہونا؟ مشعال ہزانی انداز میں چیخ رہی تھی، یہ تو شکر تھا کہ ساؤنڈ پروف وال کا، جسکی بدولت اسکی آواز اسکے روم تک ہی محدود تھی۔

مگر اسے میں کیوں نہیں دیکھی؟ میں اسے تب سے بے انتہا چاہتی آرہی ہوں جب میں محبت لفظ کا مطلب بھی نہیں جانتی تھی، مگر تم نے میری بچپن کی محبت مجھ سے چھین

لی، اب میں تمہاری ہر خوشی تم سے چھین لوں گی سنا تم نے؟ میں تم سے اتنی نفرت کرتی ہوں کہ میرا بس چلے تو میں تمہارا وجود ہی مٹا دوں، سمجھی تم؟ وہ چلاتی ہوئی اپنے روم کی ایک ایک چیز کو زمین بوس کر چکی تھی۔

گویا ان بے جان چیزوں پر اپنی ناکام محبت کا غصہ اتار رہی ہو۔

اسکے روم کی حالت دیکھ کر اسکے اندر اٹھتے طوفان کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا جو صرف زروا کی تباہی چاہتا تھا۔

مگر کیا قسمت پھر سے کوئی کھیل کھیلنے والی تھی؟

وقت کی لگام کس کے ہاتھ آنے والی تھی اور کون محبت کا سکندر کہلاتا یہ تو صرف کاتبِ تقدیر ہی جانتا تھا۔

وہ مالک بے شک کسی کی دعاؤں کو رائیگا نہیں جانے دیتا، مگر صبر کرنے والے ہی منزل تک پہنچتے ہیں۔

"کہاں لے جائیگی یہ محبت ہمیں"

"پھر بھی اے دل فَاصِبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا"

یہ رات 10 بجے کا وقت تھا اسے یہاں آئے ایک پوری رات اور ایک دن گزر چکا تھا، مگر یہاں آنے کے بعد بھی وہ بے سکون تھا۔

پچھلی پوری رات وہ سونا سکا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ آخر کیوں اتنا بے چین ہے؟

وہ جو کر کے آیا تھا وہ اس پر خود کو حق بجانب سمجھتا تھا مگر پھر بھی ایک عجیب سا ملال اسے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔

کل والے حلیے میں، ایزی چیئر پر بیٹھے سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا، وہ بے حد ڈسٹرب تھا۔

میں نے جو کیا وہ ٹھیک ہے، میرے لیے وہ لڑکی کوئی معنی نہیں رکھتی، وہ صرف زروا خان ہے، میری پارٹنر نہیں، وہ یہی ڈیزرو کرتی ہے، اس نے مجھے سب کے سامنے بے عزت کروایا تھا، میں نے صرف اسکا کیا اسے لوٹایا ہے، اسلیے مجھے اپنے کیے کا کوئی افسوس نہیں، اسنے خود سے کہتے ہوئے ایک اور سگریٹ سلگایا تھا۔

وہ تکلیف دہ منظر آج بھی اسکے دماغ میں کسی آسیب کی طرح چمٹا ہوا تھا، 4 سال گزرنے کو تھے مگر وہ واقع اسکے دل و دماغ میں اول روز جیسے محفوظ تھا۔

جیسے ہی اسے زروا کے بے اعتباری میں ڈوبے الفاظ یاد آتے تھے، زائر خان کے دل و دماغ میں ایک حشر سا برپا ہو جاتا تھا۔

وہ اس واقع کے بعد ہی تو اپنا ملک چھوڑ گیا تھا، صرف ان دو لوگوں کی وجہ سے زائر خان بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرم ٹھہرا دیا گیا، اسکی زندگی سے خوشیاں روٹھ گئی تھیں۔

مگر اس ساڑھے 3 سال کے عرصے میں بہت کچھ بدلا تھا، وہ جو ہر طرف سے مایوس ہو گیا تھا، وقت نے اسے سمجھایا تھا کہ کسی کے دور جانے سے زندگی رکتی نہیں، اور کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہی ہے، اور پھر اس نے زندگی کے اس اصول کو دماغ میں بٹھالیا تھا۔

دن رات محنت کر کے اس نے معاشرے میں وہ مقام بنالیا تھا کہ اسٹوڈنٹ لائف میں ہی اسکی شہرت عام تھی، اس نے خود کو بدل لیا تھا، وہ اب پہلے والا زائر خان نا تھا، یہ تو کوئی بے حد مغرور شخص تھا۔

اب وہ خود پر یقین کرتے ہوئے ہر میدان میں جیتنے کے لیے اترتا تھا، اسے کسی کی پرواہ نہ تھی، مگر ابھی اسکا ایک اور امتحان باقی تھا۔

یہ صبح کے 8 بجے کا وقت تھا، جب وہ ریڈی ہو کر ڈائینگ ٹیبل پر آیا تھا۔

اسلام و علیکم ایوری ون، ضوریز نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

و علیکم اسلام، عانیہ شہروز خان اور سماہر بیگم نے ایک ساتھ جواب دیا تھا۔

جبکہ عانیہ شرارتی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

کیا؟ ضوریز نے اسے مسکراتے دیکھ حیرانگی سے پوچھا تھا۔

کچھ نہیں لالہ، میں نے کچھ کہا کیا؟ عانیہ نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

نہیں مگر پوچھنا تو چاہ رہی ہونا گریا، ضرور اسکی طرف دیکھتے ہوئے پیار سے بولا تھا۔

سماہر بیگم اور شہروز خان مسکراتے ہوئے انکی باتیں سن رہے تھے۔

وہ میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے آپکے برتھ ڈے کے لیے نیو ڈریس لینا ہے، عانیہ اتنا کہہ کر خاموش ہوئی تھی۔

تو لے لو، ضرور بریڈ پر جیم لگاتا ہوا مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

ارے میرا مطلب ہے مجھے آپکے ساتھ شلپنگ پر جانا ہے، عانیہ نے اصل مدعا بیان کیا تھا۔

سوری یار میں تو بڑی ہوں گریا، مگر تم بتاؤ کتنے پیسے چاہیے؟ ایسا کرو یہ میرا کارڈ رکھ لو جتنی مرضی شلپنگ کر لینا بٹ اپنے لالہ کو تو بخشو بھی تمہارے ساتھ دس گھنٹے کون لگائیگا وہاں، تم لیڈیز کی شلپنگ سے تو خدا کی پناہ، مجھے تو معاف ہی رکھو بہنا، وہ اسے کریڈٹ کارڈ تمہما کر چھیڑنے کے انداز میں بولا تھا۔

اسکے اسطرح کہنے پر سماہر بیگم اور شہروز خان بھی ہنس دیے تھے۔

لالہ، جب کہ عانیہ نے اسے گھورا تھا۔

جی لالہ کی جان؟ ضروریز ہنوز شرارتی موڈ میں تھا۔

مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتے؟ جب کہ اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے، آخری بات اس نے زرا آہستہ بولی تھی جو صرف ضوریز ہی سن سکا تھا۔

ارے بھئی لے جاؤ بہن کو، جب اتنے پیار سے کہہ رہی ہے، شہروز خان نے ضوریز سے کہا تھا۔

جبکہ ضوریز کا زہن تو اسکی آخری بات میں اٹک گیا تھا۔

اے چڑیل ادھر آنا، ضوریز نے چیئر سے اٹھ کر جاتی ہوئی عانیہ کو اپنے اسی شرارتی انداز میں بلایا تھا۔

کیا ہے؟ عانیہ مصنوعی خفگی سے، زرا سا چڑ کر بولی تھی۔

تمہیں شاپنگ کروانے میں کونسا فائدہ ہے میرا؟ ضرور اسکی طرف دیکھ کر حیرانگی سے پوچھ رہا تھا۔

میں بتا تو دوں پر اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟ فائدہ شرط ہے باس، معصومانہ انداز میں کہتے ہوئے عانیہ اسے اب اسی کے انداز میں ڈیل کر رہی تھی۔

لاچی لڑکی، اس پورے ویک میرا کریڈٹ کارڈ تم رکھ لو، اب بولو بھی، ضرور نے اسکی چالاک پر پیچ و تاب کھاتے ہوئے اسکی شرط پوری کی تھی۔

یہ ہوئی نا بات، عانیہ نے مسکراتے ہوئے جلدی سے کارڈ تمھارا تھا۔

وہ میں نے کچھ دن پہلے زروا سے بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا پر میں مصروفیات کی وجہ سے جانا سکی تھی، اس نے ہاں بھی کر لی تھی مگر اب آپ چاہیں تو ہم آپ کے، آپ سمجھ تو گئے نا؟ عانیہ نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے زو معنی انداز میں پوچھا تھا۔

ہاں ہاں سمجھ گیا، اینڈ تھینکس میری گریٹا، اسکی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے وہ ہنس کر
بولا تھا اور اسکے سر پر ہاتھ پھیرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا، ایک جاندار مسکراہٹ ضوریز کے لبوں پر
آٹھری تھی۔

کیا باتیں ہو رہی تھیں بھئی بہن بھائی کے بیچ، ہمیں بھی تو بتاؤ؟ سماہر بیگم نے مسکراتے
ہوئے پوچھا تھا۔

بھئی موم یہ سیکرٹ ہے، یہ ہم آپ کو نہیں بتا سکتے، عانیہ ممنائی تھی۔

جبکہ ضوریز کئی کترا کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

اچھا بھئی مرضی آپکی، بس ہمارے بچے خوش رہیں یہی بہت ہے ہمارے لیے، شہروز خان
ہنستے ہوئے بولے تھے۔

عانیہ ان سے اجازت لیتی ضروریز کے پیچھے بھاگی تھی جو کے باہر اپنی گاڑی میں موجود تھا۔

تھینکس گریٹا تم نے بچالیا، ورنہ موم کے سوالوں کا جواب اففف، اسکے گاڑی میں بیٹھے ہی ضروریز ہنستے ہوئے بولا تھا۔

بس لالہ یہ تو میرا فرض تھا، عانیہ نے فرضی کالر اکڑائے تھے۔

او فرض کی لگتی، یہ اس کارڈ کا کمال ہے جو کچھ دیر پہلے آپ مجھ معصوم سے ہتھیا چکی ہیں، ضروریز اسے چڑاتا ہوا بولا تھا۔

ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اب چلیں بھی مجھے یونیورسٹی کے لیے لیٹ ہو رہا ہے، عانیہ نے فورن بات بدلی تو ضروریز نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

آج یونیورسٹی سے واپسی پر ہم شاپنگ کرنے چلیں گے، ٹھیک ہے نا؟ عانیہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

ضوریز جو ڈرائونگ میں مصروف تھا اسکے پوچھنے پر اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

ہے صائم اسٹاپ، صائم جو کے اپنے اپارٹمنٹ کی جانب بڑھ رہا تھا نسوانی آواز سن کر پلٹا تھا۔

واٹ؟ سامنے کھڑی میسہ علی کو دیکھتے ہی اسکی پیشانی پر بل پڑے تھے۔

زائر یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہا، کہاں غائب ہے وہ؟ میسہ علی نے بنا جھجک اس سے زائر کی بابت پوچھا تھا۔

بڑی ہیں کسی پرسنل کام میں، صائم اسے جواب دے کر واپس مڑنے کو تھا کہ میسہ علی دوبارہ اسکے راستے میں آئی تھی۔

کونسا پرسنل کام؟ اس نے مجھے تو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا، میسہ علی کی بات پر صائم نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا، اسے یہ لڑکی ایک آنکھ نا بھاتی تھی مگر زائر کی وجہ سے وہ اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔

آئی تھنگ تمہیں پرسنل کا مطلب نہیں پتہ، مگر کوئی بات نہیں، میں سمجھا دیتا ہوں، صائم ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا تھا۔

لسن ڈونٹ بی اوور اسمارٹ، آئی نو ویری ویل، میسہ علی نے کہتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

دین وائی یو آر اریٹینگ می؟

(تو پھر تم مجھے تنگ کیوں کر رہی ہو) صائم نے کافی درشت لہجے میں سوال کیا تھا۔

ہاؤ روڈ یو آر، میسہ علی نخت سے بولی تھی۔

صائم نے طنزیہ انداز میں اسکی جانب دیکھا تھا، گویا پوچھ رہا ہو، زائر خان کے بھائی سے تم اور کیا توقع کر رہی تھیں۔

یس آئی ایم، وہ سپاٹ لہجے میں کہتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

دونوں بھائی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، پتہ نہیں سمجھتے کیا ہیں خود کو، میسہ علی پاؤں پٹختی رہ گئی تھی۔

یہ ایک فلیٹ کا منظر تھا جہاں کافی سارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، بے حیائی میں ڈوب کر سہی غلط کافرق مٹائے ہوئے تھے۔

میسیم علی اور منان علی جو کہ تایا زاد کزنز تھے وہ دونوں ایک صوفے پر بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔

منان بڑا تھا اور میسیم اس سے ایک سال چھوٹا، مگر دونوں میں خوب بنتی تھی۔

یار جو تم نے کیا تھا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، وہ دونوں خانزادے ابھی بھی ویلے ہی ہیں، انکی شہرت میں کوئی کمی نہیں آئی، دونوں ہی ایک سے بڑھ کر ایک زہین ہیں، ہر میدان میں بازی انکی ہی ہوتی ہے، جیت جیسے انکے لیے ہی بنی ہے اور وہ زائر خان تو اب اور بھی مغرور ہو گیا ہے، میسیم علی نے بے زاگی بھرے انداز میں منان علی سے کہا تھا۔

میں نے یہ سب انکی دوستی توڑنے کے لیے کیا تھا بے وقوف، جو کے 4 سال پہلے بہت بری طرح سے ٹوٹ چکی، اور جب تک وہ ساتھ تھے انکا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا مگر اب میں جب چاہوں انہیں راستے سے ہٹا سکتا ہوں، اور میں نے یہ سب اس لیے نہیں کیا کے میں ان سے کم زمین ہوں، یا کم طاقتور ہوں، اسکی بات سن کر منان علی تلملا گیا تھا اسیلے کافی غصے سے بولا تھا۔

میسیم علی نے اسکی بات سن کر محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

مگر تم نا ہوتے تو وہ کام بھی ادھورا تھا میرے یار، آخر کو یہ تمہارا ہی تو کمال تھا، تم ہی نے تو وہ بیان ریکارڈ کروایا تھا، زائر خان کی آواز نکال کر، منان علی نے کمینگی سے ہنستے ہوئے اسے آنکھ ماری تھی۔

اسکی بات سن کر میسیم علی بھی ہنس دیا تھا۔

میسیم علی کو شروع ہی سے ایکٹنگ کا شوق تھا اور وہ کسی کی بھی آواز کی میمیکری باآسانی کر لیتا تھا۔

اس نے ہی زائر خان کی آواز میں وہ جرم قبول کیا تھا جو کے زائر خان نے کیا ہی نا تھا۔

بلکہ وہ تو آج تک اس قصے سے ہی بے خبر تھا۔

مگر بہت جلد آگاہی کا درواہ ہونے والا تھا ساری گھتیاں سلجھنے والی تھیں۔

کیوں کہ جو لوگ دوسروں کا برا چاہتے ہیں اسلئے ہی ان کا بہترین فیصلہ کرتا ہے اور بے شک اس رب کی پکڑ مضبوط ہے۔

وہ کہتے ہیں نا، تمہارا رب بھولے والا نہیں ہے، تو بس اب اسکے انصاف کا وقت بھی نزدیک تھا۔

یہ شام کا وقت تھا جب وہ گرم سم سی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

اسی وقت پلوشہ بیگم لاؤنج میں انٹر ہوئی تھیں۔

ارے زروا بچے ایسے کیوں بیٹھی ہو میری جان، وہ فورن اسکے قریب آئی تھیں۔

کچھ نہیں تائی جان بس یونہی، زروا نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تو پلوشہ بیگم کا دل کٹ سا گیا تھا۔

بیٹا تم اس رشتے سے خوش تو ہونا، انہوں نے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے
پوچھا تھا۔

نچ جی میں خوش ہوں، یہ باباجان کا فیصلہ ہے اور مجھے انکا ہر فیصلہ منظور ہے، زروا نے
انہیں مطمئن کیا تھا۔

میں جانتی ہوں میری جان تم بہت فرمانبردار ہو، اسلئے تم جیسی بیٹی ہر ماں باپ کو دے، اور
تمہاری زندگی خوشیوں سے بھر دے میری لاڈو، آمین، پلو شہ بیگم نے اسکی پیشانی چومتے
ہوئے اسے دل سے دعا دی تھی۔

شاید یہ وقت، وقتِ قبولیت تھا۔

مگر میں تم سے بہت شرمندہ ہوں زروا، میرے نافرمان بیٹے کی وجہ سے میری بچی کو اتنی تکلیف پہنچی ہے، پوشہ بیگم کا لہجہ اداسی لیے تھا۔

ارے تائی جان، مائیں بس دعا دیتی اچھی لگتی ہیں شرمندہ ہوتی ہوئی نہیں، زروا کہتی ہوئی انکے کندھے سے لگی تھی۔

ہماری زونیرہ کی نشانی ہو تم، وہ بھی تم جیسی ہی تھی، کسی کا بھی دل نہیں دکھا سکتی تھی، ہر کسی کے ساتھ مخلص اور پیار باٹنے والی، انہوں نے نرمی سے اسکے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

پتہ ہے جب تم محض 1 دن کی تھی تب ہی میں نے اور تمہارے تایا جان نے تمہیں زونیرہ اور فرقان لالہ سے مانگ لیا تھا، تم بچپن سے ہی میرے زائر کے نام کر دی گئی تھیں، یعنی تم پچھلے 20 سال سے زائر کی منگ تھی، مگر قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا، وہ اب دکھ سے اسے پرانی باتیں بتا رہی تھیں۔

زروا انکی باتیں سن کر شک میں تھی۔

جبکہ لاؤنج سے گزرتے صائم کا دماغ تو بس انکے ایک جملے پر اٹک گیا تھا۔

اسکی سب سے پیاری دوست زروا اسکے جان سے پیارے لالہ کی منگ ہے؟

وہ بنا کچھ سوچے اپنے روم کی جانب دوڑا تھا، اسے اب ایک انتہائی اہم کام انجام دینا تھا۔

اسے زائر خان کو کال کرنی تھی، شاید اسکی ایک کال بہت سی زندگیاں بدل دیتی؟

ہیلو زیڈ۔ کے ویئر آریو؟ پانچ سے چھ بیل پر آخر کار مانی کی کال اٹھالی گئی تھی۔

ناٹ یور میٹر، وہ اپنے اسی مغرور لہجے میں بولا تھا۔

مانی پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا۔

میں نے صرف یہ پوچھنے کو کال کی ہے، کہ تم آج کلب آرہے ہو؟ اس نے فوراً مطلب کی بات کی تھی۔

نو، زیڈ۔ کے نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

بٹ والے، مانی نے سوال کیا تھا۔

آئی ایم ناٹ اوبلائیگڈ ٹو آنسریو، (میں تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں) اس نے کہتے ہی کال کٹ کر دی تھی۔

بلیڈی۔۔۔ مانی نے اسے گالیوں سے نوازا تھا۔

صائم مسلسل اسے کال کر رہا مگر زائر اسکی کال پک نہیں کر رہا تھا۔

اسکے کوئی آٹھ سے نو مرتبہ کال کرنے کے بعد بالاخر زائر نے اسکی کال رسیو کر لی تھی۔

ہیلو لالہ، آپ کہاں ہیں؟ صائم نے کال رسیو ہوتے ہی جھٹ سے سوال کیا تھا۔

نان آف یور بزنس، زائر نے تراخ سے جواب دیا تھا۔

اچھا پر یار میری بات سن لیں پلیز لالہ، صائم نے فراخ دلی سے اسکا رویہ اگنور کیا تھا۔

ناؤ واٹ؟ زائر چڑ کر بولا تھا۔

لالہ مجھے آپ کو ایک اہم بات بتانی ہے پلیز میری پوری بات سن کے ہی کال کٹ کیجئے
گا، صائم جلدی سے بولا تھا کہ گویا اسکا بدماغ بھائی کال کٹ ہی ناکردے۔

ہوں بولو، زائر نے جیسے اس پر احسان کیا تھا۔

لالہ میں نے ابھی ابھی مومی کو کہتے سنا ہے کہ زروا آپکی منگ ہے، صائم بول کر کچھ دیر
کے لیے رکا تھا۔

اسکی بات سن کر زائر کو جیسے شاک لگا تھا۔

واٹ؟؟؟ آریو ان یور سینسز؟ زائر نے غصے میں پوچھا تھا اسے لگا صائم اس سے مزاق کر رہا ہے۔

میں بالکل حوش میں ہوں لالہ اور یہ بات بالکل سچ ہے، اب آپ حوش میں آئیے اور اپنی انا اور ضد کو ایک طرف رکھ کر سوچیے کہ آپ کیا کر چکے ہیں۔

میں نے جو کیا وہ ٹھیک تھا، تمہیں میرا باپ بننے کی ضرورت نہیں، انڈرسٹینڈ؟ زائر چڑ کر بولا تھا۔

ییس باس بٹ آپ کو پتہ ہے نا ہماری خاندانی روایات؟ تو آپ کیسے اپنی خاندانی روایات کو توڑ سکتے ہیں؟ اور کیا آپکی غیرت یہ گوارا کریگی کہ آپکی منگ آپکے سامنے کسی اور کی ہو جائے؟ صائم اسے کنوینس کرنے کو مزید بولا تھا۔

واٹ ڈو یو مین؟ (کیا مطلب ہے تمہارا)

اس کے آخری جملے پر زائر چونکا تھا۔

کونسا مطلب؟ صائم نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے جو تم نے کہا وہی، زائر نے اسکی بات کا حوالہ دیا تھا۔

یہی کہ آپ ہماری خاندانی روایات کو کیسے توڑ سکتے، صائم کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی زائر نے کاٹ دی تھی۔

نو، زروا کا کسی اور کی ہونا، مطلب؟ زروا کس کی ہو رہی ہے؟ زائر نے بے چینی سے پوچھا تھا، اس بے چینی کی وجہ وہ خود بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

ضوریز لالہ کا پرپوزل آیا ہے زروا کے لیے، زروا اور ضوریز لالہ کی انگیجمنٹ ہونے والی ہے
ضوریز لالہ کے برتھ ڈے والے دن، صائم نے اداسی سے اسے بتایا تھا۔

زروا اسے شروع ہی سے اپنے لالہ کے حوالے سے عزیز تھی۔

صائم کی بات سن کر زائر کا دماغ گھوما تھا، اسے اپنے اردگرد جیسے ایک ان دیکھی آگ جلتی
محسوس ہوئی تھی۔

اسکے اندر اٹھتے اشتعال کے مارے اسکی گرفت ہاتھ میں پکڑے کانچ کے گلاس پر مضبوط
ہوئی تھی، جسکی وجہ سے گلاس اسکے ہاتھ میں ہی چکنہ پور ہوا تھا، خون کی بوندیں اسکی بند
مٹھی سے گرتی ہوئی زمین پر موجود قیمتی قالین میں جذب ہوئی تھیں مگر زائر خان کو اپنی
تکلیف کی پرواہ ہی کہاں تھی؟

اس وقت تو اس کے دماغ میں جیسے آندھی کے جھکڑ سے چل رہے تھے۔

اس کی نیلی سمندر سی آنکھیں غصے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں جبکہ خوبو پہرے پر موجود سختی اس کے ازلی غیض و غضب کی علامت تھی۔

لالہ آریو اوکے؟ اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے صائم نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

میں تو اوکے ہوں بٹ تمہارے ضوریز لالہ کی خیر نہیں اب، اس کی اتنی جرت کے وہ میری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے، اسے اس کا حساب تو دینا ہی ہوگا، زائر کی سرد و سپاٹ آواز پر صائم گر بڑایا تھا۔

مگر لالہ انکا کیا قصور آپ تو خود ہی انکار، صائم بوٹے بوٹے رکا تھا گویا زائر کے ہاتھوں اس کی ہی شامت نا آجائے۔

زائر نے اسے کچھ نہیں کہا تھا بس خاموشی سے دائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچتے ہوئے آنکھیں بند کر کے کھولی تھیں، جو کہ اسکے ضبط کی انتہا تھی، ورنہ اس وقت تو اسکا دل چاہ رہا تھا ضروریز خان کا خون کر دے۔

اسے فلوقت سب بھولا تھا، یاد تھا تو صرف اتنا کہ زروا اسکی ہے، اسکے دل و دماغ میں بھی اس وقت صرف ایک ہی بات گھوم رہی تھی۔

"زروا زائر خان کی منگ ہے"

ایک تو وہاں اتنا کچھ ہو گیا اور تم مجھے یہ اب بتا رہے ہو یو فول، اوپر سے اس ایڈیٹ کی سائیڈ لے رہے ہو، اسکا قصور یہ ہے کہ اس نے زروا خان کے لیے پروزل دیا، اس ضروریز کی ہمت کیسے ہوئی میری منگ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی، اسے تو میں زندہ نہیں چھوڑونگا، کچھ پل کی خاموشی کے بعد زائر بے انتہا غصے میں، دھاڑنے کے سے انداز میں بولا تھا۔

اسے اسکے جلالی موڈ میں دیکھ صائم کی جان ہوا ہوئی تھی۔

وہ لالہ میں تو آپ کو بتانے والا تھا بٹ، صائم کی بات زائر نے کاٹ دی تھی۔

بٹ واٹ یو ایڈیٹ، پہلے جا کر اس بے ہودہ شخص کی حملیت کو تم تمہیں بھی میں بعد میں دیکھتا ہوں، فلحال بائے، زائر نے غصے سے بولے ہوئے جھٹ سے فون بند کر دیا تھا۔

کیا ہے یار، جسے دیکھو مجھے لپیٹ دیتا ہے، ایک تو میں نے انکی بھلائی کا سوچا اوپر سے مجھے ہی ڈانٹ دیا، جلال لالہ نا ہوں تو، اور یہ تو مجھے ہی پڑی تھی شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کی، اب مل گیا سکون، عزت افزائی کروا کے، بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا، ہنہ، صائم دل ہی دل میں خود کو کوستا روم سے باہر نکلا تھا۔

خیر ہے، میرے اگر اتنی سننے کے بدلے ایک اچھا کام ہو گیا تو کوئی برائی بھی نہیں، اس نے کایڈور سے گزرتے ہوئے مسکرا کر سوچا تھا، وہ مطمئن تھا کہ اب جو بھی ہو زائر کبھی زروا کو کسی اور کی نہیں ہونے دے گا۔

آج تو وہ یونیورسٹی نہیں آئی مگر کل جیسے ہی وہ یونیورسٹی آئے تم لوگ اپنا کام کر دینا، جو چاہو کرو اسکے ساتھ مگر وہ لڑکی کل کے بعد یونیورسٹی میں نہیں دکھنی چاہیے، سمجھے؟ میسہ علی کال پر جانے کس سے گفتگو میں مصروف تھی۔

ہاں کام ہوتے ہی پیسے تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو جائیں گے لیکن اگر میرا نام سامنے آیا یا تم نے کوئی ہوشیاری کی تو یاد رکھنا میں کس کی بیٹی ہوں، میسہ علی نے کال پر موجود شخص کو جیسے حکم دیا تھا۔

اوکے بائے، اس نے بات ختم کرتے ہی کال کٹ کر دی تھی۔

وہ کال سے فارغ ہو کر مڑی ہی تھی کہ سامنے علی کھڑا دیکھائی دیا تھا۔

واہ سسٹر واہ، ثابت کر دیا تم نے بھی کے تم میری بہن ہو، میسم ہنستا ہوا تالیاں بجاتا لاؤنج میں آیا تھا۔

تو تمہیں کوئی شک تھا؟ میسہ علی نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

نہیں پر تم کس سے بات کر رہی تھیں؟ میسم اب اس سے تفصیل جاننے کے موڈ میں تھا۔

کچھ بندے ہیں منان برو کے، بس انہیں ہی ایک کام دیا ہے، میسہ علی نے سرسری سے انداز میں بتایا تھا۔

اسکے آدھے ادھورے جواب پر میسم چونکا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسکی بہن کسی بھی چھوٹے موٹے کام کو لے کر اتنی فکر مند نہیں ہو سکتی، ضرور کوئی بڑی وجہ تھی۔

مگر اس نے فلحال اس سرپہری کو چھیڑنا مناسب نا سمجھا تھا۔

اوکے دین آل دا بیسٹ سسٹر، وہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

جب کہ میسہ اپنے منصوبے کو سوچتے ہوئے کمینگی سے ہنس دی تھی۔

اسے عانیہ کی کال آئی تھی، وہ اس سے اس دن والا وعدہ نبھانے کی ضد کر رہی تھی۔

اچھا ٹھیک ہے میں چلونگی بٹ پہلے تائی جان سے پریشانی لینی ہوگی، زروا نے آہستہ سے کہا تھا۔

اسکی ضرورت نہیں، وہ لالہ پہلے ہی لے چکے ہیں، تم بس ریڈی رہو ہم 7 بجے تک تمہیں پک کرنے آرہے ہیں، پہلے ہم شاپنگ کرینگے، پھر ڈنر کے بعد پھر ساتھ میں ایک اچھی سی مووی دیکھیں گے، عانیہ نے جلدی جلدی اسے پلان بتایا تھا۔

زروا کا زہن اسکی پہلی بات میں ہی اٹک گیا تھا۔

تو کیا وہ بھی ہمارے ساتھ جارہے ہیں؟ زروا نے ضوریز کا نام نہیں لیا تھا۔

جی ہاں بالکل، اور اب میں کال کٹ کر رہی ہوں ایک گھنٹے بعد ملتے ہیں، عانیہ نے پرچوش انداز میں کہتے ہوئے کال کٹ کر دی تھی۔

زروا نے بے دلی سے موبائل ایک سائیڈ رکھ دیا تھا۔

تو کیا اب زندگی بھر خوش رہنے کا دکھاوا کرنا ہوگا؟ زروا نے قرب سے سوچا تھا۔

لیکن ضوریز میں برائی ہی کیا ہے؟ مگر میں کیوں چاہ کر بھی اس رشتے سے خوش نہیں ہو
پارہی؟ زروا نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

اسی وقت دھاڑ کی آواز سے اسکے روم کا دروازہ کھلا تھا۔

اس قدر تیز آواز پر زروا تو ڈر ہی گئی تھی۔

زروا نے سراٹھا کر دیکھا تو سامنے ہی مشعال کھڑی تھی۔

گرے کلر کا کیپری ٹراؤزر اور گرے ہی کلر کی لانگ شرٹ پہنے پیچ کلر کا اسٹالر نما ڈوپٹہ
گلے میں ڈالے، سرخ ہوتی آنکھیں، بکھرے ہوئے بال، اور بے ترتیب سے حلے میں یہ
لڑکی ہمیشہ نک سک سے تیار رہنے والی مشعال خان تو نا تھی۔

یہ تو کوئی دیوانی ہی لگ رہی تھی۔

زروا فورن اٹھ کر اسکے پاس آئی تھی۔

کیا ہوا مشعال؟ تم ٹھیک تو ہونا؟ زروا نے اسکے شالڈر پر ہاتھ رکھتے ہوئے فکر مندی سے
پوچھا تھا اس مشعال کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

ڈونٹ ٹچ می سیلفش گرل اسٹے اوے، (مجھے مت چھوؤ خود غرض لڑکی، دور رہو) مشعال اسکا
بڑھا ہوا ہاتھ جڑھکتی ہوئی ہزینانی انداز میں چلائی تھی۔

اسکے اس انداز پر زروا حیران رہ گئی تھی۔

آخر ہوا کیا ہے مشعال تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟ زروا نے اپنے مخصوص نرم انداز میں پوچھا تھا۔

واہ زروا خان واہ، ہاؤ انوسینٹ آریو، (تم کتنی معصوم ہونا) مشعال تالیاں بجاتی ہوئی طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

زروا شکڈ سی اسے دیکھ رہی تھی۔

خود ہی سب کچھ کرنے کے بعد پوچھ رہی ہوا کیا ہے؟ تم نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا اور اب انجان بننے کا ڈرامہ کر رہی ہو؟ وہ نفرت بھرے انداز میں پھنکاری تھی۔

زروا سن سی کھڑی تھی۔

اسے کچھ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ مشعال کس بارے میں بات کر رہی ہے، اور جو بات اسے سمجھ آئی تھی وہ اس کے لیے بے حد شاکنگ تھی۔

مگر اس میں اسکا کوئی قصور نہ تھا جو ہوا وہ سب ہی بہت جلدی میں ہوا تھا۔

ضوریز خان میری محبت ہے بچپن سے لے کر اب تک مگر تم؟ تم نے اسے مجھ سے چھین لیا، تم نے بچپن سے آج تک اسے اپنا دیوانہ بنائے رکھا اور اب اس سے منگنی کرنے چلی ہو، اور تو اور تم زائر کو بھی اپنی انگلیوں پر نچاتی رہی مگر جب اس نے تمہیں ٹھکرا دیا تو تم نے ضوریز کو اپنے جال میں پھنسا لیا تم ایک انتہائی گرمی ہوئی لڑکی ہو زروا خان جو مردوں کو اپنے اشاروں پر نچانا اچھے سے جانتی ہے، مشعال کی زبان جیسے زہرا گل رہی تھی۔

سامنے کھڑی معصوم سی زروا اس وقت زلزلے کی زد میں تھی، مشعال کے اس قدر گھناؤنے الزامات سن کر اسکا ننھا سادل کڑچی کڑچی ہوا تھا، آنسو اسکی آنکھوں سے مسلسل رواں دواں تھے۔

تم نے اپنی آئی کرلی نا مگر یاد رکھنا میں اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتی، تمہاری بربادی ہی اب میرا مقصد ہے، تم نے مجھ سے میری محبت چھینی ہے میں تم سے تمہاری ہر خوشی چھین لوں گی سمجھی تم؟ مشعال ہنسی انداز میں چلا رہی تھی۔

اسی وقت باہر گاڑی رکے کی آواز آئی تھی۔

مشعال اپنی بات مکمل کرتے ہی جیسے آئی تھی ویسے ہی وہاں سے چلی گئی تھی۔

جبکہ زروا روتی ہوئی وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

زائر خان کی بلیک کلر کی سوزوکی مہران ایک جھٹکے سے "خان پیلیس" کے گیٹ سے اندر آئی تھی۔

جبکہ اسکے پیچھے ہی ضوریز خان کی وائیٹ ہونڈا سیویک بھی گیٹ میں داخل ہوئی تھی۔

بلیک کلر کی جینس پر گرے شرٹ اور بلیک ہی جیکٹ پہنے ضوریز خان گاڑی سے باہر نکلا تھا۔

جبکہ بلیک جینس پر بلو چیک کی شرٹ اور اسکن کلر کی سنگل بنن بلیزر پہنے مغرور آنکھوں کو گلاسز سے کور کیے اپنی ساحرانہ پرسنالٹی لیے مغرور سا زائر خان بھی گاڑی سے نکلا تھا۔

ایک کی آنکھوں میں غصہ، جنون، اور نفرت بھری ہوئی تھی۔

جبکہ دوسرے کی آنکھوں میں اپنی کچھ پالینے کا زعم تھا۔

عانیہ بھی اسی وقت کار سے نکلی تھی۔

اسلام و علیکم لالہ، عانیہ نے اسے سلام کیا تھا جس کا جواب اس نے اشارے سے دیا تھا۔

وہ زائر کو سلام کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

جبکہ زائر اور ضوریز اب آمنے سامنے کھڑے تھے۔

تو تم آہی گئے زائر خان آفریدی، سو ویلکم بیک ڈیئر کزن، ضریرز مسکرا کر کہتا آگے آیا تھا۔

زائر نے گلاسز اتار کر ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

کچھ لوگ اپنی اوقات بھول گئے ہیں، بس وہی یاد دلانے کے لیے زائر خان کو یہ زحمت کرنی ہی پڑی، اور یقین جانو زائر خان اپنے دشمنوں کو کبھی نہیں بخشتا، اور جو کوئی اسکی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لے پھر اس شخص کی بربادی زمانہ دیکھتا ہے، پھر یہاں تو بات میری عزت میری منگ کی ہے، اسلیے مجھے تو آنا ہی تھا ڈیئر کزن، وہ اس پر نگاہ گاڑھے حقارت بھرے انداز میں بولا تھا۔

واؤ، زائر خان اینڈ فلاسفی اوہ ڈیٹس امیزنگ، بٹ وہ کیا کہتے ہیں نا۔

بڑی دیر کردی مہربان آتے آتے، ضریرز ایک ادا سے شعر پڑھتا دل جلانے والے انداز میں ہنسا تھا۔

یہ تو وقت ہی بتائیگا ضرور خان آفریدی، تم سمجھ رہے ہو میں تمہیں اتنی آسانی سے جیتنے
دونگا؟ زائر خان نے ابرو اچکا کر پوچھا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

زائر خان جو بچپن سے آج تک ہر میدان میں ہر امتحان میں تمہیں شکست دیتا آیا ہے، جسکی
وجہ سے ہر جگہ تم دوسرے نمبر پر رہے ہو، جس نے ہر بار تمہیں مات سے دوچار کیا ہے،
تو کیا تمہیں لگتا ہے وہ زائر خان تمہیں اپنی زندگی سے کھیلنے دے گا؟

بھول ہے تمہاری، زائر خان کو اتنا کمزور سمجھا ہے؟ بات کرتے کرتے اسکے لبوں کی
مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"وہ صرف میری ہے، اسے حاصل کرنے کے لیے زائر خان کچھ بھی کر گزرے گا، تم
سو چالیں چل کر دیکھ لو پرشہ اور مات کا فیصلہ زائر خان کریگا" وہ چبا چبا کر کہتے ایک
پل کو رکا تھا۔

یہ مت بھولو کے ضوریز خان نا ہوتا تو زائر خان کی کوئی کامیابی مکمل نا ہوتی
اور تمہاری اتنی ہمت کے تم میری ہونے والی وائف کے بارے میں ایسی گھٹیا بات
کرو، تمہیں تو میں ، ضوریز خان غصے سے لال پیلا ہوتا اسکی جانب بڑھا تھا، زائر نے سنجیدگی
سے اسکے چہرے کو دیکھا تھا۔

جسٹ اسٹے اوے، ہاتھوں کا استعمال میں بھی اچھے سے جانتا ہوں، انڈر سٹینڈ؟ زائر خان
اسکا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑتے ہوئے دھاڑا تھا۔

ہاں ایک اور بات یاد، یہ رکھنا کہ یہ کھیل شروع تم نے کیا ہے پر اسکا اختتام میں
کرونگا، زائر نے اسکا ہاتھ جھڑکے ہوئے اسے انگلی اٹھا کر وارن کرنے کے انداز میں کہا
تھا۔

یہی بات میں تم سے کہتا ہوں زائر خان، میری فیانسی سے دور رہو ورنہ میں بھول جاؤں گا تم
کون ہو، ضوریز خان غرایا تھا۔

کچھ لمحوں کو زائر خاموش ہوا تھا مگر پھر جب بولا تو ضوریز خان کو بھی اذیت سے دوچار کر گیا
تھا۔

بھول تو تم آج سے چار سال پہلے ہی گئے تھے ضوریز، تم بھول ہی تو گئے تھے کہ میں
تمہارا کون ہوں، زائر کا لہجہ عجیب سا تھا۔

ضوریز خان کو چپ لگی تھی۔

تو کیا پھر وہ پستھر دل شہزادے موم ہونے کو تھے؟

میں نے ایسا کچھ نہیں کیا زائر، تم یہ اچھے سے جانتے ہو، اور پھر تم نے خود یہ اقرار کیا تھا کہ تم قصوروار ہو اور اسی لیے تم یہ ملک چھوڑ رہے ہو کیونکہ تم شرمندہ ہو، اب تم مجھے کس بات کا الزام دے رہے ہو؟ ضوریز خان کا لہجہ اس بار قدرے نرم مگر اجنبی ہی تھا۔

کونسا اقرار؟ زائر چونکا تھا۔

واٹ دا ہیل از دز، اب ڈرامہ مت کرنا کے وہ آواز تمہاری نہیں تھی، ضوریز پل بھر میں اپنی جون میں لوٹا تھا۔

ہے یو لائر، واٹس رانگ و دیو؟ (ہے تم جھوٹے، کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ) زائر غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا تھا۔

ہے ڈونٹ سے ڈیٹ کوز آئی ایم ناٹ آلاٹر، (ہے ایسا مت کہو کیونکہ میں جھوٹا نہیں ہوں) تمہارے جانے کے کچھ عرصے بعد ہی ہمیں وہ پارسل ملا تھا جس میں کیسٹ تھا۔

جس میں تم نے خود صاف صاف اقرار کیا تھا کہ تم سے غلطی ہوئی ہے، ضروریز نے چڑ کر جواب دیا تھا۔

فلوقت وہ دونوں اپنی لڑائی بھول کر اس بات پر بحث میں لگ گئے تھے۔

زائر حیرانگی سے یہ نیا انکشاف سن رہا تھا۔

ہونا ہو ہی از پلیٹنگ آگ گیم آگین، (یہ پھر سے ایک بڑا گیم کھیل رہا ہے)

اسے لگ رہا تھا ضروریز پھر سے اس کے ساتھ کوئی چال چل رہا ہے۔

کتنا بڑا ڈرامے باز ہے یہ، کیسے انجان بن رہا ہے، اس رات بھی کیسے مجھ پر الزام لگا رہا تھا جبکہ میں نے تو اسے کوئی میسج نہیں کیا تھا اور اب اپنے ہی بیان سے مکر رہا ہے، پلے بوائے، مگر میں اسے اسکی چال میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا، ضروریز نے دل ہی دل میں نفرت سے سوچا تھا۔

تم جو بھی بک لو مگر اس بار میں تمہاری باتوں میں نہیں آنے والا، اور جیت اس بار صرف زائر خان کی ہی ہوگی کھیل تو ابھی شروع ہوا ہے اسلیے تم بیٹھ کر آرام سے چالیں سوچو ضروریز خان آفریدی، کیونکہ تمہیں وقت بھی تو بہت لگتا ہے، جب ہی زائر خان سے دو قدم پیچھے ہی رہتے ہو، کچھ پل کی خاموشی کے بعد ماحول میں زائر خان کی طنز سے بھری سرد و سپاٹ آواز گونجی تھی۔

یہ تو وقت ہی بتائیگا زائر خان کون جیتا ہے اور ہار کس کا مقدر بنتی ہے، فلحال میں چلتا ہوں وہ کیا ہے نا مجھے زروا کو شلپنگ کرانے لے جانا ہے سو ٹیک آ سائیڈ پلیز، (اسلیے ایک

طرف ہو) وہ دلکش انداز میں مسکرایا تھا اور جاتے جاتے اسکا کندھا تھپاتا ہوا اسے آگ لگاتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

اپنی الٹی گنتی شروع کردو ضوریز خان، بہت اڑیلے تم ہواؤں میں، زائر خان نے طیش زدہ انداز میں سوچتے ہوئے غصے سے پاؤں زمین پر پٹختا تھا۔

ضوریز کی بات سن کر زائر کا دماغ گھوم گئی تھا۔

وہ بھی کچھ دیر وہیں کھڑا رہنے کے بعد اندر کی جانب بڑھا تھا۔

"الفت بنا رقیب کے دیتی نہیں مزہ"

"الہجن اگر نہ ہو تو، محبت فضول ہے"

وہ سیدھا پلوشہ بیگم کے کمرے میں آیا تھا۔

مومی جان، زائر نے اندر داخل ہوتے ہی انہیں پکارا تھا۔

وہ اسے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھی تسبیح پڑھتی نظر آئی تھیں۔

اب کیوں آئے ہو؟ چلے جاؤ یہاں سے زائر خان، تم نے ہمارا سر شرمندگی سے جھکا دیا،
مت پکارو ہمیں مومی، وہ اس سے بے حد خفا تھیں۔

مومی جان پلز میری بات سن لیں، زائر کہتا ہوا نکلے بیڈ کے قریب گیا تھا۔

نہیں سننی ہمیں تمہاری کوئی بات، وہ اپنے خاندانی جلالی موڈ میں تھیں۔

مومی پلیز آپ تو یوں مت کیجئے، سب کی طرح آپ بھی ایک بار پھر سے اپنے زائر کو تنہا کر رہی ہیں، زائر نے اداسی بھرے انداز میں کہا تو پلوشہ بیگم تڑپ گئی تھیں۔

مگر ناراضگی دیکھنا بھی لازمی سمجھا تھا اسلیے منہ موڑ گئی تھیں۔

مومی جان مجھے پہلے بھی کسی نے اپنی صفائی دینے کا موقع نہیں دیا اور اب آپ بھی وہی کر رہی ہیں، میں نہیں جانتا تھا زروا میری منگ ہے، اور پھر جو میرے ساتھ ہوا تھا ایلے میں، میں کیسے اس رشتے کے لیے ہاں کر دیتا، میں غصے میں غلطی کر بیٹھا اور جیسے ہی مجھے احساس ہوا میں اپنی غلطی سدھارنے لوٹ آیا ہوں مگر یہاں تو کسی کو میری کوئی پرواہ ہی نہیں، چلیں ٹھیک ہے میں چلتا ہوں، اپنا خیال رکھیے گا، معصومانہ انداز قائل کرتا لہجہ، وہ واقع ہی کھلاڑیوں کا کھلاڑی تھا۔

اپنی ایکٹنگ پر دل ہی دل میں وہ خود بھی عیش عیش کراٹھا تھا۔

وہ اپنی بات مکمل کرتے ہوئے واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ پلوشہ بیگم نے اسے آواز دی تھی۔

رکو میرے بچے میں میری ایسا بالکل نہیں ہے، میں بس آپ سے وقتی طور پر ناراض تھی، میں کیا کرتی زائر؟ آپ نے کام ہی ایسا کیا تھا، آپ جانتے ہیں میری کتنی خواہش تھی کہ زروا میری بہو بنے؟ مگر آپکی ایک غلطی نے سب برباد کر دیا، پلوشہ بیگم ابھی بھی دکھی تھیں۔

اولیس، دل ہی دل میں کہتا، زائر پلٹا تھا۔

مومی جان، میں نے غلطی کی ہے نا، تو اسے سدھارونگا بھی میں ہی، آپ اب بے فکر ہو جائیے، زروا ہی آپکی بہو بنیگی، وہ دلکشی سے کہتا ہوا مبہم سا مسکرایا تھا۔

نہیں زائر خدا کے واسطے کوئی بچپنا مت کر دینا اب تم، وہ اب ضرور کی امانت ہے، پلوشہ
بیگم بیٹے کی ضدی طبیعت سے بخوبی واقف تھیں اسی لیے اسے تنبیہ کرنا ضروری سمجھا
تھا۔

مومی آپکو مجھ پر ٹرسٹ ہے نا؟ زائر نے انکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا
تھا۔

بیٹا مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے مگر، وہ کچھ کہنے والی تھیں کہ زائر خان بول پڑا تھا۔

مومی جان مجھ پر بھروسہ ہے نا آپکو تو آپ بے فکر رہیے اس بار آپکا بیٹا آپکو کسی کے سامنے
شرمندہ نہیں کریگا، زائر خان پر اعتماد انداز میں بولا تھا۔

ٹھیک ہے بیٹا میری دعا ہے اللہ آپکی زندگی خوشیوں سے بھر دے، پلوشہ بیگم نے اسے دل سے دعا دی تھی۔

زائر خان ان سے اجازت لیتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہ چاروں سوات شاپنگ مال آئے تھے۔

وہ اس وقت ایک لیڈیز بوتیک میں تھے، عانیہ اسے ریڈی میڈ ڈریسز دیکھا رہی تھی، زروا بے دلی سے اسے ہاں ہوں میں جواب دے رہی تھی۔

اسکا زہن تو مشعال کی باتوں میں الجھا ہوا تھا، وہ خود کو مشعال کی گنہگار سمجھ رہی تھی۔

زروا نے عانیہ کی ہی پسند سے شاپنگ کی تھی، جبکہ عانیہ نے اپنے لیے بھی کافی کچھ
خریدا تھا۔

ہے لیڈیز اگر آپکی شاپنگ ہوگئی ہو تو چلیں؟ ضرور لالہ اکیلے کیفے میں بیٹھے سخت بیزار ہوگئے
ہوں گے، صائم بولتا ہوا بوتیک میں داخل ہوا تھا۔

سب ہی اس دلچسپ و ہینڈسم نوجوان کو دیکھنے لگے تھے۔

جبکہ عانیہ کے لب مسکرائے تھے۔

بس لالہ کا گفٹ لینا ہے پھر بس چلتے ہیں، عانیہ نے اسے بتاتے ہوئے شاپنگ کا بل
پے کیا تھا۔

اوکے ٹھیک ہے، صائم وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔

چلیں؟ عانیہ نے شاپنگ بیگز لیتے ہی اس زروا سے پوچھا تھا۔

ہاں، زروا نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

زروا تم لالہ کے لیے کونسا برتھ ڈے گفٹ لوگی؟ عانیہ نے چلتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

صائم نے غور سے زروا کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھا تھا۔

عانیہ مجھے لگتا ہے تمہاری چوائس کافی زبردست ہے، ایسا کرتے ہیں تم ہی ہیلپ کر دینا نا

زروا کی، صائم مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

عانہ کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

کیا واقع ہی؟ صائم آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟ عانہ چمکنے کے سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

بلکل سچ، صائم اسکی طرف دیکھ کر کہتا، دلکشی سے مسکرایا تھا۔

تو میں ہی ہیلپ کرونگی زروا کی، مجھے لالہ کی چوائس بھی پتہ ہے، ڈن ہے پھر ہے نا زروا؟
عانہ نے زروا سے پوچھا تھا۔

زروا نے ہلکا سا مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ ایک کافی بڑی گفٹ شاپ میں انٹر ہوئے تھے۔

ایسکیوز می، کوئی اچھا سا برتھ ڈے گفٹ دیکھائیے، کسی بوائے کو دینے کے لیے جو بھی بیسٹ ہو، عانیہ نے سیلز گرل سے کہا تھا۔

وہ سرہلاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

عانیہ اب شاپ میں گھومتی ہوئی شوپیس وغیرہ دیکھ رہی تھی۔

زررا تم یہیں رکو میں ابھی آیا، صائم کت موبائل پر کال آئی تو وہ زررا سے ایسکیوز کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

اب کاؤنٹر کے قریب صرف زررا ہی کھڑی تھی۔

ہیلو مائی وائف ٹو بی، ضروریز نے پیچھے سے آکر اچانک اسکے کان میں سرگوشی کی تھی۔

آا، زروا ڈر كے بچھے مرئ تمھئ۔

آآ، آآ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تمھا، زروا بنا اسكى جانب دكھے آهسته سے بولی تمھئ۔

سچ میں ؟ اومائى گاڈ زروا تمھارا دل تو بلكل چرپا جتنا ہے یار، ضروریز اسكى بات سن كر ہنسا تمھا۔

آآ كا تو نمھیں ہے نا؟ تو اپنے كام سے كام ركھیں، زروا نا جانے كیوں تپ سی گئى تمھئ اور وہاں سے جانے كو مرئ تمھئ۔

اپنا كام ہی تو كر رہا ہوں یار، ضروریز بولتا ہوا اسكے سامنے آیا تمھا۔

زروا نے اسے تيكھى نظروں سے گھورا تمھا۔

اسی وقت ناجانے کیا ہوا تھا زروا تیزی سے دوڑنے کے سے انداز میں شاپ سے نکلی تھی۔

ضوریز حیران سا اسکے پیچھے گیا تھا۔

زروا اب روڈ کی طرف بھاگی تھی۔

زروا رکو، ضوریز چلاتا ہوا ششدر سا اسکے پیچھے دوڑا تھا۔

سامنے ہی ایک 5 سے 6 سالہ بچی روڈ کے پچ و پچ کھڑی رو رہی تھی جبکہ ایک ٹرک تیزی سے اسکی جانب بڑھ رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اس بچی کو ٹرک کے نیچے آنے سے بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال دی تھی۔

زروا اسے گود میں اٹھا کر واپسی کا ارادہ رکھتی تھی مگر وقت کی کمی کے باعث یہ ناممکن تھا، اس سے پہلے کے زروا اس بچی سمیت ٹرک کا نشانہ بنتی ایک مہربان شخص اپنی جان کی پروا کیے بنا اسے موت کے منہ سے باہر نکال لیا تھا۔

ٹرک تیزی سے گزر چکا تھا۔

روڈ کے ایک سائیڈ زروا اس بچی سمیت زمین پر بے سدھ پڑی تھی۔

جبکہ زائر خان بھی اس سے کچھ فاصلے پر ہی گرا ہوا تھا۔

زروا نے گلاس وال سے شاید اس بچی کو دیکھ لیا تھا جب ہی وہ باہر کی طرف دوڑی تھی جبکہ یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ ضوریز جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا تھا۔

وہ زروا کو بے گرتے دیکھ ایک دم حوش میں آیا تھا اور وڑتا ہوا زروا کے قریب پہنچا تھا، صائم اور عانیہ بھی فکر مندی سے اسکے پیچھے دوڑے تھے۔

زروا اٹھو، ضوریز اسکا گال تھپ تھپاتا ہوا چلایا تھا۔

اومائی گاڈ لالہ یہ بے حوش ہو گئی ہے، عانیہ بھی زروا کو دیکھ پریشان ہو گئی تھی۔

جبکہ صائم زائر کے پاس تھا۔

لالہ آپ ٹھیک ہیں؟ صائم نے اسے بلایا تو زائر اپنا سر تھامتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

لیس آئی ایم آلرائٹ بٹ واٹس ایباؤٹ زروا، زائر نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

صائم بنا جواب دیے ایک طرف بڑھا تھا زائر بھی اسکے پیچھے گیا تھا۔

آپ سب کا بہت شکریہ بھائی آپ نے میری بچی کی جان بچالی، اسی وقت ایک لیڈی بھیڑ
کو چیرتی وہاں آئی تھیں۔

آپ کو اندازہ بھی ہے آپ کی زرا سی غلطی کی وجہ سے میری فیانسی کس حال میں ہے
ہاں؟ ضرور غصے دھاڑا تھا۔

لالہ پلیر کام ڈاؤن، عانیہ نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

آپ اپنی بیٹی کو یہاں سے جائے پلینز، صائم نے وہاں آتے ہوئے اس لیڈی سے نرمی سے کہا تھا۔

وہ پھر سے انکی مشکور ہوتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

ضوریز تمہاری وجہ سے اگر میری زروا کو کچھ ہوا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا سنا تم نے؟
زائر غیض و غضب میں بھرا ضوریز کے سامنے آیا تھا۔

او جسٹ شٹ اپ زائر، شی از مائن، ضوریز چلایا تھا۔

لالہ پلینز آپ دونوں بعد میں لڑ لینا ابھی زروا کو ہو سپیٹل لے جانا بہت ضروری ہے، صائم
چڑ کر بولا تھا۔

ہاں پلینز لالہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، عانیہ نے بھی اسکی تائید کی تھی۔

زائر بنا کسی کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیے زروا کو باہنوں میں بھر کے اٹھاتا گاڑی کی جانب دوڑا تھا۔

ضوریز وقت کے تقاضے کو سمجھتے ہوئے غصہ ضبط کر گیا تھا اور اپنی گاڑی میں صائم اور عانیہ کے ساتھ اسکے پیچھے ہو سپیٹل، کے لیے نکلا تھا۔

زروا جو کہ خوف سے بے ہوش ہو گئی تھی کچھ ہی دیر میں ہوش میں آ گئی تھی، اسے صرف پیشانی پر ہلکی سی چوٹ آئی تھی، لیڈی ڈاکٹر نے اسکا چیک اپ اور بینڈج کرنے کے بعد گھر جانے کا کہہ دیا تھا۔

عانیہ ضوریز اور صائم زروا کے ساتھ ہی "خان پبلیس" گئے تھے۔

جبکہ زائر کا رخ اب پولیس اسٹیشن کی طرف تھا جہاں اسے ایک بہت ضروری کام انجام دینا تھا۔

انہیں ساتھ آتے دیکھ پلوشہ بیگم مسکراتی ہوئی انکی جانب آئی تھیں۔

مگر زروا کے سر پر بندھی پٹی دیکھ کر انکا دل دہل سا گیا تھا۔

اسے کیا ہے صائم؟ زیادہ لگ گئی ہے کیا؟ لیکن یہ ہوا کیسے؟ یا اللہ میری بچی کس کی نظر لگ گئی تمہیں، وہ فکر مند سی زروا کے قریب گئی تھیں۔

صائم کے بولنے سے پہلے ہی زروا کو صوفے پر بیٹھاتا ہوا ضروریز بول پڑا تھا۔

ممانی جان کوئی پریشانی ک بات نہیں بس مال میں سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اسکا پاؤں
سلپ ہو گیا تھا تو معمولی سی خراش آئی ہے، ہم ڈاکٹر کو چیک کروا آئے ہیں، پلیز آپ
ٹینشن مت لیں، زروا ٹھیک ہے، ضروریز نے اصلی بات گول کر دی تھی، وہ انہیں پریشان
نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پھر بھی تمہیں ہمیں تو کال کرنی چاہیے تھی بچوں، لاؤنج میں آتے مراد خان بولے تھے۔

شور سن کر نگین بیگم بھی آگئی تھیں۔

میں ٹھیک ہوں چھوٹے پایا جانی، کب کی خاموش بیٹھی زروا بولی تو انہیں کچھ تسلی ہوئی
تھی۔

یہ تو اسلپاک کا کرم ہو گیا بھابھی جان ہماری بچی ٹھیک ہے، چوٹیں زیادہ گہری نہیں ہیں،
مراد خان نے زروا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے تشکر بھرے انداز میں کہا تو سب نے ہی
مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ سب ہی اب ساتھ تھے، زروا کم سم سی بیٹھی تھی۔

عانیہ زروا کو اسکے روم میں لے گئی تھی۔

اسے کھانا اور ٹیبلٹس بھی عانیہ نے ہی دی تھی۔

اسکے بعد تقریباً رات 10 بجے عانیہ اور ضوریز گھر روانہ ہوئے تھے۔

کہاں ہے وہ ایڈیٹ؟ زائر نے پولیس اسٹیشن میں داخل ہوتے ہی سامنے بیٹھے شخص، سے غصے سے پوچھا تھا۔

وہ شخص اس کے انداز پر مبہم سا مسکرایا تھا۔

مسٹر اے۔ ایس۔ پی آپ کو شاید سنائی نہیں دیا، مگر میں اس وقت بہت غصے میں ہوں، لہذا جو آپ سے پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دیں ورنہ مجھے بالکل برا نہیں لگے گا، اپنی بوکسنگ اسکولز آپ پر ٹرائی کرنے میں، زائر اے۔ ایس۔ پی کی زومعنی مسکراہٹ سے چڑ گیا تھا اسی لیے کافی تپے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

تو مسٹر خان اتنی بے قراری، واہ واہ، واہ واہ، کیا بات ہے، اے۔ ایس۔ پی نے بھی اسے تپانے میں کوئی کسر ناچھوڑی تھی۔

دیکھو تم، زائر نے بوٹے ہوئے سیدھے ہاتھ کا مکا بنایا تھا۔

ہے یو، پولیس والے کو دھمکی دے رہے ہو؟ وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا شاید۔

میں اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر فلحال میں کافی تحمل سے تم سے پوچھ رہا ہوں،
لہذا میں نے جو کام دیا تھا وہ ہوا یا نہیں صرف اتنا بتادو، اب کے زائر اسے گھورتا ہوا بولا
تھا۔

اسی وقت اس اے۔ ایس۔ پی کا موبائل واٹس ایپٹ ہوا تو اس نے زائر کو مزید تنگ کرنے کا
ارادہ ملتوی کیا تھا۔

ریلیکس یار کام ہو گیا ہے تمہارا، وہ لاک اپ میں بند ہے، یہ لو کیز اپنے مجرم کا فیصلہ تم
خود کر لو، سامنے سے لیفٹ میں جو تیسرا لاک اپ ہے بس وہیں ہے، میں چلا اپنی جج کا
فیصلہ سننے، وہ کیز اسکی جانب اچھالتا ہوا شرارتی انداز میں بولا تھا۔

اسکی بات پر زائر نے اسکی طرف دیکھا تھا۔

پورے رومیو بن گئے ہو تم ویسے خیر تمہارا یہاں ٹرانسفر ہونے کا کچھ تو فائدہ ہوا، زائر مسکرا کر کہتا کیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسکے بتانے پر لیفٹ سائیڈ بنے لاک اپ کی جانب بڑھ گیا تھا۔

کمینہ سالانہ گھنٹا، اوپر سے اسٹون مین بنتا ہے، اندر سے مجنوں ہے پورا، اسکے جانے کے بعد اے۔ ایس۔ پی نے مسکرا کر سوچا تھا اور موبائل اٹھا کر کسی کو کال ملانے لگا تھا۔

زروا کافی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

آج ہونے والے واقع نے اسے کافی ڈرا دیا تھا جبکہ اس وقت بھی اسکے ذہن میں مختلف باتیں گردش کر رہیں تھیں۔

زائر خان تم نے مجھے کیوں بچایا؟ تم تو مجھ سے نفرت کرتے ہونا تو مرجانے دیتے مجھے، کیوں میری جان بچا کر مجھ پر یہ احسان کیا تم نے؟ زروا کو عانیہ نے بتایا تھا کہ زائر نے اسے بچایا ہے، جب ہی سے رہ رہ کر اسکے ذہن میں یہی بات آرہی تھی۔

وہ یہی سوچتے سوچتے کب نیند کی وادیوں میں اتری اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا۔

وہ اس وقت اپنے روم میں بیٹھا آج ہونے والے واقعات پر غور کر رہا تھا۔

زرّوا کو کچھ ہو جاتا تو میں کبھی خود کو معاف نا کر پاتا، ضروریز نے سر ہاتھ میں تھام کر سوچا تھا۔

بٹ مجھے یقین نہیں آ رہا زائر آج تم نے میرے سب سے قیمتی انسان کی زندگی بچائی، ضروریز نے دل میں سوچا تھا۔

مگر تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیا تم بھی زرّوا سے؟ ایک سوچ اسکے دماغ میں تیزی سے آئی تھی۔

تو کیا جو بات تم شام میں کہہ رہے تھے وہ سچ ہے؟ اچانک سے اسکے زہن میں کچھ کلک ہوا تھا۔

او جسٹ شٹ اپ ضریرز یہ تم کیا سوچ رہے ہو، زائر خان نے جو کیا اس میں اسکا اپنا مفاد تھا، اس نے کچھ بھی تمہارے لیے نہیں کیا، اس جیسا انسان صرف اپنے لیے جیتا ہے، اسے کسی سے کوئی مطلب نہیں، ضریرز نے فورن اپنی سوچوں کی نفی کی تھی۔

مگر اسے شاید معلوم نا تھا کہ جو وہ سوچ رہا تھا شاید وہی سچ تھا، اور بے شک انصاف کا وقت قریب تھا۔

زائر نے اس ٹرک ڈرائور کا پتہ کروالیا تھا جس کی غلطی کی وجہ سے زروا کی جان جاتے جاتے بچی تھی، وہ نشہ کر کے ڈرائو کر رہا تھا اسی لیے وہ سب ہوا تھا۔

اب وہ لاک اپ میں موجود تھا جہاں وہ ٹرک ڈرائور نشے کی سی حالت میں کرسی پر بیٹھا جھوم رہا تھا۔

زائر عین اسکے سامنے جا کر رکا تھا۔

اس ڈرائور نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

نام کیا ہے تمہارا؟ زائر نے غضبناک لہجے میں پوچھا تھا۔

کیوں بے چھوکرے تو بھی پولیس والا ہے کیا؟ ڈرائور نے الٹا اس سے سوال کر لیا تھا۔

تمہیں سب پتہ چل جائیگا کچھ ہی دیر میں، زائر کہتا ہوا اب جیل کا جائزہ لینے لگا تھا۔

ویسے سوچ رہا ہوں اگر تمہیں مار کر یہی دفنادوں تو کسی کو پتہ بھی نہیں چلیگا، زائر کی سنجیدہ مگر رعب دار آواز لاک اپ میں گونجی تھی۔

ڈرائور اس کی بات سن کر زرا گھبرایا تھا۔

کک کون ہو تم، اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

زائر خان یعنی تیری موت، زائر نے کہتے ہوئے اس پر مکوں اور لالتوں کی برسات کر دی تھی۔

اب وہ جنونی انداز میں اسے بے تحاشہ مار رہا تھا مگر اسکے اشتعال میں کوئی کمی نہیں آرہی تھی، جبکہ ڈرائور اس مضبوط جسامت والے باڈی بلڈر کی مار کی تاب نالالتے ہوئے اس آگے بے بس سا پڑا تھا۔

زائر کے دماغ میں صرف ایک بات گھوم رہی تھی، کہ یہ اس شخص کی وجہ سے زروا خان کو تکلیف پہنچی ہے، اور یہ سوچ اسے طیش دلانے کو کافی تھی۔

اس نے بالآخر غصے میں ایک کک اس ڈرائور کو رسید کی تو وہ ایک جانب لڑھک سا گیا تھا۔

مم میرا قق قصور کک، وہ اب زمین پر پڑا ادھ موہا ہوتا ہکلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

نٹے میں دھت ہونے کی وجہ سے جس لڑکی کو تم آج کچل کر جانے والے وہ میری زندگی ہے، اور تم نے زائر خان کی زندگی کو نقصان پہنچانے کی غلطی کی ہے، زائر بولا تو اسکا لہجہ بے لچک تھا جبکہ اس کے چہرے پر چٹانوں سی سختی تھی۔

مگر انجانے میں ہی اسکے منہ سے جو الفاظ ادا ہوئے تھے وہ شاید زندہ حقیقت بن کے اسکے سامنے آنے والے تھے، وقت اسے اسکے ہی لفظوں میں الجھانے والا تھا، مگر وہ اس بات سے بے خبر تھا۔

مم مجھے پتہ نہیں تھا، معاف کردو صاحب غلطی ہوگئی، وہ اب ڈائور زائر کے پاؤں پکڑے
خوش آمدی لہجے میں بول رہا تھا۔

فلحال بخش رہا ہوں تمیں، لیکن آج کے بعد ڈائونگ کرتے وقت ہزار بار سوچنا کہیں تمہاری
وجہ سے کسی معصوم کو زرا سی خراش بھی آئی نا تمہارا وہ حال کرونگا کے تم خود اپنی شکل
پہچاننے سے انکار کردو گے، زائر دھاڑا تھا۔

کچھ لمحوں بعد وہ اسے پاؤں سے ایک ٹھوکر لگاتا بے چہرے پر تھاشہ غصہ لیے لاک اپ
سے نکلا تھا۔

وہ گہری نیند میں تھی کہ اچانک اسکی آنکھ کھلی تو اسے شدید پیاس محسوس ہوئی تھی۔

زروا اپنے سنہری بالوں کو سمیٹتی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس نے پانی پینے کے لیے
سائیڈ ٹیبل سے جگ اور گلاس اٹھایا تھا۔

مگر جگ خالی تھا۔

کچن سے لے آتی ہوں، زروا سوچ کر پلٹی تھی۔

اسی وقت اس کے کمرے کے پردوں کے بیچ کوئی سایہ سا لہرایا تھا۔

خوف کی ایک لہر اسکے دل و دماغ میں سرایت کر گئی تھی اس نے بے ساختہ قدم پیچھے
لے لیے تھے۔

کک کون ہے وہاں، اس نے تمام تر ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

اسی وقت وہ بیلک جینس پر بلیک ہی ہوڈی پہنے ایک شان سے چلتا ہوا اسکے عین سامنے آ کر رکا تھا۔

آپ، رات کے اس پہر اسے اپنے روم میں دیکھ کر مارے خوف کے زروا کے چہرے پر ہوائیاں اڑی تھیں۔

کیوں؟ تم کسی اور کے آنے کی توقع کر رہی تھیں؟ یا مجھے دیکھ کر ڈر گئی؟ وہ سنجیدہ مگر کاٹ دار لہجے میں طنزیہ انداز میں سوال کرتا زروا کو پل بھر میں خوفزدہ کر گیا تھا۔

نن نہیں، مگر آپ کیوں آئے ہیں، پلیز جائیے یہاں سے، وہ ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔

اسی وقت زائر خان چلتا ہوا مزید اسکے قریب آیا تھا زروا جو کہ بیڈ کے قریب کھڑی تھی،
حواس باختہ سی پیچھے ہی ہی تھی کہ بیڈ سے ٹکرائی تھی اور نتیجاً وہ بیڈ پر گری تھی۔

زروا کی ہیزل گرین آنکھوں میں خوف کی پرچھائی تھی۔

زائر نے دلچسپی سے اسکی اڑی ہوئی رنگت اور سہما سہما سا روپ دیکھا تھا۔

نگاہ ناز کی معصومیت ارے توبہ

"جو ہم دل نا ہارتے تو اور کیا کرتے"

وہ اس وقت بے بی پنک کلر کی ہالف سلیوز شرٹ اور بے بی پنک کلر کے ہی ٹراؤزر
میں ملبوس تھی، جو کہ اسکے نازک سراپے پر بیچ رہا تھا، جبکہ اسکے سنہری بال اسکی پشت پر
بکھرے ہوئے تھے، وہ اس ڈریسنگ میں غضب ڈھا رہی تھی۔

آپ بی یہاں کک کیا کرنے آئے ہیں، پلیز یہاں سے جائیے، زروا نے بیڈ پر سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بامشکل اپنے لفظ دہرائے تھے۔

زائر کو اس وقت اپنے روم میں دیکھ کر اسکا دل مارے خوف کے بند ہونے کو تھا۔

جبکہ زائر نے جیسے کچھ سنا ہی نا تھا اس کی نظریں تو زروا کے نازک و دلکش سراپے سے الجھ سی گئی تھیں۔

زروا کو ایک دم سے اپنی ڈسنگ کا خیال آیا تھا، زائر کے سامنے ایسے حلیے میں اسکی نظریں مارے شرم کے جھک سی گئی تھیں۔

زائر بے خود سا اسے دیکھ رہا تھا۔

جبکہ زروا تو زائر کی طرف دیکھنے سے بھی گر پڑا تھی۔

اسی وقت وہ بیڈ پر گرمی زروا پر جھکا تھا، آج اسکی نیلی سمندر سی آنکھوں میں کچھ اور ہی رنگ تھے جس سے وہ خود بھی بے خبر تھا۔

زائر پلیز مجھ سے دور رہیں، زروا نے روہانسی ہوتے اسے خود سے ہٹانا چاہا تھا۔

شش، زائر نے اسکے لب پر شہادت کی انگلی رکھ کر اسے خاموش کروایا تھا۔

خبردار ایک لفظ بھی نہیں بولوگی آج تم، ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی، وہ غصے سے بھرپور لہجے میں دھونس کے سے انداز میں بولا تھا۔

زروا کی بولتی بند ہوئی تھی، جبکہ اس کا رواں رواں زائر کے پرحدت لمس سے دھک اٹھا تھا۔

رات کا وقت، اور کمرے کا خوابناک ماحول زائر کو کوئی شوک سی جسارت کرنے پر اکسا رہے تھے، وہ اپنے ان احساسات کو خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

زائر اب ساری سوچیں ایک طرف رکھتا اسکے سلکی بالوں کی لٹیں چھیڑ رہا تھا۔

زا، عذہ کی پلکھیں جھکی ہوئی تھیں شرم کے مارے اس سے کچھ بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

اسکی اس قدر قربت پر زروا کی حالت خراب ہوئی جا رہی تھی، جبکہ دودھیا رنگت گلابی ہو رہی تھی ہونٹ لرز رہے تھے اور اس کا دل بہت تیز دھڑک رہا تھا گویا پھسلیاں توڑ کر باہر آجائیگا۔

زائر مبہوت سا اسکی اٹھتی گرتی پلکھوں کی چلمن کو دیکھ رہا تھا۔

وائس رانگ و دیو زائر خان، یہ تم کیا کر رہے تھے، زائر نے دل ہی دل میں خود کو ملامت کیا تھا۔

مجھے اس لڑکی سے صرف نفرت ہے اور کچھ نہیں، اس نے جیسے خود کو یقین دلایا تھا۔

اس وقت وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہا تھا، جسے وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہوئے تھے۔

لسن میں یہاں تم سے ایک بہت اہم بات کرنے آیا ہوں، وہ اب رخ موڑے کھڑا اپنے

انہی سرد انداز میں اس سے مخاطب تھا۔

زروا سانس رو کے اسے سن رہی تھی۔

تمہیں کیا لگتا ہے تم ضرور سے شادی کے لئے ہاں کر کے اتنی جلدی مجھ سے جان چھڑوا
لو گی اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھا رہونگا؟ اتنا کمزور سمجھا ہے تم نے مجھے؟

زائر غصے سے دھاڑتا ہوا پلٹا تھا جبکہ اسکے اس طرح چلانے پر زروا اپنی جگہ سہم سی گئی
تھی اور ہراساں نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہی تھی، لیکن اس میں کچھ بولنے کی ہمت نا
تھی۔

نہیں زروا خان آفریدی نہیں مجھ سے تمہاری جان اتنی جلدی نہیں چھوٹنے والی، تم میری
تھی میری ہو اور میری رہو گی، وہ اس پر نظریں جمائے عجیب جنونی سے انداز میں بول رہا
تھا۔

زروا کو اسکی نظروں کی تنیش سے اپنا آپ جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

تو بہتر ہوگا کہ تم اپنے ذہن سے یہ بات جتنی جلدی ہو سکے نکال دو کہ تمہاری شادی
کسی ایکس وائے زیڈ سے ہوگی۔

کیونکہ تم دلسن بنو گی تو صرف اور صرف زائر خان آفریدی کی، وہ کہتا ہوا ہلکا سا مسکرایا تھا۔

زروا نے اتنے دنوں میں آج دوسری بار اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

مم مگر باباجان نے میری انگیجمنٹ، زروا نے اسے کچھ بتانا چاہا تھا۔

تمہارے باباجان سے میں خود بات کر لوں گا، آفرآل وہ میرے بھی چچا جان ہوتے ہیں، زائر نے تیزی سے اسکی بات کاٹی تھی۔

تم اس زمین پر صرف اور صرف زائر خان آفریدی کے لئے اتلاری گئی ہو یہ بات یاد رکھنا زائر اپنے ازلی سرد انداز میں بولتا اسے بہت کچھ باور کروا گیا تھا۔

سمجھ آگئی نا میری بات؟ زائر نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔

زروا نے آنکھوں میں آئی نمی اندر لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

گڈ گرل وہ کہتا ہوا جیسے آیا تھا ویسے ہی طوفان کی طرح اسکے روم سے نکل گیا تھا۔

اسکے جانے کے بعد زروا تکیے میں منہ چھپائے رو دی تھی۔

جانے تیرا عشق بھی، کیا تماشہ سا ہے ""

کبھی ظالم، تو کبھی مہرباں سا ہے ""

وہ ناشتہ کرتے ہی بے دلی سے صائم کے ساتھ ہی یونیورسٹی کے لیے نکلی تھی۔

مشعل دوسری گاڑی میں پہلے ہی جا چکی تھی۔

اس وقت ڈائیننگ حال میں نگین بیگم اور پلوشہ بیگم ہی تھیں جب وہ ایک دم فریش فریش سا ڈائیننگ حال میں داخل ہوا تھا۔

اسلام و علیکم، اس نے دونوں کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

مومی باباجان آفس کے لیے نکل گئے؟ زائر نے پلوشہ بیگم سے پوچھا تھا۔

نہیں، انہیں کچھ کام تھا اسلیے آج تھوڑا لیٹ جائیگے مگر یہ اچانک تمہیں تمہارے باباجان کی یاد کیسے آگئی؟ پلوشہ بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

تھینک گاڈ، اس نے دل میں کہا تھا۔

مومی جان یہ بھی آپ نے سہی پوچھا، بھلا ہٹلر کی یاد کسے آتی ہے مگر وہ کیا ہے نا مجھے ان سے بہت ضروری بات کرنی تھی سو اسلیے سوچا آج ہٹلر کی عدالت میں بھی پیشی دے ہی دی جائے، سنجیدہ لب و لہجے میں اطلاع دی گئی تھی، مگر اسکی نیلی آنکھوں میں آج شرارت رقصاں تھی۔

پلوشہ بیگم نے دل ہی دل میں ماشاء اللہ کہا تھا۔

جبکہ نگین بیگم ہنس دی تھیں۔

بدتمیزی نہیں زائر، بری بات بیٹا، اپنے باباجان کے بارے میں ایسے نہیں کہتے، پلوشہ بیگم نے اسے گھر کا تھا۔

اوکے بھئی نہیں بولتا کچھ آپکے مجازی خدا کو مگر وہ ہیں کہاں یہ تو بتادیں؟ زائر فوراً فرمانبردار بنا تھا، آج وہ اپنی عادت کے برخلاف کافی خوشگوار موڈ میں تھا۔

اسٹڈی میں ہیں، انہوں نے آہستہ سے اسے جواب دیا تو وہ جانے کو پلٹا تھا۔

اب اگر ڈائینگ ٹیبل تک آہی گئے تھے تو بریک فاسٹ بھی کر لیتے نچے، نگین بیگم نے اسے آواز دی تھی۔

کرونگا، ضرور کرونگا چچی جان، پر آج نہیں، پھر کبھی سہی، فلحال میں چلتا ہوں، وہ انہیں
احترام سے جواب دیتا، اسڈی کی جانب بڑھا تھا۔

کچھ مہینوں سے پلوشہ بیگم کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی، وہ اکثر زائر کو یاد کر کے رو دیتی
تھیں۔

اسے پاکستان چھوڑے ساڑے 3 سال کا عرصہ گزر چکا تھا مگر کسی کو اس کا کچھ اتہ پتہ
نا تھا۔

بیٹے کی جدائی پلوشہ بیگم کو پل پل مار رہی تھی، وہ راتوں کو جاگتی تھیں، ان 3 ساڑھے 3
سالوں میں کوئی بھی رات ایسی نا تھی جس میں پلوشہ بیگم نے تہجد چھوڑی ہو، وہ ہر رات
تہجد میں بیٹے کی سلامتی کی دعائیں مانگتی تھیں۔

اسی طرح ایک رات رونے کی وجہ سے انکی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔

سفیر خان، صائم کے ساتھ انہیں لے کے ہو سپیٹل، بھاگے تھے۔

پلوشہ بیگم کو مائینر ہارٹ اٹیک آیا تھا۔

وہ نیم بے حوشی کی کیفیت میں بار بار زائر کو پکار رہی تھیں۔

وہ سب ہو سپیٹل کے کاریڈور میں کھڑے تھے جب ایک ڈاکٹر انکے قریب آیا تھا۔

ایسکیزومی، ڈاکٹر نے سفیر خان کو مخاطب کیا تھا۔

جی ڈاکٹر میری وائف کیسی ہیں؟ سفیرخان نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

یہ زائر کون ہیں؟ ڈاکٹر نے الٹا ان سے ہی سوال کر لیا تھا۔

ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والے سوال کا جواب سفیرخان کو خاموش کر گیا تھا۔

دیکھیں پیشنٹ کی حالت بہت خراب ہے، انہیں ہارٹ اٹیک آیا ہے یہ مائیز اٹیک تھا، مگر وہ بار بار کسی زائر کا نام پکار رہی ہیں آپ پلیز انہیں بلوادیں، ورنہ انکی حالت مزید بگڑ سکتی ہے، لینڈ سوری ٹو سے، انہیں پھر سے ہارٹ اٹیک کا خطرہ ہے اور اس بار انکی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے، ڈاکٹر پیشہ وارانہ انداز میں کہتا ایسکیز کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

ڈاکٹر کے جاتے ہی، سفیرخان بیچ پر ڈھے سے گئے تھے صائم فورن انکے پاس آیا تھا۔

جبکہ ہو سپیٹل کی راہداری میں داخل ہوتی سماہر بیگم کے قدم تھم سے گئے۔

باباجان ہم کیسے لالہ کو بلائیں؟ ہمارے پاس تو انکا کوئی اتہ پتہ بھی نہیں، صائم نے
سفیرخان کے کندھے پر ہاتھ کر کہا تھا۔

وہ روٹھ گیا ہے صائم، ہم چاہیں جو کر لیں وہ نہیں آئیگا، وہ مجھ سے بہت خفا ہے، وہ
بہت ضدی ہے بچپن سے ہی اور اب تو شاید وہ نفرت کرتا ہوگا اس بدنصیب باپ سے
جس نے اسے خود اپنے ہاتھوں دربر کر دیا، سفیرخان بھی بیٹے کی دوری سے لٹ سے گئے
تھے۔

انہیں احساس تو بہت پہلے ہو گیا تھا کہ وہ جلد بازی میں زائر کے ساتھ ناانصافی کر گئے
ہیں مگر جب سے پلوشہ بیگم بیمار ہوئی تھیں سفیرخان کو مزید پشیمانی نے آن گھیرا تھا، وہ
دن بدن لٹتے جا رہے تھے۔

زائر میرے بچے، مجھے معاف کر دینا، مگر

مجھے اب سب کو بتانا ہی ہوگا، سماہر بیگم اپنے لالہ کی باتیں سن چکی تھیں اسی لیے کچھ سوچتی ہوئی آگے بڑھی تھیں۔

میں جانتی ہوں زائر کہاں ہے، سماہر بیگم کی آواز پر سب ہی نے سر اٹھا کر انکی جانب دیکھا تھا۔

وہ مجھ سے کانٹیکٹ میں ہے، وہ مزید بولی تھیں۔

انکے منہ سے یہ انکشاف سن کر وہ سب ہی شاک کی سی کیفیت میں تھے۔

سماہر تم سچ کہہ رہی ہو؟ سفیر خان نے کھڑے ہوتے ہوئے سماہر بیگم سے پوچھا تھا، وہ ان سے 3 سال چھوٹی تھیں۔

ہاں لالہ، میں سچ کہہ رہی ہوں، سماہر بیگم نے اقرار میں سر ہلایا تھا۔

واٹ؟ موم نے ہم سے اتنی بڑی بات چھپائی، ضروریز کو شک لگا تھا۔

انکی بات پر وہاں آتا ضروریز لمحوں میں ان سے بدظن ہوا تھا اور بنا کچھ سوچے سمجھے، بنا حقیقت جانے واپس پلٹ گیا تھا۔

تو پھر جلدی سے اسے بلاؤ لالہ کی جان، میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولونگا، سفیر خان تشکر سے بولے تھے۔

سماہر بیگم مجبوراً زائر سے کیا عہد توڑتے ہوئے اسے کال کرنے ایک جانب بڑھ گئی تھیں۔

یہ رات کا وقت تھا، یعنی لندن میں اس وقت صبح ہو رہی ہوگی۔

انہوں نے سوچتے ہوئے زائر کا نمبر ڈائل کیا تھا، ہمیشہ کی طرح ایک ہی بیل پر کال رسیو کر لی گئی تھی۔

ہیلو فادر، وہ ایک ادا سے کہتا سفیر خان کے روم میں داخل ہوا تھا۔

تم؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھر میں قدم رکھنے کی، سفیر خان اسے دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گئے تھے۔

ارے ریلکس ڈیئر فادر، میں نے ایسا بھی کیا کر دیا جو آپ اتنا ہائپر ہو رہے ہیں، ٹھنڈ رکھیے، میں یہاں صرف آپ سے ایک اہم بات کرنے آیا ہوں، زائر کہتا ہوا مزے سے صوفے پر ٹک چکا تھا۔

سفیرخان نے اسے کھاجانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بامشکل غصّہ ضبط کیا تھا۔

ہمیں تمہاری کسی بھی بکواس کو سننے میں کوئی دلچسپی نہیں اس لیے بہتر ہوگا تم فوراً
یہاں سے چلے جاؤ، وہ رائیٹنگ ٹیبل سے اٹھتے ہوئے بے حد غصّے سے بولے تھے۔

ہے مائی ڈیئر بسٹ فادر ٹیک ہے چل مین، زائر کے اطمینان میں کوئی فرق نا آیا تھا وہ ان
سے یوں مخاطب تھا جیسے دونوں بچپن کے دوست ہوں۔

بکواس بند کرو تم اپنی، سفیرخان دھاڑے تھے۔

مجھے زروا سے شادی کرنی ہے، زائر نے جیسے ان کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔

کیا بکواس ہے یہ؟ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تمہارا؟ سفیرخان بے حد غصّے سے بولے تھے۔

میں کوئی بکو اس نہیں کر رہا بس اپنی مرضی بتائی ہے آپکو، وہ سنجیگی سے کہتا انہیں، مزید طیش دلا گیا تھا۔

آج سے 3 دن بعد زرو اور ضوریز کی انگیجمنٹ ہے اور تم کہہ رہے ہو تمہیں اس سے شادی کرنی ہے، جبکہ تم خود اس رشتے سے انکار کر چکے ہو، تم حوش میں تو ہو؟ سفیر خان کی غمض و غضب سے بھری آواز اسڈی میں گونجی تھی۔

اوں ہوں، میں بہرا نہیں ہوں یا باباجانی، کان کے پردے پھاڑنگے کیا، زائر انکی بات نظر انداز کرتا شرارتی انداز میں بولتا انہیں تپا گیا تھا۔

دفع ہو جاؤ تم میری نظروں کے سامنے سے بے غیرت، تم کبھی انسان نہیں بن سکتے، میری ہی غلطی تھی جو میں نے یہ سوچا کہ تم سدھر گئے ہو، سفیر خان کافی غصے میں بول رہے تھے۔

زائر سہلاتے ہوئے انکی بات کافی غور سے سن رہا تھا جیسے سب سمجھ ہی لیگا۔

او ہو ڈانٹ وری چلا جاتا ہوں، بٹ میری بات یاد رکھیے گا، زرا میری منگ ہے اور اگر آپ نے اسکی شادی اس ایڈیٹ ضوریز سے کروانے کی کوشش کی تو میں سب کے سامنے اسے بھری محفل سے ہاتھ پکڑ کر لے جاؤنگا، اور سب کے سامنے اس پر حق ہونے کا دعوا کر دوںگا، پھر آپ کچھ نہیں کر سکیں گے، کیونکہ آپ بھول گئے ہونگے شاید مگر مجھے اپنی روایات یاد ہیں۔

ہمارے یہاں منگ کو نکاح کی اہمیت دی جاتی ہے اسی لیے سب کو میری بات ماننی ہوگی اور میں ہرگز بھی بے غیرت نہیں ہوں گے اپنی منگ کو کسی ایرے غیرے کا ہونے دوںگا، اسلیے آپ کو پہلے سے خبردار کر رہا ہوں، کچھ بھی کرنے سے پہلے میری بات یاد رکھیے گا، کیونکہ آپ جانتے ہیں زائر خان آفریدی جو کہتا ہے وہی کرتا ہے، انکی طرف دیکھتے ہوئے سخت مگر بادب لہجے میں کہتا وہ انہیں مزید غصہ دلا گیا تھا۔

منگ؟ یہ تمہیں اب یاد آیا ہے؟ پہلے کیا سو رہے تھے؟ تم فلحال یہاں سے اپنی منہوس
شکل گم کرو ورنہ ایسا ناہو میں کچھ الٹا سیدھا کر گزروں، سفیر خان اسکی طرف دیکھتے ہوئے
چلا کر بولے تھے۔

اتنا غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا باباجانی، صائم نے آپکو نہیں بتایا کیا؟ کیسا ڈاکٹر
بنیگا یہ لڑکا بھی نا، پر کوئی بات نہیں میں اسے کہہ دوںگا، آپ کو اس بارے میں اچھے سے
بریف کر دیگا پر فلحال میں چلتا ہوں، اپنا خیال رکھیے گا، وہ دل جلانے والے انداز میں کہتا
مسکراتا ہوا اسڈی سے نکلا تھا۔

نالائق لڑکا اس عمر میں بھی خوار کروائیگا مجھے، مگر ہے بھی تو ضدی پتہ نہیں کیا چل رہا
ہے اب اس کے خرافاتی دماغ، وہ سوچتے ہوئے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

ایگزامز قریب تھے اسلیے سب ہی بڑی ہو گئے تھے اور یونیورسٹی میں چہل پہل کافی سے زیادہ حد تک کم ہو گئی تھی۔

آج بھی اسکی 2 ہی کلاسز تھیں جن سے فری ہو کر وہ یوں ہی ٹہلتے ٹہلتے یونی کے پچھلی طرف گراؤنڈ میں آ گئی تھی۔

اسے وہاں پہنچ کر احساس ہوا تھا کہ یہ ایریا کافی سنسان تھا۔

زروا فورن واپس پلٹی تھی اور دوڑنے کے انداز میں ڈیپارٹمنٹ کی جانب آئی تھی یہ دیکھے بنا کہ ڈیپارٹمنٹ خالی ہو چکا ہے۔

زروا جیسے ہی کلاس میں داخل ہوئی تھی کسی نے ایک دم سے ڈور لاک کیا تھا۔

کھٹاک کی آواز پر وہ پلیٹی تھی، سامنے ہی 3 لڑکے کھڑے تھے۔

جو اپنے حلیے سے ہی گنڈے معلوم ہو رہے تھے۔

ایک خوف کی لہر زروا کے دل میں اٹھی تھی۔

بہت انتظار کروایا ہے تو نے واہ ری قسمت، بلبل آج تو ہمارے ہاتھ لگ ہی گئی، ان میں سے ایک لڑکا خباثت سے بولتا ہوا بے ہنگم انداز میں ہنسا تھا۔

اسکی بات کا مطلب سمجھ کر زروا کی تو روح فنا ہو گئی تھی۔

وہ سنبھل کر کچھ قدم پیچھے ہٹی تھی۔

کک کون ہیں آپ اور یہ کیا بدتمیزی ہے؟ زروا نے خود کو پراعتماد ظاہر کرتے ہوئے
پوچھا تھا۔

تو صبر کر میری جان بس ابھی سب پتہ چل جائیگا، ایک لڑکے نے مکروہ انداز میں بوٹے
ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔

وہ تینوں، اب اسکی جانب بڑھ رہے تھے۔

زروا کا دل مارے خوف کے بند ہونے کو تھا وہ بنا کچھ سوچے اپنی عزت بچانے کو ایک
سمت بھاگی تھی۔

مگر بد قسمتی سے کلاس کے دونوں ڈور لاک تھے۔

پپ پلیر مجھے جانے دیں، مم میں نے آپکا کیا بگاڑا ہے دیکھیں میں تو آپ کو جانتی بھی
نہیں، ڈر کے مارے زروا جلدی جلدی بول رہی تھی۔

اسی وقت ایک لڑکے نے اسکا بازو کھینچا تھا زروا جو کہ دروازے سے چپکی کھڑی تھی، اسکے
ساتھ کھینچتی چلی گئی تھی۔

بچاؤوووو، پلیر ہیلپ می، وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

پلیر ہیلپ می، کوئی ہے۔

بچاؤوووووا، زروا بے بسی سے چلا رہی تھی۔

مگر اس وقت وہاں کوئی ہوتا تو اسکی مدد کو آتا نا۔

وہ لڑکا اب اسے ڈیکس کی طرف دھکیل کر اسکی جانب بڑھ رہا تھا۔

زروا تمہاری کمزوری کب سے بن گئی زائر خان؟ سنا ہے انسان کی کمزوری ہی اسکی شکست کا باعث بنتی ہے، وہ جو کسی کام سے یونی آیا تھا کام ہونے پر واپسی کے لیے نکل رہا تھا، ضوریز خان کی طنزیہ آواز پر پلٹا تھا۔

زبان کو لگام دو ضوریز خان، زائر خان کی کوئی کمزوری نہیں، اور کسی میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ زائر خان کو شکست دے سکے، وہ اسکی جانب مڑتا ہوا اپنے ازلی مغرورانہ انداز اور بلند لہجے میں بولا تھا۔

وہ تو وقت ہی بتائیگا مسٹر یونین لیڈر، اتنا اونچا اڑنے والے بہت جلد زمین پر آکر گرتے ہیں، اب وہ اسکے قریب آتا ہوا قدرے سرد لہجے میں بول رہا تھا۔

وائیٹ کاٹن کی شرٹ اور براؤن جینس میں ضریر خان کافی ہینڈسم لگ رہا تھا، اس کی گرے آنکھوں عجیب سی چمک تھی۔

اس سے پہلے کے زائر اسے کوئی جواب دیتا ایک نسوانی آواز نے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

یہ وہ آواز تھی جو وہ دونوں ہی کڑوڑوں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتے تھے، مگر اس آواز میں موجود خوف اور سرا سیمگی محسوس کرتے ہوئے ان دونوں شاندار مردوں کو دل ڈوبا تھا۔

بچاؤ۔۔ زروا شاید کسی مصیبت میں تھی اور مدد کے لیے پکار رہی تھی۔

زائر اور ضوریز آندھی طوفان کی طرح آوازی سمت بھاگے تھے۔

انہیں یوں بھاگتے دیکھ یونی میں موجود اکا دکا اسٹوڈنٹ کافی حیران ہوئے تھے۔

مگر زائر خان اور ضوریز خان کی رفتار میں کوئی کمی نا آسکی تھی۔

وہ دونوں ندی کے دو کناروں کی مانند تھے جو ایک ساتھ چلتے ہیں مگر پھر بھی کبھی مل نہیں پاتے مگر زروا وہ واحد ہستی تھی جہاں وہ دونوں ہی خود کو بے بس محسوس کرتے تھے، اور یہی وہ مقام تھا جہاں ان دونوں کی سوچیں مل جاتی تھیں۔

وہ لمحوں میں ہی یونی کے اس ڈیپارٹمنٹ کے سامنے رکے تھے، جو کافی الگ تھلگ سا تھا۔

کوئی تو مجھے ان درندوں سے بچاؤ خدارا۔

یا اللہ آج تک تجھ سے کچھ نہیں مانگا، مگر سنا ہے تو بے نیاز ہے، بس اسکی حفاظت کرنا
مالک، ایک دعائیزی سے زائر کے لبوں پر آئی تھی۔

اے خدا میری زروا کی حفاظت کرنا، ضوریز کے لبوں سے بھی بے ساختہ یہ دعا نکلی تھی۔

دونوں نے کلاس روم کے دروازے کے سامنے رک کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا
اور ایک زوردار کک دروازے پر رسید کی تھی۔

ان دونوں کے اس قدر تیز کک لگانے پر دروازہ اکھڑ کر دور جا گرا تھا۔

سامنے کا منظر دیکھ کر زائر خان اور ضوریز خان کی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا تھا۔

زروا آنکھیں بند کیے سیٹس کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔

جب کہ 3 لڑکے آہستہ آہستہ اسکے قریب بڑھ رہے تھے۔

دور ہو اس سے، زائر سرخ ہوتی آنکھوں اور غیض و غضب میں بھرا بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

ایک نے زروا کی شال کھینچنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ زائر نے پوری قوت سے اسے زوردار کک رسید کی تھی، وہ لڑکا لڑکھڑاتا ہوا دور جا کر گرا تھا۔

زروا نے فوراً آنکھیں کھولی تھیں۔

وہ لڑکے انہیں دیکھ کر ہی حواس باختہ ہو گئے تھے۔

جبکہ زائر نے مٹھیاں بھیج کر با مشکل اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پایا تھا۔

تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری دوست کی طرف آٹکھ اٹھا کر دیکھنے کی، آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑونگا، ضوریز بے حد غصے میں باقی دونوں کو زمین پر لٹائے انہیں بے دردی سے مارنے میں لگا ہوا تھا۔

زائر کو دیکھ کر زروا کو لگا تھا جیسے وہ تپتی دھوپ میں سے چھاؤں میں آگئی ہو۔

زائر نے ان لڑکوں کو ضوریز سے پٹتا دیکھا تو آگے بڑھ کر زروا کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا ضوریز انہیں سنبھال لیگا جبکہ زروا کو اسکی ضرورت تھی۔

زروا نے فوراً اسکے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تھا اور سہارا لیتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

خان تہ تم آگے ورنہ یہ، زروا سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا وہ کافی سہم گئی تھی۔

شش میں ہوں نا تمہارے ساتھ، اب ڈرنے کی بات نہیں، زائر نے مضبوط لہجے میں بولے
ہوئے اسے متاں جان کی طرح سنبھالا تھا اور بازو کے حلقے میں لیا تھا۔

ہمیں مت مارو، چھوڑ دو، وہ لڑکے اب ضروریز کی منتیں کر رہے تھے۔

تم تینوں، نے آج اپنی موت کو خود دعوت دی ہے، اب انجام کے ذمہ دار تم خود
ہو گے، تم نے میری زروا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا ہے اسکی سزا تمہیں مل کر رہیگی، زائر
کی گرجدار آواز پر ضروریز ایک لڑکے کو جھٹکے سے دور پھینکتا ایک طرف ہوا تھا۔

ہم سے غلطی ہو گئی، ہمیں معاف کر دو، ایک لڑکا جو کہ کافی بری حالت میں تھا اس نے
زائر کے پاؤں پکڑے تھے۔

دور ہو، زائر نے اسے ٹھوکر مار کر دور کیا تھا۔

بس کرو زائر یہ سب تمہاری غلطی سے ہوا ہے اگر تمہاری نظر یونیورسٹی میں ہونے والی سرگرمیوں پر ہوتی تو یہ سب نا ہوتا، تمہارے یونین لیڈر ہوتے ہوئے یہ سب ہو گیا، شمیم اون یو، ضروریز چیختے ہوئے بولا تھا۔

او یو جسٹ شٹ اپ، میں فلحال تم سے بحث کے موڈ میں نہیں ہوں سمجھے تم؟ زائر اس سے زیادہ تیز آواز میں چلایا تھا۔

زروا سہمی ہوئی سی زمین کو تکلے جارہی تھی۔

دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے، زائر نے ان لڑکوں کی طرف دیکھ کر بے حد غصے میں کہا تھا اور ساتھ ہی کسی کو کال ملائی تھی۔

ہاں ابھی یونی سے تین لڑکے نکلیں گے، ہاں اوکے، اس نے بات کرتے ہی کال کٹ کی تھی۔

ان میں کسی کو بھی اسکی گفتگو سمجھ میں نا آئی تھی۔

شور کی وجہ سے ڈیپارٹمنٹ کے باہر اسٹوڈنٹس کا کافی رش سالگ تھا۔

تم انتہائی غیر ذمہ دار اور پراؤڈی انسان ہو زائر خان، جو کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا، لیکن وہ خود بھی کسی قابل نہیں، جو اپنی ذمہ داری نبھاسکتا وہ یونین لیڈر بننے کے بلکل لائق نہیں، ضرور بے حد نفرت سے بولا تھا۔

تمہیں لگتا ہے نا میری آنکھیں بند ہیں؟ مجھے یونیورسٹی میں ہونے والی سرگرمیوں کا علم نہیں ہوتا؟ اور میں اپنی ذمہ داری نہیں نبھاسکتا؟ ایسا کرو تم یہ ذمہ داری سنبھال لو تم تو بہت ذمہ دار ہونا، میں تمہیں خود یہ پوسٹ دیتا ہوں، زائر کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

ضوریز نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟ یہ کوئی مزاق ہے؟ اندر آتی مشعال نے غصے میں زائر سے کہا تھا۔

زروا کو بھی شاک لگا تھا مگر فحال وہ بولے کی پوزیشن میں نا تھی۔

اتنے میں ہی عانیہ اور صائم بھی وہاں آچکے تھے۔

صائم تو فورن زروا کی جانب بڑھا تھا۔

نہیں مشعال اگر یہ خود اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تو میں نکوشتی یہ ذمہ داری
سنجھائے کو تیار ہوں، ضرور زائر کی طرف دیکھتا ہوا سرد و سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

قابل تو خیر تم بھی نہیں ہو مگر میں بس تمہاری غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ آج جو
ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں یہ سب صرف اتفاق تھا یا کسی کی سوچی سمجھی
سازش، لیکن پھر بھی تمہیں لگتا ہے یہ سب میری غیر ذمہ داری کی وجہ سے ہوا تو میں آج
یونین لیڈر کی اس سیٹ سے پیچھے ہٹتا ہوں اور تمہیں اپنی جگہ دیتا ہوں، وہ باآواز بلند بول رہا
تھا۔

ہر طرف سناٹا سا چھا گیا تھا سب دم سادھے اسے سن رہے تھے۔

یہ سب کیا ہو رہا ہے لالہ؟ پلیز آپ لوگ چپ ہو جائیے دیکھیں زروا کتنا ڈر گئی ہے، صائم
نے انہیں خاموش کروانا چاہا تھا۔

ہاں زائر لالہ پلیر، ایسا کچھ نہیں ہے جو جگہ آپکی ہے وہ آپکی ہی رہیگی، غصے میں کوئی بھی جلد بازی والا فیصلہ مت لیں، عانیہ زائر کی طرف آتی ہوئی بولی تھی۔

نہیں عانیہ، خان ایک دفعہ زبان دیتا ہے جو وہ دے چکا، بس اب اور کوئی بحث نہیں، زائر بنا اسکی جانب دیکھے بولا تھا۔

بولو ضوریز خان آریو ریڈی فار اٹ؟ زائر نے ضوریز سے سوال کیا تھا۔

جب تم خود کہہ رہے تو آئی ڈونٹ مائینڈ ڈیئر کزن، یس آئی ایم ریڈی، ضوریز مسکراتا ہوا بولا تھا۔

مگر اس کے لیے تمہیں ایک چھوٹا سا امتحان تمہیں بہت شوق ہے نا میرا مقابلہ کرنے کا تو میں خود تمہیں یہ موقع دیتا ہوں، زائر ٹھہر ٹھہر کر اپنے ازلی مغرور سے انداز میں بول رہا تھا۔

ضوریز نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

اگر تم آج رات 9 بجے یونی کے قریب جو گراؤنڈ ہے وہاں، مجھے بوکسنگ میں ہرادو، تو میں خود اپنی سیٹ تمہیں دے دوںگا، زائر ضوریز کی طرف دیکھتا ہوا پرسکون سے انداز میں بولا تھا۔

جبکہ زائر کی بات سن کر ہر طرف ہلچل سی مچ گئی تھی۔

پلیز آپ لوگ اپنی یہ لڑائی ختم کر دیں لالہ، بہت کچھ برباد ہو چکا ہے آپ دونوں کی اس جنگ میں، اب مزید کچھ غلط مت کریں، مجھ میں آپ دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل لڑنا دیکھنے کی ہمت نہیں، عانیہ بولتی بولتی رودی تھی۔

شٹ اپ عانیہ ڈونٹ بی ہیو لائک آچائڈ، ضوریز نے اسے ڈانٹا تو عانیہ چپ کر گئی تھی۔

جبکہ صائم نے اسے اب خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا ان دونوں کو کوئی نہیں روک سکتا اسلیے یہ کوشش بھی بیکار تھی۔

اوکے دین ڈن، آج رات 9 بجے، میں تم سے جیت کے تمہارا یہ غرور ضرور توڑوں گا، ضروریز، زائر کی طرف دیکھ کر بولتا دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہاں سے نکل گیا تھا۔

ضروریز رکیں، صرف مشعال اسکے پیچھے بھاگی تھی۔

جبکہ عانیہ زروا کو سہارا دیتی ایک سائیڈ بٹھا چکی تھی۔

تم لوگ زروا کو لے کر گھر جاؤ، مجھے کچھ کام ہے میں بعد میں آؤں گا، اور صائم گھر میں کچھ مت بتانا سب پریشان ہونگے، زائر صائم کو ہدایت دے کر گلاسز آنکھوں پر چڑھاتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

4 سال پہلے بھی ایک مقابلہ ہوا تھا جس میں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے،
اب پھر سے ایک مقابلہ ہونے والا تھا۔

یعنی ایک اور جنگ کا آغاز ہونے کو تھا۔

جس میں وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تو تھے مگر ساتھ نہیں، وہ دونوں ہی بوکسنگ
کے ماہر تھے، جیت کس کا مقدر بننے والی تھی یہ تو آنے والا وقت ہی بتانے والا تھا لیکن
اس مقابلے کے بعد یقیناً بہت کچھ بدل جانے والا تھا۔

قسمت پاسہ پھینک چکی تھی، اب صرف چال چلنے کی دیر تھی۔

پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اسے مٹی کی مانوس سی خوشبو کا احساس ہوا تھا۔

یہ فضاؤں اپنے اندر ماں کی آغوش جیسی گرمی سموئے ہوئے تھیں وہ ان فضاؤں میں سانس لیتے ہی بے چین ہوا اٹھاتے سال کی خود ساختہ جلا وطنی کی سزا تو اس نے خود اپنے لیے چنی کی تھی لیکن شاید چار سال پہلے لیا گیا یہ فیصلہ اس کیلئے بہتر ثابت ہوا تھا، وہ آج ایک خود مختار انسان تھا۔

وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پہنچا تو ڈرائور پہلے سے اسکا منتظر تھا۔

اس نے ڈرائور کے ساتھ کسی کو بھی آنے کا تکلف کرنے سے منع کیا تھا۔

وہ اسلام آباد سے سیدھا ہو سپیٹل، پہنچا تھا۔

ہوسپٹل، کی راہداری سے گزرتے ہوئے اسکے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے مگر وہ کوئی کمزور شخص نا تھا وہ زائر خان آفریدی تھا جسے اس کے اوور کانفیڈنس کی وجہ سے جانا جاتا تھا مگر آج ناجانے کیوں وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہا تھا، یا شاید اتنے سالوں بعد اچانک پاکستان آنا اسکے پلانز میں نا تھا ابھی تو اسکا مقصد ادھورا تھا۔

لیکن بھلا ہو قسمت کا جو ایک بار پھر سے اسکا امتحان لینے کو کھڑی تھی۔

ایسکیزومی، اس نے ہو سہپٹل، کی راہداری میں ایک نرس کو مخاطب کیا تھا۔

جی، نرس حیرانگی سے اس انگریزوں کے سے لب و لہجے والے ہینڈسم شخص کو دیکھا تھا۔

بلیک جینس پر بلیک ہی شرٹ اور ملٹری اسٹائل بلیک جیکٹ پہنے آنکھوں کو بلیک گلاسز سے کور کیے اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ ہو سہپٹل کے کارڈور میں کھڑا ہینڈسم اور اسٹائش سا زائر خان آفریدی ہر اک کی نگاہ کا مرکز تھا۔

کین یوٹیل میں ایبائٹ مسز سفیر خان؟ شی از آہارٹ، وہ ابھی مزید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسے سامنے سے صائم آتا دیکھائی دیا تھا۔

زائر لالہ، وہ اسے دور سے ہی پہچان گیا تھا اسی لیے آواز دیتا ہوا دوڑ کر اسکے پاس آیا تھا۔

نرس نے حیرانگی سے صائم کو دیکھا تھا۔

اوکے یو مے گوناؤ اینڈ تھینکس، زائر نے اپنے اسی برٹش لب ولجے میں اسے تھینکس کہا تو وہ موسٹ ویلکم کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

لالہ آپ آگئے، صائم بنا کچھ سوچے زائر کے گلے لگا تھا۔

زائر کا دل بھی عجیب سا ہوا تھا، شاید ماجائے کو دیکھ کر وہ کچھ پل کو ساری تلخیاں بھولا
تھا۔

اس نے گرمجوشی سے صائم کے گرد حصار باندھا تو ایک سکون سا اسکے دل میں اتر گیا تھا۔

آپکو پتہ ہے ہم نے آپ کو کتنا مس کیا؟ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا، مومی بھی آپکو اتنا یاد
کرتی تھیں، اب میں آپکو کہیں نہیں جانے دوں گا سنا آپ نے، وہ زائر کے گلے لگا بچوں کے
سے انداز میں بول رہا تھا۔

ہے صائم ڈونٹ بی ہیو لائک آپاٹلڈ، میں اب آتو گیا ہوں، پلیز ڈونٹ بی سو اموشنل ڈوڈ،
زائر لمحوں میں اپنے خول میں سمٹا تھا، اس نے سنجیگی سے کہتے آرام سے صائم کو خود سے
دور کیا تھا۔

لالہ آئیے میں آپکو مومی کے پاس لے کے چلتا ہوں، صائم نے بنا اسکے رویے کا نوٹس
لے مسکرا کر کہا تو زائر اسکے ساتھ چل دیا تھا۔

وہ عانیہ کے ساتھ یونی سے نکلی ہی تھی کہ وہی درویش عورت اپنی چھڑی سنبھالے اسکے
سامنے آئی تھی۔

زروا اسے پہچان چکی تھی اسی لیے فورن اسکی جانب بڑھی تھی، جبکہ عانیہ تو ڈر گئی تھی۔

میں وہ، زروا اس سے شاید کچھ کہنا چاہتی تھی۔

پریشان مت ہو نہی، جو مصیبت ہے وہ ٹل جائیگی، بس تو صبر کر، جو تیرا ہے وہ تیرا ہی
رہیگا، یہ جو تیرا صبر ہے نا، اس کا بہت بڑا اجر تیرا منتظر ہے، وہ جو آسمانوں پر رب ہے نا وہ
سب دیکھ رہا ہے، وہ اپنے اسی پراسرار سے انداز میں بول رہی تھی۔

زرّوا خاموشی سے اسکی بات سن رہی تھی۔

زرّوا چلو، عانیہ نے اسکا بازو کھینچا تھا۔

رنگوں کی ملکہ تو بھی بڑی نرالی ہے، قسمت تیری بھی کھلنے والی ہے، وہ عانیہ کی طرف
دیکھتے ہوئے بولی تو عانیہ حیران ہوئی تھی۔

کک کیا مطلب آپکا؟ عانیہ نے سوال کیا تھا۔

تو رنگوں سے کھلتی ہے نا؟ اس عورت کا مطلب شاید عانیہ کی پیننگز تھا۔

عانیہ کا سر خود بخوابات میں ہلا تھا۔

عورت مسکرائی تھی۔

تم دونوں ہی ایک مٹی سے بنی ہو، نیک سیرت، خوب سیرت دل بھی نرم ہے دونوں کا، پر
قسمت بھی کیا خوب شے ہے؟

تو آسانی سے پالگی وہ عانیہ سے بولی تھیں۔

لیکن اسے سہنا ہوگا، وہ زروا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

زروا شکد ہوئی تھی۔

لیکن مجھے کیا سہنا ہوگا؟ زروا نے سوال داغا تھا۔

یہ تجھے وقت سمجھا دیگا، مگر وہ جو دو مغرور شہزادے ہیں، انہیں کہنا بہت جلد عشق کی مار پڑنے والی ہے، سنبھل جاؤ ورنہ بکھر جاؤ گے، وہ کہتی ہوئی کوئی نعت پڑھتی وہاں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

جبکہ عانیہ اور زروا دونوں ہی اس کی باتوں میں الجھ گئی تھیں۔

اسی وقت انکے سامنے ایک گاڑی آکر کی تھی۔

آجاؤ عانیہ زروا، میں ڈراپ کر دیتا ہوں، ضروریز نے ونڈو گلاس نیچے کرتے ہوئے انہیں، آواز دی تھی۔

عانیہ اور زروا جو کہ ڈرائور کا انتظار کر رہی تھیں، اسے دیکھ کر فورن اسکی کار میں بیٹھ گئی تھیں۔

عانیہ آگے بیٹھی تھی جبکہ زروا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

ضویر نے مر میں سے ایک نظر اس پر ڈالی تھی اور کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

یونیورسٹی سے نکلتے زائر نے ایک نفرت بھری نگاہ دور جاتی گاڑی پر ڈالی تھی۔

وہ اس وقت اپنے آرٹ روم میں موجود تھی، اور اپنی سب سے بہترین مگر ادھوری پینٹنگ کا جائزہ لے رہی تھی۔

اسکی نظریں پینٹنگ پر ہی جمعی تھیں، اور وہ خود جیسے کسی گرمی سوچ میں گم تھی۔

وہ دوپہر کے واقع کے بارے میں سوچ رہی تھی، اور سوچ سوچ کے اسکا دماغ شل ہو رہا تھا۔

زندگی چار سال بعد پھر سے اسی مقام پر آکھڑی ہوئی تھی۔

اوپر سے اس درویش نما عورت کی باتوں نے اسے مزید ڈسٹرب کر دیا تھا۔

اسی لیے وہ اپنا دھیان بٹانے یہاں آئی تھی، اسکا دل جب بھی پریشان ہوتا تھا وہ یہیں آکر وقت گزارتی تھی۔

اسی وقت عانیہ کا موبائل بجاتا تھا۔

صائم کالنگ دیکھ کر اس کے چہرے پر خوبصورت سی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی اس نے
فورن کال رسیو کر لی تھی۔

وہ اپنی دھن میں کاریڈور سے گزر رہی تھی جب سامنے سے آتے شخص سے اسکا زبردست
قسم کا تصادم ہوا تھا۔

اسکا سیاہ چادر نما ڈوپٹہ سر سے ڈھلک سی گئی تھی۔

جبکہ اسکے ہاتھ میں موجود ٹرے جس میں جوس کا گلاس تھا، زمین بوس ہوئیں تھیں۔

آہ، درد کی وجہ سے زروا اپنا سر تھام کر رہ گئی تھی۔

جب کہ سامنے موجود شخص کے چہرے پر اسے دیکھ کر نفرت آمیز تاثرات ادا آئے تھے،
وجہ شاید دوپہر والا وہ منظر تھا۔

زروا ایک ہاتھ سے اپنا سر تھامے دوسرے ہاتھ سے ٹرے اٹھانے کے لیے جھکی تھی۔

ابھی وہ ٹرے اٹھا کر سنبھلی ہی تھی کہ "زائر" کی پاٹ دار آواز اسکے کانوں میں گونجی
تھی۔

آریو بلائڈ؟ دیکھ کر نہیں چل سکتی؟ یا مجھے دیکھ کر حوش کھو بیٹھی تھیں اسلیے جان بوجھ
کر مجھ سے ٹکرا گئیں تاکہ میں ایک نظر تو کم از کم تم پر ڈال دوں؟ وہ سینے پر ہاتھ باندھے

کھڑا انتہائی سرد انداز میں بولتا اسکی زات کی دھجیاں بکھیر گیا تھا، اسکے لہجے میں اڑھوں سی پھنکار تھی۔

وہ شاید نہیں یقیناً یہ سمجھ رہا تھا کہ زروا جان بوجھ کر اس سے ٹکرائی تھی۔

زروا اب کھڑی ہو کر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی، کیا تھا یہ شخص؟ پل میں تولہ پل میں ماشہ، وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔

مارے اہانت کے اسکی سفید رنگت تمنا اٹھی تھی، آنسو آنکھوں سے چھلکنے کو بے تاب تھے۔

لسن مسٹر خان زبان سنبھال کر بات

کیجئے، مجھے کوئی شوق نہیں آپ سے ٹکرانے کا، آپ ہوتے کون ہیں میرے بارے میں ایسی فضول گوئی کرنے والے؟ پہلے اپنے گریبان میں تو جھانک لیں، اینڈ بی ان یور

لیمیٹ، زروا نے غصے سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بدلہ لیا تھا اور وہاں سے جانے کو پٹی تھی۔

اسی وقت خان نے اسکا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔

زروا جو کہ اس افتاد کے لیے تیار نا تھی، ایک جھٹکے سے اسکے چوڑے سینے سے آگئی تھی۔

یہ کیا بد تمیزی ہے خان پلیز چھوڑیں مجھے، زروا نے خود کو اسکی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر کہاں وہ باڈی بلڈر، مضبوط جسم کا مالک زائر خان اور کہاں نازک سی زروا، وہ اس مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، اسلیے ناکام رہی تھی۔

آپ انتہائی گھٹیا انسان ہیں، زروا چلائی تھی۔

اسٹاپ اٹ، میرے سامنے زیادہ نیک بننے کی ضرورت نہیں، میں تمہاری فطرت اچھے سے جانتا ہوں، اسلیے اپنا یہ نیک بی بی والا پوز تم میرے سامنے تو مت ہی شو کرو، اور میرا ٹیسٹ اتنا بھی نہیں گرا کہ میں تمہارے ساتھ، آئی من جسٹ لک لیٹ یو؟ میں تمہارے ساتھ کچھ کرونگا؟ یہ سوچ بھی کیسے لیا تم نے؟

وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں گرائے انتہائی ہتک آمیز انداز میں پوچھ رہا تھا۔

اسکا یہ لہجہ زروا کے تن بدن میں آگ لگا گیا تھا، اسکے اس قدر سخت اور نفرت بھرے لفظوں سے زروا کا ننھا سادل توٹ سا گیا تھا۔

آپکو کوئی حق-----

ابھی وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ خان نے اسکے نازک سے ہونٹ پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ کر اسے بولے سے باز رکھا تھا۔

ششش خاموش! خان گھمبیر لہجے میں بولا تھا، لسن ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی مس زروا خان آفریدی۔

ایک دم ہی زروا کی ہیزل گرین آنکھیں پانی سے لبالب بھر گئی تھیں، وہ اس بے ہودہ اور بدتمیز شخص کی اس قدر قربت اور اسکے لمس سے شرم سے ڈوب مرنے کو تھی۔

سنو آج کے بعد مجھ سے اس ٹون میں بات کرنے سے پہلے ہزار بار تو ضرور سوچنا ورنہ وہ حال کرونگا کہ زندگی بھر یاد کروگی، شاہانہ انداز میں حکم دیا گیا تھا۔

تحکمانہ سا انداز لیے وہ اسے کوئی جابر حکمران ہی لگا تھا۔

خان نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا
چلا گیا تھا۔

جبکہ زروا روتی ہوئی اپنے روم کی طرف بھاگی تھی۔

"اک شہزادی کو عشق ہوا تھا"

"ہاں اک پتھر دل شہزادے سے"

پلوشہ بیگم جب روم میں آئیں تو سفیر خان کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

کیا ہوا خان آپ پریشان لگ رہے ہیں؟ انہوں نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

اوں ہوں، نہیں کچھ نہیں بس زروا گریا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

انکے لہجے میں بھتیجی کے لیے بے پناہ پیار تھا۔

زروا کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں؟ کچھ بتائیے بھی، پلوشہ بیگم نے اسرار کیا تھا۔

آج صبح زائر آیا تھا میرے پاس اسٹڈی میں، انہوں نے پلوشہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے بات شروع کی تھی۔

پھر؟ پلوشہ بیگم نے انکی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

جواباً سفیر خان نے انہیں، پوری بات بتادی تھی۔

پوری بات جاننے کے بعد پلوشہ بیگم سرپکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

اب کیا ہوگا سفیر؟ آپ نے کچھ سوچا ہے؟ پلوشہ بیگم کو اندازہ نہ تھا اس روز کے زائر کیا کرنے والا ہے اسی لیے وہ اب یہ بات سن کر شکد تھیں۔

سوچتا ہوں کچھ، ناجانے اب یہ نالائق کیا کرنے والا ہے، پہلے جب اس سے کہا تھا شادی کا ناجانے تب کہاں سویا ہوا تھا تمہارا لاڈلا، سفیر خان جل کر بولے تھے۔

انہیں، زائر کی ضدی طبیعت پر غصہ آتا تھا۔

وہ آپ کا بھی بیٹا ہے اور معاف کیجئے گا ضد میں تو آپ پر ہی گیا ہے، پلوشہ بیگم آہستہ سے بولی تھیں۔

سفیر خان نے انہیں گھورا تھا۔

میں سچ کہہ رہی ہوں، وہ جو بولتا ہے وہی کرتا ہے، اسلیے پلیز آپ جلد ہی کوئی فیصلہ لیجئے،
پلوشہ بیگم نے نرمی سے کہا تو سفیر خان بھی انکی بات سے متفق ہوئے تھے۔

تم پریشان مت ہو میں کرتا ہوں کچھ، لیکن تم اس الو کے پیٹھے سے کہنا کوئی بھی الٹی
سیدھی حرکت کی تو ہم سے برا کوئی ناہوگا، آخری بات سفیر خان غصے سے بولے تھے۔

آپ دونوں باپ بیٹے ایک جیسے ہیں، پلوشہ بیگم سوچتی ہوئی سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔

زروا پلیزیار چل لو، تم ہونگی تو لالہ کو اچھا فیل ہوگا، صائم کب سے زروا کو ساتھ چلنے کے
لیے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

تمہارے لالہ کو مجھ سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ وہ تو مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں سنا
تم نے؟ اب جاؤ پلیز صائم مجھے کہیں نہیں جانا، فار گاڈ سیک مجھے پریشان مت کرو، زروا
کچھ اس انداز سے بولی تھی کہ صائم مزید اسرار نا کر سکا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے میں چلتا ہوں پھر، تم اپنا خیال رکھنا، وہ مسکرا کر کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

زروا اپنی بکس میں گم ہو گئی تھی۔

وہ ابھی فریش ہو کر ہی بیٹھا تھا کہ اسکے نمبر پر مانی کی کال آئی تھی۔

ضویر نے تویلے سے بال خشک کرتے ہوئے کال رسیو کی تھی۔

وہ زائر خان جیتنے کے لیے بے ایمانی کروا رہا ہے ضریرز، مانی نے اسے بتایا تھا۔

واٹ نانسینس؟ ضریرز غصے سے چلایا تھا۔

میں سچ بول رہا ہوں یار تم جانتے ہو نا تم میرے سب سے بہترین دوست ہو، میں ہمیشہ تمہارا اچھا ہی چاہتا ہوں، میری بات پر یقین نہیں تو ابھی تم گراؤنڈ آجاؤ میں پروف کر سکتا ہوں، مانی نے آواز میں چاشنی سموئے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

اوکے کمنگ، ضریرز کو ناجانے کیوں اس بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

وہ بالوں کو ر ف سے انداز میں سیٹ کرتا، اپنی بانگ کی کیز اٹھا کر باہر کی جانب بڑھا تھا۔

اسکا دل بار بار گواہی دے رہا تھا، زائر خان چیڑ نہیں ہو سکتا۔

کیوں نہیں کر سکتا وہ ایسا؟ وہ مجھے ہرانے کے لیے ہر حد سے گزر سکتا ہے، اسکے دماغ نے دل کی نفی کی تھی۔

اس نے بانک کا رخ گراؤنڈ کی طرف موڑا تھا۔

وہ اپنی بانک کی جانب بڑھ رہا تھا جب ایک آدمی اسکی جانب آیا تھا۔

ایسکیوز می سر آپ زائر خان ہیں؟ اس آدمی نے اس سے پوچھا تھا۔

لیس بٹ ہو آریو؟ لینڈ تم اندر کیسے آئے؟ سیکیورٹی، زائر نے اس سے کہتے ہوئے ہی گارڈز کو آواز دی تھی۔

سس سوری سر بٹ میں تو صرف آپکا یہ پارسل دینے آیا تھا، گیٹ پر کوئی نہیں تھا اسلیے مجھے ایسے ہی آنا پڑا، اس آدمی نے جلدی سے وضاحت دی تھی۔

زائر نے اسکے ہاتھ میں موجود پارسل کی طرف دیکھا تھا۔

لیجئے سر، اس نے پارسل زائر کی جانب بڑھایا تھا۔

اوکے فائن، زائر نے کہہ کر کچھ سوچتے ہوئے پارسل اس سے لیا تھا۔

وہ اسے پارسل دے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

زائر نے پارسل بانک پر رکھ کر جیکٹ کی جیب سے موبائل نکالا تھا۔

ہیلو، ابھی ایک آدمی میرے گھر سے نکلا ہے، اس پر نظر رکھو، کوئی بھی گرہڑ نظر آئے، اٹھا لینا اسے، باقی میں خود دیکھ لوں گا، اوکے

زائر نے کال کٹ کر کے موبائل پوکٹ میں ڈالا تھا۔

اسکی چھٹی حس اسے بار بار بی الرٹ کا سائن دے رہی تھی۔

زائر نے وہ پارسل بانک پر رکھا تھا اور کچھ سوچتے ہوئے ایک بانک اسٹارٹ کی تھی۔

اسے پاکستان آئے 1 مہینہ ہو گیا تھا، پوشہ بیگم کی طبیعت بھی اب پہلے سے بہتر تھی۔

سب ہی اس سے اچھے سے پیش آتے تھے لیکن زائر کسی سے زیادہ بات نا کرتا تھا۔

زروا خان سے تو وہ کلام کرنا بھی پسند نا کرتا تھا۔

جبکہ ضوریز نے خان پیلیس آنا ہی چھوڑ دیا تھا اسی لیے اسکا اور زائر کا سامنہ ہی نہیں ہوتا تھا۔

وہ اس وقت آنکھیں مونے سوائنگ پول کے قریب چیئر پر بیٹھا تھا۔

صائم کہاں ہو تم؟ دیکھو میں تمہیں مارونگی اگر تم نے اس بار کوئی الٹی حرکت کی۔

اوہ تو تم یہاں بیٹھے ہو، وہ بولتی ہوئی اسکے سامنے آئی تھی۔

زائر نے ایک دم سے آنکھیں کھولی تھیں۔

وائیٹ کلر کی فل سلیوز لانگ شرٹ اور وائیٹ ہی کلر کے ٹراؤزر میں وائیٹ اور نیوی بلو ڈوپٹہ اچھے سے خود پر لپٹائے کمر پر ہاتھ رکھے وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔

آپ، مم میں سمجھی صائم، زروا اسے سامنے دیکھ گھبرا گئی تھی۔

زائر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

زروا نے بے ساختہ دو قدم پیچھے لیے تھے۔

میں چلتی ہوں، وہ پلٹ کے جانے لگی تھی کہ اچانک زائر نے اسکی نازک کلائی پکڑ کر
اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

زروا کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا، وہ پچھلے 1 مہینے سے جس شخص کا سامنہ کرنے سے
کتر رہی تھی آج اچانک خود ہی بے دھیانی میں یوں اسکے سامنے آگئی تھی۔

خان مم مجھے پچھو، زروا مری مری سی آواز میں بولی تھی۔

زائر کی قربت پر زروا کی جان نکلنے کو تھی، وہ مسلسل اسکی گرفت سے نکلنے کی کوشش
کر رہی تھی۔

زائر اپنی نیلی سمندر سی گہری آنکھیں اس پر جمائے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

لوگوں سے سنا تھا خوبصورت لوگ بے فا ہوتے ہیں مگر تمہیں دیکھ کے مجھے احساس ہوا ہے، لوگ واقع ہی سچ کہتے ہیں، برف سے سرد لہجے، میں اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولتا وہ زروا کو دھکے دینے کے سے انداز میں ایک سائیڈ کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

زروا سن سی اسکے لفظوں پر غور کرتی رہ گئی تھی۔

"ہاں میں نے کیا ہے، پیارا اک ستمگر سے"

"مگر یہ خطا بھی کارِ ثواب جیسی ہے"

اسکا اندازہ بالکل سہی تھا، اس پارسل میں ایک زہریلی گیس تھی۔

جو کہ پارسل کھوٹے ہی زائر کی جان لے لیتی، مگر وہ کہتے ہیں نا جسے اسرار کے اسے کون
حکھے۔

وہی مثال آج اس پر صادق آئی تھی۔

وہ پارسل لے کر سیدھا اپنے کسی جاننے والے فورینسک ایکسپٹ کے پاس آیا تھا۔

جس نے 10 منٹس میں ہی چیک کر کے بتادیا تھا، کہ زائر کی سوچ سچ تھی۔

یہ پارسل باکس اسکی جان لینے کے لیے ہی بھیجا گیا تھا۔

زائر نے فلحال اس بات کو ایک سائیڈ رکھ کر بانک گراؤنڈ کی طرف موڑی تھی ساتھ ہی

ساتھ اس آدمی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو ہدایات دینا نا بھولا تھا۔

زیڈ۔ کے زیڈ۔ زیڈ۔ کے، وہ جب گراؤنڈ میں پہنچے تو وہاں ہر طرف ایک ہی نعرہ تھا۔

زائر اور ضوریز ایک ساتھ ہی گراؤنڈ پہنچے تھے۔

زائر مغرورانہ چال چلتا سب کو ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کا اشارہ کرتا بوکسنگ
رنگ میں اترا تھا۔

وہیں ضوریز بھی ایک شان سے چلتا ہوا اسکے عین سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

آج کی فائٹ تو زیڈ۔ کے ہی جیتیگا ایک آواز زائر خان کے کان میں گونجی تھی۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ لڑکا بھیڑ میں گم ہو چکا تھا۔

زائر خان آج تم نے یہ جو بکسنگ کا فیصلہ کیا ہے نا، یہ فیصلہ تمہیں بہت مہنگا پڑنے والا ہے، تمہیں ہرا کر آج ضوریز تمہارا غرور توڑیگا، ضوریز خان نفرت سے بولا تھا۔

اسکی بات پر زائر مڑا تھا اور صرف مسکرایا تھا۔

اسکی یہ مسکراہٹ ضوریز کا دل جلا گئی تھی۔

ہنس لو خان ہنس لو، بعد میں تو تمہیں رونا ہی رونا ہے، ضوریز نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

یہ تو وقت ہی بتائیگا، میں اس بار نہیں ہارونگا ضوریز، اسکا اندازہ تمہیں کچھ ہی پلوں میں
ہوجائیگا، زائر سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

آل دا بیسٹ بروز، صائم نے جوش سے کہتے انہیں ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے لک و ش کیا
تھا۔

آل دا بیسٹ ضوریز خان، اینڈ زائر خان مشعال سنجیدہ اور بے تاثر سے لہجے میں بولی تھی۔

زائر اور ضوریز نے صرف سر کے اشارے سے انکی وشنز کا جواب دیا تھا۔

اسی وقت مقابلہ شروع ہونے کے لیے بیل بھی تھی۔

زائر اور ضوریز نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر اپنے پنچنگ گلوڑ والے ہاتھ کا ہلکا سا پنچ تالی
کے انداز میں مارتے ہوئے فائیٹ اسٹارٹ کی تھی۔

سودا گیم از بیگن ڈیئر کزن، بٹ لوڈے آئی ایم ناٹ ودیو، (تو کھیل شروع پیارے کزن
لیکن میں آج تمہارے ساتھ نہیں ہوں) ضریر طنہ انداز میں بول کر ہنستا ہوا زائر کی طرف
بڑھا تھا۔

تھینک گاڈ تم میرے ساتھ نہیں میرے سامنے ہو، یقین کرو بہت مزہ آئیگا تمہیں ہرانے
میں، زائر نے اسکی طرف دیکھ کر کہتے ہی ایک پیچ ضریر کے منہ پر مارا تھا۔

ضریر لڑکھڑایا تھا مگر جلد ہی سنبھل کر جوابی کاروائی کے لیے زائر کی جانب آیا تھا۔

ضریر نے دونوں ہاتھوں کا مکا بنایا تھا اور اچانک سے زائر کے دائیں جبڑے پر پیچ مارا تھا۔

اسکے اچانک پڑنے والے پیچ سے زائر رنگ کی رسیوں پر جا کر گرا تھا۔

کہا تھا نا بہت مہنگا پڑیگا تمہیں آج یہ بوکسنگ میچ، تم لوزر تھے اور رہو گے، 4 سال پہلے کی طرح آج بھی ضوریز خان ہی جیتیگا، ضوریز نفرت بھرے انداز میں کہتا ہوا اس کے قریب آیا تھا اور اسے اپنی اور کھینچتے ہوئے ایک ساتھ کافی سارے کلمے زائر کے چہرے پر رسید کیے تھے۔

اسکی بات سن کر زائر ڈھیلا پڑا تھا۔

مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی خان، ناجانے کیوں یہ آواز ایک بار پھر سے اسکے کانوں میں گونجی تھی۔

زائر جو کہ ایک دم سے سست سا ہو گیا تھا اس نے ضوریز پر جوابی کاروائی نہیں کی تھی، وقت جیسے 4 سال پیچھے چلا گیا تھا۔

ضوریز پے درپے اس پر وار کر رہا تھا، زائر ایک بار پھر سے ہارنے کو تھا۔

زائر خان ہمیں تم سے اس گھٹیا حرکت کی امید نا تھی، ایک بے اعتباری میں ڈوبی آواز زائر کے دل و دماغ میں گونجی تھی۔

نو، میں نے کچھ نہیں کیا، اس نے آواز کی نفی کی تھی۔

تم میں بالکل بھی کانفیڈنٹ نہیں ورنہ 4 سال پہلے تم اپنے حق میں بوٹے ناکہ ملک چھوڑ کر جاتے، ایک اور طنزیہ آواز نے جیسے اسکا مزاق اڑایا تھا۔

ماحول میں سناتا سا چھا گیا تھا سب ہی سانس روکے یہ خطرناک لڑائی دیکھ رہے تھے۔

مشعال میسہ کے ساتھ کھڑی تھی جبکہ ایک ساتھ کھڑے صائم اور عانیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

زائر خان تم لوزر ہو اور تم مجھ سے کبھی نہیں جیت سکتے، دوسروں کی کی گئی ووٹنگ پر ایک الیکشن جیتنے سے تم چیمپئن نہیں بن گئے، ضرور اسکے پیٹ میں پنچ مارتا ہوا بولا تھا۔

اس قدر زور سے پڑنے والے پنچ پر زائر دور جا کر گرا تھا۔

یہ زائر لالہ کو کیا ہوا ہے صائم، یہ فائیٹ بیک کیوں نہیں کر رہے، اس طرح تو لالہ انکا برا حال کر دینگے، ضرور لالہ گولڈ میڈلسٹ ہیں، مجھے ڈر لگ رہا ہے صائم پلیز کچھ کیجئے میں اپنے دونوں لالہ کو یوں دشمن بنے نہیں دیکھ سکتی۔

عانیہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں صائم سے کہا تھا۔

سوچ تو میں بھی یہی رہا ہوں یار، مگر میں کروں تو کروں کیا، یہ ہماری نہیں سنیں گے
کیونکہ یو نو یہ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں، صائم بھی فن میں کی جانے والی
فائیٹ کو سیریش ہوتا دیکھ پریشان ہو گیا تھا۔

اسی وقت ضریر نے زائر کو زوردار پنج رسید کیا تھا، زائر لڑکھڑاتا ہوا دور جا کر گرا تھا۔

خون کی ایک لکیر اسکے ہونٹوں سے ہوتی سینے پر آئی تھی۔

اففف، یا اللہ اس بار کچھ برانا ہوا، عانیہ نے زائر کو بے سدھ ہوتے دیکھ دہل کر دعا کی
تھی۔

اسی کے ساتھ 3 تک کاؤٹنگ کے بعد پہلا راؤنڈ ختم ہوا تھا۔

ضریر فتح مند سارنگ میں کھڑا اپنے سپورٹرز سے داد وصول کر رہا تھا۔

نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے تو ناجانے کیوں خود بخود آنسو اسکی آنکھ سے بہنے لگے تھے۔

زروا کا دل ایک انجانے خوف سے دھڑکا تھا۔

یا اللہ میں نہیں جانتی آج کیا ہونے والا ہے مگر تو تو جانتا ہے نا؟ تجھے تو میرے دل کا حال بھی معلوم ہے نا؟ اے مالک آج کچھ غلط نا ہونے دیو، میں شاید ماضی میں بہت بڑی غلطی کر بیٹھی ہوں، شاید میں جلدبازی میں ان کے ساتھ نا انصافی کر گئی جب ہی وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں مگر تو جانتا ہے نا میں نے صرف سچ کا ساتھ دیا تھا میری ان سے کوئی دشمنی نہیں تھی، لیکن جو ہوا میں اسے بدل نہیں سکتی، میرے لیے میرے دونوں دوست برابر ہیں، مگر میری آج دل سے دعا ہے، اے خداوند عالم اے پاک پروردگار تو

ان دونوں کے بیچ موجود نفرت کا نام و نشان مٹا دے، ورنہ ناجانے انکی اس جنگ میں کیا کیا نا برباد ہو جائیگا، زروا نے آج سالوں بعد اپنے پارٹرنرز کے پھر سے مل جانے کے لیے دل سے دعا کی تھی۔

زروا دعا مانگ کے فارغ ہوئی تھی کہ اسکا موبائل بجاتا تھا۔

اس نے ناچاہتے ہوئے بھی کال رسیو کی تھی۔

زروا خدا کے واسطے یہاں آجاؤ ورنہ آج ایک بار پھر سے بہت کچھ غلط ہو جائیگا، صائم کی پریشانی میں ڈوبی آواز زروا کو بھی پریشانی میں مبتلا کر گئی تھی۔

کیا ہوا ہے صائم پلیز مجھے صحیح سے بتاؤ، زروا نے کپکپاتے ہونٹوں سے بامشکل یہ جملے ادا کیے تھے۔

ضوریز لالہ زائر لالہ کو بری طرح مار رہے ہیں جبکہ زائر لالہ بالکل بھی فائیٹ بیک نہیں کر رہے، ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ جیتنا ہی نہیں چاہتے، جبکہ ضوریز لالہ بھی مبھول گئے ہیں کہ سامنے انکا جگر ہے، یہ لڑائی سیرئیس ہوتی جارہی ہے زروا اب تم ہی اسے روک سکتی ہو پلیز زروا یہاں آجاؤ جلدی، صائم جلدی جلدی بولا تھا۔

زروا نے اسے جواب دیے بنا موبائل ایک جانب اچھالا تھا اور اپنی شال لے کر بھاگنے کے انداز میں روم سے نکلی تھی۔

یہ رات 10 بجے کا وقت تھا وہ بنا کسی کو بتائے پورچ میں آئی تھی۔

ڈرائور، ڈرائور، زروا نے چلا کر آواز دی تو نیند میں جھومتا ہوا ڈرائور فورن سامنے آیا تھا۔

جج چھوٹی بی بی، اس نے زروا کو غصے میں دیکھ جلدی سے کہا تھا۔

یونی کے پاس والے گراؤنڈ چلو فاسٹ، زروا بولے ہی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

ڈرائور نے فورن ہی گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

دوسرے راؤنڈ کے شروع ہونے میں 15 منٹس تھے۔

صائم جب وہاں آیا زائر ایک سائیڈ بیٹھا تھا۔

لالہ آپ ٹھیک ہیں؟ صائم نے رنگ کے قریب آتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

زائر سر جھکائے بیٹھا تھا اس نے کوئی جواب نا دیا تھا۔

اسی وقت سیکنڈ رائنڈ کی بیل بجی تھی۔

زائر اٹھ کر آگے کی جانب بڑھا تھا۔

ضوریز، ضوریز، ہر طرف بس یہی آوازیں گونج رہی تھیں۔

ابھی بھی تمہیں لگتا ہے تم جیت جاؤ گے؟ ضوریز نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے زائر سے پوچھا تھا۔

زائر خاموش تھا۔

زروا بار بار رسٹ واچ ٹائم دیکھ رہی تھی۔

اسے گھر سے نکلے 10 منٹس ہو چکے تھے۔

کتنی دیر میں پہنچیں گے ہم؟ اس نے تیسری بار ڈرائور سے پوچھا تھا۔

بی بی جی اس روڈ پر بہت رش ہے، کچھ خانہ بدوشوں کا قافلہ جا رہا ہے، یہ لوگ گاتے بجاتے چلتے ہیں، انہیں دوسروں کا خیال تو ہوتا نہیں بس پوری سڑک پر قبضہ کر لیتے ہیں، ابھی بھی آپ دیکھیں اس ٹرک میں سے کتنے لوگ اترے ہیں، اب دھمال کے انداز میں رقص کر رہے ہیں دیکھیے، ڈرائور نے ایک جانب اشارہ کیا تو زروا نے اسی سمت نگاہ دوڑائی تھی۔

افسوس یہاں تو بہت رش ہے، ایسے تو بہت وقت برباد ہو جائیگا، یا اللہ میں کیسے وہاں تک پہنچوں گی اب؟ پتہ نہیں کیا ہو رہا ہوگا وہاں، زروا نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

سنو یہاں سے کتنی دور ہے گراؤنڈ؟ زروا نے ڈرائور سے پوچھا تھا۔

بس 20 منٹس کا راستہ ہے چھوٹی بی بی، ڈرائور نے مؤدب سے جواب دیا تھا۔

اوکے تھینکس میں یہاں سے پیدل چلی جاؤنگی، کچھ سوچ کر وہ فیصلہ لیا تھا جو وہ عام حالات میں بالکل نالیتی۔

مم مگر بی بی جی آپ اکیلی کیسے جائیگی، ڈرائور نے اسے روکا تھا۔

میں نے کہا نا میں چلی جاؤنگی اب نکلو تم یہاں سے اور اپنا منہ بند رکھنا، وہ اپنی عادت کے برخلاف کافی غصے سے بولتی گاڑی سے اتری تھی۔

جی بی بی جی، ڈائور اسکے اترتے ہی واپس مرگیا تھا۔

زروا اپنی چادر سنبھالتی آگے بڑھی تھی۔

اسے یہ راستہ یاد تھا اسی لیے مطمئن سے قدم اٹھاتی وہ چلتی جا رہی تھی۔

اس نے رش میں سے تیزی سے آگے نکلنے کا سوچا تھا کیونکہ وہ سب خانہ بدوش اور ملنگ ٹائپ لوگ ایک ہی جگہ رش کیے کھڑے تھے۔

ان میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے۔

یہ محبت بھی اک عبادت ہے
اور یہ عبادت بھی اک محبت ہے

ایک عورت پرسوز آواز میں گنگنائی ہوئی زروا کے قریب آئی تھی۔

زروا ایک دم ڈر کے پیچھے ہٹی تھی۔

اب اس عورت نے آگے بڑھ کر زروا کے دونوں ہاتھ تھامے تھے۔

پپ پلیز ہٹے، اس نے اس عورت کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

آہ اوہ

آہ اوہ

آہ اہ

اسکے ساتھ مرداب جھومتے ہوئے ڈھول بجا رہے تھے۔

زروا نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔

یہ بھی دیوانگی ہے

وہ بھی دیوانگی ہے

یہ بھی دل کی لگی ہے

وہ بھی دل کی لگی ہے

مجھ کو کیا ہو گیا ہے

سب کو حیرانگی ہے

ایک دراز قد مرد جو کے ہرے رنگ کے چوغے میں تھا اسکا حلیہ کسی ملنگ جیسا ہی تھا،
گنگناتا ہوا جھوم رہا تھا۔

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

وہی عورت جس نے زروا کے ہاتے پکڑے تھے اب رقص کرتی ہوئی گنگنا رہی تھی۔

اس کی آواز میں عجیب سا جادو تھا اسکے ساتھی ملگن سے اسے سن رہے تھے جبکہ زروا کو
اس ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی۔

دیکھیے میں میں آپ کو نہیں جانتی پلیز مجھے جانیں دیں، زروا یہاں وہاں گھومتی چلائی تھی
مگر شور کے باعث اسکی آواز دب گئی تھی۔

نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

اب اسی عورت کی ساتھی لڑکیاں اور عورتیں زروا کے اگر گول دائرے کی شکل میں
گھومتی ہوئی رقص کر رہی تھیں۔

یا اللہ یہ میں کہاں پھنس گئی، زروا انہیں دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

میرے خان کی حفاظت کرنا، اس کے دل سے وہ دعا نکلی تھی، جو اسکے دل کی آواز تھی
مگر وہ خود اس سے بے خبر تھی۔

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

لیکن ہو گیا یار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

زروا نے چونک کر ارد گرد نگاہ دوڑائی تو وہ سب اب بھی رقص میں مصروف تھے۔

نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

لیکن ہو گیا یار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

زروا کو یہ بول اپنے دل کی آواز گے تھے، آنسو اسکی آنکھ سے جاری ہوئے تھے۔

مجھے وہاں پہنچنا ہی ہوگا ورنہ میرے خان بار جائینگے، وہ بہت ضدی ہیں، وہ دیوانی سی ہوتی آگے بڑھی تھی۔

ایک لڑکی جو کہ زروا ہی کی ہم عمر تھی نے اچانک زروا کا ہاتھ تھام کر اسے گھومادیا تھا۔

سامنے میرے آگ کا دریا

ڈوب کے جانا ہے اس پار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

چپ ہو جائے آپ سب خدا کے واسطے مجھے جانے دیں، زروا پوری قوت سے چلائی تھی۔

ماحول میں سنٹا چھایا تھا۔

اسی وقت ایک بزرگ عورت اپنی چڑھی ٹک ٹک کرتی اسکے سامنے آئی تھی۔

آپ؟ زروا اسے پہچان گئی تھی۔

تو تجھے پیار ہو گیا نا اس سے؟

درویش نما عورت نے پوچھا تھا۔

ارے نہیں، پیار تو تجھے اس سے ہی تھا بس تیرے سمجھ آج آئیگا، جانچی جا وہ تیرا انتظار
کر رہا ہے اس سے پہلے کے وہ ہار جائے جا اسے جیت کی نوید دے، جا خانزادی جا، اس
نے اپنے اسی پراسرار انداز میں کہتے ہوئے زروا کو راستہ دیکھایا تھا۔

زروا دیوانی سی ہوتی اسی طرف بھاگی تھی۔

زمانہ دلوں کو نہیں جانتا ہے

زمانے کو یہ دل نہیں مانتا ہے

نہیں ہے کوئی اور فقط عشق ہے وہ

جو عاشق کی نظروں کو پہچانتا ہے

اب وقت فیصلے کا

نزدیک آگیا ہے

کیا فیصلہ کروں میں

دل نے تو یہ کہا ہے

دل دل، دل نے تو یہ

کہا ہے، دل دل دل

جینے کا ہے شوق تو

مرنے کو ہو جاتیار

ہو گیا ہے تجھے پیار

ہو گیا ہے تجھے پیار

دور تک بھی یہ آوازیں اس دیوانی کا بچھا کر رہی تھیں۔

زروا کافی آگے پہنچ چکی تھی اسے اب گراؤنڈ میں جلتی لائٹس نظر آنے لگی تھیں۔

اسکے قدم اٹھنے سے انکاری تھے مگر وہ وہ ہمت کرتی آگے بڑھی تھی۔

ضروریز نے زائر سے جیسے سارے بدلے ایک ساتھ لینے کا سوچ لیا تھا۔

جبکہ زائر ناجانے کیوں اس سے مار کھا رہا تھا۔

تو کیا زائر جیتنا ہی نہیں چاہتا تھا؟ کیا اس کا ماضی ایک بار پھر سے اسکی جیت کے

درمیان اکھڑا ہوا تھا؟

زائر خان، آج تمہاری موت شاید میرے ہاتھوں طے ہے، ضوریز نے کہتے ہوئے زور سے زائر کو پیچ مارا تھا۔

لالہ، صائم چلایا تھا۔

زائر نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے ضوریز کا ہاتھ پکڑا تھا۔

مگر ضوریز نے کسی ماہر بوکسر کی طرح اسکی کوشش ناکام کی تھی۔

نتیجاً زائر بری طرح اچھل کر رینگ کی رسیوں سے ٹکرایا تھا۔

اسی وقت زروا پیدل چلنے بلکہ بھاگ کر آنے کی وجہ سے بے حال ہوتی ہوئی گراؤنڈ میں انٹر ہوئی تھی۔

سامنے کا منظر دیکھ کر اس نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

زائر خونم خون ہوتا ضوریز کی گرفت میں تھا۔

ضوریز نے زائر کے سر پر اپنا سر مارا تھا زائر لڑکھڑاتا ہوا رنگ میں ہی گر گیا تھا

"خان" زروا چلائی تھی۔

وہ پاکستان آ تو گیا تھا مگر وہ اب زیادہ تر خاموش ہی رہتا تھا۔

ایک پلوشہ بیگم ہی تھیں جن سے زائر خان ٹھیک سے بات کرتا تھا اور انکا کہا زائر کے لیے حکم کے برابر ہوتا تھا۔

پلوشہ بیگم کے بعد جو ہستی زائر کے لیے قابلِ احترام تھی وہ سماہر بیگم تھیں۔

زائر کے لیے، آج بھی وہ بہت اہم تھیں۔

مگر وہ اب تک انکے گھر نہیں گیا تھا۔

اس نے سوات یونی میں آتے ہی بہت جلد اپنا مقام بنالیا تھا۔

اساتذہ اسکے شاندار تعلیمی ریکارڈ سے بے حد متاثر تھے جبکہ زائر نے اپنا وہ ریکارڈ یہاں بھی برقرار رکھا تھا۔

ایسا کوئی سوال نا تھا جس کا جواب زائر خان کے پاس نا ہوتا، وہ ان چھ مہینوں میں ہی یونیورسٹی کے بہترین اسٹوڈنٹس میں سے ایک مانا جانے لگا تھا۔

مگر وہ یہاں بھی اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔

اس نے لندن میں پورے 3 سال اور 4 مہینے گزارے تھے۔

زائر خان کو آج پاکستان واپس آئے 6 ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔

وقت کا کام تھا گزرنا سو گزر گیا مگر گزرا ہوا وقت بہت کچھ اپنے ساتھ بہا لے گیا تھا۔

مگر اس وقت نے زائر خان آفریدی کو بہت کچھ سیکھا دیا تھا۔

اب زائر خان کو کسی کی ضرورت نا تھی وہ جیسے اکیلے جینا سیکھ گیا تھا۔

یہ اوائل نومبر کے دن تھے جب وہ حسب معمول خان ہاؤس میں بنے جم میں موجود تھا۔

وہ اس وقت ماضی کو یاد کرتے ہوئے جنونی انداز میں پنچنگ بیگ پر کلمے چلا رہا تھا۔

جب صائم اسے بلانے آیا تھا اور اس نے اسے بے حد اکھڑ انداز اور کافی درشت لہجے میں اسے وہاں سے جانے کا کہا تھا۔

وہ اپنا سامنہ لے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

جبکہ زائر کے جنون میں کوئی کمی نا آسکی تھی۔

زروا کی آواز پر سب ہی نے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

جبکہ زائر اسی وقت بے سدھ پڑا تھا اور راؤنڈ ختم ہونے کے لیے کاؤنٹنگ شروع ہونے والی تھی، اگر زائر 3 گننے تک نا اٹھتا تو میچ ویلے ہی ضرور جیت گیا تھا۔

اتنے سارے اسٹوڈنٹس اور راگیئر بھی اب تو وہاں جمع ہو چکے تھے لیکن پورے گراؤنڈ میں سناتا سا چھایا ہوا تھا سب ہی فیصلے کے انتظار میں تھے۔

صائم اور عانیہ نے بھی زروا کو دیکھ لیا تھا، مگر وہ بھیڑ کی وجہ سے اس کے پاس نہیں جاسکتے تھے۔

ایک۔

میری پارٹنر میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیگی، ہے نا زروا؟ ایک آواز زروا کے کانوں میں گونجی تھی۔

ہاں پارٹنر، چاہے کچھ بھی ہو جائے پورا زمانہ میرے خان کے خلاف ہو میں پھر بھی تمہارے ساتھ رہونگی، یہ زروا کی اپنی آواز تھی۔

تمہارے سارے وعدے جھوٹے تھے زروا، جبکہ زائر بے قصور تھا، ارے وہ تو اتنا اعلیٰ ظرف ہے کہ کچھ نا کرنے کے باوجود وہ تو اپنی سزا بھی پوری کر آیا مگر تم اتنی بے حس ہو کے اب بھی تمہارا دل موم نہیں ہو رہا، اسکے ضمیر نے اسے ملامت کیا تھا۔

نن نہیں ہوں میں بے حس، وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

سب اس ہیزل گرین آنکھوں والی حسین مگر بے حال سی ہوتی لڑکی کو دیکھ رہے تھے،
ضوریز بھی اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

زروا ڈبڈباتی آنکھوں سے نڈھال پڑے زائر

کو دیکھ رہی تھی۔



اردو میٹریل
”کلاسیک اردو میٹریل“
خان اٹھو۔

خان تمہیں فائیٹ کرنی ہوگا اٹھو خان؟

زروا رنگ کے قریب پہنچ کر ہزنیانی انداز میں چلا رہی تھی۔

خان میں تمہیں ہارتا ہوا نہیں دیکھ سکتی میرے لیے اٹھ جاؤ خان، زروا جی جان سے چلائی
تمھی۔

زائر نے مندی مندی آنکھیں کھولی تمہیں۔

زروا اسکے سامنے کھڑی تھی۔

میری زروا، اسکے منہ سے بے آوازیہ لفظ ادا ہوئے تھے۔

خان تمہیں فائیٹ ہی نہیں کرنی بلکہ آج تمہیں جیتنا ہوگا، زروا چیختی تھی۔

زائر کے بے جان ہوتے وجود میں جیسے پھرتی آگئی تھی۔

ضوریز غصے سے زروا کو دیکھ رہا تھا۔

یہ نہیں اٹھیکا زروا تم جاؤ یہاں سے، وہ چلایا تھا۔

چپ رہو تم، زروا غرائی تھی۔

ضوریز پھر کچھ نا بولا تھا۔

خان اٹھو پلین ٹائم ختم ہونے والا ہے خان، زروا نم آنکھوں سے زائر کو دیکھ کر چلانے کے انداز میں بولی تھی۔

زروا رو رہی تھی، وہ شاید اسے اس حال میں نہیں دیکھ پارہی تھی۔

نہیں میری زروا نہیں روئگی، میں اسے دکھی نہیں دیکھ سکتا، یہ زائر کے دل کی آواز تھی۔

یہی وہ لمحہ تھا جو امر ہونا تھا۔

زائر ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔

زروا کی جان میں جان آئی تھی۔

جبکہ ہر طرف ہلچل سی مچ گئی تھی۔

ضوریز طنزیہ انداز میں مسکرایا تھا۔

تمہیں لگتا ہے اب بھی تم جیت جاؤ گے؟ اس نے زائر کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

زائر بنا اسے جواب دیے سرخ ہوتی آنکھوں، اور بے پناہ غصے میں اسکی جانب بڑھا تھا۔

اسے اب ہر حال میں جیتنا تھا۔

اس نے ایک نیچے دیکھتے ہوئے ایک زوردار پنج ضویرز کے پیٹ میں مارا تھا۔

ضویرز لڑکھڑاتا ہوا دور جا کر گرا تھا۔

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

لیکن ہو گیا یار

وہ قافلہ شاید اب گراؤنڈ کے پاس ہی تھا اسی لیے یہ خوبصورت بول اب وہاں گونج رہے تھے۔

اب جو ہو جائے، زائر خان کو کوئی نہیں ہراسکتا سنا تم نے؟ زائر ضرور سے پوچھتے ہوئے
حلق کے بل غرایا تھا۔

ہو گیا ہے ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے ہے مجھے پیار

ابھی گیم باقی ہے، بوٹے ہوئے ضریر سنبھل کر اٹھا تھا۔

زائر نے اسے ایک جھٹکے سے کھینچا تھا اور پے در پے پنچر اسکے منہ پر مارے تھے۔

بٹ یور گیم از اور، زائر نے اسکے سر سے انتہائی جنونی انداز میں اپنا سر ٹکرایا تھا۔

لالہ، عانیہ چلائی تھی۔

ضریر کا سر گھوم گیا تھا جبکہ زائر وہیں جم کے کھڑا تھا۔

زیڈ۔ کے زیڈ۔ کے زیڈ۔ کے

اب سب کے منہ پر ہی زیڈ- کے کانعرہ تھا۔

"زیڈ- کے یعنی زائر خان"

ضوریز اب پوری طرح زائر کی گرفت میں تھا۔

خان تمہیں جیتنا ہوگا، زروا کی آواز زائر کے دل و دماغ میں گونج رہی تھی۔

زائر نے اسے زور سے کک ماری تھی، وہ اسی وقت زنگ میں گرا تھا۔

اسکے ناٹھنے پر راؤنڈ ختم ہونے کی بیل ہوئی تھی۔

زائر وہیں بیٹھتا چلا گیا تھا۔

زرا دور کر رنگ کے قریب گئی تھی جبکہ مشعال بھی دوڑی تھی۔

عانیہ اور صائم کافی دور تھے اس کی وہاں نہیں آسکتے تھے۔

عانیہ کافی اداس سی کھڑی تھی اداس تو صائم بھی تھا مگر وہ دونوں ہی انکے لیے برابر تھے
انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا آخر کس کا ساتھ دیں۔

ضوریز اٹھو، مشعال آنکھوں میں آنسو لیے رنگ کے باہر کھڑی تھی۔

ضوریز نے چکراتے سر کو تھامتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

کک کوئی پانی لاؤ، اسے آنکھیں کھولے دیکھ، مشعال چیخی تھی۔

پلیز تم یہ میچ یہیں چھوڑ دو، ورنہ زائر تمہیں نہیں چھوڑیگا پلیز ضروریز پیچھے ہٹ جاؤ میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی، وہ روتی ہوئی بول رہی تھی۔

مجھے اتنا بزدل سمجھا ہے تم نے، نہیں مشعال میں آخر تک لڑونگا، ضروریز سہارا لے کر اٹھتا ہوا آہستہ سے بولا تھا۔

مگر، مشعال نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

مگر وگر کچھ نہیں، ضروریز بنا اسکی جانب دیکھے جاچکا تھا۔

مشعال نم آنکھیں لے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اسی وقت آخری راؤنڈ شروع ہوا تھا۔

زیڈ۔ کے زیڈ۔ کے زیڈ۔ کے

پورے گراؤنڈ میں ایک ہی نعرہ گونج رہا تھا۔

زائر اپنی مخصوص مغرورانہ چال چلتا اب ضوریز کے سامنے آکر رکا تھا۔

ضوریز آنکھوں میں نفرت لے اسے دیکھ رہا تھا۔

سوری جگر، پر آج میں تمہیں نہیں جیتنے دے سکتا، زائر طنزیہ ہنستا ہوا بولا تھا۔

ضوریز نے سیدھے ہاتھ سے ایک زوردار پنچ زائر کو رسید کرنا چاہا تھا جسے زائر نے پھرتی سے روک کر اسکا وار ناکام کیا تھا۔

نو کزن نو، اب بازی صرف میری ہے، زائر نے اسکا رخ سامنے کرتے ہوئے اسے گلے میں ہاتھ ڈال کر پکڑا ہوا تھا۔

زائر خان میں تمہیں نہیں چھوڑونگا، ضوریز غصے سے چلایا تھا۔

پہلے پکڑ تو لو، زائر دل جلانے والے انداز میں بولتا ہنسا تھا۔

جبکہ زروا یہ سب نا دیکھ سکی تھی اسی لیے کافی دیر پہلے ہی رخ موڑ کر دور جاکھڑی ہوئی تھی۔

زائر نے اسے تھامے ہوئے ہی اسکے پیٹ میں کلے رسید کیے تھے، ضروریز ایک دم سے گرا
تھا۔

اسے گرتے دیکھ زروا بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔

اب کی بار ضروریز نقاہت کے مارے اٹھنا سکا تھا بس وہیں فیصلہ ہو گیا۔

دو رائنڈز لگاتار جیت کر زائر خان آفریدی آج کے اس میچ کے ونر بنے ہیں، اناؤسمینٹ پر
سب جھوم اٹھے تھے۔

رش کم ہو گیا تھا اسی لیے عانیہ دوڑتی ہوئی اپنے لالہ تک پہنچی تھی۔

زیڈ۔ کے کے سپورٹر پھر سے نعرے لگانے گئے تھے۔

جبکہ زائر بنا کسی کی طرف دیکھے وہاں سے نکلا تھا۔

اسکی نظریں زروا کو تلاش رہی تھیں۔

مگر وہ کہیں نا تھی شاید وہ واپس جا چکی تھی۔

کیا؟ نگین بیگم سن کھڑی مشعال کی بات سن رہی تھیں۔

ہاں وہ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے ہیں ماما، کبھی زائرِ ضوریز کو پیچھے
چھوڑنے کے چکر میں حد پار کر رہا ہوتا ہے تو کبھی ضوریز، یہ سب بھی شرط پر ہوا ہے۔

مشعال نے انہیں تفصیل بتائی تھی۔

یا اللہ یہ کیا کرتے پھر رہے ہیں دونوں بچے، انہیں جب زائر اور ضوریز کے میچ کا پتہ چلا تو
وہ پریشان سی سفیرخان اور پلوشہ بیگم کی طرف دوڑی تھیں۔

مگر وہ دونوں ہی وہاں نہ تھے۔

وہ پریشان سی کاریڈور میں ہی تھیں کہ انہیں پلوشہ بیگم آتی دیکھائی دی تھیں۔

کیا ہوا بھابھی بیگم؟ آپ پریشان لگ رہی ہیں؟ انہوں نے استفسار کیا تھا۔

ہاں نگین، فرقان لالہ کی طبیعت بہت خراب ہے، میں وہی سے آرہی ہوں، تمہارے لالہ
گئے ہیں ڈاکٹر کو بلانے، وہ پریشانی سے انہیں بتا رہی تھیں۔

نگین بیگم جس بات کے لیے آئی تھیں انہوں نے فلحال وہ انہیں نہیں بتائی تھی۔

تم جا کر لالہ کے پاس بیٹھو میں دیکھوں یہ صائم اور زائر کہاں رہ گئے، وہ بولی تو نگین بیگم
محض سہلا کر رہ گئی تھیں۔

سماہر بیگم پریشانی سے یہاں وہاں ٹھلتی ہوئی ضرور کا انتظار کر رہی تھیں۔

عانیہ نے شہروز خان کو فون کر کے مختصر لفظوں میں سب بتادیا تھا۔

شہروز خان قدرے غصے میں گھر سے نکلے تھے۔

آج تو وہ ضوریز کے ساتھ عانیہ سے بھی خفا تھے۔

مگر بیٹے کی تکلیف کا سن کر فلوقت وہ صرف اسکی فکر کرتے ہوئے اسے لینے گئے تھے۔

زائر کے علاوہ وہ سب اس وقت فرقان خان کے روم میں موجود تھے۔

کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر انکا چیک اپ کر کے گیا تھا، زیادہ اسٹریس لینے سے انکی طبیعت خراب ہوئی تھی۔

زروا انکے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔

لالہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں، فرقان خان نقاہت زدہ آواز میں سفیر خان سے بولے تھے۔

زروا چونکی تھی جبکہ پلوشہ بیگم نے سفیر خان کی جانب دیکھا تھا کہ شاید وہ اب فرقان خان سے زائر کے لیے بات کریں گے۔

مگر ایسا کچھ نا ہوا تھا۔

ہاں ضرور فرقان ہم کل ہی سماہر اور شہروز کو بلواتے ہیں اور خاندان کے دب بڑوں کو بھی گھر پر انوائیٹ کر کے ضروریز کو سب سے متعارف کروائیں گے، سفیر خان مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

نہیں لالہ، میری زندگی کا کچھ پتہ نہیں میں اب جلد سے جلد اپنی آنکھوں کے سامنے ہی
زروا کو رخصت کرنا چاہتا ہوں، وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے پھر بھی انکا سانس پھول رہا
تھا۔

باباجان، زروا تڑپ کر انکے سینے سے لگی تھی۔

میری گریبا، فرقان خان نے پیار سے اسکے گرد حصار باندھا تھا۔

زروا انکے سینے پر سر رکھ کر رو دی تھی۔

سفیر لالہ ہم ایسا کرتے ہیں کل ہی پھر ہم ضویز اور زروا کا نکاح کر دیتے ہیں؟ رخصتی
فرقان کے صحت یاب ہونے کے بعد کر دیں گے، مراد خان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا
تھا۔

فرقان خان نے اثبات میں سرہلایا تو سفیر خان نے بھی ہاں کر دی تھی۔

قدرت کے اس فیصلے پر آج زروا کا دل رو دیا تھا، جبکہ مشعال نے اپنی آنکھوں میں آتی نمی تیزی سے صاف کی تھی۔

تم نالائق ہو یہ تو ہمیں پہلے ہی پتہ تھا مگر تم اتنے اس قدر لاپرواہ بھی نکل سکتے ہو ہمیں اندازہ نہ تھا ضرور خان، یہ کیا حرکت کی ہے تم نے؟ کیا ضرورت تھی ہیرو بننے کی؟ اگر خدا نخواستہ اس لڑائی میں آپکو زیادہ لگ جاتی تو؟ شہروز خان اسے سر جھکائے دیکھ نرم پڑے تھے۔

نومورامو شنل ڈرامہ پلیز، میں ٹھیک ہوں ڈیڈ، ضرور خان بیزاگی سے بولا تھا۔

شہروز خان نے اسے گھورا تھا۔

وہ ہنوز اسی پوزیشن میں بیڈ پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ شہروز خان اور صائم کے ساتھ گھر آیا تھا۔

سماہر بیگم تو اسکی حالت دیکھ کر ہی دہل گئی تھیں۔

شہروز خان زبردستی اسکی بینچ کروا کر لائے تھے جبکہ صائم نے اسے اسکے روم تک چھوڑا تھا، وہ تب ہی سے ایسے بیٹھا تھا۔

عانہ اسکے پاس ہی بیٹھی تھی اور سماہر بیگم اسکے لیے ہلدی والا دودھ لینے گئی تھیں۔

یہ لو بیٹا یہ پی لو، تمہیں آرام ملیگا، سماہر بیگم ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے اسکے روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی تمہیں۔

ضوریز ٹس سے مس نا ہوا تھا۔

سماہر چھوڑو اسے اس کے حال پر اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے، شہروز خان پھر سے غصے میں آگئے تھے۔

ضوریز نے برا سا منہ بنا کر انکی جانب دیکھا تھا۔

یہ مار جو آج پڑی ہے نا، تمہیں اگر بچپن میں اسکا پوتھا حصہ بھی ملا ہوتا تو آج تم انسانوں والی حرکتیں کر رہے ہوتے، شہروز خان طنزیہ انداز میں بولے تھے۔

بابا پلیر، عانیہ نے مداخلت کی تھی۔

تم تو بات ہی مت کرو مجھ سے، آج تم نے بھی اپنے بے وقوف لالہ کا پورا پورا ساتھ دیا ہے، وہ عانیہ کو بھی ڈپٹے ہوئے بولے تھے۔

عانیہ فورن چپ ہوئی تھی۔

شہروز کیا کرتے ہیں، ابھی اسکی حالت تو دیکھ لیں، پھر بھی اسے سنار ہے ہیں، سماہر بیگم بھی لاڈلے کی حمایتی بنی تھیں۔

مجھے جو کہنا ہے کیسے مگر میری گریا کو کچھ مت بولیں ڈیڈ، ان سب میں اسکا کوئی قصور نہیں، ضرور سے بہن کا اترا ہوا چہرہ دیکھنا گیا تو بول پڑا تھا۔

تمہیں تو میں، شہروز خان کچھ بوٹے اس سے پہلے ہی موبائل کی ٹون نے انکی بات وہی روک دی تھی۔

وہ ضریرز کو آرام کرنے کا کہہ کر کال ریسو کرتے روم سے نکلے تھے جبکہ سماہر بیگم بھی انکے پیچھے ہی باہر نکلی تھیں۔

آپکو زیادہ درد ہو رہا ہے نا لالہ؟ انکے جانے کے بعد عانیہ نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

نہیں گریٹا، آپ کے لالہ کو ایسی چوٹوں کی عادت ہے، مگر، ضریرز کچھ کہتے کہتے رکا تھا۔

عانی، جاؤ تم جا کر آرام کرو میں اب بہتر ہوں، بس آرام کرونگا تو صبح تک ٹھیک ہو جاؤنگا، ضریرز نے عانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے لالہ میں چلتی ہوں مگر پلیز آپ یہ ہلدی والا ملک پی لیں، عانیہ نے گلاس اسکی طرف بڑھایا تو ضروریز نے مسکرا کر تھام لیا تھا۔

اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے عانیہ کو واپس دیا تو وہ مسکرا کر اسے گڈنائیٹ کہتی لائٹس آف کر کے وہاں سے چلی گئی تھی۔

یہ کیا بدتمیزی ہے خان؟ زروا جو ابھی ابھی اپنے روم آئی تھی سامنے بیڈ پر لیٹے زائر کو دیکھ کر غصے سے بولی تھی۔

کونسی بدتمیزی؟ وہ انجان بنا تھا۔

آپ کو تو چوٹ آئی تھی نا؟ آپ جا کر اپنے روم میں آرام کریں پلیز، زروا بنا اسکی جانب دیکھے اب فکر مندی سے بولی تھی۔

وہی کر رہا ہوں، اچھا یہاں تو آؤ، مجھے تم سے بات کرنی ہے، وہ دوستانہ انداز میں کہتا زروا کو کہیں سے بھی وہ اکھڑ مزاج اور بدتمیز سا زائر خان آفریدی نا لگا تھا جسے پچھلے 6 مہینے سے دیکھ رہی تھی۔

مجھے کچھ نہیں سننا، آپ میرے روم سے نکلیں ابھی کے ابھی، وہ قدرے تیز آواز میں بولی تھی۔

نہیں نکل رہا، کیا کر کوگی؟ وہ ایک جست میں بیڈ سے اترتا تھا اور زروا کے روبرو آیا تھا۔

زروا نے اب اسے غور سے دیکھا تھا۔

وہ بلو کلر کی شرٹ اور بلو ہی ٹراؤزر میں ملبوس تھا، اسکے خوبو چہرے پر تازہ چوٹ کے نشانات تھے، جب کے سر پر دائیں جانب بینڈیج لگی ہوئی تھی۔

اتنا بینڈسم لگ رہا ہوں؟ مجھے پتہ نہیں تھا سچی، وہ اسکی محویت پر چوٹ کر گیا تھا۔

نری خوش فہمی، وہ رخ موڑ گئی تھی۔

زائر چلتا ہوا اسکے قریب آیا تھا اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔

چھوڑیں مجھے، اسکی اس قدر سخت گرفت پر زروا کی آنکھ میں تکلیف سے آنسو آئے تھے۔

ششش، میں جو کہونگا اسے ایک بار میں اپنے دماغ میں فٹ کر لینا کیونکہ میں اپنی بات دہرانے کا عادی نہیں ہوں، انڈر سٹینڈ؟ وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

گڈ، زائر اسے نرمی سے آزاد کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔

سب سے پہلی بات کل تمہارا اور میرا نکاح ہو رہا ہے اسلیے آج سے ہی اپنا مائینڈ بنالو، وہ زروا کی طرف دیکھ کر کہتا زروا کو خوفزدہ کر گیا تھا۔

زروا کی آنکھوں میں حیرانگی کے ساتھ ساتھ ڈر بھی تھا۔

زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ کل سب کچھ ہمارے پیارے پیارے پیرینٹس کے ہی پلان کے مطابق ہو رہا ہے تمہیں بس اتنا کرنا ہے، کل جب میں سب کے سامنے تمہارے اور میرے نکاح کی بات رکھوں تو تمہیں فیصلہ میرے حق میں دینا ہے ورنہ مجھے

تم اچھے سے جانتی ہونا پارٹنر؟ وہ زروا کی حیرانگی بھری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے حاکمانہ انداز میں بول رہا تھا۔

مم مگر یہ غلط ہے، میرے باباجان نے میرے لیے جو فیصلہ کیا ہے میں اس سے نہیں مکر سکتی، زروا ہمت کر کے بول ہی پڑی تھی۔

تمہارے باباجان یعنی میرے پیارے چچاجان کو میں خود سنبھال لوں گا، تم صرف میری ہونے کی تیاری کرو، اور کل تمہارا جواب میرے لیے ہاں میں ہونا چاہیے، ورنہ مجھ سے برا کوئی نا ہوگا، اور جو میں کہتا ہوں وہی کرتا ہوں، تم مجھے اچھے سے جانتی ہو، زائر رعب سے بولتا زروا کی بولتی بند کروا گیا تھا۔

فلحال میں چلتا ہوں، اب تم سے تو میں تمہیں مسز زائر بنانے کے بعد ہی بات کروں گا، وہ دلکشی سے کہتا پلٹا تھا۔

زروا نے آنکھیں بند کر کے کھولی تھی۔

ایک بات اور، زائر جاتے جاتے مڑا تھا۔

آج میری پارٹنر بن کے آنے کے لیے تمھیںکس، اپنے اسی دلنشین انداز میں مسکرا کر کہتا
وہ پھر سے اسکے قریب آیا تھا۔

بلاشبہ وہ مسکراتا ہوا بے حد پیارا لگتا ہے، زروا کے دل نے گواہی دی تھی۔

آج شاید، انکشافات کی رات تھی، زروا نے نظریں چرائی تھیں۔

زائر نے دلچسپی سے اسکا یہ انداز دیکھا تھا۔

زائر دو قدم مزید آگے آیا تو زروا پیچھے ہٹی تھی۔

میں نے جو بھی کہا ہے، کل مجھے تمہیں دوبارہ اسے یاد کرانے کی ضرورت نا پڑے،
گڈنائیٹ، وہ سرد انداز میں بولتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

یا اللہ یہ کیا کہہ گئے ہیں؟ زروا عجیب سی کیفیت میں گھری صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

جب مُیَسَدَّر نہیں حَقِیقَت میں
سَر پہ میرے سَوَار سا کُیُوں ہے

عانہ کے جانے کے بعد سے وہ اضطراب کی کیفیت میں تھا۔

ایک جنون سا اسکے سر پر سوار تھا۔

سب کے سامنے وہ خاموش تھا مگر اب اکیلے میں جیسے جیسے اسے وہ سب یاد آرہا تھا اسکا غصہ بڑھتا جا رہا تھا اس سے اپنی بار برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

اسے اپنی بار سے زیادہ غصہ زائر کے جیت جانے پر تھا۔

تم نے آج میری جیت مجھ سے چھینی ہے زائر خان، تمہیں اسکا بدلہ چکانا ہوگا۔

ضوریز غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

اسے بار بار وہ منظر یاد آرہے تھے جب زورا زائر کو آواز دے رہی تھی۔

اس نے طیش میں آکر اپنا موبائل دیوار پر دے مارا تھا۔

ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا اور یہ صبح بہت سی زندگیاں بدلے آئی تھی۔

خان پبلیس میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی، ہر طرف زروا اور ضوریز کے نکاح کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

آج خان پبلیس میں ایک دعوت رکھی گئی تھی جس میں زروا اور ضوریز خان کا نکاح ہونا تھا۔

صبح ہی سے دوپہر کی دعوت کا اہتمام شروع ہو چکا تھا

اس دعوت میں خاندان کے سب ہی بڑے اور معززین لوگ ایک ساتھ جمع ہونے والے تھے۔

یہ صبح 10 بجے کا وقت تھا۔

سفیرخان ابھی ابھی باہر سے آئے تھے انکے ہاتھ میں کوئی شاپنگ بیگ تھا۔

مشعل بیٹا، بات سنیں، انہوں نے کچن سے نکلتی مشعل کو آواز دی تھی۔

جی تایا ابو؟ مشعل مؤدب سی انکے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

یہ آپکی بہن کی جیولری ہے، آپکی تائی جان نے ارجنٹ بنوائی ہے، جا کر اپنی تائی جان کو دے دیں، سفیرخان بیگ اسے دیتے ہوئے مسکرا کر بولے تھے۔

جی اچھا، مشعال سے صرف یہی بولا گیا تھا وہ بیگ ان سے لے کر بے دلی سے پلوشہ بیگم کے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اب آئیگا مزہ، زائر خان آج زروا پوری طرح سے میری ہو جائیگی، اور یہ ہوگا تم سے میری ہر شکست کا بدلہ، ضروریز کو جیسے ہی ارجنٹ نکاح کا پتہ چلا تھا وہ بے حد خوش تھا۔

وہ ابھی فریش ہو کر نیچے آیا ہی تھا کہ سماہر بیگم نے اسے آواز دی تھی۔

زرا یہاں آئیے یہ کچھ ڈریسز ہیں ضروریز بیٹا ان میں سے جو اچھی لگے بتادو ہمیں ابھی ہی زروا کے لیے بھیجنا ہے، سماہر بیگم مسکراتی ہوئی بولی تھیں۔

ضوریز جو باہر جانے کو قدم بڑھا رہا تھا انکی بات پر اٹے قدموں پلٹا تھا۔

مگر مجھے ان سب کا کیا پتہ؟ یہ تو آپ لیڈیز کے کام ہیں موم پلیز مجھے ان سے دور رکھیے،
وہ بیزاریت سے بولا تھا۔

بیٹا یہ تو رسم ہوتی ہے، ہمارے یہاں شادی کا جوڑا دولہا ہی لاتا ہے اپنی دلہن کے لیے،
مگر ہم تو پھر صرف تمہیں پسند کرنے کا کہہ رہے ہیں، وہ اسے سمجھاتی ہوئی پیار سے بولی
تھیں۔

اوہ تو یہ بات ہے؟ پھر تو میں خود ہی پسند کر کے لاؤنگا اپنی برائیڈ کا برائیڈل ڈریس، ضروریز
زروا کا تصور کرتا ہوا مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

واہ بھئی لالہ آپ تو بڑے ہی چالاک نکلے، میری بھابھی جان ابھی آئی بھی نہیں ہے اور ابھی سے ہی آپ تو دیوانے ہوئے جا رہے ہیں، عانیہ جو ابھی وہاں آئی تھی اس نے ضریرز کی بات سن لی تھی اسی لیے اسے چھیرتے ہوئے بولی تھی۔

خیر گریا ایسا کوئی بنا ہی نہیں ہے جو ضریرز خان کو دیوانہ بنادے، وہ اپنے مغرور سے لہجے میں بولا تھا۔

"اپنے غرور کے معیار بھی سے بلند ہوں میں"

"مجھے کسی کی کیا ضرورت _____ خود پسند ہوں میں"

لالہ میں کسی کی بات نہیں کر رہی میں زروا بھابھی کی بات کر رہی ہوں، عانیہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

تو تمہاری زروا بھابھی بھی اسی کیٹیگری میں ہیں، وہ اسکے بال بکھیرتا ہوا شرارتی انداز میں بولا
تمہا۔

ارے بھئی بچو بس کرو تم لوگ، اور ضروریز تم جاؤ بھی اگر تمہیں خود کچھ لینا ہے، ٹائم کیوں
برباد کر رہے ہو، اور عانیہ تم میرے ساتھ روم میں آؤ کچھ جیولری دیکھانی ہے تمہیں، زروا
کے لیے نکالی ہے میں نے، سماہر بیگم جاتے جاتے نے باری باری دونوں کو ڈانٹا تھا۔

عانیہ تو فورن انکے ساتھ چل دی تھی جبکہ ضروریز باہر چلا گیا تھا۔

لالہ آپ کو پتہ ہے آج زروا کا نکاح ہو رہا ہے آپ پھر بھی؟ صائم نے قصداً بات ادھوری
چھوڑی تھی۔

مجھے سب پتہ ہے تم فلحال میرا دماغ خراب کرنا بند کرو گے؟ وہ مسلسل آدھے گھنٹے سے اپنے سر پر سوار صائم کو گھورتے ہوئے بولا تھا۔

مگر آپ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹے میں اور وہاں زروا کا نکاح صائم کی بات پوری ہونے سے پہلے زائر نے کاٹ دی تھی۔

صائم تم اپنی فضول بکواس بند کرو گے یا میں تمہیں اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں؟ زائر جو کچھ صوفے پر بیٹھا لیپ ٹاپ میں جانے کیا سرچ کر رہا تھا، غصے سے بولا تھا۔

صائم خاموش ہو گیا تھا۔

زائر نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی جو شاید اس سے روٹھ گیا تھا۔

ادھر آؤ، زائر نے اسے آواز دی تھی مگر صائم وہیں جما کھڑا تھا۔

آئی سیڈ کم ہیئر مسٹر صائم خان آفریدی، اب کہ بار زائر غصے سے چلا کر بولا تھا۔

صائم منہ بناتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

جی بولیں، وہ بنا اسکی جانب دیکھے بولا تھا۔

اپنی شکل کے زاویے درست کرو پہلے، میں تمہارے یہ نخرے نہیں اٹھانے والا، زائر اکھر سے انداز میں بولا تھا۔

صائم نے تاسف سے اپنے ہینڈسم بھائی کو دیکھا تھا۔

کتنا بدل دیا تھا وقت نے اسے۔

اب بکو، تمہیں کونسا مسئلہ ہے؟ کیوں میرا وقت برباد کر رہے ہو؟ وہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔

لالہ میں جانتا ہوں آپ کے ساتھ جو ہوا وہ غلط تھا، زروا نے بھی جو کیا وہ اسکی نادانی تھی، 1 سولہ سال لڑکی سے آپ بڑوں والی عقلمندی کی توقع کیوں کر رہے تھے، اس نے اپنی عمر اور سوچ کے مطابق فیصلہ کر دیا تھا، ورنہ آپ جانتے ہیں نا زروا کے لیے آپ سے بڑھ کر کوئی نا تھا اور نا ہوگا، پھر بھی آپ خاموش ہیں؟ مگر میں چپ نہیں رہ سکتا، میں نے آپ کے ساتھ ہمیشہ زروا کو ہی سوچا ہے اب آج مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا اسلیے میں ایسے ری ایکٹ کر رہا ہوں، وہ آخری بات منہ لٹکائے بول رہا تھا۔

زائر نے تحمل سے اسکی بات سنی تھی اور جب بولا تو صائم کو حیران کر گیا تھا۔

سب سے پہلی بات، زروا تمہاری ہی بھابھی بنیگی بے، کیونکہ وہ صرف میری ہے، وہ بے نیازی سے بولا تھا۔

"تجھ کو تجھ سے تو میں جیت چکا ہوں کب کا"

"شاید آج مجھے لڑنا پڑے گا تقدیر کے ساتھ"

اب تم منہ ٹھیک کرو اپنا، وہ لا پرواہی سے بول کر رکا تھا جبکہ صائم کا چہرہ خوشی کے مارے کھل اٹھا تھا۔

مگر یہ کیسے ہوگا؟ سب مہمان آنے ہی والے ہونگے، ٹائم دیکھیں، صائم پھر سے متفکر ہوا تھا۔

تم یہ سب چھوڑو، یہ کوئی ٹینشن کی بات نہیں، آج فرقان چچا اور باباجان خود زروا کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیں گے، زائر کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

زائر کی بات پر صائم نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

حیران بعد میں ہونا پہلے میرا ایک کام کرو، وہ بول کر پھر سے خاموش ہوا تھا۔

مگر، اس نے پھر سے کچھ پوچھنا چاہا تھا کہ زائر کی گھوری نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا تھا۔

تم بس ایک کام کرو، کچھ دیر بعد ایک کوریئر آئیگا، جو میں نے تمہارے نام سے منگوا یا ہے، تمہیں وہ کوریئر اپنے نام سے ہی زرواتک پہنچانا ہے، یہ کہہ کر کے یہ ڈیس تم اسکے لیے لائے ہو، انڈر سٹینڈ؟ زائر نے بات مکمل کرنے کے بعد اس سے سوال کیا تھا۔

صائم نے اس بار صرف اچھے بچوں کی طرح اثبات میں سر ہلایا تھا۔

گڈ، اب جاؤ، زائر نے مسکراتے ہوئے کہا تو صائم بھی مسکرا دیا تھا۔

اوکے لالہ بیسٹ آف لک فار پور سیکریٹ مشن، وہ شرارتی انداز میں کہتا ہوا فورن وہاں سے
بھاگا تھا۔

ورنہ زائر کے ہاتھوں پھر سے اسکی عزت افزائی کی تھی۔

پرفیکٹ، 2 گھنٹے کی خواری کے بعد بالآخر ضوریز کو زروا کے شایانِ شان ڈریس پسند آ ہی گیا
تھا۔

کیا یار، اب یہی دن دیکھنا باقی تھے، واہ ضوریز خان تم لیڈیز شاپنگ کر رہے ہو، وہ اپنے آپ
سے کہتا مسکرایا تھا۔

اس نے ڈیس کے ساتھ میچنگ سینڈل اور جیولری بھی خرید لی تھی۔

3 گھنٹے میں اسکی شاپنگ مکمل ہو چکی تھی۔

اس نے وہیں سے گاڑی خان پیلیس کی جانب موڑی تھی۔

کچھ دیر پہلے ہی صائم زبردستی کرتے ہوئے ایک شاپنگ بیگ اسے دے کر گیا تھا۔

یہ کہتے ہوئے کے آج اسے یہی ڈیس پہننا ہے اور باقی سب کو وہ خود سمجھا لیگا، زروا جانتی تھی صائم کو وہ بہنوں کی طرح عزیز ہے اسی لیے اس نے دل سے اسکا یہ تحفہ قبول کر لیا تھا۔

زرّوا نے بیگ کھول کر دیکھا تو اس میں ایک بے حد خوبصورت گولڈن کلر کی میکسی تھی جس کے ساتھ ریڈ نیٹ کا ڈوپٹہ تھا۔

ساتھ ہی مچنگ جیولری بھی موجود تھی۔

زرّوا نے دل ہی دل میں صائم کی پسند کو سہایا تھا۔

"تم میری ہو" ایک گھمبیر آواز زرّوا کی سماعتوں میں گونجی تھی۔

اسکی مسکراہٹ پل بھر میں سمٹی تھی۔

پتہ نہیں خان کیا کرنے والے ہیں، مگر میں اپنے فیصلے سے ہرگز بھی پیچھے نہیں ہٹوں گی،
میں انکی زرخید نہیں ہوں جس پر وہ جب من چاہا حکم چلائیں، زروا نے غصے سے سوچا تھا۔

مگر وہ اپنی بات کے اتنے کپے ہیں کہ مجھے تو اب خوف آنے لگا ہے، یا اللہ آج جو بھی ہو
اچھا ہو، کچھ بھی برا مت ہونے دینا مالک، اس نے دل سے دعا کی تھی۔

اسکی لینڈکروز ایک جھٹکے سے خان پیلے کے گیٹ پر کی تھی۔

اسے دیکھ کر چوکیدار نے جھٹ سے گیٹ واہ کیا تھا۔

ضویرِ شان سے گاڑی اندر لے گیا تھا۔

وہ کار سے نکل رہا تھا جب اسکے موبائل پر سماہر بیگم کی کال آئی تھی۔

اس نے ایک ہاتھ سے شاپنگ بیگز پکڑے تھے جبکہ دوسرے ہاتھ سے موبائل پوکٹ سے نکال کر کال رسپو کی تھی۔

یس موم، اس نے کال رسپو کرتے ہی ہشاش بشاش لہجے میں کہا تھا۔

جی موم کے بچے کہاں ہو تم؟ کب سے میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں، سماہر بیگم غصے میں تھیں۔

موم میں بس وہ زروا کا ڈریس دینے، اس کی بات پوری ہونے سے پہلے سماہر بیگم نے کاٹ دی تھی۔

کیا؟ ضروریز ڈریس دے کر ابھی کے ابھی شرافت سے واپس آؤ، سماہر بیگم غصے سے بولی تھیں۔

بٹ وائی؟ اس نے سوال کیا تھا۔

وائی کے بچے، دولے ہو تم اور خود ہی اپنی دلہن کا ڈریس لے کر پہنچ گئے بے وقوف، انہوں نے اسے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی تھی۔

اوکے اوکے موم آئی ایم کسنگ، وہ جلدی جلدی بولا تھا اور کال کٹ کی تھی۔

کیا یار یہ کون سے رولز ہیں، وہ جھنجھلایا تھا۔

اسی وقت اسے وہاں صائم آتا دیکھائی دیا تھا۔

ارے یار یہ بیگز تم زروا کو دے دینا پلیز، موم نے بھیجے ہیں، وہ بنا سلام دعا عجلت میں بولا تھا۔

ٹھیک ہے لالہ میں دے دوںگا، صائم نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے بیگز لیے تھے۔

ضوریز بیگز اسے دے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

صائم پلٹا ہی تھا کہ چوکیدار تیزی سے اس کی جانب آیا تھا صائم کے ہاتھ سے بیگز نیچے گرے تھے۔

کیا ہو گیا بابا، اتنی جلدی میں کہاں جا رہے ہیں؟ صائم نے بوڑھے چوکیدار سے پوچھا تھا۔

سس ساری صائم بچے، ہم یہ دینے آیا تھا یہ مشعال بی بی نے منگوائے ہیں تھوڑا دیر
ہو گیا وہ ہم پر بہت غصہ کریگا بیٹا آپ یہ انکو دے دو آپکا مہربانی ہوگا، بوڑھا کریم بابا پھٹانی
لب و لہجے میں بولتا بیگز لینے جکھنے لگا تھا۔

ارے بابا آپ زحمت نا کریں پلیز میں اٹھا لونگا، صائم بوٹے ہوئے خود ہی بیگز اٹھانے جھک
گیا تھا۔

وہ سارے بیگز لے کر اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

خان پیلیس میں افراتفری کا سا عالم تھا، تقریباً سب ہی مہمان آپکے تھے۔

کچھ خاص خاص لوگوں کو ہی دعوت میں مدعو کیا گیا تھا، جن میں عورتیں اور مرد دونوں ہی
تھے۔

حال روم میں چیئرز اور ٹیبلز وغیرہ لگا کر حال کا سالک دے دیا گیا تھا۔

سفیر خان مراد خان اور فرقان خان اس وقت خاندان کے کچھ معزز بزرگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

سفیر خان آپ اپنے داماد کو تو بلائیں، انہیں بابا حضور سے نہیں ملوانا کیا، یہ سفیر خان کے تایازاد بھائی نے اپنے والد محترم کے حوالے سے کہا تھا۔

سفیر خان اچھے سے انکا مطلب سمجھ چکے تھے، انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ دولہا زائر نہیں ضرور ہے، جبکہ انکے تایا اس معاملے میں پرانے خیالات کے مالک تھے اگر انہیں حقیقت پتہ چل جاتی تو طوفان آجاتا۔

بس وہ لوگ آنے ہی والے ہیں، فرقان خان نے بات سنبھالی تھی۔

اسی وقت ضوریز خان، شہروز خان عانیہ اور سماہر بیگم کے ساتھ حال میں روم میں انٹر ہوا تھا۔

عانیہ اور سماہر بیگم تو صرف سب کو مشترکہ سلام کر کے لیڈیز والی سائیڈ یعنی لائونج میں چلی گئی تھیں۔

جبکہ ضوریز خان، شہروز خان کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

میرے تمام بڑوں کو ضوریز خان کی طرف سے اسلام و علیکم، اس نے بے حد ادب و احترام سے سب کو سلام کیا تھا۔

سب ہی نے اسکے سلام کا جواب دیا تھا۔

کاٹن کے وائیٹ شلوار قمیض پر بلیک کلر کا ویسٹ کوٹ پہنے، گولڈن براؤن بالوں کو
جیل سے سیٹ کیے، کرسٹائن کی خوشبوؤں میں رچا بسا، وہ آج اس ایسٹرن لک میں بھی
بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

یہ ہیں ہمارے، سفیرخان کی بات پوری بھی نا ہوئی تھی کہ حال روم میں ایک پراعتماد آواز
گو نجی تھی۔

میرے سب ہی پیارے بڑوں اور بزرگوں، زائر خان آفریدی، کی طرف سے آپ سب کی
خدمت میں سلام عرض ہے اور دل سے معازرت خواہ ہوں پیارے باباجان میں نے شاید
آپ کی بات کاٹ دی، مسکراتی ہوئی آنکھیں، پراعتماد لہجہ اور باادب سے انداز میں ہاتھ باندھے
کھڑا بلاشبہ وہ ضرور کو کمال کا اداکار لگ تھا۔

وہ سفیر خان کی طرف دیکھتا بظاہر تو شرمندہ ہونے کی کوشش کر رہا تھا مگر ضرور اچھے سے سمجھ گیا تھا یقیناً وہ اب یہاں بھی کوئی تماشہ کھڑا کرنے آیا ہے، جبکہ سفیر خان نے اسے نظروں ہی نظروں میں گھور کر باز رہنے کی وارننگ دی تھی۔

مگر وہ زائر خان آفریدی ہی کیا جو باز آجائے۔

بلیک کلر کے شلوار قمیض میں شانوں پر لائٹ براؤن شال ڈالے، مہوڑے بالوں کو ایک اسٹائل میں جیل سے سیٹ کیے، وہ اپنی ساحرانہ پرسنالٹی کے ساتھ وہاں سب سے نمایاں تھا۔

اس نے آج عرصے بعد شلوار قمیض پہنا تھا جو اس کے لمبی چوڑی جسامت پر بے حد بیچ رہا تھا۔

اس نے ایک ہاتھ میں قیمتی رسٹ واچ پہنی ہوئی تھی جبکہ دوسرے میں زیڈ۔ کے کا بریسلٹ تھا، بلاشبہ وہ ایک بے حد وجیہ مرد تھا۔

سب ہی نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا وہ سب ہی اس کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔

ارے بچے کوئی بات نہیں بیٹا، آپ کو تو معلوم بھی نہیں تھا میں کیا بات کرنے والا ہوں، سفیر خان نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

ضوریز کا دل چاہ رہا تھا اسے کہیں گم کر دے، مگر شہروز خان نے اسے غصے میں کوئی بھی الٹی سیدھی حرکت کرنے سختی سے منع کیا تھا۔

ارے سفیر صاحب یہ آپکا بڑا بیٹا ہے نا؟ ایک صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

جی خاور صاحب یہ میرا بڑا بیٹا ہے، سفیر خان نے زائر کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

جبکہ زائر حال کے وسط میں شانِ بے نیازی سے کھڑا تھا۔

ارے باباجان اس گھر کے داماد کا بھی تو تعارف کروائیے نا، اس نے دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے بظاہر خوش مزاجی سے کہا تھا۔

سفیر خان ٹھٹکے تھے، یعنی وہ اپنی بات پوری کرنے والا تھا، جبکہ ضوریز خان بھی تلملا سا گیا تھا۔

ہاں بھئی بلواؤ بھی فرقان اپنے داماد کو، انکے تایا شمرز خان بولے تھے۔

اب یہ بے وقوف کچھ بک نادے، سفیر خان نے زائر کی طرف دیکھ کر سوچا تھا۔

جبکہ زائر اب مسکراتا ہوا آگے آیا تھا۔

میں ہوں فرقان چچا کا ہونے والا داماد، پراعتماد اور سنجیدہ لہجے میں کہتا وہ محفل میں ہلچل سی مچا گیا تھا تو جسکا ڈر تھا وہی ہوا، سفیر خان دم بخود رہ گئے تھے۔

فرقان خان مراد خان کے ساتھ ساتھ ضوریز خان اور شہروز خان بھی شاکڈ ہوئے تھے۔

یہ کونسا ڈریس بھیج دیا ان لوگوں نے، مشعال نے اونلائن ڈریس اور جیولری منگوائی تھی۔

اسکا کوئی ارادہ نہ تھا اس نکاح میں شامل ہونے کا مگر وہ کسی کو اپنے ٹوٹے ہوئے دل کی
بھنک بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اسکے دل کا حال
جانیں اس سے ہمدردی کرے یا اس کی بے بسی کا مذاق اڑائے، اسی لیے اس نے خود
کو مضبوط کر لیا تھا وہ دل پر پتھر رکھ کر اس نکاح میں شرکت کرنے والی تھی۔

آج صبح ہی اس نے ارجنٹ ڈریس منگوا یا تھا، مگر غلطی سے اس ڈریس کی جگہ کوئی اور
ڈریس آگیا تھا۔

مشعال کو غصہ تو بہت آیا تھا مگر اس نے جب ڈریس دیکھا تو وہ کافی سے زیادہ خوبصورت
تھا۔

مشعال نے پھر وہی پہن لیا تھا۔

یہ ایک لائٹ ٹی پنک اور ڈل گولڈن کلر کی میکسی تھی جس کے ساتھ گولڈن کلر کا ہی نیٹ دوپٹہ تھا جس کی بارڈر پر ٹی پنک ویلوٹ لگی ہوئی تھی۔

ساتھ ہی میچنگ جیولری بھی تھی۔

لائٹ سے میک کے ساتھ وہی خوبصورت سی میکسی زیب تن کیے اور میچنگ جیولری پہنے مشعال بے حد حسین لگ رہی تھی۔

اپنے خوبصورت بالوں کو اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے آج دوپٹہ سلیقے سے سر پر سیٹ کیا تھا کیونکہ خاندان کے سب ہی بڑے آج اس دعوت میں موجود تھے۔

ایک ہاتھ سے میکسی سنبھالتی جبکہ دوسرے ہاتھ سے دوپٹہ سسی کرتی ابھی ہوئی سی
مشعال روم سے باہر نکلی تھی۔

کیا یہ سسی کہہ رہا ہے فرقان خان ہتایا شمرز خان نے ان سے پوچھا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتے ضروریز بھڑک اٹھا تھا۔

یہ بکواس کر رہا ہے، میں ہوں انکا ہونے والا داماد، ضروریز خان غصے سے بولتا آگے آیا تھا۔

یہ جھوٹ بول رہا ہے میں نہیں، آپ سب چاہیں تو باباجان یا چچاجان سے پوچھ لیں، زائر

خان مزے سے بولتا ضروریز خان کو آگ لگا گیا تھا۔

اسکی بات پر حال روم میں چہ لگوئیاں شروع ہو چکی تھیں سب ہی اس صورتحال پر حیران و پریشان تھے کہ آخر کون سچا تھا اور کون جھوٹا۔

یہ کیا مزاق لگا رکھا ہے تم لوگوں نے، تایا جان غصے سے کہتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

ارے آپ بیٹھے تایا جان میں آپکو سب سمجھاتا ہوں، مراد خان نے سچویشن سنبھالنی چاہی تھی۔

ارے چچا حضور آپ پریشان مت ہوں میں سب کو حقیقت بتاتا ہوں نا کے زروا میری منگ ہے، زائر بولتا ہوا اب شمرز خان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، پراعتقاد مگر بادب لہجے میں بولتا وہ شمرز خان کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔

ضوریز خان چاہ کر بھی اپنے بزرگوں کے سامنے زائر کو کچھ نہیں بول سکتا تھا اس طرح اسکی ہی پوزیشن خراب ہو جاتی اسی لیے وہ فلوقت خاموش تھا۔

میرے بیٹے کو مزاق کرنے کی عادت ہے تایا جان میں اسکی جانب سے معافی چاہتا ہوں، سفیر خان جلدی جلدی بولے تھے۔

نہیں سفیر تم چپ رہو، ہمیں اس بچے کی بات سننی ہے، اتنے سارے لوگوں کے بچ اپنے حق کے لیے بولتا زائر خان انہیں بے حد متاثر کر گیا تھا، انہیں اس کے انداز میں سچائی محسوس ہوئی تھی۔

بولو بچے کیا بولنا ہے تمہیں؟ شمرز خان انصاف پسند طبیعت کے مالک تھے، انہیں، زائر کا لہجہ سچا محسوس ہوا تو اس لیے انہوں نے اسے بولنے کا موقع دیا تھا۔

میں زائر خان آفریدی، زروا خان پر اپنی منگ ہونے کا دعوا کرتا ہوں، اور اس کی گواہی خود میرے دونوں چچا جان اور بابا جان دینگے، وہ بول کر رکا تھا اور جتنی ہوئی نگاہ سفیر خان پر ڈالی تھی۔

اسکی اس بات پر وہاں سننا چھا گیا تھا۔

کیا یہ لڑکا سچ کہہ رہا ہے فرقان خان؟ شہروز خان نے سب سے پہلے ان سے پوچھا تھا۔

فرقان خان کو خود زائر عزیز تھا مگر جو وہ کرچکا تھا اس کے بعد سے فرقان خان اس سے بے حد خفا تھے اور ہرگز بھی اپنی بیٹی کا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دینے کو راضی نہ تھے مگر وہ اسکی بات سے انکار بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ سچ بول رہا تھا۔

جی یہ سچ ہے، انہوں نے گویا وہاں موجود ہر شخص کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔

یعنی پھر یہ شہروز کا بیٹا جھوٹ بول رہا ہے؟ تایا شہروز کے بیٹے خاور خان نے آگ میں گھی ڈالا تھا۔

نہیں میرا بیٹا سچ بول رہا ہے، شہروز خان نے بیٹے کی حملیت کی تھی۔

یہ آخر ہو کیا رہا ہے؟ جب یہ دونوں ہی سچے ہیں تو جھوٹا کون ہے؟ ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا، شہروز خان غصے سے بولے تھے۔

دوسری طرف لاؤنج میں بھی ہلچل سی مچ گئی تھی سب ہی خواتین اس صورتحال سے پریشان تھیں۔

اسلام و علیکم، ساتھ ہی دیر سے آنے کے لیے معازرت، اور میں آپکو سچ بتاتا ہوں، بوٹے ہوئے صائم خان نے حال روم میں قدم رکھا تھا۔

سب ہی نے نووارد کی طرف دیکھا تھا۔

میں صائم خان آفریدی، زائر خان آفریدی کا چھوٹا بھائی ہوں، اس نے زائر کے ہی حوالے سے تعارف کرواتے ہوئے، سفیر خان کو غصہ ہی دلا دیا تھا۔

جبکہ زائر مسکرایا تھا۔

سچ کہا ہے تم ہی بتادو پھر، ایک بزرگ نے گویا اسے اجازت دی تھی۔

صائم نے انہیں مختصر لفظوں میں سب بتا دیا تھا۔

فرقان کے بیمار ہونے سے زائر کے انکار تک۔

سب ہی اسکی بات سن رہے تھے جبکہ زائر مطمئن کھڑا تھا۔

تو یہ تو تمہارے ہی بھائی کا قصور ہے برخوردار، وہی بزرگ اسکی مکمل بات سن کر بولے
تھے۔

ضوریز نے طنزیہ انداز میں زائر کی جانب دیکھا تھا۔

نہیں ایسا نہیں ہے، میں نہیں جانتا تھا کہ زروا میری منگ ہے، مگر جیسے ہی مجھے پتہ چلا
میں فورن واپس چلا آیا، کیونکہ آپ سب جانتے ہیں ہمارے خاندان میں منگ نکاح کے برابر
ہوتی ہے، مگر میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے لیکن میں اپنی منگ سے کسی حال
میں بھی دستبردار نہیں ہونے والا، کیونکہ وہ میری عزت ہے، اور میں اتنا بے غیرت ہرگز
بھی نہیں کہ اپنی عزت کے لیے بول ناسکوں، اور اسے کسی اور کے سپرد کردوں، باقی
میری غلطی کی آپ مجھے جو چاہے سزا دے سکتے ہیں لیکن میں مر کر بھی زروا خان کو

کسی اور کا نہیں ہونے دوںگا اسے اب آپ لوگ چاہیں جو بھی سمجھ لیں، ایک ایک لفظ پر زور دے کر پراعتماد و اٹل لہجے میں بولتا وہ سب کو حیران کر گیا تھا۔

اسکی بات سن کر شہروز خان بھی شکوہ رہ گئے تھے۔

کیا یہ سچ بول رہا ہے؟ انہوں نے اب کے سفیر خان مراد خان اور فرقان خان سے مشترکہ سوال پوچھا تھا۔

یہ سب بس ایسے، سفیر خان نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

ہم نے پوچھا یہ لڑکا سچ بول رہا ہے؟ انہوں نے اب شہروز خان کی طرف بھی دیکھا تھا۔

جی تایا جان یہ سچ بول رہا ہے، اسی وقت سماہر بیگم وہاں آئیں تھیں۔

ضوریز خان نے ایک شکوہ کناں نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

ہم یعنی شمرز خان آفریدی اس خاندان کے بڑے ہونے کے ناطے ابھی یہ حکم دیتے ہیں کہ اس بچی کا نکاح اسی کے ساتھ ہوگا، جہاں انکے اس حکم نے زائر خان کو پرسکون کر دیا تھا وہیں زوریز خان کا سکون برباد ہوا تھا۔

گولڈن کلر کی میکسی، جس کے ساتھ ریڈ کلر کا نیٹ کا دوپٹہ تھا، پہنے ساتھ ہی لائٹ سا میک اپ اور گولڈ کی جیولری پہنے زروا آج کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔

اس نے دوپٹے کو سلیقے سے سر پر سیٹ کیا تھا جبکہ سنہری بالوں کو اس نے فرنیچر بریڈ کی شکل دے کے شالڈر پر ڈالا ہوا تھا۔

وہ ہلکی سی تیاری میں ہی بے حد حسین لگ رہی تھی۔

وہ ابھی صائم کے لائے ہوئے سامان میں سے چوٹیاں پہن رہی تھی جب گھبرائی ہوئی سی عانیہ اسکے پاس آئی تھی۔

کیا ہوا عانیہ تم یوں بدحواس کیوں ہو؟ سب خیریت تو ہے نا؟ زروا نے اس سے پوچھا تھا۔

عانیہ نے مختصر لفظوں میں اسے سب بتایا تھا جسے سن کر زروا شکڈ رہ گئی تھی۔

اسی وقت پوشہ بیگم نلکین بیگم اور سماہر بیگم اسکے روم میں داخل ہوئی تھیں۔

بیٹا یہ لیجئے پلیز اسے اورٹھ کر جلدی سے بیڈ پر بیٹھیں نکاح خواہ آرہے ہیں، سماہر بیگم نے اسکے سر پر بھاری کام دار چادر ڈالی تھی اور اسے بیڈ پر بٹھایا تھا۔

جبکہ پلوشہ بیگم بھی اسکے بیڈ کے برابر ہی کھڑی تھیں۔

اسی وقت سفیر خان فرقان خان اور مراد خان روم میں نکاح خواہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔

زروا گم سم سی بیٹھی تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے۔

کچھ ہی دیر میں نکاح کی کاروائی شروع ہوئی تھی۔

زروا نے چپ چاپ نکاح نامے پر سائن کر دیے تھے، اعجاب و قبول کے مراحل کے بعد

مبارکباد کا شور اٹھا تھا جبکہ زروا حوش و حواس سے بیگانہ ہوئی تھی۔

مبارک ہو لالہ جان، شان سے سب کے بچ کھڑا وہ مبارکباد وصول کر رہا تھا جب صائم مسکراتا ہوا اس کے گلے لگا تھا۔

تھینکس آلاٹ لالہ کی جان، زائر خان خوش دلی سے اس سے بگلگیر ہوا تھا۔

وہ سب ہی اس وقت حال روم میں موجود تھے جبکہ غیض و غضب میں بھرا ضوریز خان، شہروز خان اور سماہر بیگم کے ساتھ گیسٹ روم میں تھا۔

مہمان خواتین لاؤنج میں تھیں جہاں لچ شروع ہو چکا تھا، پلو شہ بیگم عانیہ اور نگین بیگم اس وقت زروا کے ساتھ تھے جو شاید ٹینشن سے بے حوش ہو گئی تھی۔

بس کردو ضوریز یہ سب قسمت میں لکھا تھا، اسلام پاک کو یہی منظور تھا، جس میں ہم یا تم کچھ نہیں کر سکتے، شہروز خان نے اسے مسلسل یہاں سے وہاں گھومتے دیکھ اس بار غصے سے کہا تھا۔

میں جانتی ہوں جو ہوا اس سے تمہیں بہت دکھ پہنچا ہے مگر زروا زائر کی منگ تھی، اور جب وہ خود اسے اپنا نا چاہ رہا تھا تو تیا جان ہرگز بھی فیصلہ تمہارے حق میں نا کرتے تم زیادہ بحث کرتے تو گستاخی کے مرتب ٹھہرتے اسلیے مجھے وہاں آنا پڑا مگر مجھے معاف کردو میرے بچے میں تمہارے ساتھ نا انصافی کر گئی، سماہر بیگم روتے ہوئے بولی تمہیں اور اسکے آگے ہاتھ جوڑ گئی تمہیں۔

انہیں ہاتھ جوڑتے دیکھ ضرور گڑبڑا گیا تھا، اس نے آگے بڑھ کر تڑپ کر انکے ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے تھے۔

نہیں موم، خدا را مجھے گنہگار مت کریں میں اب اتنا برا بھی نہیں ہوں یار، وہ ماں کے آنسوؤں کے آگے کمزور پڑا تھا۔

تو پھر اپنی موم کی ایک خواہش پوری کردو ضوریز خان، تاکہ میں سب کے سامنے سر بلند کر کے کہہ سکوں تم میرے بیٹے ہی نہیں بلکہ میرا فخر ہو، سماہر بیگم اسکے مضبوط شانے سے لگی بول رہی تھیں۔

ضوریز نے ان سے الگ ہو کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا جبکہ شہروز خان بھی چونکے تھے۔

سماہر بیگم نے جواباً جو بات انکے سامنت رکھی اس پر شہروز خان نے سرپکڑا تھا جبکہ ضوریز پل بھر میں ہتھ سے اکھڑا تھا۔

موم یو آر جسٹ ٹو مج، وہ ناراضگی سے بولا تھا۔

جبکہ سماہر بیگم نے اس سے زیادہ ناراض لہجے میں جواب دیا تھا۔

ٹھیک ہے، تم میرے لیے جب اتنا بھی نہس کر سکتے تو میرا تم سے بحث کرنا فضول ہے،
آج کے بعد مجھ سے بات مت کرنا ضروریز، مرگئی تمہاری ماں تمہارے لیے، وہ جانے کو
مری تھیں۔

موم پلیز ڈونٹ ڈوز، ضروریز تلمایا تھا۔

آئی ول مائی سن، انہوں نے رخ موڑے جواب دیا تھا، شہروز خان اپنی بیگم کی اداکاری پر
عش عش کراٹھے تھے۔

افف یہ اچھی بلیک میلنگ ہے یار، ضروریز نے دل ہی دل میں بیزاگی سے سوچا تھا۔

شہروز میں زرا اوپر جا رہی ہوں زروا کو دیکھنے، آپ اس سے کہہ دیجئے گا کہ مجھ سے بات
کرنے کی کوشش نا کرے، وہ ناراضگی سے بولتی جانے کو آگے بڑھی تھیں۔

سن لیا بیٹا؟ شہروز خان ضوریز کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

یار بابا یہ آپکی وائف مجھے کہاں سے اٹھا کر لائی تھیں؟ اس نے عجیب سا سوال کیا تو شہروز خان کو لگا اسے واقع ہی صدمہ لگا ہے۔

ایسے مت دیکھیں مجھے کوئی صدمہ نہیں لگا آئی ایم آل رائٹ، میں صرف اسلیے پوچھ رہا ہوں کیونکہ یہ کبھی میری سائیڈ نہیں لیتیں ہمیشہ اپنے اس گھمنڈی بھتیجے کی طرف ہی بولتی ہیں، آج بھی انہوں نے وہی کیا، میرا سکون برباد کرتے ہوئے اسے خوشیوں کی نوید دے دی، بٹ میں اب زائر خان کی زندگی عذاب کردونگا، اس نے آخری بات دل میں کہی تھی۔

موم پلیز واپس آجائیں، آپ کمال کی اداکارہ ہیں اور میں واقع ہی بہت اموشنل ہو گیا ہوں، اسلیے پلیز اب مزید ڈرامہ بند کیجئے، وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا تھا۔

جبکہ اسکا یہ تپا ہوا سا انداز دیکھ کر شہروز خان نے اپنی ہنسی ضبط کی تھی۔

سماہر بیگم جو بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھیں اسکی بات سن کر فورن پلٹی تھیں۔

تو کیا تمہیں میری بات منظور ہے؟ اب وہ پرچوش سی اس سے پوچھ رہی تھیں۔

جی منظور ہے، اسکی بات نے سماہر بیگم کے چہرے پر خوشیاں بکھیر دی تھی۔

چلتے رہو میرے بچے، اسکا تمہیں ڈھیروں خوشیوں سے نوازے، وہ اسکا ماتھا چوم کر بولی تھیں۔

ارے شہروز پلینز آپ جلدی سے سب سے بات کیجئے نا، میں آج ہی یہ فریضہ انجام دینا چاہتی ہوں، سماہر بیگم تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو تھیں۔

واٹ؟ موم کیا ہو گیا ہے میں کوئی بھاگا تو نہیں جا رہا، ضرور سخت کوفت زدہ ہوا تھا جبکہ
دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

ارے ہاں سہی تو کہہ رہا ہے وہ، اتنی جلدی یہ سب کیسے ہوگا بیگم تم صبر تو کرو تھوڑا،
شہروز خان انکے خوشی سے کھلتے چہرے کو دیکھ کر ہنستے ہوئے بولے تھے۔

پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے شہروز میں اب اور صبر نہیں کر سکتی پلیز آپ جائے نا، مراد
لالہ بالکل منع نہیں کر سکے، باقی نگین بھابھی جان کو میں خود منالونگی، سماہر بیگم تو جیسے
سب طے کیے بیٹھی تھیں۔

شہروز خان کو اب مانتے ہی بنی تھی۔

وہ ضرور کو اشارہ کرتے ہوئے باہر کی جانب بڑھے تھے۔

جبکہ سماہر بیگم بھی سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئی تھیں۔

واٹ؟ ممالیز مجھے نہیں کرنی ان سے شاف؟ شادی، مشعال تنک کے بولی تھی۔

کیوں؟ آخر کیا برائی ہے ان میں؟ ضروریز ایک بہترین شخص ہیں اور سب سے بڑی بات وہ آپکے کزن اور بچپن کے دوست ہیں بیٹا، میں جانتی ہوں جو ہوا وہ کافی عجیب و غریب تھا مگر اس میں انکا تو کوئی قصور نہیں نا؟ جو ہونا تھا ہو چکا تو کیا اب وہ ساری زندگی شادی ہی نا کریں؟ جب کے سماہر نے کتنے مان سے ایک بار پھر سے اس گھر کی لڑکی کا ہاتھ مانگا ہے، اس بار انکار ہوا تو انہیں کتنا برا لگیگا، نگین بیگم نے اسے سمجھایا تھا۔

میں مانتی ہوں اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں، مگر پھوپو جان کو میں پہلے کیوں یاد نا آئی؟ جب انہوں نے زروا کے لیے بات کی؟ مشعال کہاں تھی اس وقت؟ کہیں بھی نہیں ماما، میں کسی کو نہیں دکھتی، وہ بوٹے ہوئے رو دی تھی۔

اسی وقت شرمندہ سی سماہر بیگم روم میں انٹر ہوئی تھیں، وہ سب سن چکی تھیں۔

مشعال میری بچی، تم اور زروا دونوں میرے لیے برابر ہو، انہوں نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا تھا۔

مشعال تم جانتی ہو نا تم سب ہی بچے میرے لیے بہت اہم ہو، مگر اس وقت فرقان لالہ کی طبیعت بہت خراب تھی اور زروا بھی یوں ریجیکٹ ہونے پر ٹوٹ سی گئی تھی ایسے میں ضروریز نے جو فیصلہ کیا مجھے وہی سی لگا اور میں نے اسی لیے اسکا ساتھ دے دیا مگر اسکا مطلب ہرگز بھی یہ نہیں کہ میرے لیے تم میں اور زروا میں کوئی فرق ہے، نہیں میری

جان، تم دونوں میری بچیاں ہو، اور میں نے آج پورے دل سے تمہارے لیے اپنے ضروریز کا رشتہ دیا ہے، اپنی پھوپھو کو خالی ہاتھ نا لوٹانا، سماہر بیگم اسے سینے سے لگائے بول رہی تھیں جبکہ انکا ہر لفظ مشعال کے دل میں اتر رہا تھا۔

میرا بیٹا تمہیں بہت خوش رکھیگا مشعال میں اس بات کی گارنٹی لیتی ہوں پلیز بچے اسے سنبھال لو وہ بظاہر بہت مضبوط بنتا ہے مگر آج وہ ٹوٹ گیا ہے، وہ اب آہستہ آہستہ بول رہی تھیں اور مشعال غور سے انکی باتیں سن رہی تھی۔

میں تمہارے جواب کی منتظر ہوں بیٹا، تمہارا ہر فیصلہ مجھے منظور ہوگا، وہ اسے خود سے الگ کرتی ہوئی مسکرا کر بولی تھیں۔

مشعال کو شرمندگی نے آن گھیرا تھا، وہ منہ پھٹ تھی لیکن بدتمیز نہیں، اسے اب اپنی باتوں پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔

نگین بیگم اس عرصے میں خاموش کھڑی تھیں۔

مجھے آپکا فیصلہ منظور ہے پھوپو، مشعال نم آنکھوں سے مسکرا کر کہتی ہوئی انہیں خوشی کا پروانہ تھما گئی تھی۔

سماہر بیگم نے فوراً اسے گلے سے لگایا تھا اور ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

مراد خان کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہ تھا اس لیے کچھ ہی دیر بعد مشعال اور ضوریز کے نکاح کی رسم ادا ہوئی تھی اور وہ مشعال خان سے مشعال ضوریز خان آفریدی، بن گئی تھی۔

سب ہی بڑے اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعائیں دے رہے تھے۔

تم نے مجھ سے نکاح تو کر لیا ضرور خان آفریدی مگر میں نے تمہاری زندگی جہنم نابنادی تو
کہنا، بہت شوق تھا نا تمہیں زروا سے شادی کا؟ اسکے لیے تم نے مجھے نظر انداز کیا، اب تم
دیکھنا کیسے میں تمہیں تنگی کا ناچ نچاتی ہوں، مشعال خان کو بہت ہلکا لے لیا تم نے، مگر
میں تمہیں بتاؤنگی کہ مشعال خان چیز کیا ہے، اس نے ضرور کا تصور کرتے ہوئے
دانت پیس کر غصے سے سوچا تھا۔

اسکا س نہیں چلتا تو وہ ضرور خان کو کچا چبا چاتی، وہ دل ہی دل میں اسے سبق سیکھانے
کے تیاری میں مصروف تھی۔

قسمت مسکرا رہی تھی کیونکہ دو شعلہ صفت لوگ ایک ساتھ جڑ چکے تھے، ناجانے اب زندگی
کونسا موڑ لینے والی تھی۔

کانگریٹس ڈیئر کزن، تم نے تو مجھے مبارکباد بھی نہیں دی مگر میں بالکل بھی ال مینڈ نہیں ہوں اس لیے سوچا تمہاری اس خوشی کے موقع پر کیوں نا تمہیں مبارکباد پیش کی جائے؟
زائر مسکرا کر کہتا ہوا ضروریز کے سامنے عین سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

جبکہ ضروریز نے ایک زہر خند نظر اس پر ڈالی تھی۔

کیا تمہیں پتہ کے وہ مجھے پسند کرتی ہے پھر بھی تم نے اس سے نکاح کر لیا، کتنے بے غیرت ہونا تم، چچ چچ چچ، مسکرا کر بوٹے ضروریز نے اسے آگ لگادی تھی۔

او جسٹ شٹ اپ، زائر دھاڑا تھا۔

خبردار جو اسکے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تم نے، اب وہ میری وائف ہے اور میں ہرگز بھی اسکے بارے میں تمہاری یہ بے حودہ باتیں برداشت نہیں کروں گا، زائر نے انگلی اٹھا کر اسے غصے سے وارننگ دی تھی۔

سچ تو سچ ہے ڈیئر کزن، اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ وہ مجھ سے نکاح کو راضی تھی،
ضوریز نے اسے مزید تپایا تھا۔

ان میں سے ایک سیر تھا تو دوسرا سوا سیر، مگر اب بھی ان میں سے کوئی بھی ہار ماننے کو
تیار نہ تھا، بلاشبہ وہ دونوں وجیہ مرد جب جب مقابل آتے تھے وہ منظر دیکھنے لائق ہوتا تھا۔

منہ سنبھال کر بات کرو ضروریز خان، زائر نے بامشکل اپنے اشتعال پر قابو پایا تھا۔

اسی وقت سفیر خان نے ان دونوں کو آواز دی تھی، تو وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو نفرت
سے گھورتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

وہ اداس سی سوچوں میں گم بیڈ پر بیٹھی تھی۔

یہ کیسا کھیل تھا زندگی کا؟ جو شخص اس سے بے پناہ نفرت کرتا تھا آج وہ اسکی زندگی کا مالک بن بیٹھا تھا، اسکی مرضی کے بنا وہ ایک دن میں زروا خان سے زروا زائر خان بنادی گئی تھی۔

آگے کیا ہونے والا تھا؟ زندگی کونسا رخ لینے والی تھی؟ کیا اسے اب زندگی بھر زائر کی نفرت سہنا تھی؟ تو کیا وہ ہمیشہ ان چاہی بن کر رہنے والی تھی؟

ایسی ہی کئی لاتعداد سوچیں زروا کے دل و دماغ میں چل رہی تھیں۔

نکاح کے بعد کھانے کا دور چلا تھا جس میں ضریر کے علاوہ سب ہی موجود تھے۔

کچھ وہاں رکے کے بعد، ضریر اپنی گاڑی میں وہاں سے نکل گیا تھا۔

نگین بیگم، عانیہ اور سماہر بیگم، مشعال کے پاس تمہیں انہوں نے وہی کھانا کھایا تھا اور
پلوشہ بیگم زروا کے لیے کھانا لے کر گئی تھیں۔

پلیز بیٹا تھوڑا سا ہی کھا لو آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، پلوشہ بیگم اسکی طرف دیکھ کر
پیار سے بولی تھیں۔

میرا من نہیں تائی جان، اس نے آہستہ سے انکار کیا تھا۔

انکا من ہوگا بھی کیسے، انکی من پسند جگہ شادی جو نہیں ہوئی، اسے اس ایڈیٹ سے شادی
جو کرنی تھی، زائر کی اس طنزیہ بھاری آواز پر پلوشہ بیگم غصے سے پلٹی تھیں جبکہ زروا سہم
سی گئی تھی۔

یہ کیا بکواس ہے زائر، پہلے تم نے اپنی من آئی کر لی اور اب یہ بے حودہ الزام لگا رہے ہو
اس معصوم پر، شرم نہیں آتی تمہیں اپنی بیوی کے بارے میں ایسی گھٹیا بات کرتے
ہوئے؟ پلوشہ بیگم تو آج پھٹ پڑی تھیں۔

ارے بس بھئی، اب آپکی پیاری بہو کو میں نے ایسا بھی کیا کہہ دیا مومی، ریلیکس، زائر
مسکرا کر کہتا آگے آیا تھا۔

اس نے ایک بھرپور نگاہ زروا کے بچے سنورے مگر اداس سے روپ پر ڈالی تھی، کچھ پل کو تو
وہ زروا کو دیکھ کر مبہوت سا رہ گیا تھا، جبکہ اسکی نظریں اس پر سے ہلٹنے کو انکاری تھیں۔

اف تائی جان کے سامنے بھی کتنی بدتمیزی سے مجھے گھور رہے ہیں، زروا نے دل ہی دل
میں سوچا تھا۔

اسکی نظروں کی تنیش محسوس کرتے ہوئے زروا کی پلکھیں سجدہ ریز ہوئی تھیں۔

بکواس بند کرو تم اپنی اور خبردار جو ایک لفظ بھی اب اسے کہا تو مجھ سے برا کوئی نا ہوگا،
پلوشہ بیگم کی غصے میں بھری آواز پر زائر حوش میں آیا تھا۔

اچھا بابا کچھ نہیں کہتا میں اسے، ویلے بھی میں مزاق کر رہا تھا، پر کیا اب کچھ دیر اپنی
معصوم بیوی سے اکیلے میں بات کر سکتا ہوں؟ زائر نے پلوشہ بیگم سے شرارتی انداز میں
اجازت لی تھی۔

کرلو، مگر پھر سے بتادوں، کوئی الٹی سیدھی بکواس کی تو، پلوشہ بیگم کے کہنے سے پہلے ہی
زائر نے انکی بات اچک لی تھی۔

جانتا ہوں، آپ سے برا کوئی نا ہوگا، مگر ویلے آپس کی بات ہے، آپ سے اچھا بھی کوئی
نہیں مومی جان، اس نے پیار سے کہتے انکے ہاتھ چوم کر آنکھوں پر رکھے تھے۔

کتنے بڑے ڈرامے باز، یہ توتائی جان کو بھی نہیں بخشے اپنی اداکاری میں انکے لاڈپیار کا
بھی مزاق بنالیا ہے، زروا نے بدگمان ہوتے ہوئے سوچا تھا۔

پلوشہ بیگم تو زائر کے انداز پر نہال ہو گئی تھیں۔

جیتے رہو میرے بچے، اللہ تمہیں ڈھیروں خوشیوں سے نوازے اور تم دونوں کا ساتھ تا عمر
بنائے رکھے، انہوں نے اسکی پیشانی چوم کر دل سے دعا دی تھی۔

اچھا اب میں چلتی ہوں، تم کرلو زروا سے بات، وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔

انکے جاتے ہی زائر نے روم لاک کیا تھا اور شان سے چلتا ہوا بیڈ کی جانب آیا تھا جبکہ زروا
کی جان ہوا ہوئی تھی۔

سو، فاعلی یو آر آفیشلی مائن، وہ ایک ادا سے بولتا دلکشی سے مسکرایا تھا۔

زروا نے خوفزدہ سی ہوتے ہوئے اسکی جانب دیکھا تھا، جانے اب وہ کیا کرنے والا تھا۔

ڈرو مت محرم ہوں تمہارا، زائر گھمبیر لہجے میں کہتا زروا کی جان نکال گیا تھا۔

زروا کا ننھا سادل پھسلیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

اب وہ اپنی پشاوری چپل اتار کر اپنی شال ایک سائیڈ رکھ رہا تھا، زروا اسکی یہ کاروائی دیکھ کر سہم سی گئی تھی۔

تو مسز زروا زائر خان، کیسا لگ رہا ہے میری مسز بن کر؟ زائر اب اسکے بیڈ کے بالکل نزدیک کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔

زروا سے نظریں اٹھانا دشوار ہوا تھا۔

ممم مم میرے پپ پاس مت آئے گا، اس نے بامشکل یہ جملہ ادا کیا تھا۔

تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ کچھ دیر پہلے تم خود یہ حق مجھے دے چکی ہو اس لیے اب یہ معصوم بننے کا ڈرامہ بند کرو، وہ ایک دم سے اپنے اسی سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

زائر نے کہنے کے ساتھ ہی ایک جھٹکے سے اسکا بازو کھینچ کر اسے اپنے مقابل کھڑا کیا تھا۔

ہاں تو تم کچھ کہہ رہی تھیں؟ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتا بے حد غصے سے پوچھ رہا تھا۔

زروا سہمی ہوئی سی اسکے بالکل سامنے کھڑی تھی۔

نن نہیں تو، زروا نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا تھا۔

اسی وقت زائر نے تمام فاصلے مٹاتے ہوئے اسکی کمر کے گرد بازو حماٹل کیا تھا اور اسے خود سے قریب کیا تھا۔

اس کے اس اقدام پر زروا کی سانسیں اتمل پتمل ہوئی تھیں جبکہ زبان جیسے تالوے سے جا لگی تھی، پلکھیں سجدہ بریز ہوئی تھیں۔

مم مجھے چھوڑ دیں پلیز، وہ منمنائی تھی۔

بولو بھی کچھ کہہ رہی تھیں نا تم؟ زائر اسکی جانب دیکھتے ہوئے وہی سوال دہرایا تھا مگر اس بار اسکے لہجے میں کچھ دیر پہلے والی سختی کا نام و نشان بھی نا تھا۔

مگر زروا اس ظالم کی قربت میں مارے حیا کے بول بھی نا پارہی تھی۔

اب کیا ہوا؟ ویسے تو بہت آواز نکلتی ہے تمہاری، آج کیوں یہ ہونٹ خاموش ہیں؟

زائر نے اسکی طرف دیکھ کر بوٹے ہوئے ایک ہاتھ سے اسکے ریڈ لپ اسٹک سے سجے نازک ہونٹوں پر اپنی انگلیاں پھیری تھیں جبکہ نظریں اس کے ہونٹوں کے عین نیچے موجود تل پر تھیں۔

تو کسی روز مجھے _____ حالت وجدان میں مل...!

لب کی فریاد ہے کہ _____ چھونا ہے تیرے ہونٹ کا تل....!

زائر اک ادا سے کہتا زروا کی جان نکال گیا تھا۔

زائر اب انگلیاں اسکے ہونٹوں سے تل تک لایا تھا۔

زروا کا دل الگ ہی لے میں دھڑکا تھا وہ زائر کے اس اقدام پر جی جان سے لرز گئی تھی۔

اب زائر بے خود سا ہوتا اسکی جانب جھک رہا تھا، خان پلینز نہیں، اس نے تقریباً روبانسی ہوتے زائر کو اسکے ارادے سے باز رکھنا چاہا تھا۔

کیا خان پلینز؟ میں نے کہا نا تم پر صرف میرا حق ہے، اپنی نیلی سمندر سی گہری آنکھوں میں شرارت لیے کہتا، زائر اسکی اس گھبراہٹ سے محفوظ ہوا تھا۔

مم مگر ابھی، مم میرا مطلب، ابھی صرف ہمارا، مجھے نہیں پتہ کچھ، بس پلینز آپ مجھے چھوڑ دیں، زروا سے کچھ نا بن پڑا تو اس نے وہی بات دہرا دی تھی۔

ارے تم مگر وگر چھوڑنا، زائر بول کر پھر سے اس کی جانب جھکا تھا جبکہ زروا نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کی تھیں۔

زائر کو اس وقت سب بھولا تھا، یاد تھا تو صرف اتنا کہ زروا خان صرف اسکی ہے۔

آنکھیں سختی سے میچے، زروا ہولے ہولے لرز رہی تھی، زائر کو وہ اس مٹے بہت معصوم لگی تھی، اس نے مسکراتے ہوئے اسکی پیشانی پر اپنے جلتے ہوئے لب رکھ کر زروا کو معتبر کیا تھا۔

تم میری محبت کا

معتبر حوالہ ہو۔!!!

زروا نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

محافظ ہوں تمہارا، لیٹرا نہیں، زائر نے کہتے ہوئے اسے نرمی سے خود سے الگ کیا تھا۔

زروا آنکھوں میں خوشی اور حیرانگی کے لے جھلے تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

عشق جب پاکیزہ ہو

تبھی تو کہلاتا ہے

"عشق سبحان اللہ"

ایسے مت دیکھو ورنہ پیار ہو جائیگا، زائر نے گھمبیر لہجے میں بولے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

زروا کان کی لوہوں تک سرخ پڑی تھی۔

زائر سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا جبکہ نروس سی زروا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مڑوڑتے ہوئے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

ایک فسوں تھا جو ہر سوں پھیلا ہوا تھا۔

"یہ اک فسوں جو ہر سوں پھیلا ہے"

"یہ کھیل ہمارے عشق نے کھیلا ہے"

زائر کا موبائل واٹس ایپٹ ہوا تو یہ خوبصورت طلسم لٹا تھا۔

زائر ایک دم حوش میں آیا تھا۔

میں ایک کام سے جا رہا ہوں، روم اندر سے لاک کرلو جب تک میں نا آؤں تم نیچے نہیں آؤگی، انڈر سٹینڈ؟ سرد و سپاٹ لہجے میں بولتا یہ کچھ دیر پہلے والا زائر تو نا، پل بھر میں وہ اپنے کھول میں سمٹا تھا۔

مگر تائی جان نے کہا ہے کہ سب لیڈیز ملنا، زروا کی بات زائر کے اگلے جملے کی وجہ سے ادھوری رہ گئی تھی۔

مومی کو میں خود سمجھا لوں گا، تم بس وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں، کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں، ورنہ مجھے تم اچھے سے جانتی ہو، وہ انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دیتا جانے کو پلٹا تھا۔

زروا حیران کھڑی اس دھوپ چھاؤں سے شخص کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

سنو؟ زائر پلٹا تھا۔

نچ جی؟ زروا نے اٹک اٹک کے جی کہا تھا۔

میرے لائے برائیڈل ڈریس میں تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو، زروا کے دلکش و نازک
سراپے کو نظروں کے حصار میں لیے گھمبیر لہجے میں بولتا وہ زروا کو شاکڈ کر گیا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ کچھ کہتی زائر اس کے روم سے نکل گیا تھا۔

یہ ڈریس یہ لائے تھے؟ اف کتنے گھنے ہیں۔

زروا نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

ضوریز بلا مقصد سڑکوں پر گاڑیاں دوڑاتا بالاخر ایک کیفے کے سامنے رکا تھا۔

یہ شام 5 بجے کا وقت تھا، جو بھی ہوا وہ سب سوچ سوچ کر اسکا دماغ سن ہو رہا تھا، اسکا ارادہ کافی پینے کا تھا۔

وہ ابھی گاڑی سے باہر نکلا ہی تھا کہ ایک بوڑھی عورت اسکے سامنے آئی تھی۔

تو تو ہے وہ مغرور شہزادہ، وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ لہرا کر بولی تھیں۔

واٹ؟ ضوریز نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

ہے اولڈ لیڈی، تمہیں پیسے چاہیں؟ ضوریز نے اپنے تسئیں اندازہ لگایا تھا۔

عورت نے اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا تھا۔

تو کیا مجھے پیسے دیگا، تو تو خود سوالی بننے والا ہے، مگر تو دولت کا نہیں محبوب کے در کا سوالی بنیگا، وہ بول کے ہنسی تمھیں، ایک الواہی سا نور تھا اس کے جھریوں زدہ چہرے پر، ضوریز اسکی کوئی بات سمجھ تو ناسکا تھا مگر پھر بھی خاموش کھڑا تھا۔

میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟ ضوریز نے حیرانگی سے اس عورت سے سوال کیا تھا۔

سب سمجھیں گے، تیری وہ شہزادی ہے نا؟ تجھ سے زیادہ انا رکھتی ہے، تیری ساری اکڑ نکل جانی ہے، تو جانتا ہے غرور خدا کو ناپسند ہے بچے، اسی لیے عشق کی مار تجھے بھی پڑنی والی ہے، سب کچھ بدل جائیگا، تو پتھر سے موم بن جائیگا، اے عشق کے در کے سوالی تیرے کندن بننے کا وقت آگیا ہے، وہ اپنے اسی فلسفیانہ سے انداز میں بول رہی تھی جبکہ ناجانے وہ کونسی سی کشش تھی کہ ضوریز اسے غور سے سن رہا تھا۔

جائتیری کر، عشق تیرے تعاقب میں ہے، وہ بولتی ہوئی وہاں سے آگے چلی گئی تھی۔

جبکہ ضوریز گم سم سا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

"عشق ہے اپنے اصولوں پہ ازل سے قائم"

"امتحان جس کا بھی لیتا ہے رعیت نہیں کرتا"

بول سالے تیرا باس کون ہے، ورنہ دونگا ایک، زائر نے غصے سے پوچھتے ہوئے ایک لڑکے

کو کارلر سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔

جب کہ باقی دونوں کرسی پر رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔

یہ وہی لڑکے تھے جنہوں نے زروا کے ساتھ مس بیہو کرنے کی کوشش کی تھی، زائر نے پچھلے 3 دن سے انہیں اپنے بنگلے کے بیس بینٹ میں بند کیا ہوا تھا۔

انکی حالت بے حد خراب تھی، زائر ان تینوں کو مار مار کے ادھ مرا کر چکا تھا۔

سس سوری سس سر میں سچ کہہ رہا ہوں میں کچھ نہیں جانتا وہ کون تھی، ہمیں تو صرف موبائل پر کال آئی تھی اور پیسے کام ہونے کے بعد ملنے تھے، وہ لڑکا ہزاروں بار کہی ہوئی بات دہرا رہا تھا مگر اس بار ایک بات پر زائر چونکا تھا۔

تھی؟ مینس وہ کوئی لڑکی ہے؟ زائر انتہائی خطرناک تیور لیے اس سے پوچھ رہا تھا۔

جج جی پپ پلیر اب ہمیں جانے دو صاحب، ایک لڑکے نے فورن جواب دیتے ہوئے منتی
لجے میں کہا تھا۔

ٹھیک ہے، لیکن اگر تمہاری یہ بات زرا بھی جھوٹی ہوئی تو اب کی بار اپنی جان سے ہاتھ دھو
بیٹھو گے تم تینوں، اور ہاں اپنا منہ بند رکھنا، کیونکہ میرے آدمی ہر لمحہ تم پر نظر رکھے ہوئے
ہیں، اب دفعہ ہو جاؤ یہاں سے، زائر نے غصے میں کہتے کے ساتھ ہی سامنے کھڑے گارڈ
کو اشارہ کیا تھا جس نے انکی رسیاں کھولی تھیں۔

وہ تینوں، زائر کا شکرا ادا کرتے اٹے قدموزن وہاں سے بھاگے تھے۔

آخر زروا کی کسی سے کیا دشمنی، کون ہو سکتی ہے یہ لڑکی؟ زائر پرسوچ سا وہاں سے باہر آیا
تھا۔

یہ شام 6 بجے کا وقت تھا جب وہ سب لاؤنج میں اکٹھے ہوئے تھے۔

سب ہی مہمان جاچکے تھے اور وہاں اب صرف گھر کے ہی لوگ تھے۔

شہروز پلینز ضوریز کو بلائے، ناجانے کہاں جا کر بیٹھ گیا ہے یہ لڑکا، سماہر بیگم نے کوئی تیسری دفعہ شہروز خان کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

زائر کہاں ہے پلوشہ؟ سفیرخان نے بیگم سے پوچھا تھا۔

وہ بس ابھی، اسی وقت وہ زروا کو ساتھ لے کر لاؤنج میں انٹر ہوا تھا۔

آئی تھنگ یہاں میری بات ہو رہی تھی؟ وہ دلکشی سے مسکراتا ہوا سفیرخان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

جبکہ زروا اپنے آپ میں مجرم بنی کھڑی تھی۔

جو کارنامہ تم کرچکے ہو اس کے بعد بھی تم یہ امید رکھتے ہو کہ ہم تمہیں یاد کرینگے؟ سفیرخان کی طرف سے بھی طنزیہ انداز میں سوال کیا گیا تھا۔

میں نے تو بس اپنی منگ سے نکاح کیا ہے، اس میں کونسی برائی ہے باباجان؟ وہ ڈھینٹ بنا تھا۔

سب ہی ان باپ بیٹوں کی گفتگو سن رہے تھے۔

ہمیں تمہارے منہ نہیں لگنا، ہمیں صرف تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے، سفیرخان فوراً مطلب کی بات پر آئے تھے

جی باباجان عرض کیجئے میں ہمہ تن گوش ہوں، وہ ہنوز غیر سنجیدہ ہی تھا۔

اسی وقت لاؤنج میں ضوریز خان نے قدم رکھا تھا۔

آگئے تم، اتنی دیر کیوں لگادی؟ رہ کہاں گئے تھے؟ اسے دیکھتے ہی سماہر بیگم نے سوالوں کی بوچھاڑ کردی تھی۔

موم پلیز کام ڈاؤن، میں مر نہیں گیا تھا، زندہ ہوں دیکھیے بالکل سہی سلامت آپکے سامنے ہوں، اس نے چڑ کر جواب دیا تھا۔

السلامتوہ، یہ کیا اول فول بک رہے ہو، السلامنا کرے بیٹا تمہیں کچھ ہوا، انہوں نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

ضوریز بنا کچھ کھے بیزار سا انکے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ تم زبردستی زروا سے نکاح تو کرچکے مگر اب اسے پوری ایمانداری سے نبھانا ورنہ ہم بھول جائینگے تم ہمارے بیٹے ہو، سفیرخان اسے گھورتے ہوئے بولے تھے۔

میں نے اس سے کوئی زبردستی نہیں کی، اس نکاح میں آپکی بہو کی مرضی بھی شامل ہے، آپ چاہیں تو اس سے پوچھ لیں، زائر کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

سفیرخان چپ ہو گئے تھے۔

کیا یہ سچ کہہ رہا ہے گڑیا؟ فرقان نے ڈائریکٹ اس سے سوال کیا تھا۔

زروا کا دل چاہا کہ زائر کی نصیحتوں پر لانت بھیج کر فرقان خان کے سینے سے لگ کر انہیں سب بتادے مگر وہ ایسا نا کر سکی تھی۔

کیونکہ جو بھی تمہا نکاح تو اسکا ہو چکا تھا اب کیا فائدہ ان سب باتوں کا؟ کیوں وہ اپنے بیمار باباجان کو پریشان کرے، یہ سوچ تیزی سے اسکے دل و دماغ میں آئی تھی۔

بولو بچے؟ سماہر بیگم نے زروا کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

زائر کا رخ دوسری جانب تھا، وہ گویا اس سے لا تعلقی کا اظہار کر رہا تھا۔

جبکہ جانے کیوں ضروریز بھی اسکا جواب سننے کا منتظر تھا۔

ہاں یہ سچ بول رہے ہیں، زروا کے جواب نے سب کے دلوں کو سکون سا بخشا تھا۔

جبکہ ایک خوبصورت مسکراہٹ نے زائر کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

اسی وقت فرقان خان نے زروا کو سینے سے لگایا تھا۔

میں نہیں جانتا یہ سب جو ہوا وہ ٹھیک ہے یا نہیں مگر میری بچی میں دل سے دعا کرتا
ہوں، اللہ تمہاری آنے والی زندگی کو خوشیوں سے بھر دے، وہ اسے خود سے لگائے بول رہے
تھے۔

زائر جو کہ غور سے انہیں دیکھ رہا تھا انکی جانب بڑھا تھا۔

چچا جان؟ زائر نے ادب سے انہیں، پکارا تھا۔

فرقان خان نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے زروا کو خود سے دور کیا تھا۔

میں جانتا ہوں میں نے جو کیا وہ بالکل سہی نا تھا مگر میں نے زروا کو پورے دل سے اپنا بنایا ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں میری وجہ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، وہ انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے انہیں یقین دلا رہا تھا۔

فرقان خان خاموش تھے۔

چچا جان آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں؟ زائر نے انکی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

یقین؟ تمہیں لگتا ہے مجھے تم پر یقین کرنا چاہیے؟ فرقان خان ناچاہتے ہوئے بھی تلخ ہوئے تھے۔

میں مانتا ہوں یہ مشکل ہے آپکے لیے مگر ایک بار مجھے موقع دیجئے میں آپکی ساری شکایات دور کر دوں گا، زائر پر اعتماد انداز میں بولا تھا جبکہ نظریں بھٹک بھٹک کر زروا کے چہرے سے الجھ رہی تھیں۔

فرقان خان نے اثبات میں سر ہلا کر اسے سینے سے لگایا تھا۔

امید کرتا ہوں، ایسا ہی ہو، وہ اس سے بگلگیر ہوتے ہوئے آہستگی سے بولے تھے۔

زائر مسکراتا ہوا ان سے الگ ہوا تھا۔

تو پھر ٹھیک ہے لالہ، جب میری دونوں بھانجیوں کا میرے بیٹوں سے نکاح ہو گیا ہے تو پھر زائر اور ضوریز کی پڑھائی مکمل ہوتے ہی رخصتی کا پروگرام رکھ لیتے ہیں؟ کیا خیال ہے بھابھی بیگم اور نکین بھابھی؟ سماہر بیگم نے دونوں بھابھوں سے پوچھا تھا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے، شہروز خان اور مراد خان نے بھی تائید کی تھی۔

جیسا تم کہو بھئی، باقی سفیر لالہ دیکھ لیں گے، مشعال تو اب تمہاری ہی امانت ہے، نگین بیگم نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

زروا لا تعلق سی کھڑی تھی، زائر اب موبائل میں بزمی تھا۔

ٹھیک ہے پھر میری طرف سے ہاں ہے، انکے ایگزام کے بعد کی کوئی تاریخ رکھ لیتے ہیں، سفیر خان نے اجازت دی تھی۔

ساتھ ہی کافی سارے پیسے آگے بڑھ زروا کے ہاتھ میں رکھے تھے۔

یہ آپکے تایا ابو کی طرف سے اپنی بیٹی کے لیے، انہوں نے پر شفقت انداز میں اسکے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

زائر دلچسپی سے یہ سب دیکھ رہا تھا، جنکھ ضروریز نے اشتعال کے مارے مٹھیاں بھینچی
تھیں۔

ارے بھئی میری بہو کو جھے لے آؤ، پھر ہم بھی اس سے مل کر واپسی کی تیاری کریں،
شہروز خان نے ماحول کو ہلکا پھلکا کرنا چاہا تھا۔

جی لالی عانیہ سے کہا ہے میں نے وہ لے کر آتی ہے اسے بس، نگین بیگم نے جواب دیا
تھا۔

اسی وقت عانیہ کے ساتھ باوقار سے قدم اٹھاتی، مشعال لاؤنج میں انٹر ہوئی تھی۔

ڈل گولڈن اور ٹی پنک میکسی میں لائٹ میک اپ اور سلیقے سے سیٹ کیے دوپٹے میں
وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔

اسے دیکھ کر سماہر بیگم نے بے اختیار ماشاء اللہ کہا تھا۔

جبکہ نگین بیگم نے دل ہی دل میں اسکی نظر اتاری تھی۔

ضوریز نے ایک نگاہ بھی اس پر ڈالنا گوارہ نہ کیا تھا وہ نیچے منہ کیے صوفے پر بیٹھا تھا۔

یہ لیں ڈیڈ آگئیں آپکی پیاری بہو صاحبہ، عانیہ مسکراتے ہوئے بولی تو سب مسکرا دیے تھے۔

شہروز خان نے آگے بڑھ کر اسے سر پر ہاتھ رکھا تھا ساتھ ہی ہزار ہزار کے کئی نوٹ اس کے ہاتھ میں رکھے تھے۔

اسامیری گریبا کو ہمیشہ خوش رکھے، ان کے لہجے میں مشعال کے لیے باپ والا پیار تھا، مشعال کی آنکھیں نم ہوئی تھیں، اس نے ایک نگاہ اس ستمگر پر ڈالی تھی۔

جس کے حوالے سے وہ آج یہاں کھڑی تھی مگر وہ لائق سا صوفے پر بیٹھا تھا جیسے اسے
مشعل کے ہونے نا ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا، مشعل نے نیچی نگاہ سے اسکی
جانب دیکھتے ہوئے اداسی سے سوچا تھا۔

اسی وقت ضوریز نے سر اٹھایا تھا اور مشعل پر سے نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔

مشعل کو اپنے لائے ڈیس میں دیکھ، وہ حیران سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اسکے دیکھنے پر مشعل نے گر بڑا کر نظریں جھکائی تھیں جبکہ ضوریز اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔

اہم اہم لالہ، آپکی ہی ہیں بعد آرام سے دیکھ لیجئے گا، عانی نے اسکے کان میں سرگوشی کی تو
ضوریز چونکا تھا۔

یہ ڈریس اس کے پاس کیسے پہنچا؟ ضریر نے دل ہی دل میں سوچا تھا یہ دیکھے بنا کہ
سامنے مشعال سرتاپا قیامت بنے کھڑی ہے۔

اسکی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو کب کا چاروں شانے چت ہوچکا تھا مگر وہ ضریر خان تھا،
لے پناہ حسن و وجاہت کا مالک نک چڑھا و مغرور شہزادہ، اسکا کسی کے عشق میں ڈوبنا؟
بہت مشکل تھا۔

جب ہی تو کہا گیا تھا، عشق سبجان اسد۔

اسکے دماغ میں بار بار وہی خیال آ رہا تھا مگر فلحال کچھ پوچھنے کا وقت نا تھا اسلیے خاموش ہی
رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ سب اجازت لے کر واپسی کے لیے نکلے تھے۔

اسکی آنکھ کھلی تو گھڑی صبح کے 6 بج رہی تھی، یعنی ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔

وہ کسملندی سے بیڈ سے اٹھی تھی اور نماز کے لیے وضو کرنے واشروم کی جانب بڑھی تھی۔

زروا وضو کرنے کے بعد اب نماز پڑھنے گھڑی ہو چکی تھی۔

جو بھی حالات ہوں وہ جانتی تھی نماز فرض ہے اور وہ کبھی بھی نماز نہیں چھوڑتی تھی، ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا اسکی فطرت میں شامل تھا، بچپن ہی سے اسکا زحمان دین کی طرف تھا، وہ پانچ وقت کی نمازی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اکثر مشکلات بے شک اس پر سے ہٹادی جاتی تھیں۔

اس وقت بھی اس وہ اپنے خدا کے حضور سجدہ سیریز تھی۔

جو کچھ بھی ہوا اور جن حالات میں ہوا وہ کافی عجیب تھا، مگر جو بھی تھا اب اسکی زندگی میں
ایک نئی تبدیلی آچکی تھی۔

اسے اللہ کے حضور اب اپنے اچھے نصیب اور اس رشتے پر ثابت قدم رہنے کی دعا مانگنی
تھی۔

اب وہ خشوع و خضوع سے نماز میں مصروف تھی۔

میں نفرتوں کے جہاں میں رہ کر

جدا رہوں گا تو کیا کروں گا؟

یہ ٹھیک کہتے ہو بے وفا ہوں

وفا کروں گا، تو کیا کروں گا؟

یہ موسمِ سرما کی ایک بہت سرد صبح تھی، آسمان پہ بادلوں کا راج تھا، بادلوں کی وجہ سے موسمِ بے حد حسین ہو رہا تھا۔

اس عالیشان بنگلے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

وہ نیوی بلو ٹراؤزر پر بلو شرٹ پہنے، سردی سے بے نیاز کھڑا، اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر لان کا منظر دیکھ رہا تھا، اس نے نظر اٹھا کہ اب آسمان کی طرف دیکھا تھا۔

جہاں بادلوں کے ٹکڑے منڈلا رہے تھے، اس نے سر جھٹکا تھا، نظریں مچھٹکتی ہوئی باہر دروازے پہ جا کے ٹھہر گئیں تھیں۔

اسکی آنکھوں میں بھولا بسرا سا ایک منظر گھوم گیا تھا، جہاں وہ اور زائر کھڑے تھے۔

یہ میری ہے ضوریز، 13 سالہ زائر اپنی نیلی آنکھیں، پٹپٹاتے ہوئے ساتھ کھڑی زروا کا ہاتھ
تھامے بول رہا تھا۔

او ہیلوشی از مائن، ضوریز نے زروا کے ہاتھ میں سے اسکا ہاتھ ہٹایا تھا۔

ارے تم پاگل ہو ضوریز، تم میرے ہو اور زروا زائر کی، 9 سالہ کیوٹ سی مشعال نے
ضوریز کا ہاتھ تھام کر معصومیت سے اسے سمجھایا تھا۔

نو یو آر رائنگ، ضوریز اب غصہ ہو گیا تھا۔

جبکہ خاموش کھڑی زروا یہ سب دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

لو تم جیت گئے زائر، ضریر تلخی سے ہنسا تھا۔

پرانی تلخ یاد نے یادوں کے درتے پہ دستک دی تھی، اس یاد سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا۔

میں اس شخص سے پھر سے ہار گیا، وہ کیوں ہمیشہ مجھ سے جیت جاتا ہے؟ ضریر نے پرانی یادوں سے پیچھا چھڑاتے ہوئے سوچا تھا۔

اب سامنے کا منظر جیسے غائب ہو چکا تھا اب وہاں وہی جامد خاموشی تھی۔

جیسی ضریر خان کے دل و دماغ میں تھی۔

جب میں خوش نہیں ہوں تو میں تمہیں بھی خوش نہیں رہنے دوں گا زائر خان آفریدی، تم نے زروا سے نکاح کر لیا مگر وہ تمہاری کبھی نہیں ہوگی، زہریلی سوچوں نے اچانک اسکے دل و دماغ میں جگہ بنائی تھی۔

وہ جب گھر پہنچا تو گھڑی صبح کے 7 بج رہی تھی۔

اسکی ہیلکس "خان پیلس" کے سامنے پہنچی تو چوکیدار الرٹ ہوا تھا۔

وہ ہیلکس کو آندھی کی طرح دوڑاتا ہوا گیٹ تک پہنچا تھا، اس سے پہلے کے اسکی ہیلکس گیٹ میں جا کر لگتی اور وہ سب ایک بار پھر سے اسکے عتاب کا نشانہ بنتے، چوکیدار نے آگے بڑھ کر جلدی سے گیٹ کھولا تھا۔

اسکی ہیلکس زن سے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی اور ایک جھٹکے سے پورچ میں جا کی تھی۔

وہ پچھلی پوری رات گھر سے باہر ہی گزار کر آیا تھا۔

بلیک جینس پر بلیک شرٹ اور بلیک ہی اپر پہنے بلاشبہ وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا لیکن کل کی مناسبت آج اسکے چہرے پر نرمی مفود تھی، اسکی نیلی سمندر سی گرمی آنکھوں میں سرد سے تاثرات تھے اس کی سرخ ہوتی آنکھیں، اسکے رات بھر جاگنے کی غمازی تھیں جبکہ سردی کے باعث اسکی سرخ و سفید مزید سفید معلوم ہو رہی تھی۔

ہیلس کو پورچ میں پارک کرتا زائر خان اندر کی جانب بڑھا تھا۔

تم سب کسی کام کے نہیں ہو، اب مجھے ہی ان سب کا کچھ کرنا ہوگا، ورنہ میں کبھی زائر خان اور ضوریز خان سے جیت نہیں سکونگا، منان علی عرف مانی صبح ہی صبح اپنے ساتھیوں پر چلا رہا تھا۔

اسکے دائیں جانب میسہ علی کھڑی تھی جبکہ بائیں جانب میسم علی کھڑا تھا۔

اسکے دل میں اس نفرت کی وجہ سے آگ سی لگی ہوئی تھی، اور اسکی یہ نفرت اب ناجانے کیا رنگ لانے والی تھی۔

آج بھی ناشتے کے وقت سوائے زائر کے، ڈائینگ ٹیبل پر سب ہی موجود تھے۔

کل سے سب ناشتہ پہلے کی طرح ساتھ کریں گے اور پلوشہ بیگم جو لوگ یہاں موجود نہیں انہیں آپ اپنے لفظوں میں سمجھا دیجئے گا، سفیرخان کا اشارہ زائر کی طرف تھا۔

وہ لوگ خود یہاں آگئے ہیں باباجان اسلیے آپکو مومی کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں،
پلوشہ بیگم کے کچھ بولے سے پہلے ہی زائر نے طنزیہ انداز میں جواب دیتے ہوئے ڈائینگ
حال میں قدم رکھا تھا۔

اب پھر سے جنگ شروع ان دونوں کی، صائم نے مشعال کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

تم چپ رہو، ورنہ ہم بھی لپیٹے جائیں گے، مشعال نے بولے کے ساتھ ہی اسے چٹکی کاٹی
تھی۔

لندن جا کر تہذیب بھول گئے ہو نواب صاحب، تمہیں یاد نہیں شاید کہ صبح کے وقت
ڈائینگ ٹیبل پر آتے ہوئے سب سے پہلے سلام کیا جاتا ہے، سفیر خان قدرے غصے سے
بولے تھے۔

اوآئی سی، وہ کیا ہے نا میں تھوڑا موڈی قسم کا ہوں، اسلیے آپکے اور میرے خیالات کچھ
میچ نہیں کرتے سو مجھ سے آپ یہ شریف بچے والی توقع مت ہی کریں تو اچھا ہے، وہ چیئر
گھسیٹ کر اس پر بیٹھتا ہوا بے حد بدتمیزی سے بولا تھا۔

اسکے اس انداز پر سب ہی دنگ رہ گئے تھے۔

اف انکی زبان کے آگے خندق ہے، بوٹے وقت کسی کا لحاظ نہیں کرتے، زروا نے
سر جھکائے ہوئے ہی دل میں سوچا تھا۔

زائر، یہ کیا طریقہ ہوا بات کرنے کا، باباجان ہیں وہ تمہارے، پلوشہ بیگم نے اسے گھر کا تھا۔

ارے مومی ریلیکس، میں نے آپ کے سرتاج کو ایسا بھی کیا کہہ دیا بھلا، میں نے تو
انہیں صرف اپنی نیچر بتائی ہے، اور ویلے بھی انکے لیے دنیا کی ساری برائیاں مجھ میں ہی تو

ہیں، وہ اب سیب اٹھا کر کھانے میں لگن تھا ساتھ ہی زبان قینچی کی رفتار سے چل رہی تھی۔

شٹ اپ زائر خان آفریدی، یہ تربیت دی تھی ہم نے تمہیں؟ یہ سیکھایا تھا کہ بیرون ملک جا کر بڑے چھوٹے کی تمیز بھول جانا، اور باپ کا کوئی لحاظ نہ کرنا؟ اس قدر بدتمیز ہو جانا کہ ہمیں تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے شرم آئے؟ سفیر خان بے حد غصے میں تھے۔

بس کر دیں باباجان، زائر ایک جھٹکے سے چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

زروا نے اسے اتنے عرصے بعد اس قدر طیش میں دیکھا تھا، جبکہ باقی سب بھی دم بخودہ سے رہ گئے تھے۔

میں نے ایسا بھی کیا کر دیا، جو آپ مجھے اتنا سب کچھ سنائے جا رہے ہیں؟ اور کس تمیز کی بات کر رہے ہیں آپ؟ میں بدتمیز ہوتا تو اس رات آپ سے اس تمہیڑ کی وجہ ضرور

پوچھتا، میں بدتمیز ہوتا تو اس رات آپ سے بحث کرتا، میں بدتمیز ہوتا تو آپ کے ایک بار کہنے پر گھر چھوڑ کر نا جاتا، میں بدتمیز ہوتا تو آپ کے آگے اپنا حق مانگنے اکھڑا ہوتا، میں بدتمیز ہوتا تو آج بھی آپکی ڈانٹ نا سن رہا ہوتا، کاش میں بدتمیز ہوتا باباجان کاش میں بدتمیز ہوتا، زائر کی آواز میں قرب سا تھا، وہ ہرگز بھی کمزور نا تھا مگر وہ بولتا بولتا آخر میں سست پڑ گیا تھا۔

ڈائینگ حال میں سناٹا چھا گیا تھا اور صرف زائر کی آواز گونج رہی تھی۔

سفیر خان کو ایک دم سے پشیمانی نے آن گھیرا تھا انکا سر جھک سا گیا تھا جبکہ سارے الفاظ دم توڑ گئے تھے۔

جبکہ اسے ایسی حالت میں دیکھ، پلوشہ بیگم تڑپ اٹھی تھیں۔

میرا بچہ، وہ اس کے پاس آئیں تھیں۔

جبکہ باقی سب ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے کیونکہ کہیں نا کہیں وہ سب ہی زائر خان کے مجرم تھے جو اسکے اپنے تھے مگر ان میں سے کسی نے بھی تو اسکا ساتھ نا دیا تھا۔

زروا کو بھی نا جانے کیوں اسکا ایک ایک لفظ اپنے دل پر گرتا محسوس ہوا تھا مگر وہ کچھ بول نہیں سکتی تھی کیونکہ اسکے مجرموں میں وہ بھی تو شامل تھی۔

نہیں مومی آپکو میری قسم آج آپ کچھ مجھے نہیں روکیں گی، زائر نے نرمی سے انکے ہاتھ اپنے بازو سے ہٹائے تھے۔

جبکہ اس کی قسم پر پلوشہ بیگم وہیں تھم سی گئی تھیں۔

جاربا ہوں میں، آپ کی یہ سلطنت آپ کو ہی مبارک ہو، اب میں وہ 4 سال پہلے والا زائر خان آفریدی نہیں جس پر آپ جب چاہیں جیسے چاہیں اپنی مرضی چلائیں گے، اب میں

اس قابل ہو گیا ہوں کے اکیلے اپنی زندگی گزار سکوں، کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں
زائر خان کو، سفیر خان کی جانب دیکھ کر وہ بے حد سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

ہماری بات سنو خان، سفیر خان آہستہ سے بولے تھے۔

بہت سن چکا باباجان، مزید سنی تو کہیں گستاخی کا مرتب ناٹھرا دیا جاؤں، اسیلے میرا جانا
ہی ہم سب کے لیے بہتر ہے خاص کر آپ کے لیے، وہ کہتا ہوا جانے کو مڑا تھا۔

سفیر خان سر تھام کر رہ گئے تھے اسی وقت زائر کچھ یاد آنے پر واپس م پلٹا تھا۔

میری ایک بہت قیمتی امانت یہاں آپ کے پاس موجود ہے، اور میں بہت جلد اسے لینے
آؤں گا، بھولیے گا مت، ورنہ آپ جانتے ہیں میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں، وہ زروا کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں، بولا تھا لیکن وہ مخاطب سفیر خان سے تھا۔

تم بھی اپنا دماغ سیٹ کرلو، ورنہ مجھے یہ بھی اچھے سے آتا ہے، وہ اب کہ کافی بارعب
لجے میں زروا سے بولا تھا اور بنا کسی کی جانب دیکھے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا
تھا۔

سب ہی پریشان ہو گئے تھے، زروا بھی سن سی اسکے لفظوں پر غور کرتی رہ گئی تھی۔

وہ یونیورسٹی پہنچی تو اسکا سامنے سب سے پہلے عانیہ سے ہوا تھا، زروا ناجانے کیوں شرمندہ
سی ہوئی تھی جیسے جو ہوا اس میں صرف اسکا قصور تھا۔

ہے زروا، عانیہ نے اسے آواز دی تو زروا ہلکا سا مسکرائی تھی۔

ہیلو، زروا نے بھی اسے ہیلو کہا تھا۔

ہیلو کی بچی، کل سے نخرے ختم نہیں ہو رہے میڈم کے، مانا بھئی کہ زائر لالہ کی بیگم بن گئی ہیں محترمہ مگر بندی اپنی ایک عدد پیاری سی دوست کو تو نا بھولے، عانیہ ہنس کر کہتی اسکے گلے لگی تھی، اسکے لہجے میں کوئی بناوٹ نا تھی، وہ ہمیشہ کی طرح ہی زروا سے ملی تو زروا کو ایک دم ہلکی پھلکی ہوئی تھی۔

ارے ایسا کچھ نہیں ایسا کچھ نہیں، تم تو میری پیاری بہن ہو تمہیں میں کیسے بھول سکتی ہوں بھلا، زروا مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

ہم بھی ہیں منتظر راہوں میں، ضوریز مسکرا کر بولتا اچانک سامنے آیا تھا۔

واہ بھئی لوگوں نے شاعری بھی شروع کر دی، عانیہ نے شرارتی انداز میں جملہ کسا تھا۔

زروا اسے دیکھ کر پریشان سی ہو گئی تھی، ناجانے اب اسکا ری ایکشن کیا ہوگا، زروا سوچوں میں گم تھی۔

ویلے سب کتنا اچانک اور حیرت انگیز ہوا نا لالہ، کہ مشعال زروا دونوں کا ایک ساتھ ہی نکاح ہو گیا وہ بھی میرے دو ہینڈسم لالاز سے، عانیہ کے ہر انداز میں خوشی کی جھلک تھی یعنی اسے زروا یا کسی سے کوئی شکایت نا تھی اس نے قدرت کے اس فیصلے کو قبول کر لیا تھا۔

یہ زائر خان کبھی میری زندگی میں سکون نہیں آنے دے گا، بلڈی۔۔۔

ضوریز نے دل ہی دل میں زائر کو التقابات سے نوازا تھا۔

جبکہ اسکے ذکر پر زروا کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

او بھئی بے وفا دوستوں، اتنا بڑا واقع ہو گیا اور مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں، فریال جو انکی گفتگو کافی حد تک سن چکی تھی، دہائی دیتی ہوئی ہی زروا کے پاس آئی تھی۔

زروا کی بچی تمہاری اور ضریرز لالہ کی شادی کب ہوئی؟ فریال کی عادت تھی بنا سوچے سمجھے بولنا اسے ہر دفعہ ہی اس عادت پر زروا اور عانیہ سے کافی سننی پڑتی تھی مگر فریال بھی ماننے والی نا تھی سو اس نے ابھی ابھی یہی کیا تھا۔

تم سب کے منہ میں کیا زبان نہیں جو غلط کو سہی کرنے کی زحمت نہیں کر رہے، اس سے پہلے کے کوئی جواب دیتا وہ تن فن کرتی وہاں آئی تھی۔

ضریرز اسکے شعلے جوالا روپ پر چونکا تھا، جبکہ عانیہ اور زروا بھی حیران تھے کیونکہ ان کے بولنے سے پہلے ہی مشعال آگئی تھی۔

کیا مطلب تمہارا؟ فریال نے مشعال سے پوچھا تھا، جو کہ کافی اشتعال میں تھی۔

مطلب یہ ہے مس فریال راؤ، یہ جو سامنے کھڑا ہے نا تمہارے، یہ میرا شوہر ہے اور ہمارا کل ہی نکاح ہوا ہے جبکہ اس زروا کا نکاح زائر سے ہوا ہے، آئی ہوپ تمہیں تمہارے سوالوں کے جوابات مل گئے ہونگے، ایک ایک لفظ پر زور دے کر بے حد غصے سے بولتی مشعال جیسے آئی تھی ویسے ہی وہاں سے پلٹ گئی تھی۔

اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے، کونسا شوہر اسٹوڈنٹ لڑکی، ابھی صرف نکاح ہوا ہے، ضروریز بڑبڑایا تھا۔

اسکی اتنی دیدہ دلیری پر سب ہی دنگ رہ گئے تھے، کانفیڈنٹ تو وہ پہلے ہی تھی مگر آج تو اسکا انداز ہی الگ تھا۔

ضروریز ایسکیوز کرتا سب سے پہلے وہاں سے نکلا تھا جبکہ عانیہ زروا اور فریال اپنے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گئے تھے۔

ہے یو اسٹاپ، ضوریز نے دھاڑنے کے سے انداز میں اسے آواز دے کر روکا تھا۔

مشعال جو کہ یونیورسٹی کے کاریڈور کے قدرے سنسان گوشے میں تھی اسکی غصے میں
بھری آواز پر پلٹی تھی۔

واٹ؟ مشعال نے اس سے کئی زیادہ چلا کر جواب دیا تھا۔

جسٹ شٹ اپ، ڈونٹ ٹالک ود می ان دز ٹیون آگین، انڈرسٹینڈ (آئندہ مجھ سے اس لہجے
میں بات مت کرنا) ضوریز بارعب لہجے میں بولتا اسکے سر پر جا پہنچا تھا۔

اسے اوے فرام می، آئی ایم ناٹ زروا، یو بیٹر انڈرسٹینڈ؟ (مجھ سے دور رہو میں زروا نہیں ہوں، تم بہتر سمجھ جاؤ) مشعال غصے سے اسکی طرف دیکھ کر لفظ چبا چبا کر بولتی اس پر کافی گہرا طنز کر گئی تھی۔

تم زروا ہو بھی نہیں سکتی، ضروریز مسکرا کر بولتا مشعال کو زہر لگا تھا۔

او یو جسٹ شٹ اپ، مجھے زروا بننا بھی نہیں ہے، مشعال چلائی تھی۔

او آئی سی، تو یہ اس بات کا غصہ ہے کہ میں نے تمہیں نہیں بلکہ زروا کو چنا؟ ضروریز دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے سوال کرتا مشعال کو آگ ہی تو لگا گیا تھا۔

مجھے بالکل بھی غصہ نہیں آ رہا، مگر تمہیں ضرور آنا چاہیے کیونکہ زروا نے تمہیں چھوڑ، زائر کو چنا، چچ چچ، تم سے بڑا بے وقوف میں نے آج تک نہیں دیکھا ضروریز خان، مشعال طنزیہ انداز میں بولتی ضروریز کو لاجواب کر گئی تھی۔

زبان سنبھال کر بات کرو شاید تم بھول رہی ہو تم کس سے بات کر رہی ہو، ضروریز نے
بولے کے ساتھ ہی ایک جھٹکے سے اسکا بازو پکڑ کر اسے قریب کیا تھا۔

مجھے یاد ہے میں کس سے بات کر رہی ہوں، مگر تم بھول گئے ہو، یا شاید تم نے کبھی یاد
ہی نہیں رکھا ضروریز کے زروا کے علاوہ بھی تمہاری ایک دوست ہوا کرتی تھی، مشعال اسکی
سخت گرفت پر تکلیف سے تڑپ گئی تھی، اور اب کی بار وہ بولی تو اسکی آنکھیں نم تھیں۔

"انا پرست ہوں میں ٹوٹ جاؤں گی لیکن"

"تمہیں کبھی نہ کہوں گی کہ محبت ہے تم سے"

ضروریز اسکی آنکھوں میں نمی دیکھ کر چونکا تھا۔

مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی دور رہو مجھ سے، وہ ہنیاں انداز میں کہتی اس سے اپنا
آپ چھڑا کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

جبکہ ضوریز حیران سا وہاں ہی کھڑا رہ گیا تھا۔

میں اس مشعال کے چکر میں ایک بات بتانا بھول گئی تمہیں، عانیہ نے سر پر ہاتھ مارا تھا۔

زروا جو کہ سوچوں میں گم تھی اسکی بات پر چونکی تھی۔

کونسی بات؟ زروا نے پوچھا تھا۔

ارے آج لالہ کی برتھ ڈے ہے، تم بھول گئیں؟ عانیہ نے بتانے کے ساتھ ہی سوال
کیا تھا۔

اوہاں، زروا چونکی تھی۔

آج گھر میں پارٹی ہے تم آؤگی نا؟ عانیہ نے زروا سے پوچھا تھا۔

پتہ نہیں، زروا نے غائب دماغی سے جواب دیا تھا۔

او ہیلو کیا پتہ نہیں؟ عانیہ نے اسکا شانہ ہلایا تھا۔

کچھ نہیں، مجھے گھر جانا ہے، میں چلتی ہوں، ڈرائور انکل آگئے ہونگے، زروا کہتے ہی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تو عانیہ نے بھی زیادہ اسرار کرنا مناسب نا سمجھا تھا۔

ہیلو کزن، تمہیں ایک نیوز دینی تھی، ضروریز نے زائر کو کال کی تھی اور شومئی قسمت کال
رسیدو ہو چکی تھی۔

مجھے پتہ ہوتا یہ تم ہو تو میں کبھی کال پک نا کرتا وہ کیا ہے نا میرے پاس تمہاری بلواس
سننے کا بلکل وقت نہیں ہے، زائر چڑ کر بولا تھا۔

وہ کیا ہے نا میری بات زروا کے متعلق تھی مگر تمہیں نہیں سننی تو مرضی تمہاری، اوکے
بالے، ضروریز پراسرار انداز میں کہتا کال کٹ کرنے والا تھا۔

یے یو، تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کا نام بھی اپنی گندی زبان پر لانے کی؟ جان
لے لونگا میں تمہاری اگر زروا کے آس پاس بھی بھٹکے یو.....

زائر حلق کے بل چلایا تھا۔

چل مین، میں نے تو صرف اتنا بتانے کے لیے کال کی تھی کہ تمہاری بیوی تمہیں نہیں
مجھے پسند کرتی ہے اور اسکا ثبوت اسکے گلے میں موجود زیڈ۔ کے کا وہ لاکٹ ہے جو اسے میں
نے اسکے اٹھارویں برتھ ڈے پر گفٹ کیا تھا، ضرورز انتہائی سکون سے بولتا زائر کا دماغ گھما
گیا تھا۔

واٹ دا ہیل از دز، جھوٹ بول رہے ہو تم، زائر غرایا تھا۔

ہا ہا ہا، چلو تم یہی سوچ کر دل کو تسلی دے لو پر اگر تمہیں مزید پروف چاہیے تو آج میری
برتھ ڈے پارٹی میں آجانا اسپیشل انوٹیشن ہے تمہیں میری طرف سے، ناؤ بائے، ضرورز نے
اپنی بات مکمل کرتے ہی کال کٹ کر دی تھی۔

جبکہ دوسری طرف غصے سے زائر کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں، آنکھوں میں گویا خون
اتر آیا تھا، اسکے خوبو چہرے پر چٹانوں سی سختی تھی۔

بلڈی۔۔۔ زائر نے اسے گالیوں سے نوازتے ہوئے پوری قوت سے، ہاتھ میں پکڑا موبائل
غصے میں دیوار میں دے مارا تھا۔

تم آج بھی ویسی ہی ہو زروا خان، آج بھی اسی کی طرف ہو، مگر اس بار میں تمہیں اپنی زندگی
سے کھیلنے نہیں دوں گا، تم نے جو میرے ساتھ کیا اسکا حساب تو تمہیں دینا ہی ہوگا، مگر
اسکے ساتھ ہی میں تمہاری زندگی کو مشکل ترین بنا دوں گا، پل پل تم اپنے کیے کی سزا بھگتو گی
زروا، تمہیں اس اذیت کا احساس دلاؤں گا جو میں نے ان 4 سالوں میں بھگتی ہے، تیار رہنا،
بہت جلد تمہاری سزا کا آغاز ہونے والا ہے، زہر خند انداز میں سوچتا ہوا زائر نفرتوں کی حد پر
تھا۔

ناجانے اب زندگی کونسا موڑ لینے والی تھی۔

بیٹا یہ ڈریس آج تم پارٹی میں پہن لینا، پلو شہ بیگم نے زروا کو ایک خوبصورت کاددانی سوٹ
تمھایا تھا۔

مگر میں پارٹی میں نہیں جا رہی تائی جان، زروا نے آہستہ سے انکار کیا تھا۔

میں جانتی ہوں جو ہوا اس کے بعد وہاں جانا تمھارے لیے مشکل ہے مگر بیٹا جو ہونا تھا ہو چکا
مگر وقت کسی کے لیے نہیں رکتا، وقت کا کام ہے گزرنا سو گزر گیا۔

اس لیے اب تمھیں بھی سب بھول کر آگے بڑھنے ہوگا کیونکہ تم اب زائر کی منکوحہ ہو اور
مشعال ضوریز کی یعنی تم اب ایزی رہو۔

سب سے بڑی بات وہ سب سے پہلے تمہاری پھوپھو کا گھر ہے باقی رشتے بعد میں آتے ہیں، اگر تم وہاں نہیں گئی تو سماہر کو برا لگیگا بیٹا، اسلیے پلیز بچے آج وقت پر تیار ہو جانا، پلوشہ بیگم اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

مگر تائی جان، زروا نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

کیا تم ضروریز کو پسند کرتی؟ زروا کے جواب دیئے پر پلوشہ بیگم کی بات بچ میں ہی رہ گئی تھی۔

نہیں تائی جان ایسا کچھ نہیں، میں صرف اسے دوست مانتی ہوں، پلیز کوئی بھی ایسی ویسی سوچ دماغ میں نا لائیں، زروا تڑپ ہی تو گئی تھی۔

نامیری بچی میں تو صرف ایسے ہی پوچھ رہی تھی، تم روؤ مت پلیز میری جان، پلوشہ بیگم نے اسکی آنکھ میں آنسو دیکھے تو فورن اسکے قریب آئیں تمھیں اور اپنے دوپٹے سے اسکی آنکھیں صاف کی تمھیں۔

میں تیار ہو جاؤنگی تائی جان، آپ سہی کہہ رہی ہیں، میری وجہ سے سماہر پھوپو کو دکھ ہو میں ایسا کبھی نہیں چاہوںگی، زروا نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے انکی بات مان لی تھی۔

پلوشہ بیگم اسے ہزاروں دعائیں دیتی اٹھ کھڑی ہوئی تمھیں۔

واٹ دا ہیل از دز، اپنی خیریت چاہتے ہو تو، ابھی جا کر اپنے صاحب کو بولو مشعال سے بات کریں فورن، مشعال نے غصے میں ملازم کو اچھا خاصا جھاڑ دیا تھا۔

سورمی میم مگر صاحب نے کہا ہے کہ انہیں کہو وہ بڑی ہیں اسلیے فلحال کسی سے نہیں بات کرنا چاہتے، ملازم نے دڑتے دڑتے اسے اطلاع دی تھی۔

تمہارے صاحب کی تو ایسی کی تھی، مشعال نے کہتے ہی کھٹاک سے کال کٹ کر دی تھی۔

او بھئی کس پر بھڑک رہی ہو مس جوالا مکھی، صائم نے اسے لینڈ لائن کے پاس کھڑے بڑبڑاتی دیکھ مسکرا کر پوچھا تھا۔

کسی سے نہیں، مشعال بیزاگی سے بولی تھی۔

تو ضوریز لالہ کانک نیم کسی ہے؟ انٹرسٹنگ، صائم مصنوعی حیرت سے بولا تھا۔

بھاڑ میں جاؤ تم، مشعال کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

تم بھی ساتھ چل لو نا، میں اکیلا بور ہو جاؤنگا، شرارتی انداز میں بولتا وہ مشعال کو مزید تپاگیا
تھا۔

او جسٹ شٹ اپ، وہ غصے میں چلا کر بولتی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

اسی ہی رہم کرے ضوریز لالہ آپ پر، اسکے جانے کے بعد صائم بڑبڑایا تھا۔

"ضوریز ہاؤس" کی تو آج شان ہی الگ تھی، اور ہوتی بھی کیوں نا، آخر کو آج "ضوریز خان
آفریدی" کی برتھ ڈے پارٹی جو تھی۔

پورے بنگلے میں وائیٹ اینڈ بلو کالر کی ڈیکوریشن کے ساتھ ہر طرف سفید گلاب اور چمیلی کے پھولوں کی سجاوٹ کی گئی تھی، جن کی وجہ سے ماحول معطر محسوس ہو رہا تھا، اس کے علاوہ جانچاں لگی لائٹس دن میں بھی رات کا سا منظر پیش کر رہی تھیں۔

سماہر بیگم اور شہروز خان انٹرنس پر کھڑے مسکراتے ہوئے گیسٹ کو ویلکم کر رہے تھے۔

جبکہ ضوریز خان سرے سے غائب تھا۔

اسی وقت سوائے مشعال کے پوری "آفریدی فیملی" وہاں پہنچی تھی۔

سب ہی ایک دوسرے سے مل کر اندر کی جانب بڑھے تھے۔

واٹ؟ ضرور نے کال رسیو کرتے ہی غصے میں پوچھا تھا۔

اوکے آئی ایم کمنگ، اس نے لگے ہی پل بیڈ پر سے اپنا کوٹ اٹھا کر پہنا تھا اور عجلت میں گاڑی کی کیز اٹھا کر باہر لی جانب بڑھا تھا۔

پریل کلر کی گھیردار فراک میں لائٹ سے میک اپ میں عانیہ بے حد پیاری لگ رہی تھی، وہ اس وقت زروا کے ساتھ کھڑی باتوں میں مصروف تھی جب صائم وہاں آیا تھا۔

ہیلو گرلز، واٹس اپ؟ صائم نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

عانیہ مجھے اپنی نیو پینٹنگ کے بارے میں بتا رہی ہے صائم، تمہیں پتہ ہے یہ اتنی اچھی پینٹنگ کرتی ہے کہ بس، یو نو اس نے، زروا کی بات عانیہ نے تیزی سے کاٹی تھی۔

ارے میں تو بس ایلے ہی چھوٹی موٹی پینٹنگز کر لیتی ہوں زروا بھی نا بس ایلے ہی بڑھا چڑھا کر بتاتی رہتی ہے، عانیہ نے جلدی سے جواب دیا تھا۔

اوہ آئی سی، تم ابھی بھی پینٹنگز کرے گی ہو، ہے تمہارا بچپن کا شوق تمہا نا یہ؟ صائم نے اب ڈائریکٹ عانیہ سے پوچھا تھا۔

آں ہاں، عانیہ نے جھجکتے ہوئے جواب دیا تھا۔

واؤ ڈیٹس انٹر سٹنگ، ہماری فیملی میں ایک عدد پینٹر موجود ہے اور کسی کو پتہ ہی نہیں، یہ تو تمہارے ٹیلیڈنٹ کے ساتھ نا انصافی ہوئی ڈیئر، صائم سادھے سے لہجے میں بولا تھا مگر عانیہ کا دل اسکی توجہ پر ہی انوکھی لے پر دھڑکا تھا۔

"کلام کرتی ہوں قوس قزح کے رنگوں میں"

"میں ایک خیال ہوں اور شاعری میں رہتی ہوں"

اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، عانیہ بامشکل بولی تھی۔

ایسی ہی بات ہے، اور صائم پارٹی کے بعد ہم اسکی پینٹنگز دیکھیں گے، زروا مسکراتی ہوئی بولی تھی کیونکہ عانیہ کی آنکھوں میں صائم کے لیے موجود محبت وہ بہت پہلے ہی محسوس کر چکی تھی مگر آج اسے پکا یقین ہو گیا تھا۔

جبکہ صائم کے دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔

نہیں یار وہ عانیہ کیسے ہو سکتی ہے، میں بھی نا، پتہ نہیں کیا کیا سوچ لیتا ہوں، صائم نے اپنی سوچ کی نفی کی تھی۔

یار زروا تم بھی نا، عانیہ گرڑبڑائی تھی۔

کیوں نہیں؟ ہم بھی تو دیکھیں ہماری کزن کا ٹیلیفون کیوں بھا بھی؟ صائم نے زروا کو آج پہلی بار زائر کے حوالے سے پکارا تھا۔

زروا کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا تھا، تو کیا اب صرف میں تمہارے حوالے سے جانی جاؤنگی، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

صائم پلیز تم زروا ہی کہو مجھے، اس نے سوچوں سے پیچھا چھڑاتے ہوئے صائم سے کہا تھا۔

اس سے پہلے کے صائم کچھ جواب دیتا اس کا موبائل واٹس ایپٹ ہوا تو وہ ایسکیوز کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

زروا بھی عانیہ کے ساتھ دوسری طرف چلی گئی تھی۔

ضوریز ریش ڈراؤ کرتا کافی عجلت میں اس ایڈریس پر پہنچا تھا۔

گاڑی سے اتر کر وہ جیسے ہی اس روڈ پر پہنچا تو اسے وہاں دور دور تک کسی ہو سپیٹل، کا نام و نشان تک دیکھائی نا دیا تھا۔

یہاں تو کوئی ہو سپیٹل نہیں، تو پھر اس آدمی نے یہ کیوں کہا کہ مشعال یہاں ہو سپیٹل میں ایڈمٹ ہے، آئی ہوپ کہ تم ٹھیک ہو، ضوریز نے متفکر ہوتے سوچا تھا۔

ہیلو، ابھی وہ کار کے پاس کھڑا سیچوں میں گم تھا کہ کسی نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا تھا۔

وہ اس نسوانی آواز پر چونک کر پلٹا تو اسکا دماغ گھوما تھا۔

تم؟ اسے سامنے دیکھ کر ضریرز شکڈ سارہ گیا تھا۔

ہے یو تم تو بلکل ٹھیک ہو، ضریرز اسکی طرف دیکھتے ہوئے حیرت اور غصے کے لے جھلے تاثرات لیے بولا تھا۔

تو تمہیں کیا لگ رہا تھا میں اتنی آسانی سے تمہاری جان چھوڑ دوںگی تاکہ تم پھر سے اس زروا کے پیچھے چلے جاؤ، سوچ ہے تمہاری، طنزیہ انداز میں سکون سے جواب دیتی وہ ضریرز کو طیش دلا گئی تھی۔

یو اسٹوڈ سلی گرل، اسکا مطلب تم نے یہ سب مجھے یہاں بلانے کے لیے کیا تھا؟ ضرور
اسکی چالاک پر جی جان سے تپ گیا تھا، اور غصے میں چلایا تھا۔

یو نو واٹ؟ تم نا بہت ٹیڑھی کھیر ہو اور مجھے ٹیڑھی چیزوں کو سیدھا کرنے میں بڑا مزہ آتا
ہے، میں نے تو تمہیں کال کر کے شرافت سے مجھے پارلر سے پک کرنے کا کہا تھا تو تم
نے کیوں فضول میں اپنی سوکالڈ مصروفیات کی وجہ سے مجھے انکار کیا، بس پھر میں نے
بھی وہی کیا جو مجھے ٹھیک لگا، مشعال نے معصومیت سے اسے اپنا کارنامہ بتایا تھا۔

مشعال کی بات سن کر ضرور کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں، جبکہ اس نے اسکا دل
شدت سے چاہا تھا کہ مشعال کو شوٹ کر دے۔

یو فول، تم جانتی ہو میں کتنا پریشان ہو گیا تھا، یہ کونسا گھٹیا طریقہ تھا مجھے یہاں بلانے کا، یو
نو واٹ؟ تم ایک انتہائی بد دماغ اور چالاک لڑکی ہو، تمہیں تو میں، ضروریز غصے میں کھولتا اسکی
جانب بڑھا تو مشعال دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

وہ ہائی ہیل پہنی ہوئی تھی جسکی وجہ سے اسکا پاؤں مڑا تھا اور اس سے پہلے کے وہ زمین
بوس ہوتی ضروریز نے فورن اسے اپنے مضبوط بازؤں میں تھام لیا تھا۔

اور گلے ہی پل مشعال اسکی باہنوں میں تھی۔

اس ساحر کی قربت پر پہلی بار مشعال جیسی کانفیڈنٹ لڑکی بھی نروس ہوئی تھی، اس کی
پلکھیں سجدے میں گری تھیں اور دل بہت تیز دھڑک رہا تھا۔

جبکہ ضروریز نے بھی اس پل اس ضدی حسینہ کو غور سے دیکھا تھا، جائز رشتے کا احساس
اور تنہائی، کچھ لمحوں کو وقت تمہم سا گیا تھا۔

ضوریز اسے ناجانے کیوں محویت سے دیکھے جارہا تھا، یا شاید یہ نکاح کے پاکیزہ اور مضبوط
رشتے کا احساس تھا، جو دو اجنبیوں کو بھی محبت کی دُور سے باندھ دیتا ہے۔

ضوریز ہنوز اسی پوزیشن میں اس پر جھکا ہوا تھا، انکے چہرے کے بیچ فاصلہ ناہونے کے
برابر تھا۔

مشعال کو ضوریز کی سانسوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی، ضوریز کی اس قدر
قربت پر اسکی رنگت گلابی ہوئی تھی۔

مشعال اس وقت وائیٹ اور بلو کنٹراسٹ کی کرتی اسٹائل فریک جو کے گھٹنوں سے کچھ
ہی نیچے آتی تھی، کے ساتھ وائیٹ کلر کا بیل باٹم کا ٹراؤزر پہنے ہوئے تھی، ساتھ ہی
اس نے وائیٹ نیٹ کا دوپٹہ لاپرواہی سے شانے پر ڈالا ہوا تھا، نفاست سے کیے گئے
میک اپ میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

جبکہ اپنے گولڈن براؤن سلکی بالوں کو اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

اوہیلو لیلہ مجنوں، تم لوگ کا کیا ساری رات یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے، راستے سے اپنی گاڑی ہٹاؤ نا، اور اس چھمک چھلو کو کہیں اور لے جا کر پٹا ہیرو، ایک گنڈے نما آدمی نے کمینگی سے مشعال کو گھورتے ہوئے قہقہے لگاتے ہوئے فقرہ کسا تھا۔

اسکی بکواس پر ضوریز ایک دم سے حوش میں آیا تھا اس نے فورن مشعال کو ایک طرف کیا تھا اور اس آوارہ لڑکے کی جانب پلٹا تھا۔

کیا بکواس کی تم نے؟ ضوریز طیش میں اسکی جانب بڑھا تھا اور اسے کالر سے پکڑ کر غصے سے پوچھا تھا۔

اسے غصے میں دیکھ مشعال اسکے قریب آئی تھی۔

ضوریز لیو ہم، مشعال نے اسے اس قدر اشتعال میں دیکھا تو اسے بازو سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے اس لڑکے کو چھوڑنے کو کہا تھا۔

جب کے وہ گنڈہ ڈھینڈائی سے کھڑا بھی بھی مشعال کو تک رہا تھا جیسے اسے ان سب کوئی فرق ہی نہ پڑ رہا ہو۔

ہو تم پیچھے، اس کمینے کی ہمت کیسے ہوئی تمہارے بارے میں ایسا بے حودہ کمینٹ پاس کرنے کی، ضوریز نے مشعال کی بات کو خاطر میں نالالتے ہوئے چلا کر کہا تھا اور ساتھ ہی ایک پیچ اس آدمی کو رسید کیا تھا۔

وہ آدمی زمین پر جاگرا تھا۔

اس آدمی کے زمین پر گرتے ہی اسکے ساتھ ہی جو شاید کہیں آس پاس ہی تھے، فوراً سامنے آگئے تھے۔

ضوریز نے ایک تیز نگاہ ان سب پر ڈالی تھی، جو ہاتھوں میں، کرکٹ بیٹ، ہاکی اور اسی قسم کے دوسرے ہتھیار لیے اسکی جانب بڑھ رہے تھے، ضوریز پرسکون کھڑا تھا جبکہ مشعال تو گھبرا گئی تھی۔

کیوں بے ہیرو، بڑا جوش ہے تیرے میں، بہت گرم خون ہے تیرا، ایک آدمی جو کے شکل سے ہی گنڈہ موالی لگ رہا تھا، پوری لب و لہجے میں بولتا ہاکی ہاتھ میں لیے آگے آیا تھا۔

ضوریز چلو یہاں سے، مشعال نے ڈرتے ڈرتے اسکا بازو تھاما تھا۔

ہاہا، دیکھ کتنی سمجھدار ہے تیری یہ آٹم، وہی آدمی جسے ضوریز نے پیچ مارا تھا اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اے بکواس بند، ایک لفظ بھی اور کہا اس کے بارے میں تو زبان کھینچ کر گدی سے لگا دوں گا، ضوریز غصے سے حلق کے بل غرایا تھا۔

لگتا ہے یہ ہیرو اپنے گوگی دادا کو نہیں جانتا ورنہ منہ کھولے سے پہلے ہزار بار سوچتا، ان میں سے ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے، اپنے سردار کے بارے میں بات کرتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔

اب جب بار بار تم ہیرو کہہ رہے ہو تو ہیرو تو بننا ہی پڑیگا، مل لیتے ہیں تمہارے دادا نانا سے بھی، پہلے تم سے تو مل لوں، ویلے بھی لگتا ہے تمہیں اپنی خیریت عزیز نہیں، ضوریز نے انکی جانب دیکھتے ہوئے تمسخر اڑاتے انداز میں کہتے ہوئے اپنا کوٹ اتار کر ہاتھ میں لیا تھا۔

دیکھو ضوریز یہاں زیادہ اچھلنے کہ ضرورت نہیں ہے، ہر جگہ تمہاری ہیروگری نہیں چلنی، مجھے تو یہ بہت خطرناک لوگ لگ رہے ہیں، پلینز چلو یہاں سے، خوف سے تمہرے کانپتی مشعال اسکے کان میں بولی تھی۔

ضوریز نے اسکی جانب دیکھ کر اسے گھورا تھا۔

یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، اب منہ بند رکھو تم اپنا، وہ چڑ کے بولا تو مشعال خاموش ہو گئی تھی۔

اسی وقت ایک گنڈے نے ضوریز پر وار کیا تھا مگر وہ بلا کا چوکس شخص بڑے آرام سے اس سے بچ گیا تھا۔

بات کر رہا ہوں نا میں، دکھتا نہیں تمہیں، وہ اسطرح بولا جیسے وہ لوگ اسکے زر خرید غلام ہوں۔

اے او سٹیا گیا ہے کیا؟ ایک گنڈہ غصے میں چیخا تھا۔

نہیں، مگر اب سٹیانے والا ہوں، وہ اپنا کوٹ مشعال کو پہناتے ہوئے بولا تھا۔

مشعال ہالف سلیوز میں تھی جسکی وجہ سے اسکے بازو نظر آرہے تھے جو کہ ضروریز کو گورانا تھا، اس نے اسی لیے اپنا کوٹ اسے پہنایا تھا۔

اسے اتارنا مت اور ایک طرف کھڑی رہو، میں زرا اپنے ان پیارے پیارے بھائیوں کو اپنی ہیروگری تو دکھاؤں، ضروریز کہتا ہوا ان گنڈوں کی جانب بڑھا تھا۔

ایسی سچویشن میں بھی اتنا ریلیکس تھا، مشعال حیران سی کھڑی رہ گئی تھی۔

ہاں تو بھائیوں، کس کس کو ہیروگری دیکھنی ہے لائن سے آتے جاؤ، وہ شرٹ کی آستین فولڈ کرتا مزے سے بولا تھا۔

تو نے ہمیں ہلکا لے لیا ہے لگتا ہے، ابھی تجھے سبق سیکھاتا ہوں، تیری تو، ایک گنڈہ غصے
میں ہاکی لے کر اسکی جانب دوڑا تھا۔

ضویر نے جھک کر اسکا وار ضائع کروادیا تھا۔

اے یار تمہیں تو لڑائی کرنا بھی نہیں آتی، اس نے کہتے ہوئے ایک کک برابر کھڑے
گنڈے کو ماری تھی اور اس سے ڈنڈا چھیننے کے انداز میں لیا تھا۔

واہ میرے ہیرو، مشعال دل ہی دل میں اسے داد دیے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

مارو سالے کو، اپنے ساتھی کو کمزور پڑتے دیکھ پانچوں گنڈے اسکی جانب بڑھے تھے۔

آجاؤ آجاؤ، اب تمہیں ہیرو کا ایکشن دیکھاتا ہوں، ضروریز تیز رفتار میں ہوا میں ڈنڈا گھماتا آگے
بڑھا رہا تھا۔

اس نے دیکھتے ہی دیکھتے ڈنڈے کو ماہرانہ انداز میں گھماتے ہوئے سب کو ایک ایک کر
کے زمین پر پٹخ دیا تھا۔

ایڈیٹس، وہ ہاتھ جھاڑتا ڈنڈا پھینک کر پلٹا تھا۔

ضروریز بچاؤ، مشعال چلائی تھی۔

سامنے ہی ایک آدمی جو کے ناجانے کب نظر بچا کر بھاگ نکلا تھا، مشعال کے ساتھ
بدتمیزی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

چھوڑ اسے ورنہ زندہ زمین میں گاڑھ دوںگا، ضریرز وہیں سے چلایا تمھا اور آندھی کی رفتار سے
دوڑتا مشعال تک پہنچا تمھا۔

خبردار جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا، اس بلبیل کی گردن اڑا دوںگا، وہ آدمی مشعال کے گلے پر
چاقو تانے کھڑا تمھا۔

ضریرز کے اب سہی معنوں میں پیروں تلے زمین نکلی تھی۔

دیکھو اس نے کچھ نہیں کیا، اسے چھوڑ دو ورنہ، ضریرز با مشکل غصے پر قابو پاتا اسکی جانب
دیکھ کر بولا تمھا۔

ہاہا، اب آئیگا مزہ، جب تیرے سامنے ہم اسے گوگی دادا کے سامنے پیش کریں گے اور
ان سے داد لیں گے، وہ آدمی مکرو انداز میں ہنسا تمھا۔

آہ، اسی وقت اسکے ہاتھ سے چاقو زمین پر گرا تھا۔

ضوریز نے حیرت سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

کہینے، میرے ضوریز کو دھمکاتا ہے، تجھے تو میں، اس سے پہلے کے مشعال اسکی درگت بناتی ضوریز صورتحال سمجھ چکا تھا اور فورن اسے کھینچ کر خود کے ساتھ لگایا تھا۔

مشعال نے اس آدمی کے پاؤں پر اپنی ہیل ماری تھی جس وجہ سے اسکے ہاتھ سے چاقو گرا تھا۔

اے او میری جھانسی کی رانی، بس کرو، میں سنبھال لوں گا اسے، ہنس کر بولتا ضوریز اس آفت کو قابو کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

اے کون ہو تم لوگ، وہ آدمی اٹھ کر اٹے قدموں وہاں سے بھاگ گیا تھا۔

تم نے مجھے کیوں روکا، آج میں اسکی جان لے لیتی، مشعال خونخوار لہجے میں بولتی ضریرز کو
قہقہہ لگانے پر مجبور کر گئی تھی۔

کیا چیز ہو تم؟ وہ اب مزے سے اسکی جانب دیکھتا سوال کر رہا تھا۔

جسٹ شٹ اپ، اب اگر تمہارے ایکشن ختم ہو گئے ہوں تو گھر چلیں؟ مشعال تپ کے
بولی تھی۔

ہاں ہاں وائی ناٹ، ضریرز اسے ساتھ لے کر گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔

مشعال اس سے پہلے ہی فرنٹ ڈور اوپن کر کے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

اسکی اس حرکت پر ضوریز مسکراتا ہوا اپنی سیٹ پر آیا تھا۔

بلیک تھری پیس میں وہ اپنی ساحرانہ پرسنالٹی کے ساتھ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

وہ جیسے ہی "ضوریز ہاؤس" میں انٹر ہوا ہزاروں نظریں اسکی جانب اٹھی تھیں، جن میں اسکے لیے پسندیدگی تھی، وہ کسی کو بھی چاروں شانے چت کرنے کا ہنر جانتا تھا اور اپنی اس خوبی سے وہ اچھے سے واقف تھا۔

مردانہ وجاہت کا شاہکار وہ شخص واقع ہی اس قابل تھا کہ اسے سرہایا جائے۔

بے شک خدا کسی کسی کو اتنا مکمل حسن دیتا ہے اور زائر خان آفریدی ان چند لوگوں میں سے ایک تھا۔

حسن و ذہانت کی دولت سے مالا مال وہ شخص بے مثال تھا، مغرور ایسا کہ خدا کی پناہ، لیکن
جب عشق کی مار پڑتی ہے تو اچھے اچھوں کی عقل ٹھکانے آجاتی ہے تو ایسا ہی کچھ زائر
خان آفریدی کے ساتھ ہونے والا تھا۔

پتھر بھی جو ہو جائے موم ایک دن
جب ہی تو کھلائے گا، عشق سبجان اسد

اپس، آئی ایم سو سوری، ٹکرانے کی وجہ سے ایک لڑکی کے ہاتھ سے کولڈرنک کا گلاس زروا
کے ڈیس پر گرا تھا۔

اُس اوکے، زروا نے اسے شرمندہ ہوتے دیکھ جلدی سے کہا تھا۔

ارے کیا ہوا زروا؟ عانیہ ابھی بس وہاں آئی تھی۔

یار یہ بس غلطی سے، اس نے اپنے کپڑوں کی جانب اشارہ کیا تھا۔

اوائی سی، تم ایسا کرو میرے روم میں جاکر واش کرلو اسے ورنہ داغ رہ جائیگا، عانیہ نے مسکراتے ہوئے اسے مشورہ دیا تھا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے، زروا اپنا ڈوپٹہ سنبھالتی عانیہ کے روم کی جانب بڑھی تو ایک شخص کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

وہ مسرور سا سیڑھیوں کی جانب بڑھا تھا۔

اسپورٹس لائٹ کی روشنی میں مشعال اور ضوریز ایک ساتھ وہاں پہنچے تو ہر نظر ان پر ہی تھی۔

مشعال وائیٹ اور بلو کنٹراسٹ کی کرتی اسٹائل فراک میں تھی جبکہ ضوریز جینس پر بلو بلیزر کے ساتھ وائیٹ شرٹ، پہنے ہوا تھا۔

سب ہی نے اس خوبصورت جوڑے کو سرہایا تھا۔

مشعال ضوریز کے ساتھ سرشار سی چل رہی تھی، جبکہ ضوریز حیران سا اسکی یہ خوشی نوٹ کر رہا تھا۔

تم ویلے یہ اتنا خوش کیوں ہو؟ ضوریز نے سامنے دیکھتے ہوئے اس سے سوال کیا تھا۔

کیونکہ یہاں موجود ہزاروں لڑکیاں جس کا خواب دیکھتی ہیں، وہ میرا ہے، میں ضوریز خان کی
وائف ہوں، پر اعتماد سا لہجہ ضوریز کو شکد کر گیا تھا۔

"تمہارے گرد دائرہ ہے ___ میری دعاؤں کا"

"تم میرے انتخاب کی ___ مقدس لکیر ہو"

تو کیا یہ مجھ سے؟ اسنے خود سے سوال کیا تھا۔

مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا یو ڈیم اٹ، وہ بڑبڑایا تھا۔

اتنے میں ہی وہ سب کے قریب پہنچے تھے۔

آہ، وہ واشروم سے اپنا ڈریس واش کر کے نکلی ہی تھی کہ سامنے موجود شخص کو دیکھ کر
اسکی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

اسکے چہرے کا رنگ ارگیا تھا گویا اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

واہ بھئی لالہ، تو یہ بات ہے، آپکو ہماری بھابھی جان کے ساتھ اینٹری مانی تھی، عانیہ انہیں
ساتھ آتے دیکھ شرارتی انداز میں بولی تھی۔

بس ایسا ہی سمجھ لو تم عانیہ ڈارلنگ، مشعال نے کھلکھلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

جبکہ ضوریز اندر ہی اندر تپ کے رہ گیا تھا۔

میرے خیال میں اب کیک کٹ کر لینا چاہیے لالہ، صائم انکے قریب آتا ہوا بولا تھا۔

ہاں ٹھیک ہے، ضوریز اسکے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا تھا جہاں باقی سب اسکا ویٹ کر رہے تھے۔

آآپ یہاں، اسے دیکھ کر زروا گھبرا گئی تھی۔

کیوں؟ جب وہ ضوریز بنا کسی رشتے کے تمہارے روم میں آسکتا ہے تو میں تمہارا شوہر ہو کر یہاں نہیں آسکتا؟ زائر نے کاٹ دار لہجے میں بولے ہوئے زروا کے وجود کو پورے قد سے زمین پر لاپٹھا تھا۔

اسکا برف سا سرد لہجہ زروا کو وہیں منجمد کر گیا تھا۔

یہ کیا بکواس ہے؟ آپ ہوتے کون ہیں؟ میرے بارے میں ایسی بے ہودہ بات کرنے والے، آپ کو شرم آنی چاہیے کسی بے قصور کے دامن پر یوں کیچڑا چھلٹے ہوئے مسٹر زائر خان آفریدی، جب بات کردار پر آئی تو زروا غصے سے غرائی تھی۔

او جسٹ شٹ اپ یو اسٹوپڈ سیلفش گرل، زبان سنبھال کر بات کرو، زائر اس سے زیادہ تیز لہجے میں بولتا اسکے قریب آیا تھا۔

زروا سہم کر پیچھے ہٹی تھی۔

دیکھیے میں نے کچھ نہیں کہا آپکو، آپ خود مجھے، زروا کی بات بچ میں ہی رہ گئی تھی۔

شش خاموش، زائر نے اسے خاموش کروانے کے ساتھ ہی، اسکی کمر کے گرد بازو
حمائل کرتے ہوئے اسے جھٹکے سے کھینچ کر اپنے قریب کیا تھا۔

زروا کسی نازک ٹہنی کی طرح اسکے چوڑے سینے سے جا لگی تھی۔

لسن سویٹ ہارٹ مجھے نا تم میں انٹرسٹ ہے نا تم سے بات کرنے میں، اور نا ہی اتنا
وقت ہے کہ تمہاری یہ بکواس سنوں، میں یہاں صرف اپنے کام سے آیا ہوں، وہ اسکی
ہیزل گرین خوبصورت مگر خوفزدہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے از حد سرد و سپاٹ لہجے میں بولا
تھا۔

زروا کی آنکھ سے آنسو تیزی سے جاری ہوئے تھے۔

خان، آپ ایلے تو نہیں تھے، وہ روہانسی ہوتے بولی تھی۔

تم بھی ایسی تو نا تھی کہنے کے ساتھ ہی زائر نے زروا کے گلے سے دوپٹہ کھینچا تو اسکے گلے میں موجود زیڈ۔ کے کے لاکٹ کو دیکھ کر اسکا خون کھول اٹھا تھا۔

زائر نے غصے میں سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اس لاکٹ کو پکڑ کر کھینچا تو زروا کے گلے میں پندھا سا لگا تھا۔

آہ، تکلیف کے مارے زروا کراہ اٹھی تھی۔

مگر زائر پر تو اس وقت گویا جنون سوار تھا۔

(اسکے دماغ میں صرف ایک ہی بات گونج رہی تھی کہ، زروا کے گلے میں جو زیڈ۔ کے کا لاکٹ ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زروا خان آفریدی، زائر خان آفریدی کے نکاح میں ہونے کے باوجود آج بھی مجھ سے، یعنی ضوریز خان آفریدی سے محبت کرتی ہے)

جیسے جیسے زائر اس بات کو سوچتا جا رہا ویلے ویلے اسکی گرفت زروا پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

جبکہ تکلیف کی وجہ سے زروا کی آنکھ سے دو موتی ٹوٹ کر بے مول ہوئے تھے مگر فلحال زائر پر ان آنسوؤں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور اسنے ایک ہی جھٹکے میں وہ لاکٹ زروا کی نازک گردن سے کھینچ کر اتلا لیا تھا۔

چین کے کھینچنے سے زروا کی درد کے مارے ہلکی سی چیخ بلند ہوئی تھی۔

جس کا فلحال زائر پر کوئی اثر نا ہوا تھا۔

بند کرو اپنے یہ ڈرامے مجھ پر اب انکا کوئی اثر نہیں ہوگا زروا بی بی، تم کیا سب کی طرح مجھے بھی بے وقوف سمجھتی ہو؟

تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہارے ان مگرچھ کے آنسوؤں پر یقین کروں گا ؟

نو نیور، زائر نے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

لیکن شاید زروا تو اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھی، ہاں کیونکہ زائر خان آفریدی نے آج جو الزام اسکے کردار پر لگائے تھے وہ زہریلے نشتر کی مانند تھے جو زروا کے وجود کو چھلنی چھلنی کر گئے تھے اور وہ معصوم سی لڑکی جو کانچ جیسی تھی آج بری طرح ٹوٹ گئی تھی۔

جبکہ زائر خان آفریدی زروا کے سامنے کھڑا اسے مسلسل اپنے الفاظوں سے لہو لہان کر رہا تھا۔

بہت شوق ہے نا تمہیں گیمز کھیلنے کا؟ اب زائر خان آفریدی بتائیگا تمہیں، اصل کھیل کے کہتے ہیں زروا خان، آج سے ٹھیک 15 دن بعد تم سے میرے بیڈروم میں ملاقات ہوگی، اور یقین مانو تمہیں اب میرے عتاب سے کوئی نہیں بچا سکتا، نفرت کرتا ہوں میں تم سے،

بے انتہا نفرت، اور یہ میں تمہیں اب ثابت کر کے دیکھاؤں گا، بے حد نفرت سے کہتا وہ لگے
ہی پل وہ زروا کو ایک جھٹکے سے چھوڑتا ہوا روم سے باہر نکلتا چلا گیا تھا جبکہ زروا آنسوؤں
بھری آنکھوں سے اس پتھر دل کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

یہ زروا کا زائر تو نہ تھا، زروا نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا تھا، کیونکہ وہ زائر خان آفریدی
تو زروا کا ایک آنسوؤں گرنے پر دنیا ادھر سے ادھر کرنے کو تیار رہتا تھا تو آج کیا ہوا تھا جو
زروا کے آنسوؤں اس پتھر دل پر کوئی اثر نہیں کر رہے تھے۔

وہ لڑکی شاید پاگل تھی
کیا صبر تھا اس دیوانی کا
کیا ضبط محبت کرتی تھی
آنکھوں میں نیم نشہ سا تھا
باتوں سے دیوانی لگتی تھی
ہمراز نہ تھا اس کا کوئی

بس رب سے باتیں کرتی تھی
دن رات ہی گم صم رہتی تھی
کچھ شرم و حیا کا پیکر تھی
کچھ نرم مزاج وہ دکھتی تھی
اک شام کے آنچل میں اکثر
جذبات چھپائے رکھتی تھی
ڈرتی تھی جدا ہونے سے
یا پیار سے شاید ڈرتی تھی
ہے رشک مجھے اس پاگل پہ
کیا خوب محبت کرتی تھی
ہمراز نہ تھا اس کا کوئی
بس رب سے باتیں کرتی تھی۔!

کیا ایک بار پھر نفرت کے آگے محبت گھٹنے ٹیکنے والی تھی؟

یا پھر اب عشق کی باری تھی اپنی چال چلنے کی؟

کیا زروا کا صبر ٹوٹنے والا تھا یا زائر کی نفرت ٹٹنے والی تھی؟

محبت اور نفرت کی جنگ میں جیت کس کی ہونی تھی، یہ تو وقت ہی بتانے والا تھا۔

تالیوں کی گونج میں ضرور نے کیک کاٹا تھا۔

ہپی برتھ ڈے ٹو یو لالہ، عانیہ نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے اسکے شانے سے لگ کر اسے وش کیا تو ضریرز نے سب سے پہلے اسے کیک کھلایا تھا۔

اسی پل صائم نے ایک غیر ارادی نظر اس پر ڈالی تھی، عانیہ کے چہرے پر بچوں سی معصومیت تھی، صائم دیکھتا رہ گیا تھا۔

کیا آج کے دور میں بھی کوئی لڑکی اتنی معصوم ہو سکتی ہے؟ اس نے دل ہی میں سوچا تھا۔

عانیہ اسکی نظروں کی تپش سے اسکی جانب متوجہ ہوئی تھی، صائم اسے ہی دیکھ رہا تھا اور لگے ہی پل جھینپ کر نگاہ جھکا گئی تھی۔

صائم اسکی اس ادا پر مسکرا کر رہ گیا تھا۔

گرپا تم بھی نا، اب تمہارے لالہ چھوٹے بچے نہیں ہیں، ضوریز نے اسکے گرد بازو کا حصار
باندھ کر اسکے سر پر پیار کیا تھا۔

لالہ کیا ہے نا بھئی میرا ہیئر اسٹائل خراب کر دیا، عانیہ نے اسے چھیڑا تھا۔

ضوریز نے اسے مصنوعی گھوری سے نوازا تھا۔

ارے بھئی باقی سب بھی یہاں موجود ہیں، تم دونوں بہن بھائی انہیں بھی موقع دے دو،
شہروز خان نے مسکراتے ہوئے کہا تو ضوریز ہنس دیا تھا۔

ڈیڈ یہ چڑیل جان چھوڑے تب نا، ضوریز شرارتی انداز میں بولا تو سب ہی ہنس دیے تھے۔

جبکہ عانیہ منہ پھلا کر رہ گئی تھی۔

ضوریز نے سب ہی کو کیک کھلایا تھا سوائے مشعال کے، وہ بھی اسے نظر انداز کیے ایک طرف کھڑی تھی۔

ارے بھی لالہ، آپ سب سے اسپیشل انسان کو تو کیک کھلانا بھول گئے، عانیہ نے زومعنی انداز میں کہا تو مشعال چونکی تھی۔

میرے لیے جو اسپیشل تھے میں انہیں کیک کھلا چکا، مجھے نہیں لگتا اب کوئی اور بچا ہے، ضوریز لاپرواہی سے کہتا ایک بار پھر سے مشعال کی ذات کی نفی کر گیا تھا۔

مشعال کو ناجانے کیوں ایک بار پھر سے اپنا آپ بے وقعت ہوتا محسوس ہوا تھا۔

اس نے اپنی آنکھوں میں آتی نمی کو تیزی سے اندر دھکیلا تھا۔

اس پل اس کا دل شدت سے چاہا تھا کہ اپنی اس یکطرفہ محبت پر لعنت بھیج کر یہاں سے چلی جائے مگر وہ ایسا صرف سوچ سکتی تھی۔

ارے لالہ یہ مشعال ہے تو، صائم نے مشعال کا ہاتھ پکڑ کر اسے ضریر کے برابر کھڑا کیا تو وہ بے تاثر چہرہ لیے اسکے ساتھ آکھڑی ہوئی تھی۔

ضریر نے سب کے کہنے پر اسے بے دلی سے کیک کھلانا چاہا تھا۔

سوری، میں اتنی سویٹ چیز نہیں کھا سکتی، میری ڈائنٹ خراب ہو جائیگی، تڑاخ سے جواب دیتی وہ بدلہ لے چکی تھی۔

ایز یور وش، ضریر نے تپ کد کندھے اچکائے تھے اور کیک واپس رکھ دیا تھا۔

اس دن کے بعد اسکا زائر سے سامنے نا ہوا تھا، انکے ڈیپارٹمنٹس الگ الگ تھے اس لیے وہ یونیورسٹی میں بھی اسے کہیں دیکھائی نا دیا تھا۔

زروا نے سکھ کا سانس لیا تھا مگر جب بھی اسے زائر کے وہ الفاظ یاد آتے تھے ایک خوف سا اسکے رگ و جاں میں سرایت کر جاتا تھا۔

زندگی آہستہ آہستہ معمول پر آگئی تھی، یونیورسٹی میں ایگزامز شروع ہوئے تو چہل پہل بھی کافی حد تک کم ہوگئی تھی، سب ہی اسٹوڈنٹس ایگزام کی وجہ سے بڑی تھے، زروا بھی ایگزامز کی ٹینشن میں کچھ وقت کے لیے تو سب کچھ بھول گئی تھی۔

مگر قسمت اسکے لیے کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی جسکا اندازہ اسے آج کا سورج ڈھلنے تک ہی ہو جانا تھا۔

آج انکا آخری پیپر تھا، وہ تینوں، بس ابھی ابھی ہی پیپر سے فری ہو کر ایگزامینیشن حال سے باہر آئی تھیں۔

یا اللہ تیرا شکر ہے پیپرز سے جان چھٹی، فریال نے کچھ اس انداز سے کہا تھا کہ زروا اور عانیہ دونوں ہنس دی تھیں۔

تم آرٹس کی اسٹوڈنٹ ہونا؟ زروا نے اس سے سوال کیا تھا۔

ایں؟ تمہیں نہیں پتہ؟ فریال نے الٹا اسی سی سوال کیا تھا۔

پتہ ہے جب ہی حیرت کر رہی ہوں، کیونکہ آرٹس میں تمہارا یہ حال ہے اگر تم سائنس کی اسٹوڈنٹ ہوتی تو ہم تو تمہاری دہایاں سن سن کر ہی مرجاتے، زروا اسکی جانب دیکھ کر شرارت انداز میں بولی تھی۔

اسکی بات پر عانیہ بھی ہنس دی تھی۔

زروا کی بچی رک، فریال ہاتھ میں موجود پانی کی بوٹل لیے زروا کی طرف بڑھی تو زروا فورن وہاں سے بھاگی تھی۔

فریال نہیں، زروا نے اس کے تیور بھانپتے ہوئے اسے باز رکھنا چاہا تھا۔

یس زروا، فریال آنکھوں میں شرارت لیے ہنستی ہوئی اسکی جانب بڑھ رہی تھی جبکہ عانیہ انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

فریال دیکھ میں بات نہیں کرونگی اگر مجھ پر ایک بوند بھی پانی گرا تو، زروا نے اسے وارن کیا تھا اور ساتھ ہی اٹے قدموں پیچھے ہٹتی ہوئی پلٹی تھی۔

اسی وقت وہ اپنے پیچھے موجود شخص سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

کچھ وقت کے لیے تو اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا، اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ جلدی جلدی میں کس چیز سے ٹکرا گئی ہے۔

یا اللہ میرا سر، زروا جب اپنا چکراتا ہوا سر سنبھال کر پیچھے ہی تو سامنے کھڑے شخص پر پڑی تو خوف کے مارے اسکی آواز بند ہوئی تھی۔

اوگاڈ، آئی کانٹ بلیو، اگین یو؟ یہ تم بار بار میرے راستے میں ہی کیوں آتی ہو؟ یا بہت شوق ہے شاید تمہیں مجھے چھونے کا؟ نفرت سے بھرے اور ہتک آمیز انداز میں سوال کرتا، وہ شخص زائر خان تھا۔

اسکا زہریلا و طنز سے بھرپور لہجہ، زروا کے دل کے ٹکرے کر گیا تھا۔

اسکے اس قدر نفرت بھرے انداز پر زروا کی خوبصورت آنکھوں میں نمی سی تیر گئی تھی جسے چھپاتی وہ بنا جواب دیے، منہ پر ہاتھ رکھ کر تیزی سے وہاں سے بھاگی تھی اور اندھا دھند دوڑتی یونیورسٹی کا گیٹ پار کر گئی تھی۔

زائر سر جھٹک کر دوسری جانب مڑ گیا تھا۔

یہ شام 5 بجے کا وقت تھا وہ بس ابھی سو کر اٹھا تھا۔

وہ آج ہی آخری پیپر سے فارغ ہوا تھا اور اب اسکا ارادہ مزے سے سو کر اپنی نیند پوری کرنے کا تھا، کیونکہ وہ اپنی پڑھائی کے معاملے میں بے حد سیریش تھا اور ایگزامز کے دنوں میں تو وہ رات رات بھر جاگ کر پڑھائی کرتا تھا۔

صائم ابھی اٹھا ہی تھا کہ اسی وقت اسکے روم کا ڈور ناک ہوا تھا۔

اوگاڈ، ابھی ابھی سو کر اٹھا ہوں اب کون آگیا، صائم بڑبڑاتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

صائم بابا یہ پارسل آیا ہے آپکے لیے، ملازم نے ایک کافی بڑا پارسل اسے تھمایا تھا۔

دیکھنے میں تو یہ بھی کوئی پینٹنگ ہی لگتی ہے، صائم نے پارسل لیتے ہوئے اندازہ لگایا تھا۔

اوکے تھینکس اب تم جاؤ، وہ ملازم سے پارسل لے کر روم میں آگیا تھا۔

صائم نے اس پر لگا کارڈ پڑھا تو اس میں وہی مخصوص جملہ لکھا ہوا تھا۔

یور ویل وشر، صائم پڑھ کر مسکرایا تھا۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے پارسل کھولا تو اس میں ایک بے حد خوبصورت منظر کی پینٹنگ تھی۔

جس میں ایک شہزادہ ایک بے حد خوبصورت جزیرے میں گھوڑے پر سوار دوڑتا ہوا ایک جانب جا رہا تھا۔

جہاں کچھ دور ایک لڑکی اپنا فراک پکڑے کھڑی مسکرا رہی تھی، وہ شاید اسکی شہزادی تھی اور اپنے شہزادے کا انتظار کر رہی تھی۔

یہ خوبصورت منظر شاید بھیجنے والے کے جذبات کی عکاسی کر رہے تھے، جسے دیکھ کر صائم کے لب مسکرائے تھے۔

اسی وقت اسکی نظر ایک چیز پر پڑی تھی، جسے دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

اوہ، سو مس عانیہ خان آفریدی، میرا شک سہی تھا، یو آر مائی ویل وشر ہمہ انٹر سٹنگ، آہستہ سے کہتے ہوئے صائم زیر لب مسکرایا تھا۔

ہیلو اپوری ون، وہ سب اس وقت ڈائینگ ٹیبل پر موجود تھے، جب وہ ایک ادا سے سب کو مخاطب کرتا ڈائینگ حال میں انٹر ہوا تھا۔

اسے دیکھ کر زروا کا تو رنگ زرد پڑا تھا، اسکی روح فنا ہونے کو تھی، تو گویا اپنی بات پوری کرنے، وہ آن پہنچا تھا؟

لالہ، صائم اٹھنے لگا تھا مگر سفیر خان کی گھوری نے اسے وہیں بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

کیوں آئے ہو اب تم یہاں؟ سفیر خان اسے گھورتے ہوئے پوچھ رہے تھے، مگر لہجہ آج اس دن کی طرح سخت نا تھا، شاید انہیں اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا۔

اپنے ایک بہت ضروری کام سے، وہ صرف اتنا بولا تھا۔

بلیک جینس پر، گرے شرٹ اور ملٹری اسٹائل بلیک جیکٹ پہنے دونوں ہاتھ پوکٹ میں
ڈالے کھڑا، سفیر خان کو وہ بے حد خود سر اور ہٹ دھرم لگا تھا۔

ارے صائم زروا اور مشعال بیٹا دیکھو میں نے تم تینوں کا فیورٹ، چو کلیٹ کیک، پلو شہ
بیگم بولتی ہوئی ڈائینگ حال میں انٹر ہوئی تھیں، مگر سامنے کھڑے زائر کو دیکھ کر انکی
بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔

تم آگے زائر، وہ کیک ٹیبل پر رکھ کر اسکے قریب پہنچی تھیں۔

جی مومی میں، بس مجھے یہاں آنا ہی پڑا، زائر نے انکے دونوں ہاتھوں کو چوم کر آنکھوں پر
لگایا تھا۔

پلوشہ بیگم کی آنکھیں نم ہوئی تھیں، بلاشبہ زائر خان آفریدی، انکا بے حد فرمانبردار بیٹا تھا، مگر ناجانے کیوں قسمت نے اسی کے ساتھ یہ کھیل کھیلا تھا، کہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ جلاوطنی کی سزا کا حقدار ٹھہرا تھا، اسکی آنکھوں کی ویرانی دیکھ انکا دل دکھ دکھ جاتا تھا۔

وہ اسکے مضبوط بازوؤں کے گھیرے میں آگے آئی تھیں۔

بیٹھو بیٹا، نگین بیگم نے اسے بیٹھنے کا کہا تھا۔

نہیں چچی جان آج میں یہاں ایک بہت ضروری کام سے آیا ہوں، بیٹھنے کا وقت نہیں
فلحال، وہ مسکرا کر کہتا زروا کے ساتھ ساتھ باقی سب کو بھی چونکا گیا تھا۔

کونسا کام بیٹا؟ پلوشہ بیگم نے پوچھا تھا۔

دراصل بات یہ کہ، فرقان چچا جان میں آج آپ سے اپنی امانت لینے آیا ہوں، پرسکون انداز میں بولتا وہ زروا کے سر پر دھماکہ کرگیا تھا۔

باقی سب بھی شکڈ تھے، انہیں اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی اپنا مطالبہ لے کر آجائے گا۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟ سفیرخان نے اب غصے میں پوچھا تھا۔

سمپل ورڈز میں بتا دیتا ہوں، میں زروا کو رخصت کروانے آیا ہوں، تو جیسا میں نے کہا آپ صرف وہ کریں، ورنہ میں اس پر ہر قسم کا حق رکھتا ہوں، آپ مجھے اسے لے جانے سے روک نہیں سکتے کوز، شی از مائی وائف، وہ ضدی اور اٹل لہجے میں بولتا سفیرخان کو ایک بار پھر سے طیش دلا گیا تھا۔

پلوشہ بیگم بھی شاک میں تھیں۔

زائر نے بولے کے ساتھ ہی زروا کو اسمائل پاس کی تھی، جو کسی نے نوٹ ناکی تھی مگر اسکی اتنی بے باکی دیکھ زروا کا سر جھک سا گیا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتے فرقان خان بول پڑے تھے۔

میں تیار ہوں زائر بچے، زروا اب تمہاری امانت ہے، مگر میری ایک شرط ہے، فرقان خان نرم و پر شفقت لہجے میں بولے تھے۔

زروا نے سر اٹھا کر فرقان خان کو دیکھا تھا جو زائر سے مخاطب تھے۔

باقی سب بھی حیران ہوئے تھے جبکہ زائر چونکا تھا۔

تمہیں زروا کو پورے رسم و رواج کے ساتھ رخصت کروانا ہوگا، اور تمہیں بھی سب ہی رسموں میں شامل ہونا ہوگا، زروا میری اکلوتی بیٹی ہے اس میں میری جان بستی ہے، میں

اسے چوروں کی طرح ہرگز بھی رخصت نہیں کروں گا بھتیجے، اور تم بھی میرے لیے کوئی کم اہم نہیں ہو اس لیے اب تم فیصلہ کرلو تمہیں یہ شرط منظور ہے تو بتاؤ، اپنے مخصوص نرم لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولے، وہ زائر کو تذبذب میں ڈال گئے تھے۔

سب ہی اسکے بولنے کے منتظر تھے جبکہ زروا سہمی ہوئی سی سر جھکائے بیٹھی تھی، ناجانے کیا ہونے والا تھا، زائر اس سے شدید نفرت کرتا ہے یہ وہ اچھے سے جانتی تھی پر اگر زائر کا مطالبہ مان لیا جاتا ہے تو اسکی آئندہ زندگی کیسی ہوگی؟ یہ سوچ ہی زروا کو خوف میں مبتلا کر رہی تھی۔

وہ اچانک چیئر گھسیٹ کر اٹھی تھی اور بنا کسی کی طرف دیکھے وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔

سب نے اسکی یہ حرکت اسکی فطری شرم و جھجک سمجھی تھی۔

مگر زائر اسکی کیفیت سمجھ گیا تھا۔

تو تم مجھ سے خوفزدہ ہو؟ انٹرسلنگ، تمہارا خوفزدہ ہونا بنتا بھی ہے مسز، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

اوکے فائن، مجھے منظور ہے مگر میں یہاں نہیں رکونگا، سو ڈونٹ فورس می، بالآخر اس نے ہاں کر ہی دی تھی۔

لینڈ جس دن بھی آپکو اپنے یہ سرکس رکھنے ہوں، آئی من فنکشنز، مجھے صائم انفارم کردیگا میں آجاؤنگا، وہ چڑنے کے سے انداز میں بات مکمل کرتا واپسی کے لیے مڑا تھا۔

بیٹارک جاتے تم، پلوشہ بیگم آہستہ سے بولی تمہیں۔

مومی آپ پریشان مت ہوں، مجھے اکیلے رہنے کی عادت ہے، صائم مومی کا خیال رکھنا، وہ صائم کو ہدایت دیتا پلو شہ بیگم سے پیار لے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

آپ سب نے اتنا ارجنٹ بلایا میں تو ڈر ہی گئی تھی لالہ، سماہر بیگم صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی تمہیں۔

یہ صبح کے 10 بجے کا وقت تھا، جب پلو شہ بیگم نے انہیں اور شہروز خان کو گھر پر بلایا کیا تھا۔

اس وقت لاؤنج میں سب ہی بڑے موجود تھے، جبکہ ینگ جنریشن باہر حال روم میں تھی۔

پلو شہ بیگم اور سفیر خان نے انہیں ساری بات بتادی تھی۔

جسے سن کر وہ حیران ہوئی تھیں اور خوش بھی۔

یہ تو اچھی بات ہے لالہ، زروا اپنے گھر کی ہو جائیگی، زائر کوئی غیر تو نہیں، گھر کا بچہ ہے، اسے کوئی پریشانی بھی نہیں ہوگی، وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

بلکہ میں تو کہتی ہوں، بلکہ آپ سے عرض کرتی ہوں، آپ ہماری بہو کو بھی رخصت کرنے کی تیاری کریں، زروا اور مشعال کا نکاح ساتھ ہوا ہے تو ہم ہماری بچیوں کو ایک ساتھ ہی رخصت کرینگے، کیوں شہروز؟ سماہر بیگم نے بات مکمل کر کے شوہر سے رائے لینا چاہی تھی۔

بلکل مبھئی میری بیگم نے کہہ دیا تو پھر سب ایسا ہی ہوگا، شہروز خان نے بھی ہنسے ہوئے انکی تائید کی تھی۔

انکی بات سن کر پلوشہ بیگم نے مراد خان اور نگین بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا، وہ دونوں بھی بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔

ٹھیک ہے پھر، آج ہی ڈیٹ فائل کر لیتے ہیں؟ سفیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

پرسوں ابٹن مہندی کا کمبائن فنکشن، اور اس سے لگے دن رخصتی، کیا خیال ہے آپ سب کا؟ سماہر بیگم پرچوش سی بولی تھیں، وہ تو گویا ہتھیلی پر سرسوں اگلے بیٹھی تھیں۔

کچھ سوچ بچار کر یہ فیصلہ فائل ہو گیا تھا۔

زروا روم میں بند تھی، اسے عانیہ کے زریٹے یہ خبر ملی جو کے اسکے لیے خوشی کی خبر ہرگز
بھی نا تھی۔

اسے لگا تھا جیسے اس پر موت کا فرمان جاری کر دیا گیا ہو، وہ عانیہ کے جاتے ہی گھٹنوں
میں سر دے کر رو دی تھی۔

یا اللہ وہ تو مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں، میں کیسے انکے ساتھ رہونگی؟ اس نے روتے
روتے سوچا تھا۔

میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟ وہ زیڈ۔ کے کالاکٹ میری مہا کی آخری نشانی ہے، جو
مجھے باباجان نے میرے اٹھارویں برتھ ڈے پر دی تھی مگر یہ خان اسے ناجائز کیا سمجھ
گئے؟ میری اتنی قیمتی چیز مجھ سے چھین لی، انکا بس پلے تو میری سانسیں بھی مجھ سے

چھین لیں، پھر انہوں نے مجھ سے نکاح کیوں کیا؟ جب وہ مجھ سے اس قدر شدید نفرت کرتے ہیں؟ زروا نے سوچتے ہوئے قرب سے آنکھیں موندی تھیں۔

اس رات اسکی نازک گردن میں چین کھینچنے کی وجہ سے خراشیں سی آگئی تھیں، جس میں اسے ابھی بھی جلن سی محسوس ہوتی تھی۔

لیکن میں نے ایسا کونسا گناہ کر دیا مالک جو وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں؟ میرے دل کا حال تو جانتا ہے، میں نے اس نکاح کو دل سے قبول کیا ہے، مگر خان کو میں بالکل بھی نہیں پسند، اور اب نا جانے وہ میرے ساتھ کیسا سلوک کریں گے، اس نے سہم کر سوچا تھا۔

لیکن اے میرے مہربان رب میں تیری رضا میں راضی ہوں، بس تو کچھ ایسا کر دے کہ میں انکی یہ نفرت آسانی سے سہہ جاؤں، وہ دل ہی دل میں اسلا پاک سے مخاطب تھی۔

جو ہر کسی کے دل کا حال جانتا ہے، اور بے شک وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا
رب اپنے کسی بندے کی پکار رد نہیں کرتا، تو کیا پتہ آج اس معصوم لڑکی کی پکار بھی سن
لی گئی ہو۔

"خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے کچھ معصوم سے لوگ"

"زندہ رہنے کی تمناؤں میں مر جاتے ہیں"

واٹ؟ 3 دن کے اندر اندر اسکی اور مشعال کی شادی، کا سن کر وہ ہتھ سے اکھڑ گیا تھا۔

اس میں اتنا شک ڈھونڈنے والی کونسی بات ہے ضرور؟ جب ہم نے تمہارا نکاح کیا ہے تو
رخصتی تو ہوگی، تم تو ایلے بی ہیو کر رہے ہو جیسے یہ سب تمہیں معلوم ہی نا ہو، اسکا انداز
دیکھ کر سماہر بیگم تپ ہی تو گئی تھیں۔

انف از انف موم، میں اس جنگلی مشعال کو ہرگز بھی رخصت نہیں کروانے والا، ضوریز چڑ کر بولا تھا۔

ضوریز یہ کس طرح بات کر رہے ہو آپ مشعال بیٹی کے بارے میں، وائف ہیں وہ آپکی، اور رخصتی تو ہو کر رہیگی، شہروز خان کو مشعال کے لیے اس کا انداز پسند نا آیا تھا اسی لیے اسے سرزنش کر گئے تھے۔

وائس رائگ ود یو ڈیڈ؟ آپ نے نکاح کا کہا میں نے ہاں کر لی، اب آپ یہ رخصتی، وائف اینڈ آل ڈرامہ کیوں کر رہے ہیں؟ ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟ ضوریز نے جھنجھلا کر پوچھا تھا۔

یہ سب تمہیں مزاق لگ رہا ہے؟ تمہیں جب نکاح سے اعتراض تھا تو تم ہمیں پہلے ہی بتا دیتے، اب کیوں اس بچی کی زندگی برباد کرنے پر تلے ہو ضوریز، میں ہرگز بھی تمہیں یہ

ناانصافی نہیں کرنے دوں گی، اگر تم نے میری بات سے انکار کیا تو میرا مرا منہ دیکھو گے
تم، بوٹے بوٹے سماہر بیگم کی آواز بھر آئی تھی۔

ہاں کہہ ایلے رہی ہیں جیسے آپ میری بات سن رہی تھیں، ضروریز بڑبڑایا تھا۔

یار موم یہ کیا ہے، آپ پھر رونا شروع ہو گئیں، ضروریز ہر بار کی طرح انکے آنسو دیکھ نرم پڑ گیا
تھا۔

جب میری بات نہیں مان رہے تو مت کہو مجھے موم، سماہر بیگم چڑ کے بولی تھیں۔

یار ڈیڈ سمجھائیں اپنی وائف کو، مجھے نہیں پسند وہ مشعال، ضروریز چڑ کے بولا تھا۔

میں کیا سمجھاؤں؟ سہی تو کہہ رہی ہے وہ، تمہاری بھی بہن بیٹھی ہے، تم کیسے کسی کی بیٹی سے نکاح کر کے اب یوں رخصتی سے انکار کر سکتے ہو، خدا کا خوف کرو ضرور، شہروز خان قدرے غصے میں بولے تھے۔

مگر مجھے مشعال نہیں پسند تو نہیں پسند، ضرور کی وہی رٹ تھی۔

کیا خرابی ہے مشعال میں؟ سماہر بیگم اٹھ کر اسکے سر پر جا پہنچی تھیں۔

ضرور کچھ نا بولا تھا۔

وہ خوبصورت ہے، خوب سیرت ہے، اور مستقبل کی بہترین فیشن ڈیزائنر ہوگی تم دیکھنا، ان شاء اللہ سب سے بڑی بات وہ تمہارے سگے ماموں کی بیٹی ہے، تمہارے بچپن کی دوست ہے، دیکھی بھالی بچی ہے، مجھے تو اس میں کوئی خرابی نہیں دکھتی مگر تمہارا دماغ زیادہ خراب ہو گیا ہے، اس لیے تمہیں یہ فضول کے خیالات آرہے ہیں نواب صاحب۔

مگر ایک بات میری تم یاد رکھنا، مشعال میری بہو سے پہلے بھتیجی ہے اور میں تمہیں اس کی
زندگی سے کھیلنے نہیں دوں گی، تم نے اگر کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو مجھے بھول جانا،
سماہر بیگم تو گویا پھٹ پڑی تھیں اور جی بھر کے اس پر اپنی بھڑاس نکال کر وہاں سے
چلی گئی تھیں۔

انکے جاتے ہی ضوریز نے غصے میں ٹیبل پر رکھا کانچ کا گلاس ہاتھ مار کر دور پھینک تھا
اور تن فن کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

جبکہ شہروز خان ماں بیٹے کی اس جنگ میں، سرتھام کر رہ گئے تھے۔

او تیرے عشق میں حد سے گزر جاؤں

میں جھوٹ کہوں تو کہوں تو، کہوں تو مرجاؤں

اوگرلز یو آر مائن

اوگرلز یو آر مائن

اوگرلز یو آر مائن

سب تیرے حوالے کر جاؤں میں

جھوٹ کہوں تو کہوں تو، کہوں تو

مرجاؤں

کلب میں تیز آواز میں میوزک بج رہا تھا اور لڑکے لڑکیاں، اچھے برے کا فرق مٹائے،

شراب کے نشے میں مست ہو کر ڈانس میں لگن تھے۔

جبکہ وہ سب سے الگ تھلگ سا ایک چیئر پر بیٹھا ناجانے کن سوچوں میں گم تھا۔

ہے زیڈ۔ کے ، اکیلے کیوں بیٹھے ہو؟ وڈیو لائک ٹو ڈانس و دمی؟ ایک کافی ماڈرن سی لڑکی
زائر خان کے پاس آکر بولی تھی۔

زائر نے چونک کر ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی، وہ لڑکی پیچ کمر کے ہاف سلیو زٹاپ میں ملبوس
تھی، ڈارک میک اپ اور بولڈ لک، وہ ایک پرکشش سراپے کی مالک تھی۔

وائی ناٹ، وہ دلکشی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ہے جینی، تم اور زیڈ۔ کے ایک ساتھ، واؤ امیزنگ، ایک لڑکی اسے زائر کے ساتھ آتے دیکھ
اس کے پاس آئی تھی۔

وہ کر سچن لڑکی جس کا نام جینی تھا ہلکا سا مسکرائی تھی جبکہ زائر خان نے مسکرانا تو دور
اسکی طرف دیکھنا بھی ضروری نا سمجھا تھا۔

اوتیرے عشق میں حد سے گزر جاؤں

میں جھوٹ کہوں تو کہوں تو، کہوں تو مرجاؤں

گانا ایک بار پھر سے شروع ہو چکا تھا جبکہ زائر بے باکی سے اس لڑکی کو باہنوں میں تھامے
ڈانس میں مصروف ہو چکا تھا۔

اگرلز یو آر مائن

اگرلز یو آر مائن

اگرلز یو آر مائن

وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، ضوریز کی تمسخر بھری آواز اسکا خون کھولا رہی تھیں، زائر پھر
سے انا کے خول میں سمٹ کر خود ازیقی میں مبتلا تھا۔

اور میں زروا سے نفرت کرتا ہوں، اسنے نفرت سے سوچا تھا۔

زائر نے اب اسے گھماتے ہوئے اسٹپ لیا تھا۔

سب تیرے حوالے کرجاؤں میں

جھوٹ کہوں تو کہوں تو، کہوں تو

مرجاؤں

وہ اپنی پوزیشن بھولے اس گناہ کے اڈے پر اپنا اسٹریس کم کرنے کے چکر میں گناہ کی طرف گامزن تھا۔

اسی لیے کہتے ہیں انا رشتوں کو کھا جاتی ہے، تو جب کبھی انا اور رشتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے

انا کو ہار جانے دو کیونکہ ذرا سا جھک جانا کسی رشتے کو قطع کرنے سے بہتر ہے۔

مگر ناجانے یہ بات زائر خان اور ضوریز خان کب سمجھتے؟

مگر محبت اور نفرت کی یہ جنگ ابھی جاری ہے، اور یقیناً بہت جلد پاسہ پلٹنے والا ہے۔

لفظ "ان چاہی" بولے میں ہی کتنا تکلیف دہ محسوس ہوتا ہے۔

یہ کوئی آج مشعال خان آفریدی سے پوچھتا، وہ شام سے مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیڈ پر بیٹھی تھی اور اسکی سوچوں کا مرکز وہ ایک شخص تھا۔

جسے اس نے بچپن سے لے کر آج تک بے انتہا چاہا تھا، اور خدا کے کرم سے قسمت نے اسے اسکا مقدر بھی بنا دیا تھا۔

مگر وہ شخص تو اسکا تھا ہی نہیں، وہ تو آج بھی زروا خان کا دیوانہ تھا۔

آنکھ سے ایک موتی ٹوٹ کر اسکے رخصار پر آگرا تھا۔

کیوں ضرور خان آفریدی، آخر کیوں تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے؟ کیا کمی ہے مجھ میں؟ مشعال خان آفریدی کیوں نہیں دکھتی تمہیں؟ کیا میں خوبصورت نہیں؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

تو پھر کیوں تم نے مجھ سے نکاح کر کے مجھے امید کے جگنو تھمائے؟ مشعال خان اگر کانفیڈنٹ ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسکا دل نہیں دکھتا یا اسے تکلیف نہیں ہوتی، میں نہیں زروا جیسی کم گو، اور شائے مگر میں کوئی بری لڑکی تو نہیں، خداگواہ ہے میں نے کبھی اپنی حدود پھلانگنے کی کوشش نہیں کی، پھر میں کیوں تمہیں اٹریکٹ نہیں کرتی؟ کیا تمہیں میری آنکھوں میں اپنے لیے محبت نظر نہیں آتی؟ تصور میں اس پتھر سے مخاطب مشعال پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

تم زروا کو پسند کرتے تھے مانا مگر جب زروا خان زائر خان کی ہے تو اب تم کیوں اسکا پیچھا نہیں چھوڑ دیتے، اس نے آنسوؤں کو حلق میں اتارتے ہوئے دل ہی دل میں اس ستمگر سے سوال کیا تھا۔

یا اللہ اس شخص کے دل میں میری محبت ڈال دے، ورنہ میں مرجاؤنگی اسکی بے رخی سے،
اس نے صدق دل سے دعا کی تھی۔

دور کہیں قسمت مسکراتی ہوئی اسکی دعا پر لبیک کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

صبر کر ارے اے دیوانی

وہ تیرا ہے اے مستانی

بس عشق اب اپنی چال چلیگا

جو تیرا ہے تیرا ہی رہیگا

مل جائیگا تجھے چاہت کا صلہ

جب ہوگی مالک کی رضا

پوری ہوگی جب تیری دعا

پھر کہلائیگا عشق سجان اللہ

کل ان چاروں کی مہندی اور مایوں کا کمبائن فنکش تھا، جو کہ "خان پیلیس" میں رکھا گیا تھا۔

اسی لیے آج سب ہی صبح سے مصروف تھے۔

ارے صائم تم زرا اپنے لالہ کو تو کال کر دو یہ عجیب ہے، جسکی شادی ہے وہ گھر پر ہی نہیں، نکلین بیگم نے صائم سے کہا تھا جو کچھ شاپرز اٹھائے سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔

کر چکا ہوں، آج ہی آنے کا بھی کہا تھا مگر، صائم رکا تھا۔

مگر کیا؟ انہوں نے سوال کیا تھا۔

انہوں نے کہا انہیں ان سب ڈراموں میں کوئی دلچسپی نہیں، پھر بھی وقت ملا تو کل آجائیں گے صائم نے معصومیت سے زائر کی بات دہرائی تھی۔

کیا کہا اس بے وقوف نے؟ لاؤنج میں آتی پلوشہ بیگم نے اسکی بات سن لی تھی اسی لیے غصے میں پوچھا تھا۔

مرگیا صائم، صائم بڑبڑایا تھا۔

وہ میں تو مزاق کر رہا تھا، وہ لالہ کہہ رہے تھے ناکہ انہیں دلچسپی نہیں ان سب میں، تو میں تو بس ایسے ہی، صائم کی بات پلوشہ بیگم کی گھوری نے روک دی تھی۔

صائم پٹوگے تم میرے ہاتھوں سے، پلوشہ بیگم نے اسے جھاڑ پلا دی تھی۔

اچھا بابا سوری، میں کرتا ہوں لالہ کو کال، وہ کہتا ہوا اوپر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہ عجلت میں باہر کی جانب بڑھ رہا تھا جب سماہر بیگم کی آواز پر اسکے قدم تھمے تھے۔

ضوریز؟

جی، ضوریز منہ پھلائے پلٹا تھا۔

ناراض ہو اپنی موم سے؟ وہ اسکے قریب آتی پوچھ رہی تھیں۔

ضوریز نے انکی جانب دیکھا تھا جو اداس سی اسکے جواب کی منتظر تھیں۔

نہیں موم میں آپ سے ناراض ہو سکتا ہوں بھلا، ہاں بس تھوڑا موڈ آف تھا، اب ٹھیک ہوں، ضریرز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو سماہر بیگم بھی مسکرا دی تھیں۔

تمہیں بے شک ابھی میرا فیصلہ غلط لگ رہا ہے مگر یقین مانو آگے جا کر تمہیں احساس ہوگا، کہ میرا یہ فیصلہ درست تھا، اور بیٹا والدین اپنی اولاد کے لیے کبھی غلط فیصلہ نہیں کرتے، وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

یار اب ادا سی کو بائے بائے کہیں نا، آئی لو یو موم، ضریرز نے مسکرا کر کہتے ہوئے انکے گرد بازوؤں کا حصار باندھا تھا۔

آئی لو یو ٹو میری جان، سماہر بیگم نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔

کچھ صائم کے بار بار اسرار کرنے پر اور کچھ پلوشہ بیگم کی خوشی کے لیے وہ بالآخر آ ہی گیا تھا۔

ابھی وہ گھر پہنچا ہی تھا کہ اسے کچن کی لائٹ آن دکھی تھی۔

وہ سوچنے لگا کہ اتنی رات کو اس وقت کچن میں کون ہو سکتا ہے۔

اسے کسی سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا مگر پھر بھی بے اختیار ہی وہ دیکھنے کے لیے اسی طرف بڑھ گیا تھا۔

تبھی اسے وہ دکھائی دی جس سے اسے شاید سب سے زیادہ نفرت تھی۔

وہ شاید فریج میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

ابھی وہ دروازے کے پاس ہی تھا کہ زروا کھٹکا ہونے پر پلٹی تھی۔

اسکے تاثرات سے وہ جان چکا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو گئی ہے اور اس سے پہلے کہ وہ چیخنتی زائر
ایک جست میں اس تک پہنچا تھا۔

اس نے فوراً اور اسے اپنی طرف کھینچ کر اسکے منہ پر اپنا ہاتھ رکھا تاکہ وہ شور نہ مچائے۔

اب سچویشن کچھ ایسی تھی کہ زائر خان کا ایک ہاتھ اسکے منہ پر تھا تو دوسرا اسکے گرد حصار
باندھے ہوئے تھا انکے درمیان صرف کچھ انچ ہی کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

وہ اسکے خوف سے دھک دھک کرتے دل کی آواز بغور سن رہا تھا۔

زائر خان کی نیلی سمندر سی آنکھوں میں اسکے لیے عجیب سرد سے تاثرات تھے۔

جبکہ دوسری طرف زروا کا چہرہ بھی خوفزدہ تاثرات سے لیے ہوئے تھا۔

وہ اسے آنکھیں پھاڑے یوں دیکھ رہی تھی گویا کسی بھوت کو دیکھ رہی ہو۔

اسی وقت زائر خان نے اسکے کان میں سرگوشی کی تھی جس سے وہی سہی کثر بھی پوری ہو چکی تھی۔

"میں تمہاری زندگی جہنم بنادونگا"

زائر خان کے زیرِ لفظوں کی کاٹ سے اسے اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی تھی اور اسکی ہیزل گرین آنکھوں میں خوف کی پرچھائی لہرائی تھی۔

اسکی مضبوط آہنی گرفت میں زروا کا نازک وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

زائر خان نے غور سے اسکی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا تھا جہاں اسوقت صرف خوف تھا۔

رات کے اس پہر بھی، انکے مابین بننے والا مقدس رشتہ بھی انکے بیچ موجود سردمہری کو مٹا
نا سکا تھا۔

زائر نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹایا تھا، اور اپنے اسی دلکش انداز میں مسکرایا تھا جو
اسکی شخصیت کا خاصا تھا۔

زروا ابھی بھی اسکی باہنوں میں ہی تھی، اس نے بامشکل اپنی رکتی ہوئی سانسیں بحال کی
تھیں۔

گڈ مسز، میہی ڈر دیکھنا چاہتا ہوں میں تمہاری آنکھوں میں، وہ ایک شہادت کی انگلی اسکے
چہرے پر پھیرتا ہوا بولا تھا۔

اسکے پرحدت لمس پر، زروا کان کی لوہوں تک سرخ پڑی تھی۔

خان، زروا نے اسے مزید کسی جسارت سے باز رکھنا چاہا تھا۔

ششش، جب میں بول رہا ہوں، تو تم خاموشی سے صرف مجھے سنوگی، مجھے دخل اندازی
نہیں پسند، انڈر سٹینڈ، وہ ایک ہاتھ سے اسکی تھوڑی اونچی کرتے ہوئے وارننگ کے انداز
میں بولا تھا۔

زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

گڈ، وہ اسکی جانب دیکھتا سنجیگی سے بولا تھا جبکہ زروا یہ سوچ کر ہول رہی تھی کہ جانے اب وہ کیا کرنے والا ہے۔

زائر بے اختیار سا اسکے ہونٹوں سے عین نیچے موجود تل پر جھکا تھا۔

زروا نے زور سے آنکھیں میچی تھیں۔

اسی وقت زائر کا موبائل بجاتا تھا۔

ڈیم اٹ، وہ اسے چھوڑتا ہوا ایک دم سے حوش میں آیا تھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔

زروا گم سم وہیں کھڑی اپنی بے ترتیب ہوتی ڈھرنکیں سنبھالتی رہ گئی تھی۔

کیا ہوتا جو یہ مغرور شخص اندر سے بھی باہر جیسا ہوتا، اس نے بے اختیار سوچا تھا۔

"کمال کی تقدیر پائی ہو گی اس شخص نے یقیناً"

"جس نے تجھ سے محبت بھی نہیں کی ہو گی اور تجھے پا بھی لیا ہو گا"

آج رات میں فنکشن تھا اسی لیے صبح ہی سے پورے گھر میں افراتفری کا سا عالم تھا۔

"خان پیلیس" میں سالوں بعد یہ خوشیاں آئیں تمہیں، اس گھر کے تین بچوں کی شادیاں

ایک ساتھ ہو رہی تمہیں، سب ہی تیاریوں میں مصروف تھے۔

مہمانوں کو ارجنٹ انویٹیشن دیے گئے تھے اسی لیے زیادہ تر مہمان رات کو ہی آنے تھے۔

مگر پھر بھی گہما گہمی سی تھی۔

یہ ڈریسز زرا زرا اور مشعال کے روم بھجوادو نگین، پچیاں فننگ وغیرہ دیکھ لینگی، پلوشہ بیگم نے انہیں کچھ شاپنگ بیگ تھماتے ہوئے کہا تھا۔

جی با بھی بیگم، وہ بیگز لے کر چلی گئی تھیں۔

ارے زائر نے، بات سنو، انہوں نے باہر جاتے ہوئے زائر سے کہا تھا جو پہلے بھی کم ہی گھر میں نظر آتا تھا اور اب تو وہ خیر یہاں آیا ہی زبردستی تھا۔

جی، وہ انکی جانب آیا تھا۔

زروا کا برائیڈل ڈریس آرڈر پر بنوایا ہے میں نے، تم جا کر لے آؤ، انہوں نے اسے گویا حکم ہی دیا تھا ورنہ تو وہ ہاتھ آنے والا نا تھا۔

مومی آپ یہ صائم سے کہہ دیں نایار یو نو نا مجھے یہ سب نہیں پسند، وہ بیزاریت سے بولا تھا۔

میں کہہ دیتی اسے مگر وہ بچہ کل سے گھن چکر بنا ہوا ہے، کہہ رہا تھا کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے میرے لالہ کی شادی ہے، ابھی بھی کیڑنگ والے آئے ہیں باہر انہیں ہی انسٹرکشن دے رہا ہے، انہوں نے اسے تفصیلی جواب دیا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے میں چلا جاؤنگا، ایڈریس دیں، زائر کچھ سوچتے ہوئے بولا تھا۔

پلوشہ بیگم نے اسے ایڈریس بتایا تو وہ کی چین گھماتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

پورے "خان پیلےس" کو بری قسمتموں سے سجایا گیا تھا۔

چاروں پہلی روشنی میں پیلےس کا لان بھی کسی حال کا سا منظر پیش کر رہا تھا۔

لان کے ایک سائیڈ بے حد خوبصورت سا اسٹیج بنایا گیا تھا، جس کے ساتھ گلاس ہی فلور لگایا تھا۔

"خان پیلےس" کی آج شان ہی نرالی تھی اور ہوری بھی کیوں نا، آخر کو زائر خان کی شادی تھی جو "آفریدی خاندان" کا لاڈلا و ہونہار چشم و چراغ تھا۔

بلیک کمر کے شلوار قمیض پر گلے میں کمر فل اسٹالر ڈالے، بالوں کو جیل سے سیٹ
کئے، آئینے کے سامنے کھڑا وہ اپنا جائزہ لے رہا تھا۔

بلاشبہ وہ ایک بے حد حسین مرد تھا، اور شلوار قمیض میں تو وہ آج اور بھی ہیڈسم لگ رہا
تھا۔

لیکن اس وقت اسکی گرے خوبصورت آنکھوں میں سنجیگی کا تاثر تھا جبکہ خوبو چہرے پر
تناؤ سا تھا۔

اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی واچ اٹھا کر ہاتھ میں پہنی تھی، اور خود پر اچھے سے پرفیوم
اسپرے کر کے بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔

ضوریز خان ابھی اپنے موبائل میں کچھ چیک کر رہا تھا کہ اسکا روم ناک ہوا تھا۔

یس کم ان، اس نے مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔

اجازت ملتے ہی عانیہ اور سماہر بیگم مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں۔

انہیں دیکھ کر ضوریز ہلکا سا مسکرایا تھا۔

آپ دونوں یہاں؟ میں آتورہا تھا نیچے، وہ اپنے مزاج کے برخلاف مسکراتے ہوئے بات کر رہا تھا۔

جبکہ دل و دماغ میں عجیب سی جنگ چڑھی ہوئی تھی۔

دل کہہ رہا تھا جو ہو رہا ہے وہ غلط ہے جبکہ دماغ کہہ رہا تھا، جو ہو رہا ہے ہوئے دو، دل سے نہیں دماغ سے کام لو۔

ضوریز سر جھٹکتا انکی جانب بڑھا تھا۔

ہم تو صرف دیکھنے آئے تھے ہمارے دولے صاحب ریڈی ہوئے کہ نہیں، عانیہ شرارت سے بولی تھی۔

جبکہ سماہر بیگم نے اسکی بالائیں لیتے ہوئے دعا دی تھیں۔

ماشاء اللہ میرا بچہ بہت پیارا لگ رہا ہے، اللہ نظر بد سے بچائے۔

انکی اس دعا پر ضوریز کا قہقہہ گونجا تھا۔

ارے یار موم میں تو روز یونی میں ایسی ہزاروں نظریں جھپکتا ہوں، سچی آپ کے بیٹے کی دیوانی ہیں لڑکیاں، وہ شرارتی انداز میں بولتا ہنس دیا تھا۔

عانیہ بھی اسکی بات پر مسکرائی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ واقع ہی ایسا ہے، اس کے لالہ ہیں ہی ایسے، اسکی کافی کلاس فیلوز تو اس سے صرف اسی وجہ سے فرینڈشپ کرنے کے چکروں میں تھیں کہ شاید عانیہ کی وجہ سے انکا ضوریز سے کوئی چانس بن جائے مگر عانیہ نے آج تک یونیورسٹی میں مشعال فریال اور زروا کے علاوہ کسی سے زیادہ بات چیت ہی نا کی تھی۔

بلکل ہونگی ہی، میرا شہزادہ ہے ہی لاکھوں میں ایک، سماہر بیگم نے بھی آج تو ہنستے ہوئے مزاحیہ انداز میں جواب دیا تھا کیونکہ وہ بہت خوش تھیں۔

انکی بات سن کر ضوریز اور عانیہ بھی ہنس دیے تھے۔

سب مہمان آپکے تھے، اب صرف شہروز خان اور سماہر بیگم کا انتظار ہو رہا تھا۔

جبکہ مشعال اور پارلر گئی ہوئی تھیں۔

نگین بیگم اور مراد خان انٹرنس پر ہی کھڑے تھے، آخر کو اکلوتے داماد کا ویلکم بھی تو کرنا تھا۔

وائیٹ شلوار قمیض پر وائیٹ ہی ویسٹ کوٹ پہنے صائم بے حد ڈیشنگ لگ رہا تھا، آج تو اسکی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نا تھا، وہ مسکراتا ہوا موبائل پر کسی سے بات کرتا انٹرنس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اسی وقت اسے شہروز خان، سماہر بیگم اور ضوریز کے ہمراہ عانیہ آتی دیکھائی دی تھی۔

اورنج اور گولڈن امتزاج کے لہنگے، جسکے ساتھ بائل گرین شرٹ تھی، میں نفاست سے کیے گئے میک میں لائٹ سی جیولری پہنے وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی، اپنے براؤن بالوں کو اس نے لائٹ کرل کیا ہوا تھا ساتھ ہی نیٹ کا پریل دوپٹہ شانے پر ڈالے معصومیت سے مسکراتی ہوئی وہ صائم کو بے حد پیاری لگی تھی۔

ہیلو لالہ، اینڈ ویلکم، وہ مسکراتا ہوا ضوریز سے بگلگیر ہوا تھا۔

صائم کو دیکھ کر عانیہ کے لبوں پر وہی دھیمی سی مسکراہٹ آگئی تھی، جو اکثر اسے دیکھ اسکے لبوں پر آتی تھی۔

ہیلو پرنسز، وہ عانیہ کے قریب جا کر دھیمے مگر گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

سب لوگ آگے جا چکے تھے جبکہ عانیہ جو وہیں کھڑی اپنے دوپٹے میں الجھی ہوئی تھی،
اسکے ہیلو کہنے پر اسکی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

ہیلو، اس نے مسکراتے ہوئے اسکے ہیلو کا جواب دیا تھا۔

اچھی لگ رہی ہو، صائم اسے نظروں کے حصار میں لیے دلکشی سے بولا تھا۔

عانیہ جو خاموش کھڑی یہاں وہاں دیکھ رہی تھی یا شاید وہ نروس ہو رہی تھی، اسکے یوں تعریف
کرنے پر جھینپ سی گئی تھی۔

کہیں انہیں پتہ تو نہیں چل گیا؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

ارے نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے، میں کونسا پیننگز پر اپنا نام لکھتی ہوں، اس نے اپنی
سوچ کی نفی کی تھی۔

ہیلو؟ صائم نے اسکے سامنے چٹکی بجائی تو عانیہ چونکی تھی۔

کہاں کھو گئیں تھیں؟ صائم انجان بنا پوچھ رہا تھا۔

سک کہیں بھی تو نہیں، اندر چلیں، سب ویٹ کر رہے ہونگے، عانیہ میں اس ساحر کی نظروں کی تاب نا تھی اس لیے اس نے فرار چاہی تھی۔

ہاں چلو، صائم اسکے ساتھ ہی اندر کی جانب بڑھا تھا۔

زروا اور مشعال پارلر سے آچکی تھیں اور عانیہ کے ہمرا سٹیج کی جانب بڑھ رہی تھیں۔

سب ہی کی نظروں میں آنکے لیے ستائش تھی۔

آج زروا مایوں کی مناسبت سے تیار ہوئی تھی، وہ اس وقت آتشی گلابی کلر کے لہنگے اور یلو کلر کی شرٹ جس کے ساتھ نیٹ کا گرین دوپٹہ سر پر دلہن اسرائیل میں سیٹ تھا، میں ملبوس تھی، ماہرانہ انداز میں کیے گئے میک اپ اور پھولوں کے زیورات پہنے باوقار سے قدم اٹھاتی وہ واقع ہی کسی پرستان کی ملکہ معلوم ہو رہی تھی۔

اسکے سنہری بال فرنیچ چوٹی کی شکل میں شانے پر تھے جن میں تازہ چمیلی کے پھولوں کے خوبصورت گجرے لگے ہوئے تھے۔

صرف ایک کمی تھی، وہ کمی تھی اسکی معصومانہ مسکراہٹ کی، اسکی اداسی میں وہ قیامت کی ادا تھی۔

بلاشبہ وہ کسی کا بھی دل تسخیر کر سکتی تھی، مگر کیا وہ کسی زائر خان ہوتا؟

باؤل گرین کمر کے لہنگے اور ریڈ کمر کی کرتی میں، یلو نیٹ کا دوپٹہ سر پر سلیقے سے سیٹ
کیے، نفاست سے کیے گئے میک اپ میں بالوں کو آگے کی طرف کر کے کھلا چھوڑے،
پھولوں کے زیورات پہنے مشعال بھی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

مگر اسکی آنکھوں میں خوشی کا کوئی تاثر نا تھا، اداسی سے بھری دنیا بھر سے خفا آنکھیں، اور
سپاٹ تاثرات لیے وہ عانیہ کے ہمراہ اسٹیج پر پہنچی تھیں۔

ماشاء اللہ پلوشہ تمہاری دونوں بچیاں ہی بہت پیاری ہیں، پلوشہ بیگم کی ایک فرینڈ نے
مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی تھیں۔

اسٹیج پر اس وقت ایک سائیڈ بیزار سا ضوریز بیٹھا تھا، جبکہ اس کے برابر میں نظریں جھکائے
مشعال بیٹھو تھی۔

جبکہ مشعال کے برابر میں زروا اکیلی ہی تھی زائر جانے کہاں گم تھا۔

ارے یہ تو تمہارا داماد ہے نا، تو تمہارا بیٹا کہاں ہے؟ ایک اور عورت نے ان سے پوچھا تو وہ
شرمندہ سی ہو گئیں تھیں۔

کیونکہ زائر آج بھی لیٹ تھا۔

ارے آئی میں ہوں نا انکا بیٹا، ویلے کمال ہے آپ مومی کی فرینڈ ہیں؟ اس نے حیرانگی
سے پوچھا تھا۔

ہاں بھئی کیوں؟ ان خاتون نے جواب دینے کے ساتھ سوال کیا تھا۔

وہ کیا ہے نا آپ کی ایج تو بہت کم لگتی ہے یار میں تو سمجھا آپ مومی کی کسی فرینڈ کی چھوٹی بہن وغیرہ ہیں، صائم نے حسب ضرورت ہی مبالغہ آرائی سے کام لیا تھا، وہ چاہ کر بھی ان سے یہ نہیں کہہ سکا کہ وہ انہیں مومی کی کسی فرینڈ کی بیٹی سمجھا ہے، اسے لگا یہ کچھ زیادہ ہو جاتا، ویسے بھی اسکا مقصد صرف ان خاتون کا دھیان بٹانا تھا۔

اسکی شرارت سمجھتے ہوئے پلوشہ بیگم نے اپنی بے ساختہ ادڑ آنے والی مسکراہٹ روکی تھی۔

جبکہ وہ خاتون اپنی تعریف سن کر اب باقی سب باتیں بھول چکیں تھیں۔

صائم اب صبر سے ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

جبکہ کچھ دور کھڑی عانیہ اسکی سچویشن دیکھ کر ہنس دی تھی۔

بلیک شلوار قمیض پر ڈل گولڈن ویسٹ کوٹ پہنے، بھورے بالوں کو ایک اسٹائل سے
جیل سے سیٹ کیے گلے میں بلیک ہی اسٹائلر ڈالے، ایک ہاتھ میں قیمتی راڈو کی گھڑی
پہنے، وہ ایک شان سے چلتا ہوا لان میں داخل ہوا تھا۔

اسکی سرخ و سفید رنگت پر بلیک کلر بے حد بچ رہا تھا۔

مونچھوں تلے قدرتی عنابی لب آپس میں پیوست تھے، تازہ کی گئی شیو میں وہ اپنی تمام تر
دلکشی لیے مضبوط قدم اٹھاتا اسٹیج کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اس کے ہر انداز میں بے نیازی جھلکتی تھی جبکہ نیلی سمندر سی گہری آنکھوں میں آج
انوکھی سی چمک تھی۔

یونانی دیوتاؤں سا حسن یلے بے شک وہ مردانہ وجاہت کا مکمل شاہکار تھا۔

وہ جب لان میں داخل ہوا تھا ہزاروں نظریں اسکی جانب اٹھی تھیں اور یہی نہیں بلکہ اسٹیج پر پہنچنے تک بھی ہر نظر میں اسکے یلے پسندیدگی تھی۔

جس سے اسے کوئی فرق نا پڑتا تھا۔

ہم اپنی ذات میں خود ایک سلطنت رکھتے ہیں۔

ہمارے قدم جہاں ٹھہرے وہاں لوگ اپنا دل رکھتے ہیں۔

ہیلو مسز، وہ آتے ہی زروا کے برابر میں پورے استحقاق سا براجمان ہوا تھا۔

آہ، زروا کا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔

ضویر نے اسے سرے سے نظر انداز کیا تھا لیکن اسکے قریب بیٹھنے پر زروا کا دل دھڑک دھڑک گیا تھا۔

جبکہ مسکراہٹ تو جیسے آج زائر کے چہرے سے جدا ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی جیسے وہ یہ سب بہت انجوائے کر رہا ہو۔

پلوشہ بیگم نے اسکی یہ مسکراہٹ قائم رہنے کی دعا کی تھی، جبکہ سماہر بیگم نے باری باری ان چاروں پر سے پیسے وار کے انکا صدقہ اتارا تھا۔

اب سب لیڈیز باری باری انکی ابٹن کی رسم کر رہی تھیں۔

مایوں کا فنکشن عروج پر تھا، یہ خالصتاً لیڈرز فنکشن ہوتا ہے اس لیے زائر اور ضوریز بے زار بیٹھے تھے۔

البتہ مشعال اور زروا کافی مطمئن سی اپنی اس خوبصورت سی رسم کو ہوتا دیکھ رہی تھیں۔

چل پیار کریگی؟

ہاں جی ہاں

میرے ساتھ چلے گی؟

ناجی ناجی

اس تیز میوزک کی آواز کے ساتھ ہی عانیہ اور صائمہ ہاتھ تھامے فلور پر آئے تھے۔

سب ہی انہیں، دیکھ مسکرائے تھے۔

چل پیار کریگی، ہاں جی ہاں

میرے ساتھ چلے گی، نا جی نا جی

صائم نے عانیہ کو گول گھماتے ہوئے گانے کے بولوں کو فالو کیا تھا۔

یہ بول عانیہ کے دل کی آواز تھے، جبکہ صائم کا حال بھی پچھلے ایک مہینے سے کچھ مختلف
نا تھا اور اب تو وہ اس ویل وشر کو پہچان گیا تھا جو بنا دیکھے ہی اسکے دل میں گھر کر چکی
تھی۔

وہ اور کوئی نہیں بلکہ اسکے بچپن کی دوست عانیہ ہی تھی۔

جسے شروع ہی سے پریوں اور شہزادیوں کہ کہانیوں پر یقین تھا اور اسے لگتا تھا کہ جب وہ بڑی ہو جائیگی تو اسکا پرنس بھی سفید گھوڑے پر آئیگا اور اسے لے جائیگا۔

یہ بات اس نے خود اسکے منہ سے سنی تھی، جب وہ زروا کو اپنے خوابوں کے شہزادے کے متعلق اپنے خیالات بتا رہی تھی۔

اس روز پینٹنگ میں بالکل وہی منظر دیکھ کر اسکا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

صائم سوچوں میں گم، کھوئے ہوئے سے انداز میں اسکے ساتھ ڈانس کر رہا تھا جبکہ عانیہ اسکی نظروں کی تپش سے نروس ہو رہی تھی۔

چل پیار کریگی؟

ہاں جی ہاں

میرے ساتھ چلے گی؟

ناجی ناجی

اب عانیہ اور صائم ہاتھ میں ہاتھ تھامے خوبصورتی سے یہاں سے وہاں جاتے ڈانس کر رہے تھے۔

تو ہاں کر یہ نا کر تیری مرضی سونیے

ہم تجھ کو اٹھا کر لے جائینگے

ہو، ڈولی میں بٹھا کر لے جائینگے

صائم نے گانے کے بول ساتھ ساتھ دہراتے ہوئے عانیہ کی کلائی تھام کر اسے ایک

جھٹکے سے خود سے قریب کیا تھا۔

عانیہ سب کے سامنے اس قدر بے باکی پر دنگ رہ گئی جبکہ صائم کی آنکھوں میں آج
اسکے لیے انوکھے ہی رنگ تھے جنہیں محسوس کرتے ہوئے عانیہ کا دل بے حد زور سے
دھڑکنے لگا تھا۔

ہم گھر میں کہیں چھپ جائیگے
سنگ تیرے نہیں ہم آئیں گے

عانیہ اسے انگھوٹا دیکھاتی اس سے کلائی چھڑا کر ایک طرف ہوئی تھی۔

صائم اسکی چلاکی پر ہنستا ہوا اسکی جانب بڑھا تھا۔

چل پیار کریگی؟

ہاں جی ہاں جی

میرے ساتھ چلے گی؟

ناں جی نا جی

عانیہ نے صائم کے ہاتھ میں ہاتھ تمھایا تھا اور آگے پیچھے ہوتے ہوئے ڈانس میں اسکا ساتھ دیا تھا۔

جا میں نہیں کرتی شادی وادی

مجھ کو پیاری ہے یہ آزادی

عانیہ شرارتی انداز میں صائم کے ارد گرد گھومتی گانے کے بول دہرا رہی تھی۔

صائم نے اسے اپنی جانب کھینچا تھا اور اسکے گرد حصار باندھا تو عانیہ کے چھکے چھوٹے تھے۔

ہم تجھ کو اٹھا کر لے جائینگے

ڈولی میں بٹھا کر لے جائینگے

ہم تجھ کو اٹھا کر لے جائینگے

ڈولی میں بٹھا کر لے جائینگے

عانیہ کو باہنوں میں تھامے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولوں کو دہراتا وہ گویا اسکے
حواسوں پر چھا رہا تھا۔

سو یو آر مائی ویل وشر ہاں؟ وہ گھمبیر لہجے میں پوچھتا عانیہ کو حیران کر گیا تھا۔

ناجانے اب اسکا رد عمل کیا ہوگا، عانیہ نے گھبرا کر سوچا تھا۔

آئی لو پور پینٹنگز، صائم آہستہ سے بولا تھا، عانیہ کی کی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

اینڈ آئی لو مائی ویل وشر، وہ خوبصورت انداز میں اقرار کرتا عانیہ کو زندگی کی نوید دے گیا تھا۔

عانیہ کی پلکھیں بار حیا سے جھک سی گئی تھیں۔

صائم نے دلچسپی سے اسکے چہرے پر بکھرے حیا کے رنگوں کو دیکھا تھا۔

اسی وقت گانا ختم تو انکا یہ خوبصورت ڈانس بھی اختتام پزیر ہوا تھا۔

صائم نے نرمی سے عانیہ کو سامنے کھڑا کیا تھا۔

انکے اس زبردست پرفامنس پر ماحول تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

جبکہ عانیہ ڈانس ختم ہوتے ہی وہاں سے چلی گئی تھی۔

صائم بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہ گیا تھا۔

ہم جو "تم" سے لے ہیں

"اتفاق" تھوڑی ہے؟

مل کے "تم" کو چھوڑ دیں

"مذاق" تھوڑی ہے؟

اگر ہوتی "تم" سے "محبت"

ایک حد تک تو چھوڑ دیتے

پر ہماری "تم" سے "محبت"

کا حساب تھوڑی ہے

اب "تم" ڈھونڈو گے

میری اس "غزل" کا جواب

یہ میرے دل کی آواز ہے

"کتاب "تھوڑی ہے

تم لوگ واقع ہی ایک دوسرے کے لیے بنے ہو، سماہر بیگم نے اسٹیج پر آتے ہی
مسکراتے ہوئے ان چاروں سے کہا تھا۔

موم بنے ہوں نا ہوں مگر بنادیے گئے ہیں اب تو، ضروریز عجیب سے لہجے میں بولا تھا۔

جسے زائر نے اچھے سے محسوس کر لیا تھا اور جواب دینا بھی ضروری سمجھا تھا۔

جو جسکا ہے وہ اسی کے ساتھ جچتا ہے پھوپو، اپنا حق چھوڑ دینا بزدلوں کی نشانی ہے، طنزیہ
لجے میں بولتا زائر ضوریز کو زمر لگا تھا۔

کتنے کڑوے ہو تم خان، زروا نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

چھوڑ دینا اور چھین لینا دو الگ باتیں ہیں، ضوریز کہاں باز آنے والوں میں سے تھا۔

سماہر بیگم کے ساتھ باقی سب گھر والے بھی پریشان ہوئے تھے، ایک بار پھر انکے بچ تلخ
کلامی شروع ہو چکی تھی۔

ضوریز کی بات پر مشعال نے ترچھی نگاہوں سے اسکی جانب دیکھا تھا اور اگلے پل ہی رخ
موڑ گئی تھی۔

جو میرا ہے اسکے لیے میں ساری دنیا سے بھی لڑتا پرستہ تو لڑجاتا، اسی لیے مجھے کسی کو صفائی
دینے کی ضرورت نہیں، ناؤ پلینز ایسکیوز می، زائر دل جلانے والے انداز میں کہتے ہوئے،
ساتھ ہی ایسکیوز کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اسکے جاتے ہی سب نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

گویا کہہ رہے ہوں، انکا کچھ نہیں ہو سکتا۔

کچھ دیر بعد کھانے کا دور چلا تھا اور اسطرح یہ خوبصورت شام اختتام کو پہنچی تھی۔

اسکی آٹکھ کھلی تو فجر کی آذانیں ہو رہی تھیں۔

زروا جلدی سے اپنے بال سمیٹتی اٹھ بیٹھی تھی۔

اچانک اسکے نظر اپنے ہاتھوں پر لگی مہندی پر پڑی تھی، جسے دیکھ کر اسے پچھلی رات کے سارے مناظر یاد آنے لگے تھے۔

وہ سر جھٹک کر وضو کرنے چل دی تھی، اسے اللہ سے آج بہت سارا صبر مانگنا تھا، آج اس کی زندگی کی نئی شروعات ہونے والی تھی، ایسی شروعات جو اس کی زندگی بدل دیگی۔

زروا نے سب سے پہلے مہندی گے ہاتھ دھوئی تھے۔

اس کی مہندی کا رنگ بے حد گہرا آیا تھا، جو کے اسکے دودھیا بازوؤں پر مزید گہرا محسوس ہو رہا تھا۔

بے اختیار اسے عانیہ کی کہی بات یاد آئی تھی۔

تمہیں معلوم ہے زروا، لڑکی کے ہاتھ کی مہندی کا رنگ جتنا گہرا ہوتا ہے، ہونے والا شوہر اس سے اتنا پیار کرتا ہے، اسے عانیہ کی یہ بات یاد آئی تو ایک تلخ مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔

زائر خان آفریدی اور مجھ سے پیار؟ یہ کیسی بے وقوفانہ سوچ ہے تمہاری زروا خان آفریدی، اس نے تلخی سے سوچا تھا۔

تو کیا تم اس سے پیار کرتی ہو؟ اس کے دل نے اس سے سوال کیا تھا۔

زروا عجیب سی کیفیت کا شکار ہوئی تھی۔

میں کیوں ان سے پیار کرونگی، وہ ایک پتھر دل انسان ہیں، جنہیں کسی کی کوئی پرواہ نہیں، تو میں کیوں انکی پرواہ کروں، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

اپنے آپ سے جھوٹ بولنا بند کرو زروا، تم صرف اور صرف زائر خان کو چاہتی ہو، اور ابھی سے نہیں، اس وقت سے جب تمہیں لفظ محبت کا مطلب بھی معلوم نہ تھا، تم تب سے زائر خان سے محبت کرتی ہو، م کب تک یہ سچائی جھٹلاؤ گی تم، یہ اسکے ضمیر کی آواز تھی اور شاید دل کی بھی۔

نہیں کرتی میں ان سے محبت، زروا کانوں پر ہاتھ رکھ کر چلائی تو آوازیں بند ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ سنبھلی تو وضو کر کے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی۔

گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا، آج زائر خان کی بارات تھی۔

لڑکا اور لڑکی والے ایک ہی تھے اس لیے سب پر ہی زیادہ ذمہ داریاں آگئی تھیں۔

صائم صبح ہی سے گھن چکر بنا ہوا۔

جبکہ سفیر خان اور مراد خان بھی مختلف کام سنبھالے ہوئے تھے۔

سماہر بیگم جو کہ مشعال کا برائیل ڈریس لائیں تھیں، وہ نگین بیگم کے ہمراہ مشعال کے روم میں موجود تھیں۔

یہ میں نے خاص تمہارے لیے آرڈر پر بنوایا ہے بیٹا، مجھے امید ہے تمہیں پسند آئیگا، وہ بیڈ پر اسکا ڈریس اور جیولری رکھتے ہوئے بولی تھیں۔

مشعال پھیکا سا مسکرا دی تھی۔

جب جذبات ہی مر گئے ہوں تو پھر یہ سب بے جان چیزیں بھی دل کو خوشی نہیں دے سکتیں، اور وہ جو بھی پہن لے کیا فرق پڑتا ہے، جس کے لیے یہ سب دھج ہے وہ تو اسے پسند ہی نہیں کرتا، اس نے اداسی سے سوچا تھا۔

جی پھوپو یہ بہت اچھا ہے، اس نے ڈریس دیکھتے ہوئے مسکرا کر تعریف کی تھی۔

اسلام تمہارا نصیب بھی اچھا کرے اور تمہیں ڈھیروں خوشیوں سے نوازے، انہوں نے اسے دل سے دعا دی تھی۔

مشعال سر جھکا گئی تھی۔

یہ ڈریس پہنوںکی تم آج، وہ بیڈ پر شلپنگ بیگ رکھتے ہوئے حاکمانہ انداز میں بولا تھا۔

زروا جو کہ دروازے کے ایک سائیڈ گم سم کھڑی تھی اسکے اس نئے حکم پر حیران رہ گئی تھی۔

ایک تو وہ یوں اچانک روم میں آگیا تھا، گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا اوپر سے ایک نیا فرمان بھی، جاری کر چکا تھا۔

مگر تائی جان میرا ڈریس لا چکیں، زروا نے کورا جواب دیا تھا۔

زائر اس کے قریب آیا تھا۔

میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا، تم میری ہو، اور جو میں کہوں وہ تمہیں کرنا ہوگا، سو تم یہ
ڈریس پہنو یہ میں چاہتا ہوں، اس لیے تم یہی پہنو گی، انڈر سٹینڈ؟ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے
کر سخت لہجے میں بولا تھا۔

مگر میں، زروا نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

جسٹ شٹ اپ، تو تم اب میری بات ماننے سے انکار کرو گی؟ تمہاری یہ ہمت؟ تم ہو کیا؟
وہ اسے بازوؤں سے دبوچے حقارت سے پوچھ رہا تھا۔

تم سمجھ رہی ہو مجھے تم سے کوئی طوفانی قسم کی محبت ہو گئی ہے اور اسلئے میں تمہارے
یلے یہ ڈیس لایا ہوں؟ ہا ہا کتنی خوش فہم ہو تم زروا خان، وہ طنزیہ انداز میں کہتا زروا کو
دو کوڑی کا کر گیا تھا۔

میں یہ صرف اس یلے لایا ہوں، وہ مزید کچھ کہتا کہ پلوشہ بیگم روم میں داخل ہوئی تھیں۔

زائر نے زروا کو چھوڑا تھا۔

زائر، یہ کیا حرکت ہے؟ تم اس قدر سفاک اور بے رحم کیسے ہو سکتے ہو؟ مجھے تو شرم آرہی
ہے کہ تم میرے بیٹے ہو، تم ایک لڑکی سے ایسے برتاؤ کیسے کر رہے ہو، لڑکی بھی وہ جو
تمہاری بیوی ہے، اور میں نے تو ہمیشہ تمہیں لڑکیوں کی عزت کرنا سیکھایا تھا زائر، یہ تم کیا
کر رہے ہو، یعنی تم آج بھی چار سالے پہلے کی وہ بات، کیوں زائر؟ پلوشہ بیگم روتی ہوئی
زروا کو سینے سے لگائے، اب زائر پر برس پڑی تھیں۔

زائر سرد و سپاٹ تاثرات لیے، خاموش کھڑا تھا۔

زائر دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے، ورنہ میں بھول جاؤنگی کہ تم میرے بیٹے ہو، پلوشہ بیگم چلائی تمہیں۔

زائر ایک زہر خند نظر زروا پر ڈالے بنا غصے پر قابو پاتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

یالسیہ میں نے کیا کر دیا، مجھے پتہ ہوتا تو میں کبھی زائر کا نکاح زروا سے نا ہونے دیتی، پلوشہ بیگم پچھتاتی ہوئی سی زروا کے ساتھ وہیں کھڑی رہ گئی تمہیں۔

سب مہمان حال میں پہنچ چکے تھے۔

سفیر خان اور پلوشہ بیگم باقی سب مہمانوں کے ساتھ بارات میں آنے والے تھے۔

جبکہ مراد خان نگین بیگم اور صائم پہلے ہی حال میں موجود تھے۔

زروا اور مشعال پارلر گئیں ہوئیں تھیں۔

نگین بیگم پریشان سی بار بار یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھیں۔

کیا ہو گیا بھئی نگین؟ مراد خان نے انہیں پریشان دیکھ سوال کیا تھا۔

کچھ نہیں مراد صاحب، بس بیٹی کی شادی ہے تو دل گھبرا رہا ہے، وہ فکرمندی سے بولی تھیں۔

ارے پاگل پریشان کیوں ہوتی ہو، اس سب بہتر کریگا، انہوں نے انکے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔

نگین بیگم ہلکا سا مسکرائی تھیں۔

اتنے میں ہی دلہنوں کے آنے کا شور ہوا تو وہ زروا اور مشعال کو لینے چل دی تھیں۔

کچھ دیر بعد ہی انہیں، ساتھ لے نگین بیگم پرائیویٹ روم میں آئی تھیں۔

بارات گئی تھی، اور بارات کے آتے ہی آتش بازی شروع ہو چکی تھی۔

آتش بازی کی وجہ سے سارا آسمان رنگین ہو رہا تھا۔

دونوں باراتیں ایک ساتھ ہی وینو میں پہنچی تھی۔

ڈل گولڈن شیروانی میں ریڈ کلر کا کلاہ سر پر رکھے، ڈل گولڈن ہی کھسے پاؤں میں ڈالے، وہ روایتی دولہے کے روپ میں بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

اسکے ایک ہاتھ میں گولڈن ڈائل والی قیمتی واچ تھی، جبکہ دوسرے ہاتھ میں اس نے سلور کلر کا زیڈ۔ کے کا بریسلٹ پہنا ہوا تھا، نیلی سمندر سی آنکھوں میں آج مسکراہٹ کی جھلک تھی، خوشبوؤں میں رچا بسا، باراتیوں کے بیچ ایک شان سے کھڑا زائر خان آفریدی کسی ریاست کا شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔

اسکی ساحرانہ پرسنالٹی اسے سب سے نمایاں کرتی تھی اور آج تو پھر اسکی شان ہی نرالی تھی، وہ خوب و دلکش شخص تقریباً ہر نگاہ کا مرکز تھا۔

جبکہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا شخص بھی کچھ کم نا تھا، وہ بھی اس ہی کا آئینہ تھا، بلکہ وہ دونوں مغرور شخص ہی بے مثال تھے۔

ضوریز خان آفریدی آج، ہاف وائیٹ شیروانی اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھا، جس کے ساتھ ریڈ کلر کا ہی اسٹول تھا، ساتھ ہی اس نے ہاف وائیٹ کھسے پہنے ہوئے تھے، گولڈن بالوں کو جیل سے سیٹ کیے، کرسٹائن کی خوشبو، میں رچا بسا وہ بھی کسی مغل شہزادے سے کم نالگ رہا تھا۔

گرے آنکھوں میں سنجیگی کا تاثر لیے، اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ وہ ماحول پر چھایا ہوا تھا۔

وہ لوگ ایک ساتھ وینیو کے مین گیٹ پر پہنچے تو، نگین بیگم نے روایتی ساسوں کی طرح، آگے بڑھ کر ان دونوں پر سے پیسے وار کر انکی نظر اتاری تھی۔

مسکراتے بے فکرے چہرے، شوخیاں اور بے بار قمقوں کے درمیان بارات اندر کی جانب
بڑھی تھی۔

وہ سب اس وقت اسٹیج پر موجود تھے، زروا اور مشعال ابھی اسٹیج پر نہیں آئی تھیں، ضوریز
کے ساتھ عانیہ بیٹھی ہوئی تھی جبکہ زائر اکیلا ہی تھا۔

ہیلو زیڈ۔ کے، ایک بے باک سی لڑکی زائر کے قریب آئی تھی۔

زائر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ضوریز نے بھی آج تو حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

کونگریٹس زیڈ۔ کے، جینی نے اس سے بے باکی سے گلے ملتے ہوئے وش کیا تھا۔

تھینکس جینی ڈارلنگ، زائر نے ہنس کر جواب دیا تھا۔

ذلیل، کمینہ، گھٹیا انسان، ضوریز بڑبڑایا تھا۔

لالہ پلیر آج کوئی جھگڑا مت کیجئے گا، عانیہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

عانیہ تمہیں لگتا ہے میں لڑتا ہوں؟ ضوریز نے اسے گھورا تھا۔

نن نہیں لالہ، مگر مجھے لگتا ہے، آپ دونوں ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرتے، کیونکہ آپ نے کبھی غصے میں بھی ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، صرف لفظی لڑائی

ہوئی ہے آپ کے درمیان، اور یقیناً کوئی تیسرا ہے جو آپ کے بیچ یہ دیوار کھڑی کروا گیا ہے جسے آپ نے کبھی ہٹانے کی کوشش نہیں کی، مگر ہوسکے تو کوشش کیجئے گا، نفرتوں میں کچھ نہیں رکھا، اگر غلطی انکی ہے تو آپ ظرف بڑا کیجئے اگر آپکی ہے تب آپ آگے بڑھ کر ان سے سوری کیجئے ورنہ بعد میں پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔

اگر اب بھی آپ یہ سوچیں گے کہ وہ نہیں کرتا تو میں کیوں جھکوں تو یقین مانیں آپ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں رہے گا، آپ سوچے گا ضرور آپکا جگر آپ کا دشمن کیسے بن گیا، یا کہیں آپ ہی اسکے دشمن تو نہیں بن بیٹھے انجانے میں؟ فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے لالہ جان، عانیہ اپنے دل کی بات جو کافی دنوں سے سوچ رہی تھی، کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ضروریز سن رہ گیا تھا، عانیہ اس سے چار سال چھوٹی ہونے کے باوجود اس سے زیادہ سمجھداری کی بات کر گئی تھی اور وہ جواب میں ہاں بھی نا کہہ سکا تھا۔

مگر عانیہ کی ایک ایک بات سچ تھی، تو کیا غلطی ضروریز خان صرف تمہاری تھی؟ اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

تمہاری ہی نہیں تمہاری بھی ضرور تھی، ضمیر کی آواز پر ضروریز ساکت رہ گیا تھا۔

تو کیا پچھتاوے کا وقت شروع ہو چکا تھا؟

اپنے لالہ کو کہو یہ بے غیرتی جا کر اپنے جیسے ہی آوارہ دوستوں کے بیچ کرنا، یہ جو بے خودگی دیکھا رہا ہے نا یہ اسے کہو سدھر جائے ورنہ ہم سے برا کوئی نا ہوگا، ناہنجار ناہو تو ہماری ناک کٹوانے میں کوئی کثر نہیں چھوڑنی تمہارے بے شرم لالہ نے، ہمارا سارا خاندان یہاں موجود ہے، اور یہ نالائق کیسے دولہا بنے ہوئے بھی پرائی لڑکیوں کے ساتھ قہقہے لگا رہا ہے،

سفیر خان نے اسٹیج پر میسہ علی اور جینی کے ساتھ کھڑے زائر خان کو ہنستے دیکھ غصے سے بڑبڑائے تھے، ساتھ ہی صائم کو حکم دیا تھا۔

باباجان وہ انکی فرینڈز ہیں، صائم نے دلیل دی تھی۔

مگر جواباً سفیر خان نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا وہ وہاں سے جاتا ہوا نظر آیا تھا۔

لالہ بھی نا، پتہ ہے کے ہمارے یہاں یہ سب کتنا برا مانا جاتا ہے پھر بھی اپنے لندن والے طور طریقے یہاں بھی اٹھا لائے، صائم بڑبڑاتے ہوئے زائر کی جانب بڑھ رہا تھا جب اپنے دھیان میں آتی عانیہ سے اسکا تصادم ہوا تھا۔

آؤچ، عانیہ نے سرتھاما تھا۔

تم ٹھیک ہونا؟ صائم نے سنبھلتے ہی فکر مندی سے اس سے پوچھا تھا۔

آپ، ہاں میں ٹھیک ہوں بس، عانیہ اس وقت کسٹرد کلر کی میکسی پہنے ہوئے تھی، لائٹ میک اپ اور نازک سی جیولری میں وہ کافی خوبصورت لگ رہی تھی، اس سے نظریں ملی تو عانیہ بے اختیار ہی سر جھکا گئی تھی جبکہ صائم کا دل بے ایمان ہوا تھا۔

بلاشبہ وہ ایک پرکشش لڑکی تھی مگر اس وقت اسکی آنکھوں میں موجود اداسی بھی صائم سے نا چھپ سکی تھی۔

عانیہ آریو آل رائٹ؟ صائم نے اسکی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تو عانیہ نے صرف اثبات میں سر ہلایا تھا اور وہاں سے جانے لگی تھی۔

رکو عانیہ، صائم اسکے سامنے آیا تھا۔

عانیہ نے نگاہ اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

بلیک پینٹ پر وائیٹ شرٹ اور بلیک ہی ویسٹ کوٹ پہنے، اپنی دلکش پرسنالٹی کے ساتھ،
عانیہ کے عین سامنے کھڑا صائم سیدھا عانیہ کے دل میں اتر رہا تھا، مگر فلحال وہ اس سے
بات کرنے کی پوزیشن میں نا تھی اسلیے خاموش کھڑی تھی۔

تم کیوں پریشان ہو؟ کچھ ہوا ہے؟ پلیز عانیہ کچھ تو بولو یار، فکر مندی سے سوال کرتا وہ عانیہ
کو کافی اپنا اپنا سا لگا تھا۔

نن، عانیہ نے انکار کرنا چاہا تھا مگر اسکی بات صائم نے کاٹ دی تھی۔

نہیں مت کہنا کیوں کہ تمہاری یہ آنکھیں مجھ پر سب عیاں کر چکی ہیں، تم صرف اب وجہ
بتاؤ شاباش، وہ دوستانہ لہجے میں بولتا اسے حوصلہ دے گیا تھا۔

صائم میں تنگ آگئی ہوں زائر لالہ اور ضریر لالہ کی لڑائیوں سے، عانیہ اداسی سے بولی تھی۔

تو کون تنگ نہیں آیا؟ سب ہی پریشان ہیں، تم تو کم از کم کوئی نئی بات کرو، صائم نے ہنستے ہوئے بات کو ہلکا پھلکا رخ دیا تھا تا کہ عانیہ کی پریشانی دور کر سکے مگر عانیہ نے نفی میں سر ہلایا تو صائم سیریس ہوا تھا۔

صائم آپ سمجھ نہیں رہے، میری بات، ہٹے پلیز مجھے کوئی بات نہیں کرنی آپ سے، وہ روٹھی ہوئی سی جانے لگی تو صائم نے اسکی کلائی پکڑ کر اسکا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔

عانیہ مجھ پر کتنا اعتبار ہے تمہیں؟ صائم اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔

عانیہ نے نظریں اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

صائم اسکے جواب کا منتظر تھا۔

خود سے زیادہ، عانیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

اسکے جواب پر صائم کے دل کو سکون ملا تھا۔

اب بتاؤ کیا بات ہے، آؤ وہاں چل کر بیٹھتے ہیں، اسنے ایک جانب لگی چیئرز کی طرف اشارہ کیا تھا۔

عانیہ خاموشی سے اسکے ساتھ چل دی تھی۔

اب بولو کیا بات ہے؟ صائم نے پھر سے سوال دہرایا تھا۔

عانیہ نے جواباً اسے اپنے سارے خدشات بتائے تھے، اپنے اور ضریرز کے بچ ہونے والی گفتگو بھی بتادی تھی۔

جسے سن کر صائم بھی سوچ میں پڑ گیا تھا، کیونکہ وہ خود بھی یہ بات نوٹ کر چکا تھا۔

تم پریشان مت ہوؤ، میں کوئی حل نکالتا ہوں، اور ان شاء اللہ ہم مل کر ضرور ان دونوں کے بیچ کی غلط فہمیاں دور کرینگے، صائم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے یقین دلایا تھا۔

ویلے مجھے نہیں پتہ تھا تم میری اتنی دیوانی ہو مائی ویل وشر، اسے خاموشی سے اپنی باتیں سنتے دیکھ کر صائم شرارتی انداز میں بولا تھا۔

اسکی آخری بات پر عانیہ جھینپ کر مسکرا دی تھی۔

گولڈن اور ریڈ کلر کی پرنسز اسٹائل بھاری اور گھیردار فراک پہنے، ریڈ کلر کا بھاری زرتار دوپٹہ، سلیقے سے سر پر سیٹ تھا، اس کے بارڈر پر بھی کافی خوبصورت کام بنا ہوا تھا، اسکی فراک کا گہر چلتے ہوئے آگے کی طرف جا رہا تھا، وہ نگاہیں جھکائے باوقار قدم اٹھاتی اسٹیج کی جانب بڑھ رہی تھی۔

بیوٹیشن کے ماہرانہ انداز میں کیے گئے میک اپ نے اسکے حسن کو مزید نکھار دیا تھا، سنہری بالوں کو خوبصورت سے جوڑے کی شکل دے کر کچھ لٹیں چہرے پر ہی چھوڑ دی گئی تھیں، ساتھ ہی نفیس سی ڈائمنڈ کی جیولری پہنے زروا آسمان سے اتری کوئی حور معلوم ہو رہی تھی۔

اسکے بالکل برابر عانیہ تھی اور عانیہ کے ساتھ پی مشعال تھی۔

ریڈ اور پیچ کلر کی میکسی میں دوپٹہ سر پر روایتی انداز میں سیٹ کیے، گولڈ کی نازک سی
جیولری پہنے خوبصورتی اور نفاست سے کیے گئے میک اپ میں مشعال کا روپ بھی آج
دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

نظریں جھکائے چلتی، بلاشبہ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

عانیہ کے ہمراہ وہ دونوں اسٹیج پر آئی تھیں۔

اس پل جینی سے بات کرتے زائر کو جیسے دنیا بھولی تھی، یاد تھی تو صرف وہ ساحرہ، وہ
مغفور شہزادہ اردگرد سے بے نیاز ہوا تھا۔

کچھ پل تو وہ مبہوت سا زروا کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

زروا سب سے سب سے قدم اٹھاتی عانیہ کے ہمراہ زائر کے برابر آکر بیٹھی تو زائر حوش میں آیا تھا۔

اسے دیکھ کر ایک بھولا بسرا منظر زروا کے ذہن میں آیا تھا۔

تم میرے ہونا پارٹنر؟ یہ زروا کی آواز تھی۔

ہاں بالکل، زائر نے برجستہ جواب دیا تھا۔

میرے ہی رشنا، وہ کہتی ہوئی دور بھاگی تھی اور زائر اب اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

زائر اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا پھر سنبھل کر نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

جبکہ ضوریز نے مشعال پر ایک نگاہ ڈال کر رخ موڑ لیا تھا۔

اسکی اس بے رخی پر مشعال کا دل چکنپتور ہوا تھا۔

مگر وہ بھی کمال کی انا رکھتی تھی، اس نے ضوریز کو دیکھنا بھی گوارا نا کیا تھا۔

ماشاء اللہ ہمارے چاروں بچے ہی بہت پیارے لگ رہے ہیں، نگین بیگم نے پیار سے کہا تھا۔

باقی سب بھی کچھ نا کچھ کہہ رہے تھے مگر اب چار لوگوں کے زہن میں اس وقت کچھ الگ ہی سوچیں گردش کر رہی تھیں۔

کسی کے بھی دل میں خوشی کی کوئی رمق نا تھی۔

اللہ جانے یہ دوریاں کب سمٹنی تھی۔

مہمانوں میں کھانے کا دور چلا تھا اور پھر رخصتی کا شور اٹھ گیا تھا۔

یہ کیا ضد ہے خان، تم جب ہمارے بیٹے ہو تو ہمارے ساتھ رہو گے، کڑوڑوں کی جائیداد کے مالک ہو، تمہیں الگ گھر کی کیا ضرورت؟ سفیر خان زائر کے نئے مطالبے پر بھنا اٹھے تھے۔

مجھے آپ کی کڑوڑوں کی جائیداد کی کوئی ضرورت نہیں، میں اپنی بیوی کی ذمہ داری اٹھا سکتا ہوں اور اپنا ہر فرض بخوبی نبھا سکتا ہوں، زروا اب میری ذمہ داری ہے جسے میں خود نبھاؤں گا، اس کی فکر کرنے کے لیے میں ہوں، آپ کو ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، میرے

بازوؤں میں ابھی اتنا دم ہے کہ میں اپنی بیوی کو ایک اچھی زندگی دے سکوں، ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتا وہ سفیرخان اور فرقان خان کو کافی خودسر لگا تھا۔

پر اعتماد تو وہ تھا ہی مگر آج تو اسکے لہجے میں عجیب ہی سرکشی اور خودسری تھی۔

دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، اس لی ساری اول فول باتیں تمہارے ہی دماغ میں آتی ہیں۔

ایکسیپنڈ باباجان، زائر خان نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

سفیرخان تپ ہی تو گئے تھے۔

خان تم،۔

نہیں لالہ، سفیر خان نے کچھ کہنا چاہا تو مراد خان نے انہیں باز رکھا تھا۔

دیکھیں زائر بیٹا بالکل آپ ایک ذمہ دار بیٹے ہیں، ہمیں آپ کی قابلیت پر کوئی شک نہیں، مگر زائر آپ ہمارے ساتھ بھی تو رہ سکتے ہیں، وہاں سب ہونگے، آپکی مومی جان چچی جان، آپکو ہم سب کے ساتھ رہنے میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہونا چاہیے، پھر آپ ہمارے ساتھ آفس بھی آسکتے ہو، اس میں کیا حرج ہے؟ مراد خان نے بھی اسے سمجھانا چاہا تھا جو اپنی بات سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

سوری چچا جان، باقی سب تو ٹھیک ہے بٹ کیا ہے نا میرا آپ کے لالہ جان سے چھتیس کا آکرہ ہے اسلیے میں انکے ساتھ بزنس نہیں کر سکتا، میں اپنا الگ بزنس اسٹیبلش کرنے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہوں، اور بہت جلد ہی میں اس سلسلے میں کینیڈا جا رہا ہوں، اس لیے زروا میرے ساتھ ہی رہیگی، اور جب میں "خان پیلیس" میں نہیں رہ سکتا تو میں ہرگز بھی اپنی وائف کو وہاں نہیں رکھوںگا، وہ انہیں لا جواب کر گیا تھا۔

ٹھیک ہے، زروا اب آپکی ذمہ داری ہے، اور میں جانتا ہوں زائر خان آفریدی اپنی ذمہ داری سے پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں، اسلیے آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا، فرقان خان نے اس گفتگو کو مزید طول پکڑنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔

کسی کام سے پرائیویٹ روم کے اندر آتی پلوشہ بیگم یہ بات سن کر گم سم سی رہ گئی تھیں۔

رخصتی کا وقت آن پہنچا تھا۔

مشعل نگین بیگم کے سینے سے لگی تو پھر روتی ہی چلی گئی تھی۔

جب کے نگین بیگم کے آنسو بھی تھمنے کا نام نالے رہے تھے، ایسے ہی تو نہیں کہتے بیٹیاں ماں باپ کے جگر کا ٹکڑا ہوتی ہیں، بہت مشکل ہوتا ہے بیٹی کو وداع کرنا، اور اس وقت یہی حال مراد خان اور نگین بیگم کا بھی تھا۔

مشعال نگین بیگم کے بعد مراد خان کے گلے لگی تھی۔

ضوریز ایک طرف کھڑا تھا، اسکے اور مشعال کے درمیان جو بھی تھا مگر وہ اتنا تو جانتا تھا کہ یہ وقت واقع ہی مشکل ہوتا ہے۔

سب سے مل کر وہ مشعال کی جانب آیا تھا، اور اس کے بار بار ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کے باوجود اسکا ہاتھ تھام کر اسے لیے کار کی جانب بڑھا تھا۔

جبکہ دوسری طرف زروا کے ساتھ تو عجیب صورتحال تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ شادی کے بعد بھی وہ یہیں رہیگی سب کے ساتھ مگر ایسا تو کچھ بھی نا تھا۔

وہ اپنے سسرال سے ہی وداع ہو رہی تھی، اسے وداع ہو کر اپنے اتنے پیارے تایا جان تائی جان، بھائیوں جیسے دیور، اور اسکے پیارے بابا جان سے دور زائر خان کے سنگِ پلے جانا تھا۔

نا جانے زائر خان اسکے ساتھ کیا سلوک کرتا، ایک انجانا خوف اس کے دل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

دوسری طرف زائر خان کی نظریں تو جیسے اس پر سے ہٹنا ہی بھول گئی تھیں، جو زروا کو نچوڑی محسوس ہو رہی تھیں۔

سب سے مل کر زروا پلوشہ بیگم کے سینے سے لگی تو اسکی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

نچپن سے ہی اس نے ماں کے روپ میں پلوشہ بیگم کو ہی دیکھا تھا، وہ انہیں دل سے اپنی ماں مانتی تھی اور پلوشہ بیگم کی بھی تو اس میں جان تھی۔

اس مہربان ہستی کے گلے لگ کر زروا ٹوٹ کر بکھری تھی۔

کتنا روتی ہیں یہ لیڈیز، زائر ناجانے کیوں اس پل مضطرب سا ہوتا وینیو سے باہر نکل گیا تھا۔

زروا بس میری جان، میں جانتی ہوں ہم انجانے میں تمہارے ساتھ غلط کر گئے ہیں میری بچی، مگر میں اب چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی کیونکہ کوئی بھی ماں اپنی بیٹی کا گھر خراب ہوتے نہیں دیکھ سکتی، وہ اسے ساتھ لگائے آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

زروا دم سادھے انہیں سن رہی تھی۔

آس پاس کوئی نا تھا، وہ اس وقت اسٹیج کے قریب کھڑی تھیں، آدھے لوگ دوسری بارات کے ساتھ آگے جا چکے تھے۔

لیکن میری دل سے دعا ہے بیٹا، اللہ تمہارا دامن خوشیوں سے بھر دے، آمین

دعا دیتے ہوئے پلوشہ بیگم نے اسے آہستہ سے خود سے الگ کیا تھا۔

میں تم سے کچھ باتیں کہوں گی، تمہاری ماں ہونے کے ناطے، نا کے زائر کی مومی بن کر، امید ہے تم بھی میری بات میری بیٹی بن کر ہی سنو گی، انہوں نے اس کے سر بوسہ دیا تو زروا نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

میں مانتی ہوں زائر تمہارے ساتھ روڈ ہو جاتا ہے مگر یقین مانو وہ دل کا برا نہیں ہے، وقت اور حالات نے اسے ایسا بنادیا ہے، وہ آج بھی اس واقع کو نہیں بھولا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ تم سے اتنی نفرت کر رہا ہے، مگر یہ نفرت صرف دیکھاوا ہے میری جان، وقت نے اسے پتھر بنادیا ہے اور زروا تم ہی وہ ہستی ہو جو اس پتھر کو پھر سے موم کر سکتی ہو، وہ کہہ کر کی تو زروا نے حیرانگی سے انکی جانب دیکھا تھا۔

پیار کرتا ہے وہ بے وقوف تم سے، میں نے دیکھا ہے اسکی آنکھوں میں تمہارے لیے جنون،
مگر پوز ایسے کرتا ہے جیسے تم سے کوئی مطلب نہیں اسے، اسکی نظروں کا مفہوم سمجھ کر
انہوں نے جواب دیا تمہا اور بول کر ہولے سے مسکرائی تھیں۔

جبکہ زروا سن رہ گئی تھی، یہ کیا کہہ گئی تھیں وہ، یہ کیسا انکشاف تھا؟ اگر یہ سچ تھا زروا
کے لیے کسی شک سے کم نا تھا۔

مگر زروا ان سے کچھ پوچھنا سکی تھی۔

زروا میری بات سن رہی ہونا تم؟ اسے گم سم دیکھ پلوشہ بیگم نے اسے دونوں بازوؤں سے
تھام کر ہلایا تھا۔

جی، اس نے آہستہ سے یہ جواب دیا تھا۔

چلو بھئی بیگم بیٹی کو رخصت کرنے کا وقت آگیا ہے، سفیر خان کہتے ہوئے انکے قریب آئے
تو پلوشہ بیگم نے زروا کو ایک بار پھر خود سے لگایا تھا۔

تم جانتی ہو، محبت کو محبت ہی جیت سکتی ہے؟ اور میں جانتی ہوں میری زروا اپنے خان
کو اتنی محبت دیگی کہ وہ سب بھول جائیگا، قسمت والا ہے میرا زائر کے اسے تم ملی، مگر
ابھی تمہاری منزل دور ہے بچی، تو یہ ماں تمہیں دل سے دعا دیتی ہے، جاؤ زروا، زائر خان کو
جیت کے آنا، اسے خود سے لگائے وہ اسے یہ کیسی ذمہ داری سونپ گئی تھیں۔

زروا کے دل کی حالت غیر ہوئی تھی۔

ان سے الگ ہوتی وہ فرقان خان کے ساتھ ہی آگے بڑھی تھی۔

سنجھل کر، زائر خان جو کار کے قریب ہی کھڑا تھا، اسے ناجانے اس پل کیا ہوا تھا اس نے آگے بڑھ کر زروا کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے بیٹھنے میں مدد کی تھی۔

زروا جو کہ اپنی فراک کی وجہ سے الجھن کا شکار تھی اسکی مدد سے آسانی سے کار میں بیٹھ گئی تھی۔

کچھ ہی پلوں میں وہ ڈھیروں دعاؤں کے سائے تلے زائر خان کے سنگ رخصت ہو کر ایک نئے سفر پر روانہ ہو گئی تھی۔

جسکی منزل کا اسے کچھ اندازہ نا تھا۔

#کپلز اسپیشل

ضوریز نے اپنے گھر کے پورچ میں اپنی لینڈکروز روکی تھی وہ خود دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا،
اور اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

اس نے نا تو مشعال کو اترنے کے لیے کہا تھا اور نا ہی اس سے کوئی بات کی تھی۔

سماہر بیگم نے عانیہ کو آواز دی تھی، عانیہ جو کے دوسری کار میں تھی فورن اتر کر مشعال
کے پاس آئی تھی اور اسے گاڑی سے باہر نکلنے میں مدد کی تھی۔

سماہر بیگم کو اس وقت ضروریز پر بے حد غصہ آیا تھا مگر وہ مجبور تھیں، فلحال اسے مشعال
کے سامنے کچھ کہہ بھی نہیں سکتیں تھیں، وہ مشعال کے دل میں ضروریز کے لیے
بدگمانی نہیں ڈالنا چاہتی تھیں اس لیے خاموش رہنے میں عافیت جانی تھی۔

عانیہ نے مشعال کو ضروریز کے کمرے میں پہنچا دیا تھا اور خود فریش ہونے چل دی تھی۔

مشعال بیڈ پر بیٹھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جب سماہر بیگم وہاں آئیں تھیں۔

مشعال بچی، میرا ضرور غصے کا تھوڑا تیز ہے مگر دل کا برا نہیں ہے، ابھی شروع شروع میں تمہیں تھوڑا مسئلہ ہوگا لیکن لیکن ان شاء اللہ وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا، دیکھو میں جانتی ہوں یہ جو کچھ بھی ہوا ایسے نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن اب ہو گیا ہے، تم بس کبھی صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا، خدا آزماتا ضرور ہے پر بندے کو مایوس نہیں کرتا، ضرور کے ساتھ تمہارا نکاح ہوا ہے اور نکاح کے دو بولوں میں بہت زیادہ طاقت ہوتی ہے، اتنی کے دو لوگوں کو ایک کر دے، میری بات سمجھ رہی ہونا؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

جی سمجھ گئی، مشعال جو غور سے انکی باتیں سن رہی تھی آہستہ سے بولی تھی۔

شاباش اب تم آرام کرو، وہ اسکا سر تھپکتی روم سے باہر نکل گئیں تھیں۔

مشعال پھر سے روم کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئی تھی۔

ضوریز کا کمرہ "ضوریز ہاؤس" کا سب سے شاندار کمرہ تھا اور بے حد نفاست سے سجا ہوا تھا۔

گرت وال پیپر، وسط میں ڈبل سائز گرے خوبصورت بیڈ، سائیڈ ٹیبلز، سامنے اسی طرح کا ڈیسنگ ٹیبل تھا جس پر دنیا کے ہر بیش قیمتی پرفیومز کا ڈھیر تھا۔

بیڈ کے سامنے خوبصورت کنگ سائز صوفہ تھا اور بیڈ کے آگے دو خوبصورت فلور کشن رکھے گئے تھے، بیڈ کے سامنے والی وال پر فل سائز ایل۔ای۔ڈی نصب تھی۔

ضوریز کے کمرے کا سب سے خوبصورت حصہ اسکے کمرے میں موجود بڑی سی واحد کھڑکی تھی جہاں سے پورا گھر نظر آتا تھا مگر اس وقت اس کھڑکی پر دہیز پردے برابر کیے ہوئے تھے۔

اسکے کمرے میں موجود ہرچیز اسکے اعلیٰ ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

چوائس تو اچھی ہے موصوف کی، مشعال نے دل ہی دل میں اسے سرہایا تھا۔

کیا ہوتا جو یہ خود بھی زرا سا اچھا ہوتا، ایک اور سوچ اسکے دماغ میں آئی تھی۔

گاڑی کوئی آدھا گھنٹے بعد ایک عالیشان بنگلے کے سامنے کی تھی۔

زائر ڈرائونگ کر رہا تھا جبکہ زرا اپنی سوچوں میں گم سکڑی سمی بیٹھی تھی۔

او ہیلو میڈم باہر تشریف لے آؤ، زائر کی طنزیہ آواز زرا کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

وہ مرسیڈیس کے باہر کھڑا زروا سے مخاطب تھا۔

زروا نے اپنا فراک سنبھالا تھا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔

زائر بنا اسکی جانب دیکھے آگے بڑھ گیا تھا۔

زروا اپنا ہیومی فراک سنبھالے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اسکی تقلید میں پتھروں سے بنی خوبصورت روش پر چل رہی تھی۔

یہ ایک انتہائی خوبصورت بنگلہ تھا جو کے پہاڑوں کے بیچ و بیچ بنایا گیا تھا، بنگلے کے ارد گرد وسیع و عریض لان تھا، لان کے چاروں اطراف رنگ برنگے پھولوں کی کیا ریاں لگی ہوئی تھیں، جن کے قریب کھڑے ہونے پر سوات کی خوبصورت پہاڑیاں نظر آتی تھیں۔

بنگلے کے سیاہ آہنی گیٹ میں داخل ہوتے ہی پتھروں سے بنی خوبصورت روش تھی۔

زروا خاموشی سے زائر کے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔

یا اللہ کتنا لمبا راستہ ہے، گھر ہے یا جنگل، ہے بھی کتنے سنسان ایریا میں، ویسے یہ جنگل ہی لگتا ہے کیونکہ جتنے یہ خطرناک ہیں، جنگل میں ہی رہ سکتے ہیں، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

اللہ اللہ کر کے وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچی تھے۔

آریو آل رائٹ؟ اسے خود سے کافی فاصلے پر کھڑی دیکھ وہ پلٹا تھا۔

زروا نے محض اثبات میں سر ہلایا تھا۔

زائر نے غور سے اسکی طرف دیکھا تھا جو اس روپ میں کوئی کانچ کی گڑیا معلوم ہو رہی تھی
وہ بامشکل اپنا بھاری فراک سنبھالے کھڑی تھی۔

اس کا کچھ نہیں ہو سکتا، زائر نے سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا اور چلتا ہوا اسکی جانب
آیا تھا۔

اسے قریب آتے دیکھ زروا کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔

جب سنبھل نہیں رہا فراک تو پھوٹ کیوں نہیں رہی تھیں بہت شوق ہے تمہیں مظلوم
بننے کا، زائر چڑ کر بوٹے ہوئے اچانک اسکی جانب جھکا تھا اور اسے باہنوں میں بھر کر گود
میں اٹھا لیا تھا۔

اس اقدام پر زروا مارے شرم کے پانی پانی ہوئی تھی جبکہ اسکا ننھا سادل پھسلایا توڑ کر
باہر آنے کو تھا۔

خان چھوڑیں مجھے، زروا کافی اونچی آواز میں بولی تھی۔

زائر بہرہ بنا سیڑھیاں طے کرتا جا رہا تھا جبکہ زروا خود کو اسکی مضبوط گرفت سے نکالنے کی
ناکام کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔

جبکہ اس ساحر کی قربت میں اسکا دل الگ ہی لے میں دھڑک رہا تھا۔

"تیری قربت کے مٹے جو میسر ہوئے"

"تو دل دھڑکنے کا سبب سمجھ آیا ہے"

کیا ہوتا جو یہ شخص حقیقت میں بھی ایسا ہی ہوتا؟ اس نے دل میں سوچا تھا۔

"تم میرے دھیان کے"

"سبھی راستوں میں رہتے ہو"

زائر نے اسے اوپر لے جا کر پٹخنے کے انداز میں ایک روم کے سامنے اتارا تھا۔

آہ، زروا لڑکھڑائی تھی پھر سنبھل کر اس کے برابر میں ہی نظریں جھکائے کھڑی تھی، مارے حیا کے اسکی پلکھیں بھی نا اٹھ پارہی تھیں۔

زائر نے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور آگے بڑھ کر لائٹس آن کی تو کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا تھا۔

اندر آجاؤ یا یہ بھی میں ہی کروں؟ وہ زو معنی انداز میں کہتا پلٹا تھا۔

زروا جلدی سے آگے بڑھی تھی۔

یہ کمرہ تھا یا کوئی حال، زروا حیرانگی سے جائزہ لے رہی تھی۔

کمرے میں ایک جانب گلاس وال تھی، جس کے دوسری جانب ٹیرس تھا۔

کمرے کے وسط میں کنگ سائز بیڈ تھا، بیڈ کے پیچھے کی جانب، دیوار پر زائر خان کی مسکراتی ہوئی انلارج تصویر لگی ہوئی تھی۔

بیڈ سامنے ہی خوبصورت و بیش قیمتی ڈریسنگ ٹیبل تھا۔

جبکہ ایک جانب دیوار گیر وارڈروب تھی، جس کے ساتھ ہی دروازہ تھا جہاں ڈریسنگ روم تھا۔

اسکے علاوہ ایک کنگ سائز صوفہ تھا۔

زائر کمر میں آتے ہی اسے نظر انداز کرتا وارڈروب سے اپنے کپڑے لیتا فریش ہونے چل گیا تھا۔

جبکہ زروا حیران سی کمرے کے بیچ و بیچ کھڑی پل بھر میں اسکے یوں انداز بدلنے پر دنگ سی رہ گئی تھی۔

وہ باہر لان میں ہی ٹھل رہا تھا اسکا کوئی ارادہ نا تھا اندر جانے کا، اسے عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔

یہاں کیا کر رہے ہو تم؟

سماہر بیگم نے اسے کمرے کی کھڑکی سے باہر ٹہلتے دیکھا تو انکے ماتھے پر بل پڑے تھے اور وہ نیچے آئی تھیں۔

ویسے ہی ٹہل رہا ہوں، ضروریز نے سکون سے جواب دیا تھا۔

جا کر اپنے کمرے میں ٹہلو، سمجھے، سماہر بیگم نے اسے لتاڑ دیا تھا۔

کمرے میں کوئی کیسے ٹہل سکتا ہے؟ ضروریز نے انکی جانب دیکھتے ہوئے سوال داغا تھا۔

ضوریز شادی کی ہے نا تو انسان بنو، میں تمہاری کوئی فضول حرکت برداشت نہیں کرونگی، سمجھے؟ سماہر بیگم نے گویا اسے وارننگ دی تھی۔

موم کیا میں آپکو انسان نظر نہیں آ رہا؟ وہ فرصت سے اب سماہر بیگم سے سوال کر رہا تھا۔

دیکھو مشعال کو کوئی تکلیف ہوئی نا یاد رکھنا پھر میں کبھی معاف نہیں کرونگی تمہیں، سماہر بیگم اسے گھورتے ہوئے بولی تھیں۔

کوئی تکلیف نہیں ہوتی آپکی بہو کو، جب دیکھو یہی کہتے رہتے ہیں آپ سب، حد ہے، بندہ پوچھے کہیں کی پرائم سنسٹر لگی ہوئی ہے وہ، وہ تپ کے بولا تھا۔

ضوریز۔۔ سماہر بیگم نے اسے غصے سے پکارا تھا۔

اچھا بھئی نہیں کہتا اسے کچھ، جارہا ہوں، وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

یا اللہ اس نالائق کو ہدایت دے، سماہر بیگم نے اسکے لیے دعا کی تھی۔

زائر صرف ٹراؤزر میں بنا شرٹ کے، ٹاؤل سے جسم خشک کرتا واشروم سے باہر آیا تو زروا
ہنوز اسی پوزیشن میں کھڑی تھی۔

رات یہیں کھڑی رہ کر گزارنی ہے تو مرضی تمہاری، آئی ڈونٹ کیئر، مگر لائٹس آف کر
دو، اسکے بعد آرام سے تم اپنا یہ شوق پورا کر سکتی ہو، زائر کی پاٹ دار آواز پر زروا گھبرا کر پلٹی
تھی۔

آاا، اسے دیکھ کر زروا نے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھے تھے، جبکہ اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ
گئی تھی۔

وٹ دا ہیل از دز، ہے یو اتنی رات میں کیوں چیخ رہی ہو؟ وہ ٹاول ایک سائیڈ رکھتا غصے میں
زروا کی جانب بڑھا تھا۔

لیکن زروا آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹانے کو تیار نا تھی۔

ہے یو لک لیٹ می، زائر نے غصے میں بولے ہوئے، اسے دونوں بازوؤں سے تھاما تھا مگر
زروا اُس سے مس نا ہوئی تھی۔

ہاتھ ہٹاؤ زروا، زائر چلایا تھا۔

زروا نے ڈرتے ڈرتے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے تھے۔

مگر زائر کو اپنے اتنے قریب اور ایسی حالت میں دیکھ کر اسکی رنگت مارے حیا کے سرخ ہوئی تھی جبکہ دل کی حالت اسکی قربت پر غیر ہوئی جارہی تھی۔

زروا کی گھنیری پلکھیں عارضوں پر لرز رہی تھیں۔

فیس اوپر کرو زروا، وہ اس بار سخت لہجے میں بولا تھا۔

زروا نے آہستہ سے پلکھیں اٹھائی تھی۔

اسکی ہیزل گرین آنکھوں میں ڈر سا تھا جبکہ لپ اسٹک گے سرخ ہونٹ کپکا رہے تھے۔

زائر بے خود سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا

"تیرے دیدار کے محلے بہت قیمتی تھے"

"ہم اگر پلکھیں جھپکاتے تو خسارہ کرتے"

ایک فسوں سا ارد گرد پہلا تھا، اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے میں کھولے تھے۔

"ادھوری بات ہے لیکن میرا کہنا ضروری ہے"

"میری سانس چلنے تک تیرا ہونا ضروری ہے"

وہ لڑکی بلاشبہ زائر خان آفریدی کی اولین چاہت تھی، اور آج تو پھر ایک جائز رشتے کے روپ میں، سرتاپا قیامت بنی زائر کی دسترس میں تھی، اس محلے زائر کا دل بے ایمان ہوا تھا۔

زرّوا کو اپنا آپ اس ظالم کی نظروں کی تپش سے پگھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

زائر نے کچھ کہنے کو لب واہ کیے تھے مگر پھر ایک تلخ منظر دماغ میں لہرایا تو زائر خان آفریدی، اپنے خول میں سمٹا تھا۔

آج کے بعد یہ گھٹیا حرکتیں کر کے میری توجہ حاصل کرنے کی فضول سی کوشش مت کرنا، ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی، تحکمانہ سے لہجے میں حکم دیتا وہ اسے کوئی جابر حکمران لگا تھا۔

زرّوا کا چہرہ مارے اہانت کے سرخ ہوا تھا اور آنکھیں چھلکنے کو تیار تھیں، جبکہ اسکے لفظوں کی کاٹ سے اسے اپنا ننھا سا دل چرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

زائر اپنی بات مکمل کر کے اسے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ کر بیڈ کی جانب بڑھ گیا تھا۔

لائس آف کردو مجھے دوبارہ نا کہنا پڑے، وہ وہیں لیٹے لیٹے غرایا تھا۔

یا اللہ مجھے صبر دینا، میں اس پتھر دل اور بے حس انسان کے سامنے رونا نہیں چاہتی، اس نے اپنے آنسو حلق میں اتارے تھے۔

زروا سہمی ہوئی سی سواچ بورڈ کی جانب بڑھی تھی۔

لائس آف کرتے ہوئے اس نے ارد گرد نگاہ دوڑائی تو اسے ایک چھوٹا سا بیگ نظر آیا تھا جو عانیہ رخصتی سے پہلے صائم کے ساتھ ارجنٹ گھر جا کر اسکے لیے لائی تھی۔

اس میں زروا کے دو سوٹ اور کچھ سامان تھا۔

وہ ایک کاٹن کا سوٹ لے کر فریش ہونے چل دی تھی۔

واٹ دا ہیل از دز، ہے مشعال اوپن دا دوڑ، ضریرز کوئی دسویں بار، دروازہ ناک کرتے
ہوئے دھاڑا تھا۔

وہ پچھلے 15 منٹس سے اپنے روم کے باہر کھڑا ڈور ناک کر رہا تھا مگر مشعال کوئی جواب نا
دے رہی تھی۔

میں سونے کے لیے لیٹ چکی ہوں، اور میرا اب اٹھ کر دروازہ کھولنے کا کوئی موڈ نہیں
اسلیے برائے مہربانی کہیں اور اپنا بندوبست کر لیجئے، اور دروازہ ناک کرنا بند کیجئے میں ڈسٹرب
ہو رہی ہوں، مشعال کی پرسکون اور حاکمانہ آواز پر ضریرز کا خون کھول اٹھا تھا۔

ہے یو سلی گرل، میرا دماغ آل ریڈی گھوما ہوا ہے مزید گھمانے کی ضرورت نہیں عزت سے دو منٹ کے اندر دروازہ کھولو ورنہ اچھا نہیں ہوگا تمہارے لیے، ضروریز نے بہت مشکل سے اپنا غصہ کنٹرول کرتے ہوئے چلا کر کہا تھا۔

جبکہ دوسری طرف ضروریز کو غصہ دلا کر مشعال سکون سے سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔

مشعال آئی سیڈ اوپن دا ڈور یو ایڈیٹ، ورنہ میں دروازہ توڑ دوں گا، اگلی طرف سے جواب ناملنے پر ضروریز قدرے غصے سے غرایا تھا۔

میں جانتی ہوں تم بہت طاقتور ہو، کافی باڈی واڈی بنائی ہوئی ہے تم نے، مگر وہ کیا ہے نا، تم چاہ کر بھی یہ دروازہ توڑ نہیں سکتے کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو سب جاگ جائیں گے، پھر تمہیں ہی سب کے سامنے امبیپریس ہونا پڑیگا، سو اس سے اچھا ہے ہیرو گیری کم ہی دیکھاؤ اور چپ چاپ یہاں سے چلتے بنو، اندر سے مشعال نے چلا کر، دل جلانے والے انداز

میں موجودہ حالات کا نقشہ کھینچنے کے ساتھ ہی اسے سیدھے لفظوں میں گیٹ آؤٹ کہا تھا۔

اسکی اتنی لمبی چوڑی بکواس اور حاکمانہ انداز پر ضوریز کا دل چاہا اسکا سر پھاڑ دے، مگر اس نے جو کہا وہ اتنا غلط بھی نا تھا، اسلیے ضوریز فلحال اس سے مزید بحث نہیں کر سکتا تھا۔

یو سائکو، تم ہوتی کون ہو مجھے حکم دینے والی، دیکھ لونگا تمہیں تو میں، کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد، ضوریز بڑبڑاتے ہوئے دروازے کو پاؤں سے ٹھوکر مارتا تن فن کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

جبکہ دوسری طرف مشعال اپنی پہلی کامیابی پر خود کو داد دیتی، ضوریز کا دماغ گھما کر مزے سے سونے کو لیٹ چکی تھی۔

اسکی آنکھ کھلی تو ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔

اس نے گھڑی دیکھی تو صبح کے 6 بج رہے تھے۔

اسے یاد آیا وہ کل رات صوفے پر ہی سو گئی تھی، مگر اب آنکھ کھلی تو بیڈ پر تھی، تو زائر نے؟ اففف کیا چیز ہیں یہ؟ اس سوچ نے ہی اسے بے اختیار خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

مگر پھر زائر کا پچھلی رات کا رویہ یاد آیا تو اداسی نے پھر سے اسے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

زروا کچھ دیر بعد ہی سر جھٹک کر نماز کے لیے وضو کرنے چل دی تھی۔

کافی ڈھونڈنے کے بعد بھی اسے زائر کے کمرے میں جائے نماز نامی تو اسنے کمرے میں ایک سائیڈ قالین پر ہی نماز کی نیت باندھ لی تھی۔

مشعل اٹھی تو کافی دیر اسکا دماغ سن ہی رہا تھا۔

مگر پھر جب اسکے حواس بیدار ہوئے تو اسے سب یاد آیا تھا۔

اوہ تو ضوریز خان آفریدی کے گھر میری پہلی صبح کا آغاز ہو چکا ہے، اس نے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

مگر جب اسے اپنی حرکت یاد آئی تو مشعل پریشان ہوئی تھی۔

اوگاڈ اب جانے اس کھڑوس کاری ایکشن کیا ہوگا، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

خیر جو بھی ہو، مجھ سے پنکا لیا تو دیکھ لونگی میں بھی اسے، وہ سوچوں میں غلطاں تھی۔

اسکی آنکھ کھلی تو زروا آنکھ بند کیے دعا میں مصروف تھی۔

وہ نماز اسٹائل میں دوپٹہ لپے، آنکھیں بند کیے کسی معصوم پاکیزہ گریبا کی طرح لگ رہی تھی۔

کاش تم حقیقت میں بھی ایسی ہی ہوتی زروا خان، زائر نے عجیب سے انداز میں سوچا تھا۔

اب وہ کہنی کے بل بیڈ پر لیٹا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

جانے کونسی کشش تھی کہ دل ناچاہتے ہوئے بھی بار بار اس کی جانب ہمکتا تھا۔

زروا کافی لمبی دعا میں مصروف تھی، ناجانے کونے راز و نیاز کر رہی تھی وہ اپنے مہربان رب سے۔

وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، اس آواز پر زائر کے مسکراتے لب آپس میں بھینچے تھے۔

زروا نے دعا مانگ کر آنکھیں کھولی تو زائر نے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

زروا نماز پڑھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی جبکہ زائر اسے نظر انداز کرتا فریش ہونے چل دیا تھا۔

ضوریز رات کو کافی غصے میں وہاں سے آیا تھا اور لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر اسموکنگ کر کے اپنا غصہ کنٹرول کرنے لگا تھا۔

پھر ناجانے کب وہ لیٹا تو لیٹے لیٹے وہیں سو گیا تھا۔

اب اسکی آنکھ کھلی تو گھڑی صبح کے 8 بج رہی تھی۔

ضوریز اٹھا تو اسے گردن میں شدید درد کا احساس ہوا تھا۔

وہ آسائش پسند، بگڑا ہوا نواب زادہ، اسے عادت ہی کہاں تھی ایسے سونے کی، سورات بھر ہی بیزار رہا تھا۔

تم نے جو یہ حرکت کی ہے نا مشعال خان، تمہیں سود سمیت اسکا بدلہ چکانا ہوگا، تمہاری عقل نا ٹھکانے لگادی تو میرا نام بھی ضروریز خان آفریدی نہیں، ضروریز نے غصے میں سوچا تھا۔

مگر فلحال کیا کروں، ایک تو یہ شیروانی عذاب ہے، اس نے تپ کے اپنی شیروانی کے بارے میں سوچا تھا جس میں اسے شدید الجھن ہو رہی تھی۔

وہ میڈم پتہ نہیں اٹھیں بھی ہیں کے نہیں، وہ سوچ کر روم کی جانب بڑھا تھا۔

ضروریز نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھل گیا تھا۔

اٹھ گئی ایڈیٹ، وہ سوچتا ہوا اندر کی جانب بڑھا تھا۔

اندر داخل ہوا تو مشعال ڈیسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بال سلجھا رہی تھی وہ ابھی نہا کر نکلی تھی۔

مشعال نے اسے سرے سے نظر انداز کیا تھا جبکہ ضوریز اسے خشمگیں نظروں سے گھورتا وارڈوب کی جانب بڑھا تھا۔

اس نے واشروم کا دروازہ اس قدر زور سے بند کیا تھا کہ مشعال نے بے اختیار ہی کان پر دونوں ہاتھ رکھے تھے۔

بہت ہی گوئی بد دماغ انسان ہے یہ، مشعال بڑبڑاتی تھی۔

ضوریز کو اس پر غصہ تو بہت آ رہا تھا مگر فحاح وہ اس شیروانی سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔

مشعال اس وقت ڈارک پنک کلر کی اسٹائش سے فراک میں ملبوس تھی۔

اس نے ہلکے سے میک اپ کے ساتھ، کانوں میں ڈامنڈ ایئر رنگز ڈالے ہوئے تھے۔

ہلکی سی تیاری میں بھی وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔

اس نے بالوں کو ڈھیلی سی فرنج بریڈ کی شکل دی تھی۔

اور ڈریس کا میچنگ ڈوپٹہ اٹھانے بیڈ کی جانب بڑھی تھی۔

اسی وقت ضوریز فریش ہوکر واشروم سے باہر آیا تھا۔

وہ اس وقت براؤن شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔

اس نے جان بوجھ کر ہاتھ میں موجود ٹاول بیڈ کی جانب اچھالا تھا جو کے حسبِ توقع
مشعال کے سر پر جاگرا تھا۔

بدتمیز انسان کونسی گھٹیا حرکت ہے یہ، مشعال تپ کر کہتی ہوئی اسکے سامنے آئی تھی۔

آریو ٹالکنگ و دمی؟ ضرور نے اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں پوچھا تھا۔

لسن ڈونٹ بی سو اسمارٹ، مشعال چلائی تھی۔

آئی ایم آل ریڈی اسمارٹ، آئی ڈونٹ نیڈ ٹو بی، وہ مغرور سے لہجے میں بولتا مشعال کو مزید
تپا گیا تھا۔

تم نے مجھ پر جان بوجھ کر گیلیا ٹاول پھینکا، مشعال اسکی طرف دیکھتے ہوئے غصے میں
بولی تھی۔

اواچھا، میں نے تمہیں دیکھا نہیں تھا، وہ اسے تپانے کو انجان بنا تھا۔

لسن مجھے کچھ نہیں معلوم بس تم سوری بولو ورنہ، مشعال غصے میں بھری دو قدم آگے آئی تھی۔

سوری مائی فٹ، وہ تکی بات کی جواب دیتا آگے آیا تھا۔

لسن یو، مشعال نے شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دینی چاہی تھی۔

ضوریز نے غور سے اسکا سرخ ہوتا چہرہ دیکھا تھا۔

اسکے یوں خود کو دیکھنے پر مشعال گر بڑائی تھی۔

مرو تم، اسے خاموش دیکھ وہ جانے کو پلٹی تھی۔

ضویر نے ایک جھٹکے سے اسکی کلائی پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

مشعال جو اس کے اس اقدام کے لیے تیار نا تھی ایک دم سے اسکے سینے سے آگئی تھی۔

اتنی کمزور سی ہو تم، اور تمہارے دعوے وسہ لیکن دیکھو کتنی آسانی سے میری گرفت میں آگئیں، وہ دل جلانے والے انداز میں اس کے کان میں بولا تھا۔

مشعال کے دل کی دھڑکن ایک دم سے تیز ہوئی تھی۔

چھوڑو مجھے جنگلی، اگلے ہی پل وہ چلائی تھی۔

ضوریز بنا کچھ کے دلکشی سے مسکرایا تھا۔

گھٹیا انسان اپنی یہ تمہرڈ کلاس حرکتیں بند کرو، وہ اسکی قربت پر گھبرا سی گئی تھی اس لیے چڑ کر بولی تھی۔

ضوریز کے مسکراتے لب سکڑے تھے جبکہ مشعال کے بازؤں پر اسکی گرفت سخت ہوئی تھی۔

آہ، لیو می، مجھے درد ہو رہا ہے ضوریز، مشعال آہستہ سے بولی تھی۔

جب برداشت نہیں کر سکتی تو منگے لیتی کیوں ہو تم مجھ سے مشعال خان آفریدی؟

ویسے بھی بہت شوق تھا نہ تمہیں میری دلہن بن کر اس گھر میں آنے کا تو اب برداشت
بھی کرو۔

تمہیں برداشت کرتی ہے میری جوتی، وہ اب بھی باز نا آئی تھی۔

تمہارے تو اچھے بھی کمرنگے، شاید تم نے بہت ہلکا لے لیا ضوریز خان آفریدی کو، اور
کونسی گھٹیا حرکت کی بات کر رہی ہو تم؟ میرا ایسا کونسا گھٹیا پن دیکھ لیا تم نے؟ بولو؟
وہ غصے میں غرایا تھا۔

مشعال کی بولتی بند ہوئی تھی۔

میرا وہ مطلب نہیں تھا، مشعال ڈھیلی پڑی تھی۔

جو بھی تھا، آئندہ میرے لیے یہ فضول سے الفاظ مت استعمال کرنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نا ہوگا، وہ سرد و سپاٹ لہجے میں کہتا اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتا روم سے نکلتا چلا گیا تھا۔

مشعل نم آنکھیں لیے بیڈ کے کنارے ٹک گئی تھی۔

"تو بول پیا میں سنتی ہوں"

"تو توڑ کر دل کو ریزہ کر دے"

"میں پھر پلکھوں سے چنتی ہوں"

زرا رات والے کپڑوں میں ہی تھے، اسکے پاس اور کوئی کپڑے تو تھے نہیں سو مجبوراً اسی سوٹ میں ملبوس تھی، جبکہ زائر خود تو فریش ہو کر جانے کہاں چلا گیا تھا۔

وہ اکیلی بیٹھی بور ہو رہی تھی، "خان پیلیس" سے بھی پلوشہ بیگم کو ناجانے کب آتا تھا۔

اسی وقت ایک ملازمہ اجازت لیتی روم میں داخل ہوئی تھی۔

بی بی یہ صاحب نے آپ کے لیے بھیجے ہیں، اس نے کہتے ہوئے کچھ شاپرز ٹیبل پر رکھے تھے۔

وہ سامان رکھ کر جاچکی تھی مگر زروا نے اٹھ کر دیکھنے کی زحمت بھی ناکی تھی۔

اسکا دل اداس سا ہو رہا تھا۔

اگر مراقبہ ختم ہو گیا ہو تو مہربانی کر کے یہ ڈریس چیلنج کرلو، ہاتھ میں موبائل تھامے مصروف سا زائر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

کیا انہیں واقع ہی میرا خیال ہے؟ شاہرز کی طرف دیکھتے ہوئے زروا چونکی تھی۔

جبکہ زائر لیپ ٹاپ میں بڑی ہو چکا تھا۔

وہ بے دلی سے اٹھ کر شاہرز اٹھاتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد پیچ اینڈ سلور کنٹراسٹ کے خوبصورت کادانی ٹراؤزر شرٹ پر میچنگ جیولری اور بنا کسی میک اپ کے نکھری نکھری سی زروا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔

زائر نے آئینے میں سے ہی ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔

زروا گم سم سی بالوں میں برش کر رہی تھی۔

لسن، زائر نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے اور کھڑے ہو کر، اسے مخاطب کیا تھا۔

جی؟ زروا پلٹی تھی۔

زائر کچھ پل تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا پھر چلتا ہوا اسکے قریب آیا تھا۔

میں ایک بہت ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں، شاید مجھے آنے میں شام ہو جائے، وہ کہتے ہوئے جانے کو مڑا تھا۔

خان، زروا نے اسے پکارا تھا۔

لیس، زائر پلٹا تھا۔

وہ تائی جان نہیں آئیں، آئی من وہ رسم ہوتی ہے، زرو کی بات زائر نے تیزی سے کاٹ دی تھی۔

تمہیں انکا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، وہ نہیں آئیں گی، منع کر دیا ہے میں نے، شام میں ریسپشن ہے تو وہیں مل لینا، اینڈ ہاں، ملازمہ سے تمہارے لیے بریک فاسٹ کا کہہ دیا ہے میں نے، جب من ہو کر لینا، وہ اجنبی سے انداز میں اپنی بات مکمل کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

کتنی آسانی سے وہ اسے اسکے اپنوں سے دور کر گیا تھا۔

خان کتنے بے حس ہو گئے ہیں آپ، سوچتے ہوئے زروا رو دی تھی۔

وہ سماہر بیگم کی تاکید پر، مشعال کو ساتھ لے کر ہی ڈائیننگ حال میں انٹر ہوا تھا۔

ضوریز اور مشعال جب وہاں پہنچے تو سب کے ساتھ ہی نگین بیگم اور صائم بھی وہاں موجود تھے۔

ضوریز سب کو سلام کرتا صائم سے خوش دلی سے بگلگیر ہوا تھا۔

ڈرامے باز، مشعال نے دل ہی دل میں اسے ایک نیا نام دیا تھا۔

مشعال نے بھی سب کو ہی سلام کیا تھا اسکے بعد نگین بیگم اور صائم سے مل کر ضروریز کے برابر والی چیئر پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

خوشگوار ماحول میں بریک فاسٹ کیا گیا تھا۔

وہ سب اس وقت سوات کے سب سے فیمس ہوٹل میں تھے، یہ ایک لکڑی ہوٹل تھا۔

ایک خوبصورت شام کا آغاز ہوچکا تھا۔

جاں ٹی پنک لہنگے میں نفیس سی جیولری اور نفاست سے کیے گئے میک اپ میں زروا بے حد حسین لگ رہی تھی، وہیں بلیک تھری پیس میں اسکے ہمراہ ایک شان سے کھڑا زائر

خان آفریدی بھی بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

جبکہ دوسری طرف گرے کلر کے تھری پیس میں ضوریز خان آفریدی بھی اپنی چارمنگ پرسنالٹی کے ساتھ بے حد ڈیشنگ لگ رہا تھا، اسکے ساتھ ہی کسٹڈ کلر کی گھیردار فراک میں سلیقے سے کیے گئے میک اپ اور سلور ڈائمنڈ جیولری پہنے، مشعال بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

کانگریٹس لالہ جانیز، صائم مسکراتا ہوا باری باری زائر اور ضوریز سے سے بگلگیر ہوا تھا۔

جبکہ اس نے مشعال اور زروا سے بھی خیریت پوچھی تھی۔

ولیمے کی تقریب اپنے عروج پر تھی۔

اسی وقت ایک فوٹوگرافر اسٹیج پر آیا تھا۔

سر وہ فوٹو شوٹ کرنا ہے، اس نے زائر سے کہا تھا جو کے صائم سے باتوں میں مصروف تھا۔

ارے ہاں یہ اچھا ہے، چلیے نا ضوریز لالہ اور زائر لالہ آپ سب کا ایک اچھا اور یادگار سا فوٹو شوٹ کروا لیتے ہیں، عانیہ ابھی ابھی وہاں آئی تھی۔

زائر نے کچھ کہنے کو لب واہ کیے تھے کے ضوریز نے تیزی سے اسکی بات کاٹی تھی۔

والے ناٹ گریٹا، ضوریز مسکرا کر کہتا سب کو حیران کر گیا تھا۔

زیادہ شوق ہے اسے اپنی سوکالڈ اچھائی کا ڈرامہ کرنے کا ریش، زائر نے چڑ کر سوچا تھا۔

دونوں کپلز کے لیے علیحدہ علیحدہ، دو فوٹوگرافرز وہاں موجود تھے، جنہوں نے باری باری ان سب کے ہی مختلف پوز لیے تھے۔

میم آپ پلیز سر سے تھوڑا کلوز ہو جائیے، فوٹوگرافر نے زروا سے کہا تھا۔

زائر نے ایک نظر زروا کی جانب دیکھا تھا جو اسے گھبرائی ہوئی سی لگی تھی۔

میم میں نے آپ سے کہا ہے پلیز اپنا ہاتھ سر کے شالڈر پر رکھیے، فوٹوگرافر نے پھر سے زروا کو مخاطب کیا تھا۔

اب کی بار بھی وہ ٹس سے مس نا ہوئی تو زائر نے خود ہی زروا کا ہاتھ تھام کر اپنے شولڈر پر رکھا تھا اور اسے خود سے قریب کیا تھا۔

اسکی اس بے باکی پر زروا شکد رہ گئی تھی جبکہ ڈھرنوں کی رفتار میں اضافہ ہوا تھا۔

اب بناؤ پکس، اور جلدی جلدی بنا کر پھوٹو یہاں سے، اسے حیرانگی سے دیکھتی زروا کو وہ فل
بیزاریت شو کروا گیا تھا۔

اسٹوڈنٹ، تھرڈ کلاس، چیپ انسان، کچھ فاصلے پر کھڑے ضریر نے اسے دل ہی دل میں
التقابات سے نوازا تھا۔

سرپلیز اسٹرو دیکھیے، ایک فوٹو گرافر نے ضریر کو مخاطب کیا تھا۔

ضریر اسکی جانب متوجہ ہوا تھا۔

سرپلیز پوز ٹھیک سے دیں، اس نے ضریر کو ہدایت دی تھی جس کا دھیان فوٹو سیشن میں
بلکل نا تھا۔

وائس رانگ و دیو، وہ چڑگیا تھا۔

ٹھہکی کہیں کا، مشعال نے ترچھی نظروں سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

سر وہ آپ کا فیس سامنے کی جانب نہیں تھا، اس بیچارے نے آہستہ سے کہا تھا۔

ہاں معلوم ہے، اپنے باپ کو مت سیکھاؤ، وہ اسے خونخوار نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا تھا۔

سر میں تو بس، وہ شاید مزید کچھ کہنے والا تھا جب مشعال کی طنزیہ آواز پر اسکی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

تمہارے سر کا دماغ خراب ہے، یہ اسے استعمال زیادہ کرتے ہیں نا اسلیے، تم بس پوز بنوؤ، انہیں میں دیکھ لونگی، وہ ضروریز کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی ہوئی، فوٹوگرافر کو انسٹرکشن دے رہی تھی۔

ہے یو لسن اسٹوڈنٹ گرل، بی ان لمیٹ، وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے غصے میں بولا تھا۔

آئی ایم ان لمیٹڈ، ماسٹڈ اٹ، وہ ایک ادا سے بولتی ضروریز کو آگ لگا گئی تھی۔

فوٹوگرافر نے سرتھام لیا تھا، کیونکہ اس نے آج سے پہلے کبھی ایسا کپل نہیں دیکھا تھا جو اپنے ریسپیشن کے دن ہی یوں جنگلیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔

فوٹو سیشن کے بعد کھانے کا دور چلا تھا۔

مشعال اور زروا لیڈیز کے ہمراہ بیٹھی تھیں۔

جبکہ ضوریز صائم کے ساتھ کھڑا کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔

اس وقت وہ سب ہی وہاں موجود تھے سوائے زائر کے جو ناجانے فوٹو سیشن کے بعد کہاں غائب ہو گیا تھا۔

یہ تمہارے زائر لالہ کہاں ہیں صائم؟ پلوشہ بیگم ابھی ابھی صائم کے پاس آئی تھیں۔

میں خود وہی سوچ رہا ہوں مومی، ناجانے اپنے ہی ریسپشن میں وہ کہاں گم ہیں، صائم نے زائر کی تلاش میں یہاں وہاں گاہیں دوڑاتے ہوئے پلوشہ بیگم کو جواب دیا تھا۔

اسی وقت انہیں، وہ انکی جانب آتا دیکھائی دیا تھا۔

مجھے آپ سب سے ایک ضروری بات کرنی ہے مومی، اس نے قریب آکر انہیں مخاطب کیا تھا۔

صائم اس سے کہہ دو ہمیں اس سے کوئی بات نہیں کرنی، وہ اس سے منہ موڑ کر ناراضگی سے بولی تھیں۔

ہیں؟ مومی آپ اور زائر لالہ سے ناراض؟ صائم پھٹی آنکھوں سے انکی جانب دیکھتا رہ گیا تھا۔

صائم تم جا کر باباجان اور باقی سب کو روم میں لے کر جاؤ، میں انہیں لے کر آتا ہوں، زائر نے اسے اپنے اسی سنجیدہ سے انداز میں حکم دیا تھا۔

صائم جو کے اسکا پلان جانتا تھا مسکراتے ہوئے وہاں سے چل دیا تھا۔

مومی، زائر اب پلوشہ بیگم کے پاس آیا۔ تھا۔

مت کہو ہمیں مومی، جب تم ہماری بات نہیں مان سکتے، وہ چڑکر بولی تھیں۔

اچھا سوری نا بابا، اب کوئی بکواس نہیں کرونگا، زائر نے انکے سامنے کان پکڑ لیے تھے۔

زائر ہمیں بے وقوف نابناؤ ہم سب جانتے ہیں، وہ ہنوز اسی انداز میں بولی تو زائر مسکرایا تھا۔

وہ ناراضگی میں اس سے ایسے ہی بات کرتی تھیں۔

ویلے میں کینیڈا گھمانے لے جا رہا ہوں آپکی بہو کو، وہ معصومیت سے بولا تھا۔

پلوشہ بیگم نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

کیا واقع ہی؟ وہ اب ساری ناراضگی بھولی تھیں۔

جواباً زائر نے انہیں جلدی سے اپنا سارا پلان بتادیا تھا کہ کہیں وہ پھر سے غصے میں نا آجائیں۔

اسکی بات سن کر پلوشہ بیگم راضی تو نا تھیں مگر پھر بھی انہوں نے اسکے لہجے میں جو خوشی محسوس کی تھی اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے اسکی بات مانلی تھی اور اسکے ہمراہ چل دی تھیں۔

ولیمے کی تقریب اختتام پزیر ہوئی تو سب گلیسٹس جاچکے تھے۔

اب صرف وہاں گھر کے ہی لوگ موجود تھے۔

زائر، آج رات کی فلاٹ سے ایک بے حد اہم بزنس میٹینگ کے لیے کینیڈا جا رہا تھا۔

اس کا اسٹے 7 دن کا تھا اسی لیے اس نے زروا کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے سے وہ اسی سلسلے میں بڑی تھا اور آج دن بھر میں بھی اس نے سارے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔

سب ہی زائر کی بات سن کر حیران ہونے کے ساتھ کافی خوش بھی تھے۔

سفیر خان اسکی بات سن کر بھڑک گئے تھے مگر پلوشہ بیگم کے سمجھانے پر وہ بالآخر خاموشی اختیار کر گئے تھے۔

زروا سب لپٹوں سے دور، اس کے ساتھ کینیڈا جانے سے پریشان سی تھی مگر جانا بھی مجبوری تھی۔

زائر کے اس اعلان پر ضروریز بھی حیران سا تھا مگر یہ زائر کا ذاتی معاملہ تھا سو وہ خاموش ہی تھا۔

میں گاڑی میں سب سامان رکھوا چکا ہوں لالہ، آپکی فلائٹ کل صبح 5 بجے کی ہے سو آپکو ابھی اسلام آباد کے لیے نکلنا ہوگا، صائم نے اندر آتے ہوئے اسے اطلاع دی تھی۔

فائن، زائر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

صائم ہی انہیں ایرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا، کچھ ہی دیر میں وہ سب سے مل کر اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

رات کے 1 بجے وہ گھر پہنچے تھے۔

مشعل روم میں چلی گئی تھی جبکہ ضوریز کو شہروز خان نے کسی کام سے لاؤنج میں ہی روک لیا تھا۔

وہ ان کی بات سن کر روم کی جانب بڑھا تھا مگر آج بھی کل کی طرح روم کا دروازہ بند تھا۔

ناٹ آگین مشعل خان، اس نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

تم سمجھتی ہو تم بہت چالاک ہو؟ تم جتنی بھی چالاک کیوں نا ہو مگر تم ضرور خان آفریدی،
سے مقابلہ نہیں کر سکتیں، ضرور نے دل ہی دل میں مشعال کو مخاطب کرتے ہوئے
اپنی پوکٹ سے کی نکال کر روم انلاک کیا تو ایک شاطرانہ مسکراہٹ نے اسکے لبوں کا
احاطہ کیا تھا۔

کلک کی آواز سے دروازہ کھل گیا تھا، ضرور مسکراتا ہوا روم میں داخل ہوا تھا۔

وہ آج مشعال کو ٹھیک ٹھاک سنانے کے موڈ میں تھا مگر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی
مشعال کو دیکھ کر اسکے الفاظ جیسے دم توڑ گئے تھے۔

ریڈ کلر کی ہاف سلیو نائیٹی میں بالوں کا میسی جوڑہ بنائے وہ ہاتھوں پر لوشن لگا رہی تھی۔

کچھ پل کو تو اسکی نگاہیں تھم سی گئی تھیں۔

کتنے مزے سے یہ میرے روم پر قبضہ جمائے بیٹھی ہے، ضوریز نے سوچا تھا
پھر سر جھٹک کر آگے بڑھا تھا۔

آئنے میں سے نظر آتے ضوریز کے عکس کو دیکھ کر وہ پلٹی تھی۔

تم؟ مشعال نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

ظاہر ہے میرا روم ہے تو میں لی آؤں گا، کوئی اور تو آنے سے رہا، وہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے مزے
سے بولا تھا۔

ہے تم اندر کیسے آئے؟ وہ کمر پر ہاتھ رکھے اسے گھورتی ہوئی سوال پوچھ رہی تھی۔

دروازے سے، تپا دینا والا جواب حاضر تھا۔

تم نا انتہائی ڈھینٹ ہو، وہ چلائی تھی۔

تھینکس فار دا کمپلیمنٹ، وہ اسے فل چڑانے کے موڈ میں تھا۔

جسٹ شٹ اپ، مشعال غرائی تھی۔

یو شٹ اپ، وہ اس سے زیادہ تیز آواز میں دھاڑا تھا۔

بھاڑ میں جاؤ تم مشعال اسے خشمگین نظروں سے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

تم ساتھ چلو گی تو ضرور، وہ کیا ہے نا مجھے وہاں کا راستہ نہیں معلوم، بیڈ پر کہنی کے بل لیٹے وہ دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے سنجیگی سے جواب دیتا مشعال کو زہر لگا تھا۔

اب کی بار وہ بنا کچھ کے رخ موڑ کر گئی تھی۔

ضوریز اسے خاموش دیکھ اٹھ کر فریش ہونے چل دیا تھا۔

مشعال سونے کو لیٹی ہی تھی کہ کچھ ہی دیر میں فریش ہو کر آگیا تھا۔

وہ جنوری کی اس قدر سرد رات میں بھی بنا شرٹ کے صرف ٹراؤزر پہنے ہوئے تھا۔

مشعال نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا پھر دل میں اٹھتے شور سے نظریں چراتی کروٹ بدل گئی تھی۔

ضوریز بیڈ کی جانب بڑھا تو اسکے قدموں کی آہٹ سے مشعال کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

تم یہاں سوؤ گے؟ مشعال کے برداشت کی حد ختم ہوئی تھی اور وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

لسن یہ میرا بیڈ ہے اور میں یہیں سوتا ہوں، وہ بوٹے ہوئے بیڈ پر ٹک چکا تھا۔

اٹھو، مشعال چیخی تھی۔

ضوریز نے غصے سے اس سر پھری کو دیکھا تھا۔

واٹ دا ہیل از دز؟ تمہیں گلا پھاڑ کر چیخنے کے علاوہ کچھ آتا ہے؟ وہ خونخوار تیوریلے اس پر برس پڑا تھا۔

میں تمہارے ساتھ اس بیڈ پر نہیں سو سکتی اسلیے تم جا کر وہاں اس صوفے پر سوؤ ورنہ، مشعال نے اسے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تھی۔

ورنہ کیا؟ ہاں؟ بولو، تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟ ضروریز بھی شعلہ جوالا بنا اٹھ بیٹھا تھا۔

دیکھو میں نے ایسا کچھ نہیں کہا، تم بس وہ اپنی شرٹ پہن لو، مشعال نے آہستہ سے کہتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدلہ تھا۔

اوہ تو مسئلہ یہ ہے بائے داوے، میں دیکھ چکا ہوں، وہ زومعنی انداز میں کہتا مشعال کا دل دھڑکا گیا تھا۔

اسکی لودیتی نظروں سے مشعال کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے ایک سائیڈ رکھا دوپٹہ خود پر پھیلایا تو ضریر کا قمقہ بلند ہوا تھا۔

مارے نجات کے مشعال کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

لسن مجھے کیا سمجھ رہی ہو تم؟ تمہیں میں ایسا لگتا ہوں؟ مانا ہماری کبھی نہیں بنتی مگر تم
ایزی ہو کر یہاں سو سکتی ہو، بے فکر رہو، مجھے کوئی شوق نہیں تمہارے قریب آنے کا، وہ
سنجیگی سے کہتا رخ موڑ کر لیٹ گیا تھا۔

مجھے بھی کوئی شوق نہیں تم سے بات کرنے کا، مشعال اسکی پشت کو گھورتی ہوئی بولی
تمھی۔

مجھے کچھ نہیں سنائی دے رہا، سو گڈنائیٹ، وہ آخر میں بھی اسے بھڑکانا نہیں بھولا تھا۔

جنگلی، مشعال بڑبڑاتی ہوئی سونے کو لیٹ گئی تھی مگر لیٹتے ہوئے وہ بیڈ کے بیچ میں کشن لگا کر دیوار بنانا نا بھولی تھی۔

وہ اس وقت اسلام آباد ایئرپورٹ پر تھے، فلائٹ آنے میں کچھ دیر باقی تھی۔

زائر ایک سائیڈ بیٹھا اپنے موبائل میں مصروف تھا جبکہ صائم اور زروا ایک ساتھ بیٹھے تھے۔

ویسے سنا ہے کینیڈا بہت خوبصورت ملک ہے، صائم نے مسکراتے ہوئے کہا تو زروا چونکی تھی۔

کینیڈا بہت خوبصورت ہے پارٹنر، اور میں تمہیں وہاں ضرور گھمانے لے کر جاؤنگا، کسی کی سالوں پرانی بات اسکے زہن میں آئی تھی۔

زروا نے بے اختیار ہی زائر کی جانب دیکھا تھا جو کے اردگرد سے بے نیاز موبائل میں مصروف تھا۔

کاش سب پہلے جیسا ہوتا تو میں آج اس وقت کو انجوائے کر رہی ہوتی، زروا نے اداسی سے سوچا تھا۔

اسی وقت فلائٹ کی اناؤسمینٹ ہوئی تھی۔

چلو، زائر نے اٹھتے ہوئے زروا سے کہا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

صائم سے مل کر وہ دونوں کینیڈا کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

وہ صبح 6 بجے کے وقت واپس سوات پہنچا تھا ایک تو شادی کی تمھکان اوپر سے ایک ہی دن میں آؤٹ بیک کرنا، اس لیے دوپہر 12 بجے تک وہ نیند کی آغوش میں تھا۔

موبائل کی مسلسل بجتی بیل پر صائم بیزاگی سے اٹھ بیٹھا تھا۔

مگر عانیہ کی کال دیکھ کر اس نے فورن کال رسیو کی تھی۔

صائم مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے، جلدی جلدی بولتی عانیہ اسے کافی پریشان لگی تھی۔

کیا ہوا عانیہ سب ٹھیک تو ہے نا؟ صائم نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

سب ٹھیک ہے، مجھے ایک بہت پرانی کیسیٹ ملی ہے اسٹور روم سے مجھے بس تم سے اس سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے تفصیل میں مل کر بتاتی ہوں، عانیہ نے اسے مختصر بات بتائی تھی۔

ٹھیک ہے پھر میں بس آدھا گھنٹے میں تمہیں پک کرنے آتا ہوں، صائم نے اسکی بات مان لی تھی۔

نن نہیں تم مت آؤ، میرا مطلب یونیورسٹی آف ہے تو موم کو کیا کہوگی میں ایلے آئی من، عانیہ گرہڑائی تھی۔

اسکی اس احتیاط پر دوسری جانب صائم کے لب مسکرائے تھے۔

محترمہ، میری محبت کے ساتھ ساتھ آپ میری پھوپھو کی بیٹی ہوتی ہیں میں آ رہا ہوں بس تم ریڈی رہو، پھوپھو سے میں خود بات کر لوں گا، صائم نے سکون سے ساری بات خود پر لی تھی۔

وہ کینیڈا ایئرپورٹ پر اترے تو پہلے ہی ڈرائور انکا منتظر تھا۔

زائر کی تقلید میں زروا اسکے پیچھے پیچھے چل دی تھی۔

انکے گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈرائور نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی، انکارخ وہاں کے سب سے مشہور ہوٹل کی جانب تھا۔

زررا اشتیاء سے ونڈو سے باہر کے نظارے دیکھ رہی تھی

مشعال لاؤنج میں بیٹھی ٹی۔ وی دیکھ رہی تھی، جبکہ ضوریز صبح سے ہی جانے کہاں گم تھا۔

اسی وقت مسکراتا ہوا صائم لاؤنج میں انٹر ہوا تھا۔

ہیلو چریل، وہ اسکی طرف آتا ہوا اسے چھیڑتے ہوئے بولا تھا۔

تمیز تو چھو کر بھی نہیں گزری ویلے تمہیں، مشعال مصنوعی غصے سے بولی تھی۔

وہ کیا ہے نا تمہاری صحبت میں رہ رہ کر ایسا ہو گیا ہوں، وہ ترکی بہ ترکی بولا تو مشعال نے اسے گھورا تھا۔

جواباً صائم نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کیے تھے۔

فار یو مائی چرٹیل، صائم نے ایک فریش فلاورز کا بکے اسکی جانب بڑھایا تھا ساتھ ہی چاکلیٹس بھی تھیں۔

تم نا میری ڈائیٹ خراب کرواؤ گے، مشعال اسکے ہاتھ سے دونوں چیزیں لیتی ہوئی مسکرا کر بولی تھی۔

اور کیسے ہو؟ گھر میں سب کیسے ہیں؟ مشعال نے سب کی خیریت دریافت کی تھی۔

سب ٹھیک ہیں، اور تمہارے جانے کے بعد گھر میں سکون بھی بہت ہے، سچی، وہ اسے
تپانا نا بھولا تھا۔

پٹ جاؤ گے تم میرے ہاتھوں، مشعال نے اسے شانے پر ایک تھپڑ رسید کیا تھا۔

اسی وقت عانیہ اور سماہر بیگم بھی وہاں آگئیں تھیں۔

اسلام و علیکم پھوپو، صائم نے انکے آگے سر جھکا کر پیار لیا تھا۔

جبکہ عانیہ کو اسمائل پاس کی تو بھی مسکرا دی تھی۔

وعلیکم اسلام میری جان، کیسے ہو؟ سماہر بیگم نے اسکی خیریت پوچھی تھی۔

میں ٹھیک ہوں آپ سناؤ، صائم نے انہیں، مسکرا کر جواب دیا تھا۔

میں بھی ٹھیک ہوں اور اب تو تمہیں دیکھ لیا نا بس اب تو میں اور اچھی ہو گئی ہوں، وہ ہنستے ہوئے بولی تھیں۔

پھوپھو یہاں ایک آرٹ ایگزیشن لگا ہے میں وہاں جا رہا ہوں، تو عانیہ کو ساتھ لے جاؤں اگر آپ کی اجازت ہو؟ بنا جھجکے پر اعتماد انداز میں اجازت لیتا وہ عانیہ کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

ہاں ہاں بالکل، جاؤ بیٹا، اسے تو ویلے بھی ان سب کا بہت شوق ہے، وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

انکے مان جانے پر عانیہ کے بلب مسکرائے تھے، مشعال نے چونک کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

چلیں عانیہ؟ اس نے عانیہ سے پوچھا تو اس نے سوالیہ نظروں سے سماہر بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو عانیہ اپنا بیگ لینے اندر کی جانب دوڑی تھی۔

سماہر بیگم کو کوئی کام یاد آگیا تھا تو وہ اپنے روم میں چلی گئی تھیں۔

انکے جانے کے بعد مشعال زومعنی نظروں سے صائم کو دیکھنے لگی تھی۔

کیا ہے؟ وہ چڑ کے بولا تھا۔

سوچ رہی ہوں، کہ فیوچر کے نامور ڈاکٹر صاحب، مسٹر صائم خان آفریدی، کب سے عشق
فرمانے لگے، مشعال نے ہوا میں تیر چلایا تھا۔

اسکی بات پر صائم کے لب مسکرائے تھے۔

جب مشعال خان آفریدی، کو ضوریز خان آفریدی سے محبت ہو سکتی ہے تو صائم خان بھی تو
کر سکتا ہے، بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا اسی کے انداز میں جواب دیتے ہوئے وہ مشعال کو
لا جواب کر گیا تھا۔

سوچ ہے تمہاری، مشعال نے فورن انکار کیا تھا۔

مانو نا مانو تمہاری مرضی، مگر یہ سچ ہے، جہاں تک میرا اندازہ ہے، وہ یہاں وہاں دیکھتا پر سوچ
انداز میں بولا تھا۔

اسی وقت عانیہ اپنا بیگ لے کر آگئی تھی، وہ دونوں مشعال کو بائے کہتے باہر کی جانب
بڑھے تھے۔

پاکستان اور کینیڈا کے وقت میں 9 گھنٹے کا فرق تھا۔

اس وقت رات کے 9 بج رہے تھے۔

سفر کی تمھکان کے باعث زروا تو فریش ہو کر لیٹتے ہی سو گئی تھی جبکہ زائر کام کے سلسلے
میں باہر نکل گیا تھا۔

زروا سو کر اٹھی تو وہ سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔

بلیک جینس پر بلیک ہی شرٹ اور

اسکن کلر کا لانگ کوٹ پہنے فریش فریش سا زائر کافی پیتا ہوا کسی سوچ میں گم تھا۔

آپ، کب آئے، اسے دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

کچھ دیر پہلے، سنجیدہ سا جواب آیا تھا۔

تم ریڈی ہو جاؤ، ہم کھانا باہر کھائینگے، زائر نے کافی نرمی سے کہا تھا۔

انہیں کیا ہوا؟ یہ اتنے نرم کیسے ہو گئے؟ زروا حیران ہوئی تھی۔

جلدی ریڈی ہو جاؤ پھر تمہیں زرا اپنی فیورٹ کنٹری گھماتا ہوں، آہستہ سے مسکرا کر بولتا زائر
ناجانے آج تو کس موڈ میں تھا۔

مگر وہ آپکی میٹنگ، زروا نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

میٹنگ کل ہے اب تمہاری تفتیش ختم ہو گئی ہو تو جاؤ ریڈی ہو جاؤ، زائر نے اسکی بات کاٹی
تھی۔

اب کی بار وہ جی کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ واپس آگئی تھی۔

زائر نے سوات سے نکلتے ہوئے ایک ہوٹل پر گاڑی رکوائی تھی جہاں انہوں نے فریش ہو
کر فارمل ڈریسنگ کر لی تھی۔

زروا اس وقت اسی ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھی۔

ناؤ واٹ؟ زائر نے اسے اسی کپڑوں میں دیکھ ماتھے پر بل ڈال کر سوال کیا تھا۔

وہ میں، آئی من میرے کپڑے، زروا کو سمجھ نا آیا کے اس سے کیا کہے۔

ریڈ والے لگج میں تمہارے کپڑے ہیں، ان میں سے جو ٹھیک گے پہن لو، کچھ اور چاہیے تو مجھے بتادینا، ابھی ہم باہر جائیں گے تو لے لیں گے، وہ بنا اسکے کہ جیسے آج پھر سے اسکی بات سمجھ گیا تھا۔

کیا تھا وہ شخص؟ زروا نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

اوکے پھر تم ریڈی ہو جاؤ، میں بس ابھی آیا، زائر زروا کی جانب دیکھتا ہوا بولا تھا اور باہر کی جانب چل دیا تھا۔

زروا اثبات میں سر ہلاتی لگیج کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زروا نے لگیج کھولا تو اس میں اسکی پسند کے ہی ڈیسز تھے۔

تو کیا انہیں میری فکر ہے؟ اس سوچ نے ہی اس کے چہرے پر تبسم بکھیر دیا تھا۔

وہ کچھ سوچ کر بلیک ٹراؤزر اور شرٹ لے کر فریش ہونے چل دی تھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ آئیئے کے سامنے کھڑی اپنے لمبے گھنے سنہری بالوں کو سنوار رہی تھی۔

اس نے بالوں کو پونی کی شکل دی تھی اور میک اپ کے نام پر صرف ریڈ لپ اسٹک کا کوڈ لگایا تھا وہ بھی پہلی بار، ورنہ وہ میک اپ کم ہی استعمال کرتی تھی، اسکے بعد اس نے کانوں میں ڈامنڈ کے ایئر رنگز ڈالے تھے۔

اتنی سی تیاری میں ہی وہ قیامت ڈھا رہی تھی، بلیک کلر میں زروا کی دودھیا رنگت بے حد نمایاں ہو رہی تھی جبکہ گلاب کی پنکھڑیوں سے ہونٹ ریڈ لپ اسٹک کی وجہ سے مزید خوبصورت لگ رہے تھے۔

وہ ریڈی ہو کر اپنا دوپٹہ اٹھانے بیڈ کی جانب بڑھی تھی۔

اسی وقت وہ روم میں داخل ہوا تھا۔

بیڈ کے قریب کھڑی سرتاپا قیامت بنی زروا کو دیکھ کر زائر سحرزدہ سا اسکی جانب بڑھا تھا۔

زرّوا اسکی نظروں کی تپش پر پٹی تو زائر اسکے بالکل قریب کھڑا تھا۔

اسے اتنے قریب دیکھ زرّوا کے دل کی حالت غیر ہوئی تھی۔

وہ مم، اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

شش، زائر نے زرّوا کی بات کاٹتے ہوئے ایک دم سے اسکی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا تھا۔

زرّوا کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا ہوا تھا جبکہ پلکھیں حیا سے لرزنے لگی تھیں۔

مم مجھے چھوڑ دیں پلیز، وہ نظریں جھکائے آہستہ سے بولی تھی۔

ناچھوڑوں تو؟ وہ اپنے اذلی ہٹ دھرم انداز میں بولا تھا۔

زروا نے بے بسی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

ہاں تو ویلے ابھی کیا کہہ رہی تھی تم مسز؟ زائر نے اسکی سرخ ہوتی رنگت کو دیکھتے ہوئے دلچسپی سے سوال کیا تھا۔

میں کہہ رہی تھی کہ میں نے چیخ کر لیا، مم میں میرا مطلب میں ریڈی ہوں، وہ کپکپاتے ہونٹوں سے اٹک اٹک کر بولی تھی۔

جبکہ زائر غور سے اسکے لپ اسٹک گے سرخ ہونٹوں کی کپکپاہٹ دیکھ رہا تھا۔

ہاں وہ تو میں دیکھ چکا ہوں اچھے سے، وہ اسکی آنکھوں میں آنکھے ڈالے زومعنی انداز میں

بولتا زروا کا دل دھڑکا گیا تھا۔

مم مجھے پانی پینا ہے، زروا نے اس ستمگر کی گرفت سے فرار ڈھونڈنی چاہی تھی۔

اسکی بات پر زائر دلکشی سے مسکرایا تھا۔

اسے ہنستے دیکھ زروا جیسے کھو سی گئی تھی۔

پی لینا پہلے اپنی منہ دیکھائی تو لیتی جاؤ، وہ اسے تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر کے اسے خود سے الگ کرتا ہوا بولا تھا۔

کک کیا مطلب؟ وہ ہونقوں کی طرح پوچھ رہی تھی۔

زائر نے ایک خوبصورت ہارٹ شپ کا پینڈٹ اسکے سامنے لہرایا تھا۔

زروا نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

زائر نے آگے بڑھ کر اسکے گلے میں وہ ڈامنڈ پینڈٹ پہنا دیا تھا۔

یہ تمہاری منہ دیکھائی ہے، میں یہ یہیں سے لینا چاہتا تھا اس لیے کل پرسوں کچھ نادے سکا تھا، وہ زروا کو نظروں کے حصار میں لیے نرمی سے بول رہا تھا۔

زروا تو حیرانگی سے اسکے بدلے ہوئے تیور دیکھ رہی تھی۔

بہت پیارا ہے یہ، تھینکس، زروا نے مسکرا کر کہا تھا۔

اب چلو، زائر نے کہا تو زروا اسکے ساتھ چل دی تھی۔

تو کیا پتھر پگھلنے لگا تھا؟

یا یہ بھی وقت کی کوئی چال تھی۔

یار آج کے زمانے میں کیسیٹ کون سنتا ہے؟ صائم اسے لے کر پہلے تو سیدھا ریسٹورینٹ
میں آیا تھا۔

جہاں انہوں نے لچ کیا تھا اسکے بعد عانیہ نے اسے وہ ٹیپ والی کیسیٹ دیکھائی تھی۔

میرا نہیں ہے یہ، میں آج اسٹور روم میں اپنے براشز ڈھونڈ رہی تھی وہاں ملی ہے، اس پر
ضوریز لالہ کا نام لکھا ہے۔

عانیہ نے اسے اصل بات بتائی تو اب کی بار صائم نے غور سے کیسیٹ دیکھی تھی۔

اسکے زہن میں کچھ کلک ہوا تھا۔

اولو، صائم نے سر پر ہاتھ مارا تھا۔

کیا ہوا صائم؟ عانیہ نے اسکی طرف دیکھ کر سوال کیا تھا۔

چلو میرے ساتھ، وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

مگر کہا، عانیہ نے پوچھا تھا۔

چلو تو، صائم نے کہا تو عانیہ اس کے ساتھ چل دی تھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں ایک میوزک ڈیوائسز وغیرہ کی شاپ پر کھڑے تھے۔

صائم نے وہاں سے ایک میوزک پلیئر لیا تھا۔

صائم نے گاڑی میں بیٹھ کر اس ٹیپ میں کیسیٹ ڈالی تو ایک دو بار کوشش کرنے پر وہ چل پڑی تھی۔

میں نے یہ کیسیٹ خاص آپ سب تک اپنی بات پہنچانے کو ریکارڈ کی ہے، میں زائر خان آفریدی، یہ قبول کرتا ہوں کہ اس رات جو کچھ ہوا وہ میری غلطی ہے اور میں نے جان بوجھ کر ضروریز کو پھنسیا تا کہ یہ سب کی نظروں میں گر جائے، جسکی وجہ سے میں بہت

شرمندہ ہوں، اور اسی لیے میں یہ ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں، آپکا مجرم زائر خان آفریدی، ٹیپ
بند ہو چکا تھا۔

مگر عانیہ اور صائم سکتے کی کیفیت میں تھے۔

یہ سب، کیا ہے؟ عانیہ ہوش میں آئی تھی۔

گیم، صائم نے یک لفظی جواب دیا تھا۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟ عانیہ نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

یہ لالہ کی آواز نہیں، صائم کی بات پر عانیہ چونکی تھی۔

تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟ اس نے سوال کیا تو صائم جو کسی سوچ میں گم تھا چونکا تھا۔

زائر لالہ کبھی بھی ضرور لالہ کو نام لے کر نہیں بلاتے تھے عانیہ، وہ دونوں ایک دوسرے کو جگر کہتے تھے جبکہ اس کیسیٹ میں وہ انہیں نام سے بلا رہے ہیں، صائم نے اپنی سوچ بتائی تھی۔

مگر ہم محض اتنی سی بات کو ثبوت بنا کر اصلی مجرم تک نہیں پہنچ سکتے صائم، عانیہ نے اداسی سے کہا تھا۔

سب ٹھیک ہو جائیگا عانیہ، مجھ پر بھروسہ رکھو، ہم مل کر کوشش کریں گے اور دیکھنا ہم ضرور انکی دوستی میں آئی دیوار کو گرا کر رہیں گے، انہیں پھر سے ملائیں گے، صائم نے اسے یقین دلانے کو اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو عانیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

چلو تمہیں گھر ڈراپ کر دیتا ہوں، صائم نے سامنے دیکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

بیٹا آپ اور مشعال بھی کہیں گھومنے چلے جاتے، یہی دن تو ہوتے ہیں گھومنے پھرنے کے یونیورسٹی بھی آف تو اسطرح مشعال کی اسٹڈیز کا بھی لاس نہیں ہوگا، سماہر بیگم نے لاؤنج میں بیٹھے ضوریز سے کہا تھا۔

موم یار مجھے نہیں جانا کہیں، انکے حسبِ توقع جواب آیا تھا۔

مجھے پتہ تھا تمہارا یہی جواب ہوگا، ایک تو تم نے اسے میکے بھی نہیں جانے دیا اوپر سے خود بھی کہیں لے کر نہیں جارہے، تم سدھر جاؤ ضوریز یہ کیا بچپنا ہے، سماہر بیگم نے کہنے کے ساتھ ہی دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

جب پتہ ہے میرے جواب کا آپکو تو سوال ہی کیوں کیا، وہ نروٹھے پن سے بولا تھا۔

برى بات بيٲا مشعال كيا سوچيكي؁ تم اتنے كنجوس هو؁ اسے كهیں گھمانے تك نہیں لے جاسكتے؁ سماهر بيگم نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

كچھ نہیں سمجھيكي وہ؁ ابھي ميرا ان سب كا موڈ نہیں؁ میں پھر كبھي لے جاؤنگا اسے گھمانے؁ اور موم يو نونا مجھے نہیں پسند يه سب؁ وہ چڑگيا تھا۔

يه سهي تو كهہ رہے ہیں پھوپو؁ ابھي ميرا بھي موڈ نہیں؁ پھر كبھي چلے جائیں؁ ويلے بھي مجھے آپ كے ساتھ وقت گزارنا زياده اچھا لگيگا؁ وہ انكے گلے میں بانھیں ڈال كر لاڈ سے بولي تو ضوريز نے چونك كر اسے ديكھا تھا۔

كريم اينڈ ريڈ كنسٹراسٹ كے ٹراؤزر شرٹ میں مھرون شال اچھے سے خود پر لپٹائے گلے میں ڈريس كي مچنگ كا دوپٹہ ڈالے؁ بنا كسي ميك اپ كے بھي وہ بے حد پياري لگ رہي تھي۔

اسکی دودھیا رنگت سردی کی وجہ سے گلابی ہو رہی تھی۔

بس باتیں بنوالو تم بچوں سے، سماہر بیگم نے بیٹھے بیٹھے ہی اسے خود سے لگایا تو وہ کھلکھلا کر ہنس سی تھی۔

ضوریز مسمرائز ہوا تھا۔

مشعال کی نظریں ضوریز سے ملیں تو اسے خود کو تکتے دیکھ، اسکا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

ضوریز نے شرارت میں اسے آنکھ ماری تو وہ گر پڑائی تھی۔

لوفر کہیں کا، ایک تو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا اوپر سے اسے جب میرے ساتھ نہیں جانا تو صاف بولے، گھما پھرا کر بات کیوں کر رہا ہے، مشعال نے اسے صلواتیں سنانے کے ساتھ، دل ہی دل میں ایک اور نام دیا تھا۔

اسی وقت ضوریز کا موبائل وائبرٹ ہوا تھا، وہ کال پر بڑی ہوا تو مشعال نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

ویلے موم آپکا آئیڈیا کچھ برا بھی نہیں تھا، اسی لیے سوچ رہا ہوں، کیوں نا اس پر عمل کر لیا جائے، ضوریز کال سے فری ہوتے ہی سماہر بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

اسکی بات سن کر مشعال حیران ہوئی تھی جبکہ سماہر بیگم مسکرا دی تھیں۔

موم وہ میرا فریڈ ہے نا، اسد؟ اسکی بہن کی شادی ہے اور اس نے مجھے ود فیملی انوائٹ کیا ہے، سوچ رہا ہوں آپکی بہو کو فلحال تو پاکستان ہی گھما لیتا ہوں، وہ مشعال کی طرف دیکھتا، شرارتی انداز میں بولا تھا۔

مشعال نے نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔

ارے وہی اسد نا، جسکی فیملی کراچی شفٹ ہوگئی تھی؟ سماہر بیگم نے پوچھا تو ضوریز نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

یہ تو اچھی بات ہے بیٹا، ایسا کرو تم دونوں چلے جاؤ، اسطرح گھومنا بھی ہو جائیگا، سماہر بیگم نے فورن سے مشورہ دیا تھا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے، ضوریز نے انکی تائید کی تھی۔

جبکہ مشعال نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

مگر پھوپھو انکے دوست کی فیملی کو تو میں جانتی ہی نہیں ہوں، میں وہاں کیا کرونگی، مشعال نے جھٹ سے بہانہ بنایا تھا۔

یہ تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں، تم مجھے تو جانتی ہونا، اور تم میری وائف ہو میرے حوالے سے جاؤگی، میں بھی تو ساتھ ہونگا تمہارے، ضروریز نے مسئلہ چٹکیوں میں حل کیا تھا۔

ہاں بیٹا، یہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے، کہیں آؤگی جاؤگی تو، تمہیں اچھا لگیگا، تم جاؤ جا کر پکینگ کرلو، سماہر بیگم نے کہا تو مشعال جی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

جبکہ ضروریز آگ لگانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

کب جانا ہے یہ بھی بتادجئے؟ وہ سماہر بیگم کی موجودگی کی وجہ سے بامشکل اپنا غصہ کنٹرول کرتی، لفظ چبا چبا کر بولی تھی۔

بس تم پیکنگ کرو، آج رات ہی نکلنا ہے کیونکہ کل رات تک پہنچنا ہے، میں زرا ایک کام سے باہر جا رہا ہوں، میری بھی پیکنگ کر لینا، ضروریز ہدایات جاری کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

سماہر بیگم بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

خوش رہو، انہوں نے مشعال کی پیشانی پر پیار سے بوسا دیا تھا اور وہاں سے چلی گئیں تھیں۔

مشعال بھی سر جھٹکتی بے دلی سے پیکنگ کرنے چلی گئی تھی۔

قسمت کی بساط بچھائی جا چکی تھی، محبت کو بس اپنی جیت کا انتظار تھا۔

وہ اسے لے کر سی سائیڈ آیا تھا، زروا حیران سی زائر ساتھ چل رہی تھی۔

یہ ایک بہت خوبصورت جزیرہ تھا جہاں سمندر کے قریب ہی کچھ فاصلے پر، پانی کے بیچ زائر نے ایک ٹیبل بک کروائی تھی۔

زروا کو سمندر بہت پسند تھا، مگر سوات میں سمندر نا تھا تو زروا کی یہ خواہش ادھوری ہی رہی تھی۔

اب جبکہ زائر اسے لے کر یہاں آیا تو اسکے دل میں ایک عجیب سی خوش گمانی نے سراٹھایا تھا۔

سٹ مسز، زائر نے اسکے لیے چیئر سیٹ کی تھی اور خود بھی بیٹھ گیا تھا۔

زروا دلچسپی سے آس پاس کے نظارے دیکھ رہی تھی۔

جبکہ زائر کی نظریں اسکے دلکش سراپے میں الجھ سی گئی تھیں، ناجانے کیوں اسے آج سب بھولا تھا، یاد تھا تو صرف اتنا کہ زروا صرف اسکی ہے۔

اسکا کام تو کب کا ختم ہو گیا تھا بس وہ یونہی، بلا مقصد باہر زیادہ وقت گزار کے آیا تھا۔

جب وہ روم میں آیا تو اسے سوتے دیکھ زائر کے دل میں عجیب سی خواہشات نے سراٹھایا تھا۔

اسکا دل شدت سے چاہا تھا ان لمحات کو امر کر دے، اسی وجہ سے آج اس نے اپنے دل کی سنتے ہوئے زروا کو یہاں لانے کا فیصلہ کیا تھا۔

زائر خان آفریدی، مان لو تم ہار رہے ہو، یہ اسکے دل کی آواز تھی۔

نہیں میں اس سے نفرت کرتا ہوں، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

کے یقین دلا رہے ہو؟ خود کو؟ نفرت نہیں بلکہ تمہیں محبت ہے زروا سے، شدید محبت، جان بستی ہے اس میں تمہاری، ورنہ تمہیں اسکی سالوں پرانی خواہش کا خیال نا آتا، آج اسکے دل کے دلائل مضبوط تھے۔

سر آرڈر پلیز، ویٹر کی آواز پر زروا کی جانب دیکھتا، زائر چونکا تھا۔

زروا جو اسکے یوں خود کو یک ٹک دیکھنے پر نروس ہو رہی تھی ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

زائر نے خود ہی کھانا آرڈر کر دیا تھا اور زروا ایک بار پھر سے حیران ہوئی تھی۔

زائر نے سب اسکی پسند کا ہی آرڈر کیا تھا۔

اپنا خیال رکھنا اور وہاں پہنچتے ہی کال ضرور کر دینا، سماہر بیگم نے مشعال کو ہدایت کی تھی۔

جی پھوپو، اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

اگر پھوپھو بھتیجی کے لاڈ پورے ہو گئے ہوں تو ہم بھی ہیں راہوں میں ، ضرور شرارت سے کہتا
انکے قریب آیا تھا۔

آپ کیوں جل رہے ہیں تو، آپ بھی تو لاڈ کرواتے رہے ہیں موم سے، اب میری بھابھی
جان کی باری ہے، عانیہ نے اسے چھیڑا تو ضرور مسکرا کر رہ گیا تھا۔

اتنے میں شہروز خان بھی وہاں آ گئے تھے تو ضرور ان سے ملنے لگا تھا۔

اپنا اور ہماری بہو کا خیال رکھنا، وہ اس سے بگلگیر ہوتے ہوئے بولے تھے۔

واہ بھئی ڈیڈ پارٹی بدل لی بہو کے آتے ہی، وہ مصنوعی ناراضگی سے بولا تھا۔

تم دونوں الگ تو نہیں ہو بیٹا جی، جواب سماہر بیگم نے دیا تھا۔

مشعال کے لب مسکرائے تھے۔

اسی پل ضوریز نے مشعال کی جانب دیکھا تھا، اسکے دلکش چہرے پر خوشی کی الواہی چمک
تھی۔

ضوریز مہبوت ہوا تھا۔

اہم اہم، لالہ آپکی ہی ہیں، عانیہ نے اسکے کان میں سرگوشی کی تو ضوریز چونکا تھا۔

اوگاڈ، یہ مجھے کیا ہو گیا تھا، کیا سوچتی وہ اگر دیکھ لیتی تو، ضوریز نے سر جھٹکا تھا۔

مشعال واقعی ہی اسکی جانب متوجہ نا تھی وہ شہروز خان اور سماہر بیگم سے باتوں میں مصروف تھی۔

چلیں، ضوریز نے مشعال سے کہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب سے مل کر کراچی کے لیے نکل گئے تھے۔

کافی گھنٹوں کا سفر تھا مگر ضوریز نے پھر بھی ڈرائور کی بجائے خود ڈرائونگ کا فیصلہ لیا تھا۔

تمہیں پتہ ہے یہ جگہ میری سب سے فیورٹ ہے، کھانے کے دوران زائر خود ہی بولا تھا۔

زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اس سے پہلے، کے زائر کوئی جواب دیتا اسکا موبائل وائبرٹ ہوا تھا۔

او کے میں آدھے گھنٹے تک آ رہا ہوں، زائر نے بات ختم کرتے ہی کال کٹ کی تھی۔

زروا خاموش بیٹھی تھی۔

کھانا کھالو پھر ہمیں چلنا ہے ایک بہت امپورٹنٹ کام آگیا ہے، زائر نے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔

میں نے کھالیا ہے، زروا نے آہستہ سے جواب دیا تو زائر بل پے کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

زروا اسکے ساتھ ہی چل دی تھی۔

"شروعات ہوئی تھی فاصلوں کے سمٹنے کی"

"بس وقت پھر سے اپنی چال چل گیا"

ضوریز ڈراؤنگ کر رہا تھا، جبکہ مشعال خاموشی سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں
موندے بیٹھی ہوئی تھی۔

ضوریز نے سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پھر سے ڈراؤنگ کرنے لگا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ پولیس چیک پوسٹ کے قریب پہنچے تو ایک پولیس والے نے گاڑی کی ونڈو بجائی تھی۔

مشعال نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔

ضوریز نے بیزاگی سے اس پولیس والے کی جانب دیکھ کر اپنا شناختی کارڈ اسے تھمایا تھا۔

گاڑی کا لائسنس؟ پولیس والا بولا تو ضوریز نے اسے لائسنس بھی دکھا دیا تھا۔

یہ لڑکی کون ہے؟ اب وہ مشعال کو عجیب سی نگاہوں سے تکتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

شی از مائی وائف، اب اگر آپکو تسلی ہوگئی ہو، تو ہم جاسکتے ہیں؟ ضریرز کا دل تو چاہا اسکا خون کردے مگر فلحال وہ صرف اسے گھورتے ہوئے جانے کا پوچھ رہا تھا۔

آہو، مگر کیا ثبوت ہے یہ تیری بیوی ہے؟ وہ پولیس والا کمینگی سے ضریرز سے سوال کرتا مشعال کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ضریرز کی برداشت بس یہیں تک تھی۔

وہ غصے میں گاڑی سے باہر نکلا تھا۔

فلحال میرے پاس آپکو دیکھانے کو نکاح نامہ نہیں مگر 2 دن پہلے شادی ہوئی ہے ہماری، اور ہم کسی خاص فرینڈ کی شادی میں کراچی جارہے ہیں، مگر آپ لوگ ناجانے کیوں بے فضول میں ہماری جان کو آگئے ہیں، میری بیوی ہے وہ، اور مجھے یہ آپکو پروف کرنے

کی ضرورت نہیں، برائے مہربانی راستہ کھلوائیے، وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتا اس پولیس والی کی طبیعت صاف کر گیا تھا،

تو اب پولیس والے سے بدتمیزی کریگا، تو جانتا نہیں میرے کو، میں چاہوں تو ابھی تم لوگ کو غائب کروادوں، پولیس والا بھڑک گیا تھا۔

کیوں تم جادوگر ہو کیا؟ ضروریز اسے گھورتا طنزیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

زیادہ ہوشیاری نا کر دیکھ، ورنہ تجھے اور تیری اس بلبل کو حوالات میں ڈالوادونگا، وہ وردی کا رعب جھاڑتا ہوا بولا تھا۔

بے جاؤ بہت دیکھے تم جیسے، ضروریز اب اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

صورت حال بگڑتے دیکھ مشعال کار سے باہر آئی تھی۔

تو اگر چاہے تو میں تجھے چھوڑ دوں گا بس زرہ سا ٹیکس لگیگا، پولیس والا حوس زدہ نظروں سے
مشعال کو تکتا ہوا بولا تھا۔

ضوریز پلینز یہ جو بول رہے ہیں دے کر جان چھڑواؤ، مشعال گھبرا کر بولی تھی۔

اسکی آواز پر ضوریز پلٹا تھا۔

واٹ دا ہیل، تم کیوں باہر آئی گاڑی سے، جاؤ اندر بیٹھو، وہ دھاڑا تھا۔

اسکے تیور دیکھ کر مشعال خوفزدہ ہوئی تھی۔

چلو میرے ساتھ، ضرور نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے کار میں بیٹھایا تھا اور اسکے شال اچھے سے اسکے گرد لپیٹ دی تھی۔

اب باہر آئی تو جان سے مار دوں گا میں تمہیں، وہ غصے سے غرایا تھا۔

مشعال کا دم خشک ہو گیا تھا۔

پولیس والے کا مشعال کو دیکھنا ضروریز کو آگ لگا گیا تھا۔

وہ مشعال کو کار میں بیٹھا کر واپس اس پولیس والی کی جانب آیا تھا۔

ہاں بھئی پھر کیا سوچا تو نے، وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

جو سوچا ہے ابھی پتہ چل جائیگا، ضروریز نے ایک نمبر ڈائل کر کے کچھ بات کی تھی پھر اپنا موبائل اسکی جانب بڑھایا تھا۔

یہ کیا ہے بے؟ وہ جاہلانہ انداز میں اس سے سوال کر رہا تھا۔

تم خود ہی بات کر لو پتہ چل جائیگا، ضروریز موبائل اسکی جانب بڑھاتا ہوا بے نیازی سے بولا تھا۔

پولیس والے نے جھپٹنے کے انداز میں موبائل لیا تھا۔

لیس سر، حج جی سر، اوکے سر میں ابھی راستہ کھلواتا ہوں، وہ پولیس والا ہڑبڑاتا ہوا اسکا موبائل واپس کرتے ہوئے راستہ کھلوانے بھاگا تھا۔

تم جیسوں کو تمہاری ہی طرح ڈیل کیا کیا جاسکتا ہے جو کے میں اچھے سے کرسکتا ہوں،
اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ، تم جیسے لوگوں کی وجہ سے ہماری پولیس بدنام ہے، گھٹیا انسان، وہ
اسے حقارت سے دیکھتا واپسی کے لیے مڑ گیا تھا۔

تھینکس، اسکے کار میں بیٹھے ہی مشعال بولی تھی۔

فار واٹ؟ ضرور نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

ابھی جو تم نے کیا اسکے لیے، مشعال آہستہ سے کہتی رخ موڑ گئی تھی۔

اپنی بیوی کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے جس کے لیے مجھے تمہارے تھینکس کہنے کی
ضرورت نہیں، وہ سامنے دیکھ کر بولتا ہوا گاڑی اسٹارٹ کرچکا تھا۔

اسکی بات پر مشعال چونک کر اسکی جانب مڑی تھی مگر وہ اسکی جانب متوجہ نہ تھا۔

تو میری فکر صرف اسلیے ہے انہیں کیونکہ یہ انکا فرض ہے، یہ کبھی میرے نہیں ہو سکتے،
مشعال دل مسوس کر رہ گئی تھی۔

"تیری خاطر ستم دل پر گوارا کر لیا میں نے"

"تیرے لیے ہی تیری محبت سے کنارہ کر لیا میں نے"

صائم وہ کیسیٹ کوئی دس بار سن چکا تھا مگر اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

اسکا روم ناک ہوا تو وہ چونکا تھا۔

پلوشہ بیگم روم میں داخل ہوئی تو صائم مسکرایا تھا۔

ارے مومی آپ، آئیے نا، وہ بیڈ پر انکے لیے جگہ بناتا ہوا بولا تھا۔

وہ اسکے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔

تم نے تو روم سے باہر ہی نکلنا بند کر دیا ہے، کیا بات ہے بیٹا کوئی پریشانی ہے؟ انہوں نے اسکا الجھا الجھا سا انداز نوٹ کرتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

مومی اگر کوئی دو لوگ آپکی زندگی میں بہت اہم ہوں جبکہ وہ دونوں آپس میں بہترین دوست بھی ہوں ان میں کسی وجہ سے دوری آجائے اتنی کی وہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں، تو آپ کیسے اس نفرت کو ختم کریں گی؟ اس نے عجیب سے انداز میں سوال کیا تھا۔

میں اس نفرت کی وجہ معلوم کرونگی، اور اس وجہ کو ختم کرنے کی کوشش کرونگی، جب وجہ ہی نہیں رہیگی تو نفرت خود بخود ختم ہو جائیگی، اور جب نفرت ختم ہوگی تو میرے وہ عزیز لوگ پھر سے ایک ہو جائیں گے، اور بیٹا اگر وہ سچے دوست ہیں تو دوری زیادہ دیر نہیں قائم رہیگی، کیونکہ نفرت کتنی ہی مضبوط کیوں نا ہو، محبت کو ہرا نہیں سکتی، آخر میں جیت صرف محبت کی ہوتی ہے، وہ اپنے نرم لہجے میں آہستہ آہستہ بولتی صائم کے لیے سوچوں کے نئے دروا کر گئی تھیں۔

تھیکنس آلات مومی آپ نے میری ایک بہت بڑی پرابلم سولو کر دی، اس نے عقیدت سے انکے ہاتھ چومے تو مسکرا دی تھیں۔

مگر بیٹا تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟ پلوشہ بیگم نے سوال کیا تھا۔

مومی جان بہت جلد آپکو آپ کے اس سوال کا جواب دونگا میں بس آپ دعا کریں میں جو کرنے والا ہوں اس میں کامیاب رہوں، اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو پلوشہ بیگم نے دل سے اسکی کامیابی کی دعا کی تھی۔

صبح کا سورج نمودار ہوا تو وہ سندھ کی حدود میں داخل ہو چکے تھے، مگر ابھی بھی 5 سے 7 گھنٹے کا سفر باقی تھا۔

مشعال سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے مزے سے سو رہی تھی جبکہ رات بھر ڈرائونگ کرتے کرتے ضویرز اب تھوڑے آرام کے موڈ میں تھا۔

اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تھی۔

یہ ایک مقامی ہوٹل تھا، ضوریز نے صرف فریش ہونے کی غرض سے وہاں گاڑی روکی تھی ورنہ وہ کبھی ایسی جگہ رکنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ہم پہنچ گئے کیا؟ مشعال ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

تو شہزادی صاحبہ جاگ چکی ہیں، ورنہ میں تو سوچ رہا تھا ہم کراچی سے واپس آرہے ہونگے تب تک تو تمہاری نیند پوری ہو ہی جائیگی، مجھے نہیں پتہ تھا تم اتنا کم سوتی ہو، اینڈ بائے دا وے ابھی ہم سندھ میں داخل ہوئے ہیں، کراچی کافی دور ہے، طنز سے بھرپور لہجے میں جواب دیتا وہ اس کے مسلسل سونے پر چوٹ کر گیا تھا۔

ہاں تو؟ اب تمہیں میرے سونے سے بھی پرابلم ہے؟ مشعال جی جان سے سلگ اٹھی تھی۔

مجھے کیوں پر اہلم ہونے لگی، میری بھلا سے جتنا مرضی سو، اچھا ہی ہوا تم سو رہی تھیں کم سے کم میرے کانوں کو تمہاری اس پھٹے ہوئے ڈھول والی آواز سے تو چھٹکارہ ملا ہوا تھا، وہ گاڑی سائیڈ میں لگاتے ہوئے جواب دیتا اسے مزید تپا گیا تھا۔

گو ٹو ہیل، غصے میں کہتی وہ اس سے پہلے گاڑی سے اتر گئی تھی۔

ضوریز نفی میں سر ہلاتا اسکے پیچھے ہی گاڑی سے اترتا تھا۔

یہ ہوٹل آبادی سے کافی ہٹ کے تھا۔

ضوریز اور مشعل آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔

یہ ہوٹل کافی کشادہ اور صاف ستھرا تھا، تھوڑے تھوڑے فاصلے سے وہاں لکڑی کی چارپائیاں ڈالی ہوئی تھیں ساتھ ہی مٹی کی نادیاں رکھی ہوئی تھیں جن میں پینے کے لیے صاف پانی تھا، ہوٹل پر لکڑی کی ہی چھت ڈال کے اسے پرانے طرز پر بنایا گیا تھا۔

صبح صبح کا وقت تھا اس لیے ہوٹل خالی ہی تھا۔

صاف ستھرا اور پرسکون ماحول دیکھ کر ضریر کے اعصاب پرسکون ہو گئے تھے وہ آرام سے جوتے اتار کر ایک چارپائی پر ٹک گیا تھا۔

جبکہ مشعال کھڑی ہوئی اردگرد کا نظارہ کر رہی تھی۔

تمہیں کیا انویٹیشن دینا پڑیگا؟ بیٹھ جاؤ سکون سے، ضریر اسے کھڑے دیکھ چڑ کر بولا تھا۔

مشعل بھی تھکن محسوس کر رہی تھی اسلیے بنا بحث اسکے برابر والی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔

تم یہاں بھی بیٹھ سکتی ہو میں کھا نہیں جاؤں گا تمہیں، نا جانے وہ کیوں اس کے گریز پر چڑ گیا تھا۔

محبت ہو رہی ہے

بے حساب آہستہ آہستہ

نظر سے دل میں اتر کر

یہ ہو رہی ہے بے

حجاب آہستہ آہستہ

سنو جاناں

نظروں سے ہم جو کرتے ہیں

وہ باتیں سبھی تم سمجھ جاؤ

کہ دل ہو رہا ہے بے قرار

آہستہ آہستہ

دلوں میں دوریاں ہوں تو

محبت اور بڑھتی ہے

سمجھ جائیں گے ہم تم یہ حساب

آہستہ آہستہ

محبت ہو رہی ہے بے حساب

آہستہ آہستہ

میں یہیں ٹھیک ہوں، وہ سپاٹ لہجے میں بولی تو ضروریز کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

اتنے میں ہی ایک کم عمر لڑکا وہاں آیا تھا جو شاید وہاں کا ملازم ہی تھا۔

سلام صاحب جی، کیا لینگے، وہ 15 سالہ لڑلا مؤڈب سا کھڑا پوچھ رہا تھا۔

ضوریز نے مشعال کی جانب دیکھا تو وہ کندھے اچکا گئی تھی۔

ارے صاحب کو یہاں کا اسپیشل ناشتہ کھلا، جلدی آچھوٹے، شاید اس لڑکے کے مالک نے آواز لگائی تھی

ضوریز نے اثبات میں سر ہلایا تو بچہ خوشی خوشی انکے لیے ناشتہ لینے بھاگا تھا۔

کچھ ہی دیر میں گرما گرم حلوہ پوری اور چھولوں کا سالن اور لسی کے بڑے بڑے گلاس انکے سامنے تھے۔

اتنا ہیوی بریک فاسٹ، نو وے، آئی کانٹ لیٹ دز، مشعال کو تو اتنا آٹلی فوڈ دیکھتے ہی چکر آنے لگے تھے۔

کبھی کبھی انسان کو روٹین سے ہٹ کے کچھ ٹرائے کرنا چاہیے، ضروریز مسکراتا ہوا ساتھ رکھے برتن سے ہاتھ دھو کر ناشتہ کرنے بیٹھ گیا تھا۔

مگر یو نونا، میں آٹلی فوڈ نہیں لیتی، وہ منمنائی تھی۔

مجھ سے زیادہ ہیلتھ کانشر نہیں ہو تم مشعال خان، وہ ایک ادا سے کہتا حلوہ پوری کا لقمہ منہ میں رکھ چکا تھا۔

یہ کہہ رہا تو بالکل صحیح ہے، کتنا اسمارٹ اور فٹ ہے، جبکہ آٹلی فوڈ بھی لیتا ہے، خود کو کتنا مینٹین رکھتا ہے کمینہ، مشعال نے اسکا جائزہ لیتے ہوئے سوچا تھا۔

ضوریز اس وقت براؤن شلوار قمیض پر شانے پر لا پرواہی سے اسکن کلر کی شال ڈالے
مزے سے ناشتہ کرنے کے مصروف تھا۔

میرا جائزہ ہو گیا ہو تو کچھ کھالو تم بھی ورنہ موم سے شکایت لگاؤ گی کے میں نے تم پر اتنا
ظلم کیا ہے، تمہیں بھوکا رکھا، وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

مشعال ہاتھ دھو کر دل پر جبر کرتے ہوئے اسکے قریب آکر بیٹھی تھی اور کھانے کے لیے
ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ ضوریز نے ایک بڑا سا لقمہ اسکے منہ میں ڈال دیا تھا۔

تم بھی کیا یاد کرو گی، بولنے کے ساتھ ہی وہ ہنسا تھا۔

جبکہ مشعال اسے گھورتی ہوئی پھر ایک دم سے ہنس دی تھی۔

تم کبھی نہیں سدھر سکتے، وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

ضوریز اسے ہنستے دیکھ کھو سا گیا تھا۔

اگر حالات ٹھیک ہوتے اور ہماری شادی نارمل طریقے سے ہوئی ہوتی، تو مشعال واقع ہی ایک قابل تعریف پارٹنر ثابت ہوتی، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

کہاں کھو گئے؟ مشعال نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔

کہیں نہیں، تمہیں یاد ہے بچپن میں ہم سب ہریک ناشتہ کرنے ہوٹل جاتے تھے، اور اسی طرح حلوہ پورہ کھاتے ہوئے میں زبردستی تمہیں کھلا دیتا تھا کیونکہ تم صرف گھومنے کے ارادے سے جاتی تھیں ضرور مسکرا کر کہتا ہوا اس خوبصورت یاد کو تازہ کر گیا تھا۔

اور تم جان بوجھ کر ایسا کرتے تھے تاکہ میں تپ جاؤں کیونکہ میں شروع ہی سے اپنی فٹنس کے لیے جان دیتی تھی، اب مشعال اپنی ڈائیٹ بھلائے مزے سے حلوہ پوری کھاتی اس سے باتیں کر رہی تھی۔

خیر ڈائیٹ کا اثر تو واقع ہی دکھتا ہے تم پر، وہ اسے گرمی نظروں سے دیکھتا ہوا گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

ظاہر ہے، کیونکہ میں اپنی فٹنس کے معاملے میں بالکل سمجھوتا نہیں کرتی، وہ اسکی بات کا مطلب سمجھے بنا اپنی ہی دھن میں بولی تھی لیکن ضوریز سے نگاہیں ملی تو مشعال کا دل بری طرح سے دھڑک دھڑک گیا تھا۔

میرا ناشتہ ہو گیا، وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

آں ہاں، میرا بھی، اسکا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

تم چلو، میں بل دے کر آتا ہوں، ضریر نے اسے گاڑی کی کیز دیتے ہوئے کہا تھا۔

مشعال اسکے ہاتھ سے کیز لیتی جلدی سے آگے بڑھی تھی۔

ناجانے کیوں ضریر کی نظروں میں کل سے کچھ الگ ہی رنگ تھے جنہیں وہ کوئی نام نا دے پا رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں انکا سفر پھر سے شروع ہوا تھا۔

لیکن اب کی بار ضریر نے اسے مخاطب نا کرنے کی ٹھان لی تھی۔

"اک بار تو محبت کی نگاہ سے ہم کو بھی دیکھا کرو"

"سفر_محبت میں یہ انداز_غرور اور اتنی بے رخی اچھی نہیں"

لسن میری آج میٹینگ ہے سو میں تھوڑا لیٹ ہو جاؤں گا، تم کھانا کھا لینا، زائر آئیے کے سامنے کھڑا خود پر پرفیوم اسپرے کرتا اسکی جانب مڑا تھا۔

زروا جو کے موبائل ہاتھ میں لیے ٹائم پاس کرنے کو سانگ سن رہی تھی اسکی بات پر بنا کسی سوال کے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

اسکے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اس سے ٹھیک سے بات کر رہا تھا۔

زائر اپنا موبائل اٹھا کر باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

خود تو سارا دن باہر رہتے ہیں، میں یہاں بور ہوتی رہتی ہوں، اس سے تو اچھا تھا میں تائی
جان کے پاس رک جاتی، میں تو بیزار ہو گئی ہوں یہاں اس کمرے میں بند رہ کر، اس نے
بیزاگی سے سوچا تھا۔

باباجان، تایاجان، تائی جان، آپ سب کو میں یاد نہیں آرہی نا، آپ تو مجھے بھول ہی گئے
ہیں، یہ سوچ کر زروا دکھی ہو گئی تھی۔

نہیں یہ میں کیا سوچنے لگ گئی، وہ بڑی ہونگے، میں خود ہی آپ سے بات کر لیتی
ہوں، اس نے کچھ سوچتے ہوئے صائم کا نمبر ملایا تھا۔

دوسری بیل پر ہی صائم نے کال پک کر لی تھی۔

کچھ باتوں کے بعد اس نے موبائل پلوشہ بیہم کو دے دیا تھا۔

پلو شہ بیگم اور باقی سب سے بات کرنے کے بعد زروا کا موڈ کافی حد تک اچھا ہو گیا تھا۔

مے آئی کم ان سر، وہ شاندار سا شخص تھا ہی ایسا کہ زائر خان بھی اسکے سامنے جانے کے لیے اجازت طلب کر رہا تھا۔

ویلم مائی ڈیئر سن زائر خان آفریدی، اسکے آفس میں داخل ہوتے ہی، اس سوبر سی پرسنالٹی اور اس سے دو گنی عمر والے اس ہینڈسم شخص نے مسکراتے ہوئے اسے ویلم کہا تھا۔

زائر بھی مسکراتا ہوا اسکی جانب بڑھا تھا۔

ہیلو سر، زائر خان نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

ہیلوینگ مین، اس شخص نے بھی دلکشی سے مسکراتے ہوئے زائر سے مصافحہ کیا تھا۔

بیٹھو بیٹا، اس نے زائر کو بیٹھنے کا کہا تو زائر اس کے بیٹھنے کے بعد اسکے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

بہت تعریف سنی ہے آپکی، آپ سے مل کر بہت اچھا لگا، زائر نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ شخص بھی مسکرا دیا تھا۔

زائر پہلی بار کسی سے امپریس ہوا تھا، اور وہ شخص اس کے سامنے بیٹھا 50 سالہ وہ فیمس بزنس ٹائیکون سید وجدان حیدر شاہ تھا جو کہیں سے بھی زیادہ عمر کا نا لگتا تھا اور جسے پچھلے 4 سال سے وہ آئیڈیلز کرتا آ رہا تھا۔

زائر آج خاص طور پر اس سے ملنے ہی یہاں آیا تھا۔

اسے اپنے کچھ خاص ملازموں کے زریعہ پتہ چلا تھا کہ جس کمپنی کے ساتھ وہ انویسٹمنٹ کرنا چاہ رہا تھا وہ فراڈ تھی۔

زائر نے کچھ سوچتے ہوئے ان سے ڈیل کینسل کر دی تھی۔

اسکے بعد پچھلی رات ہی اسے شاہ کے مینیجر نے کال کر کے خاص طور لُچ پر انوائٹ کیا تھا۔

زائر کی میٹنگ تو پہلے ہی کینسل ہو چکی تھی اور وہ فارغ ہی تھا اس لیے وہ اس وجدان شاہ سے ملنے چلا آیا تھا جو کہ اسکا آئیڈیل تھا۔

تم سے مل کر بھی بہت خوشی ہوئی ینگ مین، وجدان مسکرایا تو اسکے گال پر پڑنا ڈمپل بھی مسکرا اٹھا تھا۔

اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وقت اسے صرف چھوکر بھی نہیں گزرا ہے۔

تھیکنس آلات سرفار دز آنر، زائر ہلکا سا مسکرایا تھا۔

بیٹا تم مجھے انکل بھی کہہ سکتے ہو، وجدان پر شفقت انداز میں بولا تھا، اسے سامنے بیٹھے زائر
خان آفریدی میں اپنا ہی عکس نظر آیا تھا۔

جو کہ اسی کی طرح ویل اٹجو کیٹیڈ ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد کانفیڈنٹ تھا۔

نیلی سمندر سی گہری آنکھوں میں کچھ کر دیکھانے کا عزم اور لہجے میں مضبوط چٹانوں سا
حوصلہ لیے وہ اسکے سامنے بیٹھا اسکی ہی جوانی کا آئینہ تھا۔

وجدان نے اسکا سارا ریکارڈ نکلوایا تھا جو کے حیرت انگیز طور پر وجدان کے ہی جیسا تھا۔

اسی وجہ سے اس نے اسے ملنے کے لیے بلوایا تھا۔

زائر آج جو کچھ بھی تھا اپنے بل بوتے پر تھا، وجدان مطمئن سا اب اس سے گفتگو میں مصروف تھا۔

کافی دیر بات کرنے کے بعد وجدان نے اسکی قابلیت دیکھتے ہوئے اسکے ساتھ کانٹریکٹ فائل کر دیا تھا۔

وجدان اور زائر نے باتوں کے درمیان ہی لچ کیا تھا۔

اسی وقت وجدان کا موبائل وائبرٹ ہوا تو اس نے زائر سے ایسکیوز کرتے ہوئے کال رسیو کی تھی۔

یس بابا کی جان بابا کی پرنسز اپنی ٹائم فار یو، وجدان کے لہجے میں بیٹی کے لیے بے پناہ
محبت تھی۔

ہا ہا، یہ تو تم نے بہت اچھا کیا، وجدان اسکی کسی بات پر ہنس رہا تھا۔

زائر خاموش بیٹھا تھا۔

اوکے مائی ڈول آپ بے فکر رہیے، آپکی ماما سے میں خود بات کر لوں گا، آپ اپنے فرینڈز کے
ساتھ چلی جائیے، وجدان نے اسے شاید کہیں جانے کی اجازت دی تھی۔

بابا لوز یو ٹو پرنسز، اپنا خیال رکھنا، وجدان نے بات ختم کرتے ہوئے کال کٹ کر دی تھی۔

میری اکلوتی بیٹی ہے، جان بستی ہے اس میں میری، وجدان نے بے حد پیار بھرے انداز
میں اسے اپنی بیٹی کے بارے میں بتایا تھا۔

زائر صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ وجدان سے اجازت لیتا واپسی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

لسن میں نے کہہ دیا نا مجھے ہوٹل میں ہی رہنا ہے تو بس رہنا ہے، میں نہیں جاؤنگی
تمہارے دوست کے گھر، مشعال غصے سے بولی تھی۔

یہ کیا بکواس ہے مشعال، وہ میرا بیسٹ فرینڈ ہے، اس نے مجھے ود فیملی انوائٹ کیا ہے، اور وہیں رکے کا کہا ہے، ہم یوں کراچی آکر بھی ہوٹل میں رکیں گے تو اسے کتنا برا لگیگا، وہ چڑ کر بولا تھا۔

آئی ڈونٹ کیئر، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے سمجھے، وہ لاپرواہی سے بولتی رخ موڑ گئی تھی۔

میرا دماغ بالکل بھی خراب نہیں ہے، جو میں تمہاری یہ فضول ضدیں مانوں گا، میں اسد کے گھر ہی جاؤنگا، اور تمہیں بھی میرے ساتھ ہی چلنا ہے، ڈیٹس اٹ، وہ تحکم بھرے انداز میں بولتا رخ موڑ گیا تھا۔

لسن میں ہرگز بھی تم سے نہیں ڈری، سو بھاڑ میں جاؤ تم، وہ ضروریز کی جانب دیکھتے ہوئے نڈر انداز میں بولی تھی۔

کیوں ایسا بھی کیا کر لوگی تم؟ ضروریز نے گویا اسکا مزاق اڑایا تھا۔

گاڑی روکو، مشعال چلائی تھی۔

لسن یو، ضریرز گاڑی روک کر اسکی جانب مڑا تھا۔

جبکہ مشعال اسے کچھ کہنا کا موقع دیے بنا گاڑی سے اتر گئی تھی۔

میں ہوٹل جارہی ہوں، تم جاؤ اپنے اس دوست کے گھر، بائے، وہ کہنے کے ساتھ ہی غصے میں گاڑی سے اترتی آگے بڑھ گئی تھی۔

واٹ دال ہیل، ضریرز بھی جارہا نہ تیور لیے اسکے پیچھے گاڑی سے نکلا تھا۔

یہ سی۔ویو والا روڈ تھا اور شام کا وقت ہونے کی وجہ سے ٹریفک کم ہی تھا۔

ہے یو اسٹاپ، سلی گرل، وہ چلایا تھا۔

ضوریز اسے آواز دیتا اسکے پیچھے آ رہا تھا مشعال اسے نظر انداز کرتی چلتی جارہی تھی۔

لسن تم میرا پیچھا کرنا بند کرو ورنہ، وہ بولتی ہوئی پیچھے پلٹی تھی اور اسی وقت ایک گاڑی اسکے بالکل قریب آ کر کی تھی۔

مشعال ہٹو، ضوریز بجلی کی رفتار سے اس تک پہنچا تھا۔

بروقت گاڑی والے نے بریک لگایا تھا اور وہ گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

مشعال شاگڈ سی ایک جانب کھڑی رہ گئی تھی۔

ضوریز سیکینڈز میں اس تک پہنچا تھا اور اسے کھینچ کر سینے سے لگایا تھا۔

اسٹوڈنٹ گرل، ابھی کچھ ہو جاتا تمہیں تو؟ وہ اسے خود سے لپٹائے فکر مندی سے بول رہا تھا۔

جبکہ مشعل ڈری ہوئی سی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

ہے کون یہ ایڈیٹ اسے تو میں، ضوریز اسے ایک سائیڈ کھڑا کرتا گاڑی والے کی جانب بڑھا
تھا۔

ہے یو بلائینڈ، باہر نکلو، اس نے گاڑی کے قریب پہنچ کر اندر موجود شخص کو بنا دیکھے
غصے سے کہا تھا۔

اسی وقت وہ سوہر سی پرسنالٹی والا شخص گاڑی سے باہر نکلا تھا۔

آئی ایم ساری انکل، میں نے دیکھا نہیں وہ مجھے لگا کوئی نوجوان لڑکا ڈرائونگ کر رہا ہے،
ضوریز اپنے پچھلے رویے پر شرمندہ ہوا تھا۔

اُس اوکے ینگ مین، غلطی میری ہے، میں کال پر بات کر رہا تھا اسلیے یہ سب ہوا،
سوری بیٹا، اس نرم مزاج شخص نے شائستگی سے معازرت کی تھی۔

ارے نہیں انکل پلیز آپ سوری مت کریں، میری مسز پریشان تھیں، اسلیے بس اسٹریس
میں وہ دیکھنا سکی اسکی جانب سے میں آپ سے سوری، ضوریز کی بات بچ میں ہی رہ گئی
تھی۔

بہت اچھی تربیت ہے تمہاری، بیٹا ورنہ آج کل کے بچے کہاں بڑوں کا احترام کرتے ہیں، اور جب تم انکل بول رہے ہو تو انکل کو سوری نہیں کہتے، اس 48 سے 50 سالہ شخص نے اسکا شانہ تھپتھپایا تھا۔

مشعال بھی انکی جانب آگئی تھی۔

اب چلو بھی، وہ اسکے کان میں مسمنائی تھی۔

اوکے بیٹا میں چلتا ہوں، اپنا خیال رکھیے گا، وہ کہتے ہوئے واپسی کار کی جانب بڑھے تھے۔

سنیے انکل آپ مائڈنا کریں تو ایک چھوٹی سی ہیلپ کر دیجئے، اس اجنبی شخص کی پرسنالٹی ہی ایسی تھی کہ ضوریز خان آفریدی بھی اس سے مؤدب انداز میں بات کر رہا تھا۔

جواب میں ضوریز نے اسے مختصر لفظوں میں اپنے بارے میں بتایا تھا۔

اب ہم یہاں کسی کو جانتے نہیں ہیں سو آپ ہی کوئی اچھا ہوٹل بتادیں، اس نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

تم کیا پاگل ہو، یوں کسی بھی راہ چلتے سے ایڈریس پوچھتے پھر رہے ہو، کیا پتہ یہ کون ہیں، مشعال آہستہ سے ضوریز کے کان میں بولی تھی۔

میں نے تم سے ایڈوائز نہیں مانگی، تمہیں جو کرنا تھا تم کر چکی اسلیے اپنا منہ بند رکھو تم، وہ مشعال کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا بولا تھا۔

ہا ہا ہا، بہت پیارے ہیں آپ دونوں، آپ دونوں کو دیکھ کر مجھے میرا دوست اور کزن یاد آگئے، اسی طرح لڑتے تھے وہ لوگ بھی، خیر بیٹا میں بھی فیملی والا ہوں اور آپ میری بیٹی کے جیسی ہیں، سو آپ بے فکر ہو کر مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں، وہ مسکراتے ہوئے مشعال کی طرف دیکھ کر پر شفقت انداز میں بولا تو مشعال شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

جی ٹھیک ہے، اس نے اب کے صرف ہاں میں سر ہلایا تھا۔

ٹھیک ہے آپ دونوں آئیے میرے ساتھ، اس نے کچھ سوچ کر انہیں ساتھ چلنے کا کہا تو
ضوریز نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اوکے تو پھر میں اپنا سامان لے کر آتا ہوں۔

کچھ ہی منٹس میں ضروریز گاڑی میں سے اپنا سامان لے کر آگیا تھا۔

ہماری کار کا کیا ہوگا؟ مشعل نے پوچھا تھا۔

اس میں پیڑول ختم ہونے کو ہے وہ ویلے بھی رک ہی جاتی، ڈونٹ وری میں لاک
کردونگا، بعد میں اسد کے ساتھ آکر لے جاؤنگا۔۔

بیٹھو، اس نے مشعال کو گاڑی میں بیٹھنے کا کہا تھا اور خود دگی میں سامان رکھنے لگا تھا۔

مشعال اسے گھورتی ہوئی کار میں بیٹھ گئی تھی۔

ارے آپ سے اتنی بات ہوگئی مگر میں نے ابھی تک آپکا نام نہیں پوچھا، ضریرز مسکراتا ہوا
فرنٹ سیٹ پر بیٹھ تھا۔

"ملک، اذکار ملک" نام ہے میرا، وہ شخص ضریرز کی جانب دیکھ کر کہتا دلکشی سے مسکرایا
تھا۔

بلیک آفس سوٹ میں، آنکھوں پر فریم لیس گلاسز لگائے، وہ اس عمر میں بھی، اپنی
ڈیسینٹ پرسنالٹی کی وجہ سے ایک پرکشش مرد تھا۔

کان کے پاس سے گرے ہوتے بالوں کو آج بھی سلیقے سے سیٹ کیا ہوا تھا۔

جبکہ لمبے میں اتنے سال بعد بھی وہی نرمی نمایاں تھی۔

اینڈ مائی سیلف ضوریز خان آفریدی، نائس ٹو میٹ یو انکل، جواباً ضوریز خوشی دلی سے بولا تھا۔

اور میں مشعال ہوں، مشعال نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

اسکی بتانے کا انداز کر وہ دونوں ہنس دیے تھے۔

آج انکار ملک کو دیکھ کر واقع ہی محسوس ہوتا تھا، وہ محبت کو جیت کر منزل تک پہنچ چکا تھا۔

ہم کہاں جا رہے ہیں؟ مشعال سے زیادہ دیر چپ نا بیٹھا گیا تھا۔

میرے گھر، "ملک مینشن" جواب انکار نے دیا تھا۔

مگر آپ ہماری وجہ سے تکلف مت کیجئے ہمیں بس آپ کسی اچھے ہوٹل ڈراپ کر دیجئے، مشعال نے سہولت سے انکار کرنا چاہا تھا۔

میرے گھر میں صرف میری وائف اور پیرینٹس ہیں بیٹا، آپ کو ہوٹل سے زیادہ سہی لگیگا وہاں، آپ لوگ لمبے سفر سے آئے ہیں، آپ میرے گھر چل کر آرام سے فریش ہو کر پھر بے شک ہوٹل چلے جائیگا، انکار نے اسکا انکار رد کیا تو ضوریز نے مشعال کو چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

انکی گاڑی اب "ملک مینشن" کی طرف رواں دواں تھی۔

ہے صائم تم یہاں، واٹس آپلینٹ سرپرائز، مانی اور میسم اسے کلب میں دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔

گڈ ٹو سی یو ہیئر، میسم مصنوعی خوشی سے بولا تھا۔

بٹ آئی ایم ناٹ فیلینگ گڈ ٹو کم ہیئر، وہ روڈ سے انداز میں کہتا واقع ہی زائر خان کا بھائی لگ رہا تھا۔

چل مین، ابھی تو آئے ہو، اچھا بھی لگنے لگا گا، آؤ تمہیں سب سے ملواؤں، مانی خوش آدمی
لجے میں بولا تو صائم بے نیازی سے اسکے ساتھ چل دیا تھا۔

وہ جس کام کے لیے آیا تھا آج کسی بھی حال میں اسے وہ انجام دینا تھا۔

اسے یہاں آکر زہ بھی اچھا نہیں لگا تھا مگر اپنے لالہ کی خاطر وہ اس منحوس جگہ پر رکے پر
مجبور تھا۔

بلیک جینس پر وائٹ شرٹ اور ریڈ لیڈر کی جیکٹ پہنے، وہ بے حد ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

کافی ساری لڑکیاں خود ہی اسکی جانب آگئیں تھیں۔

صائم بیزار سا انکے ساتھ کھڑا، مجبوراً مسکرا کر ان سے باتیں کر رہا تھا۔

ہے صائم کلب میں آکر بھی صرف باتوں سے کام چلا رہے ہو، ناٹ فیئر، آؤ ہمارے ساتھ
ایک ڈنک ہو جائے، میسم علی دوستانہ لہجے میں بولا تو صائم مسکراتا ہوا اسکی جانب بڑھ گیا
تھا۔

اسکا پلان اب بس شروع ہو چکا تھا۔

ایک ہی دن ہوا ہے انہیں گئے، کیسا سونا سونا لگ رہا ہے نا شہروز، چائے پیتی سماہر بیگم
شہروز خان سے بولی تمہیں۔

سماہر بیگم اور شہروز خان لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

موم ڈیڈ آپ کہیں تو آج ماموں جان کی طرف رہنے چلی جاؤں؟ یہاں بور ہو رہی ہوں، وہاں
پلوشہ ممانی کے ساتھ کوکنگ کرنے میں بہت مزہ آتا ہے، ٹائم بھی پاس ہو جائیگا، عانیہ
انکے سامنے کھڑی اجازت طلب کر رہی تھی۔

ہاں بیٹا بالکل، بلکہ ایسا کرتے ہیں ہم سب ہی وہاں چلتے ہیں، سب سے ملنا بھی ہو جائیگا،
سامہر بیگم پرچوش سی بولی تھیں۔

چلو ٹھیک ہے، شہروز خان نے انکی خوشی کے لیے انکی بات مانلی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ سب "خان پیلیس" کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

وہ دوپہر میں ملک مینشن پہنچے تھے، سب ہی ان سے خوش دلی سے ملے تھے۔

ضوریز نے ان سے دوپہر کے کھانے کے بعد اجازت چاہی تھی مگر اذکار اور کرن نے اسے اپنے بیٹے سے ملوانے کا کہہ کر روک لیا تھا۔

وہ چاہ کر بھی انہیں انکار نا کر سکا تھا۔

اس وقت وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

بیٹا آپ لوگ کراچی میں کس جگہ شادی میں آئے ہیں؟ کرن نے مشعال سے سوال کیا تھا۔

مشعال ہونکوں کی طرح اسکا منہ دیکھنے لگی تھی کیونکہ اسے تو اس بارے میں کچھ معلوم ہی نا تھا۔

آئی ہم ملیر آئے ہیں، میرے بیسٹ فرینڈ کی سسٹر کی شادی ہے، میری مسز کو یہاں
کے ایریاز کے بارے میں زیادہ نہیں پتہ، ضروریز جو کے اذکار سے باتوں میں مصروف
تھا، اس نے مشعل کی مشکل آسان کی تھی۔

ماشاء اللہ بیٹا، تمہارا شوہر بہت کیئرنگ ہے، کرن نے مشعل کو دیکھتے ہوئے پیار سے کہا تو
مشعل جھینپ گئی تھی۔

انکل میرے فرینڈ کی بار بار کال آرہی ہے، وہ کہہ رہا ہے مجھے فنکشن سے پہلے وہاں پہنچنا
ہے، اینڈ ٹائم پر غیروں کی طرح نہیں، اسلیے ہمیں اجازت دیجئے، ہم آپکے بیٹے سے نہیں
مل سکیں گے، ضروریز شائستگی سے معازرت کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اسکے ساتھ ہی مشعل بھی اٹھ گئی تھی۔

چلیں بیٹا ٹھیک ہے، جیسی آپ کی مرضی، اذکار نے اس سے بگلگیر ہوتے ہوئے اجازت دی تھی۔

مشعال بھی کرن سے گلے مل کر ضریر کے ہمراہ آکھڑی ہوئی تھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب سے مل کر وہاں سے نکل گئے تھے۔

وہ ہوٹل واپس آیا تو زروا ونڈو کے پاس کھڑی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

کلک کی آواز پر دروازہ کھلا تو زروا کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

وہ پلیٹی تو زائر اس کے سامنے تھے۔

زروا زروا زروا میں آج بہت خوش ہوں زروا، تم سوچ بھی نہیں سکتیں آج میرے لیے کتنا اہم دن ہے، زائر دوڑ کر اس تک آیا تھا اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر گھماتے ہوئے بولا تھا۔

زروا تو حیرانگی اور خوشی کے لے جھلے تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

ارے مجھے بتائیں تو کیا ہوا؟ آخر بات کیا ہے؟ زروا بھی اسے خوش دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔

میں نے آج اپنی زندگی کا پہلا کانٹریکٹ سائن کیا ہے زروا اور بنا کسی کہ ہیلپ کے، اب تم دیکھنا مجھے کامیاب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا، اب وہ وقت دور نہیں جب بزنس کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہوگا زائر خان آفریدی، زائر اسے گھما کر ہنستا ہوا بولا تھا۔

زائر کا انداز بچوں جیسا تھا زروا بھی ہنستے ہوئے اسکا ساتھ دے رہی تھی۔

زائر یہ تک بھول گیا تھا کہ جس ہستی سے وہ کل تک نفرت کا دعوے دار تھا آج وہ اسی سے اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی شیئر کر گیا ہے۔

بلاشبہ قسمت نے جال بچھا دیا تھا اور عشق کے اس دلچسپ کھیل کی بساط پلٹنے والی تھی۔

ایسا کرو تم ریڈی ہو جاؤ، آج میں تمہیں زائر کے اسٹائل میں اس جگہ گھماؤگا، شاپنگ پسند ہے نا تمہیں؟ اسکے بعد ہم ڈنر کریں گے پھر لانگ ڈرائو، زائر نے اس سے پوچھنے کے ساتھ ہی لمحوں میں پلان ترتیب دے دیا تھا۔

مگر وہ میں، زروا نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

اف او، تم جلدی کرو نا، وہ اسے بازوں سے تھامتا کب بورڈ کے پاس لایا تھا۔

زروا کو اسے آج انکار کرنا ٹھیک نا لگا تھا وہ کپڑے لے کر تیار ہونے چل دی تھی۔

آج اسد کی بہن نمرہ کا مہندی کا فنکشن تھا مہندی کا فنکشن عموماً لیٹ ہی شروع ہوتا ہے۔

ضوریز اور مشعال 10 بجے وہاں پہنچے تھے۔

اسد کی فیملی میں اسکی دو بہنیں ایک بھائی اور ماما پاپا ہی تھے، سب ہی ان سے اپنائیت سے لے تھے۔

اسد کی بہن نگہت تو مشعال سے بہت فرینک ہو گئی تھی، مشعال بھی اس سے خوش دلی سے بات کر رہی تھی۔

مہندی کا فنکشن شروع ہو چکا تھا۔

ضوریز اس وقت وائیٹ شلوار قمیض پر لائیٹ گرین ویسٹ کوٹ پہنے، گولڈن بالوں کو جیل سے سیٹ کیے اسد کے ساتھ کھڑا، بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

جبکہ مشعال اورنج اور ریڈ کلر کے لہنگے میں اسٹائل سے ڈوپٹہ سیٹ کیے، لائٹ میک اپ اور میچنگ جیولری پہنے بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

اسد کی کال آگئی تھی تو وہ ایسکیز کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

اب ضوریز اکیلا ہی کھڑا تھا۔

اسی وقت نگہت کو ڈھونڈتی ہوئی مشعال اپنا لہنگا سنبھالتی بے دھیانی میں وہاں آئی تھی۔

یار کہاں ہو نگہت مجھے یہ گجرے پہننے نہیں آتے، وہ ارد گرد دیکھتی بڑبڑائی تھی۔

جبکہ اسے دیکھ کر ضوریز کی نظریں وہیں تھم سی گئی تھیں، وہ بے خود سا ہوتا وہ اس کے قریب آیا تھا، اس کی قسمت اسے اس کی منزل کے قریب لارہی تھی اور وہ اس بات سے بے خبر تھا۔

"زلیخا کے عشق نے _____ یہ راز کھولا ہے"

"صنم حسیں ہو تو نیت بدل ہی جاتی ہے"

دوسری طرف اسے دیکھ کر مشعال کے دل کی دھڑکیں بھی تیز ہوئی تھیں۔

مشعال، ضوریز نے کھوئے کھوئے سے انداز میں اسے پکارا تھا۔

جج جی، وہ جو واپس پلٹنے کا ارادہ رکھتی تھی اسکی آواز پر رک گئی تھی۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو، ضوریز گھمبیر لہجے میں بولتا دلکشی سے مسکرایا تھا۔

اسکے تعریف کرنے پر مشعال کے لبوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ در آئی تھی۔

تھینکس، وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

سب فنکشن میں مصروف تھے اسلیے لان کے اس حصے میں سناٹا ہی تھا۔

ضوریز نے اچانک اپنے اور اسکے بیچ کا فاصلہ کم کیا تھا، اور اسکے ہاتھ سے گجرے یلے تھے اور اسکا ہاتھ تھامے اندر کی جانب بڑھا تھا۔

یہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو ضوریز؟ مشعال نے پوچھا تھا۔

جبکہ ضوریز نے کوئی جواب نا دیا تھا اور اسکے ہاتھ پر گرفت مضبوط کردی تھی۔

اسکے پرحدت لمس پر مشعال کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا جبکہ وہ اسے روک بھی نا پا رہی تھی اور اسکے ساتھ کھینچی چلی جا رہی تھی۔

ضوریز نے اسے اس کمرے میں لا کر دروازہ بند کیا تھا جہاں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔

اسکے تیور دیکھ مشعال کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

تت تم نے یہ ڈور کیوں لاک کیا ہے، وہ کپکپاتے ہونٹوں سے بولی تھی۔

ششش، کہتے ہوئے ہی، ضوریز نے اسے کھینچ کر باہنوں میں بھرا تھا۔

مشعال کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اسکے سینے سے آگئی تھی۔

ضوریز پلینز، اسکے اس قدام پر مشعال کی حالت غیر ہوئی تھی، وہ گھبرا کر آنکھیں موند گئی تھی، اسکا دل بہت تیز دھڑک رہا تھا، ناجانے وہ اب کیا کرنے والا تھا۔

اگلے ہی پل ضرور نے اس کے بالوں میں وہ گجرے لگادیے تھے اور اس کا رخ سامنے کی جانب کرتے ہوئے اسے آئینے کے سامنے کھڑا کیا تھا۔

پرفیکٹ، وہ آئینے میں اپنا اور اس کا عکس دیکھتے ہوئے ایک ادا سے بولتا ہوا مسکرایا تھا۔

مشعال نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

سامنے ہی آئینے میں ایک بے حد مکمل منظر تھا۔

وہ ضرور کے ساتھ کھڑی تھی، جبکہ ضرور کے پیچھے کھڑا اس کے گرد بانہوں کا حصار باندھے ہوئے تھا۔

مشعال کھل کے مسکرائی تھی۔

اب لگ رہی ہونا میری جھانسی کی رانی، وہ اسکے کندھے پر تھوڑی ٹکاتا شرارتی انداز میں بولا
تو مشعال نے اسے گھورا تھا اور کھکھلا کر ہنس دی تھی۔

ضوریز اسکی مترنم سی ہنسی میں کھو سا گیا تھا، اسے اپنی دھڑکنیں تھمتی ہوئی محسوس ہوئی
تھیں۔

اس وقت اسے سب بھولا تھا، سب دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

عشق کا وار تھا ہی اتنا کاری، وہ لمبا چوڑا مرد، وہ مغرور شہزادہ چاروں شانے چت ہوا تھا۔

"تجھ سے ملا نہیں مگر چاہتا ہوں میں"

"تو ہمسفر ہو اور کہیں کا سفر نہ ہو"

تو پھر عشق نے اپنا جادو چلا ہی دیا تھا، اب بس اقرار کی دیری تھی کیونکہ بے شک اللہ پاک نے نکاح کے اس مضبوط رشتے میں اتنی طاقت رکھی تھی کہ وہ اپنا آپ منوا چکا تھا۔

ضوریز خان کو بھی عشق کی مار پڑ چکی تھی۔

کبھی کبھی بڑے سے بڑا سانحہ عام سا ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی محض کچھ ہی لمحوں میں قسمت بدل دیتا ہے۔

یہ وہی لمحہ تھا جب اس رب کے اشارے پر عشق نے ضوریز خان آفریدی اور مشعال خان آفریدی کے رشتے کو امر کر دیا تھا۔

جب ہی تو اسی لمحے قسمت نے بھی مسکرا کر کہا تھا۔

"عشق سجان اسلا"

عانیہ آج "خان پیلیس" میں ہی رک گئی تھی اور اب بے چینی سے اسکا انتظار کر رہی تھی۔

صائم رات 12 بجے واپس آیا تھا۔

صائم کیا ہوا، تم نے پروف اکٹھے کر لیے؟ وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی۔وی دیکھ رہی تھی اور اسے دیکھتے ہی اس کی جانب آئی تھی۔

صائم اس کی بے قراری دیکھ کر ہنس دیا تھا۔

تم دنگ رہ جاؤ گی عانیہ میں آج ایسے ثبوت لے کر آیا ہوں نا کہ سب سیٹ ہو جائیگا اب،
وہ جیکٹ اتار کر ایک سائیڈ رکھتا ہوا بولا تھا۔

مطلب تم نے جو سوچا تھا وہ سہی ہے؟ عانیہ نے اس سے سوال کیا تھا۔

صائم نے صوفے پر بیٹھتے ہو ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔

وہ اس وقت پنک اور بلیک کنٹراسٹ کے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھی جو کے اسکی گوری
رنگت پر خوب اٹھ رہا تھا۔

اس نے بالوں کا میسی جوڑہ بنایا ہوا تھا جس کی لٹیں اسکے صبح چہرے پر آرہی تھیں۔

صائم کی نظریں اسکے چہرے سے پلٹنے سے انکاری ہوئی تھیں۔

جبکہ عانیہ اسکی نظروں کی تپش سے اپنا چہرہ جلتا ہوا محسوس کر رہی تھی، اسکی گھنیری پلکھیں عارضوں پر لرزی تھیں۔

صائم کھانے کھاؤ گے؟ اسکا دھیان خود پر سے ہٹانے کو اس نے جلدی سے سوال کیا تھا۔

صائم اسکی اس حرکت پر ہنستا چلا گیا تھا۔

میری نظریں سہنے کی تاب تو تم میں ہے نہیں صائم کی جان، کبھی جو میں نے اپنی چاہتوں کی بارش تم پر برسادی تو کیا کروگی؟ گھمبیر لہجے میں بولتا وہ اٹھ کر اسکے قریب آیا تھا۔

عانیہ کا دل پھسلایا توڑ کر باہر آنے کو تھا۔

صائم پلیر، عانیہ نے بامشکل یہ لفظ ادا کیے تھے۔

اسی وقت صائم نے اسے ایک جھٹکے سے کھینچ کر خود سے قریب کیا تھا۔

صائم کوئی آجائیگا پلیر مجھے چھوڑو، وہ اسکی قربت میں پگھلنے لگی تھی۔

چھوڑ دوںگا، اتنی بھی کیا جلدی ہے، صائم اسکے بالوں کی لٹیں کان کے نیچے اڑستا مخمور لہجے میں بولا تھا۔

عانیہ شرم سے لال ہوئی تھی۔

پلوشہ ممانی، عانیہ نے گھبرا کر کہا تو صائم نے جھٹ سے اسے چھوڑا تھا۔

جبکہ لگے ہی پل عانیہ کے کھلکھلا کر ہنسنے پر اسے عانیہ کی شرارت سمجھ آئی تھی۔

عانیہ کہ بچی، بچ کے کہاں جاؤگی، آنا تو تمہیں میرے پاس ہی ہے، وہ مسکرا کر کہتا آگے آیا تھا۔

اس میں ابھی بہت وقت پڑا ہے صائم خان، فلحال تم فریش ہو کر کچن میں آجاؤ میں تمہارے لیے کھانا گرم کرتی ہوں، وہ اسے چڑانے کو کہتی ہوئی جھٹ سے کچن کی طرف بھاگ گئی تھی۔

ظالم لڑکی، صائم مسکرا کر بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہ گیا تھا۔

زائر کے ساتھ وہ اس وقت کینیڈا کی سب مشہور جگہ، "نیاگرہ فال" دیکھنے آئی تھی۔

جگمگاتی لائٹس کی روشنی میں صاف و شفاف پانی کے جھرنے کا یہ نظارہ بے حد خوبصورت تھا۔

شام کے وقت بھی یہاں لاکھوں لوگوں کا ہجوم تھا جو دور دور سے یہ حسین و قدرتی نظارہ دیکھنے آئے تھے۔

زائر کے ہمراہ زروا اس وقت ہجوم سے کچھ ہٹ کے کھڑی پرشوق نگاہوں سے وہ منظر دیکھ رہی تھی۔

انکے سامنے ہی نیاگرہ فال کا وہ بے حد حسین منظر تھا۔

تمہیں معلوم ہے یہ، "نیاگرا فال" کینیڈا و امریکا کی مشہور اور دنیا بھر میں مقبول آبشار ہے، زائر نے اس کے قریب آتے ہوئے اسکی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

زروا دلچسپی سے اسے سن رہی تھی۔

کہتے ہیں کینیڈا کی سرحد کے ساتھ واقع یہ آبشار صرف 167 فٹ بلند ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ کینیڈا والا حصہ زیادہ خوبصورت ہے، زائر اسے مزید باتیں بتا رہا تھا مگر زروا تو صرف ان لمحوں کو محسوس کرنے میں لگن تھی۔

بلیک جینس پر بلیک ہی شرٹ اور بلیک ہی لانگ کوٹ پہنے، بلیک گلاسز سے آنکھیں کور کیے اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ، وہ سیدھا اسکے دل میں اتر رہا تھا، زروا کی نظریں اس ساحر پر ہی تھیں، بلاشبہ ایک وجیہ مرد تھا۔

اسکے بے حد قریب کھڑا زائر نا جانے کیوں اسے آج بے حد اپنا اپنا سا لگ رہا تھا۔

اے کاش تم میرے ہوتے، اس کے دل نے بے اختیار ہی یہ دعا مانگی تھی، اور قبولیت کا لمحہ اسکی معصوم دعا پر آمین کہہ کر گزر گیا تھا۔

چاہے جن بھی حالات میں انکی شادی ہوئی مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ شاندار شخص اسکا ہے، یہ سوچ کر اسے اپنی قسمت پر رشک سا محسوس ہوا تھا۔

وہ زروا خان آفریدی زائر خان آفریدی سے بے پناہ محبت کرتی ہے اب سے نہیں بلکہ اس وقت سے جب وہ اس لفظ کے مفہوم سے بھی نا آشنا تھی، آج اسکے دل نے یہ اعتراف کرنے میں لمحہ بھی نا لگایا تھا۔

نفرت تو اسے کبھی زائر سے تھی ہی نہیں، وہ تو ہر اک سے محبت کرنے والی ایک نرم
دل لڑکی تھی، تو پھر بھلا وہ اپنے دل میں بسنے والے اس ستمگر سے کیسے نفرت کرپاتی؟
غصہ بھی اسے اس کے انداز پر آتا تھا۔

لیکن آج دل کی اس بے ایمانی پر زروا حیران رہ گئی تھی، جو صرف زائر کا تمنائی تھا۔

وہ میرے محرم ہیں، اور ان سے محبت کرنے میں مجھے کوئی شرم نہیں، سوچنے کے ساتھ
ہی ایک دم سے زروا کا دل پرسکون ہوا تھا، زائر کے ہمراہی میں اب اسے یہ شام اور بھی
حسین محسوس ہونے لگی تھی۔

اس خوبصورت جگہ پر گزری یہ شام انکی زندگی کی یادگار شاموں میں سے ایک ہونے والی
تھی۔

کہاں کھو گئی میڈم؟ زائر نے اسے سوچوں میں ڈوبے دیکھ اسکا شانہ ہلایا تھا۔

آں ہاں کچھ نہیں، زروا ایک دم سے ہوش میں آئی تھی۔

اسی پل زروا کی نظریں اپنے اس مغرور شہزادے سے ملی تھیں۔

ریڈ کلر کے ٹراؤزر شرٹ میں اسکن کلر کا فری کوٹ پہنے بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے
وہ اپنی تمام تر سادگی کے ساتھ زائر خان کے جذبات میں ہلچل مچا گئی تھی۔

"صرف تمہیں یہ کمال حاصل ہے"

"وقت بے وقت اچھی لگتی ہو"

نہیں زروا خان تم میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، دور رہو مجھ سے، مت کھیلو آگ

سے، جل جاؤگی، میری نفرت کی تاب نہیں لاسکوگی، بکھر جاؤگی تم زروا خان، زائر کا دل

اسے دغا دینے کو تھا مگر وہ دل سے نگاہ پھیر گیا تھا۔

نیاگرہ فال آبشار سے پانی اونچائی تک جا کر نیچے آ رہا تھا اور یہ منظر دیکھنے لائق تھا مگر وہ دونوں نفوس ایک دوسرے میں اس قدر کھو گئے تھے کہ یہ منظر بھی انہیں اپنی جانب متوجہ نہ کر پا رہا تھا۔

زائر کے موبائل کے وائبرٹ کرنے پر سحر کن گھڑیاں رخصت ہوئی تھیں۔

تم جب تک چاہو یہاں رک سکتی ہو، میں وہاں سامنے ہی کھڑا ہوں، وہ اس ایسکیز کر کے کال رسیو کرتا دوسری جانب بڑھ گیا تھا۔

جبکہ زروا وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

میں جانتی ہوں تم میری وجہ سے اس قدر پتھر ہو گئے ہو خان، تائی جان بالکل ٹھیک کہتی ہیں، تم دل کے برے نہیں ہو، بس حالات نے تمہیں اس قدر بے حس بنادیا ہے، میں زروا زائر خان آج اپنے آپ سے ایک وعدہ کرتی ہوں، میں اپنے پارٹنر کو پھر سے مسکرانا سیکھا کر رہونگی، تم مجھ سے نفرت کرتے ہونا خان؟ میں جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ جو کیا وہ غلط تھا، مگر میں اب اپنی غلطی سدھارونگی، زروا زائر خان تمہیں محبت کرنا سیکھائیگی زائر خان آفریدی، ایک عزم کے ساتھ وہ زائر کی جانب بڑھی تھی۔

قسمت اب محبت کے ہمراہ کھڑی تھی اس خوبصورت کہانی میں ایک حسین موڑ آنے کو تھا۔

سہی کہتے ہیں محبت ہونے میں تو لمحہ لگتا ہے، مگر کسی کو اپنی محبت کا یقین دلانے میں صدیاں گزر جاتی ہیں۔

مگر ایک نا ایک دن محبت اپنا آپ منوا کر رہتی ہے۔

"ایک تم اور ایک محبت تمہاری"

"بس ان دو لفظوں میں سمٹی ہے دنیا ہماری"

کھانے کھانے کے بعد صائم نے اپنے موبائل سے میموری کارڈ نکال کر عانیہ کو دیا تھا۔

میرے موبائل کی بیٹری لو ہے، لو اسے پلے کرو، صائم نے عانیہ سے کہا تو اس نے جھٹ سے وہ کارڈ لیا تھا۔

اولو، صائم یہ تو پھنس گیا، عانیہ گھبرا کر بولی تھی۔

واٹ؟ عانیہ تم اتنی لاپرواہ کیسے ہو سکتی ہو یو اسٹوپڈ، یہ کیا کر دیا تم نے، وہ تقریباً چلا کر بولا تھا۔

صدا کے نرم مزاج اور سلجھے ہوئے سے صائم کو غصے میں دیکھ کر عانیہ کی بولتی بند ہوئی تھی۔

مم میں نے جان بوجھ کر تو نہیں کیا صائم، عانیہ نے صفائی پیش کی تھی۔

او جسٹ شٹ اپ، تم جانتی بھی ہو یہ کتنا اہم ثبوت تھا، سب برباد ہو گیا، اتنی مشکل سے میں نے ان لوگوں کو ڈرنک پر ڈرنک پلا کر ان سے نئے کی حالت میں یہ سب اگلویا تھا، اور تم نے سب ویسٹ کر دیا، وہ غصے میں ٹیبل پر ہاتھ مارتا ہوا طیش کے عالم میں بولا تھا۔

Classic Urdu Material

عانیہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تھے جبکہ صائم بنا اسکی جانب دیکھے وہاں سے نکلتا
چلا گیا تھا۔

جبکہ اسکے جانے کے بعد عانیہ روتی ہوئی اپنے روم میں چلی گئی تھی۔



اردو میٹریل
Classic Urdu Material

کچھ ہی دیر پہلے زائر اسے ہوٹل میں چھوڑ کر خود جانے کہاں چلا گیا تھا۔

زروا جو کے بور ہو رہی تھی کچھ سوچ کر روم سے باہر آئی تھی اور ہوٹل سے نکل کر سڑک کے کنارے ہی واک کے ارادے سے چلنے لگی تھی۔

اسکا ارادہ کچھ دیر گھوم کر واپس جانے کا تھا۔

وہ پرشوق نگاہوں سے اس خوبصورت شہر کو دیکھتی چلتی جا رہی تھی، بے دھیانی میں چلتی چلتی وہ ہوٹل سے کافی دور نکل آئی تھی۔

اولو، یہ میں کہاں آگئی، زروا نے چونک کر ارد گرد نگاہ دواری تھی۔

وہ ہوٹل والے روڈ سے کافی دور آگئی تھی یہ سڑک کافی سنسان تھی۔

یا اللہ میں اب واپس کیسے جاؤنگی، مجھے تو راستہ بھی نہیں معلوم، زائر تو مجھے جان سے
ماردینگے، زروا نے فکر مندی سے سوچا تھا۔

اوکاڑیہ تو بہت ویران ایریا ہے، میں کسی سے ہیلپ بھی نہیں لے سکتی، مدد کے لیے
یہاں وہاں دیکھتی زروا کو مایوسی ہوئی تھی۔

ہے بیوٹی فل، مے آئی ہیلپ یو؟ انگریزی لب و لہجے پر زروا کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔

سامنے ہی 3 سیاہ فارم کھڑے تھے جو کہ انتہائی غلیظ اور للچائی نظروں سے زروا کو گھور
رہے تھے۔

یا اللہ اب یہ کیا مصیبت ہے، اس نے دل میں سوچا تھا، ان سیاہ فارم آدمیوں کے دیکھنے کے انداز سے ہی زروا کو خوف محسوس ہونے لگا تھا، وہ بنا انہیں جواب دیے تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگی تھی۔

ہے یو اسٹاپ، ایک سیاہ فارم جو کے کافی قدآور اور مضبوط جسامت کا مالک تھا، اسکے پیچھے دواڑا تھا۔

یا اللہ یہ جانے کون لوگ ہیں، مگر جو بھی ہیں، مجھے انکے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے، میری مدد کے لیے کسی کو بھیج دے مالک، زروا کو اپنے ارد گرد خطرے کا الارم بجتا محسوس ہوا تھا اس نے دل ہی دل میں اپنے رب سے اپنی ناموس کی حفاظت کی دعا مانگی تھی۔

یہ خوبصورت شہر اب اسے بے حد بھیانک محسوس ہو رہا تھا۔

رات کی تاریکی، پرایا ملک اجنبی شہر اس پر متضاد وہ اکیلی لڑکی، اس کا دل بری طرح کانپ رہا تھا۔

وہ 3 مرد یقیناً اسے لمحوں میں قابو کر سکتے تھے اسی سوچ نے زروا کے وجود میں پھرتی سی بھردی تھی۔

اب وہ اندھا دھند سڑک پر بھاگ رہی تھی۔

وہ سب اس وقت ڈائینگ ٹیبل پر موجود تھے سوائے عانیہ کے، وہ رات کو "خان پیلیس" میں ہی کی تھی۔

ارے یہ عانیہ بیٹی کہاں ہے بھئی وہ کیوں نہیں آئی ناشتے کے لیے؟ مراد خان نے نگین بیگم سے سوال کیا تھا۔

انکی بات پر سوچوں میں غلطاں صائم نے چونک کر سرائٹھایا تھا۔

تو کیا وہ میری وجہ سے نہیں آئی؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

میں بھی یہی سوچ رہی تھی، ریکے میں دیکھ کر آتی ہوں، نگین بیگم نے کھڑی ہوتے ہوئے مراد خان کو جواب دیا تھا۔

ریکے چچی جان، میرا ناشتہ ہوچکا، میں اپنے روم سے موبائل لینے جا رہا ہوں، میں دیکھ آؤں گا اسے، صائم نے کچھ سوچتے ہوئے آہستہ سے کہا تھا۔

پلوشہ بیگم نے چونک کر بیٹے کی جانب دیکھا تھا۔

جس کی جھکی ہوئی آنکھیں انہیں کچھ اور ہی احساس دلا رہی تھی۔

ٹھیک ہے صائم تم دیکھ آؤ، پلوشہ بیگم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو صائم اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

صائم نے روم ناک کیا تو وہ ہاتھ لگتے ہی کھل گیا تھا۔

صائم کچھ سوچ کر اندر چلا گیا تھا۔

پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، صائم نے بورڈ پر ہاتھ مار کر لائٹس آن کی تھیں۔

سارا کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا۔

سامنے ہی عانیہ بیڈ پر پرسکون سے انداز میں سو رہی تھی۔

اسے دیکھ کر ایک مسکراہٹ صائم کے لبوں پر آئی تھی۔

میری معصوم گڑیا، اس نے زیر لب اسے مخاطب کیا تھا۔

اب وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا اسکے قریب پہنچا تھا۔

عانیہ بیڈ کے سائیڈ پر آڑھی لیٹی ہوئی تھی، بال ایک سائیڈ سے اسکا چہرہ ڈھانپے ہوئے تھے۔

اسکے خوبصورت چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان تھے، جب کے دونوں ہاتھ پہلوں میں گرائے سوتی ہوئی وہ واقع ہی معصوم سی گریا ہی لگ رہی تھی۔

صائم کو ایک پل کو اپنے رات والے رویے پر پچھتاوا ہوا تھا۔

عانیہ اٹھو، اس نے بولے ہوئے نرمی سے عانیہ کے بالوں میں اپنی انگلیاں چلائی تھیں۔

عانیہ اسکے پرحدت لمس پر کسمائی تھی۔

لگے ہی پل وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

آپ، عانیہ اسے دیکھ کر رات کی بات سوچتے ہوئے خوفزدہ سی ہوتی فورن بیڈ سے اتری تھی۔

جبکہ صائم دلچسپی سے اسکا یہ سہما ہوا روپ دیکھ رہا تھا۔

آئی ایم سس سوری صائم پلیز مجھ پر غصہ مت ہونا، وہ اسے سنجیدہ دیکھ ڈرتی ڈرتی بولی تھی۔

عانیہ تم نے جو کیا ہے میں اسکے لیے تمہیں اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گا بلکہ، صائم سنجیدگی سے بوٹے بوٹے اک پل کو رکا تھا۔

بلکہ کیا صائم؟ عانیہ روہانسی ہو رہی تھی۔

بلکہ سزا دوں گا، وہ دلکشی سے بولتا اسکے قریب آیا تھا۔

وہ سہمی ہوئی سی بیڈ کے قریب ہی کھڑی تھی۔

کک کیسی سزا، عانیہ اسکی لودیتی نظروں سے کان کی لوہوں سرخ ہوئی تھی۔

صائم نے اسکی کمر کے گرد بازوؤں حائل کرتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا تھا۔

اسکی اس حرکت پر عانیہ کی جان ہوا ہوئی تھی جبکہ دل الگ ڈر رہا تھا، جانے وہ اسے کونسی سزا دینے والا تھا۔

تمہارے جرم کی طرح تمہاری سزا بھی بہت بڑی ہے، وہ اسکے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا تھا۔

آنسو عانیہ کی آنکھ سے نکلنے کو بے تاب ہوئے تھے۔

صائم نے غور سے اسکی نم ہوتی آنکھیں دیکھی تھیں۔

تم نے صائم خان آفریدی، کا دل چرانے کا جرم سرانجام دیا ہے عانیہ ڈارلنگ، صائم خان آفریدی تمہیں زندگی بھر اپنی پیار بھری میں رکھنے کا فیصلہ کرچکا ہے، وہ مسکرا کر کہتا اسے حیرت میں مبتلا کرگیا تھا۔

کب سے رکا ہوا آنسو بہہ گیا تھا جبکہ عانیہ کے لب مسکرائے تھے۔

نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اس معصوم حسینہ کو دیکھ کر، اک پل کو تو صائم مہبوت رہ گیا تھا۔

تم نے میری جان نکال دی تھی صائم، تمہیں پتہ ہے میں کتنا ڈر گئی تھی، وہ اب اس سے شکوہ کر رہی تھی۔

اسکی بات پر صائم ہنس دیا تھا۔

کیا ہے؟ عانیہ نے اسے تیکھے چتونوں سے گھورا تھا۔

میں سوچ رہا ہوں روز تمہیں ایسے ڈانٹا کروں تاکہ تم یوں ہی میری باہنوں میں آؤ، وہ اسکی طرف دیکھتا شرارتی انداز میں گویا ہوا تھا۔

عانیہ کو شدت سے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تھا، وہ سرعت سے اسکے حصار توڑتی اس سے دور ہوئی تھی۔

آپ بہت بدتمیز ہیں، وہ خفت سے سرخ پرستا چہرہ لیے رخ موڑ گئی تھی۔

"کبھی ٹوٹ نہ جائے میرے دل سے سانسوں کا رشتہ"

"پل بھر کے لئے بھی تم مجھ سے روٹھا نہ کرو"

صائم دلکشی سے شعر پڑھتا اسکے قریب آیا تھا۔

عانیہ کا دل بے حد زور سے دھڑکا تھا وہ بے ساختہ ہی پیچھے ہٹی تھی، اسکے انداز پر صائم کا
قہقہہ جاندار تھا۔

بات مت کیجئے گا مجھ سے، وہ چڑ کر بولی تھی۔

پہلے یہ تو سوچ لو تمہیں مجھے کہنا کیا ہے؟ تم یا آپ؟ وہ اسکے دلکش سراپے کو نظروں کے
حصار میں لیے معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

عانیہ نے دانتوں تلے زبان دبائی تھی۔

غصے میں آپ اور ویلے تم، عانیہ معصومیت سے بولی تھی۔

صائم اسکی منطق پر عیش عیش کراٹھا تھا۔

عانیہ اسے دیکھ کر ہنس دی تھی۔

آئی ایم سوری مجھے رات کو زیادہ ہی غصہ آگیا تھا، صائم شرمندگی سے بولا تھا۔

عانیہ خان آفریدی، کو ایک بار پھر سے اپنی پسند پر فخر ہوا تھا۔

سامنے کھڑا شخص بلاشبہ محبتوں کو نبھانے میں بے مثال تھا، اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی اس سے معافی مانگنے چلا آیا تھا۔

اوروں کی طرح اس نے اس بات کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا، یہی بات اسے دوسروں سے مختلف بناتی تھی۔

عانیہ خان آپکو معاف کرتی ہے، عانیہ مسکراتے ہوئے شرارتی انداز میں بولی تو صائم بھی ہنس دیا تھا۔

بے شک معاف کردینے اور غلطی مان لینے سے کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہو جاتا، بلکہ اس سے تو رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔

اب یہ آپ پر ہے کہ آپ ظرف بڑا کرتے ہیں یا نہیں۔

زروا سرپٹ دوڑتی ایک سمت بھاگ رہی تھی۔

جبکہ وہ حیوان اسکے پیچھے ہی دوڑ رہے تھے۔

لمحہ بالمحہ زروا کو مصیبت اپنے قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔

ایک خوف سا اسے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔

اسٹاپ یونچ، ایک سیاہ فارم جاہلانہ انداز، میں چیخا تھا۔

یا اللہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے زروا کا پاؤں مڑا تھا وہ وہی بیٹھتی چلی گئی تھی۔

لگے ہی محو وہ تینوں اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔

بھاگ کر کہاں جاؤگی لڑکی، ایک سیاہ فارم انگریزی میں ہی بھونڈے سے انداز میں بولا تھا۔

دیکھیے مم میں نے آپکا کیا بگاڑا ہے پلیز مجھے جانے دو، زروا نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

اسکی آنکھوں میں خوف کی لکیر تھی۔

اتنی بھی کیا جلدی ہے، ایک سیاہ فارم ہنستا ہوا اسکی جانب بڑھا تھا اور اسکی کلائی تھام کر اسے گھسیٹنے کے انداز میں چلنے لگا تھا۔

پلیز مجھے چھوڑو، وہ چلائی تھی۔

ہے آج تو ایشین بیوٹی کے ساتھ رات گزر گئی ڈیٹس آمیزنگ، وہ سب انگریزی میں بات کر رہے تھے۔

وہ اسے کھینچتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا، اسکے ساتھ بھی اسکے ساتھ ہی تھے، زروا کی جان نکلنے کو تھی۔

گھٹیا نیچ انسان، تمہیں خدا کی مار پڑے، وہ مسلسل خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں چلا رہی تھی۔

یا اللہ میں نے ایسا کونسا گناہ کر دیا جو یوں اس انجان ملک میں میرے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے، میں خود کو کیسے ان سے بچاؤں، زروا نے روتے ہوئے سوچا تھا۔

ہیلپ می، کوئی ہے یہاں تو مجھے بچاؤ پلیز ہیلپ می، وہ روتی ہوئی مدد کو چلا رہی تھی۔

وہ سیاہ فارم اسے لے کر ایک گاڑی کے پاس آیا تھا۔

زلیل انسان چھوڑو مجھے، میں تمہیں جان سے مار دوں گی، زروا غصے سے چلائی تھی۔

اسکی بات تو وہ کیا سمجھتے مگر اسے روتے دیکھ وہ تینوں ہنسنے لگے تھے۔

زروا نے خود کو چھڑانے کو اپنے ناخن اسکے ہاتھ پر گرھائے تھے۔

ہے یو، وہ سیاہ فارم بلبلا اٹھا تھا۔

اس نے ایک جھٹکے سے زروا کی چادر کھینچی تھی۔

لگے ہی پل ایک زور دار کک اسکی پشت پر پڑی تھی وہ لڑکھڑاتا ہوا کافی دور جا گرا تھا۔

یو باسٹرڈز، ہاؤڈیئر یو ٹیچ مائی وائف، آئی دل کل یو، وہ حلق کے بل غرایا تھا۔

وہ دونوں آدمی اس غصے میں بھرے باڈی بلڈر کو دیکھ کر ڈرتے ہوئے اپنے ساتھی کی طرف دوڑے تھے۔

زائر نے آگے بڑھ کر بے جان ہوتی زروا کو باہنوں میں بھرا تھا۔

خان، زروا نے بے یقینی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

زائر نے متاع جان کی طرح اسے بھیج کر سینے سے لگایا تھا۔

"محبوتوں میں بھی انداز مختلف ہے میرا

میں جس کو چاہتا ہوں اُس پہ حق بھی جتا تا ہوں"

زروا سسک اٹھی تھی۔

تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کبھی خود کو معاف نہ کر پاتا، وہ سرگوشی کے انداز میں بولتا اس سے دور ہوا تھا۔

زروا بے یقینی سے اسکی جانب دیکھ رہی تھی، جبکہ اسکی ڈھلکی ہوئی شال دیکھ کر مارے غصے کے زائر کی رگیں تن گئی تھیں۔

اس نے اپنی لانگ کوٹ اتار کر زروا کو پہنایا تھا۔

خان یہ لوگ مم میرے ساتھ، مم مجھے تنگ، وہ روتی ہوئی فقط اتنا ہی بول سکی تھی۔

اسکی ادھوری بات کا مطلب سمجھتے ہی زائر کا خون خول اٹھا تھا، جبکہ عنابی لب ایک دوسرے میں پیوست تھے۔

سختی سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ اسے لے کر ایک سائیڈ ہوا تھا۔

ان لوگوں نے اسکی زروا کو چھونے کی کوشش کی تھی، یہ سوچ ہی اسکا خون خولانے کو کافی تھی۔

لسن، تم یہاں سے ایک انچ بھی نہیں بلوگی ورنہ مجھ سے برا کوئی نا ہوگا، وہ اسے ایک طرف کھڑا کر کے انتہائی غصیلے لہجے میں بولا تھا۔

زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اسی وقت ایک آدمی نے پیچھے سے زائر پر وار کیا تھا۔

خان بچو، زروا چیخی تھی۔

زائر نے سرعت سے اسے ایک طرف کرتے ہوئے اس سیاہ فارم کو کک رسید کی تھی۔

جبکہ دوسرے کو بھی پیچ مارا تھا۔

زروا کی آنکھوں میں اب خوف سا تھا۔

یا اللہ یہ تین ہیں، خان کیسے انکا مقابلہ کرینگے، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

اسی وقت باقی دو سیاہ فارم اسکی جانب آئے تھے۔

زائر نے دونوں کو پیچ رسید کیا تو وہ لڑکھڑاتے ہوئے زمین بوس ہوئے تھے۔

زائر اکیلا ہی ان سب پر بھاری تھا۔

باس یہ کیا چیز ہے، آدمی ہے یا لوہا، اس پر تو کچھ اثر ہی نہیں کر رہا، ایک آدمی نے

اپنے ساتھی سے کہا تھا۔

کمینوں میں چیز نہیں تمہاری موت ہوں، جسے تم نے خود دعوت دی ہے، زائرِ خونخوار لہجے
میں انگریزی میں ہی بولتا ہوا دھاڑا تھا۔

زائرِ خان نے کہتے ہوئے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر زور سے مڑوڑا تھا۔

کڑاک کی آواز کے ساتھ اسکی ہولناک چیخ فضا میں گونجی تھی۔

وہ آواز اس آدمی کے ہاتھ کے ٹوٹنے کی تھی۔

یہ انجام ہے میری بیوی کو چھونے کی کوشش کرنے کا، انگلی اٹھا کر بولتا وہ سفاکیت کی
حدود پر تھا۔

زروا نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

خان یہ، پلیز چھوڑو اسے چلو یہاں سے، وہ رو دینے کو تھی۔

زائر نے ایک سرد نگاہ زروا پر ڈالی تو وہ چپ ہو گئی تھی۔

اسی وقت باقی دو آدمی اٹھ کر خوف سے بھاگ گئے تھے۔

زائر زمین پر گرے اس آدمی کو ٹھوکر مارتے ہوئے زروا کی جانب بڑھا تھا۔

تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہوٹل سے باہر نکلنے کی؟ وہ برف سے سرد لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

وہ مم میں، زروا کی جان ہوا ہوئی تھی۔

کیا میں میں؟ یو ایڈیٹ اسٹوڈنٹ گریڈ، عقل نام کی کوئی چیز ہے تمہارے پاس؟ اگر آج میں نا آتا تو جانتی ہو کیا ہو سکتا تھا؟ زائر گرجدار آواز میں چلایا تھا۔

زروا سہم کر رہ گئی تھی۔

لسن تمہیں کوئی فرق نا پڑتا ہو ان سب سے مگر تم میری بیوی ہو اور مجھے یہ بالکل بھی برداشت نہیں کے کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے، اسلیے آئندہ اپنے یہ فضول کے ایڈوینچرز سوچ سمجھ کر کرنا ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہونگی، وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتا انجانے میں ہی سہی، اس پر اپنا حق جتا گیا تھا۔

جی جی، زروا نے آہستہ سے کہا تھا۔

اب چلو یہاں سے، دانت بھیج کر بولتا وہ زروا کو سخت غصے میں لگا تھا۔

وہ اسکی تقلید میں چل پڑی تھی۔

وہ اپنے روم سے باہر آئی تو پورے گھر میں افراتفری کا سا عالم تھا۔

آج اسد کی بہن کی بارات تھی، سب ہی لوگ مصروف تھے۔

مشعال چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی لاؤنج کی جانب آئی تھی۔

جہاں اسد کی خالہ اور ماما کچھ خواتین کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

ارے یہاں آؤ مشعال وہاں کیوں کھڑی ہو، ادھر آؤ بیٹا، مشعال کو دیکھتے ہی اسد کی ماما نے پیار سے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔

مشعال نے اندر آتے ہوئے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

وعلیکم اسلام، یہ کون ہے فرخندہ؟ (اسد کی ماما) ایک عورت نے مشعال کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

مشعال متناسب چال چلتی آگے پاس ہی آکر بیٹھ گئی تھی۔

اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتیں نگمت وہاں آئی تھی۔

ماما میری فراک کے میچنگ جیولری والا بکس نہیں مل رہا پلیز ڈھونڈ دیں، وہ ہڑبڑائی ہوئی سی بولی تھی۔

فرخندہ بیگم اسکے ساتھ چلی گئی تھیں۔

ہاں تو مشعال بیٹا، آپ کیا کرتی ہیں؟ اس عورت نے مشعال کو دیکھتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

میں اسٹڈیز کر رہی ہوں، اس نے جھجکتے ہوئے جواب دیا تھا۔

اچھا اچھا، آگے کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے مزید پوچھا تھا۔

جانے کیوں مشعال کو اب انکے پوچھنے کے انداز سے جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔

فلحال تو میں نے کچھ سوچا نہیں ہے آنٹی، مشعال نے کمال ضبط سے تمیزادرانہ انداز میں جواب دیا تھا۔

ارے مستی آپ چلیے نامیرے ساتھ، ہم سب اپنی تیاری کر رہے ہیں آپ بھی آجائیے، نگہت اسے بلانے آئی تھی۔

مشعال نے جان جھٹ جانے پر شکر کا کلمہ پڑھا تھا اور ان سے ایسکیز کرتی اٹھ کھڑی ہو گئی تھی۔

صبح سے ضوریز اسد کے ساتھ ہی تھا جبکہ مشعال نگہت اور اسکی کزنز کے ساتھ تھی۔

یہ شام 5 بجے کا وقت تھا، سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

صرف وہ ہی نمرہ کے روم میں تھی۔

مشعال پلیز تم ماما کو کہلوا دو کسی کو بھیج کر میرا ڈریس منگوا لیں، لوز تھا اسلیے فننگ کے
لے بھیجا تھا ابھی تک نہیں آیا، کچھ ہی دیر میں پارلر جانا ہے، نمرہ نے کہا تو مشعال
مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

میں کہہ دیتی ہوں آپ، وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

راہداری میں ہی اسے فرخندی بیگم مل گئی تھیں۔

ارے آنٹی آپ، میں آپ کے پاس ہی آرہی تھی، مشعال مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

کیا ہوا مشعال بیٹا؟ کوئی بات تھی؟ وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

جواباً مشعال نے انہیں نمرہ کا پیغام دیا تھا۔

ایک تو یہ بچیاں بھی نا، یہ کام بھی آخری وقت تک روکا ہوا ہے انہوں نے، اب کون جائیگا ٹیلر کے پاس، وہ لیڈی اتنی بدماغ ہیں، کسی کو ایسے دینگلی بھی نہیں کپڑے، وہ پریشانی سے بولی تھیں۔

ایسکیز می آئی، ایک خوش شکل نوجوان مسکراتا ہوا انکے قریب آیا تھا۔

فری آنٹی آپ اگر مائنڈ نا کریں تو میں لے آتا ہوں نمرہ اپنا کادریس، وہ لڑکا شائستگی سے بولا تو فرخندہ بیگم مسکرا دی تھیں۔

ارے منزل بیٹا یہ تو بہت اچھا ہو جائیگا، تم ایسا کرو مشعال کو ساتھ لے جاؤ، یہ ڈریس
چیک کر لے گی، وہ بول کر جلدی سے آگے بڑھ گئی تھیں۔

مشعال تنذیب کا شکار ہوئی تھی۔

مائی سیلف منزل، لینڈ وٹس پور نیم؟ اس نے دھیمے لہجے میں اپنا تعارف کرواتے ہوئے
آگے ہاتھ بڑھایا تھا۔

مسز مشعال ضوریز خان آفریدی، مائی وائف، ضوریز نے اسکا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر مصافحہ
کرتے ہوئے سرد لہجے میں اسے مشعال کا تعارف کروایا تھا۔

مشعال نے حیرانگی سے اسکے غصے میں بھرے انداز کو نوٹ کیا تھا۔

اواچھا، نائس ٹو میٹ یو، منزل خوش دلی سے بولا تھا۔

بٹ آئی کانٹ سے دز، ضوریز درشت سے انداز میں بولا تھا۔

مزل کی مسکراہٹ سمی تھی۔

چلو مشعال، ضوریز نے ایک جھٹکے سے اسکا ہاتھ تھاما تھا اور اسے لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔

یہ کیا بدتمیزی تھی ضوریز وہ آنٹی فرخندہ کے بھانجے ہیں، کیا سوچیکا وہ، مشعال کو اسکا حاکمانہ انداز ناگوار گزرا تھا۔

آئی ڈونٹ کیئر، وہ سپاٹ لہجے میں بولتا ہوا چلتا جا رہا تھا۔

یہ کہاں لے جا رہے ہو مجھے تم؟ وہ چلائی تھی۔

وہیں جہاں وہ ایڈیٹ لے جا رہا تھا، وہ اسکا ہاتھ تھا مے بیرونی گیٹ سے باہر نکلا تھا۔

مشعال اسکا یہ الوکھا روپ دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔

بیٹھو، ضرور نے اسے بانک کے قریب لا کر کھڑی کرتے ہوئے حکم دیا تھا۔

تو کیا اسے میرے ہونے سے فرق پڑتا ہے؟ اس کے دل نے خوش گمان ہوتے ہوئے سوچا تھا۔

میں نے کہا بیٹھو، اسے وہیں جھے دیکھ وہ چڑ کے بولا تھا۔

مشعال چپ چاپ بانک پر بیٹھ گئی تھی۔

ضویرز نے ہیلمنٹ پہنتے ہوئے بانک اسٹارٹ کی تھی، کچھ ہی لمحوں میں اسکی بانک ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔

پوری رات زروا سونا سکی تھی کوئی فجر کے وقت اسکی آنکھ لگی تھی۔

اسی لیے وہ لیٹ اٹھی تھی۔

وہ ٹھیک سے جاگی بھی نا تھی کے زائر کی طنزیہ آواز اسکے کانوں میں گونجی تھی۔

تمہیں جو کرنا تھا وہ تم کر چکی، مگر میں تمہیں اب مزید کوئی بے وقوفی نہیں کرنے دے سکتا، اسی لیے ہم آج ہی واپس جارہے ہیں، جلدی اٹھو اور ریڈی ہو جاؤ، تمہارے پاس صرف 15 منٹس ہیں، وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا تھا۔

کیسا بے حس تھا وہ شخص، اسکی انجانے میں کی گئی غلطی پر وہ اسے رات سے طنز کا نشانہ بنائے ہوئے تھا۔

زررا ہونٹ بھیج کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اور فریش ہونے چل دی تھی۔

سلی گرل، زائر نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

اسکن اور مہرون امتزاج کی خوبصورت شرٹ اور بیل باٹم کے ٹراؤزر میں نیٹ کا ڈوپیٹہ شانوں پر ڈالے بالوں کو کھلا چھوڑے لائٹ میک اپ اور زرقون کی جیولری پہنے مشعال بے حد حسین لگ رہی تھی۔

وہ اسوقت نگہت کے ساتھ انٹرنس پر کھڑی تھی، یہ کراچی کا ایک فیمس بینکوٹ تھا۔

آج نمبرہ کی بارات تھی۔

مشعال بھا بھی آپ تو بے حد خوبصورت لگ رہی ہیں، آج تو ضوریز بھائی کی خیر نہیں ہے، نگہت نے مشعال کو ضوریز کے حوالے سے چھیڑا تھا۔

مشعال پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

ارے آج تو خوب داد وصولنا بھی ان سے، گھائل ہو جائیں گے بیچارے، ایک اور کزن نے ٹکرا لگایا تھا۔

اب وہ اسے کیا بتاتی، اسکے اور ضوریز کے درمیان ایسا کچھ ہے ہی نہیں، انکے بیچ یہ کھٹا میٹھا رشتہ بنا ہی کب ہے۔

وہ اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ سامنے کھڑے شخص کی پرشوق نظریں محسوس ہی نہ کر سکی تھی۔

اتنے میں ہی بارات کا شور اٹھا تھا وہ سب آگے بڑھ کر بارات کو ویلکم کرنے لگ گئی تھیں۔

یہ تمہارے لالہ کو کال ملاؤ زہ، کب آرہے ہیں وہ لوگ، گھر بھی سونا ہو رہا ہے، شہروز خان نے کھانا کھاتے ہوئے عانیہ سے کہا تھا۔

میری بات ہوئی تھی ان سے ڈیڈ بس وہ آج رات بارات اٹینڈ کرتے ہی نکل جائیں گے، عانیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

تمہاری یونیورسٹی کب کھل رہی ہیں؟ سماہر بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

آج جمعہ ہے نا، بس اسی پیر کو، عانیہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا تھا۔

مشعال بھی آجائگی تب تک، پھر ساتھ ہی جانا، شہروز خان بولے تھے۔

مگر کیا لالہ انہیں، اجازت دینگے؟ عانیہ نے سوال کیا تھا۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟ وہ نالائق کیوں منع کرنے لگا ہماری بہو کو پڑھنے سے، شہروز خان تیز لہجے میں بولے تھے۔

میں تو بس ویلے ہی، عانیہ منمنائی تھی۔

اس نے تم سے کچھ کہا ہے اس بارے میں؟ سماہر بیگم نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

نن نہیں تو، عانیہ آہستہ سے بولی تھی۔

اگر بولے بھی تو مجھے بتانا، میں خود نیٹ لونگا نواب زادے سے، انہوں نے عانیہ کو ہدایت دی تو وہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔

سچی دھجی کار سے نکلتا نمرہ کا دولہا کافی خوش شکل نوجوان تھا۔

اسکے چہرے پر سچی خوشی کی چمک تھی، حمزہ اور اسکی فیملی کا استقبال بھرپور طریقے سے کیا گیا تھا۔

نکاح تو مہندی کی رسم کے ساتھ ہی ہو چکا تھا اب تو بس رخصتی ہونا باقی تھی۔

ڈنر کے بعد فوٹوسیشن اور دوسری رسموں میں وہ آگے آگے تھی۔

کبھی دوپٹے سے الجھتی تو کبھی شانوں پر بکھرے بالوں کو پیچھے کرتی وہ ضوریز خان کی نگاہوں کا مرکز بنی اسے بے کل کرتی رہی تھی۔

جب وہ نظر نا آتی وہ بے چین ہو جاتا، یقیناً وہ اسکے لیے ضروری ہوتی جا رہی تھی، مگر وہ صدا کا اناپرست شخص دل کے اس اقرار کا ماننے سے انکاری تھا۔

جبکہ دوسری طرف مشعال بھی اسکی نظروں کی تپش خود پر پورے فنکشن میں محسوس کرتی رہی تھی۔

مگر اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک گئی تھی۔

بلیک پینٹ شرٹ اور اسکن بلیزر میں اپنی تمام تر دلکشی کے ساتھ وہ سیدھا مشعال کے دل میں اتر رہا تھا۔

پورے فنکشن میں، وہ جی بھر کے اپنی نظروں کی پیاس بجھاتی رہی تھی۔

آج اسکا دل شدت سے چاہا تھا اس ظالم سے دل کھول کر باتیں کرے، مگر ضرور نے اس سے بات کرنا یا اسے مخاطب کرنا ضروری نا سمجھا تھا۔

"وہ کسی سلطنت کا شہزادہ ہو جیسے اور"

میں رعایا کے ہجوم میں کھڑی اک عام سی لڑکی"

وہ دونوں کچھ ہی دیر پہلے ایئرپورٹ پہنچے تھے۔

ان کی فلائٹ میں کچھ وقت باقی تھا، وہ جیسے جیسے ہی ایئرپورٹ کے ویننگ ایریا طرف بڑھ رہے تھے کئی ستائش بھری نظریں انکی طرف اٹھی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ کچھ حسین کچھ تلخ یادیں ساتھ لے کینیڈا کو خیرآباد کہتے پاکستان جانے والی فلائٹ میں بیٹھ چکے تھے۔

نمرہ کی رخصتی کے بعد وہ دونوں سب سے مل کر واپسی کے سفر کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

یہ رات 11 بجے کا وقت تھا جب وہ کراچی سے نکلے تھے۔

ضویر سنجیگی سے ڈرائونگ کر رہا تھا، جبکہ کافی دیر سے خاموش بیٹھی مشعال اب بور ہونے لگی تھی۔

ضویر وقتاً فوقتاً اس پر بھی نگاہ ڈال رہا تھا، جبکہ وہ بیزار سی کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی تو کبھی سامنے کی جانب، اسی مٹے مشعال کے دماغ میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا تھا۔

جس پر اس نے عمل بھی کر ڈالا تھا۔

مشعال نے بوریت دور کرنے کو سی۔ ڈمی پلیئر آن کر دیا تھا۔

میں تاں، جند میری تیرے پیچھے ہاری آں
میں تاں، تیرے اٹوں جان بیٹھی واری آں

بیٹھی آواز میں کوئی نیا سانگ تھا، گانے کے بول سنتی مشعال نے ایک نظر ضوریز پر ڈالی
تھی، وہ مشعال کی جانب ہی متوجہ تھا، اس نے فورن ہاتھ بڑھا کر گانا بند کر دیا تھا۔

مشعال نے سکیکنڈ کی دیر کیے بنا دوبارہ پلے کا بٹن دبایا تھا۔

اس بار لڑکے کی خوبصورت آواز گاڑی کی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر گئی تھی۔

میں تاں، تیرے نال سچی لائی یاری وے
میںوں چڑھی تیرے عشق دی خمارى وے

کیا بکواس ہے یہ، ضروریز نے ناگواری سے کہتے ہوئے سی۔ ڈی پلیئر آف کر دیا تھا۔

بکواس نہیں سانگ ہے یہ، اطمینان سے کہتے ہوئے مشعال نے دھٹائی کے لگے پچھلے
تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے ایک بار پھر آن کا بٹن دبا دیا تھا۔

تیرے نال کیتی میں، زندگی ساری اے

تیرے نال جینے مرنے دی۔۔

کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ گانا بند کرتے ہوئے اس بار ضریر نے اسے گھور کر غصے میں مخاطب کیا تھا۔

بور ہو رہی ہوں میں، تم تو پھتر ہو مگر میں چپ نہیں بیٹھ سکتی، وہ اسے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

تو یہ اٹے سیدھے سانگ سن کے تمہاری بوریٹ دور ہو جانی ہے؟ ضریر نے تپ کے پوچھا تھا۔

مشعال اسکی بات انور کرتے ہوئے پھر سے سی۔ ڈی پلیئر آن کرنے لگی تھی۔

اس نے سی۔ ڈی پلیئر پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ضریر نے ایک جھٹکے سے گاڑی کو بریک لگایا تھا۔

مشعال کا ہاتھ وہیں رہ گیا تھا۔

ضوریز اسکی جانب جھکا تھا۔

اب تم یہ واہیات سانگ نہیں چلاؤ گی، انڈر سٹینڈ؟ ویسے تمہاری بوریات دور کرنے کے اور بھی طریقے ہیں میرے پاس، وہ اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھے زو معنی انداز میں بولا تھا۔

اسکی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے مشعال کا دل پھسلوں میں دھڑکا تھا۔

ضوریز اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسکی ہی جانب دیکھ رہا تھا۔

بہت ہی گھٹیا انسان ہو تم، مشعال نے ایک دم سے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے نکالا تھا۔

پھر وہی بات، اب لگتا ہے تمہیں گھٹیا پن کا عملی مظاہرہ کر کے ہی سمجھانا پڑیگا، وہ گھمبیر لہجے میں بولتا اسکی مزید اسکی جانب جھکا تھا۔

مشعال نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اسکی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے

ضوریر نے اسکی سیٹ کا بیلٹ لگایا تھا اور مسکراتا ہوا پیچھے ہٹا تھا۔

چچ چچ، تم تو بہت ہی ڈرپوک نکلی مشعال بیگم، ضوریز کا انداز مزاق اڑانے جیسا تھا۔

مشعال مارے خفت کے سرخ ہوئی تھی۔

ویسے جیسا تم سوچ رہی ہو وہ میں تمہارے ساتھ بالکل بھی نہیں کرنے والا تھا، اس کی جانب دیکھ کر کہتا، آنکھوں میں شرارت لیے وہ پھر سے ڈاؤنگ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

مشعل اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے میں لگی تھی۔

مجھے لگا تم کہینے ہو، مگر آج پتہ چلا تم تو انتہائی ذلیل بھی ہو، وہ غصے میں کہتی رخ موڑ گئی تھی۔

زبان سنبھالو مسز، ورنہ تمہیں تمہاری اوقات یاد دلانے میں مجھے سیکینڈ بھی نہیں لگے گا، وہ سپاٹ لہجے میں بولتا اسکی بولتی بند کروا گیا تھا۔

ضویر خان تم مجھے کبھی وہ مقام نہیں دو گے جو زروا خان کا ہے، اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے نم ہوتی آنکھوں کو بند کر کے، اداسی سے سوچا تھا۔

"وقت لے تو کبھی رکھنا قدم میرے دل کے آنگن میں"

"حیران رہ جاو گے میرے دل میں اپنا مقام دیکھ کر"

اسلام آباد اور اسکے گرد و نواح میں فجر کی آذانیں گونج رہی تھیں۔

صائم ان دونوں کے انتظار میں ایئرپورٹ پر کھڑا تھا۔

اس نے کلائی میں بندھی گھڑی کوئی دسویں بار دیکھی تھی۔

اس بار جب اس نے گھڑی دیکھ کر سراٹھایا تو اسے وہ دونوں سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے تھے۔

صائم مسکراتا ہوا انکی جانب بڑھا تھا۔

ہے لالہ ویلکم، کیسے ہیں آپ؟ آپ کی میٹینگ کیسی رہی؟ اس نے زائر کے گلے لگتے ہوئے جوش اور خوش دلی سے سب ایک ساتھ ہی پوچھ لیا تھا۔

فٹ لینڈ فائن، تمہیں منع بھی کیا تھا نا آنے سے، پھر بھی تم، زائر نے اسے لوگنا چاہا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے اب زروا کی جانب بڑھ چکا تھا۔

ہے چڑیل کیسی ہو؟ کیسا رہا ٹرپ؟ وہ اب زروا سے پوچھ رہا تھا۔

میں ٹھیک ہوں، سفر بھی اچھا تھا، وہ مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولی تھی۔

ڈرامہ کوئٹن، زائر بڑھایا تھا۔

ایسکیز می، آپ دونوں کی باتیں اگر ختم ہوگئی ہوں تو ہم گھر چل سکتے ہیں؟ زائر کی طنز سے بھرپور آواز پر صائم نے منہ بگاڑا تھا۔

کیا ہے یار، اوکے فائن لالہ چلیے، وہ کہتے ہی زائر کے ہاتھ سے لگج لیتا آگے بڑھتا تھا۔

زائر اور زروا بھی اسکے ساتھ چل دیے تھے۔

صائم اور زائر آگے بیٹھے تھے جبکہ زروا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

یہ صبح کے 10 بجے کا وقت تھا، عانیہ ناشتے کے بعد سے ہی اپنے پینٹنگ روم میں موجود تھی۔

یاہو، ناؤ دز از کمپلیٹ، سامنے موجود پینٹنگ کی جانب دیکھتے ہوئے عانیہ نے پرچوش سے انداز میں اپنے آپ سے ہی کہا تھا۔

اسکے سامنے ریڈی شرت پر بلو جیکٹ پہنے مسکراتے ہوئے صائم کی حقیقت سے قریب تر پینٹنگ تھی، اصل زندگی کی طرح ہنستی مسکراتی یہ تصویر عانیہ نے پورے ایک مہینے کی محنت کے بعد بنائی تھی۔

جیسے دیکھ کر حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔

یہ میں جب تمہیں گفٹ کرونگی تم کیسا محسوس کرو گے؟ تمہیں پسند تو آئیگی نا؟ وہ تصور
میں ہی صائم سے مخاطب تھی۔

اسکے خیال سے ہی عانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

جس کے خیال سے لبوں پر تبسم چھا جائے۔

"ہائے! کیا عالم ہوگا، اگر وہ روبرو آجائے"

صائم کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے ہوئے وہ ناچاہتے ہوئے بھی زروا کو لے کر "خان
پیلیس" ہی آیا تھا۔

سب ہی ان سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے، پلو شہ بیگم تو نہال ہوئی جا رہی تھیں۔

زروا سب کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مصروف تھی، وہ سب کی باتوں کے جوابات دے رہی تھی۔

جبکہ زائر بیزار سا صوفے پر بیٹھا تھا۔

میرے خیال میں بیٹا آپ لوگ ریٹ کرو، سفر سے آئے ہو، تھک گئے ہونگے، پلو شہ بیگم نے زائر کی بے دلی نوٹ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا تھا۔

آئی تھنگ یو آر رائیٹ مومی، زائر جیسے انتظار میں ہی تھا، ان کے کہنے کے ساتھ ہی فٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ناچار زروا کو بھی اسکی تقلید کرنی پڑی تھی۔

زائر بنا اسکی جانب دیکھے آگے بڑھ گیا تھا۔

پلوشہ بیگم کی نگاہوں سے انکے بچ کی یہ سرد مہری چھپی نارہ سکی تھی۔

ضوریہ کافی ریش ڈرائونگ کرتا رہا تھا، تب جا کر وہ شام کے 6 بجے سوات پہنچے تھے۔

مشعال کی آنکھ کھلی تو گاڑی سوات کی سڑک پر رواں دواں تھی۔

اس نے ونڈو اوپن کر لی تھی۔

ونڈو کھوٹے ہی ایک تیز ہوا کا جھونکا اسکے چہرے سے ٹکرایا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی، شام کے ڈھلتے ہوئے سورج کا منظر بے حد دلفریب تھا، اوپر سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے اسے ایک خوشگوار احساس میں جکڑا تھا۔

ضوریز پتھریلے تاثرات لیے ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

تقریباً 20 منٹس کی ڈرائیونگ کے بعد وہ "ضوریز ہاؤس" پہنچے تھے۔

ضوریز نے ہارن دیا تو چوکیدار نے فورن گیٹ کھولا تھا۔

ضوریز خان کی گاڑی زن سے پورچ میں جا کر کی تھی۔

اس سے پہلے ہی مشعال بنا اسکی جانب دیکھے اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی گاڑی سے اتر کر
دوڑنے کے انداز میں اندر کی جانب بڑھی تھی۔

ایڈیٹ، سمجھتی کیا ہے خود کو، ضریر بڑھایا تھا۔

ملازم کو سامان اندر لانے کا کہہ کر وہ بھی لمبے لمبے قدم اٹھاتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

زروا آئیے کے سامنے کھڑی برش کر رہی تھی جب زائر واش روم سے نکلا تھا۔

زائر زروا کے دائیں جانب کھڑا وہیں رک کر زروا کو دیکھنے لگا تھا۔

زروا نے اس کی جانب دیکھا تو آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا، کیونکہ وہ بلو جینس میں بنا شرٹ کے، ٹاول گلے میں ڈالے کھڑا تھا۔

یا اللہ یہ کتنے نے شرم ہیں، بنا شرٹ کے ہی باہر آگئے، وہ دل ہی دل میں بوٹے ہوئے رخ موڑ گئی تھی۔

جبکہ زائر اسکی یہ حرکت دیکھ چکا تھا۔

میں اگر شرٹ پہن کر آتا پھر تمہیں اپنے سکس پیکس کیسے دکھاتا؟ وہ جیسے اسکے دل کی آواز بھی سن چکا تھا۔

زائر مسکراتا ہوا زروا کے بالکل قریب آیا تھا اور اس کی کمر کے گرد بازو حائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔

زروا لڑکھڑاتی ہوئی اسکے سینے سے جا لگی تھی، آپ کو کیسے پتہ میں یہ سوچ، زروا نے بات پوری کرنے سے پہلے ہی زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

اسکے انداز پر زائر نے بامشکل اپنی بے ساختہ اد آنے والی مسکراہٹ روکی تھی۔

مجھے چھوڑ دیں پلیز، وہ اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے بولی تھی۔

زائر نے اپنا انگھوٹا اسکے ہونٹ پر پھیرا تھا۔

خان،---

زروا اس کی اس حرکت پر لرز گئی تھی اس نے زور سے آنکھیں میچی تھیں۔

ارے آنکھیں تو کھولو، وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

ناجانے آج کیوں وہ ظالم مہربان ہوا تھا؟ یہ کونسا روپ تھا زائر خان آفریدی کا؟

زروا کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہوا تھا اسے اپنی دھڑکن کی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی۔

اور دل تو مانو ابھی حلق سے باہر نکل آنے کو تھا۔

پلیز مم مجھے چھوڑ دیں، وہ آنکھیں بند کیے ہی کپکپاتے ہونٹوں سے بول رہی تھی۔

زائر کے حصار میں اسکے دل کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"بہکتی ہوں تیری ہی بانہوں میں"

"یہ میرے ہوش کی علامت ہے"

زائر نے اسکے صبح چہرے پر ایک نظر ڈالی تھی، وہ آنکھیں بند کیے اسکے سینے سے لگی اسے
بے حد معصوم لگی تھی۔

زائر نے اسکی بات نظر انداز کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا۔

اب تم آنکھیں کھولو گی یا نہیں؟؟؟ وہ گھمبیر لہجے میں اسکے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

پہلے آپ مجھے چھوڑیں پھر شرٹ پہنیں پھر کھولوں گی، وہ ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔

ایسے تو نہیں چھوڑوں گا، زائر ضدی لہجے میں بولا تھا۔

پلیز خان، زائر کے ہونٹ مسلسل کپکپا رہے تھے۔

زائر کا دل اسے کسی شوخ جسارت پر اکسا رہا تھا، یہ لڑکی اسے اسکے ناچاہتے ہوئے بھی اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

اگر تم نے آنکھیں نہ کھولیں تو میں اپنے طریقے سے کھلواؤں گا، جو یقیناً تمہیں بالکل پسند نہیں آئیگا، وہ دھمکی کے انداز میں بولا تھا۔

خان، زروا نے پٹ سے آنکھیں کھولی تو زائر آنکھوں میں شوخیوں کا جہان آباد کیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

لیکن اس ستمگر کی نیلی سمندر سی گہری آنکھوں میں دیکھنے کی تاب زروا میں نا تھی، اسی لیے فورن پلکھیں جھکا گئی تھی۔

زائر بے خود سا اس پر جھکا تھا اور اپنے اور اسکے بیچ موجود اس مقدس رشتے کو معتبر کرتے ہوئے استحقاق بھری مہر اسکی پیشانی پر ثبت کردی تھی...

"میری بانہوں میں بہکنے کی سزا بھی سن لے"

"اب بہت دیر میں آزاد کروں گا تجھ کو"

زروا کی پلکھیں عارضوں پر لرزی تھیں، وہ کچھ دیر تک تو اسکے اس اقدام پر دنگ رہ گئی تھی، اسکا رواں رواں زائر کے پرحدت لمس پر دہک سا گیا تھا، جبکہ زنگت اناری ہوئی تھی۔

زائر نے دلچسپی سے اسکا یہ شرمایا ہوا روپ دیکھا تھا، اسکے سینے میں موجود سالوں سے پتھر ہوئے دل پر شاید پہلی ضرب لگی تھی۔

"شاید کوئی تراش کر قسمت سنوار دے"

"یہی سوچ کر ہم نے خود کو پستھر بنا رکھا تھا"

جبکہ کئی محلے تو زروا بھی اس کے لمس کو محسوس کرتی رہی تھی۔

اب جلدی سے شرٹ لا دو مجھے باہر جانا ہے، لیٹ ہو رہا ہوں، وہ انجان سے انداز میں بولا تھا۔

وہ مم مجھے، آئی من، پہلے مجھے آزاد تو کریں ایسے کیسے لا کر دوں، زروا منہ بناتے ہوئے آخر بول ہی گئی تھی۔

زائر کی گرفت خاصی مضبوط تھی جسے زروا توڑ نہیں سکتی تھی..

اسی وقت زائر کا موبائل بجاتا تھا۔

کوئی طلسم تھا جو لٹا تھا، زائر نے اسے نرمی سے خود سے دور کیا تھا اور بیڈ کی سائیڈ ڈرا سے موبائل اٹھانے چل دیا تھا۔

جبکہ زروا اپنی اتھل پتھل ہوتی سانسوں کو قابو میں کرتی کب بوڑد کی جانب بڑھ گئی تھی۔

وہ اس وقت اپنے روم میں موجود تھی، جبکہ ضروریز فریش ہو کر جانے کہاں چلا گیا تھا۔

مشعال تو حیران تھی، رات بھر سفر کے باوجود وہ بنا ریسٹ کیے باہر چلا گیا تھا جبکہ مشعال خود بھی کافی تھکی ہوئی تھی، وہ سب سے ملنے کے بعد روم میں آئی تھی، فریش ہو کر لیٹتے ہی اسکی آنکھ لگ گئی تھی۔

وہ مزے سے سو رہی تھی کہ اسکی آنکھ دروازے کے ناک ہونے پر کھلی تھی۔

مشعال آنکھیں مسلتی اٹھ بیٹھی تھی۔

یس کم ان، اس نے دوپٹہ شانوں پر پھیلاتے ہوئے ہلکی سی آواز میں جواب دیا تھا۔

سوری بھا بھی جان، اگر میں نے آپکو ڈسٹرب کر دیا ہو تو، عانیہ مسکراتی ہوئی روم میں داخل ہوئی تھی۔

یار پہلے تو تم مجھے یہ بھا بھی کہنا بند کرو، دوسری بات میں بالکل ڈسٹرب نہیں ہوئی،
مشعال دوستانہ انداز میں بولی تھی۔

ضویر لالہ کی وائف ہو تم اب تو ایسے میری بھا بھی ہی تو ہوئی اور میں پھر بھا بھی کو
بھا بھی ہی کہوں گی نا، وہ شرارتی انداز میں بولتی ہوئی اسکے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

مگر میں چاہتی ہوں تم مجھے مشعال ہی کہو، مجھے کسی بھی دوسرے رشتے سے زیادہ اپنے
نام سے پکارا جانا اچھا لگے گا، وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

اسکی بات سن کر عانیہ کو کچھ عجیب لگا تھا۔

چلو ٹھیک ہے جیسا تم کہو، عانیہ نے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

ویسے کیسا رہا تمہارا لالہ کے ساتھ شادی کے بعد پہلا سفر؟ تم لوگوں نے خوب انجوائے کیا ہوگا نا؟ عانیہ اپنی ازلی سادگی سے پوچھ رہی تھی۔

مگر اسکے سوال پر مشعال کے دل میں ایک ہونق سی اٹھی تھی، وہ بے ساختہ ہی لب بھیج گئی تھی۔

مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی تو اسکا لہجہ سخت ناسی مگر بے تاثر ضرور تھا۔

سفر جیسا سفر تھا، پہلی بار گئی تھی اچھا لگا، مشعال آہستہ سے بولتی ہوئی مسکرائی تھی۔

ارے ہاں لالہ نے تمہیں منہ دیکھائی میں کیا دیا؟ میں تو پوچھنا ہی بھول گئی، عانیہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی تھی۔

اسکے سوال پر مشعال تنذب کا شکار ہوئی تھی، وہ اب اسے کیا بتاتی، ضریرز اسے بیوی ہی نہیں مانتا، منہ دیکھائی تو دور کی بات ہے۔

مشعال ڈارلنگ، بہت ہی کیئرلیس ہو تم، یہ بریسلٹ تم نے گاڑی میں ہی گرادیا، بہت ناراض ہوں میں تم سے، اسی وقت ضریرز انجان سا بن کر کہتا روم میں داخل ہوا تھا۔

اسے آتے دیکھ عانیہ ہنسی تھی جبکہ مشعال اسکی بات سن کر چونک گئی تھی۔

کیا ہوا لالہ؟ ایوری تمھنگ از اوکے نا؟ عانیہ نے کھڑی ہوتے ہوئے ضریرز سے پوچھا تھا۔

او گریا تم یہاں، یس مائی پرنسز یو ڈونٹ وری، وہ ایکچوئی تمھاری بھا بھی تھوڑی سی لاپرواہ ہیں، کوئی چیز نہیں سنبھلتی ان سے، یہ بریسلٹ میں نے کتنے پیار سے دیا تھا انہیں، اور یہ گاڑی میں ہی گرا آئی، وہ ایک دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے مشعال کی طرف دیکھتا، بیڈ کے قریب آیا تھا۔

اب دو جواب اسے، مشعال بیگم، ضریرز نے دل میں اسے مخاطب کیا تھا۔

ویری بیڈ مشعال، یہ تو بلکل غلط بات ہے، عانیہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

کتنا بڑا ڈرامے باز ہے یہ، اس نے مجھے کب یہ بریسلٹ دیا، اسے تو ابھی مزہ چکھاتی ہوں، مشعال نے ضریرز کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں سوچا تھا۔

وہ عانیہ دراصل تمہارے لالہ اتنی ریش ڈرائونگ کرتے ہیں نا، خدا کی پناہ میرا سر دو دفعہ ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا، اسی وجہ سے گر گیا ہوگا یہ، ورنہ میں انکی دی ہوئی کوئی بھی چیز ایسے گماؤنگی تھوڑی، وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتی ضریرز کو تپا گئی تھی۔

لالہ یہ مشعال کیا کہہ رہی ہے؟

ہاں بولے ناب، مشعال آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولی تھی۔

ضویر نے مشعال کو کھاجانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

جبکہ مشعال اسے تپانے کو معصومیت سے مسکرا دی تھی۔

وہ یار بس کل ہی کمری، ورنہ یو نو نا میں جب کسی کے ساتھ ہوتا ہوں تب سلو ہی ڈراؤ کرتا ہوں، خیر چھوڑ یہ سب، تم بتاؤ کوئی کام تھا تمہیں؟ وہ بالکل نارمل سے انداز میں کہتا، بیڈ کے دوسری سائیڈ بیٹھ کر اپنا لیپ ٹاپ اٹھا چکا تھا۔

ارے ہاں میں تو یہ کہنے آئی تھی کہ آج ہم ماموں کی طرف ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں، آپ لوگ بھی شادی کے بعد وہاں نہیں گئے تو موم نے کہا ہے 8 بجے تک ریڈی ہو کر نیچے آجائیگا آپ دونوں، عانیہ نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

سوری بٹ میں بڑی ہوں، ضروریز نے صاف انکار کیا تھا۔

جبکہ "خان پیلیس" جانے کا سوچتے ہی مشعال کے لب مسکرا اٹھت تھے۔

لیکن ضروریز کا انکار سن کر ایک دم سے اسکا دل اداس ہوا تھا، مگر وہ خود کو کمپوز کر گئی تھی۔

مگر لالہ ہم سب کو بہت پیار سے، عانیہ کی بات مشعال نے کاٹ دی تھی۔

عانیہ انہیں شاید کچھ زیادہ ہی ضروری کام کرنا ہے تو چھوڑو نا، ہم سب چلیں گے، مشعال مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

جبکہ ضروریز اسے نظر انداز کرتا اپنے لیپ ٹاپ میں مصروف ہو چکا تھا۔

عانیہ بھی اثبات میں سرہلاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

وہ "خان پبلیس" سے نکلنے کے بعد کافی دیر تک سڑکوں پر بلامقصد گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔

اسے رہ رہ کر اپنی شام والی بے اختیاری پر غصہ آرہا تھا۔

کیوں کیا اس نے ایسا؟ کیا وہ زروا پر اپنا حق سمجھتا ہے؟ کیا وہ اسے اپنی ماننے لگا ہے؟

یا پھر کوئی اور ہی جذبات تھے جنہوں نے اسے اس اقدام پر اکسایا؟

جانے کیا سوچ رہی ہوگی وہ میرے بارے میں؟ اس نے سوچتے ہوئے گاڑی ایک جھٹکے سے سڑک کے کنارے پر روکی تھی۔

جو بھی سوچے، آئی ڈیم کیئر، اس نے جیسے فورن ہی خود کو تسلی دی تھی۔

تمہیں فرق پڑتا ہے زائر خان آفریدی، تم مانو نا مانو، زروا خان کی ہر بات سے تمہیں فرق پڑتا ہے، دل نے بھی پہلی بار جیسے اسکی سوچ کی نفی کی تھی۔

وہ مضطرب سا گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔

نہیں پڑتا مجھے اس سے فرق، آج سے 4 سال پہلے زائر کا دل پتھر ہو گیا تھا، اور پتھر کو کسی چیز سے فرق نہیں پڑتا، اس نے گاڑی کے بونٹ پر زور سے ہاتھ مکا مارتے ہوئے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

نا بچہ نا، غصہ عقل کا دشمن ہے، وہی درویش ما عورت اپنی چھڑی گھسیٹتی اسکے پاس آکر
کی تو زائر نے سرائٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

وہ خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھی، زائر نے والٹ سے پیسے نکال کر اسکی جانب
بڑھادیے تھے۔

بڑا سخی ہے رے تو تو، وہ عورت اس سے پیسے لیتی مسکرائی تھی۔

زائر نے کوئی جواب نا دیا تھا، وہ تو کسی اور ہی دنیا میں گم تھا۔

تیری یہ جو سوچیں ہے نا؟ اب بے معنی ہیں کیونکہ وہ کل بھی تیرے دل میں بستی تھی
اور آج بھی تیرے دل میں بستی ہے، اس کی بات پر زائر ششدر رہ گیا تھا۔

یہ کیا بکواس ہے؟ زائر نے حتی الامکان لہجہ تمیزا دارانہ رکھا تھا۔

بکواس نہیں، حقیقت ہے، وہ اپنے پورے وجود سمیت تیری رگ رگ میں بستی ہے، وہ ہاتھ گھما گھما کر بولتی زائر کو کافی عجیب اور پراسرار لگی تھی۔

نو وے، میں کبھی اس سے محبت نہیں کر سکتا، وہ لڑکی جو میرے کردار پر وار کر گئی میں کبھی اسے اپنی بیوی کا درجہ نہیں دے سکتا، اب کی بار زائر ناجانے کیوں اسکی بات کا جواب دے گیا تھا۔

راکھ کے نیچے آگ دبی ہے، وہ کہتی ہوئی ہولے سے مسکرائی تھی۔

زائر نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

محبت کرتا ہے نا اس سے؟ وہ اب زائر سے پوچھ رہی تھی۔

نفرت کرتا ہوں اس سے، وہ کہتا ہوا گاڑی کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

اس عورت نے زائر کا ہاتھ پکڑ کر اسکے دیے پیسے اسکی ہتھیلی پر رکھے تھے، یہ نوٹ سنبھال کر رکھ، کسی غریب کو دے کر دعا لے لیو، جیب نہیں دل بڑا کر خان زادے، گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آنا، عشق کرتا ہے تو اس سے، تو جا کر اس سے کہہ کیوں نہیں دیتا، وہ اب کے غصے سے بولی تھی۔

آپ پتہ نہیں مجھے کون سمجھ رہی ہیں آنٹی، مجھے کسی سے عشق ہے نامحبت، پلیز آپ میرا راستہ چھوڑیے، وہ چاہ کر بھی اس سے بدتمیزی نہیں کر سکا تھا۔

لے چھوڑ دیا تیرا راستہ اے مغرور شہزادے، اور دعا دیتی ہوں تجھے دل سے، تجھے عشق ہو، ہاں عشق ہو، تجھے عشق ہو خدا کرے، وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

زائر عجیب سی کیفیت میں گھرا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سر جھٹک کر گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔

یہ جانے کیا بلکواس کر گئی ہے، زروا سے عشق؟ وہ بھی مجھے؟ ناممکن، اس نے زہر خند انداز میں سوچا تھا

وہ لڑکی دھوکے باز ہے، اس رات میں نے کتنے مان سے اسکی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔

لیکن زروا خان نے میرا یقین نہیں کیا، بلکہ اس ضویرز کے ساتھ ہو گئی، جس کی وجہ سے میں اس حال میں پہنچا تھا، یہ سب ان دونوں کی سازش تھی جسکا انجام میں نے پورے 3 سال اور 6 مہینے بھگتا ہے، دنیا میں مجھے اگر کسی سے سب سے زیادہ نفرت ہے تو وہ ہے زروا خان، اور دنیا میں میرا اگر کوئی سب سے بڑا دشمن ہے تو وہ ہے وہ کمینہ ضویرز خان، میں کبھی انہیں، معاف نہیں کروں گا، ان دونوں کی وجہ سے میں نے اس رات اپنے باباجان کی وہ نفرت برداشت کی، اپنی مومی کی جدائی برداشت کی، ان کی وجہ سے

لہنوں کی نظروں میں گرگیا زائر خان، زائر خان لاتعداد سوچوں میں گھرا اس وقت اپنے آپ میں نا تھا۔

کبھی کبھار آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا زائر خان، دماغ نے جیسے اسکی سوچوں کا رخ موڑا تھا۔

سب کچھ صاف ہے، سب میری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا، وہ دونوں میرے مجرم ہیں، زائر چلایا تھا۔

مگر کیا تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی، جو اس رات ہوا اس میں کتنی سچائی تھی؟ وہ غلط تھے تو تم نے کونسا کچھ سہی کر لیا، تم ان سب میں برابر کے حقدار ہو، ظلم کرنے والے سے زیادہ ظلم سہنے والا قصوروار ہوتا ہے، تم کیوں مظلوم بنے؟ تم نے کبھی سچ جاننے کی کوشش کی؟

ضمیر کی عدالت لگ چکی تھی۔

قصوروار زائر خان بھی تھا۔

ایک کامیاب چال چلتی قسمت مسکرائی تھی۔

کافی دیر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے رہنے کے بعد زائر نے ان سوچوں سے پیچھا چھڑانے کو
اپنی من پسند جگہ کا رخ کیا تھا۔

واؤ آج تو کچن سے کافی مزے کی خوشبو آرہی ہے، ہاں بھئی زائر لالہ جو آئے ہوئے ہیں،
صائم مسکرا کر بولتا کچن میں داخل ہوا تھا۔

اسکی بات پر نگین بیگم اور پلوشہ بیگم دونوں ہی مسکرا دی تھیں۔

ہاں بھئی بالکل، ہمارا شہزادہ اتنے دنوں بعد "خان پیلیس" میں موجود ہے، اور ہماری لادو
بھی تو شادی کے بعد پہلی بار یہاں آئی ہے، احتمال تو بنتا ہے نا، نگین بیگم کے لہجے میں
بھتیجا بھتیجی کے لیے لے پناہ پیار تھا۔

ڈیس ناٹ فیئر چچی جان، لالہ آپکے شہزادے ہیں اور مجھے کیا آپ نے کوڑے سے اٹھایا
تھا؟ وہ منہ پھلاتے ہوئے بولا تھا۔

ارے نہیں بھئی میں نے ایسا کب کہا، میرے لیے تو میرے سب بچے برابر ہیں، وہ
مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

نہیں بھئی چچی جان آج تو آپ نے بتادیا، صرف زائرِ لالہ ہی آپکے چہیتے ہیں، صائم شرارتی
انداز میں بولا تھا۔

صائم، سدھر جاؤ، کیوں چچی کو تنگ کر رہے ہو بد معاش؟ پلوشہ بیگم نے صائم کا کان
مرڑتے ہوئے مصنوعی غصے سے کہا تھا۔

آؤچ مومی میرا کان توڑینگے کیا، ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی، ہائے ظالم ماں، صائم
کی دہائیاں شروع ہو چکی تھیں۔

پلوشہ بیگم نے اسکی نوٹنگی پر ہنستے ہوئے اسکا کان چھوڑ دیا تھا۔

تمہاری پھوپھو اور مشعال وغیرہ آرہے ہیں، اسی لیے یہ احتمال ہو رہا ہے، انہوں نے اسے
اطلاع دی تھی۔

اوہ تو میری چڑیل دوست بھی آرہی ہے، وہ معصومیت سے بولا تھا۔

ایک نمبر کے شیطان ہو تم، تمہارے نصیب میں جانے کون بیچاری قسمت کی ماری بیٹھی ہوگی، پلوشہ بیگم نے اسے چھیڑا تھا۔

ایک نازک سا سراپا چھم سے اسکے تصور میں آیا تھا، بے ساختہ ہی صائم کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

عانیہ آرہی ہے، یہ سوش کر ہی اسکا دل خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

وہ فورن ریڈی ہونے بھاگا تھا۔

ارے کہاں چل دیے؟ نگین بیگم نے چکن کڑھائی میں چمچہ چلاتے ہوئے اسے آواز دی تھی۔

میں بس ابھی آیا وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

آج کل کے بچے بھی ناپتہ نہیں کیا چلتا رہتا ہے انکے دماغ میں، اسکے جانے کے بعد پلوشہ بیگم بڑبڑائی تھیں۔

بلیک کلر کے بیل باٹم ٹراؤزر اور پنک کلر کی شرٹ پر بلیک ہی نیٹ کا ڈوپٹہ لیے، بالوں کی پونی ٹیل بنائے وہ کافی خوبصورت لگ رہی تھی۔

آنکھوں میں کاجل کی لکیر کھینچ کر اس نے ہونٹوں پر ڈارک پنک لپ اسٹک کا کوڈ کیا تھا۔

سب سے آخر میں کانوں میں ڈائمنڈ ایئر رنگز ڈال کر مشعال نے آئینے میں اپنا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

آئینے میں اسکے پیچھے ہی ایک اور عکس ابھرا تھا، جسے دیکھ کر مشعال کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا جبکہ اسٹڈی سے باہر آتا عین اسکے پیچھے کھڑا ضوریز اسے دیکھ کر کچھ پل کو تو مسہوت سا رہ گیا تھا۔

مشعال اسکی نظروں کی تپش سے گھبرا کر پلٹی تھی اور اسے نظر انداز کرتے ہوئے وہاں سے جانے لگی تھی۔

اسی وقت ضوریز نے آگے بڑھ کر اسکا راستہ روکا تھا۔

یہ کیا بدتمیزی ہے؟ مشعال اسے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

کونسی بدتمیزی ڈیئر والٹی؟ وہ آنکھوں میں شرارت لیے ایک بار پھر سے اسے زچ کرنے کو تیار تھا۔

راستہ چھوڑو میرا مجھے باہر جانا ہے، مشعال غرائی تھی۔

ضویر نے اسے کھینچ کر خود سے قریب کیا تھا۔

مشعال کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھیں۔

اور میں راستہ ناچھوڑوں تو؟ وہ ناجانے کیوں بہک رہا تھا۔

تو میں کہونگی کہاں گئے آپکے وہ بلندبانگ دعوے میرے قریب نا آنے کے؟ مشعال زہرخند
لجے میں بولتی ضوریز کو آگ لگا گئی تھی۔

ضوریز کی گرفت اس پر سے ڈھیلی پڑی تھی۔

ہے یو، تمہیں لگتا ہے تم نے اپنی ان اداؤں سے مجھے پھنسا لیا؟ اور اب میں تمہارا دیوانہ بن
گیا ہوں؟ جو تمہارے آگے پیچھے گھومے گا؟ جو تمہارے قریب آنے کے لیے مر رہا ہے؟ غلط
فہمی ہے تمہاری مشعال خان تم چاہے جو بھی کر لو مگر ضوریز خان کے دل تک رسائی نہیں
پاسکتی، سمجھیں؟ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر سرد و سپاٹ لجے میں بولا تھا۔

اسکی بات سن کر قسمت مسکرائی تھی۔

مشعال کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں، وہ پلکھیں جھپکائے بنا اس ستمگر کو دیکھ رہی تھی جو اس کے وجود کو اپنے لفظوں سے چھلنی کر گیا تھا۔

میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا ضریر خان، تم اس قابل نہیں ہو کے مشعال خان تمہیں اپنے خوابوں میں سجاوگی، تم سے زیادہ نفرت کرتی ہوں میں تم سے، سنا تم نے؟ مشعال حلق کے بل چلائی تھی۔

ضریر نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا تھا۔

مشعال گرتے گرتے بچی تھی۔

جسٹ شٹ اپ، زہر لگتی ہیں مجھے اونچی آواز میں بات کرنے والی عورتیں، آئندہ مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کی جرات مت کرنا، ورنہ زبان کھینچ کر گدی سے لگا دوں گا، وہ نفرت بھرے انداز میں بات مکمل کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

مشعال زمین پر بیٹھ کر روتی چلی گئی تھی۔

ہے زیڈ۔ کے واٹس اپ ڈیوڈ؟ اتنے دن کہاں غائب تھے باس؟ مانی اسے دیکھتے ہی اسکے پاس آیا تھا اور خوش آمدی لہجے میں اس سے سوال کیا تھا۔

ناٹ پور میٹر، وہ اپنے ازلی مغرور انداز میں کہتا یہاں وہاں نگاہ دوڑانے لگا تھا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔

اسکا یہ انداز منان علی کو سلگا گیا تھا مگر وہ فلحال اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

پھر جیسے جینی پر نظر پڑتے ہی اسکی تلاش ختم ہوئی تھی۔

وہ اسے دیکھتے ہی مسکراتی ہوئی اسکے قریب آئی تھی۔

زائر جیسے سب کچھ بھلانے کے لیے اسکے ساتھ ہی بار میں اندر کی جانب چل دیا تھا۔

ضوریز خان اس وقت کافی مضطرب ساٹرس پر کھڑا سگریٹ پر سگریٹ سلگا رہا تھا۔

موسم بدل رہا تھا، یہ جاتی سردیوں کے دن تھے۔

تو میں کہونگی کہاں دھرے رہ گئے میرے قریب نا آنے کے دعوے؟ مشعال کی طنزیہ
آواز جیسے اسکی سماعتوں میں ابھی ابھی گونج رہی تھی اور اسے ناجانے کیوں طیش دلا رہی
تھی۔

وہ سمجھتی کیا ہے خود کو ہاں؟ تمہیں لگتا ہے تم یعنی مشعال خان آفریدی، مجھے تسخیر کر لے گی؟

اس نے تصور میں مشعال کو مخاطب کیا تھا۔

اسے روم سے نکل کر ٹرس پر آئے کافی وقت ہو چکا تھا۔

نہیں مشعال خان میں صرف زروا کو پسند کرتا ہوں، تم کہیں بھی نہیں ہو، سمجھیں، اس نے جیسے خود ہی کو یقین دلایا تھا۔

تمہیں لگتا ہے ضوریز خان تمہارے لیے مرا جا رہا ہے، تو ایسا بھی بالکل نہیں مشعال خان، اسکی اپنی نفرت سے بھری آواز اسکے کان میں گونجی تھی۔

ساتھ ہی آنسوؤں سے بھری دو شکوہ کناں آنکھیں چھم سے اسکے زہن میں ابھری تھیں،
اور آج پہلی بار ضریر خان کو کسی کے رونے سے فرق پڑا تھا۔

ضریرز ہاتھوں میں سرتھامے پاس رکھی چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

مجھے کیوں اس سے فرق پڑ رہا ہے؟ وہ روئے یا ہنسے مجھے کیا؟ اس نے خود سے سوال کیا
تھا۔

"کچھ اس طرح سے بکھرے ہیں تیرے عشق میں"

"کہ لٹا بھی کچھ نہیں اور بچا بھی کچھ نہیں"

ہاں تمہیں فرق پڑتا ہے ضریرز خان، مشعال کے ہنسنے سے، اسکے رونے سے، اسکے ہونے
سے، اسکے نا ہونے سے، اسکی ہر بات سے تمہیں فرق پڑتا ہے، اگر ایسا نا ہوتا تو اس رات

اس پولیس والے پر کیوں بر سے تم؟ جو مشعال کو گھور رہا تھا؟ اسکے دل نے اس سے سوال کیا تھا۔

کیوں کہ وہ میری بیوی ہے اور میں ہرگز بھی کسی کی بری نظریں اس پر برداشت نہیں کر سکتا، میں ان آنکھوں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دوں گا جو اسکی جانب اٹھیں گی، وہ دھاڑا تھا۔

تو پھر یہ مت کہو کہ تمہیں فرق نہیں پڑتا، جیسے اسکے اندر کوئی طنزیہ انداز میں ہنسا تھا۔

ضوریز غصے سے سامنے رکھی میز کو ٹھوکر مار کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اسی وقت اسکا موبائل بجاتا تھا، صائم کالنگ دیکھ کر وہ چاہتے ہوئے بھی کال کٹ نہیں کر سکا تھا۔

واٹ؟ صائم کی بات پر ضوریز کو شاک لگا تھا۔

آئی من لیس وہ میہیں ہے، اوہ اوکے، ہاں بس میں کچھ دیر میں آ رہا ہوں اسے لے کر،
اس نے بات کرتے ہی کال کٹ کر دی تھی۔

فولیش گرل، کہاں چلی گئی یہ ایڈیٹ، اا نے موبائل پوکٹ میں رکھتے ہوئے سوچا تھا۔

صائم مشعال اور اسکے آنے کا پوچھ رہا تھا، مشعال نے بعد میں ضرور کے ساتھ آنے کا
کہہ دیا تھا جبکہ عانیہ سماہر بیگم اور شہروز خان پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔

شاید روم میں ہوگی، وہ اپنے آپ سے کہتا ہوا روم کی جانب بڑھا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ روم میں پہنچا تھا، مگر مشعال وہاں کہیں نا تھی۔

اب ضوریز کو گرہڑ کا احساس ہوا تھا، وہ دوڑتا ہوا نیچے آیا تھا۔

مشعال نیچے بھی نا تھی۔

گاڈ ڈیم اٹ، کہاں چلی گئی یہ، وہ بڑبڑاتا ہوا پورچ کی جانب بڑھا تھا۔

اسے چوکیدار سے پوچھنے پر پتہ چلا تھا کہ شہروز خان اور سماہر بیگم کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی مشعال اکیلی ہی گاڑی لے کر نکلی تھی۔

واٹ دا ہیل، تم نے اسے روکا کیوں نہیں ایڈیٹ، ضوریز غرایا تھا۔

ہم نے روکا تھا صاحب پر میڈم بہت غصے میں تھا ہمیں ڈانٹ کر چلا گیا، ہم کو معاف کردو صاحب، چوکیدار شرمندہ سا اپنے پھٹانی لب و لہجے میں بولا تھا۔

دفعہ ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے، ضروریز چلایا تھا۔

چوکیدار ڈر کے وہاں سے بھاگ گیا تھا۔

آئی ہوپ تم ٹھیک ہوں، مگر میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں، اففف۔۔

ضروریز کچھ سوچتا ہوا اپنی بانگ کی جانب بڑھا تھا۔

میں نفرتوں کے جہاں میں رہ کر

جدا رہوں گا، تو کیا کروں گا؟؟

یہ ٹھیک کہتے ہو بے وفا ہوں

وفا کروں گا, تو کیا کروں گا؟؟

بس ایک تُو ہی تو رہ گیا ہے

جہاں سارا تو کھو چکا ہوں

تجھے بھی اپنی انا میں آکر

خفا کروں گا, تو کیا کروں گا؟؟

میں تجھ کو کھو کر کسی کا ہو کر

بتا کروں گا, تو کیا کروں گا؟؟

کلب میں پاڑتی عروج پر تھی۔

زائر خان جبینی کے ساتھ ہی بیٹھا تھا مگر فلحال وہ ناجانے کہاں چلی گئی تھی اسیلے وہ اکیلا ہی تھا۔

اسے جبینی باقی لڑکیوں سے مختلف لگی تھی، اسی لیے وہ اسکی جانب متوجہ ہو رہا تھا، ورنہ وہ کسی سے سیدھے منہ بات کرنا اپنی توہین سمجھتا تھا۔

زیڈ۔ کے تمہاری تو نئی شادی ہوئی نابوس پھر بھی تم یہاں، بھا بھی کے ساتھ دل نہیں لگتا کیا؟ میسم کمینگی سے آنکھ دباتا اس سے پوچھ رہا تھا۔

دز ازنات یور میٹر، سو شٹ یور ماؤتھ، سگریٹ پیتا زائر دھاڑا تھا۔

ارے ریلیکس یار یہ تو مزاق کر رہا تھا، منان عرف مانی جلدی سے بات سنبھالی تھی۔

آئی ایم ریلیکسڈ بٹ اسے کہو اپنا منہ بند رکھے، وہ میسم کو گھورتا ہوا بولا تھا۔

اوکے اوکے کالم ڈاؤن، میسم سے سوری ٹو ہم، مانی نے میسم کو اشارہ کیا تھا۔

اوکے سوری، میسم منہ بگاڑتے ہوئے بولا تھا۔

گڈ فارلو، زائر خان شان بے نیازی سے بولا تھا۔

اتنے میں ہی جینی ہاتھ میں شراب کا گلاس لیے اسکے قریب آئی تھی۔

ہے زیڈ۔ کے، چھوڑو انہیں، تم یہ ٹرائی کرو، اس نے گلاس زائر خان کی جانب بڑھایا تھا۔

زائر نے کچھ سوچتے ہوئے گلاس تھام لیا تھا۔

تھینکس عانیہ، میں کوشش کرونگا اس کارڈ میں سے وہ ڈیٹا نکال سکوں، صائم نے عانیہ کے ہاتھ سے میموری کارڈ لیتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

عانیہ نے کیسے ناکیسے کر کے کارڈ نکال ہی لیا تھا موبائل سے، دراصل اس نے کارڈ الٹا لگادیا تھا، جو کے آدھے میں ہی پھنس گیا تھا۔

مگر یہ اپنی شو ہو رہا ہے صائم، میری وجہ سے سب برباد ہو گیا، عانیہ شرمندگی سے بولی تھی۔

اُس اوکے عانیہ؁ جو ہونا تھا وہ ہوچکا تم پلیس اب گلٹ فیل مت کرو؁ میرا ایک دوست ہے جو یہ سب کام کرتا ہے؁ یہ میں اسے دیکھاؤںگا؁ شاید وہ کچھ ہیلپ کرے؁ مگر تم یوں اداس اچھی نہیں لگتیں؁ صائم اسکی جانب دیکھتے ہوئے پیار سے بولا تھا۔

سب بڑے لاؤنج میں تھے؁ عانیہ کسی کام سے باہر آئی تو اسے گارڈن ایریا میں صائم دیکھائی دیا تھا؁ وہ اسکی طرف چلی آئی تھی۔

اب وہ دونوں گھانس پر ٹھل رہے تھے۔

ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو مان لیا؁ اسکی بات سن کر عانیہ ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔

چلو آؤ اندر چلیں؁ صائم نے کہا تو عانیہ اسکے ساتھ ہی چل دی تھی۔

ضوریز اسے ڈھونڈتا ہوا اسکی اسی فرینڈ کے گھر آیا تھا، جو پارلر کا کام کرتی تھی، اسکی برتھ
ڈے پارٹی والی رات مشعال نے ہی اسے بتایا تھا، اور شومئی قسمت ضوریز کو اسکا ایڈریس یاد
رہ گیا تھا۔

اس نے وہاں پہنچتے ہی ڈور بیل دی تھی، دوسری بیل پر گیٹ کھل گیا تھا۔

سامنے ہی ایک نو عمر لڑکا کھڑا تھا۔

جی آپ کون؟

مائی سیلف ضوریز خان آفریدی، ضوریز نے اسے اپنا تعارف کروایا تھا۔

ارے مٹی کے ہسبند ہیں ناآپ، ایک لڑکی جو کے مشعال کی ہی ہم عمر تھی، اس لڑکے کے پیچھے آئی تھی۔

یس، ضوریز نے یک لفظی جواب دیا تھا۔

ارے پلیز آپ اندر آئیے، وہ لڑکی کافی خوش دلی سے بولی تھی۔

نہیں میں جلدی میں ہوں، پلیز آپ مشعال کو بھیج دیں، وہ اس طرح بولا تھا کہ اس لڑکی کو یہ گے جیسے وہ مشعال کو لینے آیا ہے۔

سوری پر وہ تو یہاں نہیں ہے، وہ لڑکی اسے حیرانگی سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

اچھا مجھے لگا وہ یہیں آئی ہوگی، اوکے تھینکس، ضریرز مہذب سا کہتے ہوئے واپسی کے لیے
پلٹ گیا تھا۔

اب کہاں ڈھونڈوں اسے، اس کا تو نمبر بھی آف جا رہا ہے، ضریرز نے فکر مندی سے سوچا
تھا۔

اسے رہ رہ کر اپنی اور مشعال کی کچھ گھنٹے پہلے والی جھڑپ یاد آرہی تھی۔

شاید میں نے اسے کچھ زیادہ ہی سنا دیا تھا اسی لیے وہ گھر سے چلی گئی ہے، ضریرز
نے دل میں سوچا تھا۔

وہ پریشان سا بانگ کی جانب بڑھا تھا۔

ابھی تک یہ ضوریز اور مشعال کیوں نہیں آئے، صائم زہ کال تو کرو اپنے لالہ کو، سماہر
بیگم نے صائم سے کہا تھا۔

پھوپھو میری ابھی ہی ان سے بات ہوئی تھی وہ بس آتے ہی ہونگے، صائم نے مسکراتے
ہوئے جواب دیا تھا۔

عانیہ زروا کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔

زروا یہ زائر بھی غائب ہے تم زہ اسے بھی کال ملاؤ، سفیرخان نے زروا کو مخاطب کیا تو وہ
جی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس نے اپنے روم میں آکر کچھ سوچتے ہوئے بالآخر زائر کو کال ملا ہی لی تھی۔

تیسری بیل پر کال ریسو ہو گئی تھی۔

ہیلو؟ یو از دیئر، زائر کی مردانہ بھاری و دلکش آواز موبائل میں گونجی تھی۔

اسکے پاس زروا کا نمبر نا تھا اسی لیے وہ پہچان نا سکا تھا۔

وہ ہاتھ میں تھاما شراب کا گلاس جو کہ جینی نے اسے دیا تھا، لبوں سے لگانے ہی والا تھا
کے زروا کی سہمی ہوئی سی آواز پر اسکا ہاتھ وہیں ساکت ہوا تھا۔

زز زروا بول رہی ہوں، زروا سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتی آہستہ سے بولی تھی۔

زائر اسکی آواز سنتے ہی ہاتھ میں تھاما شراب کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ
کر ایک سائیڈ آگیا تھا۔

"میں جو بھٹکتا ہوں راہ سے، روک لیتا ہے وسلا"

"ہاں تیرے عشق کو یہ کمال حاصل ہے"

فرماؤ، زائر کا لہجہ خود بخود ہی طنزیہ ہو گیا تھا۔

وہ مم میرا مطلب بتایا جان نے آپکو گھر پر بلایا ہے، وہ اپنے دھیمے لہجے میں بولتی زائر کو جیسے کچھ بھی سخت کہنے سے روک گئی تھی۔

ان سے کہہ دو میں، زائر نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ زروا نے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

آپ پلیز انکار مت کیجئے گا یہاں سب لوگ موجود ہیں، سماہر پھوپو ود فیملی انوائیڈ ہیں آج
ڈنر پر، آپ نا آئے تو تائی جان اور تایا جان کو شرمندگی ہوگی، زروا آہستہ سے بولی تھی۔

اوکے فائن آئی ایم کمنگ، زائر نا جانے کیوں اسکی بات رد نا کر سکا تھا۔

دوسری جانب اسکے مان جانے پر، زروا کے لب مسکرائے تھے۔

اوکے پھر میں انتظار کرونگی خان، اسد حافظ، زروا نے مسکرا کر کہتے ہوئے کال کٹ کر دی
تھی۔

جبکہ زائر اسکے آخری لفظوں میں کھو کر رہ گیا تھا۔

"میں انتظار کرونگی خان"

زائر فورن ہی کلب سے نکلا تھا۔

یہ یونیورسٹی والا روڈ تھا۔

مشعال سڑک کے کنارے چل رہی تھی، جبکہ اسکی کار کافی پیچھے ہی رہ گئی تھی۔

اب تم خوش رہو ضرور خان میں ہمیشہ کے لیے تمہاری جان چھوڑ رہی ہوں، وہ اپنے آپ سے بولی تھی۔

جب تم مجھ سے پیار نہیں کرتے تو اللہ نے کیوں تمہیں میرا نصیب بنایا، وہ آنکھوں میں
آئے آنسو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی چلتی جا رہی تھی۔

کیوں تم میرے ہو کر بھی میرے نہیں ہو، وہ سرک کے بچ و بچ کھڑی چلا رہی تھی۔

آس پاس موجود اکا دکا لوگ اسے حیرانگی سے دیکھ رہے تھے۔

میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

مجھے معلوم ہے وہ لا حاصل ہے میرے لئے۔

اُسے معلوم ہے مجھے عشق ہوا ہے اُس سے۔

اسی وقت ایک گاڑی اسکے عین قریب آ کر کی تھی۔

مشعال بال بال بچی تھے، لیکن مارے خوف کے وہ گر کے بے ہوش ہو گئی تھی۔

اسی وقت اس کار میں سے ایک سوبر سی لیڈی نکل کر اسکے قریب آئی تھیں۔

اومائی گاڈیہ بچی تو بے ہوش ہو گئی ہے، وہ اسکے قریب بیٹھتی ہوئی تشویش سے بولی تھیں۔

اسکے پیچھے ہی اسکا ڈرائور تھا۔

دیکھا تم نے، تمہیں کہا بھی تھا آہستہ چلاؤ گاڑی، وہ اپنے ڈرائور پر چلائی تھی۔

تمہاری زہ سی لاپرواہی سے اسکی جان بھی جاسکتی تھی۔

سس سوری میم، ڈاؤر گھلایا تھا۔

کیا سوری؟ تمہارے سوری سے یہ اٹھ نہیں جائیگی۔

اب منہ کیا دیکھ رہے ہو میرا جاؤ گاڑی قریب لے کر آؤ، اسے میں سنبھال لوں گی اتنی نازک سی تو ہے، وہ شاید مشعال کو کسی مرد کے ہاتھ سے نہیں اٹھوانا چاہتی تھیں اسی لیے ڈاؤر کو ڈپٹ کے بھگادیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ عورت مشعال کو کار میں لٹا کر اسکا سر اپنی گود میں رکھ چکی تھیں۔

میم یہ ہینڈ بیگ ملا ہے اسکے پاس ہی گرا ہوا تھا، ڈاؤر نے مشعال کا بیگ اس عورت کو دیا تھا۔

ہوں، ٹھیک ہے، اب گھر چلو، اس نے ڈرائور کو حکم دیا تو ڈرائور نے جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

زائر "خان پیلیس" پہنچا تو وہاں کافی چہل پہل تھی۔

وہ لاؤنج سے آتی آوازیں سن کر لاؤنج کی جانب ہی آگیا تھا۔

اسلام و علیکم، اس سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

اسے دیکھتے ہی زروا کی آنکھوں میں الگ ہی چمک سی آگئی تھی، جو کے زائر نے بخوبی نوٹ کی تھی۔

سب ہی نے اسکے سلام کا جواب دیا تھا۔

زائر وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

بلیک جینس پر گرے شرٹ پہنے، جسی سلیوز کہنیوں تک فولڈ تھی، ماتھے پر بے ترتیبی سے بکھرے بھورے بالوں اور رف سے حلیے میں اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ، صوفے پر لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھا، صائم سے بات کرتا زائر آج زروا کو کافی اپنا اپنا سا لگا تھا۔

اچانک زائر نے اسکی جانب دیکھا تو زروا جو کے اسے ہی دیکھ رہی تھی، نے فورن سٹیٹا کر نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔

اسکی یہ چوری زائر کی نظروں سے چھپنا سکی تھی، ایک جاندار مسکراہٹ نے اسکے لبوں کا احاطہ کیا تھا، جس سے وہ خود بھی انجان تھا۔

"ڈرتا ہوں کہنے سے کہ محبت ہے تم سے"

"میری زندگی بدل دیگا تیرا اقرار بھی اور تیرا انکار بھی"

کیا سوچ رہے ہونگے خان، اس نے دل ہی دل دلی سوچا تھا۔

زروا مارے شرمندگی کے اب اسکی جانب دیکھنا تو دور اس جگہ سے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

جبکہ زائر فریش ہونے کا کہہ کر اپنے روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

مشعال کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک عالیشان کمرے کے آرام دہ بیڈ پر پایا تھا۔

یہ میں کہاں ہوں؟ سوچتے ہوئے وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

ارے بیٹا لیٹی رہو تمہیں ریسٹ کی ضرورت ہے، وہی عورت اسکے قریب آتے ہوئے
پر شفقت انداز میں بولی تھی۔

آپ کون ہیں؟ اور میں یہاں کیسے آئی؟ مشعال نے اس سے سوال کیا تھا۔

بیٹا آپ میری گاڑی کے سامنے بے حوش ہو گئی تھیں، میں آپ کو اپنے گھر لے آئی ہوں،
اور مجھے آپ اپنی آنٹی سمجھ لیجئے، وہ عورت اسکے قریب ہی چیمڑ ہر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

مشعال کو سب کچھ یاد آنے لگا تھا۔

تھینکس آلاٹ آنٹی، مجھے گھر جانا ہے، میری فیملی پریشان ہو رہی ہوگی، مشعال جھٹ سے بولی
تھی، اسے یہاں کچھ عجیب سالگ رہا تھا۔

مگر بیٹا آپ کو تو چکر آرہے ہیں، وہ عورت اسکی جانب دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

میں ٹھیک ہوں پلیز مجھے گھر جانا ہے، مشعل تھوڑی اونچی آواز میں بولی تھی۔

ٹھیک ہے بیٹا آپ ایسا کریں مجھے اپنا ایڈریس بتائیے، میں آپکو خود چھوڑ آؤنگی، وہ عورت اسکی آنکھوں میں موجود ڈر بھانپ گئی تھی، اسلیے زیادہ اسرار مناسب نا سمجھا تھا۔

نہیں میں خود چلی جاؤنگی، مشعل بیڈ سے اترتے ہوئے بولی تھی۔

اچانک ہی اسے زور کا چکر آیا تھا اور وہ وہیں ڈھے گئی تھی۔

یا اللہ کیا ہوا اسے، وہ مہربان عورت جلدی سے مشعل کے پاس آئی تھی۔

پھر کچھ ہی دیر میں اس عورت نے لیڈی ڈاکٹر کو بلایا تھا۔

انہیں بہت زیادہ اسٹریس ہے اور شاید صبح سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا جسکی وجہ سے چکر آرہے ہیں، مشعال کا چیک اپ کرنے کے بعد اس لیڈی ڈاکٹر نے پیشہ وارانہ انداز میں کہا تھا۔

یہ ٹھیک تو ہے نا ڈاکٹر؟ پریشانی والی کوئی بات تو نہیں؟ اس نے فکر مندی سے سوال کیا تھا۔

نہیں مسرز مظهر، کوئی پریشانی کی بات نہیں، میں نے انہیں سکون کا انجیکشن لگادیا ہے، جب یہ جاگیں آپ انہیں کھانا ضرور کھلا دیجئے گا، اوکے میں چلتی ہوں، ڈاکٹر نے انہیں، ہدایت دیتے ہوئے جانے کی اجازت لی تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی اسکے پیچھے ہی روم سے نکلی تھی۔

زائر خان نے فریش ہو کر نیوی بلو شلوار قمیض پہنا تھا، اور آستین کہنی تک فولڈ کر لی تھیں، نیوی بلو کلر اسکی سرخ و سفید رنگت پر خوب بچ رہا تھا۔

نبیلی سمندر سی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں، جبکہ عنابی لبوں پر مسکراہٹ کا عکس تک نا تھا، اس نے اپنے بھورے بال ہاتھ سے ہی سیٹ کر لیے تھے۔

وہ آئینے میں ایک نظر خود پر ڈالتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

وہ کاریڈور میں ہی تھا کہ سامنے سے آتی زروا اس سے ٹکرائی تھی، اس سے پہلے کہ وہ

گرتی، زائر نے اسے اپنی مضبوط باہنوں میں تھام لیا تھا۔

زروا نے ڈر کے مارے آنکھیں میچ لی تھیں، زائر نے غور سے اسکا یہ بچوں جیسا روپ دیکھا تھا۔

کیا وہ اتنی ہی معصوم تھی؟ ایک سوچ اس کے دماغ میں آئی تھی۔

نہیں، یہ سب میری توجہ پانے کے طریقے ہیں، اس نے خود کی ہی سوچ کی نفی کی تھی اور جاہانہ انداز میں زروا کو ایک سائیڈ کیا تھا۔

زروا لڑکھڑائی تھی۔

ہے یو اسٹوپڈ دیکھ کے نہیں چل سکتیں؟ جب دیکھو کسی ناکسی سے ٹکراتی پھرتی ہو، آریو بلائینڈ؟ یا میرے قریب آنے کا زیادہ ہی شوق ہو رہا ہے؟ وہ اسکی جانب دیکھتا بے حد غصے سے چیخا تھا۔

لسن مسٹر خان میرا پاؤں سلپ ہو گیا تھا، ورنہ مجھے آپ سے ٹکرانے کا کوئی شوق نہیں سمجھے آپ، اور آپ سے کس نے کہا مجھے سنبھالیے، اور رہی بات آپ کے قریب آنے کی تو میرے محرم ہیں آپ، کسی غیر کے قریب نہیں تھی میں آپ شوہر ہیں میرے، وہ اسکی جانب دیکھتی آج شاید پہلی بار اس سے اس قدر غصے میں بات کر رہی تھی۔

اوہ، تو تمہیں پتہ ہے کہ میں تمہارا محرم ہوں؟ ڈیٹس انٹر سٹنگ، زائر اسکی جانب دیکھتا زو معنی لہجے میں بولا تھا۔

زروا گڑبڑائی تھی۔

آپ سے تو بات کرنا فضول ہے، وہ کہتے ہوئے وہاں سے جانے لگی تھی۔

لسن، تمہیں پتہ ہے نا کے میں تمہارا محرم ہوں، تو تمہیں یہ بھی پتہ ہوگا شوہر کے بہت سے حقوق ہوتے ہیں؟ وہ سینے پر ہاتھ باندھے اسکے بالکل سامنے کھڑا، آنکھوں میں شرارت لیے اس سے سوال کر رہا تھا۔

اسکی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے زروا کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔

سامنے کھڑا شخص اپنی تمام تر بے اعتنائیوں کے باوجود دن بہ دن اسکے لیے لازم و ملزوم ہوتا جا رہا تھا۔

بولو نا سویٹ ہارٹ؟ ابھی تو بہت زبان چل رہی تھی تمہاری، اب بولتی بند کیوں ہوگئی؟ وہ اسکی جانب دیکھتا طنزیہ انداز میں استغفار کر رہا تھا۔

مجھے اپنے سب حقوق معلوم ہیں، پہلے جا کر آپ خود کے گرمبان میں جھانکیے، آپ تو مجھے بیوی ہی نہیں مانتے تو پھر کونے حقوق کی بات کر رہے ہیں آپ، زروا اپنی اسی بااعتماد لہجے میں بولی تھی جو آج سے چار سال پہلے تک اسکی شخصیت کا حصہ تھا۔

زائر حیران سا اسکا یہ بدلا ہوا روپ دیکھ رہا تھا، اسے زروا آج پھر سے صرف اسکی پارٹنر ہی لگ رہی تھی، جسکے سامنے ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ لاجواب ہوا تھا۔

تو تمہیں بولنا بھی آتا ہے پارٹنر، کچھ پل کی خاموشی کے بعد وہ اپنی اسی قاتلانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولتا زروا کا دل دھڑکا گیا تھا۔

ہاں آج سالوں بعد اس نے زائر خان آفریدی، کے منہ سے اپنے لیے یہ لفظ سنا تھا۔

تو کیا پتھر میں دراڑ پڑ چکی تھی؟ سوچتے ہوئے زروا مسکرائی تھی۔

اسے مسکراتے دیکھ نا جانے کیوں زائر تپ سا گیا تھا۔

اس سے پہلے کے زائر اسے کوئی جواب دیتا، اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔

تم سے تو بعد میں بات کرتا ہوں، وہ اسکی جانب دیکھ کر بولتا، کال رسیو کرتے ہوئے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

تائی جان آپ بالکل ٹھیک کستی تھیں، زائر بے قصور تھے، یہ جو بے رخی کا خول انہوں نے اپنے اوپر چڑھایا ہوا ہے وہ بالکل ایسے نہیں ہیں، اس نے دل میں ہی سوچا تھا۔

آج شام میں اس نے کینیڈا میں گزرے سب واقعات پلوشہ بیگم کے گوشگزار کر دیے تھے، اور انہوں نے ہی اسے یہ حوصلہ دیا تھا، کہ چاہے جو ہو جائے وہ اب زائر سے بدگمان نہیں ہوگی، اسے پہلے جیسا بنا کر رہیگی۔

زروا نے خوش دلی سے انکی بات مان لی تھی، آخر کو یہ اسکے اپنے دل کی رضا بھی تھی۔

ہاں وہ زائر خان کو چاہنے لگی تھی، یا شاید یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ وہ زائر خان کو چاہتی ہے اسے یہ احساس ہو گیا تھا۔

وہ اسکا محرم ہے یہ اسی احساس ہی اسے سرشار کرنے کو کافی تھا، اسے کوئی عار نا محسوس ہو رہی تھی یہ اقرار کرنے میں کے ہاں زائر خان آفریدی، اسکی اولین چاہت ہے اور آخری بھی۔

"میرا کمال، میرا ہنر پوچھتے ہیں لوگ"

"ایک باکمال شخص میری دسترس میں ہے"

تمہیں تمہارے طریقے سے راہ پر نالائی تو میرا نام بھی زروا زائر خان نہیں، وہ تصور میں اسے
مخاطب کرتی وہاں سے واپس نیچے کی جانب بڑھی تھی۔

جہاں جہاں مشعال کی موجودگی کے امکانات تھے اس نے ان سب جگہاں کو چھان مارا
تھا، مگر وہ کہیں بھی نا تھی۔

ضوریز خان مایوس ہو کر واپس "ضوریز ہاؤس" آگیا تھا۔

وہ اس وقت پریشان سا لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔

ناجانے وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ میری وجہ سے وہ یہ گھر چھوڑ کر گئی ہے، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گا، اس نے پریشانی سے پریشانی مسئلے ہوئے سوچا تھا۔

سب وہاں ہمارا ویٹ کر رہے ہونگے، کیا مجھے سب کو یہ بتانا چاہیے؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے صائم کو کال ملائی تھی۔

ضرور نے مختصر لفظوں میں صائم کو سب بتادیا تھا، ہاں مگر اپنی اور مشعال کی تلخ کلامی گول کر گیا تھا۔

لالہ یہ تو بہت پریشانی کی بات ہے، مجھے تو ٹینشن ہونے لگی ہے، صائم اسکی پوری بات سن کر فکر مند سا ہو گیا تھا۔

آپ ایسا کیجئے وہیں ریکے میں یہاں کہہ دوںگا کہ مشعال کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی
اسلیے آپ لوگ نہیں آسکے، صائم سوچتا ہوا بولا تھا۔

مگر ایلے تو سب مزید پریشان ہو جائینگے اور موم ڈیڈ گھر آئینگے تو انہیں حقیقت پتہ چل ہی
جانی ہے، ضروریز نے اسے دوسرا رخ دکھایا تھا۔

اسکی بات سن کر صائم بھی اب پریشان ہو چکا تھا۔

مشعال جہاں بھی ہو ٹھیک ہو بس، صائم آہستہ سے بولا تھا۔

صائم کیا مطلب ہے تمہارا؟ مشعال کو کیا ہوا ہے؟ زروا کی آواز پر صائم پلٹا تھا۔

اسکے تاثرات بتا رہے تھے وہ سب سن چکی ہے۔

بولو صائم، کیا ہوا مشعال کو؟ کہاں ہے وہ؟ اور تم کس سے بات کر رہے ہو؟ زروا اونچی آواز میں بولی تھی۔

ضوریز لالہ میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں، اس نے بات مکمل کر کے کال کاٹ دی تھی اور زروا کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

زروا ریلیکس، مشعال ٹھیک ہے، صائم نے اسے تسلی دی تھی۔

مگر زروا کو اسکی بات پر بالکل یقین نہ آیا تھا۔

تم جھوٹ بول رہو ہو صائم، میں نے خود تمہیں بولتے ہوئے سنا ہے، بولتے ہوئے زروا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

میں تم سے جھوٹ کیوں بولونگا یار، وہ زچ ہوا تھا۔

تو پھر ٹھیک ہے کھاؤ میرے سر کی قسم، زروا نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا تھا۔

یہیں صائم بے بس ہوا تھا۔

وہ زروا کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا تھا۔

اسی لیے اس نے زروا کو سب بتا دیا تھا۔

اسکے بعد کچھ ہی دیر میں یہ بات سب کو پتہ چل چکی تھی۔

یہ رات کے 12 بجے کا وقت تھا جب مشعال کی آنکھ کھلی تھی۔

اس کی نظر گھڑی پر پڑی تھی، جو 12 بجاری تھی، جبکہ وہ 8 بجے گھر سے نکلی تھی۔

یعنی اسے یہاں آئے 4 گھنٹے ہو گئے تھے۔

اوکاڈ سب کتنے پریشان ہو رہے ہونگے، اس نے دل میں سوچا تھا۔

اسے سخت پیاس محسوس ہوئی تھی، اس نے ارد گرد نگاہ دوڑائی تو اسے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پانی کا جگ دیکھائی دیا تھا۔

مشعال نے گلاس میں پانی انڈیلا تھا اور ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر گئی تھی۔

میں یہاں سے کیسے نکلوں؟ اس نے کوفت سے سوچا تھا۔

مشعال بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آئی تھی جو کے ہاتھ لگاتے ہی کھل گیا تھا۔

اس نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا تھا اور دبے قدموں وہاں سے نکلی تھی۔

تم اتنے لاپرواہ کیسے ہو سکتے ہو ضرور؟ ہمیں تم سے ایسی بچکانی حرکت کی امید ہرگز نا تھی،

شہروز خان غصے سے بولے تھے۔

ضوریز شہروز خان کی کال پر ہی "خان پیلیس" آیا تھا، اور اب سر جھکا گئی کھڑا انکی ڈانٹ
سن رہا تھا۔

سب ہی پریشان تھے، زرو اور عانیہ تو رو بھی دی تھیں، صائم نے ہی انہیں چپ کروایا تھا،
جبکہ زائر لا تعلق سا کھڑا تھا۔

مگر اس میں میرا کیا قصور ہے ڈیڈ جو آپ مجھے سنا رہے ہیں، مجھے کیا پتہ تھا وہ زرہ سی بات
پر اتنا شدید ری ایکٹ کر جائیگی، آپکو کیا لگتا ہے؟ مجھے خوشی ہو رہی ہے اسکے جانے
سے؟ میں پچھلے 4 سے 5 گھنٹوں سے اسے ڈھونڈ رہا ہوں، مگر آپ کو تو ہر بات میں میں
ہی غلط لگتا ہوں، ضوریز انکی جانب دیکھتے ہوئے تپ کے بولا تھا۔

بکواس بند کرو، میں صائم کے ساتھ پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں، تم سے تو میں بعد میں بات کرتا ہوں، لیکن اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا تو تمہاری خیر نہیں ضرور خان، وہ کافی گرجدار آواز میں انتہائی غصے سے بولے تھے۔

صائم فورن ہی انکے ساتھ آگے بڑھا تھا۔

رکے پھوپھا جان، زائر کی آواز پر سب ہی چوٹے تھے۔

جبکہ شہروز خان نے سوالیہ نظروں سے انکی جانب دیکھا تھا۔

میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں، وہ کہتا ہوا انکے قریب آیا تھا۔

صائم تم یہیں رکو پھوپو کے پاس، زائر نے صائم کو تاکید کی تھی۔

چلیے، زائر نے شہروز خان سے کہتے ہوئے ترچھی نظروں سے ضریر کو دیکھتے ہوئے اسے
ایک دل جلانے والی مسکراہٹ پاس کی تھی۔

شہروز خان اثبات میں سرہلاتے اسکے ساتھ چل دیے تھے۔

ضریر لب بھینچے وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

رکو بیٹا، تم کہاں جا رہی ہو؟ مسز مظهر اسکے قریب آئیں تمہیں۔

مشعال جو کے بس گیٹ پار کرنے ہی والی تھی انکی نرم و شفیق آواز پر پلٹی تھی۔

میں گھر جس رہی ہوں، وہ اپنے انلی لیے دیے انداز میں بولی تھی۔

مگر اس وقت تم اکیلی کیسے جاؤگی؟ انہوں نے مشعال سے سوال کیا تو مشعال تذبذب کا شکار ہوئی تھی۔

اچھا مجھے لگتا ہے تم یہاں ایزی فیل نہیں کر رہیں، تم ایسا کرو اپنے گھر میں سے کسی کا نمبر دو میں انہیں کال کر کے بلا لیتی ہوں، مسز مظہر نے اسکی پریشانی سمجھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تو مشعال اب کچھ شرمندہ ہوئی تھی۔

مگر مجھے کسی کا بھی نمبر یاد نہیں، اور میرا موبائل آف ہے، اس نے آہستہ سے وضاحت دی تھی۔

جسے سن کر وہ عورت کسی سوچ میں مبتلا ہوئی تھی۔

مشعال کے زہن میں جھماکا ہوا تھا۔

کراچی جاتے ہوئے عانیہ نے اسکے موبائل میں سماہر بیگم کا نیو نمبر سیو کیا تھا اور اسے اتفاق سے سماہر بیگم کا یہ واکا نمبر یاد رہ گیا تھا۔

اس نے جلدی سے اس عورت کو سماہر کا نمبر بتایا تھا۔

دوسری ہی بیل پر کال رسیو ہو گئی تھی۔

ہیلو، ضوریز خان اسپیکنگ، ہوازدیئر؟ سماہر بیگم کے نمبر سے ضوریز نے کال رسیو کی تھی۔

آپکا نام کیا ہے بیٹا؟ اس عورت نے مشعال سے پوچھا تھا۔

مشعال ضوریز خان، مشعال روانگی میں اسی ستمگر کا حوالہ اپنے نام کے ساتھ لگا گئی تھی۔

دوسری طرف ضوریز خان کو جیسے زندگی کی نوید ملی تھی۔

یہ آواز وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

مشعال یہ تم ہونا؟ وہ خوشی اور حیرانگی کی ملی جھلی کیفیت میں بولا تھا۔

اسکی آواز سن کر، مشعال کا دل بے چین ہوا تھا، اور ضوریز خان کے لیے مچلنے لگا تھا،

لیکن وہ دل کی پکار نظر انداز کر گئی تھی۔

مشعال نے انکے ہاتھ سے موبائل لے کر کال کاٹ دی تھی۔

مسز مظہر علی نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

اسی وقت میسم علی لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

ہیلو موم، وہ مسکراتا ہوا انکی جانب آیا تھا۔

مشعال اسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی اسی لیے اس نے ناگواری سے رخ موڑ لیا تھا۔

جبکہ میسم علی بھی مشعال کو یہاں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

ضوریز کب سے اس نمبر پر کال کر رہا تھا مگر وہ مسلسل آف جا رہا تھا۔

سب ہی پریشان تھے۔

اسی وقت زائر خان کے ہمراہ شہروز خان لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

صائم انہیں سب کچھ بتا چکا تھا۔

یا اللہ! ہمیں میری بچی کس حال میں ہوگی، نگین بیگم مسلسل روئے جاری تھیں، زروا اور عانیہ انہیں سنبھالے ہوئے تھی۔

سماہر بیگم کی حالت بھی کچھ مختلف نا تھی، وہ بھی رو رہی تھیں، پلوشہ بیگم انکے پاس بیٹھی انہیں حوصلہ دے رہی تھیں۔

جبکہ مراد خان سفیر خان خان اور فرقان خان بھی پریشان سے بیٹھے تھے۔

زروا یہاں آؤ، زائر نے اسے بلند آواز میں مخاطب کیا تھا۔

زروا چونکی تھی پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اسکے قریب آئی تھی۔

زائر نے ایک نظر اسکا اداس سا چہرہ اور رونے کی وجہ سے سرخ ہوتی آنکھیں دیکھی تھیں۔

ایک پل کو تو زائر کے دل کو کچھ ہوا تھا مگر پھر وہ خود کو کمپوز کر گیا تھا۔

تم اور عانیہ جا کر کچن میں کچھ کھانے کا انتظام کرو، کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا، میں جا کر صائم سے کہتا ہوں چچی کو سنبھالے، زمرہ دارانہ انداز، ٹھہرا ہوا سمجھدار لہجہ، یہ شخص تو وہی پرانا زائر خان تھا، جسے خود سے بڑھ کر اپنوں کی فکر تھی۔

زروا کو بے اختیار ہی اپنی قسمت پر رشک ہوا تھا۔

اسکی بات سمجھتے ہوئے زروا اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

جبکہ زائر وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"مشعال ضوریز اسپیشل"

شہناز مظہر علی، میسم علی کی سوتیلی ماں تھیں، انکے شوہر نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کر لی تھی۔

شادی کے کچھ عرصے بعد ہی شہناز علی مظہر علی کے دوسرے گھر میں شفٹ ہو گئیں
تھیں، مظہر علی کے لیے انکا وجود نا ہونے کے برابر تھا۔

وہ شادی کرتے ہی انہیں، مکمل طور پر بھلا چکے تھے مگر شہناز علی نے اف تک نہیں کیا
تھا۔

انکے لیے بس یہی کافی تھا کہ مظہر علی نے انہیں، طلاق نہیں دی تھی۔

مظہر علی نے انکا خرچا دیتے رہنے کا کہا تھا مگر شہناز علی نے انہیں، اس تردد سے منع
کر دیا تھا۔

وہ ایک انجوائیڈ خاتون تھیں، اور ایک کالج میں لیکچرار کے طور پر جاب کرتی تھیں۔

جب مشعال انکی گاڑی کے سامنے بے حوش ہو کر گرمی تو صدا کی نرم دل شہناز علی کو یہ
بلکل گوارا نا ہوا کہ وہ اسے یہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں اسی لیے وہ اسے گھر لے آئی
تھیں۔

انکی کوئی اولاد نا تھی مگر میسم علی ان سے کافی اچھے سے ملتا تھا، اسی لیے وہ اسکے آتے
ہی خوشی سے کھل اٹھتی تھیں، وہ ابھی بھی ان سے ملنے ہی آیا تھا۔

مگر سانپ کی فطرت ہے ڈسنا، میسم علی چاہے ان سے کتنے بھی اچھے کیوں مل لے مگر
وہ جانتی تھیں کہ وہ انتہائی بگڑا ہوا لڑکا ہے، انکی سوتن نے اپنے بچوں کو اس قدر بگاڑ دیا
ہے کہ وہ سہی غلط کی تمیز تک بھول چکے ہیں۔

مشعال کی موجودگی میں اسکا یہاں ہونا انہیں، فکر مند کر گیا تھا۔

جبکہ دوسری جانب وہ مشعال کے رویے سے پریشان ہو گئی تھیں۔

انہیں یہ تو سمجھ آگیا تھا کہ مشعل گھر سے بنا بتائے نکل آئی ہے، مگر اس سے زیادہ وہ اندازہ نا لگا سکی تھیں۔

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ مشعل سے اسکے متعلق پوچھ پوچھ کر تھک چکی تھیں مگر وہ کچھ بتانے کو تیار نا تھی۔

وہ اس وقت مشعل کے ساتھ روم میں تھیں۔

جبکہ میسم لاؤنج میں بیٹھا ٹی۔وی دیکھ رہا تھا۔

مشعل بیٹا، آپ مجھے آئی مانتی ہیں نا؟ تو پھر مجھے بتائیے ہوا کیا ہے آخر؟ آپ کسی سے ناراض ہو کر آئی ہیں؟ اور یہ ضوریز خان آپکے ہسبینڈ ہیں نا؟ وہ مشعل سے پھر سے وہی سوالات پوچھ رہی تھیں۔

مشعال نے ہاتھ کی پشت سے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے انکی جانب دیکھا تھا۔

شہناز بیگم کو وہ کافی الجھی ہوئی لگی تھی۔

دیکھے مشعال، آپ میری بیٹی جیسی ہیں، ایک دفعہ مجھ پر یقین کر کے تو دیکھیے، مجھ سے جس حد تک ہوسکا میں آپکی مدد کرونگی بیٹا، مگر اسطرح رونے سے کچھ نہیں ہوگا، اس سے آپکی طبیعت خراب ہو جائیگی، وہ اسکا چہرہ ہاتھوں میں تھامے بے حد پیار سے بول رہی تھیں۔

مشعال کا ضبط ٹوٹا تھا، وہ انکے گلے لگ کر روتی چلی گئی تھی۔

وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا، وہ وہ میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا، مشعال ہچکیوں کے درمیان بولی تھی۔

شہناز بیگم سن رہ گئی تھیں۔

انہیں، مشعال کچھ ہی گھنٹوں میں بے حد عزیز ہو گئی تھی۔

آپ کو پتہ ہے وہ کہتا ہے میں چاہے جو کر لوں، مگر مم میں اسے نہیں پاسکتی، وہ بکھر رہی تھی۔

مشعال نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔

اتنی کم عمر میں اسکی یہ دیوانگی دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھیں۔

مشعال چپ ہو جاؤ، بس کر دو، وہ تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہیگا، میں کہہ رہی ہوں نا، وہ اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے بول رہی تھیں۔

جبکہ مشعال اس اجنبی عورت سے دل کا حال کہہ کر کافی حد تک پرسکون ہو گئی تھی۔

کبھی کبھی اجنبی اپنوں سے بڑھ کر ثابت ہو جاتے ہیں۔

ایسا ہی مشعال کے ساتھ ہوا تھا، وہ انکے گلے لگی ہوئی تھی۔

جبکہ شہناز بیگم سوچوں میں غلطیاں تھیں۔

شہروز خان اور سفیر خان اپنے کسی جاننے والے پولیس والے کے پاس خفیہ طور پر مشعال کا پتہ لگانے کا بوٹے گئے تھے۔

سماہر بیگم پلوشہ بیگم کے ساتھ گم سم سی لاؤنج میں بیٹھی تھیں، عانیہ مراد خان کے پاس بیٹھی انہیں، دلا سے دے رہی تھی۔

واٹ دا ہیل، ضوریز نے پھر سے اسی نمبر کال ملائی تھی مگر وہ آف تھا، اسی لیے اس نے غصے میں موبائل دیوار پر دے مارا تھا۔

زروا جو کے نلین بیگم کو سکون کی ٹیبلٹ دے کر بہت مشکل سے انکے کمرے میں سلا کر آئی تھی، اسے لاؤنج میں غصے میں ٹہلتے دیکھ بے اختیار اسکی جانب آگئی تھی۔

اس موبائل پر غصہ نکال کر کیا ہوگا، اس سے مشعال نہیں مل جائیگی، ضوریز پلیز کالم ڈاؤن، وہ نرمی سے بولی تھی۔

ضوریہ نے ایک نظر اسکی جانب دیکھا تھا۔

ڈارک پریل کلر کے ٹراؤزر شرٹ میں دوپٹہ سلیپتے سے سر پر جمائے، بنا کسی میک کے بھی وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

مگر ضوریہ کا تو دھیان ہی کہیں اور تھا، اسی لیے اتنے دن بعد بھی زروا کو دیکھ کر اسکے دل میں کوئی ہلچل نا ہوئی تھی۔

اس نے کچھ گھنٹے پہلے تک زروا کو پسند کرنے کا دعوا کیا تھا، جبکہ اب وہ اسکے سامنے تھی پھر بھی ضوریہ اسکی جانب متوجہ نا تھا۔

وہ متوجہ ہوتا بھی کیسے؟ اسکا دل تو مشعال خان کا ہو چکا تھا، مگر فلحال وہ اس بات سے انجان تھا، یا شاید انجان بن رہا تھا۔

میں اور کیا کروں ہاں؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہا وہ آخر جا کہاں سکتی ہے؟ اس نے یہ تک نہیں سوچا کہ اسکے یوں جانے سے میں کتنا پریشان ہوؤں گا، وہ دیوار لرنگا ہیں جہاں ٹمھر ٹمھر کر بول رہا تھا۔

جبکہ زروا اس کے دائیں جانب کھڑی تھی، اور وہ اسکی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

چچ چچ تم تو بہت جلدی ہار مان گئے ڈیئر کزن، مجھے تم سے یہ امید نا تھی، طنزہ انداز میں کہتا زائر خان اسکے قریب آکر رکا تھا۔

بکواس بند کرو تم اپنی، ضرور غصے میں چلایا تھا۔

میں نے تو سچ ہی کہا ہے، وہ الگ بات ہے کہ سچ کڑوا لگتا ہے، وہ دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اک ادا سے بولا تھا۔

ضرور نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا تھا۔

مجھے گھورنے کے بجائے تم اپنی بیوی کا پتہ کرو، ناجانے کس حال میں ہوگی وہ، اور یقیناً تمہارے پاس اتنی عقل بالکل بھی نہیں کے تم یوں موبائل توڑ کر غصہ کرنے کے بجائے اسکا نمبر ٹریک کر کے اسکی لوکیشن پتہ کرو، وہ طنزیہ انداز میں کافی سمجھداری کی بات کہہ گیا تھا۔

زروا نے چونک کر اسکی جانب دیکھا تھا، اور اسے یہ سمجھنے میں بالکل بھی دیر نا لگی تھی کے زائر نے یہ جان بوجھ کر کیا تھا۔

وہ اپنی بات مکمل کرتا جیسے آیا تھا ویلے ہی وہاں سے چلا گیا تھا مگر ضروریز کے لیے سوچوں کے دروا کر گیا تھا۔

اسکے جاتے ہی زروا اسکے پیچھے گئی تھی جبکہ ضوریز بھی فورن وہاں سے نکلا تھا۔

لیپ ٹاپ پر موجودہ لوکیشن دیکھ کر ضوریز کی پیشانی پر لاتعداد بل پڑ گئے تھے۔

ڈیم اٹ، یہ ایڈیٹ یہاں کیا کرنے گئی ہے، وہ غصے سے بولا تھا۔

پولیس نے چوبیس گھنٹوں سے پہلے رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسی لیے وہ سب اپنے زرائع استعمال کرتے ہوئے مشعال کو ڈھونڈ رہے تھے۔

جبکہ ضوریز زائر کی بات پر عمل کرتے ہوئے وہ سیدھا "ضوریز ہاؤس" آیا تھا۔

اسے پہلی بار آج زائر سے نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

یہاں پہنچ کر کچھ ہی دیر کی محنت کے بعد بالاخر وہ کامیاب ہو گیا تھا۔

وائس رانگ ود ہر، وہ غصے میں کہتا اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

تمہاری عقل ٹھکانے لگانے کا وقت آگیا ہے مشعال خان، وہ تصور میں اسے مخاطب کرتا،
اسکرین پر نظر آتے ایڈریس پر نکل پڑا تھا۔

آپ نے وہ جان بوجھ کر کیا تھا نا؟ زروا روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی تھی۔

زائر نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی اور بنا جواب دیئے پھر سے اپنی فائل پر جھک گیا تھا۔

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا، وہ پھر سے بولی تھی۔

میں ضروری نہیں سمجھتا، وہ سپاٹ لہجے میں کہتا اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

زروا تاسف سے سر ہلاتی واپس باہر چلی گئی تھی۔

میسیم صاحب باہر کوئی ضروریز خان آئے ہیں، وہ بہت غصے میں ہیں، چوکیدار نے آکر اطلاع

دی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

اب آئیگا مزہ، میسم شیطانی مسکراہٹ چہرے پر سجائے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

ہے تم واٹس آپلیزنٹ سرپرائز، میسم مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اسکے قریب آیا تھا۔

مشعال کہاں ہے؟ وہ اسکی بات نظر انداز کرتے ہوئے چلایا تھا۔

مشعال یہیں ہے میرے ساتھ ہی، وہ ایکچوٹلی اندر بیڈروم میں آرام کر رہی ہے، وہ اسطرح سے بولا تھا جیسے مشعال اسی کے ساتھ ہو۔

ضوریز نے ایک کاٹ دار نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

میسم گرہڑایا تھا۔

میرا مطلب وہ میری ماما کی گاڑی کے سامنے آئی من، وہ وضاحت دینے لگا تھا۔

جبکہ ضوریز اسے ایک سائیڈ دھکا دیتا آگے بڑھا تھا۔

مشعال مشعال، پلیز باہر آؤ مشعال؟ کہاں ہو تم؟ وہ دیوانہ وار اسے پکارتا اندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

میسم اسکے پیچھے آیا تھا۔

ہے یو اسٹاپ، تم ایسے کیسے اندر گھس رہے ہو، میسم چلایا تھا۔

گوٹو ہیل، ضوریز نے اسے پھر سے جھاڑ دیا تھا۔

ارے یہ کیا ہو رہا ہے میسم؟ اور آپ کون ہیں بیٹا؟ شناز علی شور سن کر باہر آگئیں
تھیں۔

مائی سیلف ضریرز خان آفریدی، میں اپنی وائف کو لینے آیا ہوں، اچھا ہوگا آپ شرافت سے
اسے میرے ساتھ بھیج دیں، ورنہ اسے تو میں اپنے طریقے سے لے کر جاسکتا ہوں مگر اسکے
بعد جو ہوگا وہ آپ کے حق میں، وہ مزید کچھ بولے والا تھا کہ اسکی بات مشعال نے
کاٹ دی تھی۔

جسٹ شٹ اپ، تم یہ کس طرح بات کر رہے ہو ان سے، تم جانتے بھی ہو آج انکی وجہ
سے میں یہاں تمہارے سامنے کھڑی ہوں، ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا ہے میرا، جان سے
چلی جاتی میں اگر آج یہ نا ہوتی، بے حوش ہو گئی تھی میں اور یہ مجھے یہاں لائی میرا اتنا خیال
رکھا انہوں نے، ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتی مشعال بے حد غصے میں تھی۔

شہناز علی پریشان ہو گئی تھیں، جبکہ میسم موقع دیکھتے ہی وہاں سے کھسک گیا تھا۔

جبکہ ضوریز اب لب بھینچتے اسکی بات سن رہا تھا۔

اوکے مان لیا مائی مس ٹیک، بٹ ان تم میرے ساتھ چلو، وہ حاکمانہ انداز میں بولا تھا۔

مرکر بھی میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤنگی سنا تم نے؟ مشعال غرائی تھی۔

مشعال پلیز ریلیکس ہو جاؤ بیٹا، شہناز علی نے شعلہ بنی مشعال کے شانے ہر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش ہونے کا کہا تھا۔

تمہارے تو اچھے بھی جائیں گے مشعال بیگم، وہ سرد لہجے میں کہتا اسکے قریب آیا تھا۔

بیٹا پلیز آپ آرام سے بیٹھ کر بات کر لیں، اسطرح تو بات مزید بڑھ جائیگی، شناز علی نے
ضوریز کو سمجھانا چاہا تھا۔

بات تو میں اب اس سے گھر جا کر ہی کروں گا، آپ نے مشعال کی ہیلپ کی اسکے لیے
تھینکس، مگر اب ہمارے معاملے سے دور رہیے، وہ بدتمیزی سے کہتا مشعال کا ہاتھ تھام کر
اسکا ہاتھ کھینچنے کے انداز میں پکڑتا باہر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

ضوریز کے تیور دیکھ کر شناز علی چپ ہو گئی تھیں۔

چھوڑو مجھے جنگلی، مشعال چلائی تھی۔

کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ تمہاری وجہ سے گھر میں سب کتنے پریشان ہیں اندازہ بھی ہے
تمہیں اس بات کا؟ ضوریز پلٹ کر اسکی جانب دیکھتا غصے سے بول رہا تھا۔

تم تو نہیں ہونا؟ تمہیں کیا میں مروں یا جیوں، مجھے نہیں چاہیے کسی کی فکر جب تم ہی میرے نہیں، وہ چلائی تھی۔

ضوریز نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

تو کیا وہ چاہتی تھی ضوریز اسکے لیے پریشان ہو؟ تو کیا اسے ضوریز کے رویے سے فرق پڑتا تھا؟ ضوریز نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

مشعال کی آنکھوں میں موجود اپنا عکس دیکھ کر ضوریز ششدر رہ گیا تھا۔

مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا، مشعال کی ایک ہی رٹ تھی۔

ضوریز نے کچھ محلے تو خاموشی سے اسکی جانب دیکھا تھا اور پھر ایک دم سے اسے گود میں اٹھا کر گیٹ کی جانب بڑھا تھا۔

اسے یوں مشعال کو لے جاتے دیکھ شہناز علی بے ساختہ ہی مسکرا دی تھیں، انہوں نے صدقِ دل سے انکے لیے دعا کی تھی۔

یہ کیا حرکت ہے واہیات انسان، غصے میں بھی اسکی اس حرکت پر مشعال بری طرح بلش ہو گئی تھی۔

جبکہ ضوریز بہرہ بنے اسے اٹھائے چلتا جا رہا تھا۔

اسکے کوئی جواب نا دینے پر مشعال اسے خفگی سے گھورتی خاموش ہو گئی تھی۔

ضوریز نے نہایت آرام سے اسے کار کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا تھا اور خود ڈرائونگ سیٹ پر آیا تھا۔

تم مجھے لے جا رہے ہو تو یہ مت سمجھنا کہ تم جیت گئے ہو سمجھے؟ میں صرف اپنی فیملی کی وجہ سے تمہارے ساتھ چل رہی ہوں، ضوریز کے گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ تپے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

مہربانی، ضوریز صرف اتنا کہہ کر ڈرائونگ اسٹارٹ کر چکا تھا۔

جبکہ مشعل منہ بناتی رخ موڑ گئی تھی۔

ضوریز کے لب اس کے انداز پر مسکرا اٹھے تھے۔

صائم کے زریعے سب کو مشعال کی خیرے کا پتہ چل گیا تھا۔

سب ہی نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

ضوریز اسے لے کر سیدھا "ضوریز ہاؤس" گیا تھا، جبکہ عانیہ، شہروز خان اور سماہر بیگم "خان پبلیس" میں ہی تھے۔

سماہر بیگم اور نگین بیگم تو رات کے 4 بجے ہی مشعال سے ملنے کو وہاں جانے کا بول رہی تھیں۔

مگر سفیر خان نے انہیں روک دیا تھا۔

مشعال نے سب سے کال پر بات کر لی تھی، اور اپنی خیریت کا بتا دیا تھا۔

سب ہی مطمئن ہو گئے تھے۔

یہ صبح کے 6 بجے کا وقت تھا، نیند اسکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اس وقت بھی وہ بیڈ پر بیٹھی پچھلی رات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

جبکہ ضروریز واشروم میں شاور لے رہا تھا۔

مشعال کچھ سوچتے ہوئے بیڈ سے اتری تھی، اسکا ارادہ کچن میں جا کر کافی بنانے کا تھا۔

اسی وقت ضوریز بھی شاور لے کر نکلا تھا ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر میں موجود ٹی شرٹ سے بے نیاز، وہ ٹاول سے بال خشک کرتا اسکے قریب آکر رکا تھا۔

ہٹو سامنے سے، مشعال اسکی جانب دیکھنے سے پرہیز کرتی ہوئی چڑکر بولی تھی۔

جبکہ وہ اپنے کسرتی لمبے چوڑے وجود سمیت مشعال کے سامنے کسی لوہے کی دیوار کی مانند استدعا، اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

نہیں ہٹ رہا، وہ ہٹ دھرمی سے بولا تھا۔

اے ہیلو یہاں، میری طرف دیکھ کر بات کرو، وہ اسے زچ کرنے کے موڈ میں تھا۔

مشعال نے نگاہ اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

ضوریز نے اسے کھینچ کر اسکے دونوں ہاتھ اسکی پشت سے لگاتے ہوئے اسے اپنے قریب کیا تھا۔

عموماً مشعال کی اس کے سامنے چلتی قینچی کی طرح تیز دھاری زبان اس وقت خلاف توقع اسکے سامنے بند ہوئی تھی۔

وہ اس کی ساحرانہ پرسنالٹی کے حصار میں خود کو جکڑا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

وہ پگھل رہی تھی۔۔

بے خیالی میں وہ اس کو ٹکٹکی باندھے دیوانہ وار تک چلی جا رہی تھی۔

دوسری طرف وہ شخص تھا، جو ایک نظر غلط بھی اس کی طرف ڈالنا اپنی توہین اور انا کی تذلیل ہونے کے مترادف سمجھتا تھا، مگر اس وقت وہ خود کو بے بس محسوس کرتا ہوا مشعال کی خوبصورت مگر اس سے خفا خفا سی آنکھوں میں خود کو بری طرح سے ڈوبتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

وہ پوری طرح مشعال کی سیاہ خوبصورت ہرنی سی آنکھوں میں غرق ہو چکا تھا۔

صبح صبح کا وقت، اکیلا پن، اور مشعال کی آنکھوں میں اپنے لیے موجود دیوانگی، اسے نئے بنے اس رشتے کو قبول کرنے پر اکسا رہی تھی۔

وہ بہت پہلے ہی مشعال کی اپنے لیے پسندیدگی محسوس کر چکا تھا، مگر آج اسکا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

خاموشی کئی سرگوشیاں اپنی ہی زبان میں ان دونوں کے کانوں میں کسی سریلے گیت کی طرح انڈیل رہی تھی۔

دونوں کو اس وقت دنیا جہان کی کوئی فکر تک نہ رہی تھی۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت ساکت ہو چکا ہے دنیا میں کوئی زمی روح اس وقت موجود نہ رہا ہو۔

ہر دکھ ہر غم اور انا جیسے کہیں انگریزی لے کر جا سوئے تھے۔

اس محلے بس وہ دونوں ایک دوسرے کے سحر میں گرفتار تھے۔

ضویر کے موبائل کی بار بار بجتی میسج کی ٹون نے ان دونوں کو واپس حقیقت کی دنیا میں لادھکیلا تھا۔

ایک طلسم تھا جو ٹوٹ کے بکھرا تھا۔

ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتے خیالات سے جھنجھوڑ کر واپس تلخ اور حواسوں کی دنیا میں لاپٹھا تھا۔

مجھے جانے دو، مشعل آہستگی سے بولی تھی۔

وہ سوالیہ نظروں سے اپنی راہ روکے جانے پر تمللا کر بولی تھی۔

تمام احساسات پر ایک دم جیسے اوس سی پڑ چکی تھی۔

سرد لب و لہجہ واپس عود کر آیا تھا۔

"تمہارے راستے میں تو اب ہر جگہ تمہیں میرے نام کے ہی نوکیلے پتھر اور خاردار راہیں ہی ملیں گی"

"کیونکہ یہ راستے تمہارے لئے تمہارے ہی منتخب کردہ جو ٹھہرے"

ضوریز کا لب و لہجہ بھی یک لخت تبدیل ہو گیا تھا وہ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑنا ہوا سرد لہجے میں بولا تھا، وہ اپنی پرانی ٹون میں واپس آگیا تھا۔

جس سے وہ مشعال کو شدید چکرا نے کا ہنر بخوبی اپنے اندر رکھتا تھا۔

ویسے لگتا ہے میری چند منٹ کی کرم نوازی نے تمہیں کافی سرشار کر دیا ہے؟؟؟

اس کا اشارہ کچھ دیر قبل اپنی اور اس کی آکورڈ سچویشن کی طرف تھا۔

تم راستہ نہیں دینا چاہتے شاید مجھے؟

مگر میں اپنے راستے میں آنے والے تمام پتھر اور کانٹوں کو بڑی مہارت سے ہٹانا جانتی ہوں
!!!---

کسی بھی غلط فہمی مت رہیے گا۔

وہ بھی اب بری طرح سے سلگ کر آتش فشاں بنی اس کو سوالیہ نظروں سے گھور رہی
تھی۔

"کیوں کیا تمہیں مجھ سے خوف محسوس ہو رہا ہے؟؟؟"

وہ جانے کیوں اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔

"کسی خوش فہمی میں نہ رہنا، نہ ہی میں تمہیں اپنا دل سے شوہر تسلیم کرتی ہوں اور نہ ہی میں اس رشتے کو کوئی اہمیت دینے کی قائل ہوں، نا ہی تم اس قابل ہو"

وہ ہر قسم کے تعلق سے انکاری تھی یہ سوچے بغیر کہ وہ ضرور کی انا کو انجانے میں ہی چیلنج کر بیٹھی ہے۔

چلو دیکھتے ہیں کہ تم کب تک میری ذات سے انکاری رہ سکتی ہو؟

وہ اسے چیلنج کرتے انداز میں بولا تھا۔

تم سے یہ میرا وعدہ رہا کہ ضوریز خان میں کبھی بھی ہار نہیں مانو گی بلکہ تمہیں ہار بھی جیت کر دکھاؤں گی"

"مشعال خان اپنے کئے وعدے اور قول سے ہٹنے والوں میں سے ہرگز بھی نہیں ہے یاد رکھنا"

وہ انگشت شہادت بلند کر کے اس کی طرف دیکھتی بے خوف اور پراعتمادی سے بولی تھی۔

ضوریز اس کے انداز پر دنگ رہ گیا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ اسے کوئی کرارا سا جواب دیتا اسکا موبائل پھر سے بجنے لگا تھا۔

ضوریز ایک خونخوار نگاہ اس پر ڈالتا روم سے نکلتا چلا گیا تھا۔

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا، پلوشہ بیگم کچن میں کھڑی ملازمہ کو ہدایات دینے کے ساتھ خود بھی ناشتے کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔

سب ہی کا ارادہ ناشتے کے بعد "ضوریز ہاؤس" جانے کا تھا۔

وہ ڈائیننگ ٹیبل پر ناشتہ لگوا رہی تھیں جب زائر وہاں آیا تھا۔

اسلام و علیکم مومی، زائر انہیں سلام کرتا انکے قریب آیا تھا۔

وعلیکم اسلام بچے، انہوں نے پیار سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

زائر نے عقیدت سے انکے ہاتھ چوم کر آنکھوں پر لگائے تھے، جو کے اسکی عادت تھی۔

پلوشہ بیگم مسکرا دی تھیں۔

بیٹھو خان، میں ناشتہ لگوا رہی ہوں بس ابھی، وہ مسکراتی ہوئی بولی تھیں۔

مومی مجھے ایکچوٹلی ایک بہت ضروری کام ہے، اسلیے میں بریک فاسٹ باہر ہی کرونگا، آپ بس میرے لیے دعا کیجئے گا، وہ سہولت سے انکار کر گیا تھا۔

چلو ٹھیک ہے، اور میری دعائیں تو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں بیٹا، وہ اسکی پیشانی چوم کر پیار سے بولی تمہیں۔

اوکے مومی میں چلتا ہوں، وہ ان سے اجازت لیتا واپسی کے لیے مڑنے لگا ہی تھا کہ سامنے سے وہ دشمن جاں آتی دیکھائی دی تھی۔

رائل بلو کلر کی گھیردار فراک میں دوپٹہ سلیقے سے شانے پر پھیلائے، کانوں میں نازک سے ٹاپس ڈالے، وہ کافی پیاری لگ رہی تھی، قدرتی گلابی ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ رقصاں تھی، بے شک وہ زائر کو مبہوت کر گئی تھی۔

اسکے صبح چہرے سے ہوتی زائر کی نظریں زروا کے گلے میں موجود اس کے دیئے اس پینڈٹ پر ٹھہر سی گئی تھی۔

زروا اسکے یوں خود کو دیکھنے پر نروس ہوئی تھی۔

"کاش مجھے معلوم ہو جائے تیری سوچ کا محور"

"میں خود کو تراشوں تیرے اندازِ نظر سے"

پلیز راستہ دیجئے، زروا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مڑوڑتی ہوئی اسکی نگاہوں سے
کنفیوز ہوتی آہستہ سے بولی تھی۔

زائر ایک دم حوش میں آیا تھا۔

اسے راستہ دیتا وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا سرعت سے اسکے قریب سے گزرا تھا۔

زروا بھی پلوشہ بیگم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زائر کے آفس کا کام مکمل ہو چکا تھا، وہ وہی دیکھنے آیا تھا۔

کچھ ہی دنوں میں اسکی زندگی کی نئے سرے سے شروعات ہونی تھی۔

اسکی پہلی بیٹینگ کامیاب رہی تھی، وجدان کے توسط سے پاکستان میں ہی ایک اچھی کمپنی کے ساتھ کام کا موقع مل گیا تھا۔

وہ اپنے پروجیکٹ کے لیے دن رات محنت کر رہا تھا۔

اس وقت وہ اپنے نئے آفس میں موجود تھا، جس کا افتتاح کل ہونا تھا۔

وہ سب کچھ چیک کرچکا تھا اور اب ریلیکس ہونے کو کچھ دیر آفس میں ہی بیٹھا تھا۔

وہ آنکھیں بند کر چیئر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

میرے محرم ہیں آپ، زروا کی آواز پر اس نے ایک دم سے آنکھیں کھولی تھیں۔

کونے حقوق کی بات کر رہے ہیں؟ پہلے جا کر اپنے گریبان میں تو جھانکیے۔

زروا کا طنزیہ جملہ اسکے دماغ میں ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

زروا کی کہی باتیں یاد کر کے، زائر کا دماغ گھوم رہا تھا۔

اوپر سے وہ منظر، جب وہ ضوریز کے برابر کھڑی اس سے باتیں کر رہی تھی۔

اسکے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں۔

زائر نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بامشکل اپنے اشعال پر قابو پایا تھا۔

نہیں ضوریر خان، اب اور نہیں، اب تم مجھ سے کچھ نہیں چھین سکتے، زروا کو تو بلکل بھی نہیں، زائر نے تنفر سے سوچا تھا۔

ہماری شادی چاہے جن حالات میں بھی ہوئی ہو، چاہے میں اسے پسند کروں یا ناکروں، مگر وہ صرف میری ہے، سر سے پاؤں تک، اس پر صرف میرا حق ہے، اسکے دل و دماغ پر اسکی سوچوں پر میں حتیٰ اسکی سانسوں پر صرف زائر خان کا حق ہے، اس بار میں ہارونگا نہیں، وہ جنونی انداز میں سوچتا ہوا سامنے موجود ٹیبل کو کک مار کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

آج سنڈے تھا، اور وہ سب اس وقت "ضوریز ہاؤس" میں موجود تھے۔

سماہر بیگم نے تو آتے ہی مشعال کا صدقہ دیا تھا، جبکہ باقی سب ہی نے مشعال کے سہی سلامت ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

سب بڑے اورینگ جنریشن اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

مشعال عانیہ سے باتوں میں مصروف تھی، جبکہ اس نے زروا سے تو سیدھے منہ بات تک ناکی تھی۔

زروا اپنا سامنہ لے کر رہ گئی تھی۔

جبکہ عانیہ نے یہ بات شدت سے محسوس کی تھی۔

اب سب سیٹ ہو گیا ہے نا بھئی مان بھی جائے باباجان، صائم کب سے سب کو کہیں
گھومنے چلنے کے لیے فورس کرنے میں لگا ہوا تھا۔

مگر کوئی مان کے نادے رہا تھا۔

اسی وقت زائر خان لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

اسلام و علیکم، وہ اپنے مخصوص سنجیدہ سے انداز میں سب کو سلام کرتا آگے آیا تھا۔

زروا نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی جبکہ زائر اسے نظر انداز کر گیا تھا۔

یاہو، زائر لالہ، چلیے اب آپ سب دور ہوں، میرا سپورٹ سسٹم آچکا ہے، وہ چمکتا ہوا زائر کے قریب آیا تھا۔

آجاؤ بھئی زائر بیٹا اور اپنے بھائی کے پلانز سنو زہ، سماہر بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

کونے پلانز پھوپھو؟ خلاف معمول وہ مسکراتے ہوئے سماہر بیگم سے پوچھ رہا تھا۔

بلاشبہ اس شخص کی مسکراہٹ کسی کا بھی دل چرا سکتی ہے، زروا نے دل ہی دل میں اقرار کیا تھا۔

زروا کے خود کے گالوں پر بھی ڈمپل پڑتے تھے مگر اسے زائر کی مسکراہٹ شروع ہی سے بہت پسند تھی۔

جبکہ زائر شاذونادر ہی مسکراتا تھا۔

زائر کے پوچھنے پر صائم نے اسے پوری بات بتادی تھی۔

اسکی بات سن کر زائر کچھ پل کو خاموش ہوا تھا۔

تم فکر مت کرو صائم، سمجھو تمہارا پلان ڈن ہو گیا، ضوریز کی آواز پر سب ہی نے چونک کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

جبکہ زائر لب بھینچ گیا تھا۔

مگر ابھی تو ہماری یونیورسٹی اسٹارٹ ہوئی ہیں صائم، ایسا کرتے ہیں پھر کبھی چلیں گے، وہ مشعال ہی کیا جو ضوریز کی بات سے ردنا کرے، سوا بھی بھی اس نے گفتگو میں حصہ لینا ضروری سمجھا تھا۔

میں بھی میھی سوچ رہا تھا، زائر نے بھی اب بولنا فرض سمجھا تھا۔

ضوریز مشعال کو گھور کر رہ گیا تھا۔

جبکہ انکار سن کر صائم کا منہ لٹک گیا تھا۔

چلو ایسا کرتے ہیں، آج کا ڈنر ہم سب باہر کریں گے، آؤٹنگ بھی ہو جائیگی اور کسی کا کوئی لاس بھی نہیں ہوگا، واٹس سے؟ ضوریز اب زائر کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

ہاں یہ اچھا ہے، عانیہ نے جھٹ سے اسکی تائید کی تھی۔

اوکے پھر جیسا سب کو ٹھیک گے، زائر نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

تم سب ینگ جنریشن ہی جاؤ بھئی ہم سب تو گھر میں ہی ٹھیک ہیں، سماہر بیگم ہنستے ہوئے بولی تھیں۔

ہاں بالکل بھئی، تم سب کے تو دن ہیں گھومنے پھرنے کے، پلو شہ بیگم نے بھی انکی تائید کی تھی۔

اوکے پھر ڈن ہوا، آج ہم سب ڈنر پر جائینگے، اسکے بات لانگ ڈرائو، یاہو، صائم چمکا تھا۔

زائر اسے بچوں جیسے خوش ہوتے دیکھ مسکرا دیا تھا۔

وہ سب اس وقت سوات کے سب سے فیمس ریسٹورنٹ میں تھے۔

سب کھانا کھاچکے تھے بس اب سویٹ آرڈر کی تھی۔

صائم اور عانیہ مسلسل بول رہے تھے، مشعال اور زروا بھی انکا ساتھ دے رہی تھیں۔

جبکہ زائر بے زار سا بیٹھا تھا، اور ضوریز کے تاثرات بھی کچھ مختلف نہ تھے۔

یار لالہ کیا ہے؟ خاموش کیوں بیٹھے ہیں آپ؟ آئی تمہنگ ہم گھومنے آئے ہیں؟ اور آپ دونوں بھی بول سکتے ہیں، صائم نے زائر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

زائر نے ایک نظر اسکی جانب دیکھا تھا۔

یو نونا مجھے زیادہ بولنے کی عادت نہیں صائم، تم لوگ بول رہے ہونا، کافی ہے

خلاف معمول اس نے نرمی سے جواب دیا تھا۔

اچھا چلیں ایک گیم کھیلتے ہیں، عانیہ نے گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

کیسا گیم؟ مشعال نے پوچھا تھا۔

اسپین دا بوٹل، جس کسی کے سامنے بوٹل رکی اسے اپنے سامنے بیٹھے انسان کے سوال کا جواب دینا ہوگا، اور یہ سوال ٹروٹھ اینڈ ڈیئر میں ہوگا، عانیہ نے تفصیل بتائی تھی۔

اوکے ڈن، مشعال نے جواب دیا تھا۔

سب ہی اب بوٹل کی جانب متوجہ تھے۔

صائم نے بوٹل اسپن کی تھی۔

جو کے عانیہ کی جانب کی تھی۔

چونکہ عانیہ کے بالکل سامنے صائم بیٹھا ہے اس حساب اب صائم تم ہی عانیہ سے اپنی مرضی کا سوال پوچھو گے، مشعال نے شرارتی انداز میں صائم کو آنکھ مارتے ہوئے کہا تو صائم نے اسے گھورا تھا۔

اچھا تو عانیہ یہ بتاؤ، تمہاری سب سے بڑی وش کیا ہے؟ صائم نے دلچسپی سے عانیہ کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا کر سوال کیا تھا۔

میری پینٹنگز ایگزٹیش، عانیہ نے سیکینڈز کا وقفہ لیے بنا جواب دیا تو سب مسکرا دیئے تھے
کیونکہ پینٹنگ کے لیے اسکے کریز سے سب ہی واقف تھے۔

واؤ، ڈیٹس سو امپریسو، صائم نے اسکی تعرف کی تو عانیہ سب کی موجودگی میں جھینپ سی
گئی تھی۔

اچھا اب نیکسٹ، عانیہ نے جلدی جلدی کہا تھا۔

ایک بار پھر سے بوٹل اسپن کی گئی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس بار بوٹل زروا کی جانب کی تھی۔

زروا تذبذب کا شکار ہوئی تھی، کیونکہ اسکے سامنے ضریر بیٹھا تھا۔

چلو زروا اب سوال کرو لالہ سے، عانیہ نے زروا کو مخاطب کیا تو وہ چونکی تھی۔

زائر بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

زروا سوال پوچھو نا، لالہ سے، صائم نے بھی مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

ضوریز اب سیدھا ہو کر بیٹھا زروا کے بولے کا منتظر تھا۔

میں کیا پوچھوں، زروا سمنائی تھی۔

ارے کچھ بھی پوچھ لو، اتنا اچھا موقع ہے یا، عانیہ نے زروا سے کہا تو مشعال لب بھیج گئی تھی۔

آج سے چار سال پہلے اس رات، 14 فروری کی رات جب وہ واقع ہوا، اس وقت تم نے جو کچھ بھی کہا وہ سچ تھا یا جھوٹ؟ سنجیدگی سے سوال کرتی زروا سب کو حیران کر گئی تھی۔

زائر نے سراٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا، تو کیا وہ واقع ہی نہیں جانتی کے ضوریز نے جو کہا وہ سچ ہے یا جھوٹ؟ تو کیا زروا اسکے ساتھ شامل نا تھی؟ زائر مختلف سوچوں میں غلطاں تھا۔

جبکہ باقی سب اس کے اس سوال پر دنگ رہ گئے تھے، چھ افراد کی موجودگی کے باوجود بھی وہاں سننا تھا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ماحول میں ضوریز کی آواز گونجی تھی۔

میں اپنی موم کی قسم کھاتا ہوں، اس رات میں نے کچھ جھوٹ نہیں بولا، نا ہی میں اب جھوٹ بول رہا ہوں، ضروریز کا انداز بے لچک تھا۔

سب ہی اسکے جواب پر حیران رہ گئے تھے۔

زائر اسکی بات سن کر چونکا تھا، نا جانے کیوں اسے آج ضروریز خان آفریدی، کے لہجے میں کوئی فریب دیکھائی نا دیا تھا، زائر یہ بھی جانتا تھا ضروریز چاہے جیسا بھی ہو مگر وہ سماہر بیگم کی جھوٹی قسم نہیں کھاسکتا، اسی لیے اسکے دماغ میں اس وقت آندھی کے جھکڑ سے چل رہے تھے۔

اوگاڈ، یعنی جو ہوا اس میں کچھ تو ایسا ہے جو ہم نہیں دیکھ سکے؟ تو کیا ضروریز نے کچھ نہیں کیا؟ یعنی اس رات جو ہوا اس میں کسی تیسرے کا ہاتھ تھا؟ زائر نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

انف، زائر دھاڑا تھا، اب کوئی گیم نہیں ہوگا آپ سب چلیے یہاں سے، زائر غصے سے کہتا
اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

موقع کی نزاکت سمجھتے ہوئے کسی نے بھی بحث نا کی تھی اور سب ہی اسکے پیچھے ہی
ریسٹورنٹ سے نکلے تھے۔

آج کی رات سب کے لیے سوچوں کے نئے دروازے کھول گئی تھی۔

سچ کا خلاصہ ہونے کو تھا۔

لیکن محبت اور انا کی اس جنگ میں جیت یقیناً محبت کی ہی ہونی تھی۔

مشعال کی آنکھ کھلی تو گھڑی صبح کے 9 بج رہی تھی۔

اولو، آج تو نیو کلاسز اسٹارٹ ہونگی، میں لیٹ ہو گئی، اس نے سر پر ہاتھ مارا تھا۔

ضویر نے سرسری سی نظر اس پر ڈالی تھی۔

مشعال فورن بیڈ سے اتری تھی۔

مجھے جگا نہیں سکتے تھے تم؟ اب وہ اس کے سر پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

کلاسز تمہاری تھیں نا؟ تو تمہیں خود کو فکر نہیں تھی؟ اور یہ میرا نہیں تمہارا کام ہے بالے

داوے، وہ لاپرواہی سے کہتا خود پر پرفیوم اسپرے کرنے لگا تھا۔

تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے، وہ تپ کے بولی تھی اور وارڈروب کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

پھر بھی تم بار بار یہ کام کرتی ہو، کتنی ڈھینٹ ہونا تم، ضرور اسکے قریب جا کر اسکی طرف قدرے جھک کر کہتا، اسے آگ لگا کر گاڑی کی کیز اٹھاتا جھپاک سے روم سے باہر نکل گیا تھا۔

ذلیل، کمینہ، مشعال اسے التقابات سے نوازی تن فن کرتی واشروم میں گھس گئی تھی۔

آج زائر کے نئے آفس جا افتتاح تھا، جو کہ اس نے گھر میں کسی کو بھی بتانا ضروری نا سمجھا تھا۔

اسکا ارادہ آفس سے واپسی پر زروا کو لیتے ہوئے اپنے بنگلے پر جانے کا تھا۔

وہ صبح 9 بجے آفس پہنچا تھا، اور اپنے کچھ پرانے جاننے والوں کے سامنے اس نے ربن کٹ کرتے ہوئے اپنے نئے آفس کا افتتاح کیا تھا۔

کچھ لوگوں کے علاوہ اسکا پورا اسٹاف ہی نٹا تھا۔

زائر ایک شان سے چلتا اپنے عالیشان آفس میں داخل ہوا تھا۔

کامیابی اس سے چند قدم کی دوری پر تھی۔

آج اسکا آفس میں پہلا دن تھا، شہروز خان نے اسے پورے اسٹاف سے متعارف کروایا تھا۔

اس نے تقریباً سب ہی فائز اسٹڈی کرلی تھیں جو شہروز خان نے اسے کام سمجھنے کے لیے دی تھیں اور اب ضریرز اپنے عالیشان آفس میں بیٹھا بیزار ہو رہا تھا۔

جب شہروز خان وہاں آئے تھے۔

ڈیڈ آپ، مجھے بلوالیا ہوتا، انہیں دیکھ کر وہ احتراماً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

یہ کیا طریقہ ہے ضریرز، کیسے بیٹھے ہو تم یہ، یہ میرا آفس ہے تمہارے باپ کا مینشن نہیں، وہ غصے میں بولے تھے۔

انکا اشارہ اسکے حلیے اور بیٹھنے کے انداز کی طرف تھا، کیونکہ وہ ٹیبل پر پاؤں رکھے مزے سے چیئر پر بیٹھا تھا، جبکہ اس کی سلیوز فولڈ ہوئی ویں تھیں اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی ہو کے گلے میں جھول رہی تھی۔

ڈیڈ میرے باپ آپ ہی ہیں، وہ انکی آخری بات پکڑتے ہوئے سنجیگی سے بولا تھا مگر
آنکھوں شرارت رقصاں تمھیں۔

ضوریز خان، سدھر جاؤ تم، انہوں نے اسے گھورتے ہوئے تنبیہ کی تھی۔

اوکے ناریلکس، میں مزاق کر رہا تھا، وہ سیرئیس ہوا تھا۔

یہ فائل میں تمہیں دینے آیا ہوں، یہ ہے تمہارا پہلا پریزنٹیشن، پہلے یہ کام میں خود کرتا تھا،
مگر اب میری سیٹ تم سنبھالو گے، یہ ڈیل ہمیں ملنی چاہیے، اگر تم کامیاب رہے تو اس
ڈیل کے بعد سے یہ آفس تمہارا میرے شیر، کیونکہ اب میں تو ہونے والا ہوں ان سب سب
ریٹائرڈ تو یہ سب اب تمہاری ذمہ داری ہے، آفٹر آل میرے بعد یہ سب تمہیں ہی سنبھالنا
ہے، وہ اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے مسکرا کر بولے تھے۔

انکے بیچ باپ بیٹے کے علاوہ بھی ایک مضبوط رشتہ تھا، وہ رشتہ تھا دوستی کا، ضروریز شروع ہی سے شہروز خان سے بہت کلوز رہا تھا، وہ اس کے باپ سے پہلے اسکے بہترین دوست تھے۔

یس ڈیڈ، میں آپکو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا ڈیڈ، سب سے کامیاب بزنس ٹائیگون بننا میرا خواب ہے اور میں اسے پورا کرنے کے لیے اپنی جان لگا دوں گا، وہ پراعتماد انداز میں بولتا ان کے ہاتھ سے فائل تھام چکا تھا۔

گڈ، مجھے تم سے یہی امید تھی، چلو اب تم اپنا کام کرو، میں چلتا ہوں، وہ مسکراتے ہوئے اسکے آفس سے نکل گئے تھے۔

ضروریز پوری توجہ سے فائل کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

ایک بھرپور دن گزار کر زائر آفس سے آیا تو زروا نگین بیگم اور پلوشہ بیگم کے ساتھ لاؤنج میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

اسلام و علیکم، اس نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے مشترکہ سلام کیا تھا۔

تینوں نے ہی نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

زائر وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

زروا بیٹا جاؤ زائر کے لیے پانی لے آؤ، نگین بیگم نے کہا تو زروا جی کہہ کر اہنی جگہ سے اٹھی تھی۔

زائر کی نظروں نے دور تک اسکا پیچھا کیا تھا۔

"میسر کر دے جو صدیوں کی قربتیں"

"سنگ تیرے وہ اک لمحہ جینا چاہوں"

لیجئے، زروا نے پانی کا گلاس اسے تھمایا تھا۔

زائر نے ایک ہی سانس میں پانی پی لیا تھا۔

تم فریش ہو جاؤ زروا کھانا لگا دیتی ہے تمہارے لیے، پلو شہ بیگم نے کہا تو زائر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

مومی میں زروا کو لے کر اپنے بنگلے پر جا رہا ہوں، میرا نیا آفس سیٹ ہو چکا ہے تو اب ہم ہمارے گھر میں ہی رہیں گے، زائر نے انہیں اطلاع دی تھی۔

جسے سن کر زروا کے ساتھ ساتھ پلو شہ بیگم بھی اداس ہو گئی تھیں۔

وہ جانتی تھیں زائر نے جو ٹھکان لی وہی کریگا، اسے سمجھانا بیکار تھا اسی لیے انہوں نے اسکی بات سن کر اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب سے مل کر وہاں سے نکل گئے تھے۔

وہ سب کے ساتھ بیٹھ کہ کھانا کھا رہی تھی جب ضوریز گھر میں داخل ہوا تھا وہ سیدھا ڈائیننگ ٹیبل پر ہی آیا تھا جہاں وہ سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

"اسلام وعلیکم" ان کے قریب پہنچ کہ اس نے بلند آواز میں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام کہاں رہ گئے تھے بیٹا" شہروز صاحب نے سلام کہ جواب میں ہی سوال کیا تھا۔

آپ نے جو فائل دی تھی بس اسی سے ریلیٹیڈ ایک ضروری کام سے گیا تھا ڈیڈ وہ کرتے ہی آگیا ہوں، اس نے آہستہ سے کہتے ہوئے اسکی طرف دیکھا جو خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی اسکے تاثرات سے کوئی اندازہ لگانا مشکل تھا۔

کیونکہ مشعال کا چہرہ کسی بھی تاثر سے خالی تھا ضرور نے بھی انکے ساتھ بیٹھ کر خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔

پر کھانا کھاتے وقت بار بار اسکی نظریں اسکی طرف اٹھ رہیں تھیں، پر مشعال نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اسکی جانب دیکھنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

خاموشی سے کھانا کھا کہ وہ ٹیبل سے اٹھ گئی تھی، اسے اپنی اسائنمنٹ بنانی تھی جو کل سبمنٹ کروانی تھی اور اسے ابھی تک اس پر کام نہیں کیا تھا۔

ضروریات کی نظروں نے دور تک اسکا پیچھا کیا تھا۔

وہ 8 بجے اسے اپنے بنگلے پر چھوڑ کر ناجانے خود کہاں چلا گیا تھا۔

زروا لاؤنج میں ہی، صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں، میز پر پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی۔

جب زائر لاؤنج میں داخل ہوا تو اسکی نظر سب سے پہلے زروا پر پڑی تھی۔

وہ صبح والا سوٹ چینج کر چکی تھی، اور اس وقت وہ بلیک اینڈ گرے کنٹراسٹ کے سوٹ میں ملبوس اردگرد سے بے نیاز سوچوں میں ڈوبی، وہ کوئی اداس سی مورت لگ رہی تھی۔

گلاب چہرے پر اداسیاں گھلی ہوئی تھیں، بند آنکھوں میں جیسے کوئی چھبیں سی تھی، جسکی تکلیف اسکے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

دونوں ہاتھ پہلو میں گرے صوفے پر پڑے تھے جیسے اس مورت میں جان نا ہو، وہ بنا آہٹ کیے بہت آہستگی سے اسکی طرف آیا تھا۔

زائر یک ٹک اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

اس نے ہاتھ میں موجود شاپر میز پر رکھا تھا۔

سفید گردن میں لپٹا ڈائمنڈ پینڈٹ اسکا ایمان خراب کر رہا تھا، اسکے قریب آتے ہوئے زائر
تمھوڑا سا جھکا تھا۔

اگلے ہی پل اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی شہادت کی انگلی سے اس ڈائمنڈ لاکٹ کو چھولیا تھا،
بہت آہستگی سے۔

پھر بے ساختہ ہی اسکی انگلی کی پشت نے زروا کی شہ رگ کو چھوا تھا، یہ سب اتنا اچانک
اور بے اختیاری عمل تھا کہ وہ خود بھی اپنی اس بے ساختگی سے انجان تھا۔

تمھارا قرب میسر جہاں بھی ہوگا مجھے

تمام زیست میں _____ وہ وقت مُعتبر ہوگا

زائر حوش میں تو تب آیا تھا جب زروا نے اسکے لمس پر تڑپ کر آنکھیں کھولی تھیں۔

زروا کا نازک دل یوں اچانک زائر کو اپنے سامنے اپنے اس قدر قریب دیکھ کر شدت سے
دھڑکنے لگا تھا۔

جبکہ زائر اسکے یوں آنکھیں کھولنے پر ایک پل کو چونکا تھا مگر اس سے دور نہیں ہوا تھا، وہ
اس سے فوراً دور ہو کر اپنی کمزوری اس پر واضح نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پاؤں سمیٹ کر سیدھی ہو کر بیٹھی زروا اب حق دق سی اسکی جانب دیکھ رہی تھی جواب
سکون سے میز پر بیٹھ چکا تھا۔

انگلیاں ہنوز اسکے گلے میں موجود چین کو پکڑے ہوئے تھیں، کچھ اس مضبوطی سے کے
اگر زروا اپنا سر مزید پیچھے کرتی تو وہ چین ٹوٹ جاتی، اسلیے دم سادھے وہ اپنی جگہ بت سی
بن گئی تھی۔

آج دوپہر میں کال کی تھی میں نے، تم نے پک کیوں نہیں کی؟ لہجہ ہمیشہ کی طرح
بے تاثر تھا، اسکے چہرے پر جھولتی ایک آوارہ لٹ کو وہ نرمی سے اپنی شہادت کی انگلی پر
لپیٹتا پوچھ رہا تھا۔

زرّوا خود کو کافی حد تک کمپوز کر چکی تھی مگر دھڑکنیں ہنوز منتشر ہو رہی تھیں۔

مجھے پتہ نہیں چلا، وہ نظریں چراتے ہوئے سنجیگی سے بولی تھی۔

کیوں؟ کان بند کر کے بیٹھی تھیں؟ انگلی پر لپیٹ اسکے بالوں کی لٹ ایک جھٹکے سے
کھینچتے ہوئے زائر اب سختی سے پوچھ رہا تھا۔

زائر کی انگلی کی حرکت پر، زرّوا کے لبوں سے بے ساختہ سی کی آواز نکلی تھی، زائر نے
بڑی گہری نگاہوں سے اسکے لبوں کی جنبش دیکھی تھی۔

کیونکہ میں سوئی ہوئی تھی! اس کی بے اعتنائی پر اپنے آنسو حلق میں اتارتی آہستگی سے بولی تھی۔

زائر کی گہری نگاہیں اور قربت اسکے دل میں حشر برپا کر رہی تھیں۔

"خان پیلیس" میں تو تم راتوں کو جاگا کرتی تھیں، میرے ساتھ آتے ہی دن میں بھی نیندیں آرہی ہیں؟ امیزنگ، اپنی انگلی پر لپیٹ اسکے بالوں کی لٹ اسکے کان کے پیچھے کرتے ہوئے زائر نے ایک تیر پھینکا تھا۔

زروا نے ایک شکوہ کناں نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

زیادہ غلط فہمیاں پالنے کی ضرورت نہیں ہے، کل رات بھر نیند نہیں آئی تھی اسلیے دن میں لیٹی تو آنکھ لگ گئی، تلخی سے کہتی وہ صوفے سے اتری تھی۔

زائر بھی بھنویں اچکا تا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

کھانا کھالیا تم نے؟ زائر اب کے قدرے نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

کچھ پکانے کا ہے یہاں؟ جو میں بنا لیتی؟ آپ نے تو پلٹ کر خبر بھی نہیں لی بلکہ مجھے یہاں چھوڑ کر پورے 3 گھنٹے بعد واپس آئے ہیں، وہ ناچاہتے ہوئے ہی شکوہ کر گئی تھی۔

اسکے انداز پر زائر کے لب مسکرائے تھے۔

جانتا ہوں عقل کی شدید کمی ہے تمہارے پاس، مگر آنکھیں تو ہیں نا؟ اگر جا کر کچن میں دیکھنے کی زحمت کر لیتی تو تمہیں پتہ چل جاتا یہاں سب کچھ موجود ہے، سرد مہری سے کہتا وہ اسے شرمندہ کر گیا تھا۔

زروا نے بے اختیار ہی نگاہیں جھکالی تھیں۔

بیٹھو یہاں، وہ اسے ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھا چکا تھا۔

زروا بنا کسی مزاحمت کے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

جبکہ زائر اسے صوفے پر بٹھا کر خود کچن میں گیا تھا اور کچن سے کولڈٹک کے لیے گلاس لے کر آیا تھا۔

اس کے بعد زائر نے میز پر سے پزہ کا باکس اٹھا کر اسکے سامنے کیا تھا۔

اسکی ساری کاروائی دیکھتی زروا شدید حیران ہوئی تھی۔

کھاؤ اسے، اسکے پاس ہی کچھ فاصلے پر صوفے پر ٹکتا وہ سنجیگی سے بولا تھا۔

کیا تھا وی شخص؟ کبھی اتنا مہربان تو کبھی انتہا کا ظالم، زروا اسے جتنا سمجھنے لگتی تھی اتنا الجھ جاتی تھی۔

مجھے نہیں کھانا، زروا نے خفگی سے کہا تھا۔

یہ نخرے مجھے مت دیکھاؤ، تمہارے اور میرے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں ہے، صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے زائر نے سرد مہری سے کہا تھا۔

زروا نے ایک شکوہ بھری نگاہ سے اسکی جانب دیکھا تھا، وہ اسی کی جانب متوجہ تھا۔

تعلق نا سہی، رشتہ تو ہے، جانے کیسے زروا کے منہ سے یہ شکوہ پھسل گیا تھا۔

اسکے انداز پر زائر بے حسی سے مسکرایا تھا۔

رشتے کی بات مت کرو سویٹ ہارٹ، جو رشتہ تمہارے اور میرے درمیان بن چکا ہے، یہ اپنے آپ میں بہت سے تقاضے رکھتا ہے۔

حق مانگتا ہے، اور زائر خان آفریدی تمام تقاضے، تمام حقوق پورے تو کر سکتا ہے مگر کبھی کریگا نہیں، سرد لہجے میں بولتا وہ ایک بار پھر سے زروا کو اسکی اوقات یاد دلا گیا تھا۔

زروا کا دل خون ہوا تھا۔

زائر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا سیڑھیاں چڑھتا اوپر کی جانب بڑھ گیا۔

بہت جلد آپکو احساس ہوگا زائر، جس غلطی کی سزا آپ مجھے دے رہے ہیں وہ تو میں نے
کی ہی نہیں ہے، بہت پچھتائیں گے آپ، زروا صوفے پر ہی بیٹھی رودی تھی۔

دن تیزی سے گزر رہے تھے، اس رات کے بعد زائر نے اس مخاطب کرنا بھی چھوڑ دیا تھا تو
زروا نے بھی یہ سرد مہری کی دیوار گرانے کی کوشش نا کی تھی۔

زروا نے مکمل طور پر گھر کی ذمہ داری سنبھال لی تھیں، زائر یہ بات اچھے سے نوٹ کر چکا
تھا۔

وہ روز صبح سویرے ہی اٹھ جاتی تھی، فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت اسکا معمول
تھی، یہ بات اس ایک مہینے میں زائر بخوبی جان چکا تھا۔

اسکے بعد وہ زائر کے لیے ناشتہ بناتی تھی، ساتھ ہی اسکے آفس جانے کے وقت اسکا سارا
سامان ایک طرف کر کے رکھ دیتی تھی تاکہ اسے پریشانی نا ہو۔

زائر اسے یونیورسٹی چھوڑ کر آفس چلا جاتا تھا، جبکہ واپسی وہ ڈرائر کے ساتھ آتی تھی۔

زائر کے باقی کے کام بھی زروا نے خاموشی سے اپنے ذمہ لے لیے تھے، زائر نے بھی اسے منع نہیں کیا تھا، بلکہ وہ بھی اب اسکا عادی ہوتا جا رہا تھا۔

غیر محسوس انداز میں وہ زروا کی طرف متوجہ ہونے لگا تھا، وجہ شاید وہ غلط فہمی تھی جو اس رات ضرور کی بات سے کافی حد تک ختم ہو گئی تھی، یا پھر یہ وہ جذبہ تھا جسے عشق کہتے ہیں۔

مگر جو بھی تھا زائر خود اس بات سے انجان تھا۔

وہ ذاتی طور پر اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مگر ضرور اور زروا کو لے کر ایک پھانس اب بھی زائر کے دل میں تھی۔

موسم گرما کی آمد آمد تھی، یہ شام کا وقت تھا۔

زروا لاؤنج میں بیٹھی ٹی۔وی پر کوئی پاکستانی سیریل دیکھ رہی تھی۔

زائر سلام کرتا لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

زروا نے غور سے اسکی جانب دیکھا تھا، آج کل وہ یونہی بے حد بزی رہنے لگا تھا۔

اکثر ناشتہ یا کھانا گول کرجاتا تھا۔

بلیک پینٹ پر پیچ کلر کی شرٹ پہنے، وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

ماتھے پر بکھرے بھورے بال، اور کہنی تک گولڈ کی گئی آستین اسکی تھکن کلپتہ دے رہی تھیں۔

لپنا کوٹ ایک سائیڈ رکھ کر وہ وہیں صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

زرّوا فلوقت سب بھلائے اٹھ کر اسکے قریب آئی تھی۔

خان تم ٹھیک ہو؟ زرّوا نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

آں ہاں، زائر نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹی مسلتے ہوئے بے دھیانی میں جواب دیا تھا۔

اسے تکلیف میں دیکھ زرّوا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

مجھے تو ایسا نہیں لگتا، زروا نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو زائر نے زروا کی جانب دیکھا تھا۔

وہ پنک کمر کے خوبصورت لان کے سوٹ میں سنہری بالوں کی پونی بنائے، اپنی تمام تر شادابی اور دلکشی سمیت وہ آنکھوں میں زائر کے لیے فکر مندی لیے کھڑی اسے بے حد اپنی اپنی سی لگی تھی۔

تمہیں دیکھا جو آج ایک نگاہ بھر کے پہلو میں دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا

میں نے کہا نا میں ٹھیک ہوں، وہ دل سے نگاہ چراتا اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

میں بھی وہی کہہ رہی ہوں، آپ ٹھیک نہیں ہیں، زروا دوبارہ بولی تھی۔

تم جانتی ہو؟ تم چاہے جو بھی کر لو مگر میری زرا سی توجہ تک حاصل نہیں کر سکتیں، تو پھر کس لیے یہ ڈرامہ کر رہی ہو؟ میرے دل تک رسائی چاہتی ہو نا؟ تو سنو میرا دل پتھر ہے اور تم اس پتھر کو موم نہیں کر سکتیں زروا خان، وہ اپنی جگہ سے اٹھتا سرد لہجے میں دھاڑا تھا۔

زروا کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی تھیں۔

زائر نے ایک قہر برساتی نگاہ اس پر ڈالی تھی، اور جانے کے لیے پلٹا تھا۔

آپ بہت، زروا نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر زائر نے پلٹتے ہوئے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

برا، بہت برا ہوں میں، یہی کہنا چاہتی ہونا؟ مگر سنو زروا خان، میں تمہارے لبوں پر اپنے
یلے یہ کمپلیمنٹ نہیں سننا چاہتا، سن رہی ہونا تم؟ وہ اسکی کمر میں بازو حمائل کیے اب
سردمہری سے بول رہا تھا۔

زروا کی دھڑکنیں اسکی فولادی گرفت پر پل میں منشر ہوئی تھیں۔

فاصلہ برقرار رکھنے کو زروا نے فوراً اسکے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

زروا نے دھندلی نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا، جسکے خوبو چہرے پر چٹانوں سی سختی تھی،
جبکہ نیلی سمندر سی گہری آنکھوں میں بلا کی اجنبیت تھی۔

مگر میں کہنا چاہونگی، کیونکہ آپ آپ اس اسی قابل ہیں، آنسوؤں کا گولا حلق میں اتارتی
اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بڑی دیدہ دلیری سے بول رہی تھی۔

اسکی نازک ہتھیلی کے نیچے اس مضبوط مرد کا دل اپنی مخصوص رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

اسکا اس قدر پراعتماد لہجہ، زائر کو آگ لگا گیا تھا۔

وہ جو اتنے دنوں سے خاموش تھا، اسکے انداز پر اسکا دماغ گھوم گیا تھا۔

تم وہ لڑکی ہو جسے زائر خان ایک نگاہ غلط تک ڈالنا پسند نہیں کرتا، اور مجھے تمہاری کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اسلیے بہتر ہوگا مجھ سے دور رہو، وہ اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پاتا ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتا ایک بار پھر سے اسکی تذلیل کر گیا تھا۔

آپ کی یہ جو نفرت ہے نا یہ آپکو لے ڈوبیگی خان، کیونکہ آپ اپنی انا میں اس قدر ڈوب چکے ہیں کہ آپ کو صرف اپنا آپ دیکھائی دیتا ہے، آپ نے کبھی سچ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی، کیوں کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ ایسا؟ کیوں مجھے پل پل اذیت سے دوچار کرتے ہیں؟ ایک ہی بار مار کیوں نہیں ڈالے جب میں آپکو اس قدر ناپسند ہوں؟ جب آپ

مجھے کچھ نہیں سمجھتے تو اس بے آپکو کوئی حق نہیں پہنچتا، کے آپ یوں مجھے تکلیف پہنچائیں، وہ غصے سے بولتی بولتی آخر میں ہانپ گئی تھی۔

کچھ پل کو تو زائر سن رہ گیا تھا۔

مگر اگلے ہی پل اسے ایک خود سے دور کرتا آگ بگولا ہوتے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

زروا بھاگتی ہوئی دوسرے روم میں چلی گئی تھی۔

مشعال، اس وقت عانیہ کے روم میں تھی۔

کچھ دیر پہلے ہی عانیہ اور وہ شلپنگ کر کے لوٹی تھیں۔

مشعال شروع ہی سے شلپنگ کی دیوانی تھی اوت اس نے آج کافی دنوں بعد دل کھل کر شلپنگ کی تھی۔

یہ والا سوٹ تو تم آج ہی پہننا، عانیہ نے ایک سوٹ اسے دیکھایا تھا۔

اتنے میں ہی عانیہ کے موبائل پر صائم کی کال آنے لگی تھی۔

مشعال کی موجودگی میں وہ تنذب کا شکار ہوئی تھی۔

مسلسل بچتے موبائل کو دیکھ مشعال سمجھ گئی تھی کہ کس کی کال آرہی ہے۔

پک کر لو سچی میں بلکل بھی ظالم بھا بھی نہیں ہوں، تمہارے اکڑو لالہ کو بلکل نہیں
بتاؤنگی، وہ شرارتی انداز میں بولی تو عانیہ جھینپ گئی تھی۔

جانتی ہوں میں اس اسٹوپڈ ڈاکٹر صاحب کی کال ہے، تم بات کرو میں چلتی ہوں، مشعال
سہولت سے اسے موقع دیتی اپنا سامان سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اسکی بات سن کر اب کی بار عانیہ کھل کر ہنسی تھی۔

اسکے چہرے پر چاہے جانے کی الگ ہی خوشی تھی۔

مشعال نے اسکی یہ مسکراہٹ قائم رہنے کی دعا کی تھی اور اسکے روم سے نکل گئی تھی۔

وہ وہاں سے آکر کافی دیر تک روتی رہی تھی مگر پھر سنبھل گئی تھی۔

کیا میں اس قابل بھی نہیں زائر کے آپ مجھے اپنی تکلیف بتا سکیں؟ زروا نے دکھتے ہوئے
دل سے سوچا تھا۔

مگر میں اپنے دل کا کیا کروں جو ہر وقت بس آپ کی ہی گردان کرتا رہتا ہے، کیسے
سمجھاؤں میں آپکو، کیا ہیں آپ میرے لیے؟ زروا اس بے حس انسان سے تصور میں مخاطب
تھی۔

آپ جو بھی کر لیں میں آپ کو یوں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، آپ نے یہ جو خود ساختہ
خول اپنے آپ پر چڑھایا ہوا ہے، میں آپ کو مجبور کردونگی اسے توڑنے کے لیے، زروا نے
دل میں سوچا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ ایک ٹرے میں کافی اور پین کلر لیے روم میں داخل ہوئی تھی۔

زائر سامنے ہی بیڈ پر سو رہا تھا۔

"نخت کے تخت سے نخلت اتارا ہوا شخص"

تم نے دیکھا ہے کبھی، جیت کے بارا ہوا شخص؟

ہاں وہ اپنی انا سے جیتنے والا مگر محبت میں بارا ہوا شخص تھا۔

وہ انا کے چکر میں اپنی محبت کو پا کر بھی تشنہ لب تھا۔

برسوں کی پیاس بجھ سکتی تھی، مگر وہ اپنی انا کے نول میں بند خود اپنے آپ کو اذیت دے

رہا تھا۔

سارے دن کی تھکاوٹ سے لاچار وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا گرمی نیند میں جاچکا تھا۔

زروا نے بغور اسکی جانب دیکھا تھا، زائر ہنوز اسی آفس سوٹ میں ملبوس تھا۔

پاؤں جوتوں کی قید میں مقید بیڈ سے نیچے لٹک رہے تھے۔

اسکی ہیزل آنکھوں میں اس سنگدل کے لیے تشویش اتر آئی تھی جو اسے تکلیف دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا۔

مگر وہ اپنے دل کے باتھوں مجبور اسکی تھکاوٹ کے خیال سے ہی اسکے لیے فکر مند ہو گئی تھی۔

دھیمی چال چلتی وہ بیڈ کی طرف آئی تھی، اور قریب آ کر بغور زائر کی بند آنکھوں کو دیکھا تھا۔

جامد پلکھیں اسکی گہری نیند کا پتہ دے رہی تھیں۔

بالائی لب کو ڈھانچے اسکی بھوری مگر گھنیری مونچھ زروا کا دل دھڑکا گئی تھیں، مونچھوں کے اطراف میں اگی شیو اسکی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر پہلے کا منظر یاد آیا تو زروا نے بے ساختہ اسکے چہرے سے نگاہ ہٹالی تھیں۔

دل کی حالت غیر ہونے لگی تھی، ایک نظر اسکے لمبے چوڑے وجود پر ڈال کر وہ وہیں بیڈ کے پاس زمین پر اسکے پیروں کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

بہت آہستگی سے زروا نے اسکے پیروں سے شوز اتار کر موزے اتارے تھے، اس کام سے فارغ ہو کر وہ کھڑی ہوئی تھی، اور کچھ تنذب کے عالم میں زائر کی جانب دیکھا تھا۔

کشادہ پیشانی پر بکھرے اسکے بھورے بال مہنوؤں تک آرہے تھے۔

وہ بہت آہستگی سے زائر کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی اسے زائر سے کب محبت ہوئی، جب وہ کینیڈا میں اسکے ساتھ نیاگرہ فال دیکھ رہی تھی، یا جب وہ گنڈے اسکے پیچھے لگ گئے تھے، یا جب زائر نے اسے اپنے ہونے کا یقین دلایا تھا، یا شاید بچپن ہی سے وہ اس مغرور شخص کو چاہتی آرہی تھی۔

وہ بے حس شخص جو اسے دیکھنا تک گوارا نہ کرتا تھا ہاں وہ شخص اسکے لیے لازم و ملزوم ہوتا جا رہا تھا۔

زروا نے بہت آہستگی سے اسکے بکھرے بالوں کو اسکی پیشانی سے ہٹانے کی گستاخی کی تھی۔

اسکے ہاتھوں کے لمس پر زائر کو نیند میں ہی کچھ محسوس ہوا تھا، تب ہی زروا نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

زائر، آواز بہت دھیمی تھی، زائر کی گہری نیند میں کوئی خلل نا آیا تھا۔

زائر، اس بار زروا نے قدرے زور سے پکارتے ہوئے اسکا شانہ ہلایا تھا۔

اسکی بند پلکھوں میں جنبش ہوئی تھی۔

ہوں، زائر نے آنکھیں زرا سی کھول کر خود پر جھکی زروا کی طرف دیکھا تھا۔

اسکی نیلی آنکھوں میں سرخی کی لکیر تھی، اففف، زروا کا دل ایک پل کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔

سس سیدھے ہو کر لیٹ جائیں پلینز، ایسے آپکی گردن دکھ جائیگی، اس سے دور ہوتی وہ سرعت سے بولی تھی۔

زائر نے بامشکل اپنی بوجھل پلکھیں جھپکی تھیں پھر پاؤں اوپر کرتے ہوئے کروٹ بدل لی تھی۔

زروا کے دل کو کچھ سکون ہوا تھا۔

وہ پلٹی تھی اور اسکے ہاتھ کے قریب رکھا کشن سیٹ کرتے ہوئے پیچھے ہی تھی، اسکا گلابی آنچل زائر کے چہرے پر لگا تھا۔

زائر کے حواسوں پر چھائی نیند اڑنے لگی تھی۔

دل نے شدت سے اسکی طرف پیش قدمی کرنے کی خواہش کی تھی۔

شاید نیند کے خمار میں وہ ایسا کر بھی لیتا مگر اس سے پہلے کے وہ مزید بہکتا، اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کرتا، زروا لائٹس آف کر کے روم سے جا چکی تھی۔

زائر نے خود پر ضبط کرتے ہوئے کشن بازوں میں دبوچ لیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

عانیہ موبائل میں گیم کھیل رہی تھی جبکہ مشعل کال پر نگین بیگم سے بات کر رہی تھی۔

ضوریز اور شہروز خان آج کافی دن بعد لڈو کی محفل جمائے بیٹھے تھے۔

ڈیڈ آج تو آپکی ہار پکی ہے، ضوریز نے چال چل کر ہنستے ہوئے کہا تھا۔

ہاں ہاں دیکھتے ہیں بیٹا جی، تم بھول رہے ہو شاید، میں بھی تمہارا باپ ہوں، تمہیں ہرا کر ہی چھوڑونگا، یہ پٹی تمہاری گوٹ، وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولے تھے۔

سماہر بیگم انکے قریب ہی بیٹھیں ہنستے ہوئے ان باپ بیٹے کی نوک جھوک دیکھ رہیں تھیں۔

کوئی بات نہیں ڈیڈ ابھی گیم باقی ہے، ہاریں گے تو آپ ہی، وہ انہیں چڑاتے ہوئے بولا
تمہا۔

مشعال بھی اب کال کٹ کر چکی تھی اور انکی جانب بی متوجہ تھی۔

یہ گئی آپکی آخری گوٹ اور فاسٹلی میں جیت گیا یا ہو، ضریرز خوشی سے بچوں کی طرح چلایا
تمہا۔

یار یہ چیئنگ ہے، شہروز خان نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

ہاہا، ہار گئے تو اب چیئنگ ہو گئی کیا ڈیڈ اب روئیں مت، وہ انکا مزاق اڑاتے ہوئے ہنستا ہوا
بول رہا تھا۔

مشعال نے غور سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

ہاف وائیٹ شلوار قمیض میں آستین کہنی تک فولڈ کیے، بالوں کو ر ف سے انداز میں سیٹ کیے، دلکشی سے ہنستا ہوا ضریرز سیدھا مشعال کے دل میں اتر رہا تھا۔

وہ ارگرد سے بے نیاز بے حد محویت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"دیوانہ کمر گئے وہ اک نظر دیکھ کمر"

"ہم کچھ بھٹی نہ کمر سکے بار بار دیکھ کمر"

نظروں کے ارتکاز پر ضریرز نے اچانک سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تو مشعال جھینپ کر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

اسکی اس حرکت پر ضوریز کے لب مسکرائے تھے، اسے مشعال کا یہ انداز سرشار کمرگیا تھا۔

وہ اسکی بیوی تھی اور صرف اسے چاہتی تھی، یہ احساس ہر جذبے پر حاوی تھا۔

جب مشعال گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی اس رات ضوریز خان آفریدی پر اس بات کا ادراک ہوا تھا، کہ وہ لڑکی اسکے کتنی اہم تھی، جس کی کچھ گھنٹوں کی دوری اس کے لیے عذاب ہو گئی تھی۔

ہاں، اسکے ناچاہتے ہوئے بھی مشعال خان پوری طرح اسکے دل و دماغ پر قابض ہو چکی تھی۔

دن با دن وہ مشعال کی جانب متوجہ ہوتا جا رہا تھا۔

اسے اب مشعال پر غصہ نہیں آتا تھا بلکہ اسے تو مشعال کو تنگ کرنا، اس سے بحث کرنا،
حتیٰ کے اسکی کڑوی باتیں سننا بھی اچھا لگتا تھا۔

وہ جان بوجھ کر اسے زچ کرتا تھا۔

مگر مشعال اس دن کے بعد اس سے بات کرنا بند کر چکی تھی، یہی بات ضوریز خان کو
کھلتی تھی۔

چلو پھر آجاؤ پنہ لڑاتے ہیں، کون روتا ہے ابھی پتہ چل جائیگا، شہروز خان نے مسکراتے
ہوئے کہا تھا۔

ضوریز کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

چلیے، یہ بھی کر لیتے ہیں، لگتا ہے ڈیڈ آپ کو آج ہارنے کا شوق ہو رہا ہے، وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

میں لالہ کی سائیڈ ہوں، عانیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ضروریز کی جانب آئی تھی۔

تو پھر میں پھوپھا جان کی سائیڈ ہوں، مشعال مسکراتی شہروز خان کے برابر آکر بیٹھ گئی تھی۔

اب تو میری بیٹی میرے ساتھ ہے، دیکھنا بچو، کیسے ہارتے ہو تم، کیوں مستی؟ شہروز خان نے پر شفقت انداز میں مشعال کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے پوچھا تھا۔

ہاں بالکل، ہم دونوں مل کر آپکے بیٹے کو ہرائیں گے، وہ آج اتنے دن بعد کھل کر مسکرائی تھی۔

ضوریز دلچسپی سے اسکے کھلتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

نازک سا سراپا، دودھیا سفید رنگت، بڑی بڑی خوبصورت سیاہ آنکھیں، کھڑی ستواں ناک، ہتلے مگر قدرتی گلابی ہونٹ، اور لمبے گھنے بال، بلاشبہ وہ ایک خوبصورت اور جاذبِ نظر لڑکی تھی۔

جو کسی کو بھی چاروں شانے چت کر سکتی تھی۔

بیگم صاحبہ آپ کس کی طرف ہیں؟ شہروز خان سماہر بیگم جی جانب متوجہ تھے۔

ہاں موم بولے نا، عانیہ بھی بضد ہوئی تھی۔

مشعال خاموش بیٹھی تھی۔

ضوریز اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

مشعل نے نظروں کی تپش پر سر اٹھایا تو اسے اپنی جانب دیکھتے پا کر اسکا دل بری طرح
دھڑکا تھا۔

بیچ اور اسکائی بلو امتزاج کے خوبصورت لان کے سوٹ میں بالوں کا میسی جوڑہ بنائے وہ
ضوریز کو بے حد پیاری لگی تھی۔

ضوریز نے اسے اسمائل پاس کی تھی۔

مشعل اپنے لبوں پر آتی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے نگاہوں کا زاویہ بدل گئی تھی۔

میں نے کہہ دیا نا میں تو آپ دونوں کی طرف ہوں، سماہر بیگم نے حتمی انداز میں کہا تو
سب ہی مسکرا دیے تھے۔

چلیے پھر ہارنے کے لیے تیار ہو جائیے، ضروریز ہنس کر بولتا ہوا اپنی جگہ پر ٹک گیا تھا۔

شہروز خان نے اپنا ہاتھ پنچہ لڑانے کو آگے بڑھایا تھا، وہ ضروریز پر بھاری پڑ رہے تھے۔

ارے لالہ یہ کیا، ڈیڈ جیت جائیں گے، کم آن طاقت لگائیے نا، عانیہ پر جوش سی بولی تھی۔

ہے ہے بیٹا آج تو تمہارے لالہ ہاریں گے، شہروز خان ہنستے ہوئے بولے تھے۔

ناٹ سوایزی ڈیڈ، ایک دم سے ضروریز نے پورا زور لگایا تو شہروز خان کا ہاتھ بالکل جھک سا گیا تھا۔

مشعال نے نگاہ اٹھا کر ضروریز کی جانب دیکھا تھا، اسی پل دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔

مشعال نے نفی میں سر بلایا تھا۔

ضوریز نے ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا تھا اور لگے ہی پل شہروز خان جیت گئے تھے۔

لالہ یہ کیا کیا آپ نے، ڈیڈ جیت گئے یار، عانیہ منہ بناتے ہوئے بولی تھی۔

یاہو، دیکھا برنوردار میں نے کہا تمہانا میں تمہارا باپ ہوں، ہرا دیا نانچے ابھی تم کچے ہو، اب وہ ہنستے ہوئے اسے چھیڑ رہے تھے۔

مگر ضوریز کا دھیان تو مشعال کی جانب تھا۔

"ہاں اپنی انا کو تجھ پر وار گیا"

"تیری نظروں نے کچھ ایسا وار کیا"

"تو جیت گئی ہے ہاں مجھ سے"

"لے ہار گیا میں اس دل سے"

شہروز خان کی بات سنتا ضوریز محض مسکرا رہ گیا تھا۔

مشعال بھی اب ہنس رہی تھی۔

ایک نئی شروعات ہونے کو تھی، قسمت اور محبت اب بالکل سہی مقام پر کھڑی تھیں۔

آج یہ ڈرائور انکل کہاں رہ گئے یار مشال، عانیہ جھلاتی ہوئی مشعال سے بولی تھی۔

میں خود بھی سوچ رہی ہوں، اس وقت تک تو آجاتے ہیں، مشعال ہاتھ میں بندھی کلائی
میں ٹائم دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

تم ایسا کرو لالہ کو کال کر دو کہ وہ ہمیں لے جائیں، عانیہ نے مشورہ دیا تھا۔

میں تو بالکل نہیں بلانے والی تمہارے کھڑوس بھائی کو، مشعال فورن انکار کر گئی تھی۔

عانیہ جانتی تھی ایک بار جو اس نے منع کر دیا تو اب وہ ایسا ہی کریگی۔

ایسا کرتے ہیں ہم پھوپھا جان کو کال کر دیتے ہیں پھر وہ کسی کو بھیج دینگے، مشعال
نے فورن ہی شہروز خان کو کال ملائی تھی۔

کیا بنے گا انکا، سوچتے ہوئے عانیہ نے بے اختیار ہی نفی میں سر ہلایا تھا۔

وہ اپنے آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

وہ ان دو مہینے میں تین پروجیکٹس کرچکا تھا، دونوں میں ہی اسے شاندار کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

چند ہی دنوں میں بزنس کی دنیا میں اسکے نام کے چرچے ہونے لگے تھے۔

اس وقت بھی وہ ایک اہم ڈیل کے لیے کام کر رہا تھا، جسے حاصل کرنا اس وقت اس کا اولین مقصد تھا۔

زائر خان اپنے کام میں مصروف تھا کے کوئی ناک کر کے اندر داخل ہوا تھا۔

آنے والا اسکا مینیجر تھا۔

سر کانگریٹس مغل اینڈ برادرز نے کانٹیکٹ ہمیں ہی دیا ہے، وہ آپ سے مل کر باقی سب باتیں فائل کرنا چاہتے ہیں، مینیجر نے اسے تفصیل بتائی تھی۔

زائر کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ امد آئی تھی۔

مینیجر بھی حیران ہوا تھا، اس نے اپنے سر کو اس سے پہلے کبھی یوں مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

اوکے فائن، تم انہیں پرسوں کا ٹائم دے دو، زائر سنجیگی سے کہتا پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو چکا تھا۔

ضوریر خان آج میں نے ایک بار پھر سے تمہیں شکست دے دی، زائر نے تفاخر سے سوچا
تمہا، اور چیئر کی پشت سے ٹیک لگا گیا تھا۔

وہ غصے میں بھرا اپنے آفس کی ونڈو میں کھڑا تھا۔

سوات شہر میں شام ہو رہی کو تھی، ہر طرف چہل پہل تھی۔

ڈیم اٹ، وہ کمیونہ آج ایک بار پھر سے مجھے مات دے گیا، اس ڈیل کے لیے میں اتنے
دن محنت کر رہا تھا، ضرور نے غصے سے سامنے ونڈو میں رکھا واز زمین دے پر دے مارا تھا۔

تمہیں تو میں نہیں چھوڑنا زائر خان آفریدی، وہ اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسی وقت اسکے موبائل پر شہروز خان کی کال آنے لگی تھی۔

ضوریز نے فورن کاک رسیو کی تھی۔

شہروز خان نے اسے مشعال اور عانیہ کو لانے کا کہا تھا۔

ضوریز نے ہاں کرتے ہوئے کال کٹ کرتے ہوئے موبائل پوکٹ میں ڈالا تھا۔

یہ اسٹوپڈ مجھے نہیں کہہ سکتی تھی کیا، ضوریز نے جل کر سوچا تھا۔

آفس میں فحاح کوئی کام نا تھا اسی لیے وہ اپنا کوٹ اور کیز اٹھا تا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

صائم اپنے ایک دوست کے پاس وہ میموری کارڈ لینے آیا تھا جو اس نے کچھ دن پہلے اسے
ڈیٹا ریکور کرنے کے لیے دیا تھا۔

تھینکس آلات یار، میں اسے چیک کر کے تمہیں کال کرونگا، وہ کارڈ لیتے ہوئے بولا تھا، اور
شاپ سے نکل کر کار کی جانب بڑھا تھا۔

ضوریز کی گاڑی دیکھ کر مشعال کا منہ بن گیا تھا۔

مگر مرتی کیا نا کرتی کے مصداق وہ عانیہ کے ہمراہ یونیورسٹی سے باہر آئی تھی۔

ضوریز نے کار بالکل انکے قریب لا کر روکی تھی۔

اسے دیکھ کر ضوریز کی ساری تھکان پل بھر میں اڑن چھو ہوئی تھی۔

جبکہ اسکی نظروں سے بے خبر مشعال عانیہ کے ساتھ ہی پیچھے بیٹھنے لگی تھی۔

عانیہ اپنی بھا بھی سے کہو آگے آکر بیٹھیں، وہ فرنٹ مرر میں مشعال کا خفا خفا سا روپ

دیکھتے ہوئے عانیہ سے بولا تھا۔

اس سے پہلے کے عانیہ کچھ بولتی مشعال بول پڑی تھی۔

میں یہیں ٹھیک ہوں، تم پلیز جلدی چلو، وہ اسکی بولتی آنکھوں سے نگاہیں چراتی ہوئی آہستہ سے بولی تھی۔

یہ گاڑی تب ہی چلیگی جب تم میرے پاس آگے آکر بیٹھوگی، وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

یار مشعال بیٹھ جاؤ نا، آگے بیٹھو یا پیچھے کیا فرق پڑتا ہے، عانیہ نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

ضویر دلچسپی سے مشعال کو ہی دیکھ رہا تھا۔

بلیک کلر کے ٹراؤزر اور ریڈ شرٹ میں لاہرواہی سے شانے ہر دوپٹہ ڈالے جب کے بالوں میں دن گلاسز اٹکائے وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔

کافی دنوں سے مشعال اسکا بدلا ہوا انداز نوٹ کر رہی تھی مگر اس نے جان کر نظر انداز کر دیا تھا۔

پر آج کل تو وہ کچھ زیادہ ہی بے باکی کا مظاہرہ کرنے لگا تھا۔

مشعال پلینز یار مان جاؤ نا، عانیہ پھر سے بولی تھی۔

آگے یا پیچھے بیٹھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا نا؟ تو یہی بات تم اپنے لالہ کو سمجھا دو، وہ چڑ کر بولی تھی۔

لالہ آپ ہی مان جائیے، دیر ہو رہی ہے یار پلینز چل بھی لیں، عانیہ منہ بگاڑتے ہوئے بولی تھی۔

تم پلیز اب گاڑی چلاؤ، دیر ہو رہی ہے، مشعال نے مرر میں ہی اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

میں بھی وہی کہہ رہا ہوں مسز، آگے آکر بیٹھ جاؤ اس سے پہلے کے دیر ہو جائے، شرارتی انداز میں اسکی جانب دیکھتے ہوئے وہ زومعنی انداز میں بولا تھا۔

ڈھینٹ کہیں کا، مشعال برڑاتی ہوئی غصے سے کار سے نکلی تھی۔

ڈیس لائک مائی جھانسی کی رانی، اسکے بیٹھتے ہی وہ ہولے سے بولا تھا جو صرف وہی سن سکی تھی۔

اسکے انداز پر غصے میں بھی مشعال کے لب مسکرا دیئے تھے، جسے چھپانے کو وہ ونڈو کی جانب رخ موڑ گئی تھی۔

عانیہ کے موبائل پر سماہر بیگم کی کال آنے لگی تھی۔

عانیہ کال یس کر کے ان سے بات کرنے لگی تھی۔

وہ اس سے ان کے لیٹ ہونے کی وجہ پوچھ رہی تھیں۔

"کیا جانے تو میرے ارادے"

"لے جاؤں گا سانسیں چرا کے"

عانیہ کو باتوں میں مصروف دیکھ ضرور نے یو ٹرن لیتے ہوئے دلکشی سے یہ گانا گنگنایا تھا۔

اسکی گھمبیر آواز پر مشعال کے دل میں ہلچل سی ہونے لگی تھی۔

گانے کے بول صاف مشعال کو سنائے گئے تھے۔

ضویرز کی بدلتی نگاہیں مشعال جیسی کانفیڈنٹ لڑکی کو بھی شرمانے پر مجبور کر گئی تھی۔

وہ ڈرائور کے ساتھ ہی یونیورسٹی سے آئی تھی، اور آتے ہی تھکن کی وجہ سے اسے نیند آگئی تھی۔

اس وقت وہ نہا کر واش روم سے باہر آئی تو اسے کمرے میں موجود پایا تھا۔

کب بورڈ میں سر گھسائے وہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔

آہٹ کے باعث اس نے پلٹ کر زروا کی جانب دیکھا تو نگاہ ایک پل کو ساکت رہ گئیں
تھیں۔

ریڈ کلر کے سوٹ میں، زروا کا نکھرا نکھرا، نہایا ہوا، بھیکا دوپٹے سے عاری وجود، اس کے
جسم میں برقی تار کی طرح کرنٹ سا دوڑا گیا تھا۔

زائر جو کہ پچھلے دو دن سے زروا کے خیالات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا،
اسے یوں سہراپا قیامت بنے دیکھ اسکے اندر ایک حشر برپا ہو گیا تھا۔

"ایک ہی شخص دھڑکتا ہے میری دل میں"

"ایک ہی خواب میری آنکھوں کو نظر آتا ہے"

جبکہ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر زروا سرعت سے آگے بڑھی تھی اور اس نے جلدی سے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر اپنے شانوں پر پھیلا لیا۔

زائر ہنوز یک ٹک اسکی جانب ہی دیکھ رہا تھا، زروا کے گیلے بال تویلے میں لپٹے زائر کی بے باک نگاہوں سے چھپے ہوئے تھے۔

اسکی نگاہوں کی تپش سے گھبرا کر زروا نے گھبرا کر رخ موڑا تھا۔

یا اللہ یہ کب آئے؟ اور یہ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں چٹختی زروا بڑبڑائی تھی۔

وہیں کھڑے کھڑے زروا نے رخ موڑ کر کمرے کے دروازے کی جانب دیکھا تھا جو کہ بند تھا۔

زروا کو آج یہ سات آٹھ قدم کا فاصلہ طے کرنا دشوار محسوس ہوا تھا۔

زروا آگے بڑھی ہی تھی کہ بت بنا زائر تیزی سے اسکی جانب آیا تھا۔

زائر نے اسکی کلائی تھام کر اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

زروا کی جان ہوا ہوئی تھی۔

خان مم وہ، وہ بوکھلائی تھی۔

ششش، زائر نے اسکے ہونٹ پر شہادت کی انگلی رکھ کر اسے خاموش کیا تھا۔

اسکے اس اقدام پر زروا کا دل پھسلایا توڑ کر باہر آنے کو تھا۔

زروا نے آنکھیں زور سے بند کر لی تھیں۔

زائر بے خود سا اسے تکلے جا رہا تھا۔

وہ بار بار تھا، یہ لڑکی اسے بے بس کر رہی تھی۔

ہے ادھر میری طرف دیکھو، زائر نے اسکے چہرے پر اگلیاں پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

زروا گویا بہری بن گئی تھی۔

معصوم بننے کا دکھاوا بند کرو، زائر چڑ کر بولا تھا۔

آئی سیڈ اوپن یور آئیز ڈیم اٹ، وہ چلایا تھا۔

زروا نے سم کر آنکھیں کھولی تھیں۔

زائر نے غور سے اسکی ہیزل گرین آنکھوں میں دیکھا تھا۔

زروا کی آنکھوں میں زائر کو صرف اپنا عکس نظر آیا تھا۔

اس رات جو کچھ ہوا اس میں تم نے ضوریز کا ساتھ کیوں دیا زروا؟ وہ اب اسکے بال
مٹھیوں میں جکڑے جارہا نہ انداز میں اس سے سوال کر رہا تھا۔

آہ، زروا کی سسکی حلق میں ہی دم توڑ گئی تھی۔

میں نے کسی کا ساتھ نہیں دیا خان، مجھے درد ہو رہا ہے، پلیز مجھے چھوڑو، درد برداشت کرتی
وہ آہستہ سے بولی تھی۔

بکواس بند کرو، اسے ایک جھٹکے سے بیڈ پر دھکیلتے ہوئے زائر غرایا تھا۔

زروا کا سر بیڈ کے کنارے پر لگا تھا، درد کی ایک لہر تیزی سے اسکے وجود میں سرایت
کر گئی تھی۔

آہ، وہ کراہی تھی۔

اس رات مجھے وہاں ضرور نے خود میسج کر کے بلایا تھا، اور سب کو وہاں تم لے کر آئیں،
یعنی یہ سب تم دونوں کا کیا دھرا تھا یو...! زائر نے ہوا میں مکا چلاتے ہوئے اپنے اندر
اٹھتے اشتعال پر قابو پایا تھا۔

آپ می یہ کک کیا کہہ رہے ہیں؟ زروا نے چکراتے ہوئے سر کو سنبھالے ہوئے
بامشکل یہ سوال کیا تھا۔

وہی کہہ رہا ہوں جو سچ ہے دھوکے باز لڑکی، میں نے تمہیں اپنا دوست مانا، اور تم نے کیا
کیا؟ میری ہی پیٹ میں چھرا گھونپ دیا، وہ پھنکارا تھا۔

تم نے یہ سب اسلیے کیا تاکہ میں سب کی نظروں میں برا ہو جاؤں اور تمہارا اور اس ایڈیٹ
ضوریز خان کا راستہ صاف ہو جائے، مگر افسوس، تمہارا یہ پلان بھی میں نے چٹکیوں میں برباد
کردیا، سرد و سپاٹ لہجے میں بولے ہوئے اس نے لمحوں میں زروا کو زمین پر لاپٹھا تھا۔

زروا پھٹی آنکھوں سے اسکی طرف دیکھتی یہ نئے انکشافات سن رہی تھی۔

وہ تو جیسے بھرا بیٹھا تھا۔

میرا احسان مانو کے میں نے تم سے شادی کی، ایک ایسی لڑکی سے، جو اس قدر گرمی ہوئی
ہے کہ، زائر مزید بولے کو تمہا کے زروا ایک دم سے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

جس شٹ اپ، زروا حلق کے بل غرائی تھی۔

اب ایک لفظ اور نہیں، بہت سن لیا میں نے مگر اب بات میرے کردار کی ہے اور اب
میں چپ نہیں بیٹھونگی مسٹر زائر خان آفریدی، وہ از حد غصے میں بولتی اس کے مقابل آئی
تھی۔

زائر نے ایک قہر برساتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

آواز نیچے، میں تمہاری کسی بھی قسم کی بکو اس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں، سمجھیں؟ وہ
غصے سے بولا تمہا۔

مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے آپ سے بات کرنے کا اور نا نہیں آپ اس قابل ہیں کے کوئی لڑکی آپ سے بات کر سکے، چلا کر بولتی وہ زائر کو آگ ہی تو لگا گئی تھی۔

ہے یو جس شٹ اپ، زائر دھاڑا تھا اس کے اندر آگ کے بھانبر سے جلنے لگے تھے۔

مگر زروا کو کوئی فرق نا پڑا تھا۔

آج میں بولونگی اور آپ سنیں گے، بہت نفرت کرتے ہیں نا آپ مجھ سے؟ کیجئے اور کیجئے، مگر اس بات کے لیے جو میں نے کی ہے، جو میں نے نہیں کیا اسکے لیے آپ کو مجھ سے نفرت کرنے کا اور مجھے تکلیف پہنچانے کا کوئی حق نہیں، سمجھے آپ؟ آنسوؤں کے درمیان وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتی زائر کو چپ کروا گئی تھی۔

زائر کو کچھ پل کو تو اپنے لہجے پر پچھتاوا ہوا تھا۔

آپ بہت سچ کی مورت بنتے پھرتے ہیں نا؟ تو سچ سننے کی ہمت ہے آپ میں؟ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے بول رہی تھی۔

زائر لب بھیج گیا تھا۔

یقیناً آپ میں اتنی ہمت تو ضرور ہوگی آخر کو آپ ون مین آرمی، داگریٹ زائر خان آفریدی جو ہیں، وہ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

میں سب جانتا ہوں اور مجھے تم سے سچ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں، وہ اسے دھکا دینے کے سے انداز میں سائیڈ پر کرتے ہوئے جانے لگا تھا۔

میں اپنی ماما کی قسم کھاتی ہوں، ضرور نے آپ کو کوئی میسج نہیں کیا تھا، زروا کے مضبوط لہجے پر زائر کے قدم وہیں تھمے تھے۔

زروا اتنے یقین سے اپنی ماما کی قسم کھا رہی تھی؟ تو کیا وہ سچی تھی؟

میں قسم کھاتا ہوں میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا، ضرور کے لفظ بھی کچھ ایسے ہی تو تھے؟ زائر کے دماغ نے اسے کچھ غلط ہونے کا سگنل دیا تھا۔

زائر پلٹا تھا۔

اس رات ہم سب نے مل کر آپ کے لیے سرپرائز پارٹی رکھی تھی، اور یہ طے پایا تھا کہ ہم سب وہاں آپ کے جیت سیلیبریٹ کرنے جائیں گے اور رات 12 بجے اچانک آپ کو برتھ ڈے وش کریں گے، زروا بوٹے بوٹے کی تھی۔

زائر سانس روکے اسے سن رہا تھا۔

مگر شام میں ہی ضوریز کے نمبر پر کال آئی تھی کے آپ پہلے ہی وہاں آگئے ہیں اور آپ جانتے ہیں ہم آپکا برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے والے ہیں، تو میں اور ضوریز سب کو لے کر وہاں اسلیے آئے کیوں کہ سرپرائز تو ختم ہوچکا تھا۔

مگر ہم وہاں پہنچے تو سب غلط ہوگیا لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ سب جو ہوا اس میں کس کا ہاتھ تھا۔

وقت نے اسے بہت زبردست مات دی تھی۔

میری غلطی صرف اتنی تھی کہ میں نے جو دیکھا اس پر یقین کرلیا، میں ایک سولہ سال کی لڑکی، جسے بالکل بھی سہی غلط کی پہچان نا تھی آپ مجھے یقین تو دلاتے، سمجھانے کی کوشش تو کرتے، مگر آپ نے کیا کیا؟ مصیبت کا سامنہ کرنے کے بجائے اس سے پیٹھ پھیر کر سب چھوڑ کر چلے گئے، زروا بوٹے بوٹے رودی تھی۔

ضویر نے بھی وہی کیا جو اس نے دیکھا اور پھر آپ نے خود یہ بات ریکارڈ کر کے بھیج دی تھی پھر آپ کس جواز پر ہر اک سے اس نفرت کا اظہار کرتے پھرتے ہیں؟ آپ ہر جگہ سہی ہوں یہ ضروری نہیں مسٹر خان، بوٹے بوٹے اسکی آواز بھرا گئی تھی۔

مگر نہیں، آپ کو تو لگتا ہے جو آپ کے دماغ نے سوچ لیا وہی سہی ہے، ہے نا؟ جو آپ نے دیکھا وہی سچ ہے؟ باقی سب پاگل ہیں؟ عقل صرف آپ کے پاس ہے؟ وہ پھٹ پڑی تھی۔

ایک سیکینڈ کونسی ریکارڈنگ؟ کب سے خاموش کھڑا زائر چونکا تھا۔

وہی جس میں آپ نے اپنی غلطی قبولی تھی، اب بیٹھ کر حساب کیجئے، آپ اپنی انا میں کیا کیا نا پیچھے چھوڑ آئے ہیں؟ اور یہ مت سوچیے گا کہ میں نے یہ سب آپکی توجہ پانے کے لیے کیا ہے، بلکل نہیں بلکہ میں نے یہ سب آپکو اسلیے بتایا تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ خود کو عقلمند سمجھنے والا دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہوتا ہے۔

وہ لفظوں کو چبا چبا کو بولتی بات ختم کرتے ہی روم سے نکل گئی تھی۔

زائر شدید دھچکے کی زد میں تھا۔

نوووووو، یہ سب جھوٹ ہے، وہ چلایا تھا۔

اوگاڈ، وہ وہیں گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔

کیا جو زروا نے کہا وہ سچ تھا؟ لیکن اگر یہ سچ ہے تو پھر وہ کونسی ریکارڈنگ ہے جس کے بارے میں زروا بول رہی تھی۔

لیکن اگر یہ سب جھوٹ تھا تو پھر ضرور نے میرا ساتھ کیوں نہیں دیا

کہیں ایسا تو نہیں کے ضرور نے یہ سب کیا ہو اور زرو اس بات سے بے خبر ہو؟

کیا سچ تھا اور کیا جھوٹ؟ فلحال زائر کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔

لیکن اگر ضرور سچا تھا تو زائر تم یقیناً ایک بہترین دوست کھوپکے ہو، یہ اسکے ضمیر کی آواز تھی۔

پر اگر یہ سب ضرور کی کوئی سازش ہے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا، اس کی وجہ سے میری زرو مجھ سے اتنی دور ہو گئی، زائر نے تنفر سے سوچا تھا۔

انا اور محبت کے اس کھیل میں اب محبت کا پلڑا بھاری ہونے والا تھا، قسمت اپنی بساط پلٹنے کو تھی۔

یہ دوپہر چار بجے کا وقت تھا۔

ضوریز جب گھر پہنچا، تو سماہر بیگم اور عانیہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔

اسلام و علیکم، وہ سلام کرتا ہوا آگے بڑھا تھا۔

دونوں نے ہی اسکے سلام کا جواب دیا تھا۔

موم آج میرے کچھ فرینڈز آرہے ہیں ڈنر پر سوپلیز آپ کچھ اچھا سا احتتام کروالیجئے، وہ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا تھا۔

جب ہی میں بولوں لارڈ صاحب آج دوپہر میں ہی گھر پر کیسے، سماہر بیگم شرارتی انداز میں بولی تو ضوریز ہنس دیا تھا۔

ڈنر تو بن جائیگا بیٹا تم کبھی مشعال کو بھی وقت دے دیا کرو، وہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی
بولی تمہیں۔

سارا وقت ہی اسکا موم، وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

سماہر بیگم مطمئن ہوتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

کوئلے فرینڈز لالہ؟ انکے جانے کے بعد عانیہ نے پوچھا تھا۔

کچھ پرانے فرینڈز ہیں گریٹا تم بھی مل لینا، ضوریز مسکرا کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

تمہاری بھابھی کہاں ہیں؟ وہ یہاں وہاں دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

مشعال تو روم میں ہے، عانیہ نے جواب دیا تو ضرور اثبات میں سرہلاتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

اپنی انا میں آپ سب کچھ برباد کر چکے، سچ سننے کی ہمت ہے آپ میں؟

بہت نفرت کرتے ہیں نا آپ مجھ سے؟

میں قسم کھاتی ہوں، میں قسم کھاتی ہوں۔

اب حساب کیجئے آپ کیا کیا نا پیچھے چھوڑ آئے، ساری آوازیں جیسے اسکے دماغ میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

بسبس، وہ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوری قوت سے چلایا تھا۔

کلب میں موجود سب ہی لوگ اسے حیرانگی سے دیکھنے لگے تھے۔

میں نے کوئی غلطی نہیں کی، کوئی غلطی نہیں کی میں نے، جھوٹ بولے ہیں سب، نہیں ہے کوئی میرا، وہ اس وقت حواسوں میں نا تھا۔

کھوپکے آپ سب کو، یہ آواز اسکے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔

زائر لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھا تھا اور باہر کی جانب بڑھا تھا۔

شاید خوشگوار زندگی کی طرف یہ اسکا پہلا قدم تھا۔

مومی میں پھوپھو کی طرف جا رہا ہوں، آپ کو کوئی کام ہو تو بتادیں، صائم لاؤنج میں سے گزرتا ہوا پلوشہ بیگم سے پوچھ رہا تھا۔

کام تو نہیں ہے، بس سب کو سلام دینا، اور ہاں تم نگین سے پوچھ لو کیا پتہ اسے کوئی کام ہو، پلوشہ بیگم نے دیورانی کا نام لیا تھا۔

اسی وقت مراد خان فرقان خان اور سفیر خان وہاں آئے تھے۔

ارے بھئی کون کہاں جا رہا ہے؟ سلام کے بعد، سفیر خان صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔

فرقان خان اور مراد خان بھی متوجہ ہوئے تھے۔

ارے یہ صائم سماہر کی طرف جا رہا ہے، تو پوچھ رہا تھا کوئی کام تو نہیں، بہت ذمہ دار ہو گیا ہے ہمارا بیٹا، پلو شہ بیگم کے لہجے میں بیٹے کے لیے محبت تھی۔

ہاں بالکل بھئی ہمارا بھتیجا ہے ہی لاکھوں میں ایک، فرقان خان بولے تو سب ہی مسکرا دیئے تھے۔

اسلام و علیکم۔۔

اتنے میں ہی سب کو سلام کرتی زروا لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

سب ہی نے خوشگوار حیرت سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

ارے زروا بیٹا تم؟ اکیلی آئی ہو؟ زائر نہس آیا؟ پلوشہ بیگم اسے گلے لگاتی ہوئیں زائر کا بھی
پوچھ رہی تھیں۔

زروا تنذب کا شکار ہوئی تھی۔

وہ آفس میں ہوتے ہیں اس وقت، میں بور ہو رہی تھی، اور آپ سب سے ملنے کا بھی دل
چاہ رہا تھا اسلیے ڈرائور کے ساتھ آگئی، زروا خود کو کمپوز کر کے مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

چلو اچھا ہوا تم آگئیں، ہم سب کو بھی تم بہت یاد آتی ہو، آؤ بیٹھو، وہ اسے بازوؤں کے
گہرے میں لیے آگے کی طرف بڑھی تھیں۔

صائم غور سے زروا کو ہی دیکھ رہا تھا۔

باباجان، زروا فرقان خان سے گلے لگتی رو دینے کو تھی۔

ارے کیا ہوا میرا بچہ کیوں اداس ہو رہی ہو؟ فرقان خان اسے خود سے لگائے پر شفقت انداز میں پوچھ رہے تھے۔

کچھ نہیں باباجان بس آپ کی یاد آرہی تھی، زروا نے جلدی سے خود کو سنبھالا تھا۔

اب وہ انہیں، کیا بتاتی، یہ آنسو یہ اداسی تو اسکا مقدر بن چکی تھی۔

"جس طرح خواب میرے ہو گئے ریزہ ریزہ"

"اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی"

میری پاگل گریبا، فرقان خان نے مسکراتے ہوئے اسکے سر پر ہلکی سی چپت لگائی تھی۔

زروا نم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔

صائم کو کچھ گرٹڑ محسوس ہوئی تھی۔

اب وہ باقی سب سے مل کر صائم کی جانب آئی تھی۔

کیسے ہو ڈاکٹر صاحب؟ وہ مسکراتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

میں تو ٹھیک ہوں مگر تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ غور سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سنجیگی سے پوچھ رہا تھا۔

مم مجھے کیا ہوگا، کچھ بھی تو نہیں، میں تو بالکل ٹھیک ہوں، زروا نے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

اچھا، مگر میں جانتا ہوں کچھ تو پر ابلم ہے سویٹ سسٹر، یہ جو تمہارا چہرہ ہے نا یہ سب بتا رہا ہے، میں فلحال باہر جا رہا ہوں، تم بھی ریسٹ کرو، آکر اس ٹاپک ہر بات کرونگا، فکر مندی سے کہتا وہ زروا کو آج اپنی عمر سے بڑا اور زمہ دار لگا تھا۔

وہ محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

صائم باہر کہ جانب بڑھ گیا تھا۔

ضویریز پچھلے آدھے گھنٹے سے بیڈ پر بیٹھا بیزاگی سے مشعال کی کاروائی دیکھ رہا تھا۔

وہ جب روم میں آیا تو مشعال اپنے ڈریسز لے کر بیٹھی تھی۔

وہ شاید کب بورڈ سیٹ کر رہی تھی۔

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ اسے مکمل نظر انداز کرے اپنا کام کر رہی تھی۔

بس کردو اب، ضرور جھنجھلایا تھا۔

کیا بس کردو؟ مشعال انجان بنی تھی۔

یہی جو تم کباڑی پھیلا کر بیٹھی ہو، جان چھوڑ دو اسکی، وہ چڑ کر بولا تھا۔

تم نے میرے اتنے مہنگے ڈیزائنر ڈریسز کو کباڑہ کہا، ہاؤ ڈیئر یو؟ وہ کمر پر ہاتھ رکھے اسکے سامنے کھڑی غصے سے پوچھ رہی تھی۔

ضوریز بیڈ سے اٹھ کر اسکے قریب آیا تھا۔

ہاں کہا، تو؟ وہ دلچسپی سے اسکا سرخ ہوتا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے تپانے کو شان بے نیازی سے بولا تھا۔

آج کل اسکا دماغ زیادہ ہی خراب ہو گیا ہے، چیپ نا ہو تو، وہ بڑبڑائی تھی۔

تو تمہارا سر، مشعال اسکے یک ٹک خود کو دیکھنے سے نروس ہوتی جھنجلائی ہوئی وہاں سے جانے لگی تھی۔

ضوریز نے ایک جھٹکے اسکی کلائی پکڑ کر اسے باہنوں میں بھرا تھا۔

کچھ زیادہ ہی نخرے نہیں کرنے لگی تم؟ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے شرارتی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

تو تم کونسا میرے نخرے اٹھاتے ہو؟ وہ ناچاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی تھی۔

اسکی بات پر ضریر کا قمقہ جاندار تھا۔

مشعال نے بے اختیار ہی زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

تو تم چاہتی ہو میں تمہارے نخرے اٹھاؤں؟ وہ زومعنی انداز میں اس سے سوال کر رہا تھا۔

مشعال کی رنگت گلابی ہوئی تھی۔

میں نے ایسا کچھ نہیں کہا، اور ویسے بھی میں آپکو پسند نہیں آپ کو تو وہ زروا، مشعال کچھ
بولے لگی تھی کے ضرور نے اس کے لبوں پر شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش کروایا
تھا۔

ششش، بس چپ، وہ گھمبیر لہجے میں بولتا مشعال کی جان نکال گیا تھا، اس کے لمس پر
مشعال کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

تمہارے دل میں قید ہے ہماری دھڑکنیں...!!

دھڑکے رہنا ورنہ مر جائیگے ہم...!

میں نے کبھی زروا سے محبت نہیں کی، وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سنجیگی سے بول
رہا تھا۔

مشعال حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ صرف میری دوست تھی، یہ وہ کیسے انکشافات کر رہا تھا؟ مشعال دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

ضویریز کی انگلی اب بھی اسکے لبوں پر تھی۔

میں صرف زائر کو نیچا دیکھانے کو زروا سے شادی کرنے کی ضد لگائے بیٹھا تھا، مگر ایسا ہو ناسکا، تو میری انا کو بہت چوٹ پہنچی تھی اس لیے میں غصے اور ضد میں تم سے اتنا برا بی ہو کرتا رہا، تم سے اس نفرت کا اظہار کرتا رہا جس کی تم حقدار تھیں ہی نہیں، میں اپنی ہار برداشت نہیں کر سکا مشعال اور میں اسکی سزا تمہیں دیتا تھا، آہستہ آہستہ بولنے ہوئے وہ اب اسکے لبوں سے انگلی ہٹا چکا تھا۔

جھوٹ بوٹے ہیں آپ، مشعال آنکھوں میں آتے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔

نہیں مشعال، آج میں کوئی جھوٹ کوئی مزاق نہیں کرنے والا، آج میں جو کہونگا وہ سب سچ ہوگا، کیا تم میری بات سنوگی؟ وہ آس بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

مشعال نے بے اختیار ہی اثبات میں سر ہلایا تھا۔

میں تم سے جان بوجھ کر دور دور رہتا تھا، تمہیں نظر انداز کرتا تھا، مگر کراچی کے ٹرپ کے دوران، جب میں نے تمہیں قریب سے جانا، مجھے تب احساس ہوا کہ محبت کسے کہتے ہیں؟ وہ ڈھیروں جذبات آنکھوں میں سجائے مشعال کی جانب دیکھ کر بولتا ہوا مشعال کے دل میں ہلچل مچا گیا تھا۔

اسکے انداز پر مشعال کی سانسیں اٹھل پٹھل ہوئی تھیں۔

مشعال تم جانتی ہو جس رات تم گھر چھوڑ کر چلی گئیں تمہیں اس رات میں پاگل ہونے کو تھا، تم مجھے چھوڑ کر چلی گئی یہ سوچ ہی مجھے اندر ہی اندر تکلیف دے رہی تھی، تب مجھے معلوم ہوا تھا کہ اب مشعال خان آفریدی، کے بغیر جینا میرے لیے ناممکن ہے، وہ بوٹے بوٹے رکا تھا۔

پھر میں نے تمہاری آنکھوں میں اس رات جو دیکھا تھا، وہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔

تم مجھ سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتی ہو، یہ بات میں اچھے سے جان گیا تھا، وہ مشعال کی جانب دیکھتا ہوا اسے جھینپنے پر مجبور کر گیا تھا۔

جب تم نے اس رات مجھے غصے میں باتیں سنائی تھیں، مجھے شدت سے اپنی غلطیوں کا احساس ہوا تھا۔

تم رو رہی تھیں اور میں تمہارے آنسوؤں کے آگے ہار رہا تھا۔

لیکن میری انا کو یہ منظور نا تھا مشعال، کے میں ایک ایسی لڑکی کے آگے جھکوں جسے میں ناپسند کرنے کا دعوا کرتا رہا ہوں۔

اسی لیے میں نے اس دن کے بعد تم سے بات کرنا بند کر دیا اور جان بوجھ کر تمہارا سامنہ کرنے سے گریز کرتا تھا۔

لیکن پھر جب تم بھی مجھے اگنور کرنے لگی تو مجھے یہ بالکل برداشت نا ہوا، میرا دل تمہارے لیے مچلنے لگا، میں ہر وقت تمہیں اپنے آس پاس دیکھنا چاہتا تھا۔

پتہ ہے جب تم مجھے دیکھتی تھیں مجھے بہت زیادہ اچھا لگتا تھا۔

تمہارا وہ معصومانہ انداز، تمہارا دیوانہ وار مجھے دیکھنا پھر میرے دیکھنے پر نظروں کا زاویہ بدل
لینا مجھے سرشار کر دیتا تھا۔

اور پھر جب ہم اس رات ڈنر پر گئے، تم نے میری پسند کا ڈریس پہنا تھا۔

میں تم پر سے نظریں ہٹانا بھول گیا تھا، بس پھر تمہاری محبت کے آگے میری انا ہار گئی؟
اور تم جیت گئیں مشعال، تم نے ضوریز خان کو فتح کر لیا، وہ جذبات سے چور لہجے میں بولتا
مشعال کو پلکھیں جھکانے پر مجبور کر گیا تھا۔

میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں مشعال، وہ مضبوط لہجے میں بولتا مشعال کو شاک دے گیا
تھا۔

ضوریر اور اس سے، یعنی مشعال خان سے محبت؟ یہ کونسا کھیل تھا قسمت کا؟ مشعال
دنگ رہ گئی تھی۔

مشعال بنا پلکھیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا تم مجھے معاف کر کے اپنی غلطی کو سدھارنے کا صرف ایک موقع دوگی؟ میں وعدہ کرتا ہوں اپنی سب غلطیوں کا ازالہ کر دوں گا، جو تم کہو گی وہ سب کروں گا، مگر بس ایک دفعہ صرف ایک دفعہ مجھے معاف کر دو، وہ اسے خود سے دور کرتے ہوئے شرمندہ سے لہجے میں بول رہا تھا۔

مشعال روٹھے ہوئے انداز میں رخ موڑ گئی تھی۔

ضوریز سر جھکائے کھڑا تھا۔

میں تمہیں فورس نہیں کرونگا، تم اچھی طرح سوچ لو، پھر آرام سے اپنا جواب بتا دینا، میں انتظار کرونگا، اب وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔

مشعال بنا کوئی جواب دیے روم سے نکل گئی تھی۔

ضوریز سرتھام کر وہیں بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

سڑکوں پر بلا مقصد گاڑی دوڑاتے خود سے لڑنا لڑنا وہ تھک چکا تھا، بالآخر 8 بجے کے قریب وہ گھر پہنچا تھا۔

زائر جب گھر پہنچا تو اسے زروا کہیں دیکھائی نادی تھی۔

کہیں وہ گھر چھوڑ کر تو؟ یہ سوچتے ہوئے ہی ایک پل کو تو اسے زمین آسمان گھومتے ہوئے معلوم ہوئے تھے۔

نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی، وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے زروا، تم مجھے یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتیں، وہ چلا رہا تھا۔

وہ دیوانہ وار بھاگتا ہوا چوکیدار کی طرف آیا تھا۔

اس سے پوچھنے پر معلوم ہوا تھا کہ زروا ڈرائور کے ساتھ "خان پیلیس" گئی ہے۔

تب جا کر زائر کی جان میں جان آئی تھی۔

یعنی وہ اس سے ناراض ہو کر ہی یہاں سے گئی تھی۔

وہ صرف میری ہے اور میں اسے خود سے دور نہیں جانے دوںگا، یہ زائر کے دماغ میں آنے والی آخری سوچ تھی۔

تم میری ہو پارٹنر، میں آ رہا ہوں، سوچتا ہوا، وہ اپنی ہیوی بانگ کی جانب بڑھا تھا۔

فل اسپید سے اسکی بانگ گیٹ کراس کر گئی تھی۔

انا کا بت ٹوٹ جانے کو تھا
ہاں اک پتھر موم ہونے کو تھا۔

وہ آنکھیں موندے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں، ضروریز کا یہ جملہ بار بار مشعال کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

ساتھ ہی کچھ گھنٹے پہلے والا منظر اسے پاگل کر رہا تھا۔

پچھلے 5 مہینوں میں اس سے مسلسل نفرت کا اظہار کرنے والا وہ ظالم شخص اس سے محبت کا دعوے دار تھا، وہ مغرور شہزادہ مشعال سے معافی مانگ رہا تھا۔

تو کیا واقع ہی اسکی دعائیں قبول ہوگئی تھیں؟

کیا ضروریز سچ بول رہا تھا؟

تو کیا قسمت یوں بھی مہربان ہوتی ہے؟ مشعال نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، دل کہہ رہا تھا اسے ضرور کو ایک موقع دینا چاہیے جبکہ دماغ کہہ رہا تھا مشعال کو اسے بالکل معاف نہیں کرنا چاہیے۔

میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا، ضرور کی گھمبیر آواز اسکی سماعت میں گونجی تھی۔

مشعال نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

وہ کہیں نا تھا۔

اف اب تم یوں خیالوں میں بھی مجھے ستانے لگے ہو، مشعال جھنجلائی ہوئی سی اٹھ بیٹھی تھی۔

وہ کافی دیر سب کے ساتھ بیٹھنے کے بعد اپنے روم میں آئی تھی۔

وہ تو سوچ رہی تھی سب آفس میں ہونگے اسی لیے وہ یہاں آئی تھی مگر آج سب ہی جلدی آگئے تھے۔

مجبوراً اسے سب کا سامنہ کرنا ہی تھا، پھر فرقان خان کو دیکھتے ہی زروا کو ضبط لٹا تھا۔

اسکے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔

وہ فریش ہو کر واشروم سے نکلی اور بیڈ پر ڈھے گئی تھی۔

اپنی قسمت کے بارے میں سوچ کر آنسو پھر سے آنکھوں میں جمع ہونے لگے۔

کیوں کیا زائر آپ نے ایسا؟ اس قدر تذلیل اس قدر اہانت، زروا کا دل خون ہو رہا تھا

میں نے ہزار کوشش کر لی آپ کو یقین دلانے کی مگر آپ تو میری کسی بات کو ماننا ہی نہیں چاہتے، اپنی انا کے خول میں بند آپ اس قدر بے حس ہو گئے ہیں زائر کہ آپ نے میرے کردار پر انگلی اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے سب ختم کر دیا۔

وہ اپنی قسمت اور اس دشمنِ جان کے رویے کے بارے میں سوچتے ہوئے شدت سے رو رہی تھی مگر یہ قسمت کب کسی کا ساتھ دیتی ہے، وہ روتے روتے وہ سو گئی تھی۔

ضوریز لاؤنج میں بیٹھا اپنے دوستوں کا انتظار کر رہا تھا۔

جبکہ دوسری طرف اسے مشعال کے جواب کا بھی بے صبری سے انتظار تھا۔

ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ملازم نے گیسٹس کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

کچھ ہی دیر میں ضوریز اپنے دوستوں کو ساتھ لے اندر آیا تھا۔

موم ڈیڈ کہاں ہیں آپ، دیکھے میں اپنے نئے بزنس پاؤنر کو آپ سے ملوانے لایا ہوں، ضوریز مسکرا کر کہتا اپنے دوستوں کو لے لاؤنج میں آیا تھا۔

تو منان اینڈ میسم یہ ہیں میرے داموسٹ ہینڈسم اینڈ ٹیلینڈ ڈیڈ، ضوریز نے مسکراتے ہوئے تعارف کروایا تھا۔

ہیلو انکل، مائی سیلف منان علی، شہروز خان کو دیکھ کر منان کافی مرعوب ہوا تھا۔

اور میں ہوں میسم علی، منان کا کزن + بھائی، میسم بھی خوشی سے بولا تھا۔

ہیلو بیٹا، شہروز خان مسکراتے ہو دوستانہ لہجے میں بولے تھے۔

اسی وقت سماہر بیگم اور عانیہ بھی وہاں آگئیں تھیں۔

یہ ہے میری چھوٹی سسٹر، میسہ علی، اور یہ ہے ہمارے کلاس فیلو اور فرینڈز فواد، شانزے کبیر اور عروج، میسم نے سب کا تعارف کروایا تو سب سے پہلے میسہ آگے آئی تھی۔

ہیلو انکل، ہیلو آنٹی، ہائے عانیہ، میسہ نے مسکراتے ہوئے انہیں ہیلو کیا تھا۔

باقی سب نے بھی سلام کے بجائے ہیلو ہی کہنے ہر اکتفا کیا تھا۔

آئیے نا آپ سب بیٹھیے بیٹا، سماہر بیگم نے کہا تو سب ہی صوفے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

عانیہ وہ سب کچھ خاص نا گئے تھے، میسہ وغیرہ کو تو وہ جانتی تھی لیکن باقیوں سے وہ آج مل رہی تھی۔

مگر اسے اصل میں تو ان میں سے کوئی بھی ایک آنکھ نا بھایا تھا۔

خاص کر فواد، جو مسلسل اسے گھورے جا رہا تھا۔

عانیہ ایسکیز کرتی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

فواد کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

وہ وہاں سے نکل کر سیدھا "خان پیلیس" آیا تھا۔

اسے دیکھ کر سب ہی خوش ہوئے تھے۔

آج زائر نے بھی سب سے ٹھیک سے بات کی تھی۔

سفیر خان نے بھی زائر سے رویہ نرم ہی رکھا تھا۔

تم ایسا کرو جا کر فریش ہو جاؤ، میں کھانا لگوادیتی ہوں، آج کھانا تم سب کے ساتھ ہی کھانا،
پلوشہ بیگم نے کہا تو زائر اثبات میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے روم میں جانے کے بجائے زروا کے روم میں آیا تھا۔

روم لکڑ تھا۔

زائر نے کچھ سوچتے ہوئے دروازہ کھٹکٹایا تھا۔

کون ہے؟ زروا کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی تھی۔

زائر خاموش کھڑا تھا۔

اگلے ہی پل دروازہ کھلا تھا۔

اپنے سامنے موجود شخص کو دیکھ کر زروا حیران ہوئی تھی، اسے زائر کے یہاں آنے کی توقع بالکل نا تھی۔

زائر یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

بکھرے ہوئے بال اور سرخ ہوتی آنکھیں، اسکے رونے کی غمازی تھیں۔

شکن آلودہ لباس میں الجھی الجھی سی یہ لڑکی اسکی پارٹنر تو نا تھی، زائر کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ غصے سے غراتی زروا حوش میں آئی تھی۔

مجھے تم سے بات کرنی ہے، وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے سنجیگی سے بولا تھا۔

مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی، وہ دروازہ بند کرنے کو ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

زائر نے دروازے کے پیچ میں ہاتھ رکھ کر جھٹ سے اسکی کوشش ناکام بنائی تھی۔

دیکھو میں جانتا ہوں مجھ سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں مگر ایک بار میری بات سن لو، وہ خلاف معمول آہستہ سے بولا تھا۔

لسن مسٹر خان، جو آپ نے کرنا تھا آپ کر چکے اب بس، مجھ میں مزید اپنی بے عزتی کروانے کی ہمت نہیں، اسلیے مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی تو اچھا ہوگا آپ یہاں سے چلے جائیں، وہ آنسوؤں کا پھندھا حلق میں اتارتی بے حد درشتگی سے بولی تھی۔

اس پل زائر کو احساس ہوا تھا کہ وہ شاید بہت کچھ کھوچکا ہے۔

زائر نے ندامت سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

پلیز دروازہ چھو دیں، وہ نگاہوں کا زاویہ بدلتی آہستگی سے بولی تھی۔

زائر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے قدم پیچھے ہٹا لیے تھے۔

اسکے ہاتھ ہٹاتے ہی زروا نے کھٹ سے دروازہ بند کیا تھا۔

زائر شکستہ چال چلتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

عانیہ کے بلانے پر مشعال نیچے آئی تھی۔

سامنے موجود لوگوں کو دیکھ اسکی پیشانی پر بھی سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

ہے گائز بھا بھی آگئیں، ایک لڑکے نے جوش سے کہا تھا۔

مشعال نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائی تھی۔

اسے دیکھ کر ضوریز کے لبوں پر ایک جاندار مسکراہٹ در آئی تھی۔

میہ کے ساتھ عروج اور شانزے بھی اس سے ملنے آگے آئی تھیں۔

مشعال سب سے مل کر عانیہ کے ہمراہ ہی بیٹھ گئی تھی۔

یہاں سب ینگ جنریشن ہی موجود تھی، سماہر بیگم اور شہروز خان آرام کی غرض سے اپنے روم میں جا چکے تھے۔

صائم بھی کچھ دیر پہلے ہی وہاں آیا تھا اور ضوریز کے ہمراہ ہی بیٹھا تھا۔

ویسے تم دونوں کا کپل کافی پیارا ہے، میہ نے اوپری دل سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

ہاں یہ تو ہے، منان نے بھی تائید کی تھی۔

ان سب کے کمینٹس پر ضرور ہنس دیا تھا جبکہ مشعال نے مسکرانا بھی ضروری نا سمجھا تھا۔

ہاں مشعال مجھے نہیں معلوم تھا تم ہماری یونیورسٹی کے اتنے ہینڈسم لڑکے کو لے اڑوگی، شانزے طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

سب ہی انکی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

شانزے کی بات پر عانیہ کی کسی بات کا جواب دیتی مشعال کا دماغ گھوما تھا۔

ضروریز کو بھی شانزے کی بات ناگوار گزری تھی۔

اس سے پہلے کے وہ شانزے کو کچھ کہتا مشعال بول پڑی تھی۔

فار یور کائٹڈ انفارمیشن جس کے بارے میں تم بات کر رہی ہو وہ میرے ہسبینڈ ہیں، اور میں انہیں لے کر نہیں اڑی بلکہ وہ مجھے اپنی بنا کر لائے ہیں، کیونکہ میرے علاوہ کوئی لڑکی اس قابل ہی نا تھی کہ وہ ضوریز خان آفریدی، کی بیوی بن سکے، اس لیے آج مجھے مسز ضوریز خان ہونے کا شرف حاصل ہے، ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتی وہ شانزے کو آگ لگا گئی تھی۔

اسکے اتنے کانفیڈنٹ سے جواب دینے پر ضوریز مسکرایا تھا۔

شانزے تلملا کر رہ گئی تھی۔

صائم اور عانیہ بھی اپنی ہنسی کنٹرول کر رہے تھے۔

ضوریز میرے ساتھ آئے گا مجھے کچھ کام ہے، ایسکیوز اس گاٹز، وہ پراعتما د انداز سے کہتی
اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اسکا رخ اندر کی جانب تھا، اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش بھی ناکی تھی۔

گویا اسے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔

ضوریز نے اسکا یہ یقین نا توڑا تھا اور ایسکیوز کرتا اسکے پیچھے گیا تھا۔

سب حق دق رہ گئے تھے۔

زائر جب سے "خان پیلیس" سے واپس آیا تھا مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا جا رہا تھا۔

گویا اپنے اندر موجود گھٹن کو سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ اڑا دینا چاہتا تھا۔

اسکا دماغ آندھیوں کی زد میں تھا۔

جبکہ ذہن بھٹک کر بار بار زروا کی جانب ہی جا رہا تھا۔

شاید نہیں یقیناً وہ جو کرچکا تھا وہ ناقابل تلافی تھا۔

کیسے سمیٹو گے یہ سب جو تم کرچکے ہو؟

ضمیر نے جیسے اسے ملامت کی تھی۔

جو بھی ہو جائے میں اسے خود سے دور نہیں جانے دوں گا، زائر نے سوچتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

مگر کیوں؟ تم تو اس سے نفرت کرتے تھے نا؟ تو پھر اب وہ جب خود تم سے دور جارہی ہے تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے؟ دل نے بھی اسے سرزنش کیا تھا۔

نفرت؟ زائر کے دل میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔

کیا میں زروا سے نفرت کرتا ہوں؟ اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

نہیں زائر خان تم اس نفرت کر ہی نہیں سکتے کیونکہ تم تو اس سے عشق کرتے ہو، بے انتہاء عشق، جنون کی حد تک، اور اب سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے، جب تمہیں لفظ

عشق کا مطلب بھی معلوم نا تھا، اسی لیے تو تم نے اسے کسی اور کا نا ہونے دیا، دل نے اسے راہ دیکھائی تھی۔

دل کی اس بے ایمانی پر زائرِ دنگ رہ گیا تھا۔

میں اور زروا سے عشق؟ وہ گہری سوچ میں گم تھا۔

اسے اچانک اپنی انگلیوں پر شدید جلن کا احساس ہوا تھا۔

مگر جلن کی پرواہ کیے بنا وہ اس دشمنِ جانان کے تصور میں کھویا تھا۔

سگریٹ سلگ کر اسکی انگلیوں میں ہی راکھ ہو گئی تھی مگر اسکی سوچوں کا ارتکاز نا ٹوٹا تھا۔

کیا ہے؟ وہ اپنے سامنے کھڑے ضریر کو گھورتے ہوئے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

رات ہے، معصومیت سے بھرا جواب آیا تھا۔

مشعل کا دماغ گھوم گیا تھا۔

یہاں کچن میں کیوں کھڑے ہو تم؟ وہ غصے سے پوچھ رہی تھی۔

ارے تم ہی نے تو بلایا تھا، ضریر نے کافی شرافت کا مظاہرہ کیا تھا۔

ہاں وہ تو بس، ایسے ہی، وہ شانزے زیادہ ہی، مشعال کی بات ضرور نے کاٹ دی تھی۔

مجھے گھور رہی تھی، یہی نا؟ وہ آنکھوں میں شرارت لیے اس سے پوچھ رہا تھا۔

مشعال دانت بھیج گئی تھی۔

میری بلا سے، وہ روٹھے ہوئے انداز میں بولتی منہ پھیر گئی تھی۔

تو تمہیں فرق نہیں پڑتا؟ ضرور سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کر رہا تھا۔

مشعال نے ضبط کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

ضوریز نے غور سے اسکا سرخ ہوتا چہرہ دیکھا تھا۔

اوکے ٹھیک ہے پھر، وہ کہتا ہوا کچن سے نکل گیا تھا۔

مشعال نے غصے سے پلیٹ پٹنی تھی۔

مشعال کے علاوہ سب ہی ڈائینگ حال میں موجود تھے۔

کھانا لگ چکا تھا۔

جبکہ شہروز خان اور سماہر بیگم نے بچوں کو ساتھ بیٹھ کر انجوائے کرنے کا کہہ کر اپنا کھانا روم میں ہی منگوا لیا تھا۔

اب وہ سب تھے اور انکی شوخیاں۔

عانیہ کے اسرار پر بھی مشعال روم سے نائل تھی۔

جبکہ ضوریز دیر تک اپنے دوستوں کے ساتھ ہی رہا تھا۔

رات 12 بجے وہ سب کو سی۔آف کرتا روم میں آیا تو مشعال سوچکی تھی۔

کب تک مجھ سے بھاگوگی مشعال بیگم؟ تمہیں آنا تو میرے پاس ہی ہے۔

مسرور سے انداز میں سوچتا وہ بھی سونے کو لیٹ گیا تھا۔

یہ سوچے بنا کے کل کا دن انکی زندگی میں بہت بڑی تباہی لانے والا تھا۔

ضوریز کی آنکھ کھلی تو مشعل ڈیسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔

وائیٹ ٹراؤزر اور پنک کرتی میں اسکارف گلے میں ڈالے، بالوں کی پونی بنائے، وہ یونیورسٹی جانے کے لیے بالکل ریڈی تھی۔

ضوریز کہنی کے بل بیڈ پر لیٹا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

آئیے میں اپنا جائزہ لے کر، مشعل پلٹی تو اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ گر بڑائی تھی۔

مگر پھر اسے نظر انداز کرتی اپنا بہگ اٹھا کر روم سے جانے لگی تھی۔

مشعال، ضوریز کی خمار آلود آواز پر مشعال کے قدم تھم سے گئے تھے۔

مشعال پلٹی تھی۔

ضوریز کھڑا ہوتا اس کے مقابل آیا تھا۔

مشعال نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔

تم نے کل جواب نہیں دیا، وہ دلچسپی سے اسکی جانب دیکھتا، سوال کر رہا تھا۔

کس بارے میں بات کر رہے ہو تم؟ میں سمجھی نہیں، وہ انجان بنی تھی۔

اسکے انداز، پر ضوریز مسکرایا تھا۔

اس نے بھی تو مشعال کے ساتھ کتنا غلط کیا تھا اب اتنا تو اسکا بھی حق بنتا تھا، ضوریز
نے دل میں سوچا تھا۔

اچھا سنو آج شام میں، میں ایک پارٹی میں انوائٹڈ ہوں، وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے بولا
تھا۔

تو؟ وہ اب اس سے سوال کر رہی تھی۔

جبکہ ضوریز اسکے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیے جیسے نگاہوں کی پیاس بجھا رہا تھا۔

تو تم ریڈی رہنا، میرے ساتھ چلنے کے لیے، میں شام کو جلدی آجاؤنگا آفس سے، اگر تم مجھے ریڈی ملی تو میں سمجھ جاؤنگا، تم نے مجھے غلطی سدھارنے کا موقع دے دیا ہے، وہ بات مکمل کر کے اسکے جواب کا منتظر تھا۔

مشعال بنا کچھ کھ جانے کو پٹی تھی۔

ضوریز کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

مشعال میں چاہتا ہوں تم وہ نکاح والا ڈریس پہنو، جو میں لایا تھا، ضوریز نے ایک بار پھر سے اسے مخاطب کیا تھا۔

مشعال اسکی بات سنتے ہی سرعت سے روم سے نکل گئی تھی۔

ضوریز اسکے انداز سے کوئی مطلب نہیں اخذ کر پایا تھا۔

زروا فریش ہو کر ڈائینگ ٹیبل پر آئی تو سب ہی وہاں موجود تھے سوائے زائر کے۔

تو کیا وہ چلے گئے؟ زروا نے دل میں سوچا تھا۔

ارے زروا یہ زائر کہاں چلا گیا؟ رات کو تو آیا تھا نا وہ؟ نکین بیگم کے سوال پر زروا گرہڑائی
تمھی۔

آں ہاں، وہ انہیں، وہ جھوٹ بولے ہوئے ایسے ہی گرہڑا جاتی تھی، یہ بات صائم اچھے سے
جانتا تھا اسی لیے وہ بول پڑا تھا۔

ارے چچی جان وہ انہیں کوئی ضروری کام آگیا تھا اسی لیے انہیں جانا پڑا، انکی کال آئی تھی مجھے، صائم نے نگین بیگم کو جواب دینے کے ساتھ مسکراتے ہوئے زروا کی طرف دیکھ کر اسے ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

اچھا چلو ٹھیک ہے، نگین بیگم نے کہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ارے ہماری گریا اتنی چپ چپ کیوں ہے؟ زروا بچے جب سے آئی ہو خاموش ہو، کوئی بات ہے؟ مراد خان نے پیار سے بھتیجی سے پوچھا تھا۔

نن نہیں تو، زروا نے زبردستی مسکراہٹ پہرے پر سجائی تھی۔

اسی وقت سفیر خان ڈائینگ حال میں داخل ہوئے تھے۔

سب ہی نے انہیں سلام کیا تھا۔

ارے بھئی کیا باتیں ہو رہی ہیں کوئی ہمیں بھی بتاؤ؟ سفیر خان مسکراتے ہوئے بولے
تھے۔

کچھ نہیں بس یہ زروا نا اداس ہو رہی ہے اکیلی، لالہ نہیں ہیں نا، آخری بات صائم شرارتی
انداز میں زروا کے کان کے پاس آہستگی سے بولا تھا۔

زروا نے اس کے پاؤں پر پاؤں مارا تھا۔

صائم سدھر جاؤ، پاگل کسی کے سامنے بھی کچھ بھی بول دیتے ہو، زروا نے اسے گھورا تو وہ
ہنس دیا تھا۔

ارے کیوں بھئی بچے یہ صائم سچ بول رہا ہے کیا؟ اب کے فرقان خان نے بھی سوال کیا
تھا۔

ارے کیا آپ سب میری بیٹی کے پیچھے پڑ گئے ہیں، اسے ناشتہ تو کرنے دیں، جواب کچن سے آتی پلو شہ بیگم نے دیا تھا۔

انکی بات پر سب ہی ہنس دیے تھے۔

جبکہ اپنے لیے سب کی فکر اور پیار دیکھ کر زروا کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

ارے ہاں ناشتے سے یاد آیا، آج ایک بزنس پارٹی ہے، جہاں سب ہی بزنس مین انوائٹڈ ہیں، اس پارٹی میں سب ود فیملی انوائٹڈ ہیں، تو تمہارے فرینڈز بھی ہونگے بچوں، اس لیے تم دونوں بھی ہمارے ساتھ چلنا، سفیر خان نے ناشتے سے انصاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

مطلب وہاں شہروز پھوپھا بھی ہونگے؟ تو یعنی عانیہ بھی؟ صائم نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

زروا انکار کرنے ہی والی تھی کے صائم نے اسکی بات کاٹی تھی۔

یاہو، پارٹی؟ واؤ، میں تو آؤنگا، اور زروا بھی ضرور آئیگی، وہ چمکا تھا۔

زروا انکار نا کر سکی تھی اس لیے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

اب سب ہی ناشتہ کرنے گے تھے۔

تو وہ ڈیس یہ لایا تھا؟ مشعال اس وقت یونی کے کینٹین میں بیٹھی گہری سوچ میں گم تھی۔

تو یعنی وہ زروا کے لیے لایا تھا اور غلطی سے ڈریس میرے پاس آگیا؟ مشعال نڈل مسوس کر سوچا تھا۔

مگر اس میں اسکا بھی کیا قصور، یہ تو رسم ہوتی ہے مشعال خان، تم کیوں اسے اتنا برا سمجھ رہی ہو؟ دل نے جیسے ضوریز کی طرفداری کی تھی۔

جو ہوا وہ قسمت میں ایسے ہی ہونا لکھا تھا، تم یہ تو دیکھو اسلے نے اسے تمہارے لیے چنا تھا، اسلے تمہیں ہی ملا، اور اب تو وہ بدل گیا ہے۔

وہ تم سے پیار کرتا ہے، اور اپنی غلطی سدھارنا چاہتا ہے، تو کیا تم اسے ایک موقع بھی نہیں دو گی؟ جب کہ تم تو اس سے بچپن سے محبت کرتی آرہی ہو؟ تو کیا تم زرا سی گنجائش نہیں نکال سکتیں اس کے لیے؟ اس کے دل نے جیسے اسے راہ دیکھائی تھی۔

انا میں ڈوبا وہ شخص بدل رہا ہے مشعال، اسے تنہا مت چھوڑو، صرف تم ہی اسے راہ پر
لا سکتی ہو، اسکے اندر سے آواز آئی تھی۔

ایک قدم اس نے بڑھایا ہے ایک قدم تم بڑھالو، محبتوں میں انا کا کوئی کام نہیں، انا
رشتوں کو توڑ دیتی ہے، دل آج جیسے اس سے ہر صورت ہاں کروانا چاہتا تھا۔

مگر اس نے میرے ساتھ جو کیا، وہ معافی کے قابل نہیں، دماغ نے جیسے دل کی تردید کی
تھی۔

مشعال کے دل و دماغ میں ایک جنگ سی چڑھی ہوئی تھی۔

وہ آفس میں بیٹھا تھا جب اس کے موبائل پر صائم کی کال آئی تھی۔

زائر نے فائل دیکھتے ہوئے مصروف سے انداز میں کال رسیو کی تھی۔

ہیلو، زائر خان اسپیکنگ، وہ بلوٹو تمھ فون لگائے ہوئے تھا۔

جی مجھے معلوم ہے یہ میرے کیوٹ لینڈ ہینڈسم لالہ زائر خان کا ہی نمبر ہے، صائم شرارتی انداز میں بولا تھا۔

زائر نے چونک کر موبائل دیکھا تھا۔

صائم ہزار بار کہا ہے کام کے وقت مزاق مت کیا کرو، اب جلدی بولو کیا بات ہے؟ وہ فائل بند کرتے ہوئے اب سنجیدگی سے بولا تھا۔

ارے یار ایک تو آپ ہر وقت مصروف رہتے ہیں، میں نے تو زروا کے بارے میں بات کرنے کو کال کی تھی، صائم چڑ کر بولا تھا۔

ہاں تمہاری طرح فارغ نہیں ہونا، زروا کے ذکر پر زائر کا موڈ خود بخود خوشگوار ہو گیا تھا، اسی لیے وہ خلاف معمول اسے چھیڑتے ہوئے بولا تھا۔

دوسری طرف صائم ہنس دیا تھا۔

آپ جو بھی کہہ لیں آج میں برا نہیں مانوں گا، میرا موڈ بہت اچھا ہے، صائم چکا تھا۔

اسکی بات سن کر زائر کے لبوں پر بھی مسکراہٹ رنگ گئی تھی۔

اب تم بتاؤ گے تم نے کال کیوں کی؟ زائر ایک دم سے سنجیدہ ہوا تھا۔

ارے بتاتا ہوں پہلے یہ بتائیے، آپ کی زروا سے ناراضگی چل رہی ہے کیا؟ صائم نے سوال کے جواب میں سوال داغا تھا۔

صائم تم نے یہ پوچھنے کے لیے کال کی تھی؟ میں رکھ رہا ہوں موبائل، زائر نے تپ کے کہا تھا۔

ارے رکے لالہ، میری بات تو دن لیجئے، صائم جلدی سے بولا تھا مبادہ وہ کال ہی نا کاٹ دے۔

بولو، زائر نے گویا احسان کیا تھا۔

آج جو بزنس پارٹی ہے باباجان اس میں انوائیڈ ہیں تو یقیناً آپ بھی اس پارٹی میں انوائیڈ ہونگے، صائم رکا تھا۔

ہاں تو؟ سفیرخان کے نام پر اب وہ روڈی بولا تھا۔

تو زروا اور میں بھی آرہے ہیں باباجان کے ساتھ، صائم نے بات مکمل کی تو زائر چونکا تھا۔

اب یقیناً آپ سمجھ گئے ہونگے میں نے کس لیے کال کی تھی؟ صائم زومعنی انداز میں بولا تھا۔

اسی وقت اسکا مینجر آگیا تھا۔

میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں، زائر نے جلدی سے کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔

دوسری طرف صائم کا قہقہہ جاندار تھا۔

لالہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ آپ دونوں کے بیچ پرابلمز چل رہی ہیں جب ہی زروا آپ یہاں آگئی ہے، لیکن اسکی وجہ کیا ہے یہ تو آپ ہی جانتے ہیں، مگر آئی ہوپ آج آپ جب پارٹی میں آئیں تو زروا کو منالیں، اور آپ کے درمیان سب ٹھیک ہو جائے، اس نے سوچتے ہوئے صدقِ دل سے اپنے جان سے پیارے بھائی کے حق میں دعا کی تھی۔

اور شاید وہ وقت قبولیت کا تھا۔

مشعال اور عانیہ یونیورسٹی سے آئیں تو سماہر بیگم انہیں لان میں ہی مل گئی تھیں۔

وہ انہیں دیکھ کر انکی جانب ہی آگئیں تھیں۔

دونوں نے سماہر بیگم کو سلام کیا تھا۔

سماہر بیگم نے دونوں کے سلام کا جواب دیا تھا اور ان کے ساتھ اندر کی جانب بڑھی تھیں۔

عانیہ کچن پانی لانے گئی تھی جبکہ مشعل تھکی ہوئی سی صوفے پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

اسے کیا ہوا عانیہ؟ سماہر بیگم نے گرم سم سی بیٹھی مشعل کی طرف دیکھتے ہوئے عانیہ سے پوچھا تھا۔

پتہ نہیں موم، یہ تو آج صبح ہی سے ایسے ہی اداس ہے، میں نے ایک دو بار پوچھنے کی کوشش بھی کی تھی مگر ٹال گئی تو میں نے پھر فورس نہیں کیا، آپ ہی پوچھ لیجئے کیا پتہ آپکو بتادے، عانیہ نے دھیمے لہجے میں تفصیلی جواب دیا تھا۔

سماہر بیگم نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

تم جا کر فریش ہو جاؤ اور 8 بجے تک بیڈی ہو جانا تمہارے ڈیڈ اور لالہ کی کسی پارٹی میں ہم سب انوائیڈ ہیں، مشعال سے میں خود بات کر لوں گی، سماہر بیگم نے کہا تو عانیہ فرمانبرداری سے جی کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

مشعال بیٹا تم بھی جا کر فریش ہو جاؤ، انہوں نے اسے کمرے میں بھیجنے کے لیے یہ کہا تھا۔

وہ غائب دماغی سے سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اسکائی بلو کلر کی گھیردار فراک میں سنہری بالوں کو کچھر میں قید کیے، لائٹ سے میک میں
جیولری کے نام پر صرف زائر کا لایا پینڈٹ اور ایئر رنگز پہنے دوپٹہ ایک سائیڈ شانے پر ڈالے
وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

یہ ڈریس اس نے پلوشہ بیگم کے کہنے پر زبردستی پہنا تھا۔

ورنہ اسے تو یہ کافی ہیوی لگ رہا تھا۔

مکمل تیار ہونے کے بعد اس نے اپنا جائزہ لیا تھا۔

کچھ اوور لگ رہی ہوں شاید، اس نے ٹشونکال کر لپ اسٹک لائٹ کرنے کو ہاتھ بڑھایا
تھا۔

اسی وقت پلوشہ بیگم روم میں انٹر ہوئی تھیں۔

ارے رکو، کیوں صاف کر رہی ہو؟ اتنی پیاری تو لگ رہی ہے میری بہو، ان کے طرزتخاطب پر زروا کا دل بے چین ہوا تھا۔

مگر تائی جان، زروا نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

مگر وگر کچھ نہیں، تم میرے زائر کی بیوی ہو، تمہیں سب سے اسپیشل لگنا چاہیے، وہ اسے شانے سے تھام کر اسکا رخ اپنی جانب موڑتی ہوئی بولی تمہیں۔

زروا؟ پلو شہ بیگم کی آواز پر زروا نے سر اٹھا کر انکی جانب دیکھا تھا۔

جی؟ زروا نے ادب سے جواب دیا تھا۔

کیا تم خوش ہو؟ وہ اب اس سے پوچھ رہی تھیں۔

زروا کا دل ڈوب ڈوب گیا تھا۔

وہ اب انہیں کیا بتاتی وہ خوشی لفظ کے معنی تک بھول چکی ہے۔

زروا نے بے اختیار ہی اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اسلا پاک تمہیں ہمیشہ خوش رکھے، وہ اسکی پیشانی چومتی ہوئی خالص ماؤں والی پر شفقت لہجے میں بولی تھیں۔

زروا فرت جذبات سے انکے گلے لگ گئی تھی۔

ضوریز 7 بجے کے وقت ہی آفس سے نکل گیا تھا۔

اسکا ارادہ، مشعال کو سرپرائز دینے کا تھا۔

وہ آفس سے نکل کر سیدھا جیولری شاپ پر آیا تھا۔

اس نے مشعال کے لیے ایک خوبصورت سائیکلس پسند کیا تھا۔

کیا یہ تمہیں پسند آئیگا؟ ضوریز نے تصور میں اسے مخاطب کیا تھا۔

ہاں ضرور پسند آئیگا آخر پسند کس کی ہے، وہ مسکرا کر سوچتا کاؤنٹر کی طرف آیا تھا۔

پیمینٹ کے بعد اب اس کا رخ فلاور شاپ کی جانب تھا۔

اس نے ایک خوبصورت پھولوں کا بکے لیا تھا۔

مشعال آج جو بھی ہو جائے میں تمہیں منا کر رہونگا، اب ضوریز خان تم بن ادھورا ہے ،
تمہیں اسے مکمل کرنا ہوگا مسز مشعال ضوریز خان، اس سے تصور میں بات کرتے ہوئے
اس نے گاڑی کا رخ "ضوریز ہاؤس" کی جانب موڑا تھا۔

مشعال بیٹا؟ سماہر بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے آواز دی تھی۔

مشعال ٹاول سے بال خشک کرتی واشروم سے نکل کر فورن انکے پاس آئی تھی۔

وہ شاور لے کر نکلی تھی۔

ارے پھوپو آپ ؟ مجھے بلوا لیا ہوتا، آئے بیٹھے نا، وہ خوش دلی سے بولی تھی۔

سماہر بیگم اسکے ساتھ ہی بیڈ کے ایک سائیڈ بیڈ گئی تھیں۔

مجھے تم سے بات کرنی ہے، سماہر بیگم نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

جی کہیے میں سن رہی ہوں، مشعال آہستہ سے بولی تھی۔

تمہارے اور ضریرز کے بچ کوئی ان بن ہے یہ میں کافی دن سے نوٹ کر رہی ہوں، کیا بات ہے بیٹا تم مجھے بتا سکتی ہو؟ میں آج یہاں ضریرز کی موم نہیں بلکہ صرف تمہاری پھوپھو بن کے آئی ہوں، وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے پیار سے بولی تھیں۔

نن نہیں تو، ایسا تو کچھ نہیں، مشعال نظریں چراتے ہوئے بولی تھی۔

تو پھر کل رات کچن میں تم لوگ کس بات پر بحث کر رہے تھے؟ وہ اب اسکی جانب دیکھتے ہوئے اسکے جواب کی منتظر تھیں۔

وہ تو بس یونہی، مشعال گرڑائی تھی۔

عانیہ بتا رہی تھی تم نے کل ڈنر بھی نہیں کیا؟ کیا ضریرز اب بھی تم سے ٹھیک سے بات نہیں کرتا؟ تو مجھے بتاؤ میں ابھی اس کے کان کھینچتی ہوں، وہ تو جیسے فرصت میں تھیں۔

ناجانے کیوں آج مشعال کا ضبط ٹوٹا تھا۔

وہ انکے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روتی انہیں سب کچھ بتا گئی تھی۔

اسکی بات سن کر سماہر بیگم شکوہ رہ گئی تھیں۔

انہیں ضرور سے یہ امید نا تھی، وہ مشعال سے اتنا برا برتاؤ کرتا رہا تھا اور وہ پھر بھی خاموش تھی۔

سماہر بیگم کو ضرور کے ساتھ مشعال پر بھی غصہ آیا تھا۔

تم پاگل ہو؟ تم اس بے وقوف کی بات پر یقین کیسے کر گئیں؟ وہ اور زروا سے محبت؟
مشعال مجھے افسوس ہے میری بھتیجی ہو کر تم مار کیسے کھا گئیں، وہ خفگی سے بولی تھیں۔

وہ خود ہی بولتا رہتا تھا میں کیا کرتی پھر، مشعال نے منہ پھلا کر جواب دیا تھا۔

ارے او بے وقوف لڑکی اگر زروا اسکی محبت ہوتی تو کیا وہ اتنی آسانی سے اس سے دستبردار
ہو جاتا؟ میرا ضرور یک ایسا انسان ہے جو اپنے کمرے کے کمرز تک اپنی پسند کے لیتا ہے
اور تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ وہ بیوی چننے میں کمپروماز کر لیگا؟ تم اسے اول روز سے
ہی پسند آ گئیں تھیں۔

وہ بس اپنی بار برداشت نہیں کر پارہا تھا جو کے اسکی نظر میں زائر نے اسے دی تھی، اسی
بجائے وہ اپنی فرسٹریشن تم پر نکال گیا۔

سہی تو کہہ رہی ہیں یہ؟ میں نے کبھی اس سے گھل ملنے کی کوشش ہی نہیں کی، ورنہ اس نے تو کبھی زروا کا ذکر تک نہس کیا وہ تو میں خود ہی غصے میں اسے بچ میں لاتی تھی، اس نے دل میں سوچا تھا۔

مگر تم تو سمجھدار تھیں نا میری جان تم نے اتنے عرصے میں بھی اسے نہیں جانا؟ جب کے تم اس سے محبت کرتی ہو؟ سماہر بیگم نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تو مشعال جھینپ گئی تھی۔

مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہیں رشتے میں ساس سے پہلے پھوپھو ہوتی ہوں میں تمہاری، رگ رگ سے واقف ہوں اپنے سب بچوں کی، وہ اسکے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تو مشعال مسکروئی تھی۔

ہنستی رہا کرو اچھی لگتی ہو، سماہر بیگم مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

مگر پھوپو وہ میں میرا مطلب آج جو پارٹی ہے، مشعال کی بات عانیہ نے کاٹ دی تھی۔

آج کی پارٹی میں تم ضرور جاؤگی اور تمہاری یہ ننداپس آئی مین دوست تمہیں اپنے ہاتھوں سے تیار کریگی، وہ شرارتی انداز میں کہتی اندر آئی تھی۔

اسکی بات سن کر سماہر بیگم کے ساتھ مشعال بھی مسکرا دی تھی۔

آخر کار سب غلط فہمیاں ختم ہو چکی تھیں۔

میں امید کرتی ہوں تم اسے ایک موقع ضرور دوگی، اور یہ میں تمہاری پھوپو ہونے کے ناطے کہہ رہی ہوں کیونکہ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں، سماہر بیگم کھڑی ہوتے ہوئے بولی تو مشعال نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

وہ اپنے دل کی رضا میں راضی ہو گئی تھی۔

اس نے ضوریز کو دل سے معاف کر دیا تھا۔

پارٹی سوات کے سب سے مشہور فائیو اسٹار ہوٹل میں تھی۔

8 بجے کے قریب ہی سفیر خان کے ہمراہ زروا پلوشہ بیگم اور صائم پارٹی میں پہنچے تھے۔

پلوشہ بیگم تو سفیر خان کے ساتھ کسی جاننے والوں سے ملنے چلی گئیں تھیں۔

جبکہ زروا صائم کے ساتھ کھڑی تھی۔

عانہ کے انتظار میں، صائم کی نظریں بار بار انٹرنس کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

اتنے لوگوں کی موجودگی میں زروا نروس ہو رہی تھی۔

کیا ہو گیا لڑکی یہ تمہاری شکل پر بارہ کیوں نبے ہوئے ہیں؟ صائم نے اسکا اترا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

کک کچھ نہیں بس ایسے ہی وہ اصل میں مجھے عادت نہس ہے نا ایسے آئی من پارٹیز اٹینڈ کرنے کی، وہ یہاں وہاں دیکھتی گول مول سا جواب دے گئی تھی۔

صائم مطمئن تو نا تھا مگر پھر بھی اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

آؤ وہاں چل کر بیٹھتے ہیں، صائم نے چیئرز کی جانب اشارہ کیا تھا۔

زروا اسکے ساتھ چل دی تھی۔

"واؤ یار بہت پیاری لگ رہی ہو تم"

عانیہ نے مشعال کو ستائش بھری نظروں سے دیکھا تھا جو کے اپنے نکاح کے سوٹ میں
ملبوس تھی۔

آج اس نے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔

سوٹ کا دوپٹہ شانے پر ڈالے ساتھ ہی لائٹ مگر میچنگ جیولری پہنے وہ بے حد حسین لگ
رہی تھی۔

عانیہ نے کافی نفاست سے اسکا میک اپ کیا تھا۔

تھینکس سویٹی، مشعال نے اپنا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے عانیہ کو تھینکس کہا تھا۔

رکو ایک سیکنڈ مشعال تھوڑا بلش بھی لگا لو، عانیہ نے اسے بلش پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔

ارے بس نا کوئی شادی کا فنکشن نہیں ہے بزنس پارٹی ہے، زیادہ اوور ہو جائیگا، مشعال نے بلش سائیڈ میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

ارے تمہیں پتہ نہیں وہاں لڑکیاں کتنا تیار ہو کر آتی ہیں؟ میں ایک دفعہ موم ڈیڈ کے ساتھ گئی تھی یو نو وہ، عانیہ کے بات مشعال نے کاٹ دی تھی۔

اچھا میں لگا لونگی مگر پہلے تم جاؤ اور جا کر جلدی سے ریڈی ہو جاؤ، تمہیں نہیں چلنا
کیا؟ مشعال نے اسے شانے سے تھام کر جانے کو کہا تو عانیہ نے جلدی سے ہاں میں
سر ہلایا تھا۔

جانا ہے نا، وہ جانے کو مڑتی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

تو پھر جاؤ، اچھے سے تیار ہونا صائم کے خوش اڑ جانے چاہئیں، مشعال شرارتی انداز میں
بولی تھی۔

اسکے بات سن کر عانیہ شرماتے ہوئے سرعت سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

اسکے جانے کے بعد مشعال مسکرا دی تھی۔

اسے اب اپنے مغرور شہزادے کا انتظار تھا۔

اسکن کلر کی پینٹ اور اسکن کلر کی ہی شرٹ پر گرے بلیزر پہنے، بھورے بالوں کو اسٹائش سے انداز میں سیٹ کیے، کرسٹائن ڈائیور کی خوشبو میں رچا بسا زائر خان آفریدی اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

اپنی مخصوص شاہانہ چال چلتا وہ جب ہوٹل میں انٹر ہوا تو اس پل جیسے لاکھوں دل دھڑکنا بھولے تھے۔

مضبوط جسمت اور بھرپور مردانہ وجاہت کا شاہکار، بلاشبہ وہ شخص بے مثال تھا۔

ہیلو مسٹر خان، اینڈ ویلکم ٹو دا پارٹی، اسے دیکھتے ہی پارٹی کے ہوسٹ فورن اسکی جانب بڑھے تھے۔

ساتھ ہی اور بھی بہت سے صحافی اور بزنس کی دنیا سے تعلق رکھنے والے کئی لوگ صرف اس سے بات کرنے کے وہاں جمع ہو چکے تھے۔

وہ بزنس کی دنیا کا ابھرتا ہوا ستارہ تھا، جو کچھ عرصہ پہلے ہی اس فیلڈ میں آیا تھا اور بہت کم عرصے میں ہی وہ اپنا آپ منو اچکا تھا۔

وہ آیا اور چھا گیا، یہ مثال اس پر صادق آتی تھی۔

ارے وہ دیکھو لالہ آگئے، صائم نے بے زار بیٹھی زروا سے کہا تو وہ چونکی تھی۔

زروا نے صائم کی بتائی سمت نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ مغرور شخص کافی سارے لوگوں، جن میں عورت اور مرد دونوں ہی تھے، کے درمیان تقریباً گھرا ہوا ان سے کچھ ہی قدم کے فاصلے پر ایک شان سے کھڑا تھا۔

وہ اتنے لوگوں میں بھی نمایاں تھا۔

اسے دیکھ کر زروا کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

یہ بھی یہاں آئے ہیں اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں کبھی یہاں نا آتی، زروا نے کوفت سے سوچا تھا۔

زائر بھی اسے دیکھ چکا تھا، جبکہ اسکے دیکھنے پر زروا رخ موڑ گئی تھی۔

زائر ہجوم سے جان چھڑاتا انہی کی جانب آیا تھا۔

اسے قریب آتے دیکھ زروا کی پیشانی پر سلوٹیں سی آگئی تھیں۔

جبکہ زروا کو دیکھ کر زائر جیسے مسمرائز ہوا تھا۔

اسکے احساسات بدلے بدلے سے تھے۔

اسکی نظروں سے نروس ہوتی زروا سر جھکا گئی تھی۔

ہے لالہ یو لکنگ ڈیشنگ، صائم نے زائر سے مصافحہ کرتے ہوئے کھلے دل سے تعریف کی
تو زائر مسکرایا تھا۔

زائر بخوبی اسکا یہ گریز سمجھ رہا تھا۔

یہ کھڑوس مسکراتا بھی ہے؟ زروا نے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

وہ مجھے ایک اسپورٹس کال کرنی ہے میں بس ابھی آیا، صائم انہیں بات کرنے کا موقع دیتے ہوئے فوراً وہاں سے رفوچکر ہونے کو تھا۔

پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے زائر خاموش کھڑا تھا۔

رکو میں بھی چلتی ہوں، زروا جلدی سے بولی تھی۔

ارے نہیں تم لالہ کی کمپنی انجوائے کرونا میں بس ابھی آیا، وہ بھاگنے کے انداز میں وہاں سے نکلا تھا۔

اف یہ صائم، زروا نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

سنو؟ زائر سمجھ نہیں پارہا تھا اسے کیسے مخاطب کرے۔

مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی پلیر آپ جائے یہاں سے، وہ کہتی ہوئی رخ موڑ گئی تھی۔

وہ جو کرچکا تھا اس کے آگے زروا کا یہ انداز تو کچھ بھی نا تھا، زائر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

مگر مجھے تو سنانی ہے، اور تم جانتی ہو میں اپنی سنائے بنا یہاں سے نہیں جاؤنگا، کیونکہ میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں، یو نو ڈیٹ، وہ اسکی جانب دیکھ کر اپنے ازلی ضدی انداز میں کہتا دلکشی سے مسکرایا تھا۔

زروا نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

میں کسی کی بات سننے یا ماننے کی پابند نہیں ہوں، سمجھے آپ؟ وہ غصے میں مگر آہستہ سے بولی تھی۔

لسن میں نا تو میں کسی ہوں اور نا ہی میں تم سے بات کیے بنا یہاں سے جاؤں گا، سمجھ آئی، وہی حاکمانہ لہجہ مگر سختی نداد، آج تو زائر خان کے انداز ہی نرالے تھے۔

زروا نے بے بسی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

اور ہاں ایک بات اور، پابند تو تم ہو مسز، میری پابند ہو تم، اگر تم بھول رہی ہو تو لیٹ می ریماڈیو، یو آر مائی وائف، اور میں تم پر پورا حق رکھتا ہوں، میں چاہوں تو ابھی کے ابھی تمہیں یہاں سے لے جاؤں کون روکے گا مجھے ہاں؟ وہ گھمبیر لہجے میں کہتا اسکا دل دھڑکا گیا تھا۔

زروا کی حالت غیر ہوئی تھی۔

جبکہ زائر اب اسکے صبح چہرے کو نظروں کے حصار میں لیے لیے شاید دل میں اتلا رہا تھا۔

مجھے پانی پینا ہے، زروا کو کچھ سمجھ نا آیا تو یہی بہانہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

بیٹھ جاؤ، زائر نے اسے جانے کو پرتوٹے دیکھ حکم دیا تھا۔

زروا ان سنی کرتی آگے بڑھی تھی۔

لسن یو، زائر نے اسے آواز دی تھی۔

ڈونٹ بی، زروا کچھ کہنے کو پلٹی تھی۔

زائر سرعت سے اٹھتا اسکی جانب آیا تھا اور اسکے گرد بانہوں کا حصار باندھا تھا۔

یہ کیا بد تمیزی ہے، دور ہٹیں، میں آپکی بیوی ہوں تو اسکا مطلب یہ نہیں کے آپ یوں بے حدگی، زائر کی بات سن کر زروا کی بولتی بند ہو گئی تھی۔

یو اسٹوپڈ گرل، زپ کھل رہی ہے تمہاری، وہ غصے میں بولا تھا۔

زائر اسے بازوؤں کے حصار میں لیے اندر ایک روم کی جانب آیا تھا۔

وہ اسے لیے روم میں آیا تھا اور آتے ہی دروازہ لکڑ کیا تھا۔

جبکہ زائر کی موجودگی میں زروا کا مارے شرم کے حال برا تھا۔

زروا بکل اسکے سامنے کھڑی تھی۔

زائر چلتا ہوا اسکے قریب آیا تھا۔

ہے یو لسن، ٹرن بیک، وہ دوستانہ لہجے میں بولا تھا جیسے انکے بچ بہت خوشگوار تعلقات

ہوں۔

زروا نے گھبرا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

ناؤ واٹ؟ صرف ہیلپ کر رہا ہوں تمہاری، زائر نے بوٹے ہوئے ابرو اچکائے تھے۔

خان پلیز، میں کر لونگی، زروا مسمنائی تھی۔

اوکے کر لو، وہ سینے پر ہاتھ باندھے اسکے عین سامنے کھڑا تھا۔

میں واشروم میں جا کر کر لیتی ہوں، وہ اسکی لودیتی نظروں سے گھبراتی ہوتی دوپٹہ سنبھال کر جانے ہی لگی تھی کہ زائر نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

خان پلیز، زروا کا دل دھونکتی کی مانند دھڑک رہا تھا۔

کیا خان پلیز؟ زائر اسکے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے انجان بنا تھا۔

اسکی قربت پر زروا کی سانسیں تھم سی گئی تھیں۔

اب زائر نے اسکا دوپٹہ ایک سائیڈ رکھا تو اس کی رنگت مارے شرم کے گلابی ہوئی تھی۔

زروا زائر کے بالکل قریب ہی کھڑی تھی، زائر کی سانسوں کی تپش اسے اپنی پشت پر صاف محسوس ہو رہی تھی۔

اسکا دل الگ ہی لے پر دھڑک رہا تھا۔

زائر کو اسکا یہ گھبرایا ہوا سا انداز لطف دے رہا تھا۔

خان چھوڑو مجھے، زروا صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

زائر کی آہنی گرفت سے نکلنا اسکے بس میں نا تھا۔

چپ چاپ کھڑی رہو، مجھے یہ بالکل بھی برداشت نہیں کے کوئی میری بیوی کو یوں دیکھے،
وہ کم لفظوں میں اسے بہت کچھ بتا گیا تھا۔

زروا خاموش ہوئی تھی۔

زائر کے ہاتھ اب زروا کی پشت پر تھے، زروا نے آنکھیں موند لی تھیں۔

اسی وقت زائر نے اسکے شانے پر تھوڑی ٹکاتے ہوئے اسکی زپ بند کی تھی۔

اسکے لمس پر زروا کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔

زائر نے اسکا رخ اپنی جانب کیا تھا۔

اب ٹھیک ہے، زائر نے اسکا دوپٹہ اچھے سے اسکے گرد لپیٹتے ہوئے کہا تو زروا نے محض اثبات میں سر ہلایا تھا۔

جب وہ اس سے نفرت کرتا ہے تو وہ اسکے لیے اتنا پوزیسو کیوں تھا؟ زروا صرف سوچ سکی تھی۔

چلو اب، زائر بولا تو زروا کی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا تھا۔

وہ خاموشی سے اسکے ساتھ چل دی تھی۔

محبت ہو رہی ہے بے حجاب آہستہ آہستہ
سمجھ آئیگا تم کو یہ حساب آہستہ آہستہ

اسکا انتظار کرتی مشعال بیڈ پر بیٹھی تھی۔

ضوریز روم میں انٹر ہوا تو اسکی نگاہیں جیسے تھم سی گئی تھیں۔

وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں مشعال کی جانب بڑھا تھا۔

جبکہ اسکی نظروں کی تپش سے مشعال نے بھی چونک کر نگاہ اٹھائی تھی۔

مشعل کو اپنا دل ہتھیلی میں دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔

اسے قریب آتے دیکھ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو، ضوریز نے نیکلس کا بکس بیڈ پر رکھ دیا تھا جبکہ ہاتھ میں موجود پھولوں کا بکے اسکی جانب بڑھا کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

مشعل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بکے تھام لیا تھا۔

مجھے نہیں معلوم تھا تم میری خواہش یوں پوری کروگی، تم نہیں جانتی مشعل تم نے آج مجھے کتنی خوشی دی ہے، مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے، جیسے میں آج مکمل ہو گیا ہوں، وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دلکشی سے بول رہا تھا۔

مشعال خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

مشعال میں ایک بار پھر سے تم سے معافی، ضریر کی بات مشعال کے اگلے جملے نے کاٹ دی تھی۔

میں تمہیں معاف کر چکی، وہ آہستگی سے بولی تھی۔

اسکی بات سنتے ہوئے ضریر مسکرایا تھا۔

ضریر نے اسکی جانب جھکتے ہوئے بیڈ پر سے وہ باکس اٹھایا تھا۔

اسکے اسطرح جھکنے پر مشعال گھبرائی تھی۔

میری جھانسی کی رانی شرماتی بھی ہے، وہ شرارتی انداز میں بولتا اب نیکلس نکال چکا تھا۔

مشعال جھینپ سی گئی تھی۔

مے آئی؟ ضرور نے اجازت طلب نظروں سے اسکی جانب دیکھتے پوچھا تھا۔

مشعال نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

ضرور نے اسکارخ آئنے کے سامنے کرتے ہوئے اسکے بال سمیٹتے ہوئے آگے کی جانب کیے تھے۔

اسکی انگلیوں کے لمس پر مشعال کا رواں رواں دھک اٹھا تھا۔

جبکہ ضریر نے وہ ڈائمنڈ کا نازک سا نیکلس اسکے گلے میں پہنایا تھا۔

بیوٹیفل، ضریر نے اسکے شانے پر سر رکھ کر اسکے گرد باہنوں کا حصار باندھا تھا۔

تھینکس، مشعال مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

تھینکس تو میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں سویٹ ہارٹ، تم نے مجھے پیار کرنا سیکھا دیا، تم نے ضریر خان کو جینا سکھا دیا مشعال ضریر خان، مجھے پتہ ہی ناچلا کب تم میری سانسوں میں بسنے لگی، وہ جذبات سے چور لہجے میں بولتا مشعال کے چھکے چھڑا گیا تھا۔

ضریر وہ سماہر پھوپو آئی من وہ، مشعال نے جیسے اسکے جذبات پر بند باندھنا چاہا تھا۔

شش، اسکا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے وہ اسے خاموش کروا چکا تھا۔

مم میں، ہم لیٹ، مشعال کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

ضوریز نے گہری نظروں سے اسکے ہونٹوں کی یہ کپکاہٹ نوٹ کی تھی۔

وہ بے خود سا مشعال کی جانب جھکا تھا۔

ارے پھوپھو، مشعال نے کہا تو ضوریز مڑا تھا۔

ہا ہا ہا، پھوپھو جان تو عانیہ اور پھوپھا کے ساتھ گئی جب کی، تم نے آتے ہوئے نوٹ نہیں کیا کیا، پیچ پیچ ضریر خان تم نا ایک نمبر کے پاگل ہو، وہ کھلکھلا کر کہتی روم سے بھاگ نکلی تھی۔

ضریرز اسکی چالاکی پر ہنستے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہ گیا تھا۔

شہروز خان اور سماہر بیگم کے ساتھ آتی عانیہ کو دیکھ کر صائم کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

وہ مسکراتا ہوا انکی جانب بڑھا تھا۔

جبکہ اسے دیکھ کر عانیہ بھی خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

شہروز خان اور سماہر بیگم سے مل کر وہ عانیہ کی طرف آیا تھا جبکہ باقی سب آگے بڑھ گئے تھے۔

ہائے، صائم نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

ہیلو، کیسے ہو تم؟ وہ اب اس سے خیریت پوچھ رہی تھی۔

جیسا تمہیں لگتا ہوں، وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

یومن تھوڑے پاگل سے؟ عانیہ نے معصومیت سے سوال کیا تو صائم کا قہقہہ جاندار تھا۔

کافی چالاک ہو گئی ہو، صائم نے اسے چھیڑا تھا۔

تمہاری صحبت کا اثر ہے، وہ دوبرو بولی تھی۔

کچھ ہماری صحبت میں بھی رہ لیجئے مس عانیہ خان، یقین کیجئے آپ کو ہماری کمپنی اچھی لگے گی، فواد کمینگی سے کہتا انکے قریب آیا تھا۔

اسے دیکھ کر عانیہ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں جبکہ صائم کو بھی اسکا انداز ناگوار گزرا تھا۔

ہے سویٹی یولکنگ گور جیس، وہ بوٹے ہوئے خباثت سے ہنسا تھا۔

ہے یو بی ان یور لیمٹ، صائم نے مٹھیاں بھیج کر کہتے ہوئے بامشکل اپنے اشتعال پر قابو پایا تھا۔

ورنہ کیا؟ کیا کرو لو گے تم؟ فواد کہتا ہوا آگے آیا تھا۔

ورنہ کچھ بولے لائق نہیں رہو گے، صائم غرایا تھا۔

کیوں؟ یہ بہت خاص ہے تیری؟ وہ ذلیل پنے کی حد پر تھا۔

اسی وقت میسم وہاں آگیا تھا۔

لسن گائز ریلیکس، اس نے بیچ بچاؤ کروایا تھا۔

لسن صائم میں اسکی طرف سے سوری کرتا ہوں، میسم ایسکیوز کرتا اسے لیے آگے بڑھ گیا تھا۔

صائم کافی حد تک خود کو کمپوز کرچکا تھا مگر عانیہ کا موڈ آف تھا۔

وہ منہ بنائے کھڑی تھی۔

یار عانیہ لیواٹ نا، اس ایڈیٹ کے لیے تم اپنا موڈ مت خراب کرو، یار پلیز مسکرا دو نا، میری خاطر؟ وہ مان سے بولا تو عانیہ بھی مسکرا دی تھی۔

وہ جب پارٹی میں پہنچے تو صائم اور عانیہ انہیں دیکھتے ہی انکی جانب چلے آئے تھے۔

لگتا ہے آج کوئی بہت خوش ہے؟ صائم نے آہستہ سے مشعال کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

جبکہ اسکی بات پر مشعال کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

ضوریز مہبوت سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

اب لگتا ہے تم ہماری مشی ہو، صائم اسے ہنستے دیکھ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

اسی وقت پلوشہ بیگم اور سماہر بیگم کے ہمراہ زروا وہاں آئی تھی۔

سفیرخان بھی وہیں آگئے تھے، اب سب لوگ باتوں میں مصروف تھے۔

ضوریز کے موبائل پر کال آئی تو وہ ایسکیوز کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

زائر اپنے کسی جاننے والے سے باتوں میں مصروف تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ بے زار ہوا تو یہاں وہاں دیکھتا ایک جانب بڑھا تھا۔

وہ مغرور شہزادہ کھویا کھویا سا تھا۔

غالباً وہ ایک نسوانی آواز پر چونکا تھا۔

ہے زیڈ۔ کے، اسکے قریب ہی میسہ علی کھڑی تھی۔

زائر کی پیشانی پر بل پڑے تھے۔

واٹ؟ وہ بے تاثر انداز میں بولا تھا۔

کین وی ٹالک؟ وہ ایک ادا سے پوچھتی اسکی طرف آئی تھی۔

نواآئی ڈونٹ ہیو آٹانم، وہ مغرور سے لہجے میں کہتا آگے بڑھ گیا تھا۔

بھورے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے ہٹاتا وہ ایک شان سے چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔

اسکی نیلی سمندی سی انکھوں میں انوکھی سی چمک تھی۔

وہ جانتا تھا کہ اس محفل کا وہ سب سے شاندار مرد ہے، کیونکہ اسکا مقابل ابھی اسے
کہیں نظر نا آیا تھا۔

ساڑھے چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، چمکتی ہوئی سرخ و سفید رنگت اس پر ہلکی بھوری داڑھی،
کس قدر شاندار انسان تھا وہ، چہرے پر ہمیشہ کی طرح سنجیدگی تھی۔

اسی وقت اسے اپنا مقابل نظر آیا تھا۔

اب اس محفل میں دو شاندار مرد تھے۔

ضوریز خان آفریدی، بلیک تمہری پیس میں، بال جیل سے سیٹ کیے کسی انگریز ریاست کا
جابر شہزادہ لگ رہا تھا۔

اسکے عنابی ہونٹ زائر کو دیکھتے ہی بھیج سے گئے تھے۔

جبکہ زائر کی آنکھوں میں بھی سرد مہری در آئی تھی۔

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے، ایک غرور کے نشے میں چور تو دوسرا جیت کے ارد گرد سے بے نیاز کھڑا تھا۔

تو قسمت ہمیں پھر سے آمنے سامنے لے آئی، ضرور سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

اسکی بات پر قسمت مسکرائی تھی، کیونکہ قسمت انہیں آمنے سامنے نہیں بلکہ ایک ساتھ لا کر کھڑا کرنے والی تھی۔

اسکی بات پر زائر استہزایہ انداز میں ہنسا تھا۔

مگر افسوس، کہ تم میرے مقابل کھڑے ہوؤ، میں تمہیں بالکل بھی اس قابل نہیں سمجھتا، زائر نفرت سے کہتا آگے بڑھنے کو تھا۔

سمجھتا تو میں بھی نہیں مگر وہ کیا ہے ناڈیئر کزن، تم جو یہ تمہرڈ کلاس حرکتیں کرتے رہتے
ہو مجھے نیچا دیکھانے کے لیے، یہ مجھے مجبور کر دیتی ہیں، تمہیں یاد رکھنے پر، ضرور دل جلانے
والے انداز میں بولتا زائر کو آگ لگا گیا تھا۔

لسن یو، زائر نے کچھ کہنے کو لب واہ کیے ہی تھے کے اسکے موبائل کی ٹون نے اسے
خاموش کروا دیا تھا۔

ضروریز تنفر سے سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا تھا۔

آج ہمارے پلان کا سب سے اہم اسٹیپ ہے گاڑ، اس پارٹی میں شہر کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے بزنسمن آئے ہیں، کسی کو پتہ بھی نہیں چلیگا کہ یہ سب کس نے کیا ہے، منان نے بوٹے ہوئے قمقہ لگایا تھا۔

کبیر، فواد اور میسم نے بھی اسکا ساتھ دیا تھا۔

مگر کچھ گڑبڑ تو نہیں ہوگی نا؟ میسم نے پوچھا تھا۔

نو آج کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے میسم، منان نے تیزی سے اسکی بات کاٹی تھی۔

یہ آفریڈیز، سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ آج ان کمینوں کو پتہ چلیگا، ہم بھی کسی سے کم نہیں، منان نفرت سے بولا تھا۔

باقی سب بھی ہنس دیے تھے۔

یہ سوچے بنا کے کوئی ہے جو انکی باتیں سن رہا ہے۔

#فرینڈشپ_اسپیشل

ڈنر کا وقت ہوا تو سب لوگ ٹیبلز کی جانب بڑھ گئے تھے۔

پوری آفریدی فیملی ایک ساتھ بیٹھی تھی سوائے ضوریز خان کے۔

مشعال کی نگاہیں اسے ہی ڈھونڈ رہی تھیں۔

کھانا کھالو بھئی آجائیں گے لالہ، عانیہ نے اسکے کان میں سرگوشی کی تو مشعال نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

ارے بھئی کیا باتیں ہو رہی ہیں نند بھابھی میں؟ پلو شہ بیگم نے انہیں چھیڑا تو سب مسکرا دیئے تھے۔

ویلے یہ ضروریز کہاں ہے سفیر خان نے پوچھا تو زائر کا موڈ آف ہوا تھا۔

زائر چیئر گھسیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

سب ہی چونک کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

ڈن، سو ایسکیوز می، وہ سنجیگی سے کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

تم نے بتایا نہیں کیا دشمنی ہے تمہاری ان دونوں سے؟ اور یہ تو خود ایک دوسرے کے دشمن ہیں؟ تم اب اور کیا چاہتے ہو آخر؟ فواد نے منان علی سے پوچھا تھا۔

یہ دشمن ہیں مگر یہ دشمن تھے نہیں، کیوں مانی؟ میسم نے جواب دینے کے ساتھ منان سے بھی رائے لی تھی۔

ہاں بالکل، یو نو فواد اینڈ کسیر، زائر خان آفریدی، اور ضریر خان آفریدی، آج سے چار پہلے دوستی کی ایک مثال تھے۔

منان نے بوٹے ہوئے فواد کی جانب دیکھا تھا۔

تو پھر ایسے کیسے یہ؟ فواد کی دوستی ان سے 1 سال پہلے ہی ہوئی تھی اسلیے وہ کچھ نا جانتا تھا۔

یہ لمبی کہانی ہے، تمہیں میسم سنائے گا، منان نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

انکی باتیں سن کر ان سے کچھ فاصلے پر کھڑے شخص کے دماغ کی رگیں تن سی گئی تھیں۔

تو سنو فواد، اس زائر کی جو بیوی ہے نازروا؟ وہ مانی کو پسند آگئی تھی۔

اس نے اس سے دوستی کی کوشش کی تھی مگر اس ضروریز اور زائر کی وجہ سے وہ اسکے قابو میں نہیں آسکی تھی۔

اس کمی نے ضوریز پوری کلاس کے سامنے مانی پر ہاتھ اٹھایا تھا اسکی انسلٹ کی، اسے وارننگ دی کی اسکی کزن سے دور رہے، میسم کے لہجے میں ضوریز کے لیے نفرت تھی۔

مگر پھر زائر سے نفرت کی وجہ؟ کبیر کنفیوز ہوا تھا۔

مانی کچھ گنڈوں کے ساتھ اس ضوریز کی عقل ٹھکانے لگانے گیا تھا۔

مگر کالج کے باہر ہی ضوریز کے ساتھ یہ ذلیل باڈی بلڈ زائر بھی موجود تھا۔

اس نے مانی کے گنڈوں کی وہ درگت

بنائی کے وہ سب بھاگ گئے مگر اس کے بعد اس نے مانی اور مجھ پر بھی ہاتھ اٹھایا پورے کالج کے سامنے ہماری بے عزتی کی، تب سے ہی ہم نے سوچ لیا تھا کہ ان دونوں کو اور ان کی دوستی کو تو ہم تڑوا کر رہیں گے، میسم کے لہجے میں زہر سا بھرا ہوا تھا۔

وہ بول کر رکا تھا۔

پے در پے انکشافات پر کچھ دور کھڑا وہ شخص شک میں تھا۔

انہی دنوں بانک ریس کا شور اٹھا تھا۔

اس بات کے ٹھیک دو دن بعد یہ ریس تھی اور زائر خان کا برتھ ڈے بھی، تو بس ہمیں موقع مل گیا تھا اپنے پلان پر عمل کرنے کا، مانی نے میسج کی بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

شام کے وقت ریس تھی اور ہمیشہ کی طرح یہ ایڈیٹس ساتھ تھے، اس ریس میں یہ دونوں جیت تو گئے مگر انہیں اس بات کا اندازہ نا تھا کہ ایک ساتھ یہ انکی آخری جیت تھی، مانی زمر خند انداز میں بوٹے بوٹے ہنسا تھا۔

پھر؟ فواد غور سے سن رہا تھا۔

پھر ان سب نے زائر خان کے لیے سرپرائز پارٹی رکھی تھی جو کے رات میں تھی مگر ہماری وجہ سے سب برباد ہو گیا، میسم مانی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

اس شام ہی ہم کچھ اور اسٹوڈنٹس کے ساتھ ضوریز اور زائر کو جیت کی مبارکباد دینے گئے تھے ہم نے ان سے سوری بھی کر لیا تھا۔

انہوں نے ہمیں معاف بھی کر دیا، یہ صدا کے بے وقوف یا شاید کچھ زیادہ ہی اچھائی کے ہتے تھے۔

اس شام میں نے موقع دیکھ کر زائر کے موبائل سے ضوریز کو فارم ہاؤس پر آنے کے لیے میسج کیا تھا۔

وہ کمینہ ہماری توقع کے مطابق وہاں آ بھی گیا۔

اس کے لہجے میں چھپی نفرت پر ضریر خان کا خون کھول اٹھا تھا۔

اسکا بس نہیں چل رہا تھا وہ اسے جان سے مار دیتا، تو اسکا شک سہی تھا، یہ سب ایک پلان تھا، ضریر نے دل میں سوچا تھا اور انکی باتیں سننے لگا تھا۔

پھر ماحول تھوڑا سا رومینٹک بنا کر میں نے زائر کو کیک میں نیند کی دوا دے دی تھی، وہ کیک کھاتے ہی سُن ہو گیا، مانی نے فواد کو آنکھ مارتے ہوئے بات مزید آگے بڑھائی تھی۔

اب شروع ہوتا ہے مین سین، میسم نے قمقہ لگایا تھا۔

اسکے بعد میں نے زائر کے موبائل سے زروا اور ساتھ ہی ضریر کو بھی ٹیکسٹ کیا کہ وہاں آجائیں۔

میں نے اپنی ایک دوست کو پہلے ہی وہاں بھیج دیا تھا جس نے یوں پروف کرنا تھا جیسے
زائر نے اسے بلایا ہوا ہو۔

واٹ؟ تو زائر سچ کہہ رہا تھا، اومائی گاڈ، ضریرز کے دل و دماغ میں جیسے آندھی کے سے جھکڑ
چل رہے تھے۔

پھر ٹھیک 9 بجے جب پوری آفریدی فیملی وہاں پہنچی تو سب کو لگا؟ فواد نے میسم کی بات
اچکی تھی۔

کہ انکا چہیتا زائر خان اس قدر گھٹیا انسان ہے، جبکہ ضریرز بھی زائر سے بدظن ہو گیا، رائٹ؟
فواد نے پوچھا تھا۔

رائٹ، منان کہتے ہوئے ہنسا تھا۔

اس کے بعد جو ہوا وہ تو تم سمجھ ہی گئے ہونگے کیوں؟ میسم نے فواد سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

کمال کے پلانرز ہو یا ر تم لوگ تو، مان گئے تمہیں ہم، فواد نے ہنستے ہوئے انہیں داد دی تھی۔

وہ تو ہم ہیں ہی تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں؟ مانی بولا تو کبیر نے جواب دیا تھا۔

ہاں بتاؤ۔

یہ زائر نا ڈرپوک بھاگ تھا ملک چھوڑ کر، میسم نے جواب دیا تھا۔

مطلب؟ مطلب یہ کہ اسکے باپ نے نکال دیا تھا سالے کو، مانی نفرت سے پھنکارا تھا۔

یو نو نا میسم میمیکری کتنی اچھی کرتا ہے، زائر کے جانے کے بعد کوئی اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرے اس لیے میسم نے زائر کی آواز میں اسکا گناہ قبول کیا اور ہم نے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی، یہ تھا ہمارا ماسٹر پلان، میسم خاموش ہوا تو ضوریز تالیاں بجاتا انکے سامنے آیا تھا۔

اسے دیکھ کر سب کے چہروں کا رنگ اڑا تھا۔

تم لوگ انتہائی گھٹیا ہو، یہ مجھے آج اچھے سے یقین ہو گیا، مجھے تو گھن آرہی ہے تم سے، میں نے کیسے تمہیں اپنا دوست مان لیا، ضوریز نفرت سے کہتا آگے آیا تھا۔

دیکھو ایسا کچھ نہیں ہے تم میری بات سنو، مانی نے خوش آمدی لہجے میں کہا تھا۔

بکواس بند کرو اپنی کمیٰ، ضریر چلایا تھا۔

تمہاری وجہ سے میں اپنے یار سے دور ہو گیا، اتنے سال ہم ایک دوسرے سے بلا وجہ کی نفرت کرتے رہے، اس نفرت نے ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنا ڈالا، اور یہ اب تم دونوں کمیٰ کی وجہ سے ہوا، اور تم کہتے ہو میں تمہاری بات سنوں؟ جان نالے لوں میں تمہاری؟ بلکہ ایلچوٹی ہم دونوں یہی کریں گے اب، تمہیں تو ہم نہیں چھوڑیں گے، ضریر دھاڑا تھا۔

سب کچھ کلیئر ہوا تو نفرت بھی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی کیونکہ انکی دوستی تھی ہی ایسی، اسلپاک بھی انکے ساتھ تھا۔

میں ابھی جا کر جگر کو سب بتاتا ہوں، شاید تمہیں اس باڈی بلڈ کی ہی ضرورت ہے، ضریر بھپرا ہوا وہاں سے نکلا تھا۔

ارے روکو اسے، مانی چیخا تھا۔

میسر اسکے پیچھے بھاگا تھا۔



باباجان کو کبھی بھی میں نہیں دکھتا، اس ضریر کی وجہ سے، میں بے قصور ہوتے ہوئے
بھی آج تک انکے لیے قصوروار ہی ہوں، اس نے غصے سے سوچا تھا۔

زائر ایک سائیڈ کھڑا سگریٹ پیتا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

اچانک اسکی نظر سامنے کھڑی لڑکی پر پڑی تھی۔

زائر کے زہن میں جیسے کچھ کلک ہوا تھا۔

کہیں تو دیکھا ہے اسے، زائر کو ناجانے کیوں ایسا لگ رہا تھا، وہ زہن پر زور ڈالنے ہوئے یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ناٹھ، نہیں، نہرہ؟ نہیں نہیں نیلم، ہاں یہی تو نام تھا اسکا، زائر بڑبڑایا تھا۔

یہ وہی لڑکی تھی جو اس رات فارم ہاؤس پر تھی۔

کچھ ہی فاصلے پر کھڑی نیلم نامی وہ لڑکی اسے پہچان چکی تھی اسی لیے سرعت سے آگے بڑھی تھی۔

جبکہ زائر تیزی سے اسکے پیچھے بھاگا تھا۔

ہے یو لسن اسٹاپ، وہ غرایا تھا۔

مگر وہ جاچکی تھی۔

بھاگ گئی، ڈیم اٹ، زائر نے غصے سے ہوا میں مکا چلایا تھا۔

ہے زائر، بات سنو میری، ضرور چلیجئے کے انداز میں بولتا اسے اپنی جانب آتا دیکھائی دیا تھا۔

زائر پلٹا تھا۔

واٹ دا ہیل، اب یہ کہاں سے آگیا، وہ ضریر کو دیکھ کر بے زاگی سے بڑبڑایا تھا۔

مجھے تم سے بات کرنی ہے زائر، ضریرز اسکے قریب آکر رکا تھا۔

مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، ہٹو سامنے سے، زائر نے چڑ کر کہا تھا۔

اسکا موڈ پہلے ہی آف تھا اور ضریرز سے بات کر کے مزید ہو جاتا، اسی لیے اس نے آگے جانے کے لیے قدم بڑھائے تھے۔

رک جا یاں جگر، ضریرز جس انداز سے بولا تھا اس نے زائر کو چوکے پر مجبور کر دیا تھا۔

یہ کیا طریقہ ہے ہٹو سامنے سے، وہ ضریرز کو ایک سائیڈ کرتا آگے بڑھنے کو تھا۔

ضوریز اچانک اس سے گلے لگ گیا تھا۔

بیچھے ہٹو اسٹوڈ، اب یہ کونسی چال ہے تمہاری، ہاں، واٹس رانگ و دیو، زائر تپ کر بولا تھا۔

تو نشانے پر ہے میرے یار، ضوریز سرگوشی کے سے انداز میں بولا تھا۔

اسی وقت زائر کو خود پر ریڈ اسپاٹ محسوس ہوا تھا۔

وہ پل میں الرٹ ہوا تھا۔

بیچھے ہٹو، اس نے گرہڑ محسوس کرتے ہوئے ضوریز کو ہٹایا تھا۔

اسی وقت زائر کے دل کے مقام پر وہی ریڈ اسپاٹ آکر رکا تھا اور فضاء میں گولی کی آواز گونجی تھی۔

جگر ررررر، وہ پوری قوت سے چلایا تھا مگر گولی اپنا کام کر چکی تھی۔

کسی کی زندگی خطرے میں تھی مگر لوگوں کو کب کسی کی پرواہ تھی ہر کوئی وہاں سے بھاگ رہا تھا، گولی کی آواز پر وہاں جیسے بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔

قسمت بھی آج اداس تھی کیونکہ محبت پھر سے مصیبت میں تھی۔

اب زندگی موت سے جیتی ہے یا ہار جاتی ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتانے والا تھا۔

یہ کیا کیا تو نے جگر؟ زائر نے لڑکھڑاتے ہوئے ضوریز کو بازوؤں میں تھاما تھا اور وہیں بیٹھتا چلا گیا تھا۔

مم میں نن نے حج جوچ چار سال پہلے غلطی کک کی تھی اسے سدھار دیا، ضروریز نے بہت دقت سے یہ لفظ ادا کیے تھے اور اسکی آنکھیں بند ہو گئیں تھیں۔

آج اس نے دوستی کا حق ادا کر دیا تھا۔

زائر کو جیسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

جگر رررررر، اس کی آواز میں قرب تھا۔

سم ون کال دا ایسولینس، ڈیم اٹ، زائر چلایا تھا۔

پلیز کوئی ایسولینس بلاؤؤؤؤؤ، وہ ضروریز کو تھام کر زمین پر بیٹھا پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔

مگر ڈر کے مارے لوگ جلدی جلدی باہر کی جانب بھاگ رہے تھے اس لیے کوئی انکے پاس نا آیا تھا۔

جگر آنکھیں کھول، زائر نے اسکے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔

مگر ضروریز بے ہوش ہو چکا تھا۔

اسی لمحے آفریدی فیملی وہاں پہنچی تھی۔

ضروریز کی یہ حالت دیکھ کر سب ہی کی حالت خراب ہوئی تھی۔

ضروریز، سماہر بیگم تڑپ کر اسکے پاس آئیں تھیں۔

مم میرا بچہ، وہ دھاڑے مار کر رودی تھیں۔

باقی سب کا بھی حال برا تھا۔

ضض ضوریر، مشعال چلائی تھی۔

وہ جو کے سب سے آخر میں وہاں آئی تھی، ضوریر کو اس حال میں دیکھ وہیں بے ہوش ہو گئی تھی۔

زروا نے آگے بڑھ کر جلدی سے اسے سنبھالا تھا۔

اتنے میں ہی ایسبولینس آگئی تھی۔

ضویر کو اسٹریچر پر ڈال کر لے جایا جارہا تھا۔

آفریدی فیملی پر جیسے غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

ہر آنکھ نم تھی۔

صرف زائر ہی زمین پر بیٹھا تھا، جیسے ہی اسے حوش آیا وہ دیوانہ وار اٹھا تھا اور اسٹریچر کے ساتھ بھاگا تھا۔

یہ کیا کر دیا تو نے؟ میں نے کہا تھا صرف گنڈے بھیج کر ڈرانا ہے انہیں، یہ شارپ شوٹر
کا کس نے کہا تھا ایڈیٹ؟ میسم اپنے ساتھیوں پر چلا رہا تھا۔

انکا کوئی قصور نہیں، میں نے بھیجا تھا شارپ شوٹر، منان بولتا ہوا روم میں داخل ہوا تھا۔

وہ سب اس وقت میسم کی اسٹیپ مدر شناز علی کے گھر پر تھے۔

مگر کیوں؟ کیونکہ مجھے زروا چاہیے، اور زائر کی موت کے بنا یہ ممکن نہیں اسی لیے میں نے
اسے مروانے کے لیے یہ پلان بنایا تھا۔

مگر وہ سالہ کمینہ ضوریز بیچ میں آگیا، منان تلملاتے ہوئے بولا تھا۔

میسم نے اسکی بات پر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ لوگ اب مزید باتیں کر رہے تھے۔

مگر باہر کھڑی شہناز علی کے قدموں تلے گویا زمین نکل گئی تھی۔

انہیں یہ سب سن کر شاک لگا تھا۔

وہ فوراً وہاں سے نکلی تھیں۔

اس وقت آپریشن تھئیئر میں ضوریز کا آپریشن چل رہا تھا، وہ سب آپریشن تھئیئر کے باہر بیٹھے تھے۔

سب ہی ضرور کے لیے دعا گو تھے، جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا ان سب کا دل ڈوبتا جا رہا تھا، زائر اور صائم پچھلے دو گھنٹے سے مسلسل ایک ہی پوزیشن میں کھڑے تھے۔

زروا بہت مشکل سے مشعل کو سنبھالے بیٹھی تھی، جو کے حوش میں نا تھی اور چیخ رہی تھی۔

میرا ضرور ٹھیک ہو جائے گا نا؟

وہ بس یہی بولتی ہوئی مسلسل رونے کے ساتھ یک ٹک آپریشن تھیٹر کے دروازے کو دیکھے جا رہی تھی۔

جبکہ عانیہ پلوشہ بیگم، اور نگین بیگم سماہر بیگم کے پاس گم سم سی بیٹھی تھیں، ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔

ضوریز کو آپریشن تمہیر میں لے کر گئے دو گھنٹے ہو چکے تھے مگر ابھی تک ڈاکٹر نے کوئی
اچھی خبر نہ دی تھی۔

عانہ بھی اب پلوشہ بیگم کے کندھے سے لگی مسلسل روئے جارہی تھی، اسکے لب
مسلسل دعاگو تھے۔

نفرت کرتا ہوں میں تم سے، تم اس لائق نہیں کے میں تیم سے بات کروں، میں برباد
کردونگا تمہیں، زائر کی اپنی کہی باتیں آج اسے پچھتاوے میں گھیرے ہوئی تھیں۔

ضوریہ کو اس حال میں دیکھ کر وہ بھی تکلیف میں تھا۔

اسے آج بچپن سے لے کر آج تک کی ہر بات یاد آ رہی تھی۔

زائر+ضوریز، تب جب کر ہی تو مکمل ہوتا ہے لفظ دوستی، ضوریز کی بہت پہلے کہی بات جیسے آج پھر سے زائر کے کان میں گونجی تھی۔

زائر سوچوں میں گم تھا۔

وہ اور صائم ساتھ ہی کھڑے تھے جب آپریشن تمھیڑ کا ڈور اوپن ہوا تھا اور ایک ڈاکٹر انکی جانب آیا تھا۔

سب کی نظریں اس طرف اٹھی تھیں۔ مشعال کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

ایسکیزومی، مجھے آپ سے مسٹر ضوریز خان کے بارے میں بات کرنی ہے، پلیز آپ میں سے انکا جو بھی خاص ہے وہ میرے ساتھ آئے، ڈاکٹر نے کہا تو شہروز خان نے زائر کے شولڈر پر ہاتھ رکھ کر اسے جانے کا اشارہ کیا تو زائر آگے بڑھا تھا۔

میرا دوست ٹھیک تو ہے نا ڈاکٹر؟ زائر کے لہجے میں آج خوف سا تھا، شاید اپنے دوست کو کھونے کا ڈر؟ دلوں پر جما گلشیئر پگھل چکا تھا۔

مگر کیا بہت دیر ہو چکی تھی؟

ڈاکٹر، مم میں انکی وائف ہوں کک کیا ہوا میرے ضروریز کو؟ وہ ٹھیک ہے نا؟ بولے پلیز ڈاکٹر، مشعال نے آگے بڑھ کر با مشکل آنسو روکے ہوئے پوچھا تو زائر وہیں رک گیا تھا، اسی وقت صائم نے عانیہ کو اسے لے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

مشعال چلو، زائر لالہ ہیں نا، وہ دیکھ لینگے، عانیہ نے بہت مشکل سے مشعال کو ایک طرف کیا تھا۔

مم مجھے جاننا ہے عانیہ میرا ضروریز ٹھیک ہے نا؟ اسے کچھ نہیں ہوگا نا؟ مشعال کی وہی رٹ تھی، عانیہ نے روتے ہوئے اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔

پلیز جلدی کیجئے، مشعال کے جانے کے بعد، ڈاکٹر نے زائر کو دوبارہ متوجہ کیا تھا۔

زائر سرعت سے انکے ساتھ آگے بڑھا تھا۔

خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے مسٹر خان، انکا بچنا بہت مشکل ہے مگر ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں، آپ جلدی سے اے بی نیگیٹو بلڈ کا انتظام کر دیں یہ بہت ریئر بلڈ گروپ ہے ہمارے پاس اوپیل نہیں اگر بلڈ نہیں ملا تو سوری ٹو سے ہم انہیں بچا نہیں پائینگے۔

ڈاکٹر نے زائر کے کہنے پر اسے ساری صورتحال کھل کر بتادی تھی بنا کچھ چھپائے۔

ڈاکٹر کی بات سن کر زائر کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

ڈاکٹر پلیز آپ میرے یار کو بچالیں، بس آپ اسے کچھ مت ہونے دینا، میرا بلڈ گروپ بھی یہی ہے، ضرورت پڑے تو آپ میرے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نکال لیں میں اپنے جگر کے لیے جان دینے کو بھی تیار ہوں، مگر بس آپ پلیز اسے بچالیں پلیز...!

خود پر بامشکل قابو پا کر بولتا ہوا زائر خان آفریدی، بھی آج ٹوٹ رہا تھا۔

آج زائر خان کی انا کا بت ٹوٹ چکا تھا، جبکہ ضرور میری اپنی انا کو پیچھے چھوڑتا اپنے دوست کی زندگی بچانے کو خود موت کے سامنے اکھڑا ہوا تھا۔

یہ دوستی ہوتی ہی ایسی چیز ہے، اسی لیے تو کہتے ہیں بچے دوست خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔

اسکی بات پر ڈاکٹر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔

آپ پہلے یہ میڈیسنز لے آئیں، ڈاکٹر نے اسے نسخہ تھمایا تھا۔

وہ دیوانہ وار بھاگتا وہاں سے نکلا تھا۔

"یارا تیری یاری کو میں نے تو خدا مانا"

"یاد کریگی دنیا، تیرا میرا افسانہ"

ضوریز کے جسم سے گولی نکال دی گئی تھی۔

لیکن زائر کے بلڈ دینے کے بعد بھی ڈاکٹرز نے فلحال کوئی مثبت جواب نا دیا تھا۔

اس وقت رات کے چار بج رہے تھے یعنی انہیں ضریر کو یہاں لائے پانچ گھنٹے گزر چکے تھے، سب ہی کا حال برا تھا۔

ہوسپٹل کی راہداری میں اتنے افراد ہونے کے باوجود بھی موت کا سا سننا تھا۔

سب ہی کے لب ضریر کے لیے دعاگو تھے۔

آج مشعال خان آفریدی، بھی سجدے میں گری ہوئی تھی۔

اسے آج خدا سے اپنی محبت اپنے محبوب شوہر کی سلامتی کی دعا مانگنی تھی۔

"فرض نماز چھوڑنے والی وہ لڑکی"

آج تیرے لیے تمجد کے سجدے میں گر کر رو رہی تھی"

یا اللہ میرے ضوریز کی زندگی بچالے، اسے ٹھیک کردے مالک، میں جانتی ہوں میں بہت گنگار ہوں تجھ سے تیری عبادت سے بہت دور ہوں، مگر سنا ہے تو ہر اک کی سنتا ہے؟ اور بے شک تو بڑا رحیم و کریم ہے نا مولا، تو اس خطاکار بندی کی سن لے مالک، میرے ضوریز کو زندگی دے دے، مشعال دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔

وہ ہاسپٹل کے پریٹنگ روم میں تھی۔

مشعال، اسی وقت زروا اسے روتی دیکھ وہاں آئی تھی۔

زروا میرا ضوریز، مشعال اسے دیکھتے ہی اسکی طرف آئی تھی۔

کچھ نہیں ہوگا اسے، تم اسکے لیے دعا کر رہی ہو نا؟ پھر اسے کیسے کچھ ہو سکتا ہے جب اتنے لوگ اسکے لیے دعا مانگ رہے ہیں، زروا نے اسے تسلی دیتے ہوئے سینے سے لگایا تھا۔

مم مگر اتنی دیر ہو گئی وہ حوش میں کک کیوں نن نہیں آیا، مشعال روتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

مگر زروا کے پاس اسے دینے کو جواب نا تھا۔

تم میرے ساتھ آؤ، وہ اسے لے کر ایک جانب بڑھ گئی تھی۔

سیاہ رات گزر چکی تھی۔

یہ فجر کا وقت تھا۔

اذان ہو رہی تھی اور نئی صبح کا آغاز ہونے کو تھا۔

مگر یہ صبح آفریدیز کے لیے گھنا اندھیرا لانے والی تھی۔

یا اللہ میں نے آج تک تجھ سے کوئی شکوہ نہیں کیا نا اپنے لیے کچھ مانگا ہے، مگر آج میں تیرے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوں، مجھے مایوس نا کرنا مالک، میرے دوست میرے یار کی زندگی بخش دے، تو تو سب کی سنتا ہے نا؟ آج میری سن کر میرا یقین پختہ کر دے خداوند عالم، وہ لمبا چوڑا مضبوط مرد آج دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے مسجد میں کھڑا رہا تھا۔

آنسو نا جانے کب اسکی آنکھوں سے نکلے تھے، اسے کچھ خبر نا تھی۔

زائر خان آج عرصے بعد اپنے رب سے ہمکلام تھا۔

وہ سب اس وقت ہاسپٹل کی راہداری میں تھے۔

صائم اور زروا کے لاکھ اسرار کے بعد بھی کسی نے ناشتہ نہ کیا تھا۔

پھوپھو پلینز تھوڑا سا جوس پی لیجئے، آپ دیکھیے گا اس نے چاہا تو ضرور بالکل ٹھیک ہو جائیگا،
زروا سماہر بیگم کے پاس بیچ پر بیٹھی انہیں تسلی دے رہی تھی۔

اسکے ہاتھ میں جوس کا گلاس تھا جو وہ کافی دیر سے سماہر بیگم کو پلانے کی کوشش کر
رہی تھی۔

مگر سماہر بیگم گم سم سی بیٹھی تھیں۔

اسی وقت زائر وہاں آیا تھا۔

پھوپھو، یہ جوس پی لیں جلدی سے، تاکہ میرا یار جب حوش میں آئے تو اسے برانا گے کے ہم نے آپ کا خیال نہیں رکھا، چلیے شاباش، پی لیجئے، پھر ہمیں ضرور سے بھی تو ملنا ہے، وہ انکے قریب بیٹھتا انہیں بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

زروا نے ایک نظر اپنے سر کے سائیں کی پر ڈالی تھی۔

آج عرصے بعد اس نے زائر کا یہ نرم رویہ اور یہ پرانا روپ دیکھا تھا۔

تم سچ بول رہے ہونا خان بچے؟ سماہر بیگم نے اسے اسکے نک نیم سے پکارا تھا۔

زائر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

مگر پہلے یہ فینش کیجئے، زائر نے زروا سے جوس کا گلاس لے کر انکی جانب بڑھایا تھا۔

سماہر بیگم نے بامشکل چند گھونٹ لیے تھے۔

زروا کو سکون سا ملا تھا۔

اسی وقت ایک ڈاکٹر وہاں آیا تھا۔

زائر خان کون ہے آپ میں سے؟ ڈاکٹر نے پوچھا تو زائر زروا کو سماہر بیگم کا خیال رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فورن ڈاکٹر کی جانب بڑھا تھا۔

یس ڈاکٹر، زائر نے انکی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

آپ میرے ساتھ آئیے، ڈاکٹر کا لہجہ غیر معمولی حد تک سنجیدہ تھا۔

سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔

زائر بھی پریشان سا انکے ساتھ آگے بڑھا تھا۔

میرا دوست تو ٹھیک ہے نا؟ زائر نے جلدی سے پوچھا تھا۔

ڈاکٹر چند پل کو کچھ نا بولا تھا۔

بویے ڈاکٹر وہ ٹھیک ہے نا؟

لیکن ڈاکٹر کا جواب سن کر زائر وہیں بیچ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتا چلا گیا تھا۔

اسے یوں لگا تھا جیسے زمین آسمان گردش کرنے لگے ہوں۔

دیکھیے سوری ٹو سے بٹ۔۔۔۔۔

سوری ٹو سے، بٹ ہی از ان کومہ، ڈاکٹر کے الفاظوں نے جیسے زائر کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی تھی۔

وہ وہی بیچ پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔

اسے لگا تھا جیسے وقت نے اس سے بہت بڑا بدلہ لے لیا ہے۔

زندگی کا یہ امتحان اسے لڑ گیا تھا۔

وہ شدید زہنی اذیت میں تھا۔

جگر ررررر، وہ حلق کے بل چلایا تھا۔

اسکی آواز میں موجود تڑپ پر آتے جاتے لوگ اسکی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

میرا یار، بوٹے ہوئے آج زائر خان آفریدی، ناچاہتے ہوئے بھی ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

وہ سو کر اٹھا تو حسبِ معمول وہ کمرے میں نہیں تھی، مگر مسئلہ تو یہ تھا نا کہ جاگنے کے بعد اسکا سب سے پہلا کام زروا خان آفریدی کو دیکھنا ہوتا تھا۔

سو بیڈ سے اتر کر وہ سلیر پہنتا کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

وہ سامنے ہی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی، زائر نے ایک گرمی نگاہ اسکے شہابی چہرے پر ڈالی تھی پھر پلٹا اور کمرے میں واپس آگیا تھا۔

وہ فریش ہونے واشروم میں جاگھسا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہیئر برش سے بال بناتے ہوئے اپنا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔

اپنی نیلی سمندر سی گہری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ ان میں شاید کچھ تلاش کر رہا تھا۔

ویرانی اور سرد مہری کے علاوہ وہ ان میں کچھ اور تلاشنے میں ناکام رہا تھا۔

کچھ سوچ کر لب بھینچتے ہوئے اس نے خود پر پرفیوم چھڑکا تھا، اور ڈریسنگ ٹیبل پر سے گھڑی اٹھا کر کلائی پر باندھی تھی۔

باہر سے آتی کھٹ پٹ کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ اب اسکے لیے ناشتہ بنانے میں مصروف ہو چکی تھی۔

زائر ریڈی ہو کر باہر آیا تو زروا تب تک ناشتہ ڈائیننگ ٹیبل لگا چکی تھی۔

زائر معمول کے مطابق چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

زروا نے آج بھی اسکے لیے اسکا فیورٹ بریک فاسٹ بنایا تھا۔

اب نیوز پیپر پر نگاہ دوڑاتے ہوئے وہ جوس کے سپ لے رہا تھا۔

سنیے، زروا نے اسے مخاطب کیا تھا۔

ہاں بولو، زائر نیوز پیپر سائیڈ میں رکھتے ہوئے پوری توجہ سے اسکی جانب متوجہ ہوا تھا۔

اسکے یوں دیکھنے پر زروا کوفت کا شکار ہوئی تھی۔

وہ جانتا تھا وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی، مگر مجبوراً کر رہی ہے۔

مگر زائر خان بھی تو کمبخت دل کے ہاتھوں مجبور تھا، اپنے دل پر اسکا اختیار ہی کب تھا۔

سو وہ اسے کافی فرصت سے دیکھتا اسکے بولنے کا منتظر تھا۔

میں کہہ رہی تھی کہ آپ اگر ہاسپٹل جائیں تو مجھے بھی لے چلیے گا، وہ دونوں ہاتھ کی انگلیاں آپس میں مڑوٹی، جھجکتے ہوئے بول رہی تھی، وہ آج بھی اسے کافی کنفیوز سی لگی تھی۔

آج ضروریز کو کومہ میں گئے دو ماہ ہونے کو تھے، ڈاکٹرز امید چھوڑ چکے تھے۔

مگر زائر نے امید کا دامن ہاتھ سے نا جانے دیا تھا۔

اس نے اپنے سارے سارسز لگا کر ضرور کے علاج کے لیے بیرون ملک سے مہنگی ترین مشینیں منگوائی تھیں، اور بڑے سے بڑے ماہرین ڈاکٹرز کی ٹیم کو ضرور کے لیے پاکستان بلوایا تھا۔

اپنے دوست کے لیے اس نے ہر قسم کا انتظام کروایا تھا۔

جبکہ وہ خود روزانہ باقاعدگی سے ضرور سے ملنے جاتا تھا۔

زائر اس اے گھنٹوں باتیں کرتا تھا مگر یہ بات الگ تھی کہ وہ زندگی سے بھرپور شخص، اسکا دوست اسکا جگر خاموش ہو چکا تھا۔

اکثر زائر تین تین دن ہاسپٹل میں ہی رک جاتا تھا، اسکے علاوہ سماہر بیگم اور شہروز خان کے ساتھ صائم اور عانیہ بھی کبھی کبھی وہاں رکے تھے۔

پلوشہ بیگم نکلین بیگم اور باقی سب بھی ہاسپیٹل آتے جاتے رہتے تھے۔

مشعال کا رویہ بھی زروا کے ساتھ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا، جبکہ زروا بھی ہر طرح سے اسکا خیال رکھ رہی تھی۔

وہ زائر کے ہمراہ اکثر مشعال کو لیتے ہوئے ہی ہاسپیٹل جاتی تھی۔

ڈاکٹرز کے ہی مشورے پر زائر نے ہاسپیٹل کو ترجیح دی تھی ورنہ وہ تو سب سیٹ اپ "ضروریات" میں ہی کروانا چاہتا تھا۔

کیا ہوا؟ آپ نے جواب نہیں دیا، زروا نے اسے سوچوں میں غلطیاں دیکھ سوال کیا تھا۔

زروا جانتی تھی وہ اسے انکار نہیں کریگا، مگر انکے بیچ موجود اجنبیت کی دیوار، جو کے زروا کی ہی قائم کردہ تھی، زروا کو زائر سے بات کرتے وقت آج بھی سوچنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

جیسا تم کہو، زائر نے سوچوں سے پیچھا چھڑاتے ہوئے اسکی توقع کے عین مطابق ہی جواب دیا تھا۔

آپ ناشتہ کریں میں بس ابھی آئی، زروا کہتے ہی وہاں سے چلی گئی تھی۔

جبکہ زائر تھکا ہوا سا چیئر کی پشت سے ٹیک لگا گیا تھا۔

شہروز خان اسٹڈی میں بیٹھے تھے۔

انکے سامنے ہی ٹیبل پر ایک فائل کھلی ہوئی تھی۔

مگر انکا دھیان تو کہیں اور ہی تھا۔

ہے ڈیڈ، یہ ہے میرا نیو پروجیکٹ، دیکھیے میں نے رات بھر جاگ کر یہ کام کیا ہے، میں ہمارے بزنس کو ایک نیا موڑ دینا چاہتا ہوں، ضرور رف سے حلیے میں فائل لیے انکے سامنے کھڑا تھا۔

بٹ آئی ایم ناٹ امپرسیڈ مائی سن، شہروز خان نے سنجیگی سے کہا تھا۔

مگر میں پوری رات جاگ کر کام کیا ہے یار ایک بار دیکھ تو لیں، وہ بچوں کے سے انداز میں بول رہا تھا۔

شہروز خان نے بامشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی تھی۔

اچھا بابا لاؤ، وہ اس سے فائل لیتے ہوئے بولے تھے۔

ضویر انکے سامنے کھڑا انکے جواب کا منتظر تھا۔

کام تو پرفیکٹ ہے، بٹ یہ کام کرنے کا طریقہ بالکل بھی نہیں ہے، کام کے وقت کام اور ریسٹ کے وقت ریسٹ کرنا چاہیے بیٹا جی، ورنہ آپکی صحت خراب ہو جائیگی، اس طرح ہیرو بننے کے چکر میں آپکا پچھلا کام تو ہو جائیگا مگر آپ کا اگلا کام پینڈنگ رہ جائیگا، پھر فائدہ ایسی محنت کا؟ وہ سنجیدگی سے بولے اسے ہدایات دے رہے تھے۔

انکا مقصد صرف اسے سمجھانا تھا کہ اسکی صحت سے بڑھ کر انکے لیے کچھ بھی نہیں ہے یہ بزنس بھی نہیں۔

کیا یار ڈیڈ ہمیشہ ہٹلر بننا ضروری ہے کیا؟ ضروریز نے منہ بنا کر سوال کیا تھا۔

ہاں بالکل ضروری ہے مائی ڈیئر سن، وہ اسی کے انداز میں بولے تھے۔

اوکے فائن، نیکسٹ ٹائم خیال رکھوگا، وہ بنا کسی بحث انکی بات مان گیا تھا۔

شہروز خان مسکرا دیئے تھے۔

ڈیڈ؟ عانیہ کی آواز پر ایک دم سے شہروز خان چونک کر حوش میں آئے تھے۔

وہ آج سے کوئی ڈھائی ماہ پہلے کا منظر تھا، جسے یاد کرتے ہوئے وہ سوچوں میں گم تھے،
مگر عانیہ کی آواز انہیں حال میں لے آئی تھی۔

جب سے ضوریز کومہ میں گیا تھا ان سب کی زندگیاں جیسے رک سی گئی تھیں، جوان بیٹے کی حالت نے شہروز خان کو توڑ کر رکھ دیا تھا، وہ آج خود کو بوڑھا محسوس کر رہے تھے، آنسو ٹوٹ کر انکی آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔

یا اللہ میرے بچے کو صحت یابی دے دے، انہوں نے پھر سے ہزاروں بار مانگی جانے والی دعا مانگی تھی۔

ڈیڈ، عانیہ اب انہیں آواز دیتی اسٹڈی میں ہی آگئی تھی۔

شہروز خان نے جلدی سے آنکھیں صاف کی تھی اور بیٹی کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

ہاؤ ڈیئر یو ٹو سے ڈیٹ؟ وہ نرس پر چیخ رہی تھی۔

میں نے تو صرف وہی کہا جو سچ ہے میم، آپ پلیز ہائپر مت ہوں، نرس مشعال کو غیض و غضب میں بھرے دیکھ گھبرا گئی تھی۔

آؤٹ، مشعال چلائی تھی۔

بٹ وہ انکا چیک اپ، نرس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

آئی سیڈ آؤٹ، سمجھ نہیں آ رہا؟ وہ ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے اب نرس سے سوال کر رہی تھی۔

نرس بے چاری اٹے قدموں باہر بھاگی تھی۔

پاگل ہیں سب، انہیں اتنا بھی نہیں سمجھ آتا کہ تم مجھ سے پیار کرتے ہو، اور تم نے کہا تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے، وہ بیڈ پر آنکھیں بند کیے آکسیجن ماسک اور مشینوں میں جکڑے ضرور سے مخاطب تھی۔

اسکی حالت دیکھ کر، روم کے دروازے پر کھڑی زروا کا دل خون کے آنسو رونے لگا تھا۔

وہ بس ابھی زائر کے ساتھ یہاں آئی تھی۔

زائر تو صائم کو دیکھ کر باہر ہی اس سے بات کرنے رک گیا تھا، جبکہ زروا مشعال کے پاس آگئی تھی۔

مشعال؟ زروا اسے نرمی سے پکارتی اسکی جانب بڑھی تھی۔

تم آگئی زروا، دیکھو نا یہ ضریر سو رہا ہے اور ابھی وہ نرس کہہ رہی تھی کہ یہ شاید اب کبھی نہیں، اس سے آگے مشعال سے بولانا گیا تھا۔

وہ بوٹے بوٹے رودی تھی۔

مشعال میری جان بس، کچھ نہیں ہوگا اسے، اللہ نے چاہا تو تمہارا ضریر بلکل ٹھیک ہو جائیگا، زروا نے اسے خود سے لگائے تسلی دی تھی۔

وہ جانتی تھی ضریر کا ٹھیک ہونا بہت مشکل ہے، مگر ان میں سے کوئی بھی امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کو تیار نا تھا۔

اسلام و علیکم پھوپو جان، صائم انہیں سلام کرتا لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

سماہر بیگم جو کے قرآن پاک پڑھ رہی تھیں نے اشارے سے اسکے سلام کا جواب دیا تھا۔

پھوپو عانیہ کہاں ہے؟ وہ سماہر بیگم کو سلام کرنے کے بعد عانیہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

اتنے میں ہی اسے عانیہ آتی دیکھائی دی تھی۔

وہ عانیہ کی جانب بڑھا تھا۔

تم یہاں؟ تم تو ہاسپٹیل میں تھے نا، عانیہ نے اس سے پوچھا تھا۔

وہ زائر لالہ اور زروا آگئے تھے تو میں گھر جا رہا تھا سوچا تم سے مل لوں، صائم نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

اچھا، میں بھی بس ابھی یونیورسٹی کے لیے نکل رہی تھی، عانیہ نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

عانیہ نے غور سے اسکی جانب دیکھا تھا، وہ اسے کافی تھکا ہوا سا لگا تھا۔

چلو آؤ تمہیں یونیورسٹی ڈراپ کردوں، وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

عانیہ سماہر بیگم سے اجازت لیتی اسکے ساتھ چل دی تھی۔

زروا زبردستی مشعال کو بریک فاسٹ کروانے لے گئی تھی۔

جبکہ زائرِ ضریر کے پاس ہی بیٹھا تھا۔

اٹھ جانا جگر، اور کتنی سزا دیگا؟ میں مانتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہے اور تیری ناراضگی جائز بھی ہے یار، مگر پہلے ٹھیک ہو جا پھر جو مرضی سزا دے لیو مجھے مگر یوں مجھ سے منہ تو مت موڑ میرے یار، دیکھ میں تیرے سامنے ہوں، جو چاہے بول لے میں سب سنونگا، تیری ہر بات مانونگا، مگر بس ایک بار اٹھ جا، آنکھیں کھول میرے یار، بے حوش پڑے ضریر سے بات کرتا زائر بے بسی کی انتہاؤں پر تھا۔

مگر اسکا دوست شاید اس سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہو گیا تھا، ضریر کی بند آنکھوں میں زندگی کی رمق تک نا تھی۔

اسکے قریب بیٹھا زائر تقریباً رو دیئے کو تھا۔

تو پھر کون کہتا ہے مرد نہیں روتا؟

لوگ کہتے ہیں کہ مرد جب روتا ہے تو وہ مگر مجھ کے آنسو ہوتے ہیں لیکن شاید مرد جب روتا ہے تو وہ کرب کی انتہا پہ ہوتا ہے۔

کچھ تو اس نے ضرور ایسا کھویا ہو گا جو اس نے کبھی بہت سنبھال کہ رکھا ہو گا، کوئی تو خواب ہو گا جو اسکی آنکھ سے ٹوٹ کے بکھرا ہو گا، کوئی تو ایسا دکھ ہو گا جو دل کو کڑچی کڑچی کر کے روح تک کو لہو لہان کر گیا ہو گا
کون کہتا ہے مرد کو درد نہیں ہوتا؟ ؟؟

مرد بھی جب کسی بہت بڑے دکھ سے گزرتا ہے تو روتا ہے اسے بھی تکلیف ہوتی ہے،
مگر وہ عورت کی طرح آنسو نہیں بہاتا، خاموش ہو جاتا ہے، اندر ہی اندر ٹوٹ جاتا ہے، لیکن
کسی کو اس بات کی خبر تک نہیں ہونے دیتا کہ وہ تھک چکا ہے۔

وہ بھی اب تھک رہا تھا، جان سے عزیز دوست کی یہ حالت اس سے دیکھی نا جا رہی تھی۔

مگر اپنوں کے لیے خود کو سنبھالے وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔

سرخ ہوتی آنکھیں اسکے اندرونی قرب کی گواہ تھیں۔

زروا اور مشعال واپس آئیں تو زائر سرعت سے اٹھا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

یار تم کچھ زیادہ ہی اموشنل نہیں ہو رہی؟ میں کھالیتا گھر جا کر کچھ، صائم اپنی طرف سینڈوچ بڑھاتی عانیہ سے بولا تھا۔

میں جانتی تھی تم نے ناشتہ نہیں کیا ہوگا نا ہی تم گھر جا کر کھاتے، اسی لیے میں تمہیں یہاں لائی ہوں، وہ اسے سینڈوچ کھلاتی ہوئی فکر مندی سے بولی تھی۔

صائم اسکی یہ فکر دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

اچھا سنو میری ایک فرینڈ کے بہنوئی سرجن ہیں، وہ آج ہی امریکا سے آرہے ہیں، ہم لالہ کا ان سے چیک اپ کروائیں؟ وہ صائم سے پوچھ رہی تھی۔

عانیہ تو جیسے مسکرانا ہی بھول گئی تھی، اور ہر وقت اداس رہتی تھی۔

اس نے کہیں آنا جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔

لیکن صائم کی ہی کوششوں سے وہ ایک ہفتے سے یونیورسٹی جانے لگی تھی۔

صائم ہی تھا جس کی وجہ سے وہ کم سے کم بات تو کرنے لگی تھی، ورنہ ضویز کے کومہ میں جانے کے بعد بالکل ہی خاموش ہو گئی تھی۔

خیالوں میں گم صائم چونکا تھا۔

آں ہاں، ایسا کرتے ہیں زائر لالہ سے بات کر لیتے ہیں اسکے بعد جیسا وہ کہیں؟ صائم نے اسکی رائے مانگی تھی۔

عانیہ نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

صائم اور عانیہ اس وقت زائر کے بنگلے پر تھے۔

زروا بھی یہیں تھی جبکہ زائر ہاسپٹل میں تھا۔

وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

آج انکے پاس جیسے بات کرنے کو ٹاپک نا تھا۔

کل ویک اینڈ ہے، صائم نے خاموشی کو توڑا تھا۔

تو؟ زروا نے چونک کر سوال کیا تھا۔

تو کل سب کو "ضوریز ہاؤس" جانا ہے، جواب عانیہ نے دیا تھا۔

ہاں، زروا نے محض اتنا کہا تھا۔

زروا؟ صائم نے زروا کو مخاطب کیا تو اس نے سوالیہ نظروں سے صائم کی جانب دیکھا تھا۔

میں چائے لے کر آتی ہوں، عانیہ جیسے انہیں بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

کیا تم خوش ہو؟ صائم نے سوال کیا تھا۔

زروا نے اسکی جانب دیکھا تھا۔

تمہیں لگتا ہے جو سب ہوا اسکے بعد میں خوش ہوؤنگی؟ زروا نے سوال کے جواب میں سوال داغا تھا۔

صائم لاجواب ہوا تھا۔

مگر کیا تم لالہ کو ایک موقع نہیں دے سکتیں؟ صائم نے پھر سے کوشش کی تھی۔

موقع انہیں دیا جاتا ہے جو سب ٹھیک کرنے کے لیے کوشش کرنا چاہتے ہوں، زروا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

یعنی وہ زائر لالہ کی طرف سے پہل کی منتظر ہے؟ ایک خوشگوار احساس صائم کے دل و جان میں اترتا تھا۔

میں عانیہ کو دیکھتی ہوں، کہاں رہ گئی یہ، زروا بول کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

جبکہ صائم کسی گرمی سوچ میں گم تھا۔

ڈاکٹر کیا کوئی امپروویمنٹ؟ زائر نے قصداً بات ادھوری چھوڑی تھی۔

دیکھیے ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، یہ کب تک ٹھیک ہوں گے کوئی آئیڈیا نہیں، ایسا لگتا ہے جیسے یہ جینا ہی نہیں چاہتے، ہم اپنی کوشش کر چکے، اب باقی زندگی موت تو اسلا پاک کے ہاتھ میں ہے، پلینز حوصلہ رکھیے، ڈاکٹر پروفیشنل انداز میں اسے تسلی دیتا آگے بڑھ گیا تھا۔

زائر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔

پلیز لالہ آپ بھی چل لیجئے نا، صائم نے زائر سے "ضروریز ہاؤس" چلنے کی بات کی تھی۔

نو وے، ہم سب گھر پر ہونگے تو یہاں کون رکیگا؟ زائر نے تیوری چڑھا کر صائم سے سوال کیا تھا۔

ارے یار لالہ میں بھی جانتا ہوں یہ کسے وہاں کسی کا ہونا ضروری ہے، مگر میں یہ صرف اسلیے بول رہا ہوں تاکہ کچھ وقت کے لیے سب ساتھ ہوں تو سماہر پھوپو اور شہروز پھوپھا بھی کچھ بہتر فیل کریں گے، یار لالہ پلیز ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ، صائم نے جیسے ضد ہی لگالی تھی۔

ہاں تو ٹھیک ہے تم سب جاؤ، میں یہیں ہوں، بس نو مور آرگیو مینٹس، زائر نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

صائم نے جی اچھا کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔

سوائے زائر کے وہ سب اس وقت "ضوریز ہاؤس" میں تھے۔

ڈاکٹرز نے 2 سے زیادہ لوگوں کو ہسپتال میں رکنے سے منع کر دیا تھا۔

اسی لیے اس وقت زائر ہی وہاں تھا۔

وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

سب ساتھ ہیں پھر بھی کتنا سونا سونا لگ رہا ہے نا سب؟ نگین بیگم نے اداسی سے پلوشہ بیگم سے کہا تھا۔

ہاں زندگی جیسے رک سی گئی ہے نگین، پلوشہ بیگم نے انکی تائید کی تھی۔

پتہ نہیں کب ٹھیک ہوگا سب، فرقان خان اور مراد خان بھی جیسے اداس سے تھے۔

اسی وقت عانیہ سب کے لیے اسٹابری ملک شیک لائی تھی۔

یہ لیجئے سب ملک شیک پیجئے، وہ بامشکل مسکراتی ہوئی ماحول ہلکا پھلکا کرنے کو بولی تھی۔

یہ تو میرے ضوریز کا فیورٹ ہے، تمہیں پتہ ہے ابھی وہ ہوتا تو جلدی سے اپنا گلاس ختم کرتا اور پھر میرا بھی پی جاتا، سماہر بیگم ضوریر کو یاد کرتیں اداسی سے مسکرائی تھیں۔

زائر کہہ رہا تھا کوئی دوسرا ڈاکٹر بلوایا ہے اس نے؟ کب آئیگا وہ؟ سفیر خان نے پلوشہ بیگم سے پوچھا تھا۔

پتہ نہیں مجھے تو کچھ، اپنی عانیہ کی کوئی سہیلی ہے اسکا بہنوئی ہے شاید، پلوشہ بیگم نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

ہوں، سفیر خان نے محض اتنا کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

یہ مشعال کہاں ہے؟ شہروز خان نے زروا سے سوال کیا تھا کیونکہ مشعال زیادہ تر اسی کے ساتھ رہتی تھی۔

انکے سوال پر زروا چونکی تھی۔

ہم اسے دیکھ کر آتے ہیں، عانیہ بولنے کے ساتھ ہی زروا کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھی۔

وہ اپنے دھیان میں کچن میں داخل ہوئی تھی کے کسی نے اسکی کلائی کھینچ کر اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

آااؤچ، عانیہ کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

ششش، کیا ہوگیا یار، اٹس می، صائم، مرواؤگی کیا، وہ اسکے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تھا۔

عانیہ نے اسے گھورا تھا۔

صائم نے فورن اسکے منہ پر سے ہاتھ ہٹایا تھا۔

مجھے کیا خواب آرہے تھے کہ یہ تم ہو؟ وہ کڑے تیوریلے اس سے پوچھ رہی تھی۔

ہاں بالکل تمہیں یہ پتہ ہونا چاہیے، کے تمہارا ہاتھ پکڑنے کا حق صرف صائم خان کا ہے، وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

منہ دھو رکھو، عانیہ نے اسے زبان چڑائی تھی۔

میں بہت جلد مومی سے ہماری شادی کی بات کرنے والا ہوں سویٹ ہارٹ، گھمبیر لہجے میں بولتا وہ عانیہ کا دل دھڑکا گیا تھا۔

عانیہ کی رنگت تمنا اٹھی تھی وہ ابھی بھی صائم کے حصار میں تھی۔

صائم نے دلچسپی سے اسکا یہ شرایا ہوا روپ دیکھا تھا۔

صائم میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی، عانیہ نے آہستہ سے کہا تو صائم کا دل ایک اداس ہوا تھا۔

مگر کیوں؟ صائم نے بے چینی سے سوال کیا تھا۔

میرے لالہ اس حال میں ہیں صائم، اور تم کہہ رہے ہو میں شادی کر لوں؟ اپنی زندگی کا اتنا اہم موقع اتنا اپنے لالہ کے بنا ہی منالوں؟ انکے بنا میری کوئی خوشی، مکمل نہیں ہو سکتی صائم، انکی دعائیں انکا ساتھ، میرے لیے بہت اہم ہے، میرے موم ڈیڈ کے بعد اگر کوئی مجھے عزیز ہے تو وہ ہیں میرے ضریر لالہ، میری جان ہیں وہ صائم، تم سمجھ رہے ہو نا؟ وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

صائم جو کہ پوری توجہ سے اسکی باتیں سن رہا تھا اسکے سوال پر مسکرا دیا تھا۔

اسکے مسکرانے پر عانیہ کے دل میں ایک سکون سا اثر گیا تھا۔

میرے لیے تمہاری خوشی سب سے زیادہ اہم ہے عانیہ، اور ضرور لالہ میرے بھی تو لالہ ہیں، میرے لیے بھی انکا ساتھ انکی دعائیں بہت ضروری ہے، وہ مسکرا کر کہتا عانیہ کو اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوا تھا۔

بس تم خوش رہا کرو، صائم نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

عانیہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

زرّوا بیٹا بات سنو، سماہر بیگم نے کچن میں جاتی زرّوا کو آواز دی تھی۔

جی پھوپھو؟ زرّوا انکے پاس آئی تھی۔

وہ بیٹا، وہ جو عانیہ کی فرینڈ کا بہنوئی ہے نا وہ آرہا ہے ضریر کا ٹریٹمنٹ اب وہی کریگا، سنا ہے بہت اچھا ڈاکٹر ہے، بس اسلا کرے ہمارا ضریر ٹھیک ہو جائے اسکے ٹریٹمنٹ سے، وہ زرّوا کو تفصیل بتا رہی تھیں۔

زرّوا ہلکا سا مسکرائی تھی۔

میں تمہیں یہ بتا رہی تھی وہ ہمارے یہاں ہی رکیگا، تم ایسا کرو گیسٹ روم صاف کروادو، وہ اب اسے ہدایات دے رہی تھیں۔

زرّوا اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

وہ بے دھیانی میں لاؤنج سے گزر رہی تھی جب سامنے سے آتے شخص سے اسکا زبردست
تصادم ہوا تھا۔

آاؤچ، زروا کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

جبکہ اسکے ہاتھ میں موجود کلرز باکس جو وہ عانیہ کے روم میں رکھنے جارہی تھی، سارا کا سارا
اس شخص پر الٹ چکا تھا۔

اونو، یہ کیا کردیا میں نے، وہ میں میرا مطلب، سو سوری، زروا گھبرائی تھی۔

سامنے کھڑا شخص یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

پنک ٹراؤزر شرٹ میں دوپٹہ سلیقے سے شانے پر پھیلائے، سنہری سلکی بالوں کا بیسی جوڑے بنائے، وہ سادگی میں بھی کسی کا بھی ایمان دگمگانے کا ہنر رکھتی تھی۔

جبکہ دوسری جانب زروا شرمندہ سی کھڑی تھی۔

اُس اوکے، بائے داوے، مجھے ساحل مغل کہتے ہیں، وہ بوٹے ہوئے ہلکا سا مسکرایا تھا۔

کیا اوکے، میری وجہ سے آپ کے تو سارے کپڑے خراب ہو گئے، یہ سارے مسئلے میرے ساتھ ہی کیوں ہوتے ہیں، زروا بنا اسکی بات پر دھیان دیئے بڑبڑائی تھی۔

ارے اُس اوکے نا ہو جاتا ہے ایسا، کوئی بات نہیں مس؟ ویلے آپکا نام؟ وہ رکا تھا۔

زروا خان آفریدی، زروا نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟ زروا نے اس سے پوچھا تھا۔

جی میں ہی ڈاکٹر ساحل مغل ہوں، مجھے صائم نے بھیجا ہے، وہ مزید بولا تھا۔

اب زروا چونکی تھی، کیونکہ وہ ہڑبراہٹ میں اس سے یہ پوچھنا بالکل بھول گئی تھی۔

آپ میرے کزن کا علاج کرنے آئے ہیں نا؟ آئیے میں آپکو اندر لے کر چلتی ہوں، زروا پرچوش سی بولی تو ساحل مسکرایا تھا۔

مگر نہیں، میرا مطلب آپ کے کپڑے، وہ ہچکچائی تھی۔

ایسا کریں آپ وہاں گیسٹ روم میں چلے جائیے، جب تک صائم بھی آجائیگا، زروا جلدی جلدی بولی تھی۔

اوکے تھینکس، وہ اپنا لگج لیے زروا کے بتائے ہوئے روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

یہ تو کچن ہے، کچھ ہی دیر میں وہ واپس آیا تھا۔

ادپس، او مائی گاڈ، کیا کر رہی ہوں میں یہ، وہ شدید شرمندہ ہوئی تھی۔

آپ وہاں جائیے سامنے وہیں ہے گیسٹ روم، تیسرے والے روم میں چلے جائیگا، زروا نے اسے تفصیلی جواب دیا تھا۔

آریو شیور؟ ساحل نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

نج جی، زروا نے جھجکتے ہوئے جواب دیا تھا۔

کیونکہ اسے یوں کسی اجنبی سے بات کرنے کی عادت بالکل نا تھی۔

اوکے تمھینکس، بائے داوے نائس ٹومیٹ یو، ساحل سر کو خم دیتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا تھا۔

زروا نے بھی ہونٹوں پر بامشکل مسکراہٹ سجائی تھی۔

مگر "ضوریہ ہاؤس" میں داخل ہوتے زائر خان نے جلتی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔

طیش کی ایک لہر اسکے رگ و پے میں اتر گئی تھی۔

مشعال بس ایک اسپون اور لے لو پلیز، عانیہ نے مشعال کو ویجیٹیبل سوپ پلانے کو اسرار کیا تھا۔

بس میرا من نہیں اب، مشعال نے اسکا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا تھا۔

اچھا میں نے تمہارے کپڑے نکال دیئے ہیں تم فریش تو ہو جاؤ، عانیہ نے تاسف سے اسکے ملگجے حلیے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

مشعال اس وقت پرسوں والے ہی لان کے سوٹ میں ملبوس تھی جو کے بے حد شکن آلودہ ہو چکا تھا۔

جبکہ اسکے خوبصورت بال بھی چٹیاں میں سے نکلے ہوئے تھے۔

ہر وقت مسکراتے لبوں پر اس وقت مسکراہٹ کی کوئی رک نا تھی۔

عانیہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا، اسکی نک سک سی تیار رہنے والی بھا بھی سے بڑھ کر دوست، وہ لڑکی آج کس قدر شکستہ حالت میں تھی۔

مجھے نہیں پہننا، میں انہی کپڑوں میں ٹھیک ہوں، وہ بے زاگی سے بولی تھی۔

ارے کیوں نہیں پہننا؟ تم نہیں چاہتی جب ضریر ٹھیک ہو تو وہ تمہیں اچھی حالت میں سچی سنوری دیکھے؟ زروا روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی تھی۔

کتنا غلط سمجھتی تھی وہ اسے اور آج وہی اسکی سب سے بڑی ہمدرد تھی، جو اسے سنبھالے ہوئے تھی، مشعال نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔

عانیہ مسکرا رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی اب مشعال نا نہیں کر سکیگی۔

میں کیا کروں زروا، میرا دل نہیں چاہتا تیار ہونے کو، وہ اداسی سے بولی تھی۔

اب چاہنے لگیگا، میں تمہارے لیے ایک گڈ نیوز لائی ہوں، وہ مشعال کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی تھی۔

مشعال نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

جواباً زروا نے اسے ڈاکٹر ساحل کے بارے میں بتادیا تھا۔

کیا واقع ہی وہ میرے ضروریز کا علاج کرینگے؟ مشعال نے پرامید نظروں سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

ہاں بالکل، اور تم دیکھنا، اسلے نے چاہا تو ضروریز بالکل ٹھیک ہو جائیگا، زروا نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

تم بہت اچھی ہو زروا، مشعال بوٹے ہوئے بے ساختہ ہی اسکے گلے لگ گئی تھی۔

یہ رات کے کھانے کا وقت تھا، وہ سب اس وقت ڈائننگ ہال میں تھے۔

صائم اور نگین بیگم صبح سے ہاسپٹل میں تھے اسلیے آج تو زائر بھی یہیں موجود تھا۔

وہ آفس سے سیدھا میہیں آگیا تھا۔

وہ سب ضروریز کے متعلق ہی بات کر رہے تھے۔

اسلام و علیکم ایوری ون، ساحل مسکراتا ہوا ڈائینگ حال میں انٹر ہوا تھا۔

مائی سیلف ساحل مغل، میں ضروریز سر کے علاج کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں، اس نے اپنا تفصیلی تعارف کروایا تھا۔

جی بیٹا، زروا نے ہمیں بتادیا تھا آپ کے آنے کا، ارے آپ کھڑے کیوں ہیں، بیٹھے نا، شہروز خان نے پر شفقت انداز میں کہا تو ساحل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اسی وقت بلیک شلوار قمیض جسکی آستین کہنیوں تک فولڈ تھیں، جبکہ بھورے بال رف سے انداز میں پیشانی پر گرے ہوئے تھے، تازہ کی گئی شیو میں نکھرا نکھرا سا زائر خان ڈائینگ حال میں انٹر ہوا تھا۔

وہ اکثر یہاں آتا رہتا تھا اسی لیے اس کا کافی سامان یہاں موجود تھا، اسی لیے وہ آفس سے سیدھا یہیں آگیا تھا۔

اسلام و علیکم، زائر نے سب کو سلام کیا تھا۔

ساحل نے اسے دیکھ لیا تھا اس لیے بیٹھنے کے بجائے اسکے پاس آیا تھا۔

جبکہ زائر نے اسے سرے سے نظر انداز کیا تھا۔

آئی گیس آپ زائر خان ہیں؟ وہ اب زائر کے سامنے کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔

زائر نے ایک نگاہ سامنے کھڑے خوبو شخص پر ڈالی تھی۔

بلیک جینس پر وائیٹ شرٹ اور ریڈ اپر پہنے، آنکھوں پر فریم لیس گلاس لگائے، مناسب قد اور گندمی رنگت کا مالک وہ ہینڈسم شخص زائر کی عمر کا تھا۔

لگتا ہے کافی معلومات ہے تمہیں ہماری فیملی کے بارے میں، زائر نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

زیادہ تو نہیں مگر، صائم خان آفریدی کی جان بستی ہے آپ میں یہ جانتا ہوں، وہ دلکشی سے بولا تھا۔

ارے ساحل بیٹا، یہ ہمارا دوسرا بیٹا ہے، اور ضوریز کا سب سے قریبی دوست، زائر خان آفریدی، بہت ہی قابل بزنسمین ہے ہمارا زائر، شہروز خان نے اسکا تعارف کروایا تھا۔

زائر اپنے اذلی مغرور انداز میں ہلکا سا مسکرایا تھا۔

نائس ٹو میٹ یو برو، ساحل نے زائر کی جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

بٹ میں یہ نہیں کہہ سکتا، میں پہلی ہی ملاقات میں کسی کے بارے میں یوں رائے نہیں دیتا، زائر نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے مصافحہ کیا تھا۔

امید کرتا ہوں آپ مجھے میرے بارے میں بہت جلد اپنی رائے سے نوازیں گے اور وہ رائے ان شاء اللہ اچھی ہی ہوگی، ساحل خوش اخلاقی سے بولا تھا۔

پلیز ہیو آسیٹ ساحل برو، عانیہ نے کہا تو ساحل قریب رکھی چیئر پر بیٹھنے لگا تھا، جسکے برابر میں زروا کی چیئر تھی۔

مگر زائر اس سے پہلے ہی اس سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

اس نے ایسا کیوں کیا وہ نہیں جانتا تھا مگر وہ اس ڈاکٹر کا زروا کے ساتھ بیٹھنا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اوہ، تم وہاں بیٹھ جاؤ، زائر نے اسے کھڑے دیکھ کہا تو ساحل برا مانے بنا دوسری چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

ویلے تم صائم کو کیسے جانتے ہو؟ پلوشہ بیگم نے سوال کیا تھا، وہ بھی یہیں تھیں۔

ارے مامی جان یہ میری فرینڈ این کے کزن ہیں، میں نے بتایا تھا نا آپکو، میری فرینڈ کے جیو کا؟ مگر وہ نہیں آسکے ضروری کام میں پھنس گئے ہیں، انہوں نے ہی انہیں بھیجا ہے، یہ ایک ماہ پہلے ہی لندن سے آئے ہیں، صائم ہی ان سے مل کر بات کرنے گیا تھا، اسی نے انہیں یہاں کا ایڈریس دیا ہے، عانیہ نے ساحل کا تفصیلی تعارف کروایا تھا۔

ساحل محض مسکرا دیا تھا۔

ویسے مجھے تو لگا تھا آپ کوئی بڑے سے سوبر اور سیریش ٹائپ سے ڈاکٹر ہونگے، مگر آپ کو دیکھ کر ایسا بالکل نہیں لگتا، آپ نے خود کو کتنا مینٹین بھی کیا ہوا ہے، ڈاکٹر کم باڈی بلڈر زیادہ لگتے ہیں، عانیہ نے کھلے دل سے اسکی تعریف کی تھی۔

ارے اب ایسا بھی کچھ نہیں ہے سسٹر، ویل تھینکس، ساحل مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

زرّوا بیٹا وہ سویٹ ڈش پاس کرنا ساحل کو، جو آج تم نے بنایا ہے، پلو شہ بیگم نے کہا تو زرّوا نے جی کہا تھا۔

مگر زرّوا سے پہلے ہی زائر وہ ڈش اٹھا چکا تھا۔

اسی پل زروا کی نظریں اس سے ملی تھیں۔

زائر نے دُش اسکی جانب بڑھایا تھا۔

زروا نے دُش تھامنا چاہا تو اسکا ہاتھ زائر کے ہاتھ سے بچ ہوا تھا مگر زائر انجان بن گیا تھا۔

دُش لیتی زروا کا ہاتھ لرزا تھا، زائر نے جان بوجھ کر وہ دُش زروا کے کپڑوں پر الٹ دیا تھا۔

اوپس سوری یار، غلطی سے گرگیا، وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے معصومیت سے کہتا زروا

کو حیران کرگیا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھی زائر نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی، مگر وجہ

جاننے سے قاصر تھی۔

ساحل بھی اب انکی جان متوجہ تھا۔

ارے یہ کیا ہوا، زروا تمہارے تو سارے کپڑوں میں کھیر گر گئی، تم جاؤ جا کر چینج کرلو، پلوشہ بیگم نے کہا تو زروا ایک قہر برساتی نگاہ زائر پر ڈالتی جی کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

زائر نے بامشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

ایکسیوزمی آئی ہیو ڈن، زروا کے جاتے ہی زائر بھی کہتا ہوا چیئر گھیسٹ کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

اس حرکت کی وجہ جان سکتی ہوں؟ وہ واشروم سے نکلی تو زائر آرام دہ حالت میں کافی فرصت سے بیڈ پر براجمان تھا۔

کونسی حرکت کی بات کر رہی ہو تم؟ وہ انجان بنا تھا۔

وہی جو آپ نے ابھی نیچے کی تھی، زروا چڑ کر بولی تھی۔

ہاں وہی پوچھ رہا ہوں، ابھی نیچے میں نے کونسی حرکت کی؟ زائر اب بیٹھ چکا تھا۔

آپ نے میرے کپڑوں پر وہ دُش کیوں گرایا؟ زروا غصے سے بولی تھی۔

میری مرضی، وہ ڈھینٹائی سے کہتا بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا گیا تھا۔

اسکا مطلب آپ مانتے ہیں کہ آپ نے وہ سب جان بوجھ کر کیا؟ زروا نے اسے خشمگین

نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا تھا۔

جو تمہیں سمجھنا ہے سمجھ لو سویٹ ہارٹ، وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

آپ نا انتہائی بدتمذیب انسان ہیں، جب سب کے ساتھ بیٹھنے کے میز نہیں ہیں تو کیوں آئے تھے نیچے؟ وہ تپے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

مجھے مت سیکھاؤ، مجھے سب پتہ ہے، ویلے جب تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے تو خاموش کیوں نہیں رہتی تم؟ وہ پٹلپٹ بولنے کے ساتھ اس سے سوال کرتا، زروا کو زچ کرگیا تھا۔

زروا نے ایک ناراضگی بھری نگاہ اس ہٹ ڈھرم شخص پر ڈالی تھی جو صرف اپنی منوانا جانتا تھا۔

آپ سے تو بات کرنا فضول ہے، زروا جلتی کڑھتی روم سے نکلنے لگی تھی۔

رہنا پھر بھی تمہیں اس فضول شخص کے ساتھ ہی ہے، زائر نے پیچھے سے شرارتی انداز میں جملہ کساتھا۔

زروا سر جھٹکتی روم سے نکل گئی تھی۔

"سانس سانس قربتیں ہیں بات بات دوریاں"

"تیرے میرے درمیاں یہ رابطے عجیب ہیں"

کم ان، روم ناک ہوا تو زائر نے مصروف سے انداز میں اجازت دی تھی۔

لالہ وہ صائم باہر ویٹ کر رہا ہے گاڑی میں، اگر آپ لوگ ریڈی ہیں تو آجائیں، عانیہ نے اطلاع دی تھی۔

اوکے تم چلو ہم آرہے ہیں، زائر کی جگہ ڈریسنگ روم سے نکلتی زروا نے جواب دیا تھا۔

آئنے کے سامنے کھڑے زائر نے ایک نظر اپنے پیچھے کھڑی زروا پر ڈالی تھی۔

وائیٹ کمر کی فراک میں دوپٹہ شانے پر پھیلائے ساتھ ہی کڑھائی والی خوبصورت مہرون کمر کی شال اچھے سے خود پر لپٹائے وہ سادگی میں بھی سرتاپا قیامت لگ رہی تھی۔

دھلا دھلایا شفاف چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔

زائر مبہوت ہوا تھا۔

"نہ ہوس تیرے جسم کی، نہ شوق تیری لذت کا"

"بن مطلبی سا بندہ ہوں، تیری سادگی پر مرتا ہوں"

جبکہ قدرتی گلابی ہونٹوں پر خاموشی کا قفل ڈالے وہ سپاٹ چہرہ لیے ایک طرف کھڑی شاید
زائر کی منتظر تھی۔

زائر نے کافی گرمی نظروں سے اسکا جائزہ لیا تھا۔

اس دشمنِ جانان کے آگے آج ایک بار پھر اسکا دل اس سے بغاوت کرنے کو تیار تھا۔

اگر آپ کی تیاریاں مکمل ہوگئی ہوں تو کیا ہم چل سکتے ہیں؟ اسے ہنوز وہیں جمعے دیکھ وہ
بالآخر چڑ کے بولی تھی۔

زائر کی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا تھا۔

کیا تم مجھ سے مخاطب ہو؟ اپنے اسی جان لیوا انداز میں مسکرا کر سوال کرتے ہوئے زائر پلٹا تھا۔

زروا نے ایک غصے بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

جی میرے خیال سے آپ کے علاوہ یہاں کوئی ہے بھی نہیں، حسبِ توقع جواب آیا تھا۔

اسکا جواب سن کر زائر اسکی جانب آیا تھا۔

اوہ ریٹلی؟ آئی تھنگ مجھ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے، ایسا ہی کچھ بول رہی تھیں نا کل تم؟ زائر نے اسکی جانب دیکھ کر سوال کرتے ہوئے اسے مزید تپایا تھا۔

بلکل سہی کہا تھا میں نے، زروا کے سر پر لگی اور تلوے نبجھی تھی، وہ تپ کے جواب دیتی
روم سے نکلنے لگی تھی۔

اررے تم تو ناراض ہو گئیں؟ زائر نے آگے بڑھ کر سرعت سے اسکا راستہ روکا تھا۔

ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں کے میں آپ سے ناراض ہوؤں، زروا سپاٹ لہجے میں
بولتی زائر کو لا جواب کر گئی تھی۔

مگر مقابل بھی کوئی عام شخص نا تھا۔

وہ زائر تھا، زائر خان آفریدی، جو اپنا راستہ خود بناتا تھا۔

رشتہ تو بہت گہرا ہے میری جان، تم مانتی نہیں یہ الگ بات ہے، وہ زومعنی انداز میں کہتا
زروا کا دل دھڑکا گیا تھا۔

زروا نے ایک پرشکوہ نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

کیا کیا نا تھا اس ایک نگاہ میں؟ دکھ؟ حسرت؟ ٹوٹے ہوئے مان کی کپچیاں؟ ناراسائی کا
درد؟ ٹھکرائے جانے کی اذیت؟ یا پھر اپنی محبت سے دوری کا قرب؟

یعنی اپنی بات سے مکر رہے ہیں آپ؟ آپ نے ہی تو کہا تھا، کے میں اس لائق نہیں کے
آپ مجھ سے کوئی رشتہ بنائیں؟ آج وہ اسکی کہی بات اسے ہی یاد دل رہی تھی۔

یہ کیا کر دیا تم نے زائر خان، اف کیسے مناؤ گے اس بدگمان لڑکی کو؟ زائر دل ہی دل میں
سوچتا کچھ پل کو خاموش ہوا تھا۔

راستے سے ہٹے مجھے باہر جانا ہے، زروا بولی تو اسکے لہجے میں نرمی مفود تھی۔

زائر بنا کچھ کہے ایک جانب ہو گیا تھا۔

زروا سرعت سے روم سے نکلی تھی۔

تمہارے راستے مجھ تک ہی آتے ہیں مسز زروا زائر خان، تم زائر خان کی روح میں بستی ہو، بہت سے بھی زیادہ ضروری ہو تم میرے لیے، اور بہت جلد میں تمہیں یہ احساس دلاؤں گا، بے شک میں بہت سی غلطیاں کر چکا مگر میں وعدہ کرتا ہوں تم سے، تمہارے ہر اک دکھ کا ازالہ کروں گا، زخم میں نے دیے ہیں اب مرہم بھی میں ہی ہوں گا پارٹنر، بی کازیو آر مائن، وہ ایک عزم سا لیے زروا کے پیچھے ہی روم سے نکلا تھا۔

ارے ساحل برو آگئے آپ، ہم بس ہاسپٹل کے لیے ہی نکل رہے تھے۔

ایس سسٹر، کہتے ہوئے ساحل مسکرایا تھا۔

آپ بس جلدی سے میرے لالہ کا چیک اپ کر لیں، لینڈ آئی ہوپ اب وہ ٹھیک ہو جائیں گے، عانیہ نے ساحل کی جانب دیکھتے ہوئے پُر امید انداز میں کہا تھا۔

اوگاڈ، مجھے اپنے مقصد میں سرخرو کرنا اسلپاک، بس میں ان سب کی امیدوں کو پورا کر سکوں، ساحل نے دل میں سوچا تھا۔

عانیہ بچے، صحت اور بیماری تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، تو تم ڈاکٹر صاحب کے بجائے اللہ سے امید لگاؤ، انسانوں سے نہیں، زائر بولتا ہوا انکے قریب آ کر رکا تھا۔

اسکی بات پر ساحل مسکرایا تھا۔

بلکل سہی کہا زائر آپ نے، میں تو بس معمولی سا انسان ہوں، زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اور ان شاء اللہ آپ دیکھیے گا، اللہ کے فضل سے آپ کے کزن، بلکل ٹھیک ہو جائیں گے، ساحل نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا۔

کتنا خوش اخلاق ہے یہ، صائم کے ساتھ آتی زروا نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

تھینکس بٹ، میرا کزن نہیں بھائی ہے ضروریز جان بستی ہے اس میں میری، زائر نے نکتہ سے کہتے سر جھٹکا تھا۔

چلیں لالہ؟ ہم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں، صائم زائر سے پوچھا ڈرائونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔

زروا اور عانیہ پہلے ہی پیچھے بیٹھ چکی تھیں۔

ہاں چلو، زائر نے مرسیڈیس کی جانب بڑھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

تم بھی بیٹھ جاؤ ساحل، صائم نے کہا تو ساحل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ساحل زائر کو آگے بیٹھتے دیکھ زروا کے برابر والی سیٹ جو کہ خالی تھی، پر بیٹھنے کو مڑ کر دوسری جانب آیا تھا۔

مگر زائر اچانک ہی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔

یہ آج کل ہوا کیا ہے انہیں؟ چپکو کیوں بن رہے ہیں یہ؟، زروا اسے خود کے قریب بیٹھتے دیکھ بڑبڑائی تھی۔

اسکی بات پر زائر نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈال کر رخ باہر کی جانب موڑ لیا تھا۔

ساحل تم آگے بیٹھ جاؤ، وہ ایک چوٹی مجھے سکیکینڈ سیٹ پر بیٹھنا پسند نہیں، زائر نے پرسکون سے انداز میں جواب دیتے ہوئے آنکھوں پر گلاس چڑھائے تھے۔

اوکے نو پرابلم، ساحل کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

ایڈیٹ، زائر بڑبڑایا تھا۔

دیکھیے انکی حالت بہت کریٹیکل ہے، میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، پر میں اپنی پوری کوشش کرونگا، کے انہیں خوش آجائے، پر میں آپکو کوئی امید نہیں دلا رہا، کیونکہ اس طرح کے پیشنٹ جو کے کسی سیریش انجری کی وجہ سے کومہ میں چلے جاتے ہیں، انکے سروائیونگ

چانسز بہت کم ہوتے ہیں، سچ کہوں تو نا ہونے کے برابر، ساحل نے ضروریز کے چیک اپ کے بعد، صاف گوئی سے سب کچھ زائر کے گوشگزار کر دیا تھا۔

بکواس بند کرو تم اپنی، مجھے تو پہلے ہی اندازہ تھا تم کسی کام کے نہیں ہو، اور نا ہی تم سے کچھ ہونا ہے، میرا تو دل بھی مطمئن نہیں تھا تمہارے لیے، میں نے صرف صائم اور باقی سب کی تسلی کے لیے تمہیں چیک اپ کی اجازت دی تھی، مگر اب سب کلیئر ہے تم کچھ نہیں کر سکتے، اسلیے بہتر ہوگا اب تم یہاں سے چلتے بنو، وہ رہا راستہ، ساحل کی بات سن کر غصے میں بھرا زائر بے حد بدتمیزی سے بول رہا تھا۔

جبکہ ساحل کوٹ کی دونوں پوکٹ میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے کھڑا خاموشی سے اسکی باتیں سن رہا تھا۔

میں جانتا ہوں زائر برو، ضروریز برو آپ کے لیے کیا اہمیت رکھتے ہیں، اور آپکا یہ غصہ اسی بات کی نشانی ہے، اسلیے میں نے آپکی کسی بات کا برا نہیں مانا، انفیکٹ میں تو بس صرف

ایک کوشش کرنا چاہتا ہوں، میں نہیں جانتا میں کامیاب ہوؤں گا یا نہیں مگر، میں ضرور برو کا ایک دفعہ ٹریٹمنٹ ضرور کروں گا، چانسز کم ہیں، مگر یو نونا مایوسی کفر ہے، سو اسی لیے پلیز مجھ پر یقین کیجئے، ساحل دھیمے لہجے میں زائر کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں آج ہی ضرور کو لندن لے جا رہا ہوں، بھاڑ میں جاؤ تم، وہ میرا دوست ہے کوئی کھلونا نہیں ہے جس سے میں تمہیں تجربے کرنے دوں، اسٹے آوے فرام ہم، یوگاٹ ڈیم اٹ، زائر غصے میں تن فن کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

آئی ایم سو سوری یار ساحل، میں لالہ کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں، انہوں نے تمہیں اتنا کچھ سنا دیا مگر ٹرسٹ می یار وہ بس بہت پریشان ہیں، بس اسی لیے وہ ایسا بی۔ہیو کر گئے تم سے، وہ غصے کے زراتیز ہیں مگر دل کے برے نہیں ہیں، صائم جو زائر کا صرف آخری جملہ سن پایا تھا، اب شرمندہ سا ساحل سے معافی مانگ رہا تھا۔

ارے یار دوست مانا ہے تم نے مجھے، اب دوست کو ایسے پرایا تو مت کرو، تمہارے لالہ
میرے بھی تو لالہ ہوئے اور میں اپنے بھائی کی بات کا برا کیوں مانوں گا؟ ساحل نے
مسکراتے ہوئے صائم کی شرمندگی کم کرنا چاہی تھی۔

مگر سچ بتاؤں تو تمہارے لالہ ہیں بڑی ٹیڑھی کھیر، کیا بنیگا میرا، وہ آنکھ کا کونا دباتے ہوئے
شرارتی انداز میں بولا تھا۔

اسکی بات پر صائم مسکرا دیا تھا۔

میرے لالہ بہت سویٹ ہیں، اور خاص کر وہ خود سے جڑے رشتوں کے لیے تو حد سے
زیادہ پوزیسو ہیں، بہت فکر کرتے ہیں ہم سب کی، تم ابھی انہیں ٹھیک سے جانتے
نہیں ہونا اسلیے تم ایسا کہہ رہے ہو، مگر جب جان جاؤ گے تو اپنی رائے بدل دو گے، صائم
کے لہجے میں زائر کے لیے بے تحاشا پیار اور مان تھا۔

ساحل مسکرا دیا تھا۔

اب تو زائر خان کو جاننا ہی پڑیگا، اور میں اب ان کے دوستوں کی فہرست میں شامل ہو کر
رہونگا، ساحل پر عزم سا بولا تو صائم ہنس دیا تھا۔

آل دا بیسٹ، میرے دوست، میں جا کر لالہ کو دیکھتا ہوں، صائم آگے بڑھتا ہوا بولا تھا۔

ساحل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ساحل روم میں آیا تو زروا اور مشعال ضروریز کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔

ہیلو لیڈز وائس اپ، ساحل خوش اخلاقی سے بولتا اندر آیا تھا۔

ڈاکٹر ساحل پلیز بتائیے نا میرا ضرور کب ٹھیک ہوگا؟ مشعال اسے دیکھتے ہی اسکی جانب آئی تھی۔

ساحل نے لمبا سانس لیا تھا۔

دیکھیے مسز مشعال، میں اپنی طرف سے پوری کوشش کرونگا، بٹ آپکو اس میں میرا ساتھ دینا ہوگا، ساحل نے تمہید باندھی تھی۔

زروا نے چونک کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

مم میں؟ میں کیسے ڈاکٹر میں کیا کر سکتی ہوں؟ پلیز بتائیے میں جو آپ کہیں گے کرونگی بس آپ میرے ضرور کو ٹھیک کر دیجئے، بوٹے بوٹے مشعال کی آواز بھرا گئی تھی۔

ساحل نے خود کو بہت عجیب صورتحال میں جکڑا محسوس کیا تھا۔

مشعال پلیر سنبھالو خود کو، زروا دوڑ کر مشعال کے پاس آئی تھی۔

آپ پلیر انہیں، باہر لے جائیے، ساحل نے کہا تو زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

بہت مشکل سے وہ مشعال کو لے کر باہر آئی تھی۔

اسے سامنے سے زائر آتا دیکھائی دیا تھا۔

کھڑی کیوں ہو تم؟ بٹھاؤ اسے، وہ بے حد سنجیدگی سے زروا سے مخاطب تھا۔

زروا نے چونک کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

زائر کے تیور کافی بگڑے ہوئے تھے، وہ زروا کو کافی غصے میں لگا تھا۔

اب زروا اور مشعال بیچ پر بیٹھ چکی تھیں جبکہ زائر وہاں سے چلا گیا تھا۔

اس ایڈیٹ کے حوالے نہیں کر سکتا میں اپنے یار کو، کیوں نہیں سمجھ رہے تم؟ زائر کال پر صائم پر چلایا تھا۔

لالہ ایک بار میری بات سن لیجئے اسکے بعد جو آپ کہیں گے میں مانوں گا، پلیز لالہ؟ صائم التجائی انداز میں بولا تھا۔

ٹھیک ہے بولو کیا کہنا ہے تمہیں؟ زائر نے گویا اس پر احسان کیا تھا۔

جواباً صائم نے اسے ساحل کی کہی باتیں بتادی تھیں۔

جنہیں سن کر زائر پھر سے ہتھ سے اکھڑ گیا تھا، مگر صائم کی کوشش سے بالآخر وہ ساحل کو ضروریز کا ٹریٹمنٹ کرنے کی اجازت دے ہی گیا تھا۔

تھینکس آلاٹ لالہ میں ابھی یہ بات ساحل کو بتاتا ہوں، صائم نے خوشی سے کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔

موسم ابرآلودہ تھا، ہوا آج معمول سے زیادہ تیز تھیں جیسے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے والی ہو۔

وہ خبر کسی قیامت کی طرح مشعال پر ٹوٹی تھی۔

اسکا دوپٹہ ایک شانے سے ڈھلک کر زمین کو سلامی دے رہا تھا۔

چہرہ ہر قسم کے تاثر سے پاک تھا، وہ مرے مرے قدم اٹھاتی ہاسپٹل کے کاریڈور میں چل رہی تھی۔

"کچھ ہی دیر میں آپ کے ہسپتال کی ڈیڈ باڈی مل جائے گی"

نرس وارڈ سے باہر نکلتی ہوئی بولی تھی۔

مشعال دُبّاتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

چہرے کے تاثرات پستھرائے ہوئے تھے۔

تو کیا وہ تیز ہوائیں یہ بارش کا موسم، جسے ل رحمت کہا جاتا ہے، مگر یہ موسم تو اس سے اسکا سب کچھ لے گیا تھا۔

عقب سے زروا اسے آواز دے رہی تھی لیکن اسے آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

اب کوئی نرس اس کے شانے پر ہاتھ رکھے کچھ بول رہی تھی۔

سب کچھ دھندلا رہا تھا۔

وہی لمحہ تھا جب مشعال زمین بوس ہوئی تھی۔

سب ریڈی ہے نا؟ کوئی گرڈبر نہیں چاہیے سسٹر، آپ ایک بار پھر سے سب چیک کر لیجئے اور ہاں انجیکشنز اور میڈیسنز بھی دیکھ لیجئے گا، ساحل نرس کو ہدایات دے رہا تھا۔

مشعال آپ ریڈی ہیں؟ ساحل نے اپنے سامنے کھڑی مشعال سے پوچھا تھا۔

جی جی میں ریڈی ہوں، مشعال گرم سم سے انداز میں بولی تھی۔

دیکھیے پلیز بی۔ بریو، آج جو کرتنگی آپ ہی کرتنگی، آپ انکی وائف ہیں آپ کی یہ کوشش ضرور کے لیے بہت اہم ہے، ساحل اسے سمجھانے کے انداز میں بولا تھا۔

ضروری نہیں کے میرا یہ طریقہ کام کرے، بٹ کام کر بھی سکتا ہے، چانسز صرف 20 فیصد ہیں، مگر اسلئے بندوں کو مایوس نہیں کرتا اور نا انکی برداشت سے بڑھ کر آزماتا ہے سو پلیز مشعال ہمت رکھیے گا، ساحل دھیمے لہجے میں مشعال کو تسلی دینے کے ساتھ اپنی بات بھی سمجھا رہا تھا۔

مشعال نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

لالہ ٹھیک تو ہو جائیں گے نا زروا؟ عانیہ نے اداس سے لہجے میں زروا سے پوچھا تھا۔

زروا نے بے اختیار ہی سامنے کھڑے زائر کی جانب دیکھا تھا۔

زائر نے اثبات میں سر ہلا کر گویا اسے تسلی دی تھی۔

لالہ ساحل کہاں ہے؟ صائم جو کہ ابھی ابھی گھر سے آیا تھا، نے زائر سے پوچھا ہے۔

اندر ہے، اور پتہ نہیں وہ اسٹوپڈ، کر کیا رہا ہے، زائر بڑبڑایا تھا۔

ریلیکس لالہ، اس پر نا سہی اسلپر یقین کیجئے، اور ساحل ایسے بہت سے کیسز ہینڈل کرچکا ہے، لوگ کہتے ہیں وہ پشنت کو ڈاکٹر بن کے نہیں بلکہ دوست بن کے ٹریٹ کرتا ہے، صائم نے ساحل کی سائیڈ لی تھی۔

زائر نے اس کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

صائم سر کھجاتا آگے بڑھ گیا تھا۔

آج گھر میں قرآن خوانی ہے، زروا نے عانیہ سے کہا تھا۔

ہاں موم نے لالہ کے کیے کروائی ہے، عانیہ نے جواب دیا تھا۔

تو پھر تم دیکھنا، کلام پاک کی برکت سے سب بہتر ہوگا، جواب سامنے سے آتے صائم نے دیا تھا۔

عانیہ نے اپنی آنکھوں سے آتی نمی صاف کی تھی۔

ضوریز بچاؤ، مشعال قدرے اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

تم تو مجھ سے پیار کرتے ہو نا تو اب کیوں خاموش ہو ضریرز دیکھو یہ لوگ مجھے مار دینگے،
مشعال دلسوز انداز میں بولتی ناچاہتے ہوئے بھی رودی تھی۔

ساحل نے اسے اشارے سے رونے سے منع کیا تھا۔

ضریرز زرز، ہیلپ می، مشعال چیختی تھی۔

ضریرز کا جسم ہنوز ساکت تھا۔

تم کیسے یوں منہ موڑ سکتے ہو مجھ سے، جب کے تم تو مجھ سے محبت کے دعوے دار تھے،
اٹھو ضریرز دیکھو میں مصیبت میں ہوں، مشعال مسلسل بول رہی تھی۔

ضریرز آنکھیں کھولو، مشعال کی آواز بھراگئی تھی۔

ساحل کو دکھ سا ہوا تھا۔

تمہیں اٹھنا ہوگا ضریر، تم مجھے یوں تنہا نہیں کر سکتے، تمہیں اٹھنا ہوگا، وہ دھاڑے مار مار کر رو رہی تھی۔

پلیز مشعل کنٹرول پور سیلف، ساحل نے اسے سمجھایا تھا۔

مجھ سے نہیں ہوگا اب، میں نہیں دیکھ پا رہی اسے خاموش، یہ یہ تو میری ہر بات کا جواب دیتا ہے نا اسے بولو نا ساحل اسے بولو اٹھ جائے بس اب بہت تنگ کر لیا اس نے اسے بولو مم میں اب تھک رہی ہوں، پلیز ساحل پلیز اسے جگاؤ اسے ٹھیک کر دو، وو ورنہ مم میں مر جاؤنگی، مشعل بوٹے بوٹے رو دی تھی۔

مشعال ایسے ہمت مت ہارو، اگر ابھی نہیں تو پھر کبھی نہیں، صرف ایک یہی طریقہ ہے
اسے خوش میں لانے کا پلیز ٹرائی ٹو انڈر سٹینڈ، ساحل اسے سمجھا رہا تھا۔

تم جانتی ہو کومہ میں گیا انسان ہماری سب باتیں سن رہا ہوتا ہے، اللہ پاک کی طرف سے
قدرتی طور پر ہی اس کے سننے کی قوت بڑھ جاتی ہے، ایک طریقے سے یہ کہہ لو وہ کہ وہ
سننے کے معاملے میں حساس ہو جاتا ہے بہت، اسلیے اگر ایسے میں ہم اسے کوئی ایسی
بات یا واقعہ یاد دلائیں جس سے اسکے ذہن پر اثر پڑے آئی مین، ضرور کم سے کم جینے کی
امید تو باندھے، اور کیا پتہ اس سے وہ ریکور کر جائے، اور ٹرسٹ می ایسا ہو سکتا ہے، ہوا بھی
ہے، صرف 3 فیصد لوگوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے، مگر کیا پتہ آج ان 3 فیصد میں تمہارا
ضرور بھی شامل ہو جائے، ساحل نرمی سے مشعال کو سمجھا رہا تھا۔

مشعال خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

اب پلینز مشعال کوشش کرو اسے کچھ یاد دلانے کی، کچھ ایسا جس سے ضوریز اور تمہارا تعلق ہو، سمجھ رہی ہونا تم میری بات؟ ساحل نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس سے سوال کیا تھا۔

مشعال نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اوکے دین، ساحل آہستہ سے بولا تھا۔

زائر مضطرب سایہاں سے وہاں گھوم رہا تھا۔

زروا اور عانیہ پریٹنگ روم میں تھی جبکہ صائم بھی مسجد چلا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد زائر تھک کر بلیچ پر بیٹھ گیا تھا۔

باہر موسم ابرآلودہ ہو رہا تھا، آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، جبکہ رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی، ہوائیں بہت تیز چل رہی تھیں، ہاسپٹیل کی راہداری میں وہ اکیلا ہی تھا۔

موسم کی خرابی کے باعث ہوسپٹیل، میں آدورفت کم ہی تھی۔

ہر طرف ہو کا سا عالم تھا۔

ہر گزرتا لمحہ عذاب بن کے گزر رہا تھا۔

زروا بس نفل ادا کرک ابھی وہاں آئی تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیچ پر بیٹھا ضبط کی حدود پر تھا۔

بلو جینس پر وائیٹ شرٹ پہنے جسکی آستین فولڈ کی ہوئی تھیں، پیشانی پر بے ترتیبی سے بکھرے بال اور سرخ ہوتی آنکھیں، زروا کو وہ کافی بکھرا بکھرا سا لگا تھا۔

اسکی حالت دیکھ زروا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

خان؟ وہ زائر کے قریب آئی تھی۔

زائر نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

آپ ٹھیک ہیں نا؟ وہ اسکے پاس بیٹھی فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

زائر نے محض اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اب شاء اللہ ضرور بڑھیک ہو جائیگا، زروا آہستہ سے بولی تھی۔

زائر اداسی سے مسکرایا تھا۔

آپ نے کچھ کھایا؟ اسکی جانب دیکھ کر سوال کرتی وہ زائر کو دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی تھی۔

زائر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

میں جانتی تھی، آپ ہیں ہی لاپرواہ، وہ بالوں کی لٹ کان کے پیچھے اڑستی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

زائر کو اسکا یہ انداز اچھا لگا تھا مگر وہ خاموش تھا۔

زروا نے وہاں سے چلی گئی تھی۔

زائر پھر سے مختلف سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔

زروا کچھ ہی دیر میں واپس آئی تو اسکے ہاتھ میں سینڈوچ کی پلیٹ اور ایک پانی کی بوتل تھی۔

پلیز یہ کھا لیجئے، زروا نے اسکی جانب پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

زائر نے کوئی جواب نا دیا تھا۔

یہ گھر کے بنے ہوئے ہیں، تائی جان نے بنا کر بھیجے تھے، زروا اسکی خاموشی سے خود ہی یہ مطلب اخذ کر گئی تھی کہ شاید وہ باہر کا سمجھ کے نہیں لے رہا۔

بیٹھو، وہ نرمی سے بولا تھا۔

زروا تنذب کا شکار ہوئی تھی۔

زروا آئی سیڈ سٹ پلیز، وہ کچھ اس طرح سے بولا تھا کہ زروا ناچاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی تھی۔

زائر نے پلیٹ سے سینڈوچ اٹھا کر اسکی جانب بڑھایا تھا۔

زروا نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

آئی نو کچھ نہیں کھایا تم نے بھی، اور کھانے کو انتظار نہیں کرواتے پارٹنر، زائر مسکرا کر بولا تھا۔

اسکے طرز تخاطب پر زروا چونکی تھی۔

اچھا میں خود کھا لیتی ہوں، زروا نے اسکے ہاتھ سے سینڈوچ لینا چاہا تھا۔

کیوں؟ میں کھلا رہا ہوں تو کانٹے چھب رہے ہیں؟ وہ تپ کے بولا تھا۔

بھلائی کر دریا میں ڈال، زروا بڑبڑائی تھی۔

کچھ کہا تم نے؟ زائر نے ابرو اچکائے تھے۔

نن نہیں وہ میں، زروا نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر زائر نے سینڈوچ اسکے منہ میں ڈال دیا تھا۔

کیا ہو تم زائر خان؟ زروا نے دل میں سوچا تھا۔

اوؤں ہوں، زروا مسمنائی تھی۔

کھاتے ہوئے بوٹے نہیں ہیں مسز اتنا بھی نہیں پتہ، پیچ پیچ، شرارتی انداز میں بولتا زائر کھل کے ہنس دیا تھا۔

زروا با مشکل لبوں پر آتی مسکراہٹ روکتی رخ موڑ گئی تھی۔

زائر بچا ہوا سینڈوچ کھانے لگا تھا۔

"تیرے عشق نے بخشی ہے یہ سوغات مسلسل"

"میری ہر سوچ میں ہے تیرا ذکر، تیری فکر تیری بات مسلسل"

"ہاں میں عشق میں اس مقام پہ ہوں"

"جہاں میری ذات میں رہتی ہے، تیری ذات مسلسل"

تو تم میری بات نہیں سنو گے؟ یعنی تم مجھ سے پیار نہیں کرتے؟ ہے ناں؟ مطلب تمہیں مجھ سے کوئی فرق نہیں پڑتا ضریرز خان؟

چاہے چاہے میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں؟

مشعال نے اس بار سوچ سمجھ کر بولنا شروع کیا تھا۔

میں جارہی ہوں ضریرز، تمہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہی ہوں میں، اور اس بار واپس بھی نہیں آؤنگی، سنا تم نے، وہ ضریرز پر جھکی چلائی تھی۔

روتی ہوئی مشعال مڑی تھی۔

وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔

ضویرز کی ساکت پلکھوں میں جنبش ہوئی تھی۔

میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں مشعال، غنودگی میں جیسے اسے اپنا کہا جملہ ہی سنائی دیا تھا۔

وہ حوش اور بے حوشی کی عجیب سی کیفیت میں تھا۔

ایک دم سے اسکی ہارٹ بیٹ فاسٹ ہوئی تھی۔

مشعال دیکھو وہ ہلا ہے، اسے حوش آرہا ہے شاید، ساحل پر حوش سا بولا تھا۔

مشعال نے حیرانگی سے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

ضوریز تیز تیز سانس لے رہا تھا۔

مشعال فورن اسکے پاس آئی تھی۔

ایک دم سے جیسے لائن سیدھی ہوئی تھی، اور ضوریز کی دھڑکنیں تھم سی گئی تھیں۔

اولو، یہ کیسے ہوسکتا ہے، ساحل کو جیسے اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

جبکہ مشعال کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

وہ بے حد تیزی سے بھاگتی ہوئی روم سے نکلی تھی۔

بیچھے ساحل آوازیں دیتا رہ گیا تھا۔

شاید سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

آریو اوکے مشعال؟ اسے روم سے نکل کر دوسری سمت بھاگے دیکھ زروا نے پوچھا تھا۔

مشعال نے ڈبڈباتی نگاہوں سے اسکی جانب دیکھا تھا اور آگے بڑھ گئی تھی۔

زروا نرس کی طرف دوڑی تھی۔

باہر بادل زور سے گرجے تھے۔

موسم جو کے صبح ہی سے ابرآلودہ تھا، اب بارش ہونے لگی تھی۔

ہوائیں بھی آج معمول سے زیادہ تیز تھیں جیسے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے والی ہو۔

وہ خبر کسی قیامت کی طرح مشعال پر ٹوٹی تھی۔

جبکہ اسکا دوپٹہ ایک شانے سے ڈھلک کر زمین کو سلامی دے رہا تھا۔

اسکا خوبصورت چہرہ ہر قسم کے تاثر سے پاک تھا، وہ مرے مرے قدم اٹھاتی ہاسپٹل کے
کارڈور میں چل رہی تھی۔

"کچھ ہی دیر میں آپ کے ہزینڈ کی ڈیڈ باڈی مل جائے گی"

نرس وارڈ سے باہر نکلتی ہوئی بولی تو مشعال کا دل ڈوبا تھا۔

اب مشعال ڈبڈباتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

چہرے کے تاثرات پستھرائے ہوئے تھے۔

یہ تیز ہوائیں یہ بارش کا موسم، جسے رحمت کہا جاتا ہے، مگر یہ موسم تو اس سے اسکا سب کچھ لے گیا تھا۔

عقب سے زروا اسے آواز دے رہی تھی لیکن اسے آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

اب کوئی نرس اس کے شانے پر ہاتھ رکھے کچھ بول رہی تھی۔

سب کچھ دھندلا رہا تھا۔

وہی لمحہ تھا جب مشعال زمین بوس ہوئی تھی۔

ضوریز وہ چیختی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی۔

عانیہ اور صائم دوڑ کر اسکی جانب آئے تھے۔

مم میرا ضوریز وہ وہ اب مم مجھ سے، مشعال کی آواز میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔

کوئی اسے بچاؤ، وہ چیخی تھی۔

ضوریز کہاں ہے عانیہ؟ تم لوگ کچھ بول کیوں نہیں رہے وہ چیخی تھی۔

جبکہ سامنے کھڑے عانیہ اور صائم کے لبوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔

عانیہ خوشی اور اداسی کی ملی جھلی کیفیت لیے اسے گلے لگا گئی تھی۔

لالہ ٹھیک ہیں مشعال، وہ لوٹ آئے ہیں، تم جانتی ہو ہی از آؤٹ آف ڈینجر، ہی از فائن،
عانیہ پرچوش سے انداز میں بولتی مشعال کو خوشی کا پروانہ تمھاگئی تھی۔

دور کہیں اذانِ فجر کی آواز گونج رہی تھی۔

بلاشبہ خدا کے گھر سے آتی یہ انمول آواز ان سب کے لیے خوشیوں کی نوید لائی تھی۔

مشعال بے یقینی کی کیفیت میں اسے دیکھتی چلی گئی تھی۔

تو کیا وہ خواب تھا؟ مشعال نے دل میں سوچا تھا۔

تم بے حوش ہو گئی تھیں اسلیے ہم تمہیں یہاں لائے ہیں، صائم نے اسے بتایا تھا لیکن
مشعال گم سی بیٹھی تھی۔

عانیہ اسے اب باہر لے جا رہی تھی۔

مشعال روم میں انٹر ہوئی تو ضوریز آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔

دو مہینے کے اس تکلیف دہ عرصے میں وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔

وہ زندگی سے بھرپور، مضبوط و توانا مرد، جو بولتا تھا تو مقابل کی بولتی بند ہو جاتی تھی، زبانت سے لے کر وجاہت میں بھی کوئی اسکا ثانی نا تھا، وہ آج بے حد شکستہ حال میں تھا۔

خوبصورت گرے آنکھیں بند تھیں۔

مشعل کا دل کٹ سا گیا تھا اسی آنکھوں سے آنسو مسلسل جاری تھے۔

وہ دوڑ کر اس تک آئی تھی۔

اتنے وقت بعد وہ اس عزیز ازجان شخص کو حوش و حواس میں دیکھ سکیگی، مشعل کا دل یہ سوچ کر ہی خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

ضض ضوریز، وہ بیڈ کے قریب کھڑی کپکپاتے ہونٹوں سے بول رہی تھی۔

ضوریز نے بڑی دقت سے آنکھیں کھولی تھیں اور فورن ہی بند بھی کرلی تھیں، شاید اس سے روشنی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

مشعال کو سامنے پا کر ضروریز بھی جیسے جی اٹھا تھا، اس نے پھر سے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔

اسکے بے رونق ہوتے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔

پلیز اگر تم آنکھیں نہیں کھول پا رہے تو مت کھولو، مشعال آہستہ سے بولی تھی۔

ضروریز نے آہستہ سے آنکھوں کو جنبش دی تھی، وہ بول بھی نہیں پا رہا تھا۔

اسی وقت ساحل ایک نرس کے ہمراہ وہاں آیا تھا۔

مشعال پلیر آپ بعد میں ان سے مل لیجئے گا، ابھی یہ مکمل ٹھیک نہیں ہوئے ہیں، وہ اپنے مخصوص انداز میں نرمی سے بول رہا تھا۔

نرس انہیں باہر لے جائے پلیر، اس نے اپنے ساتھ آئی نرس سے کہا تو وہ جی سر کہتی مشعال کو وہاں سے لے گئی تھی۔

ساحل نے ضریرز کی آنکھوں پر بلیک گلاسز لگائے تھے۔

ضریرز برو اس سے آپکو روشنی میں آنکھیں کھولنے سے تکلیف نہیں ہوگی، وہ اسکا چیک اپ کرتا اب مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔

ضریرز ہنوز آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔

ان شاء اللہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے، ساحل اسے ڈپ لگاتے ہوئے مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا۔

جبکہ کچھ ہی دیر میں ضرور کمزوری کے باعث پھر سے نیند کی وادیوں میں اتر گیا تھا۔

غم کے بادل چھٹ گئے تھے، ایک نئی اور اچھلی صبح کا آغاز ہو گیا تھا، اور وہ صبح بے حد مکمل تھی۔

ضرور کے حوش میں آنے کی خبر آفریدیز کے لیے جیسے زندگی کی نوید لائی تھی۔

خوشیوں پھر سے انکی زندگی میں لوٹ آئیں تھیں۔

3 بجے کا گیا زائر صبح سویرے دیوانہ وار ہاسپٹل پہنچا تھا۔

آخر اسکا دوست اسکا جگر، جو زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا، وہ آج بے انتہا خوش تھا۔

وہ بھاگنے کے انداز میں ہاسپٹل کی راہداری سے گزرتا صائم کے پاس پہنچا تھا۔

لوگ اسے یوں بھاگتے دیکھ پاگل سمجھ رہے تھے۔

کیسا ہے میرا یار؟ زائر نے جھٹ سے صرف یہی سوال کیا تھا۔

لالہ وہ بالکل ٹھیک ہیں، مگر بات نہیں کر سکتے، ساحل اندر ہی ہے، ہم کچھ دیر بعد ان سے مل سکتے ہیں، صائم خوشی سے بولا تھا۔

زائر بے اختیار ہی اسے گلے لگا گیا تھا۔

زروا نے بامشکل مشعال کو ناشتہ کروایا تھا۔

باقی سب لوگ بھی ہاسپیٹل پہنچ چکے تھے۔

کیسا ہے میرا بچہ؟ سماہر بیگم نے زائر سے پوچھا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتا اسی وقت ساحل آئی۔ سی۔ یو سے نکلا تھا۔

ڈونٹ وری آئی ہی از فائن اینڈ آؤٹ آف ڈیخبر، وہ مسکرا کر کہتا انکے پاس آیا تھا۔

زائر بے ساختہ ہی وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

ساحل نے اسکا انداز بخوبی نوٹ کیا تھا۔

بیٹا بہت بہت شکریہ، تمہارا یہ احسان ہم زندگی بھر نہیں بھولیں گے، تمہیں اللہ نے ہمارے لیے فرشتہ بنا کر بھیجا ہے، سماہر بیگم نے اسے دل سے دعا دی تھی۔

ارے پلیز، آئی مجھے پریمت کیجئے، میں نے جو کیا انسانیت کے ناطے کیا، ساحل آہستہ سے بولا تو سب ہی مسکرا دیئے تھے۔

ہاں بیٹا تمہاری ہی وجہ سے آج ہمارا ضروریز ٹھیک ہوا ہے اور ہم چاہ کر بھی تمہارا یہ احسان
نہیں اتار سکتے، شہروز خان بھی ساحل کے پاس آئے تھے۔

ارے پلیز ایسا مت کہیے، میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا، یہ تو میرا فرض تھا، اور ماں
باپ تو بس دعا دیتے اچھے لگتے ہیں، وہ نرم لہجے میں بولتا ہلکا سا مسکرایا تھا۔

اسلام تمہاری ہر خواہش پوری کرے، سماہر بیگم نے اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے دل
سے دعا دی تھی۔

ویلے مجھ سے زیادہ مشعل سسٹر حقدار ہیں ان سب دعاؤں کی، وہ ہی تو ہمت کر کے
ضروریز برو کو حوش میں لائی ہیں، ساحل نے سارا کریڈٹ مشعل کو دے دیا تھا۔

کتنے اچھے ہیں نا یہ ساحل برو، زروا کے ساتھ کھڑی عانیہ بولی تو زروا نے بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

زائر کا موڈ ناچاہتے ہوئے بھی آف ہو گیا تھا۔

ویلے یہ سب ہوا کیسے؟ آئی مین یہ تو بہت مشکل تھا، یہاں کے سب ہی ڈاکٹر امید چھوڑ چکے تھے، زائر نے ساحل سے سوال کیا تھا۔

گڈ کوئیچن، ساحل اسکی جانب آتے ہوئے بولا تھا۔

سو دین گیو می آ، انسہ؟ زائر سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا اس سے سوال کر رہا تھا۔

وہ ایکچوٹلی جیسا کے میں نے بتایا تھا کے اگر کومہ میں گئے پیشنٹ کو پرانی باتیں یا واقع یاد دلایا جائے تو اس سے انکے ریکور کرنے کے چانسز ہو جاتے ہیں، سو بس مشعال نے ضروریز

کو کچھ پرانی باتیں یاد دلائیں جس کی وجہ سے وہ انکے زہن پر اثر پڑا اور وہ حوش میں آگئے، ساحل نے اسے مختصر لفظوں میں جواب دیا تھا۔

ویلے یو نو، ضریرز کی دھرکن ایک دم سے بہت تیز ہوگئی تھیں، اور پھر اچانک لائٹز اسٹریٹ ہوگئیں، ایک پل کو تو میں بھی ڈر گیا تھا۔

مگر یہ نشانی ہوتی ہے پیشنٹ کے حوش میں آنے کی، جب وہ جینے کے لیے اسٹرگل کرتا ہے، وہ تیز تیز سانس لیتا ہے، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے جیسے سوری ٹو سے بٹ، پیشنٹ کی دھرکنیں رک گئی ہیں، مگر پھر ہارٹ بیٹ نارمل ہو جاتی ہے، اور پیشنٹ سروائیو کر جاتا ہے مگر کومہ سے واپس بہت کم لوگ آتے ہیں اور آپکے دوست کی ول پاور بہت زیادہ ہے اسی لیے وہ ریکور کر گئے ہیں، ساحل نے اسے تفصیل بتائی تھی۔

زائر اسکی باتیں توجہ سے سن رہا تھا، کیونکہ وہ اسکے دوست سے ریلیٹیو تھیں۔

تھینکس، یہ شاید اس صدی کا سب سے حیرت انگیز واقعہ تھا، زائر نے اسے تھینکس کہا تھا۔

پلیجر، کہتا ہوا ساحل آگے بڑھ گیا تھا۔

سب لوگ ضوریز سے مل کے جاچکے تھے، جبکہ زائر سب سے آخر میں روم میں داخل ہوا تھا۔

ضوریز بامشکل مسکرایا تھا۔

زائر شرمندہ سا کھڑا تھا۔

ضوریز اسكے بولے كا منتظر تھا۔

جگر تجھے آج حوش ميں ديكر كر مجھے جتنی خوشی ہو رہی ہے ميں لفظوں ميں بيان نہيں
كر سكتا، زائر بے انتہاء خوشی سے بول رہا تھا۔

جج ججگ گزر، ضروريز نے اٹكتے ہوئے يہ لفظ ادا كيا تھا۔

بس كر، مت بول، تكليف ہو رہی ہوگی يار، تجھے آرام کی ضرورت ہے ابھی، تو ايك بار بلکل
سہی ہو جا پھر بہت ساری باتیں كرنی ہيں تجھ سے، سالوں کی كثر ہے يار جگر، زائر اسکی
جانب ديكتتا ہوا خوش دلی سے بول رہا تھا۔

بليک گلاسز كے پیچھے ضروريز کی گرے آنكھوں ميں نمی سی اتر آئی تھی۔

وہ زائر کو بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ آج اسے یوں اپنے سامنے پہلے جیسے ہنستے ہوئے اور اس سے بات کرتے دیکھ بے حد خوش ہے۔

میں معافی کے قابل تو نہیں مگر پھر بھی اک بار تجھ سے گل لگ کے معافی مانگنا چاہتا ہوں، بس اب جلدی سے ٹھیک ہو جا میرے یار، زائر کا لب و لہجہ آج نادم سا تھا۔

جگر، ہوئے کی کوشش کے ساتھ ضوریز نے بہت دقت سے اپنا ہاتھ اٹھایا تو زائر نے اسے تھام لیا تھا۔

میں ہمیشہ تیرے ساتھ ہوں، زائر نے اسے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دوستی کا مان بخشا تو ضوریز کے دل میں سکون اتر گیا تھا۔

انکی دوستی کا یہ سب سے خوبصورت موڑ تھا، کیونکہ وہ ایک بار پھر سے ساتھ تھے۔

ان سب کی ہی زندگیاں اب ایک نئے رخ پر تھی۔

آج ضوریز کو حوش میں آئے 15 دن ہو چکے تھے۔

اب اسکی صحت بہتر ہو رہی تھی۔

زروا مشعال اور عانیہ ضوریز سے بہت ساری باتیں کرتی تھیں، جبکہ زائر اور صائم اسے مختلف ایکسر سائز بھی کرواتے تھے۔

باقی سب بڑے بھی اس سے ملنے آتے جاتے رہتے تھے۔

پلوشہ بیگم اور نگین بیگم ضوریز کے لیے روز پرہیزی کھانا بھجھتی تھیں تو سماہر بیگم اسے روز قرآن پاک کی تلاوت سناتی تھی۔

وہ سب اس برے وقت میں ایک ساتھ ڈٹ کے کھڑے تھے جس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ واقع ہی فیملی نعمت ہوتی ہے۔

آج زروا اور عانیہ زائر کے ہمراہ ہی "ضوریز ہاؤس" آگئیں تھیں جبکہ ہاسپٹل میں صائم اور مشعال رکے تھے۔

اس وقت رات کے کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے جب زروا سب کے لیے جوس لائی تھی۔

جب سے ہمارا بیٹا حوش میں آیا ہے اور ہمارے گھر کی خوشیاں لوٹ آئیں ہیں۔

شہروز صاحب میں بہت خوش ہوں، میرا بچہ میرے جگر کا ٹکڑا اب بالکل ٹھیک ہے، بس اب وہ جلدی سے گھر آجائے، سماہر بیگم پر خوش سی بول رہی تھیں۔

جبکہ انکی بات سن کر باقی سب مسکرا رہے تھے۔

جوس، سب کو سرو کرتی زروا نے زائر کی جانب گلاس بڑھایا تھا۔

نوٹھینکس، موڈ نہیں فلحال، وہ نرمی سے بولا تھا۔

ٹھیک ہے، کہتے ہی زروا گلاس واپس لے جانے کو پلٹی تھی۔

کوئی بات نہیں انکا موڈ نہیں تو یہ میں لے لیتا ہوں، آفرآل آپ نے اتنے پیار سے بنایا ہے، ساحل مسکرا کر کہتا زروا کے ہاتھ سے گلاس لے چکا تھا۔

اسکی بات پر زروا مسکرائی تھی۔

جبکہ اس کے لفظوں پر مارے غصے کے زائر کے دماغ کی رگیں تن سی گئی تھیں۔

اور اسمارٹی ایڈیٹ، زائر بڑبڑایا تھا۔

ہیلو ایوری ون، کیسے ہیں آپ سب؟ ساحل شہروز خان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتا
اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔

ہم تو بالکل ٹھیک ہیں ساحل برو آپ بتاؤ، آپکو یہاں کیسا لگ رہا ہے؟ آئی مین آپ
کمفرٹیبل تو ہیں نا؟ عانیہ نے خوش اخلاقی سے پوچھا تھا۔

بہت اچھا، اور اپنا اپنا سا کیونکی آپ سب ہیں ہی اتنے اچھے اور لونگ، لگتا ہی نہیں کے
میں باہر سے آیا ہوں، ایسا لگتا ہے یہ میری ہی فیملی ہے، بلیو می سسٹر، آپ سب کے
ساتھ یہ 15 دن کیسے گزرے پتہ ہی نہیں چلا، وہ فراغ دلی سے تعریف کر رہا تھا۔

ساحل کو سب نے مل کے روک لیا تھا اور وہ ضوریز کے حوش میں آنے کے بعد سے
یہیں تھا۔

یہ تو آپ کا بڑپن ہے بچے، شہروز خان پر شفقت انداز میں بولے تو سب مسکرا دیے تھے۔

جبکہ زائر مٹھیاں بھینچے بیٹھا تھا۔

ویسے کیا اب ہم ضوریز کو گھر نہیں لاسکتے؟ زروا نے ساحل سے پوچھا تھا۔

زائر نے سر اٹھا کر زروا کی طرف دیکھا تھا۔

مگر اسے زروا کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں دکھا تھا۔

ہاں ساحل برو میں بھی یہی پوچھنا چاہ رہی تھی، عانیہ نے بھی زروا کی تائید کی تھی۔

دیکھیے ضرور اب کافی حد تک سنبھلنے لگا ہے، اسکا دل پاور بہت تیز ہے، وہ بہت جلدی ریکور کر رہا ہے، اور یہ ایک بہت مثبت چیز ہے، ساحل بول کر رکا تھا۔

سب اسکے بولے کے منتظر تھے۔

مگر میں پھر بھی یہی ریکورینڈ کرونگا، کہ جب تک وہ مکمل ٹھیک نا ہو جائے آپ انہیں، گھر نا لائیں، کیونکہ ہاسپٹل جیسی سہولیات ہم گھر میں نہیں کر سکتے، ساحل نے بات مکمل کی تو سب ہی متفق ہوئے تھے۔

ایکسیوز می، زائر کے موبائل پر کوئی کال آرہی تھی سو وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ہے لسن برو، ساحل اسکے پیچھے آیا تو زائر پلٹا تھا۔

واٹ؟ لٹ مار انداز میں پوچھا گیا تھا، زائر کی کشادہ پیشانی پر شکلوں کا جال سا تھا۔

میں نے سنا ہے آپ باکسنگ چیمپئن ہیں؟ ساحل نے پوچھا تو زائر نے ابرو اچکائے تھے۔

سو واٹ؟ زائر کا لہجہ سرد تھا۔

کیا آپ مجھے بھی ایک دو ٹپس دیں گے؟ ساحل نے مسکرا کر سوال کیا تھا۔

اسی وقت زائر کا موبائل پھر سے واٹس ایپٹ ہوا تھا۔

آئی ڈونٹ ہیو آٹائم، وہ سپاٹ لہجے میں بولتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

یاہو، تو مسٹر زائر خان آفریدی تمہیں فرق پڑتا ہے، اسکے جانے کے بعد ساحل نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا تھا۔

وہ عانیہ کے ساتھ کچن میں تھی، جب زائر وہاں آیا تھا۔

میں ابھی آئی، عانیہ زائر کو دیکھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

جبکہ زروا بنا اسکی جانب دیکھے اپنے سابقہ کام میں مصروف تھی۔

لسن، زائر نے اسے مخاطب کیا تھا۔

زروا پلٹی تھی مگر بولی کچھ نا تھی۔

زائر اس کے بالکل قریب آکر رکا تھا۔

اسے قریب آتے دیکھ زروا گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

زائر نے مزید دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے گویا اس کے فرار کی تمام راہیں مسدود کی تھیں۔

اس کے اقدام پر زروا کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔

جبکہ زائر اچانک دونوں ہاتھ پیچھے موجود کچن سلپ پر کھتے ہوئے زروا کی جانب جھکا تھا۔

یہ یہ کک کیا کر رہے ہیں آپ خان، زروا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے
بامشکل یہ جملہ ادا کیا تھا۔

ہاں بتاؤ نا کیا کر رہا ہوں میں؟ پوچھتے ہوئے زائر دلکشی سے مسکرایا تھا۔

زائر کی نیلی سمندر سی گرمی آنکھوں میں زروا کو صرف اپنا عکس نظر آیا تھا۔

یہ شاندار شخص صرف تمہارا ہے، اسے یہ احساس دلاتے ہوئے اسکا دل بے حد زور سے
دھڑک رہا تھا، مگر وہ دل سے نگاہ چراگئی تھی۔

زائر اس پر مزید جھکا تھا۔

دیکھیں پلیز ایسا مت کریں خان ، وہ گھبرائی ہوئی سی جو منہ میں آیا بول گئی تھی۔

مگر فلحال تو کچھ نہیں کیا میں نے خان کی جان ہاں مگر ارادہ بہت کچھ کرنے کا ہے ،
زائر نے اسکے بالوں کی لٹ کو چھیڑتے ہوئے گھمبیر لہجے میں جواب دیا تھا۔

اسکی جذبے لٹاتی نگاہوں کی تپش اور اس قدر زومعنی لہجے پر زروا کی پلکھیں بار حیا سے
بوجھل سی ہوئی تھیں۔

تم مجھ سے کتنا ڈرتی ہو؟ زائر نے اسکے گال پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے عجیب
سے انداز میں سوال کیا تھا۔

خان پلیز، اسکی بڑھتی جسارتوں پر زروا کے ہونٹ کپکپائے تھے جبکہ اسکے عجیب و غریب
سوال پر زروا کی آنکھوں حیرانگی سی در آئی تھی۔

اب زروا سوالیہ نظروں سے زائر کی جانب دیکھ رہی تھی جبکہ زائر کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی۔

آج کے بعد اس ایڈیٹ سے بات کرتی نظر نہیں آئی چاہیے ہو تم مجھے، زروا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، وہ اپنے مخصوص حاکمانہ انداز اور بارعب لہجے میں بولا تھا۔

کک کیا مطلب؟ زروا نے سوال کیا تھا۔

مطلب یہ کہ مجھے ساحل نہیں پسند اور تم میری بیوی ہو سو آگے تم خود سمجھدار ہو مسز، زائر نے سخت سے لہجے میں بوٹے ہوئے اسکے بال کی لٹ زور سے کھینچ کر چھوڑی تھی۔

آہ، بال کھینچنے کی وجہ سے مارے تکلیف کے اس کی سسکی نکلی تھی۔

مت کیا کرو ایسے کام جس سے مجھے تمہیں تکلیف دینی پڑے، بوٹے ہوئے وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

اسکے پل پل بدٹے روپ سے زروا گھبرا سی گئی تھی، آج بھی اس ستمگر کے ظالمانہ سلوک پر زروا کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

پیکنگ کرلو، ہم ہمارے گھر جارہے ہیں ابھی اسی وقت، زائر مزید حکم جاری کرتا پیچھے ہٹا تھا۔

زروا بنا کچھ کھے بھاگتی ہوئی کچن سے نکل گئی تھی۔

"لے چلا جان مری روٹھ کے جانا تیرا"

"ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا تیرا"

سوری مگر میں کسی کو تمہارے آس پاس ہرگز بھی برداشت نہیں کر سکتا سویٹ ہارٹ، تم
نہیں جانتی مگر جنون ہو تم میرا، اور اب بہت جلد میں تمہیں یہ احساس دلاؤنگا، زروا کے
جانے کے بعد زائر مسکراتا ہوا خود سے ہمکلام ہوا تھا۔

آپ کو لگتا ہے میں اور ساحل؟ یہ سننے سے پہلے میں مر کیوں نہ گئی خان، مجھے لگ رہا
تھا آپ بدل رہے ہیں، مگر آپ ویلے کے ویلے ہی ہیں، آپ کے لیے صرف آپ کی انا آپکی
خواہش اہم ہے، کسی دوسرے کی ذات آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی، زروا روتی
ہوئی سوچ رہی تھی۔

آپ نے میرے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟ اور کتنی بار آپ میرے کردار پر انگلی
اٹھائیں گے؟ جب آپکو مجھ پر بھروسا نہیں تو کیوں ساتھ رکھا ہوا ہے مجھے؟ چھوڑ کیوں
نہیں دیتے ہاں؟ میں بہت مشکل سے سنبھلی تھی اور آپ نے پھر سے میرے زخم تازہ
کردیے خان، آپ میرے لیے یہ سوچ رکھتے ہیں؟ مجھے آپ سے یہ امید نا تھی، زروا خود سے
ہمکلام تھی۔

وہ معصوم سی لڑکی اچانک ہی بہت تلخ ہو گئی تھی، بہت بدل گئی تھی، بہت خاموش ہو گئی تھی۔

وہ زندہ دل لڑکی اب بہت سرکش بہت ضدی ہو گئی تھی۔

ہر وقت چٹھڑی سی رہتی تھی، اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ سا ہو گیا تھا۔

لیکن وجہ بھی وہ شخص تھا جو اسکی اولین محبت تھا۔

یا یوں کہنا سہی ہوگا کہ وہ اس شخص سے بے پناہ عشق کرتی تھی۔

زرا اس وقت گارڈن میں گے جھولے پر بیٹھی گہری سوچ میں گم تھی۔

جبکہ زائر آفس میں تھا۔

وہ تین دن پہلے ہی زائر کے ہمراہ واپس یہاں آئی تھی۔

موسم آج بھی بہت خوشگوار تھا مگر زروا کے دل کی دنیا جیسے سونی سونی سی تھی۔

مغرب کی اذان کی آواز پر زروا کی سوچیں منتشر ہوئی تھیں، وہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ کمرے میں آیا تو زروا نماز ادا کر رہی تھی، نماز پڑھتے ہوئے وہ بالکل کسی معصوم پاکیزہ گریا کی طرح لگ رہی تھی۔

ایک نور سا تھا اسکے چہرے پر، زائر ٹرانس کی سی کیفیت میں تھا۔

زائر کھویا کھویا سا اس کے قریب آیا اور اس کے ساتھ قالین پر بیٹھ گیا تھا۔

وہ خود نماز نہیں پڑھتا تھا مگر وہ جانتا تھا زروا پابندی سے پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہے، اور آج اسے زروا کو نماز پڑھتے دیکھ سکون سا مل رہا تھا۔

جانے کونسی کشش تھی جو اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھی، زائر محویت سے زروا کو نماز پڑھتے دیکھ رہا تھا۔

"وہ جو ہے نمازوں کی پابند لڑکی"

"اسکی آنکھوں نے چن لیا بے نمازی"

نماز پڑھ کے سلام پھیرتے وقت زروا نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس کے قریب ہے، خیر دعا مانگنے کے بعد اٹھ کر اس نے جائے نماز اٹھائی تھی۔

جبکہ زائر وہیں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

جبکہ زروا زائر کو مکمل نظر انداز کر رہی تھی لیکن اس کی اس ادا پر بھی زائر مسکرائے جا رہا تھا۔

آج تک کسی کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ زائر خان کو نظر انداز کر سکے
زائر نے جیسے اسے اٹھتے دیکھ بتانا ضروری سمجھا تھا۔

دیکھ لی نا میری ہمت؟ یہ جملہ بے ساختہ زروا کے منہ سے نکلا تھا۔

جس پر زائر کا قہقہہ جاندار تھا۔

اس کو ہنستا دیکھ کر زروا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا کیوں کہ وہ زائر سے بات نہیں کر رہی تھی۔

پتا نہیں کیوں میں نے ان کی بات کا جواب دیا وہ سوچ کر رہ گئی تھی۔

زیادہ سوچو مت جانِ من تمہارا ہر روپ حسین ہے، چاہے تم مجھے اگنور کرو یا چاہے مجھ سے بات نا کرو، رہو گی تو تم ہر حال میں میری ہی، زائر خان اس کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہوا تو زروا بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"محترمہ میں لاکھ گناہگار سہی لیکن"

"تمہارے لئے جذبات پاک ہیں میرے"

وہ زروا کی کمر کے گرد بازوں حائل کرتے ہوئے اسے خود سے قریب کرتا ایک ترنگ میں
بولا تھا۔

اسکے لہجے میں ایک نیا پن سا تھا۔

زروا کی سانسیں اتھل پٹھل ہونے لگی تھیں۔

چھوڑیں مجھے، وہ اسکی گرفت میں کسمپائی تھی۔

مگر دوسری طرف زائر کی گرفت بھی مضبوط تھی وہ نازک سی لڑکی کہاں خود کو اس کے
حصار سے نکال سکتی تھی۔

زائر جو کہ غور سے اسکے تاثرات دیکھ رہا تھا، نے اچانک اسے خود سے الگ کیا تھا۔

زبردستی کا قائل نہیں ہوں میں میڈم، اسلیے تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، سو ٹیک اٹ ایزی، وہ اس سے فاصلے پر کھڑا عام سے لہجے میں بول رہا تھا۔

زرا کی جان میں جان آئی تھی، وہ اسے نظر انداز کرتی فورن روم سے نکلی تھی۔

اب تو کچھ کرنا ہی پڑیگا مسز، زائر نے اسے روم سے نکلتے دیکھ سوچا تھا۔

ویری گڈ جگر، بہت اچھے سے کر رہا ہے تو۔

زائر نے ضوریز کو چند ایکسرسائز ریپیٹ کروائی تھیں جن سے وہ کافی حد تک اب ہاتھ پاؤں ہلانے لگا تھا۔

اسی وقت ساحل وہاں آیا تھا۔

ہے بیسٹیز آپ لوگ ایک ساتھ، ڈیس گڈ، وہ دوستانہ لہجے میں بولتا ہوا انکے قریب آیا تو ضوریز ہلکا سا مسکرایا تھا جبکہ زائر نے مسکرانا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔

کیسا محسوس کر رہے ہو اب؟ ساحل نے ضوریز کی ڈپ چنچ کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔

فیلینگ بیٹر، ضوریز آج اٹک کے نہیں بولا تھا۔

جگر، اسے ہلکا سا ہگ کرتے ہوئے، زائر خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

ساحل اب ضریرز کا چیک اپ کر رہا تھا، جبکہ زائر موبائل میں مصروف تھا۔

ہوں، میرے خیال میں ہم اب انہیں گھر لے جا سکتے ہیں، ساحل نے ضریرز کا چیک اپ کرنے کے بعد کہا تھا۔

اور یہی؟ زائر نے پرہوش سے انداز میں پوچھا تھا۔

یس برو، ساحل نے جواب دیا تو زائر بے ساختہ ہی اس سے گلے ملنے آگے بڑھا تھا۔

مگر پھر اس نے ساحل سے صرف مصافحہ کیا تھا۔

ضریرز نے اسکا انداز بخوبی نوٹ کیا تھا۔

تھینکس مسٹر مغل، زائر سنجیدہ سے لہجے میں بولا تھا۔

زائر ضوریز کے ساتھ ہی تھا جبکہ ساحل چیک اپ کر کے چلا گیا تھا۔

کیا واقع ہی صائم تم سچ بول رہے ہو؟ عانیہ نے جوش سے پوچھا تھا۔

وہ یونیورسٹی سے گھر آئی تھی اور فریش ہو کر ہی بیٹھی تھی کہ صائم کی کال آگئی تھی۔

ہاں بالکل بھئی، انفیکٹ زائر لالہ زروا میں اور مشعال بس کچھ ہی دیر میں آرہے ہیں، صائم کی آواز بھی پرہوش سی تھی۔

جب ہی میں کہوں آج گھر میں اتنی چہل پہل کیوں ہے، موم بھی سروٹس کو یہاں وہاں
صفائیوں کی ہدایات دینے میں لگی ہوئی ہیں، عانیہ نے اندازہ لگایا تھا۔

ہاں بالکل، زائر لالہ نے انہیں دوپہر میں ہی بتادیا تھا، صائم نے اسے مزید تفصیل میں بتایا
تھا۔

تو مجھے کسی نے کیوں نہیں بتایا پھر، ڈیٹس ناٹ فیئر ہاں، عانیہ خفگی سے بولی تو دوسری
جانب صائم ہنس دیا تھا۔

ارے، تم خوش نہیں ہو؟ صائم نے سوال کیا تھا۔

نہیں بھئی میں تو بہت خوش ہوں ہاں تمھوڑا برا لگا تھا مگر اٹس اوکے، سب سے اچھی بات
تو یہ ہے کہ آج لالہ واپس گھر آرہے ہیں، اور اس سے بڑی خوشی میرے لیے کیا ہو سکتی

ہے بھلا، میں جلدی سے بیڑی ہو جاتی ہوں، مجھے اپنے لالہ کو ویلکم بھی تو کرنا ہے، عانیہ کی آواز چمکتی ہوئی سی تھی۔

تھیکنس گاڈ تم مسکرائی تو، صائم نے شرارتی انداز میں کہا تو عانیہ جھینپ گئی تھی۔

تمہیں کیسے پتہ میں مسکرا رہی ہوں؟ عانیہ نے اپنی بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑتے ہوئے سوال کیا تھا۔

میں تو یہ بھی جانتا ہوں تم اس وقت اپنے بالوں کو چھیڑ رہی ہو، صائم نے کالہجہ مسکراتا ہوا سا تھا۔

ہیں؟ تمہیں کیسے پتہ؟ عانیہ اس کے درست اندازوں پر حیران سی ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ارے بیٹھ جاؤ، بیٹھ کے بات کرلو بھئی، صائم شرارتی انداز میں بولا تھا۔

یار اب یہ کیسے پتہ تمہیں کے میں کھڑی ہوں؟ عانیہ اب کے خفگی سے بولی تھی۔

بس بات جب تم متعلق ہو، صائم خان کو سب پتہ چل جاتا ہے، صائم ہنستا ہوا بولا تھا۔

کیوں مسٹر صائم خان آفریدی تم کیا جادوگر ہو جو تمہیں سب پتہ چل جاتا ہے؟ عانیہ اب اسی کے انداز میں اسے چھیڑتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

دوسری جانب صائم کا قمقہ جاندار تھا۔

کبھی فرصت میں بتاؤں گا، فلحال تم جا کر ریڈی ہو جاؤ، ہم بس آدھے گھنٹے تک گھر پہنچ جائیں گے

صائم نے کہتے ہی کال کاٹ دی تھی۔

پاگل، موبائل کو دیکھتے ہوئے عانیہ مسکرا دی تھی۔

"میں چاہوں تو خود کو ملکہ وقت کہہ دوں"

"مجھ کو اس جہاں میں وہ ایسے چاہتا ہے"

مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا جگر کہ فاشلی اب میں گھر جا رہا ہوں وہ بھی سہی سلامت، ضرور

بولا تو زائر ہنس دیا تھا۔

یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا ڈیئر کزن، وہ ایک چوٹی مجھے عادت نہیں رہی ناتیرے اتنے میٹھے
لجے کی، زائر شرارتی انداز میں بولا تو ضوریز بھی ہنس دیا تھا۔

کیا یار واقع ہی ہم نے کتنے پیارے دن ضائع کر دیئے۔ صرف چند غلط فہمیوں کی وجہ سے،
ضوریز کے لجے میں پچھتاوا سا تھا۔

ابھی وقت ہاتھ سے نہیں نکلا میرے یار، سب ٹھیک ہو رہا ہے نا؟ پہلے جیسا وقت بھی
آجائیکا، بس کچھ دن کی بات ہے، زائر نے اسے سہارا دیتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

اسکی بات سن کر ضوریز مسکرا دیا تھا۔

ہاں مجھے بھی بہت سی غلطیاں سدھارنی ہیں، ضوریز بڑبڑایا تھا۔

کچھ کہا تو نے؟ زائر نے سوال کیا تھا۔

نہیں بس یہی سوچ رہا ہوں، میرے وہم و گمان میں بھی نا تھا کہ کبھی ہم پھر سے ساتھ ہونگے، ضرور کے لہجے میں خوشی کی سی رک تھی۔

مگر اب ہیں نا، اور تو جانتا ہے بہت سے کام ہیں جگر جنہیں ہمیں مل کے انجام دینا ہے، زائر کا لہجہ پراسرار سا تھا۔

مطلب؟ ضرور پتوں کا تھا۔

سب بتاؤں گا، پہلے تو مکمل ٹھیک ہو جا، زائر ٹال گیا تھا، ضرور نے بھی کریدنا مناسب نا سمجھا تھا۔

اسے تو بس اب جلدی سے گھر جانا تھا۔

زائر نے ویل چیئر منگوائی تھی تاکہ چلنے کی وجہ سے اس کے یار پاؤں پر زور نا پڑے مگر ضروریز نے ضد کر کے چل کے جانے کو ترجیح دی تو زائر کو ہتھیار ڈالے پڑے تھے۔

اب وہ ضروریز کو خود سہارا دے کر لے کر ہاسپٹیل کی راہداری میں چل رہا تھا۔

مشعال اور زروا بھی انکے ساتھ ہی تھیں جبکہ ساحل اور صائم پہلے ہی باہر گاڑی کے پاس انکا ویٹ کر رہے تھے۔

ویل کم برو، ساحل نے مسکراتے ہوئے اسکے لیے ڈور اوپن کیا تھا۔

ضروریز گاڑی میں بیٹھتے ہوئے لڑکھڑایا تھا۔

ضروریز، اسکی طرف بڑھتی مشعال چیختے چیختے رہ گئی تھی۔

سنجھل کے، ساحل بھی پھرتی سے آگے بڑھا تھا مگر زائر پہلے ہی ضوریز کو سنبھال چکا تھا۔

میرے ہوتے ہوئے میرے یار کو کوئی تکلیف چھو بھی نہیں سکتی، زائر نے ضوریز کے شانے کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے کہا تو سب مسکرا دیے تھے۔

میں جانتا ہوں، جب ہی تو زائر + ضوریز = تباہی ہے، ضوریز شرارتی انداز میں بولا تو زروا اور مشعل بھی مسکرا دی تھی۔

جبکہ زائر کھل کے ہنسا تھا۔

اور کتنے روپ ہیں تمہارے زائر خان؟ زروا نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

کچھ ہی سیکنڈز میں بے حد آرام سے زائر نے سہارا دے کر ضوریز کو گاڑی میں بٹھایا تھا۔

مشعل بھی ضوریز کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔

گاڑی صائم چلا رہا تھا۔

ساحل تم بانک سے آجاؤ، صائم نے بولے کے ساتھ ہی ساحل کی جانب ہیوی بانک کی کیز اچھالی تھیں جسے زائر منہایت آسانی سے کیچ کر چکا تھا۔

آئی تمھنگ اسے تو راستوں کا بھی پتہ نہیں ہوگا، سو تم اسے ساتھ ہی لے جاؤ، بانک میں چلا لوںگا، زائر ساحل کی جانب دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا تھا۔

اوکے نو پرابلم، ساحل اسکی بات مان کر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

صائم نے اسے وکٹری کا سائن دیا تھا۔

زروا بھی مشعال کے ساتھ بیٹھنے والی ہی تھی کہ زائر کی آواز پر کی تھی۔

ہے یو تم کہاں جا رہی ہو؟ بانک پر میں اکیلا جاؤں گا؟ ساتھ آؤ میرے، وہ حکم جاری کرتا آگے
بڑھ گیا تھا۔

اکرو خان، زروا اسکے انداز پر پیچ و تاپ کھا کر رہ گئی تھی۔

جاؤ بھی زروا، لالہ بلا رہے ہیں نا تمہیں، صائم بولا تو زروا پاؤں پٹختی زائر کے پیچھے گئی تھی۔

جبکہ اسکے جاتے ہی صائم نے بھی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

میں اس پر نہیں بیٹھونگی، زروا بانک پر بیٹھے زائر کو دیکھ کر بولی تھی۔

زائر جو کے ہیلمنٹ لگا کر بانک پر بیٹھا ہوا تھا، اس کی بات سن کر بانک سے اترتا تھا۔

دیکھو گاڑی میں وہ ایڈیٹ موجود ہے اور میں ہرگز بھی اسکے ساتھ نہیں جانے والا اسلیے تمہیں میرا دماغ خراب کرنے کی ضرورت بالکل نہیں ہے، چپ چاپ بیٹھ جاؤ، وہ تپ کے بولا تو زروا اسکے غصے سے خائف ہوتی ناچاہتے ہوئے بھی بانک پر بیٹھ گئی تھی۔

مگر منہ کے زاویے ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔

زائر اسکی فرمانبرداری پر اپنی ہنسی کنٹرول کرتا خود بھی بانک پر بیٹھا تھا۔

زروا لیڈیز جیسے ہی بیٹھی تھی اور آج زائر نے اسے ٹوکا بھی نا تھا۔

زائر نے ایک جھٹکے سے بانک اسٹارٹ کی تو زروا کا سر زائر کی پشت سے ٹکرایا تھا۔

آہ، آہستہ نہیں چلا سکتے آپ، وہ ممنائی تھی۔

مجھے تو ایسے ہی چلانا پسند ہے، وہ شرارتی انداز میں بولتا جان بوجھ کر اسپید بڑھا گیا تھا۔

ہٹلر کے جانشین، زروا بڑبڑائی تھی۔

کچھ ہی لمحوں میں بانگ ہوا سے باتیں کر رہی تھی، جبکہ زروا آنکھ بند کیے مختلف ورد میں مصروف تھی۔

میری نازک گریبا، زائر نے مرر میں اسکا ہوائیاں اڑتا چہرہ دیکھ کر دل ہی دل میں سوچا تھا۔

آہ، اسپید بریکر کی وجہ سے زروا پھر سے زائر سے ٹکرائی تھی، اس بار اس نے زائر کا شانہ مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

دوسری طرف زائر کا دل اس سے بغاوت پر آمادہ تھا۔

خان پلیر آہستہ، وہ روہانسی انداز میں بولی تھی۔

کچھ سوچتے ہوئے زائر نے اسپید کم کردی تھی جبکہ زروا نے اب بھی اسے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

"دھڑکنیں رک سی گئی ہیں سینے میں"

"میری جان تم جو اتنا قریب بیٹھی ہو"

جیسے ہی وہ سب گھر پہنچے، ہر طرف ہل چل سی مچ گئی تھی۔

سامبر بیگم سب سے پہلے گیٹ پر آئی تھیں۔

عانیہ اور شہروز خان بھی انکے پیچھے ہی ضوریز کے استقبال کے لیے پہنچے تھے۔

جبکہ پلوشہ بیگم سفیر خان، فرقان خان، مراد خان اور نگین بیگم اندر ہی تھے۔

مشعال کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

اک پل کے لیے بھی مسکراہٹ اسکے لبوں سے جدا نا ہوئی تھی۔

سماہر بیگم نے دل ہی دل میں بھتیجی کی مسکراہٹ قائم رہنے کی دعائیں کی تھی۔

میرا بچہ، سماہر بیگم نے ضوریز کو چھوٹے بچے کی طرح خود سے لگایا تھا۔

ضوریز انکے اس لاڈ پر مسکرا دیا تھا۔

ارے موم آپ کچھ زیادہ اموشنل نہیں ہو رہیں؟ کچھ بعد کے لیے بھی بچا کر رکھیے اس چڑیل کی رخصتی میں کام آئیگا، ضوریز اپنے اسی شرارتی انداز میں بولا، جو اسکی شخصیت کا حصہ تھا، تو سب ہنس دیے تھے۔

لالہ کیا ہے نا بھئی، میں آپکو چھوڑ کر کہیں نہیں جانے والی، عانیہ بھی لاڈ سے کہتی ضروریز کے پاس آئی تھی۔

صائم اسکی بات پر مسکرایا تو عانیہ نگاہیں جھکائی تھی۔

پھوپھو ویلے لالہ سہی کہہ رہے ہیں، آپ بالکل سیریلز والی موم لگ رہی ہیں، صائم نے شرارتی انداز میں کہا تو سماہر بیگم نے ایک پیار بھری چپت اسکے سر پر لگائی تھی۔

سارے کے سارے شیطان ہو پورے، سماہر بیگم ہنستے ہوئے بولی تھیں۔

ہاں موم اور آپ ہماری ڈیول ملکہ، ضروریز کہاں چپ رہنے والوں میں سے تھا۔

تم چپ نہیں رہ سکتے؟ ڈاکٹر نے منع کیا ہے نا زیادہ باتیں کرنے سے، مشعال نے ضروریز کے کان میں سرگوشی کی تھی جو کے زائر نے بخوبی سن لی تھی۔

ضوریز نے ایک نظر اس پر ڈالی تو مشعال جھینپ کر ایک طرف ہو گئی تھی۔

جبکہ ضوریز کی نگاہیں ہنوز اسی پر تھیں۔

ہلکا ہاتھ بھائی، وہ تیری ہی ہے، زائر نے اسے چھیڑا تو ضوریز نے اس کے پاؤں پر پاؤں دے مارا تھا۔

آہ، زائر ہلکا سا کراہا تھا۔

کیا ہوا بچے؟ شہروز خان نے زائر سے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گیا تھا۔

کیوں پھر سے بستر پر لیٹنا چاہ رہا ہے بھائی میرے، آج بھی تجھ سے زیادہ پاورفل پنچر ہیں
میرے، زائر اسکے کان میں بولا تو ضوریز محض مسکرا کر رہ گیا تھا۔

موم یہ لیجئے مرچیں، عانیہ نے انہیں

ضوریز کی نظر اتارنے کو مرچیں لا کر دی تھیں۔

سماہر بیگم وہ مرچیں ان دونوں پر سے ہی وارنے لگی تھیں کے زائر نے انہیں روکا تھا۔

ارے پھوپھو اگر اتارنی ہی ہے تو اسکی نظر اتاریں، میرے یار کو خدا ہر آفت سے محفوظ رکھے،
زائر کے لہجے میں دوستوں والا پیار تھا۔

ہم دونوں کی اتاریں موم، ضوریز خان بھی تو ادھورا ہے زائر خان کے بغیر، ضوریز نے بولے
کے ساتھ ہی زائر کے شانے پر گرفت مضبوط کی تھی۔

اسکی بات پر وہاں موجود ہر شخص کے دلوں میں جیسے سکون سا اتر گیا تھا۔

میرے لیے تو تم دونوں برابر ہو، اللہ تمہیں اور تمہاری دوستی کو سلامت رکھے، آمین

دعا کے انداز میں کہتے ہوئے سماہر بیگم نے ضوریز کے ساتھ زائر کی بھی نظر اتاری تھی۔

زائر اور ضوریز دونوں ہنس دی دیئے تھے۔

ہم بھی لائن میں ہیں اگر ماں بیٹے کے پیار کا اظہار ہو گیا ہو تو ہم بھی اپنے بیٹے سے مل لیں، شہروز خان نے سماہر بیگم کو چھیڑا تھا۔

مل لیجئے بھئی آگیا ہے آپکا بیٹا+دوست، سماہر بیگم ہنستے ہوئے بولی تمہیں۔

ڈیڈ، زائر کے سہارے سے ضوریز آگے بڑھا تھا۔

ہمارا شہزادہ بچہ، شہروز خان نے باپ والے مخصوص پیار سے کہتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

ارے پھوپھا جان آئی تمہنگ ہم سب اندر چل لیتے ہیں، جگر کے لیے زیادہ کھڑا رہنا ٹھیک نہیں، زائر فکر مندی سے بولا تو سماہر بیگم نے مسکراتے ہوئے اپنے ہٹ ڈھرم بھتیجے کو دیکھا تھا۔

کتنا بدل گیا تھا انکا خان۔

ہاں بھئی لے چلو اپنے دوست کو، سماہر بیگم نے کہا تو زائر اور صائم ضوریز کو لے کر اندر بڑھے تھے۔

ایک سکیئنڈ، زروا بولی تو سب چونکے تھے۔

ارے پھوپو آپ نے صدقہ نہیں اتارا ضوریز کا، زروا نے کہا تو زائر نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ ضوریز پر سے وار کر چوکیدار کو تھمادیے تھے۔

اب تو چل سکتے ہیں نا؟ زائر نے ڈائریکٹ زروا سے پوچھا تھا، اسکا لہجہ بے حد نرم تھا، زروا جی کہہ کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

زائر اور صائم کے ضوریز کو سہارے دیتے ہوئے اندر کی جانب بڑھے تھے۔

سامبر بیگم نے ضوریز اور مشعال کے لیے نیچے کا روم سیٹ کروادیا تھا، کیونکہ فلحال ضوریز سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتا تھا۔

وہ سب اس وقت ضرور کے روم میں ہی تھے۔

باتوں کا دور چلا تو سب وقت کا پتہ ہی نا چلا تھا۔

سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا، سوائے زروا اور زائر کے رشتے میں موجود دوری کے، یہ بات پلوشہ بیگم نے بخوبی نوٹ کی تھی۔

مگر انہیں یہ خوشی بھی تھی کہ زائر پہلے کی طرح ہنسنے بولنے لگا تھا۔

کتنا بدل گیا تھا وہ، خود سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھنے والا اور دوستی پر جان دینے والا، وہ انکا بالکل پہلے جیسا خان، بن گیا تھا، انہیں بے ساختہ ہی اس پر فخر محسوس ہوا تھا۔

ماشاء اللہ، اسلہ ہمارے بچوں کو نظر بد سے بچائے، پلوشہ بیگم نے آنکھوں میں آتی نمی صاف کرتے ہوئے سفیر خان سے کہا تھا۔

ارے آپ رو رہی ہیں؟ روئیں مت پلوشہ بیگم اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے، دیکھیے ہمارا پہلے والا خان ہمیں واپس مل گیا، سفیر خان بیٹے کو دیکھتے ہوئے بول رہے تھے۔

مگر آپ نے اس کے ساتھ جو کیا سفیر صاحب، وہ آپ سے بے حد بد گمان ہو گیا ہے، پلوشہ بیگم اداسی سے بولی تھیں۔

پلوشہ وہ ہمارا بیٹا ہے، ہم سے دور رہ ہی نہیں سکتا، بہت جلد ہم اسے واپس لے آئیں گے وعدہ، سفیر خان نے مضبوط لہجے میں کہا تو پلوشہ بیگم مسکرا دی تھیں۔

مجھے آپ پر یقین ہے، وہ مسکراتی ہوئی بولی تو سفیر خان بھی مسکرا دیے تھے۔

تم سے کہا تھا نا انہیں جتنا ہوسکے ترپاؤ، کئے کی موت میں گے یہ دونوں، وہ بھی میرے
اور میرے یار کے ہاتھوں، زائر فون ہر بات کرتا غصے سے دھاڑا تھا۔

اسے کھانے کے لیے بلانے آتی زروا کے قدم وہیں تھم گئے تھے، کسے مارنے کی بات کر
رہا تھا وہ؟ اب کونسا دشمن نکل آیا ہے؟ زروا نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

میرے سامنے ہی میری زندگی سے کھیل رہا تھا کمینہ، اسے تو میں چھوڑونگا نہیں، چن چن
کے بدلہ نا لیا تو میرا نام بھی زائر خان نہیں، زائر کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔

زروا دہل کر دل پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

کہیں یہ ڈاکٹر ساحل کی بات تو نہیں کر رہے؟ انکا مجھ سے بات کرنا بھی تو خان کو پسند نہیں، زروا نے اندازہ لگانا چاہا تھا۔

مارو سالے کو، زیادہ شور کرے تو اڑادو گولی سے، وہ سفاکیت سے بولا تو زروا اُلے قدموں وہاں سے بھاگی تھی۔

یا اللہ یہ خان کتنے خطرناک ہیں؟ اس نے دل میں سوچا تھا۔

جب کینیڈا میں وہ گنڈے مجھے تنگ کر رہے تھے، انکے ساتھ بھی تو خان نے کتنا برا کیا تھا۔

زروا بھاگ کر گارڈن میں آگئی تھی اور اب سوچوں میں گم تھی۔

ہیلو مسز، زائر نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھا تو زروا کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

آہ، زائر نے اسکے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔

یا وحشت، کیا ہو گیا مسز؟ میں اتنا ڈراؤنا دکھتا ہوں کیا؟ وہ ایک ہاتھ اسکے منہ پر رکھے شرارتی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

بولو بھی، زائر اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

اوں، زروا نے اسے اشارے سے ہاتھ ہٹانے کو کہا تھا۔

اوپس، زائر نے جلدی سے ہاتھ ہٹایا تھا۔

ہاں تو اب بولو کیوں چیخ رہی تھیں؟ وہ اب دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسکے سامنے کھڑا
اس سے سوال کر رہا تھا۔

زروا بنا کچھ کے اسے ایک طرف کرتی اندر بھاگ گئی تھی۔

اسے کیا ہو؟ زائر بڑبڑایا تھا۔

کمال ہے، بڑی عجیب ہے یہ بھی، زائر زروا کے عجیب و غریب رویے کے بارے میں
سوچتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

مشعال روم میں آئی تو، ضوریز آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔

بہت مصروف ہو گئی ہو میڈم، تمہیں مجھ معصوم کا کچھ خیال ہے بھی یا نہیں؟ ضوریز نے اس کے صاف شفاف چہرے پر نگاہیں جمائے شرارتی انداز میں کہا تھا۔

خیال ہے جب ہی یہ لینے گئی تھی تمہارے لیے، وہ سوپ کا باؤل اس کے سامنے کرتی ہوئی بولی تھی۔

یار پلیز یہ نہیں پینا مجھے جانم، ایسا لگ رہا ہے جیسے صدیوں سے بیمار ہوں میں، وہ منہ بناتے ہوئے بولا تو مشعال کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

مجھے بالکل بھی اندازہ نہ تھا کہ تم اور اتنے پولاٹ بھی ہو سکتے ہو، مشعال شرارتی انداز میں اس کے نرم اور دوستانہ رویے پر چوٹ کر گئی تھی۔

بس نایار میں اتنا برا بھی نہیں ہوں اب، ادھر وہ زائر ادھر تم بھگو بھگو کر مار رہے ہو،
جب کہ میں معصوم تو خود کسی سازش کا شکار ہوا تھا، ضوریز معصومیت سے بولا تھا۔

اسکی بات پر اسکے قریب بیٹھتی مشعال چونکی تھی۔

تم پر گولی کیوں چلی تھی ضوریز؟ اس کے اچانک پوچھے جانے والے سوال پر ضوریز الرٹ
ہوا تھا۔

اگر اسے بتادیا تو زائر اور مجھ سے پہلے یہ محترمہ ان سب تک پہنچ جائیگی، نووے، میں اسے
بتانے کا رسک نہیں لے سکتا، جب تک جگر مجھے کچھ نہیں بتاتا، ضوریز نے دل میں سوچا
تھا۔

بولو نا، مشعال بضد تھی۔

ہے یو نونا میں تو حوش میں ہی نہیں تھا، پیچھے کیا ہوا مجھے کیا پتہ یا، ضروریز ٹال گیا تھا
کیونکہ وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

خیر پتہ تو تمہیں سب ہے مگر وہی بات، تم ہو بڑی ٹیڑھی کھیر، مشعال صرف یہ سوچ کر رہ
گئی تھی۔

اچھا اب یہ سوپ پی لو، وہ اسپون ضروریز کی جانب بڑھاتی ہوئی بولی تو ضروریز نے منہ بگاڑا
تھا۔

پلیزیار پی لو، پھر تمہیں میڈیسنز بھی تو لینی ہیں، مشعال فکر مندی سے بولی تو ضروریز کو اس
پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

یو نوناٹ، پوری میری بیوی لگ رہی ہو، ضروریز نے اسے چھیڑا تھا۔

مشعال مسکرا دی تھی۔

بیوی ہوں تو لگونگی ہی ناں، وہ سوپ کا اسپون اسکی جانب بڑھاتی ہوئی بولی تھی۔

اب کی بار ضریرز نے آرام سے سوپ پی لیا تھا۔

ویسے اگر مجھے معلوم ہوتا میرے کومہ میں جانے سے سب ٹھیک ہو جائیگا تو ٹرسٹ می میں بہت پہلے خود کو گولی مار، اسکی بات مشعال نے اسکے ہونٹ پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ کر کاٹ دی تھی۔

ششش، میں سہی کہتی ہوں، تم کم ہی بولا کرو، وہ اسے گھورتی ہوئی بولی تو ضریرز ہنس دیا تھا۔

جبکہ ضریرز اب یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"قرار دے کر بھی بے قرار کر دے گی"

"نگاہ یار ہے کوئی مزاق تھوڑی ہے"

مشعال نے فورن اپنی انگلی اسکے ہونٹوں سے ہٹائی تھی۔

واہ، ضوریز خان کو چپ کرا رہی ہو مشعال خان؟ تم میں اتنی ہمت؟ وہ مصنوعی غصے سے بولا تھا۔

ہمت تو پہلے بھی تھی، مگر جب سے میں مسز ضوریز خان بنی ہوں، تب سے عملی مظاہرہ کرنا بھی آگیا ہے، وہ پراعتماد لہجے میں بولتی ضوریز کو لاجواب کر گئی تھی۔

کانفیڈنٹ تو وہ پہلے ہی تھی مگر اسکے پیار نے اس لڑکی کو کتنا بدل دیا تھا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

ضویر کی آنکھوں میں اپنے لیے موجود پیار دیکھ مشعل کا دل الگ ہی لے پر دھڑک رہا تھا۔

"میری دھڑکن میں رہے سدا"

"تیرے آنے جانے کا سلسلہ"

"اے خدا ہمارے عشق کو"

"بلکل ایسا بلند مقام دینا"

وہ اسے سوپ پلانے اور میڈیسنز دینے کے بعد جلدی سے وہاں سے اٹھ کر باؤل نیچے رکھنے چلی گئی تھی۔

ضوریز کی نظروں نے دور تک اسکا پیچھا کیا تھا۔

زائر زروا کو لے کر رات کو ہی واپس آگیا تھا۔

زروا کچن میں تھی جب زائر فریش ہو کر وہاں آیا تھا۔

معمول کے مطابق زائر نیوز پیپر پڑھتے ہوئے ناشتہ کر رہا تھا۔

اسی وقت ایک ملازم اجازت لیتا وہاں آیا تھا۔

خان صاحب یہ آپ کے لیے آیا ہے، وہ ایک لیٹر زائر کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

زائر نے نیوز پیپر ایک جانب رکھ کر لیٹر لیا تھا۔

لیو، اس نے اشارہ کیا تو ملازم سلام کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

زائر نوں جوں لیٹر پڑھ رہا تھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

زروا جو کہ کچن سے جوس لے کر آئی تھی، اسے غور سے دیکھتی چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

ایک دم ہی زائر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی، جو کہ زروا نے بخوبی نوٹ کی تھی۔

مگر اس میں وجہ پوچھنے کی ہمت تھی نا ہی اس نے ضروری سمجھا تھا۔

میں آفس جا رہا ہوں، وہ چیئر گھسیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

مگر ناشتہ، زروا کی بات زائر نے وہیں کاٹ دی تھی۔

جتنا کرنا تھا کرچکا ہوں، وہ اپنا کوٹ سنبھالے ہوئے اسے اسلحہ حافظ کہتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

ہسنہ، آدم بیڑا، کرچکا ہوں، کمریں نا کریں، مجھے کیا، زروا نے چڑ کر خود کلامی کی تھی۔

جبکہ اب اسکا خود کا دل بھی ناشتے سے اچاٹ ہوا تھا۔

وہ بھی چیئر سے اٹھ کر روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زائر بے حد ہیلتھ کا نشیئس تھا اسلیے عہ آٹلی فوڈ ایوائیڈ کرتا تھا، مگر زروا کے ہاتھ کا بنا کھانا وہ چاہ کر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا، چاہے اس کے لیے اسے ڈبل ایکس سائز کرنی پڑے مگر اس وقت میز پر لگا، ناشتہ کھیر کچوری اور چھولوں کا سالن، جو کہ زروا اور زائر دونوں کا فیورٹ تھا، اپنی بے قدری پر ماتم کناں تھا۔

واؤ، مومی جان، چچا جان، چچی جان سب میاں آئیے، میرے پاس آپ سب کے لیے

گڈ نیوز ہے، صائم کی پرہوش آواز پر سب باہر آئے تھے۔

ارے کیا ہو گیا ہے؟ کیوں چیخ رہے ہو، سب سے پہلے نگین بیگم باہر آئی تھیں۔

کیا ہوا ہے صائم؟ کیوں شور کر رہے ہو بیٹا؟ فرقان نے بھی پوچھا تھا۔

پلوشہ بیگم نے بھی تائید کی تھی۔

ارے کیسے نا شور کروں، دیکھیے نالالہ کو بزنس مین آف دا ایئر کا ایوارڈ ملنے والا ہے، وہ لیٹر انکے سامنے کرتا ہوا بولا تھا۔

دیکھاؤ زرا، فرقان خان نے اس سے لیٹر لیا تھا۔

مبارک ہو بھابھی بیگم، ہمارے زائر کو بزنسمن آف دایئر کا ایوارڈ ملنے والا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ، یہ ایوارڈ انہیں سفیر لالہ کے ہاتھ سے ملنا ہے، کیونکہ پچھلے 10 سالوں سے یہ ایوارڈ لالہ کو ملتا آ رہا ہے، پہلی بار کسی نے انکا ریکارڈ توڑا ہے، فرقان خان نے تفصیلی بتایا تو پلوشہ بیگم خوشی سے جھوم اٹھی تھیں۔

تم نے اپنے باباجان کو بتایا؟ پلوشہ بیگم نے پوچھا تو صائم نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

پلوشہ بیگم خاموش ہو گئی تھیں۔

بھابھی بیگم لالہ جائیں گے نا ایوارڈ سرمنی میں؟ نگین بیگم نے پوچھا تھا۔

ان شاء اللہ چچی جان باباجان ضرور جائیں گے اور میں لے کر جاؤں گا انہیں، صائم نے پر عزم لہجے میں انہیں یقین دلایا تو پلوشہ بیگم کے ساتھ نگین بیگم اور فرقان خان بھی مسکرا دیئے تھے۔

کب ہے یہ ایوارڈ سرمنی؟ پلوشہ بیگم نے صائم سے پوچھا تھا۔

آج سے 3 دن بعد، صائم نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا تھا۔

یا اللہ اب ان باپ بیٹے کے بیچ سب ٹھیک کر دے، پلوشہ بیگم نے دل میں دعا کی تھی۔

یہ دوپہر 3 بجے کا وقت تھا۔

آج کلاسز کم ہی تھیں، چنانچہ زروا جلدی فارغ ہو گئی تھی۔

وی یونیورسٹی سے نکلی ہی تھی کہ اچانک اسکے کان میں قوالی کی آواز گونجی تھی۔

اسکے قدم بے اختیار ہی اس جانب اٹھ گئے تھے۔

وہ اپنے دھیان میں ایک سمت چلتی جا رہی تھی۔

وہ بھیڑ میں کھڑی تھی جب اچانک اسکے کندھے پر کسی نے گن رکھی تھی۔

زرہ سی آواز مت نکالنا ورنہ یہیں جان سے ماری جائیگی، وہ ملنگ کے بھیس میں شاید کسی گینگ کا فرد تھا۔

زرہ کے قدموں تلے زمین نکلی تھی۔

عشق کی داستان اپنے نئے موڑ پر تھی، جبکہ بازی اب عشق زادوں کے ہاتھ میں تھی۔

تو پھر اب یہ کونسی چال تھی قسمت کی؟ کیا پھر سے کچھ برا ہونے والا تھا؟

زائر بے دلی سے آفس میں بیٹھا تھا۔

آج میں تم سے وہ سب کہہ دوں گا زائر خان، جو میرے دل میں ہے، اب تم مجھے معاف کرتی ہو یا نہیں یہ فیصلہ تمہارا ہوگا، مگر زائر خان تمہیں منانے کے لیے اپنی جان لگا دیگا، زائر نے آفس میں یہاں سے وہاں ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

مگر ناجانے کیوں ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی مصیبت پھر سے زائر خان کے سامنے کھڑی ہے، زائر خود سے ہمکلام تھا۔

اسکے ذہن میں مختلف سوچیں گردش کر رہی تھیں، دل الگ پریشان سا ہو رہا تھا۔

جیسے کوئی انہونی ہونے کو تھی۔

مگر اب کچھ برا نہیں ہوگا، جتنا برا ہونا تھا ہوچکا، اب کوئی بھی مصیبت کوئی پریشانی یا
کڑے سے کڑا امتحان ہی کیوں نا ہو، کچھ بھی تمہیں مجھ سے دور نہیں کر سکتا، میں آ رہا
ہوں پارٹنر، تمہیں منانے، تمہاری ساری شکایات دور کرنے، زائر سوچتا ہوا ٹائم سے پہلے ہی
آفس سے نکل گیا تھا۔

اس نے آفس سے نکلتے وقت شلوار قمیض پہن لیا تھا، اس کے ایکسٹرا کپڑے ہمیشہ اس کے
آفس میں بنے اس کے پرسنل روم کے وارڈروب میں موجود ہوتے تھے۔

شرافت سے آگے چلتی جا لڑکی ورنہ ساری گولیاں تیری کھوپڑی میں اتار دوں گا، وہ آدمی سختی سے بولا تو زروا ڈرتے ڈرتے آگے بڑھنے لگی تھی۔

اس آدمی کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں، جنہوں نے زروا کو زبردستی پکڑ کر ٹرک میں بٹھایا تھا۔

اب وہ آدمی کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔

یہ ایک لڑکیاں اغواہ کرنے والا گینگ تھا، جو خوبصورت اور کم عمر لڑکیوں کو اپنا نشانہ بناتا تھا۔

زروا کو بھی ان لوگوں نے کچھ دن پہلے درگاہ پر دعا مانگتے ہوئے دیکھا تھا۔

بس تب ہی سے وہ اسکے پیچھے تھے، آج انہیں موقع مل ہی گیا تھا اسے اغواہ کرنے کا۔

ڈیم۔ اٹ، یہ ٹریفک بھی آج ہی ہونا تھا، زائر نے جھنجلائے ہوئے انداز میں اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا تھا۔

اسی وقت ایک ملنگ اسکی گاڑی کے سامنے آیا تھا۔

وہ ارگرد سے بے نیاز رقص میں مصروف تھا۔

اوگاڈ، زائر تپا ہوا گاڑی سے باہر آیا تھا۔

ہے یو، ہٹو سامنے سے، وہ دے دے غصے میں بولا تھا۔

مگر اب اور بھی لوگ وہاں آچکے تھے۔

یہ کچھ خانہ بدوش اور ملنگ تھے جو کسی انوکھے ہی گیت پر رقص کر رہے تھے۔

اگر انہیں سمجھانے کھڑا ہوا تو یہیں رات ہو جائیگی، زائر سوچتا ہوا گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ ہوگی تو خود راستے سے ہٹ جائیں گے، زائر نے دل میں سوچا تھا۔

وہ جانے کو آگے بڑھا ہی تھا کہ اچانک ہی اسکا دل زور سے دھڑکا تھا، اسے شدت سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

اسی وقت اتنے شور کے باوجود ایک آواز اسکے کانوں میں گونجی تھی۔

چاؤوووو، نسوانی چیلخ پر زائر پلٹا تھا۔

یہ آواز تو وہ کڑوڑوں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتا تھا۔

اسی وقت سامنے سے ایک ٹرک گزرا تھا۔

زائر بھیڑ کو پیچھے کرتا بھاگتا ہوا کچھ قدم آگے آیا تو ٹرک میں موجود اپنی متاں جان کو دیکھ
اسکے قدموں تلے زمین نکل گئی تھی۔

مگر زروا نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

زروا، زائر پوری قوت سے چلایا تھا۔

اومائی گاڈ، وہ دیوانہ وار گاڑی کی جانب بھاگا تھا۔

رش کی وجہ سے ٹرک ابھی نزدیک ہی تھا۔

زرا چلیختے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ ان لوگوں نے اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا تھا۔

زائر کی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا تھا۔

ڈیم۔ اٹ، گاڑی کا ٹائر پنچر دیکھ زائر بنا سوچے سمجھے پیدل ہی ٹرک کے پیچھے بھاگا تھا،

کیونکہ اسکے پاس وقت بہت کم تھا۔

اس نے رش میں سے تیزی سے آگے نکلنے کا سوچا تھا کیونکہ وہ سب خانہ بدوش اور ملنگ
ٹائپ لوگ ایک ہی جگہ رش کیے کھڑے تھے۔

ان میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے۔

یہ محبت بھی اک عبادت ہے
اور یہ عبادت بھی اک محبت ہے

ایک ملنگ پرسوز آواز میں گنگنا رہا ہوا زائر کے قریب آیا تھا۔

زائر ایک دم پیچھے ہٹا تھا۔

اب اس ملنگ نے آگے بڑھ رقص کرنا شروع کر دیا تھا۔

زائر بھی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا تھا۔

پلیز راستہ دیجئے، اس نے سامنے کھڑی ایک عورت سے اپنی عادت کے برخلاف نرمی سے کہا تھا۔

آہ اہ

آہ اہ

آہ اہ

اس عورت کے ساتھ مرد اب جھومتے ہوئے ڈھول بجا رہے تھے۔

زائر کو اس ماحول سے وحشت سی ہونے لگی تھی، دوسری طرف اسے زروا کی فکر ستا رہی
تھی، اس نے بے اختیار ہی دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔

یہ بھی دیوانگی ہے

وہ بھی دیوانگی ہے

یہ بھی دل کی لگی ہے

وہ بھی دل کی لگی ہے

مجھ کو کیا ہو گیا ہے

سب کو حیرانگی ہے

ایک دراز قد مرد جو کے ہرے رنگ کے چوغے میں تھا اسکا حلیہ کسی ملنگ جیسا ہی تھا،
گنگناتا ہوا جھوم رہا تھا۔

زائر دوڑتا ہوا با مشکل انکے پیچ سے نکلا تھا مگر تب تک ٹرک نظروں سے کافی دور جا چکا تھا۔

ٹرک جیسے جیسے نظروں سے دور جا رہا تھا زائر کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اسکی جان اسکی زندگی، زروا خطرے میں ہے یہ سوچ ہی اسکے لیے سوہان روح تھی، وہ اندھا
دھند بھاگ رہا تھا۔

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

وہ قافلہ بھی جیسے اسکے ساتھ ساتھ ہی آگے بڑھ رہا تھا۔

ایک عورت اب دوسری عورت کا ہاتھ پکڑے اب بھی رقص کرتی ہوئی گنگنا رہی تھی۔

اس کی آواز میں عجیب سا جادو تھا اسکے ساتھی مگن سے اسے سن رہے تھے جبکہ زائر کو اس ماحول سے الجھن سی ہونے لگی تھی۔

روڈ پر آگے تک ہجوم ساتھ، رش ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

زائر گول گول گھومتا راستہ تلاش رہا تھا۔

نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

اب ایک ملنگ اور اسکے ساتھی مرد اور عورتیں زائر کے ارگرد گول دائرے کی شکل میں گھومتے ہوئے رقص کر رہے تھے۔

یا اللہ یہ میں کہاں پھنس گیا، زائر انہیں دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

میری زروا کی حفاظت کرنا، اس کے دل سے وہ دعا نکلی تھی، جو اسکے دل کی آواز تھی۔

ٹرک اب غائب ہو چکا تھا مگر زائر کی کے ارادوں کی مضبوطی اب بھی قائم تھی۔

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

لیکن ہو گیا یار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

زائر نے چونک کر ارد گرد نگاہ دوڑائی تو وہ سب اب بھی رقص میں مصروف تھے۔

نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

ارے نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

نہیں ہونا تھا

لیکن ہو گیا یار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

زائر کو یہ بول اپنے دل کی آواز گے تھے۔

مجھے اس تک پہنچنا ہی ہوگا ورنہ آج واقع ہی بہت دیر ہو جائیگی، اسکے دل و دماغ میں صرف یہی ایک بات گھوم رہی تھی۔

اسی وقت ایک ملنگ نے اسکے گلے میں ایک مردانہ شال ڈالی تھی، زائر جھنجلا گیا تھا۔

سامنے میرے آگ کا دریا

ڈوب کے جانا ہے اس پار

ہو گیا ہے مجھے پیار

ہو گیا ہے مجھے پیار

چپ ہو جائے آپ سب خدا کے واسطے مجھے جانے دیں، وہ پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

ماحول میں سناتا چھایا تھا۔

اسی وقت ایک بزرگ عورت اپنی چڑھی ٹک ٹک کرتی اسکے سامنے آئی تھی۔

آپ؟ زائر اسے پہچان گیا تھا۔

تو تجھے پیار ہو گیا نا اس سے؟

درویش نما عورت نے پوچھا تھا۔

ارے نہیں، پیار تو تجھے اس سے ہی تھا بس تیرے سمجھ آج آئیگا، جب تو اسکے لیے تڑپےگا،
اسکی تکلیف تیرے دل کو بھی دہلائیگی، جان تیری بھی اب ہتھیلی پر آئیگی، جا خانزادے
جا اس سے پہلے کے عشق بار جائے، اور بہت دیر ہو جائے، جا اسے بچالے، اسے اپنی بنا
لے، اپنے دل کی ہر اک بات کہہ دے، جا اسے زندگی کی کی نوید دے دے بچے، اس نے
اپنے اسی پراسرار انداز میں کہتے ہوئے زائر کو راستہ دیکھایا تھا۔

زائر بنا کچھ سوچے دیوانہ وار اسی سمت بھاگا تھا۔

زمانہ دلوں کو نہیں جانتا ہے

زمانے کو یہ دل نہیں مانتا ہے

نہیں ہے کوئی اور فقط عشق ہے وہ

جو عاشق کی نظروں کو پہچانتا ہے

اب وقت فیصلے کا

نزدیک آگیا ہے

کیا فیصلہ کروں میں

دل نے تو یہ کہا ہے

دل دل، دل نے تو یہ

کہا ہے، دل دل دل

جینے کا ہے شوق تو

مرنے کو ہو جائیو

ہو گیا ہے تجھے پیار

ہو گیا ہے تجھے پیار

دور تک بھی یہ آوازیں اس دیوانے کا پیچھا کر رہی تھیں۔

زائر اسی راستے پر دوڑ رہا تھا، جہاں سے وہ ٹرک گزرا تھا۔

وہ چادر ابھی بھی اسکے شانے پر ہی پڑی ہوئی تھی۔

کک کون ہیں آپ؟ زروا خوفزدہ سی بولی تھی۔

یہ ایک اسٹور نما چھوٹا سا کمرہ سا تھا، یہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا، سوائے ایک روشن دان کہ جو کافی اونچائی پر تھا، اس کمرے میں اور کوئی روشنی کا ذریعہ نہ تھا۔

یہ جگہ شہر سے کافی دور بھی تھی جہاں اسے لاکر بند کر دیا گیا تھا۔

زروا سکڑی سمٹی تھی دیوار کے لگ کر بیٹھی تھی جب ایک قدرے مضبوط جسامت والا لمبا
سا آدمی اسکے سامنے آیا تھا۔

کوئی ہے، مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے پلیز مجھے جانے دیں، اب وہ مری مری سی آواز میں
مدد طلب کرنے لگی تھی۔

اے لڑکی زیادہ سوال جواب کرنے کی ضرورت نہیں، چپ چاپ بیٹھ جا، ورنہ وہ حشر کرونگا
کہ کسی کو منہ دیکھانے قابل نہیں رہیگی، وہ خباثت سے کہتا جیسے آیا تھا ویلے ہی واپس
مرگیا تھا۔

یا اللہ یہ میں کہاں پھنس گئی؟ اس نے سہمے ہوئے سے انداز میں یہاں وہاں نگاہ دوڑائی
تھی مگر چاروں طرف صرف اندھیرا ہی تھا۔

میں کیسے یہاں سے نکلوں؟ اللہ کسی کو بھیج دے میری مدد کے لیے، اس نے دل ہی دل میں اللہ سے دعا کی تھی۔

خود پر ضبط کرتے کرتے بھی زروا گھٹنوں میں سر دیے رو دی تھی۔

زروا، زائر اسے دیوانہ وار پکار رہا تھا۔

مگر زروا ہوتی تو سنتی نا۔

زائر ان سب سے آگے نکل کر اب جنگل کی سمت بھاگ رہا تھا۔

ساتھ ساتھ وہ زروا کو بھی آوازیں دے رہا تھا۔

مگر لگتا تھا جیسے وقت ریت کی مانند ہاتھ سے پھسل رہا ہو۔

دوپہر سے شام ہونے کو تھی مگر زائر زروا کو ڈھونڈنے میں ناکام رہا تھا۔

جانے کتنا وقت گزر چکا تھا اسے یہاں بند ہوئے، کہ دروازہ کھلا تھا اور ایک عورت جو کہ کافی صحتمند تھی، اندر آئی تھی۔

زروا کو اس سے خوف محسوس ہوا تھا۔

چل بے چھوری تیرا بلاوا آگیا ہے، وہ زروا کو بالوں سے پکڑ کر اٹھاتی جاہلانہ انداز میں بولی
تمھی۔

آہ، زروا کراہ اٹھی تمھی۔

مگر وہ عورت اسے وحشیانہ طریقے سے کھینچتی آگے بڑھتی جا رہی تمھی۔

مجھے جانیں دیں پلیز، زروا روتی ہوئی اس عورت کی منتیں مر رہی تمھی۔

وہ بہری بنی اسے لیے، اس اسٹور نما کمرے سے نکل راہداریوں سے گزرتی ایک بے حد
صاف ستھرے اور حال نما کمرے میں آئی تمھی۔

یہ کوئی بہت پرانا بنگلہ تھا، جہاں وہ اس وقت قید تمھی۔

زروا سہمی ہوئی سی اس عورت کے ہمراہ کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔

کچھ ہی دیر میں ایک موٹا اور ادھیڑ عمر سا سوئڈ بوئڈ شخص وہاں آیا تو زروا کے خوف میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

سرکاریہ رہی وہ لڑکی، وہ عورت اس آدمی سے بول رہی تھی جو کہ شاید انکا باس تھا۔

اس آدمی نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ اٹے قدموں وہاں سے واپس چلی گئی تھی۔

دل ہی دل میں مختلف قرآنی سورتوں کا ورد کرتی زروا تھر تھر کانپ رہی تھی۔

اب زروا اکیلی ہی وہاں کھڑی تھی جبکہ وہ شخص اپنی لال انگارہ سی بڑی بڑی آنکھیں زروا ہر گڑھائے اسے نہایت غلیظ نظروں سے گھورتا اسکے قریب آیا تھا۔

اس نے زروا کی طرف ہاتھ بڑھانا ہی چاہا تھا کہ زروا بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

بہت خوب، خوبصورتی کے ساتھ نخرہ بھی ہو تو مزہ دو بالا ہو جاتا ہے شکار کا، وہ آدمی خباثت سے بولتا زروا کی طرف بڑھا تھا۔

خا ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ؟ زروا پوری قوت سے چلائی تھی۔

ناجانے کیوں اسے مصیبت میں سب سے پہلے زائر ہی یاد آیا تھا، یہ کیسا رشتہ تھا ان دونوں کا ؟ وہ دور ہو کر بھی اس کے قریب تھا۔

زروا چینیخی تو اس آدمی کا اٹھتا ہوا ہاتھ اپنی جگہ ہی تھم سا گیا تھا۔

کون ہے رے تیرا خان؟ اور کیا کرلیگا وہ؟ یہ بنگلہ جنگل کے بہت قریب ہے لیکن شہر سے کافی دور، کوئی نہیں آنے والا تیری مدد کو، جا چلا اور چلا جتنا مرضی چیلخ لے، کلو دادا کی پوری اجازت ہے تیرے کو، اس نے کمینگی سے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔

میرے خان کو تم جانتے نہیں ہو، اسلیے یہ بکواس کر رہے ہو، مجھے ڈھونڈ لینگے وہ چالے اسکے لیے انہیں زمین آسمان ایک کرنا پڑے زروا غرائی تھی۔

یا اللہ میری عصمت کی حفاظت کرنا، دعا کرنے کے ساتھ ہی زروا ایک سمت بھاگی تھی۔

سامنے جو بھی کمرہ دیکھا وہ سرعت سے اس میں گھس گئی تھی اور اندر سے لاکڈ کر لیا تھا۔

زائر بھاگتا ہوا کافی دور آچکا تھا مگر یہاں دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان تک نا تھا۔

وہ بے دم سا ہوتا زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔

اسے شدت سے آج اپنی کی غلطیاں یاد آرہی تھیں، اپنا ہر وہ سلوک یاد آ رہا تھا جو اس نے زروا کے ساتھ کیا تھا۔

ایک پچھتاوا سا زائر کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔

تو کیا بہت دیر ہو چکی تھی؟ کیا وہ اسے کھوچکا تھا؟ ایک سوچ زائر کے دل و دماغ میں آئی تھی۔

نہیں میرے ہوتے اسے کچھ نہیں ہو سکتا، اس نے اپنی سوچوں کی نفی کی تھی۔

یا اللہ میں نے آج تک تجھ سے کچھ نہیں مانگا، مگر آج میں تیرے در پر سوالی بن کے آیا ہوں، مجھے خالی ہاتھ مت لوٹانا مالک، میری مدد کر اے پاک پروردگار، مجھے میری زرواتک پہنچا دے، زائرِ جنگل کے بیچ و بیچ بیٹھا دونوں ہاتھ بلند کیے آج پوری شدت سے دعا مانگ رہا تھا۔

میں جانتا ہوں میں بہت گنہگار ہوں، اور میں اس قابل نہیں کے تیرے آگے ہاتھ پھیلا سکوں، مگر وہ بہت معصوم ہے مولا، میرے کیے کی سزا اسے مت دے، وہ بہت یقین رکھتی ہے دعاؤں پر، میرا ناسی اس لڑکی کا یقین کامل کر دے آج، کوئی کرشمہ کر دے یارب، سنا ہے تو دلوں کا حال جانتا ہے، اور کسی کی دعا رد نہیں کرتا، آج میری پکار بھی سن لے مالک، وہ پورے دل سے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا تھا۔

وہ کہتے ہیں نا کوئلہ آگ میں تپ کر ہی کندن بنتا ہے، بس ایسا ہی کچھ زائرِ خانِ آفریدی کے ساتھ ہوا تھا۔

وہ اونچا لمبا مرد آج زمین پر بیٹھا تھا۔

زائر خان پوری طرح سے بدل گیا تھا۔

اس کا غرور آج ٹوٹ چکا تھا، وہ سرخ ہوتی آنکھیں لیے، شدت سے دعا میں مصروف تھا۔

تو پھر کیسے وہ پاک پروردگار اسے اپنے کرم سے نوازتا؟ وہ کیسے اسکی پکار رد کردیتا؟

زائر بلیک شلوار قمیض پوری طرح سے گرد آلودہ ہو چکا تھا۔

جبکہ بھورے بال بکھرے ہوئے تھے۔

نیلی سمندر سی آنکھیں جو کہ اب سرخ ہو رہی تھیں، اسکی اندرونی تکلیف کی غمازی تھیں۔

ہلنا مت ورنہ جان سے جاؤ گے۔

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا کہ کسی نے اسکے سر پر گان تانی تھی۔

اس سے پہلے کے زائر سنبھلتا، اس شخص نے پوری قوت سے زائر کے سر پر گن ماری تھی۔

زائر لگے ہی پل حوش و حواس سے بیگانہ ہوا تھا۔

قسمت کا چکر پھر سے گھوما تھا مگر اس بار جیت صرف عشق کا مقدر بنی تھی۔

"کیا خاک کسی میں یہ کمال رکھا ہے"

"پاک عشق نے سب کچھ سنبھال رکھا ہے"

وہ پچھلے 1 گھنٹے سے اس کمرے میں بند تھی۔

جبکہ وہ آدمی جو کہ اس گینگ کا باس تھا، اپنے کسی کام سے باہر چلا گیا تھا، زروا نے خدا کا شکر ادا کیا تھا، کچھ وقت کے لیے ہی سہی پر مصیبت ٹل گئی تھی۔

زروا اب کمرے کے بند دروازے کے ٹیک لگائے بیٹھی یہاں سے نکلنے کا طریقہ سوچ رہی تھی۔

یا اللہ میری مدد فرما، مجھے یہاں سے نکلنے کا راستہ دیکھا دے، زروا زیر لب دعا گو تھی۔

کوئی تو راستہ ہوگا اس جہنم سے نکلنے کا، یہاں وہاں دیکھتے ہوئے اب وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

اسے ایک روشن دان دیکھائی دیا تھا، مگر وہ اونچائی پر تھا۔

یہ تو بہت اوپر ہے، زروا نے اداسی سے سوچا تھا۔

مگر ہے تو کافی بڑا، اگر میں اس تک پہنچ جاؤں، تو کیا پتہ یہاں سے نکل پاؤں؟ زروا سوچتی ہوئی سامنے رکھی میز کی جانب بڑھی تھی۔

میز جو کہ ہلکی ہی تھی مگر زروا نے بہت ہی مشکل سے اسے گھسیٹا تھا، بالآخر دس سے پندرہ منٹس کی محنت کے بعد، وہ اسے روشن دان والی دیوار کے پاس لے آئی تھی۔

مگر اب بھی وہ اس روشن دان تک پہنچنے میں ناکام رہی تھی۔

میں کسی کام کی نہیں، کچھ بھی نہیں کر سکتی میں، زروا تھک کر خود کو ہی برا بھلا کہتی
زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

کیوں رے کون ہے بے تو؟ اور کیا کر رہا تھا جنگل میں؟ بتا پولیس کا آدمی ہے نا تو؟
کلو دادا بری طرح چیتتا ہوا سوال رہا تھا۔

چیئر پر بندھا زائر جو کہ اب حوش میں آچکا تھا لکین اس کا سرا بھی بھی چکرا رہا تھا۔

جبکہ سر پر سے نکلتا خون اس کے چہرے کو رنگ گیا تھا۔

زائر نے سر اٹھا کر سامنے کھڑے آدمی کی طرف دیکھا تھا اور پھر سے سر جھکا گیا تھا۔

بول ناسالے کون ہے تو؟ کلو دادا نے ایک ہاتھ سے زائر کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے اپنا سوال دہرایا تو زائر نے غصے سے اسکا ہاتھ جھٹکا تھا۔

دیکھو میں کوئی پولیس وولیس کا آدمی نہیں ہوں اور نا ہی میری تم سے کوئی دشمنی ہے، اسلیے اچھا ہوگا کہ تم مجھے یہاں سے جانے دو، زائر صلہ جو انداز میں بولا تھا۔

اسے بس کیسے بھی یہاں سے نکل کر زروا کو ڈھونڈنا تھا۔

یہ ایسے نہیں بولیگا، اسے اسپیشل ڈوز کی ضرورت ہے، تو پھر سمجھ گئے نا تم لوگ؟ وہ اب کمینگی سے آنکھ کا کونہ دبائے، اپنے آدمیوں سے مخاطب تھا۔

یا اللہ میری زروا کی حفاظت کرنا، زائر ان سب کے منصوبوں سے بے خبر اب بھی زروا کی سلامتی کے لیے دعاگو تھا۔

آہ، ہنٹر کے وار پر زائر کی سوچوں کا سلسلہ تمام ہوا تھا۔

وہ وار اتنا تیز تھا کہ اگر زائر خان کی جگہ کوئی کمزور آدمی ہوتا تو یقیناً وہ اسکی تاب نالا پاتا، جبکہ زائر وہ وار آرام سے سہ گیا تھا۔

اسے عادت تھی بوکسنگ کے دوران اس سے زیادہ بھاری وار سہنے کی، وہ خود بھی تو بلاشبہ بہترین باکسر تھا۔

اب بھی نہیں بولیگا؟ ایک آدمی جو کہ اس کلو دادا کا ساتھی تھا، زائر کے قریب کھڑا اسے بالوں سے پکڑے سوال کر رہا تھا۔

زائر نے ایک زہر خند نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

دیکھ لڑکے یہ ہیرو جیسے ایکشن مت دکھا چل اب بک بھی دے کون ہے تو؟ کلو دادا نے زائر کے گھٹنے پر پاؤں رکھتے ہوئے زور سے ٹھوکر مار کر اسے تکلیف دینی چاہی تھی، تاکہ وہ سب بتادے۔

زائر کی برداشت ختم ہوئی تھی۔

ہاتھ کھول سالے پھر بتاتا ہوں میں کون ہوں، اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے زائر دھاڑا تھا۔

دیکھ دیکھ شہری ہیرو پھڑپھڑایا، ایک آدمی نے دوسرے کے ہاتھ پر تالی مارتے ہوئے جیسے اسکا مزاق اڑایا تھا۔

اسی وقت ایک آدمی کلو دادا کے پاس آیا تھا، اس نے کلو دادا کے کان میں جانے کیا کہا تھا، وہ زائر کو بھول بھال کر باہر کی جانب دوڑا تھا۔

جبکہ دو آدمی اسکے پھرے کے لیے اب بھی یہیں تھے۔

اوگاڈان جاہل جنگلیوں کے چنگل سے کیسے نکلوں، یہ ناجانے کون لوگ ہیں اور مجھے کیا سمجھ رہے ہیں، زائر نے انہیں باتوں میں مصروف دیکھ دل ہی دل میں سوچا تھا۔

دیکھ لڑکی دروازہ کھول دے ورنہ یہ دروازہ ٹروانا میرے لیے زرا بھی مشکل نہیں مگر میں تجھے ڈھیل دے رہا ہوں مگر تو ہے کہ میرے صبر کا امتحان لیے جا رہی ہے، کلو دادا غصے میں بھرا ایک بار پھر سے درواہ پیٹ رہا تھا۔

جبکہ دوسری جانب موجود زروا پوری جان سے کانپ گئی تھی۔

وہ اس وقت میز پر تکیے اور میاں وہاں سے سامان جمع کر کے بالآخر اس روشن دان تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکی تھی، وقت قریب تھا کہ وہ اس سے نیچے کود بھی جاتی، مگر اب اسے یہ مشکل لگ رہا تھا، کیونکہ وہ شیطان کبھی بھی اندر آسکتا تھا۔

زروا عام حالات میں کبھی ایسا خطرناک کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، مگر اس وقت اپنی عزت بچانے کا ڈر ہر چیز پر حاوی تھا۔

یہ دیوار تو بہت اونچی ہے میں اگر یہاں سے کودی تو ہڈیاں بالکل بھی سلامت نہیں رہیں گی، زروا بڑبڑائی تھی۔

لیکن مجھے ایک بار اس طرف دیکھنا تو چاہیے کیا پتہ کوئی راستہ نکل ہی جائے؟ وہ سوچتی ہوئی روشن دان کی طرف جھکی تھی۔

سامنے ہی اسے کرسی پر کوئی مرد رسیوں میں بندھا دیکھائی دیا تھا۔

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

اولو، یہ باہر کا راستہ نہیں بلکہ تو اسی جہنم کا کوئی قید خانہ ہی ہے، زروا نے اداسی سے سوچا تھا۔

اب کیا کروں؟ وہ سمنائی تھی۔

دیکھ بلبل تو دروازہ نہیں کھول رہی نا میں توڑ رہا ہوں اب دروازے کو، کلو دادا چیختے ہوئے بولا تھا۔

میں اس طرف رسی کے زریطے بھی تو جاسکتی ہوں، سامنے جو آدمی ہے وہ بھی کوئی
مصیبت کا مارا قیدی ہی ہے جسے ان حیوانوں نے بندھی بنا رکھا ہے، کیا پتہ وہ میری کوئی
مدد کر سکے؟ زروا اب کافی دور کی سوچ رہی تھی۔

توڑو دروازہ، کلو دادا اپنے ساتھیوں سے بولا تھا۔

رکے پلیز میں دروازہ کھول رہی ہوں، زروا نے وہیں کھڑے کپکپاتے ہونٹوں سے چلا کر
اسے آواز دی تھی۔

جبکہ دوسری جانب کلو دادا وہیں رک گیا تھا۔

اسے میں زیادہ دیر تک نہیں روک سکتی، یا اللہ رحم فرما، میں اس روشن دان سے نیچے اتر رہی
ہوں، کم سے کم اس عذاب خانے سے نکل سکونگی، زروا نے کمرے میں موجود چادر اور اپنے
دوپٹے کو رسی کی شکل دی تھی اور اسے دوسری جانب پھینکا تھا۔

یہ ایسے تو تجھے یہاں سے نکلنے نہیں دینگے زید۔ کے، کچھ سوچ، تجھے ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہی ہے، زائر نے یہاں وہاں دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

اچانک ہی اسکے دماغ میں ایک ترکیب آئی تھی، جس پر اس نے عمل بھی کر ڈالا تھا۔

ہے یو سنو، اس نے ایک آدمی کو آواز دی تھی، جو اسکا پہرہ دے رہا تھا، جبکہ اسکا ساتھی ابھی ابھی ہی باہر گیا تھا۔

کیا ہے بے؟ وہ اپنے اسی جاہلانہ انداز میں پوچھا زائر کے پاس آیا تھا۔

میں سی۔آئی۔ڈی میں ہوں، میں مان رہا ہوں، تم چاہو تو میرا آئی۔ڈی کارڈ نکال کر دیکھ
سکتے ہو، میں تمہارے پاس کے سامنے جا کر سچ بتانے کو تیار ہوں، زائر چہرے پر تمام
جہان کی معصومیت سجائے بولا تھا۔

اے یہ تو بڑے پولیسے ہوتے ہیں نا؟ اب وہ اپنے اسی جاہلانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

زائر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اب میں تجھے پاس کے پاس لے کر جاؤنگا، اور ان سے انعام وصول کروں گا، وہ آدمی خوشی سے بولا
تھا۔

ہاں مگر اس کے لیے تمہیں میرا آئی۔ڈی کارڈ بھی تو دیکھنا ہوگا، اور وہ میری سائیڈ پاکٹ میں
ہے، تم مجھے کھولو میں ابھی دیتا ہوں تمہیں، زائر نے اسے باتوں سے ہی گھما دیا تھا، وہ
خوشی سے اسے کھولنے لگا تھا۔

زائر اپنی چال کامیاب ہونے پر شاطرانہ انداز میں مسکریا تھا۔

بے شک جاہل کو آرام سے دماغ سے ہرایا جاسکتا ہے۔

زائر خان نے بھی یہی کیا تھا۔

جیسے ہی زائر کے ہاتھ کھلے وہ اگلے ہی پل چیئر کو ٹھوکر مارتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

یہ یہ کک کیا کر رہا ہے تن تن تو، وہ آدمی گھبرا کر پیچھے ہٹا تھا۔

بے وقوف انسان، مجھے کھول کر تم نے خود اپنی موت کو دعوت دی ہے، زائر غصے میں

اسکی جانب بڑھا تھا۔

وہ آدمی بھی گن لیے زائر کی جانب آیا تھا۔

زائر نے اچانک اسکے ہاتھ سے گن لے کر اسکے سر پر ماری تو بے سدھ ہوتا وہیں ڈھے گیا تھا۔

اسکے بے حوش ہونے کے بعد زائر نے یہاں وہاں دیکھا تھا۔

آہ، نسوانی آواز پر وہ پلٹا تھا۔

"میں بھٹکتا رہا جینے کی آس میں دربر جانان"

"جبکہ زندگی مجھ سے چند قدم کی دوری پر تھی"

وہ چادر کو رسی کی شکل دیے روشن دان سے اترنے کی کوشش کرتی وہ لڑکی بلاشبہ زروا ہی تھی۔

زروا، زائر اسے پکارتا دیوانہ وار اسکی جانب بڑھا تھا۔

زروا نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور رسی اسکے ہاتھ سے چھوٹی تھی۔

آہا، زائر نے پلک چھپک میں اسے باہنوں میں تھاما تھا۔

زائر اور یہاں؟ اسے یقین نا آیا تھا۔

وہ مارے خوف کے اب بھی آنکھیں موندے ہوئے تھی۔

جبکہ زائر حیرت زدہ سا اسے دیکھ رہا تھا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا، دعائیں یوں بھی قبول ہوتی ہیں۔

آنکھیں کھولو زندگی، تم بالکل سہی سلامت ہو، زائر کی آواز پر زروا نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولی تھیں۔

وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔

خان آااپ، زروا آہستگی سے بولی تھی۔

زروا کو لگا تھا جیسے وہ کڑی دھوپ سے ایک دم ٹھنڈی چھاؤں میں آگئی ہو۔

زائر نے اسے آرام سے نیچے اتلدا تھا۔

تم ٹھیک ہو؟ وہ فکر مندی سے زروا سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

زائر کو لگا تھا جیسے وہ موت کو بہت قریب سے دیکھ آیا ہو، کیونکہ زروا سے دوری اسکے لیے موت کے برابر ہی تھی۔

خان یہ یہ لل لوگ بہت خطرناک ہیں، یہ مجھے، زروا زائر کے اقدام نے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

شش، میں ہوں نا تمہارے ساتھ، اب کچھ برا نہیں ہوگا، زائر نے کہتے ہوئے اسے زور سے بھیج کر ہوئے خود سے لگالیا تھا۔

زروا ساکت سی رہ گئی تھی۔

تم جانتی ہو، میں کتنا پریشان ہو گیا تھا، زندگی میں پہلی بار میں اتنا ڈرا ہوں، تمہیں کھونے کا ڈر آج زائر خان کی ہستی ہلا گیا، میں پل پل جس اذیت سے گزرا ہوں، میں تمہیں بتا نہیں سکتا، وہ اسے خود سے لگائے ایک جذب سے بول رہا تھا۔

زروا حیران سی اسے سن رہی تھی۔

آج میں اقرار کرتا ہوں، تم زائر خان کے دل میں بستی ہو، وہ اسے خود سے الگ کرتا اب اسکے دونوں ہاتھ تھامے اسکی طرف دیکھتا جذبات سے چور لہجے میں بول رہا تھا۔

دوسری طرف اسکا ایک ایک لفظ آج زروا کے دل پر لگ رہا تھا، وہ سب بھولی تھی، یاد تھا تو صرف یہ کہ اسکا محبوب شوہر اور اسکا مسیحا، اسکے سامنے تھا۔

اسے آج زائر خان آفریدی کا ہر لفظ سچائی میں ڈوبا نظر آ رہا تھا۔

تم سہی تھی میں نفرت میں ڈوب کر دب کچھ برباد کر چکا، جانتی ہو میں انا میں ڈوبا شخص
تمہارے آگے بہت پہلے ہی ہار چکا تھا، مگر مجھے اپنی شکست منظور نا تھا۔

بس اسی لیے میں تم سے جان بوجھ کر دور رہتا تھا، کہیں میری نفرت کے آگے میرا
عشق میرا جنون مجھ پر حاوی ہو گیا تو؟ یہی چیز مجھے بے سکون کیے ہوئے تھی۔

میں خود سے لڑتے لڑتے تھک چکا ہوں زروا، ایک بار بس ایک بار تم سے معافی مانگنا چاہتا
ہوں، زائر اپنے اسی مخصوص لہجے میں بولا تھا۔

زروا خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

میں نہیں جانتا کے مجھے تم سے محبت کب ہوئی؟

شاید تب جب میں نے تمہیں یونیورسٹی میں مصیبت میں دیکھا تھا، یا شاید تب جب تم اس رات مجھے چیمڑ کرنے گراؤنڈ میں آئی تھی۔

یا شاید اس رات جب میں نے تمہیں بے عزت کر کے روم سے نکالا تھا؟ تمہارے آنسو، تمہاری وہ شکوہ بھری نگاہیں مجھے اندر ہی اندر گھاٹل کر گئی تھیں زروا، وہ بول کر رکا تھا۔

زروا کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔

تم جانتی ہو؟ کینیڈا میں اس رات جب میں نے تمہیں ان گنڈوں سے بچایا تھا، تب میں نے تمہیں نہیں بلکہ اپنے آپکو بچایا تھا زروا، تمہیں کچھ ہو جاتا تو زائر خان بھی جی ناپاتا، اسکے بعد پاکستان آکر جب تمہیں میں نے ضریر کے ساتھ بات کرتے دیکھا میں پھر سے بدظن ہو گیا، میری یہی غلط فہمی میرا سب سے سب بڑا قصور بن گئی، میں نے کبھی اس غلط فہمی

سے نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی، یہی بات میرے لیے میرے سب سے عظیم نقصان کا سبب بن گئی۔

میں اپنی پارٹنر سے دور ہو گیا۔

مگر ڈنر والی رات تم نے جب وہ سوال کیا تب مجھے پھر سے تم میری پارٹنر لگی تھیں۔

میں ناچاہتے ہوئے بھی تمہارے بارے میں سوچنے لگا تھا، زائر بول رہا تھا اور زروا بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

یہ کیسا انکشاف کر رہا تھا وہ؟ زائر خان اور زروا خان سے محبت؟ کیا واقعہ ہی وہ مغرور شخص بدل گیا تھا؟ زروا نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

کچھ پل کی خاموشی کے بعد زائر پھر سے بولا تھا۔

اس رات جب میں نے تم سے پوچھ گوچھ کی اور تم نے مجھے جب وہ سب بتایا، مجھے تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ سچائی نظر آئی تھی، تم رو رہی تھیں اور زائر خان ہار رہا تھا۔

مگر میں خود پر قابو پا کر ایک بار پھر سے اپنے خول میں سمٹ گیا تھا۔

لیکن اگلے دن تم مجھے چھوڑ کر "خان پیلیس" چلی گئیں، میں گھر آیا اور تم مجھے کہیں دیکھائی نادی تب مجھے پہلی بار عشق کی مار پڑی تھی۔

مجھے لگا تم مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئیں، یہ بات مجھے اندر تک توڑ گئی تھی۔

مجھے لگا جیسے سب ختم ہو گیا، اس پل زائر کے چہرے پر تکلیف کے سے آثار تھے۔

زروا کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

ہاں زروا، مجھے تب احساس ہوا کہ تم میرے لیے کتنی ضروری ہو چکی ہو، تمہیں کھو کر میں جی نہیں سکونگا۔

اس دن میرا غرور میری انا دم توڑ گئی تھی، میں تم سے معافی مانگنا چاہتا تھا مگر میرا قصور ایسا تھا کہ میں یہ ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

مگر پھر بھی میں نے ایک کوشش کی میں "خان پیلیس" آیا تھا، تم سے معافی مانگنے، مگر نتیجہ وہی تھا جو ہونا چاہیے تھا۔

خیر میں واپس آگیا، مگر اس پارٹی کی رات جب مجھے لگنے والی گولی ضرور کو لگ گئی، اور میں نے اپنے جگر کو شاید کھودیا تھا اس رات مجھے پتہ چلا تھا تڑپ کے کہتے ہیں، وہ ایک سانس میں بولتا کچھ پل رکا تھا۔

ابھی نہیں تو کبھی نہی، یہ سوچ زائر کو پھر سے بولے ہر اکسار ہی تھی، اور پھر وہ رکا نہیں
تھا۔

اس رات میں موت کو بہت قریب سے دیکھ آیا تھا، اور یقین مانو مجھے موت سے بالکل ڈر
نہیں لگتا، بے شک یہ برحق ہے، نا ہی اس وقت لگا تھا۔

مجھے خوف اس بات کا تھا کہ میں تم سے اپنے عشق کا اظہار کیے بنا ہی اس دنیا سے
چلا جاتا، تو یہ پچھتاوا میرے ساتھ میری قبر، اسکی بات زروا نے اسکے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر
کاٹ دی تھی۔

ششش، بس کیجئے، اب اور کچھ نہیں کہیں گے آپ، زروا اسکی ادھوری بات کا مطلب
سمجھ کر تڑپ ہی تو گئی تھی۔

وہ لاکھ اس سے بے رخی برت لیتی مگر وہ اپنے دل میں موجود محبت سے منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔

زرا بے بسی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔

زائر اسے دیکھ رہا تھا، جبکہ زرا کشمکش کا شکار تھی۔

تم جانتی ہو آج جب میں نے تمہیں اس ٹرک میں دیکھا، مجھے لگا میں تمہیں ہمیشہ کے لیے کھوپکا ہوں، اور یہ سوچ مجھے پاگل کر رہی تھی۔

میں پاگلوں کی طرح تمہیں ہرجگہ ڈھونڈ چکا تھا، مگر تم کہیں نا تھی، میں شاید ہار چکا تھا، مگر پھر جانتی ہو، میں نے تمہیں اس سے مانگا، اور بس پھر سب آسان ہو گیا اس نے مجھے تم سے ملا دیا، زائر اب خاموش ہو چکا تھا۔

زروا جو دم سادھے اسے سن رہی تھی نے بولے کے لیے لب واہ کیے ہی تھے کے شور کی
آواز پر اسکے لفظ وہیں دم توڑ گئے تھے۔

شش، آواز مت نکالنا، زائر نے زروا کے گرد حصار باندھا تھا تو زروا کو اپنی آگورڈ حالت کا
احساس ہوا تھا، جبکہ زائر اسے لیے آگے بڑھا تھا۔

رکو، میں باہر دیکھتا ہوں، زائر نے اسے دروازے کے قریب کھڑی کرتے ہوئے خود باہر
جھانک کر دیکھا تھا۔

چلو پارٹنر، باہر کوئی نہیں ہے، وہ لوگ شاید تمہیں ڈھونڈتے یہیں آرہے ہیں، ہمارے
پاس وقت بہت کم ہے، زائر نے کہتے ہوئے ہاتھ زروا کی جانب بڑھایا تھا۔

زروا نے فوراً اسکے ہاتھ میں اپنا نازک مرمری ہاتھ تھما دیا تھا۔

ایک منٹ، زائر نے رک کر کہا تو زروا نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

اگلے ہی پل زائر نے اپنی شال اچھے سے اسے اوڑھادی تھی۔

اب ٹھیک ہے، زائر ہلکا سا مسکرایا تھا۔

اتنے مشکل وقت میں بھی اسے اپنی عزت کی عزت کا خیال تھا، واقع ہی وہ شخص اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

زروا محض سوچ کر رہ گئی تھی۔

"میرا کمال، میرا ہنر پوچھتے ہیں لوگ"

"اک باکمال شخص میری دسترس میں ہے"

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔

جیسے ہی وہ طویل راہداری ختم ہوئی کہ اچانک سامنے سے دو آدمی آتے دیکھائی دیے تھے۔

زائر نے زروا کو خود سے لگاتے ہوئے ایک طرف کیا تھا۔

اب وہ دونوں دیوار کے لگ کے کھڑے تھے۔

زروا تمہرے کانپ رہی تھی، جبکہ زائر کے چہرے پر ڈر کا شائبہ تک نہ تھا۔

زرّوا پلیر ریلیکس، کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں نا؟ زائر نے اسکے کان میں سرگوشی کی تو زرّوا نے آنکھیں کھولی تھیں۔

زائر نے اسکا ہاتھ پکڑ کر آہستہ دبایا تھا جیسے اسے اپنے ہونے کا یقین دلایا ہو۔

زرّوا پرسکون سی ہو گئی تھی۔

وہ دیکھو وہ رہا راستہ، زائر نے سامنے اشارہ کیا تھا۔

مگر آپکو کیسے پتہ؟؟؟ زرّوا اب کافی حد تک خود کو کمپوز کر چکی تھی، اسی لیے اس سے سوال کر رہی تھی۔

میں نے ان ہی کے دو ساتھیوں کو پچھلے راستے کے بارے میں بات کرتے سنا تھا، بس اسی اندازے سے میں اس طرف لے آیا تمہیں۔

اب یہ لوگ ہمیں ہر جگہ ڈھونڈیں گے، مگر اس طرف کسی کا دھیان نہیں جائیگا، اور جب تک انہیں یہاں کا خیال آئیگا ہم کافی دور نکل چکے ہونگے، زائر بولتا ہوا آس پاس نگاہ دوڑا رہا تھا۔

اردگر کوئی نا تھا۔

رات کے کوئی 10 بجے زائر اسے لیے راہداریوں سے گزرتا بالاخر اس مبھول بھلیا جیسے کوٹھی سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

مگر مشکلات ابھی بھی ختم نا ہوئی تھیں، امتحان اب بھی باقی تھی۔

وہ کہتے ہیں نا؟

"راہِ عشق دشوار بہت ہے"

واٹ؟ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ تم نے انکا نمبر ٹرائی کیا؟ عانیہ صائم سے پوچھ رہی تھی، جو کہ ابھی ابھی یہاں آیا تھا۔

ہاں یار میں سب کچھ پتہ کرچکا، ہر جگہ پتہ کرچکا، گھر بھی گیا تھا، مگر لالہ اور زروا کا کوئی اتہ پتہ نہیں، ڈرائور کا کہنا ہے کہ زروا درگاہ گئی تھی اسکے ساتھ مگر کافی دیر بعد بھی جب وہ باہر نا آئی تب اس نے لالہ کے نمبر پر کال ملائی مگر وہ بھی آف جا رہا تھا تب اس نے مجھے یہ سب بتایا ہے، یہاں سے وہاں ٹھہرتا صائم کافی پریشان تھا۔

اب کیا ہوگا صائم؟ ہم کیسے انکا پتہ لگائینگے؟ عانیہ بھی فکر مند ہو گئی تھی۔

آئی ہوپ وہ دونوں جہاں بھی ہوں، خیریت سے ہوں، صائم پر امید سے بولا تھا۔

کیا مطلب؟ کہاں ہیں؟ وہ دونوں؟ مشعل جو کہ صائم کے آنے کا سن کر ابھی لاؤنج میں آئی تھی صائم کی آخری بات پر چونک گئی تھی۔

جواباً عانیہ نے اسے سب کچھ بتادیا تھا۔

ساری بات سن کر مشعل بھی پریشان ہو گئی تھی۔

زائر اور زروا بنگلے سے نکل کر اب سڑک پر گئے تھے۔

ہم کیسے گھر پہنچیں گے؟ زروا نے پوچھا تھا۔

میرا موبائل اور باقی سامان انہوں نے نکال لیا ہے، ورنہ میں کسی کو کال کر دیتا، مگر اب ہمیں خود ہی کچھ نا کچھ کر کے یہاں سے نکلنا ہوگا، زائر نے تفصیلی جواب دیا تو زروا اسکے ساتھ چل پڑی تھی۔

ابھی وہ دونوں کچھ ہی دور آئے تھے کہ انہیں اردگرد شور محسوس ہوا تھا۔

اوگاڈ، لگتا ہے وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے ہیں، زائر نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

زروا نے بھی پیچھے دیکھا تھا۔

زروا چلو، زائر نے تیز آواز میں کہا تھا۔

خان اب کیا ہوگا، کیا ہم پھر سے پھنس جائیں گے؟ زروا نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا تھا۔

کچھ نہیں ہوگا، میں اتنا کمزور ہرگز بھی نہیں کہ تمہاری حفاظت نہ کر سکوں، زائر اسکا ہاتھ مضبوطی سے تھامے اسے کے ساتھ اب جنگل کی طرف آگیا تھا۔

خان یہ تو بہت گھنا ہے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، زروا تقریباً کانپ رہی تھی۔

ہر جگہ دیکھو جنگل کا چپا چپا چھان مارو، بچے نہیں چاہیے وہ دونوں، یہ آواز کافی قریب سے آئی تھی۔

خان، زروا ڈر کے زائر کے سینے سے جا لگی تھی۔

زروا کے اس اقدام پر زائر کا دل سرکش ہوئے جا رہا تھا، جذبات میں جیسے ہل چل سی مچ گئی تھی، اور پھر اس نے بھرپور استحقاق سے زروا کے گرد حصار باندھا تھا۔

میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں یہاں سے سہی سلامت نکال کر لے جاؤں گا میری جان، مجھ پر بھروسہ رکھو، زائر نے اسکی پشت سہلاتے ہوئے کہا تو زروا نے محض اثبات میں سر ہلایا تھا مگر اس سے دور نہیں ہوئی تھی۔

"چل اک خوب صورت گناہ کر لیں"

"ساتھ دوپل کا سہی عشق بے پناہ کر لیں"

زائر اسے شانے سے لگائے جنگل میں آگیا تھا۔

رات کا وقت، گھنا سنسان جنگل، زروا کا دل مارے خوف کے بند ہونے کو تھا۔

وہ آنکھ بند کیے آیت الکرسی کے ورد میں مصروف تھی۔

زائر نے ایک نظر اسکے خوبصورت مگر خوف سے سفید پڑتے چہرے پر ڈالی تھی۔

زروا کچھ نہیں ہوگا یا رٹسٹ می، مجھے یہ راستہ یاد ہے، زائر نے چلتے چلتے اسکے کان میں سرگوشی کی تو زروا نے آنکھ کھولی تھی۔

اسے فورن اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تھا، اور وہ سرعت سے زائر کے حصار سے نکلی تھی۔

ایسی سچویشن میں بھی زائر کے لبوں پر مسکراہٹ رہنگ گئی تھی۔

"مدتوں بعد جو میرا ورد کیا تیری سانسوں نے"

"مدتوں بعد میں اس پکار پہ مسکرایا ہوں"

وہ اب جنگل کے بیچ و بیچ کھڑے تھے۔

اب وہ خاموشی سے چل رہے تھے۔

زائر زروا سے کچھ فاصلے پر چل رہا تھا۔

زروا نے ترچھی نگاہ سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

نیوی بلو شلوار قمیض جو کہ اب دھول مٹی میں اٹا ہوا تھا، اور بکھرے ہوئے بال میں الجھے
الجھے سے حلیے میں بھی اپنے دراز قد اور لمبی چوڑی جسامت سمیت وہ بے حد خوب رو لگ رہا
تھا۔

زروا کی نظر اسکے چہرے پر جم سی گئی تھیں۔

اچانک ہی اسے احساس ہوا تھا کہ زائر کو شاید کہیں چوٹ لگی تھی کیونکہ اسکی پیشانی پر
خون کے نشانات تھے۔

زروا کا دل بے اختیار ہی اسکے زخم کا مرہم کرنے کو چاہا تھا، اسے چوٹ لگی ہے یہ خیال
ہی زروا کو تکلیف میں مبتلا کر گیا تھا، مگر وہ زائر سے چاہ کر بھی کہہ نہیں پائی تھی۔

"تمہارے ذوقِ سماعت کو سونپ دوں الفاظ"

"تمہارے ساتھ رہوں حرفِ آخری بن کر"

جبکہ دوسری جانب، خود پر اسکی نظریں محسوس کر کے زائر نے اسکی جانب دیکھا تو زروا جھینپ گئی تھی۔

اسی وقت گولیوں کی آواز پر زائر الرٹ ہوا تھا۔

زروا بیٹھ جاؤ، اس نے خود جھکتے ہوئے زرو کو بھی تھام کر نیچے بٹھادیا تھا۔

زروا حیران سی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

کیا یہ وہی شخص تھا جو اس سے نفرت کا اظہار کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا تھا؟ زروا سوچوں میں غلطیاں تھیں۔

اسی وقت قدموں کی چاپ کے ساتھ مختلف آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔

خان یہ یہ شور کیسا ہے، لال لگتا ہے وہ آگے ہیں، زروا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا تو زائر نے آس پاس نگاہ دوڑائی تھی۔

وہ ایک درخت کے قریب بیٹھے تھے۔

زروا کا کہا سہی تھا، واقع ہی بہت سے بھاری قدموں کی آواز بے حد قریب سے آرہی تھی۔

زروا ڈری ہوئی سی بیٹھی تھی جبکہ زائر اب ہر صورتحال کے لیے تیار تھا، اسے ہر حال میں زروا کو لے کر یہ جنگل پار کرنا ہی تھا۔

رات کے اندھیرے میں ہی وہ ان کی پہنچ سے نکل جانا چاہتا تھا۔

ایسا نا تھا کہ وہ ڈر گیا تھا، اسے صرف زروا کی فکر تھی، وہ نہیں چاہتا تھا، کہ زروا کسی مصیبت میں پھنسے، بس اسی لیے وہ اس جنگل کے راستے پر آیا تھا۔

یہاں سے شہر کافی قریب ہی پڑتا تھا۔

اچانک ہی زائر نے زروا کو کھینچ کر خود سے لگایا تھا۔

ششش، پلیر زروا آواز مت نکالنا، وہ دیکھو سامنے ہی وہ لوگ کھڑے ہیں، مگر یہاں کافی اندھیرا ہے بس شاید اس لیے وہ ہمیں نہیں دیکھ پائے، اس نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو زروا نے ڈر کے اسکے سینے میں ہی منہ چھپالیا تھا۔

افف، آج تیرا امتحان ہے زید۔ کے، زائر نے سوچتے ہوئے قریب سے ایک پتھر اٹھا کر ایک جانب اچھالا تھا۔

تاکہ ان گنڈوں کا دھیان بٹ سکے، اور ہوا بھی ایسا ہی تھا۔

پتھر گرنے کی آواز پر وہ سب اسی سمت بھاگے تھے۔

آواز وہاں سے آئی ہے، ادھر دیکھو، اور دیکھتے ہی گولی مار دینا لڑکے کو، دادا کا شکار لے کر بھاگا ہے سالہ، اسکی میھی سزا ہے، ہاں مگر اس چھمک چھلو کو کچھ نہیں ہونا چاہیے، ایک آدمی سفاکیت سے بول رہا تھا۔

جبکہ زروا کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

مگر زائر کو جیسے کوئی فرق نا پڑا تھا۔

وہ لوگ دوسری جانب جا چکے ہیں، زائر نے سناٹے سے اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

زررا کچھ نا بولی تھی۔

چلو زررا زائر نے بولے کے ساتھ ہی اسکا ہاتھ تھاما تھا۔

انکے کسی رشتے دار بزرگ کا انتقال ہو گیا تھا، شہروز خان اور سماہر بیگم وہاں گئے ہوئے تھے۔

انکی واپسی کل شام تک ہونی تھی۔

گھر میں مشعال ضریرز اور عانیہ ہی تھے۔

جبکہ رات سے اب صائم بھی وہیں تھا۔

رات کے 3 بج رہے تھے۔

مگر نیند انکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ پریشانی سے لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔

صائم ہر وہ جگہ چھان چکا تھا جہاں زائر اور زروا کی موجودگی کے آثار تھے، مگر کوئی فائدہ نا ہوا تھا۔

وہ تھک کر آخر کار اپنے دوست کے بھائی سے جو کہ پولیس میں تھا، مدد کے لیے بول کر
بس ابھی گھر آیا تھا۔

اس نے زائر اور زروا کو ڈھونڈنے کی حامی بھر لی تھی۔

اب انہیں اسکے فون کا انتظار تھا۔

رات لمحہ لمحہ سرک رہی تھی، اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

صائم، عانیہ، پلینز کچھ کھالو تم دونوں نے کھانا تک نہیں کھایا، مشعال ایک ٹرے میں
چائے کے دو گلاسٹ اور شامی کباب لے کر آئی تھی۔

یار مجھے بھوک نہیں مٹی، ہاں مگر اسے کھلاؤ، اس نے کچھ نہیں کھایا، صائم خود انکار

کرنے کے ساتھ عانیہ کے لیے بھی فکر مند سا ہوا تھا۔

عانیہ بھی متوجہ ہوئی تھی۔

ناٹک کرنے کی ضرورت نہیں میرے پیارے بھائی، آج نہیں لے ہم، بچپن سے جانتی ہوں تمہیں، زائر پریشان ہو اور تم کھانا کھا لو امپاسبل، تو آج تو پھر وہ غائب ہے، مگر تم ایسے بھوکے رہو گے تو اسے کیسے ڈھونڈو گے، اسلیے شاباش جلدی سے یہ کھاؤ، مشعال ٹرے میز پر رکھتی ہوئی بڑی بہنوں کے سے انداز میں بولی تھی۔

یار پلیز ضد مت کرو، صائم لاچار سا بولا تھا۔

عانیہ چلو آؤ تم بھی، مشعال صائم کا انکار سرے سے نظر انداز کر گئی تھی۔

مگر زائر لالہ اور زروا ناجانے کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ مجھ سے نہیں کھایا جائیگا، عانیہ روہائے انداز میں بولی تھی۔

کیا مطلب؟ کہاں ہے وہ دونوں؟ ضریرز جو کہ ناجانے کب وہاں آیا تھا، عانیہ کی آخری بات پر پریشان سا ہوا اٹھا تھا۔

صائم اور عانیہ بھی اسے وہاں دیکھ پریشان سے ہو گئے تھے۔

ارے تم یہاں کیوں آئے ضریرز پلیرز روم میں جاؤ، تم ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے، چلنا ٹھیک نہیں تمہاری صحت کے لیے، مشعال اسکی جانب بڑھتی ہوئی پیار بھری فکر سے بولی تھی۔

میں ٹھیک ہوں مشعال، پلیرز بتاؤ؟ کہاں ہے جگر؟ کیا ہوا اسے؟ اور زروا؟ کیا وہ بھی اسکے ساتھ ہے؟ ضریرز کافی تیز آواز میں بولا تھا۔

اسی وقت صائم اٹھ کر اسکے قریب آیا تھا۔

لالہ پلیز وہاں بیٹھے میں آپکو سب بتاتا ہوں، صائم نے کہا تو ضروریز اسکے ساتھ چلتا صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

صائم نے اسے مختصر لفظوں میں سب بتادیا تھا۔

جسے سن کر ضروریز کے دل پر بوجھ سا آگرا تھا۔

ایک تو پہلے ہی میری وجہ سے ان کے بیچ اتنی دوریاں آگئیں تھیں اور اب یہ سب؟ وہ حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔

مجھے چاہیے جو کرنا پڑے میں کرونگا، مگر کل کا سورج غروب ہونے سے پہلے اپنے جگر جو واپس لاؤنگا، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

موبائل دو اپنا، ضرور صائم سے بولا تھا۔

صائم نے بنا کسی تردد اسے موبائل دے دیا تھا۔

کیا کر رہے ہو تم یہ؟ مشعال نے اسے نمبر ڈائل کرتے دیکھ پوچھا تھا۔

جو کرنا چاہیے، وہ مبہم سا بولا تھا۔

عانیہ مشعال اور صائم پریشان سے ہو گئے تھے۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔

وہ کافی دور آگئے تھے۔

خان بس، مجھ سے اب اور نہیں چلا جائیگا، زروا ایک پستھر پر بیٹھ کر تقریباً ہانپتے ہوئے بولی تھی۔

زائر بھی تھک کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔

زروا بس کچھ دور کی بات ہے، جنگل ختم ہونے والا ہے، پلیزیوں ہمت مت ہارو، ہم بس پہنچنے والے ہیں، زائر نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

زروا ناچاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اسی وقت کسی نے ان دونوں پر رائفلیں تانی تھیں۔

تم دونوں اب ہمارے قبضے میں ہو، اسلیے زرا سا بھی ہلنے کی کوشش مت کرنا ورنہ جان سے جاؤ گے، گرجدار آواز پر زروا اچھل ہی گئی تھی۔

جبکہ زائر بھی پریشان ہوا تھا۔

دیکھو تم اسے کچھ مت کہنا، تمہاری دشمنی مجھ سے ہے نا، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، اسے جانے دو، زائر نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا تھا۔

نن نہیں خان، میں تمہارے بنا کہیں نہیں جاؤنگی، زروا نے قطعیت سے سر ہلایا تھا۔

ہاہاہا، دیکھو رے دیکھو، لیلیٰ مجنوں والا سین چالو ہے ادھر تو، ایک آدمی جاہلانہ لہجے میں بوٹے ہوئے بھونڈے سے انداز میں ہنسا تھا۔

اٹھالو سالی کو، اور بھون ڈالو اس کمینے کو، ایک آدمی بولا تو دوسرا زروا کی جانب بڑھا تھا۔

زائر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور اسکی برداشت ختم ہوئی تھی۔

اس نے ایک کک سامنے کھڑے شخص کے سینے پر ماری تھی، وہ لڑکھڑا کر دور جاگرا تھا۔

اب وہ پھرتی سے دوسرے کی جانب بڑھا تھا، وہ اندھا دھند انہیں مار رہا تھا۔

زروا ششدر سی کھڑی تھی۔

زرّو بھاگو، زائر انہیں مارتا ہوا چلایا تھا۔

نہیں خان میں نہیں جاؤنگی، زرّو اُس سے مس ہونے کو تیار نا تھی۔

زرّو آئی سیڈرن، زائر دھاڑ کے بولا تھا۔

زرّو نے نفی میں سر بلایا تھا۔

زرّو تمہیں میری قسم جاؤ یہاں سے، یہاں سے کچھ دور ہی منزل ہے جہاں سے اس مصیبت کا آغاز ہوا تھا، سمجھ رہی ہو نا تم؟ وہ چلا کر جانے اسے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔

مگر زرّو کو صرف اسکی قسم یاد تھی وہ دل پر پتھر رکھ کر زائر کو وہیں چھوڑتی ایک سمت بھاگی تھی۔

زروا نے مرکز ڈبباتی نظروں سے زائر کو دیکھا تھا۔

زروا جاؤ، زائر چینخا تو زروا اثبات میں سرہلاتی وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔

زائر نے ان سب کو اس قدر بری طرح پیٹا تھا کہ وہ سب بے سدھ سے ایک سائیڈ گرے ہوئے تھے۔

اسے اب زروا کی فکر ستائے جارہی تھی۔

آئی ہوپ وہ میری ہنٹ سمجھ گئی ہو اور درگاہ تک پہنچ جائے۔

زائر سوچتا ہوا ایک جانب بڑھا تھا۔

وہ جنگل سے نکلتا شہر والی سڑک پر آگیا تھا۔

زروا اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی۔

اسکے کپڑے مٹی میں بھرچکے تھے جبکہ بال بکھرے ہوئے تھے اور شال شانے سے ڈھل رہی تھی۔

اسکے پاؤں میں بھی بھاگنے کی وجہ سے جانچاں چوٹیں آگئیں تھیں۔

مگر وہ تکلیف سے نظریں چرائے بس چلتی جارہی تھی۔

یا اللہ میرے خان کی حفاظت کرنا، زروا نے دل سے دعا کی تھی۔

اسی وقت اچانک ہی اسکا پاؤں مڑا تو وہ لڑکھڑا کر زمین پر گری تھی۔

زروا نے سہاٹھایا تو سامنے کچھ ہی قدم کی دوری پر وہی درگاہ تھی جہاں وہ دوپہر میں آئی تھی۔

زروا ہمت کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور درگاہ کی جانب بڑھی تھی۔

یہ کیا کر رہے ہو تم؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا کہیں؟

ضوریز کو دراز کھولے دیکھ مشعال چلائی تھی۔

میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے، اور جو میں کر رہا ہوں وہ میرا فرض ہے، ضوریز دراز کھلا چھوڑ، شرٹ کے بٹن بند کرتا سنجیدگی سے بولا تھا۔

فرض کے لگتے، تم خود انہیں ڈھونڈنے جا رہے ہو، جبکہ تمہاری طبیعت بھی ابھی پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہوئی، تو پھر یہ کہاں کی سمجھ داری ہوئی؟ تمہیں ریسٹ کی ضرورت ہے، وہ فکر مندی سے بولتی ریوالور میں گولی ڈالے ضوریز کے قریب آئی تھی۔

جو کے اب بلیک جینس اور بلو شرٹ میں اپنی ڈیشنگ پرسنالٹی کے ساتھ بالکل ریڈی تھا۔

مشعال مجھے ہرگز بھی تم سے اس بزدلی کی امید نا تھی، مجھے تو تم بہت بہادر لگتی تھی، مگر
آج تم مجھے میرے فرض سے روک رہی ہو، ضوریز مشعال کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تو
مشعال تنذیب کا شکار ہوئی تھی۔

میں بزدل نہیں ہوں ضوریز اور نا تمہیں تمہارے فرض سے روک رہی ہوں، مجھے بس تمہاری
فکر ہے، وہ آنکھیں جھکائے آہستہ آہستہ بولتی ضوریز کو بے حد پیاری لگی تھی۔

میں اتنا بھی کمزور نہیں کہ اپنے یار کی مدد کو نا جاسکوں، میرے بازوؤں میں ابھی اتنا دم
ہے کہ میں ایسی کئی مشکلات سے اکیلا نپٹ سکتا ہوں مشعال، پلیز مجھے مت روکو، وہ
کچھ اس طرح بولا تھا کہ مشعال نا چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

مگر میں تمہارے ساتھ چلونگی، وہ مزید بولی تو ضوریز نے اسے گھورا تھا۔

نووے، میں تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا، وہ صاف انکار کر گیا تھا۔

تو پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں کسی مصیبت میں اکیلا چھوڑ سکتی ہوں؟ وہ
تپ کر بولی تو ضروریز جھنجلا گیا تھا۔

یار پلیز ڈونٹ بی سلی، میں اسی درگاہ والے جنگل میں جا رہا ہوں، اور تمہارا وہاں جانا ٹھیک
نہیں، ضروریز نے اسے سمجھایا تھا۔

تو پھر آپ اکیلے نہیں بلکہ ہم سب جائینگے، صائم اور عانیہ اندر آتے ہوئے بولے تھے۔

ضروریز نے کافی بحث کے بعد آخر انکی بات مان لی تھی۔

اب وہ چاروں جنگل جانے کے لیے نکلے تھے۔

کیونکہ ضرور کا خیال تھا کہ درگاہ سے قریب ایک جنگل ہی ایسی جگہ ہے جہاں شاید ان کے ملنے کے آثار تھے۔

یہ رات کا پچھلا پہر تھا، درگاہ سنسان پڑی تھی۔

صرف وہاں کی دیکھ بھال کرنے والے یا کچھ ملنگ ہی وہاں موجود تھے۔

ان میں عورتیں اور مرد دونوں ہی تھے۔

زروا درگاہ کی سیڑھیوں پر بیٹھی رو رہی تھی جب کسی نے اسکے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

زور نے ڈر کر سراٹھایا تو سامنے وہی درویش عورت کھڑی تھی۔

زور اونا بھول کر فورن اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

آپ؟ زور حیرانگی میں تھی۔

مل گئی منزل؟ اس عورت نے سوال کیا تھا۔

"ہاں، الحمد للہ" زور مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

چل سکوگی اکیلے؟ وہ مسکراتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

"اللہ ساتھ ہے"

حوصلہ ہے مشکلوں سے نمٹنے کا؟

"اللہ کی رسی مضبوط بہت ہے" زروا مطمئن سی تھی۔

گر گئی تو؟ اس نے جیسے زروا کا امتحان لیا تھا۔

"اللہ تعالیٰ تھام لیں گے، بچالیں گے" زروا پر اعتماد لہجے میں بولی تھی۔

یقین کرتی ہو اللہ پر؟ پھر سے سوال داغا گیا تھا۔

"اس سے بڑھ کر ہے ہی کیا؟ اس سے آگے ہے ہی کیا؟ وہ یقین دینے والا ہے وہ یقین دے کر اس کی حفاظت بھی کرنے والا ہے اور جس کو اللہ پر یقین مل جائے اس سے بڑھ کر پر سکون کوئی نہیں ہو سکتا" زروا ایک جذب سے بول رہی تھی۔

مگر آپ ہیں کون؟ زروا نے سوال کیا تو وہ عورت ہلکا سا مسکرائی تھی۔

تمہاری قسمت، وہ کہہ کر پلٹی تو زروا اسکے پیچھے بھاگی تھی۔

اچانک ہی اسکے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھا تھا۔

آہ، زراز سسک اٹھی تھی، اسکی نیند ٹوٹ چکی تھی۔

وہ غائب دماغی سے سر تھامے بیٹھو تھی۔

اسے کوئی کانٹا نا لگا تھا وہ تو وہیں اسی زمین پر بیٹھی تھی، اس درگاہ سے کچھ فاصلے پر۔

تو کیا وہ خواب تھا؟ زروا نے خود سے سوال کیا تھا۔

یا اللہ یہ سب کیا تھا؟ سوچتے ہوئے ایک سنسنی سی اسکے رگ و جاں میں دوڑ گئی تھی۔

اسی وقت بہت سی رائفلیں اسکے سر پر تان دی گئیں تھیں۔

وہ ایک بار پھر سے پھنس چکی تھی۔

زائر اور زروا بنگلے سے نکل کر اب سرک پر گئے تھے۔

ہم کیسے گھر پہنچیں گے؟ زروا نے پوچھا تھا۔

میرا موبائل اور باقی سامان انہوں نے نکال لیا ہے، ورنہ میں کسی کو کال کر دیتا، مگر اب ہمیں خود ہی کچھ نا کچھ کر کے یہاں سے نکلنا ہوگا، زائر نے تفصیلی جواب دیا تو زروا اسکے ساتھ چل پڑی تھی۔

ابھی وہ دونوں کچھ ہی دور آئے تھے کہ انہیں اردگرد شور محسوس ہوا تھا۔

اوگاڈ، لگتا ہے وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے ہیں، زائر نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

زروا نے بھی پیچھے دیکھا تھا۔

زروا چلو، زائر نے تیز آواز میں کہا تھا۔

خان اب کیا ہوگا، کیا ہم پھر سے پھنس جائیں گے؟ زروا نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا تھا۔

کچھ نہیں ہوگا، میں اتنا کمزور ہرگز بھی نہیں کہ تمہاری حفاظت نا کرسکوں، زائر اسکا ہاتھ
مضبوطی سے تمہارے اسے کے ساتھ اب جنگل کی طرف آگیا تھا۔

خان یہ تو بہت گھنا ہے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، زروا تقریباً کانپ رہی تھی۔

ہر جگہ دیکھو جنگل کا چپا چپا چھان مارو، بچے نہیں چاہیے وہ دونوں، یہ آواز کافی قریب سے
آئی تھی۔

خان، زروا ڈر کے زائر کے سینے سے جا لگی تھی۔

زروا کے اس اقدام پر زائر کا دل سرکش ہوئے جا رہا تھا، جذبات میں جیسے ہل چل سی چ
گئی تھی، اور پھر اس نے بھرپور استحقاق سے زروا کے گرد حصار باندھا تھا۔

میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں یہاں سے سہی سلامت نکال کر لے جاؤنگا میری جان، مجھ پر
بھروسہ رکھو، زائر نے اسکی پشت سہلاتے ہوئے کہا تو زروا نے محض اثبات میں سر ہلایا تھا
مگر اس سے دور نہیں ہوئی تھی۔

"چل اک خوب صورت گناہ کر لیں"

"ساتھ دوپل کا سہی عشق بے پناہ کر لیں"

زائر اسے شانے سے لگائے جنگل میں آگیا تھا۔

رات کا وقت، گھٹنا سنسان جنگل، زروا کا دل مارے خوف کے بند ہونے کو تھا۔

وہ آنکھ بند کیے آیت الکرسی کے ورد میں مصروف تھی۔

زائر نے ایک نظر اسکے خوبصورت مگر خوف سے سفید پڑتے چہرے پر ڈالی تھی۔

زرّوا کچھ نہیں ہوگا یار ٹرسٹ می، مجھے یہ راستہ یاد ہے، زائر نے چلتے چلتے اسکے کان میں سرگوشی کی تو زرّوا نے آنکھ کھولی تھی۔

اسے فوراً اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تھا، اور وہ سرعت سے زائر کے حصار سے نکلی تھی۔

ایسی سچویشن میں بھی زائر کے لبوں پر مسکراہٹ رہنگ گئی تھی۔

"مدتوں بعد جو میرا ورد کیا تیری سانسوں نے"

"مدتوں بعد میں اس پکار پہ مسکرایا ہوں"

وہ اب جنگل کے پیچ و پیچ کھڑے تھے۔

اب وہ خاموشی سے چل رہے تھے۔

زائر زروا سے کچھ فاصلے پر چل رہا تھا۔

زروا نے ترچھی نگاہ سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

نیوی بلو شلوار قمیض جو کہ اب دھول مٹی میں اٹا ہوا تھا، اور بکھرے ہوئے بال میں الجھے
الجھے سے حلیے میں بھی اپنے دراز قد اور لمبی چوڑی جسامت سمیت وہ بے حد خوبو لگ رہا
تھا۔

زروا کی نظر اسکے چہرے پر جم سی گئی تھیں۔

اچانک ہی اسے احساس ہوا تھا کہ زائر کو شاید کہیں چوٹ لگی تھی کیونکہ اسکی پیشانی پر خون کے نشانات تھے۔

زروا کا دل بے اختیار ہی اسکے زخم کا مرہم کرنے کو چاہا تھا، اسے چوٹ لگی ہے یہ خیال ہی زروا کو تکلیف میں مبتلا کر گیا تھا، مگر وہ زائر سے چاہ کر بھی کہہ نہیں پائی تھی۔

"تمہارے ذوقِ سماعت کو سوئپ دوں الفاظ"

"تمہارے ساتھ رہوں حرفِ آخری بن کر"

جبکہ دوسری جانب، خود پر اسکی نظریں محسوس کر کے زائر نے اسکی جانب دیکھا تو زروا جھینپ گئی تھی۔

اسی وقت گولیوں کی آواز پر زائر الرٹ ہوا تھا۔

زرّوا بیٹھ جاؤ، اس نے خود جھکتے ہوئے زرو کو بھی تھام کر نیچے بٹھادیا تھا۔

زرّوا حیران سی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

کیا یہ وہی شخص تھا جو اس سے نفرت کا اظہار کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا تھا؟ زرو سوچوں میں غلطائیں تھیں۔

اسی وقت قدموں کی چاپ کے ساتھ مختلف آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔

خان یہ یہ شور کیسا ہے، لں لگتا ہے وہ آگے ہیں، زروا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا تو زائر نے آس پاس نگاہ دوڑائی تھی۔

وہ ایک درخت کے قریب بیٹھے تھے۔

زروا کا کہا سہی تھا، واقع ہی بہت سے بھاری قدموں کی آواز بے حد قریب سے آرہی تھی۔

زروا ڈری ہوئی سی بیٹھی تھی جبکہ زائر اب ہر صورتحال کے لیے تیار تھا، اسے ہر حال میں زروا کو لے کر یہ جنگل پار کرنا ہی تھا۔

رات کے اندھیرے میں ہی وہ ان کی پہنچ سے نکل جانا چاہتا تھا۔

ایسا نا تھا کہ وہ ڈر گیا تھا، اسے صرف زروا کی فکر تھی، وہ نہیں چاہتا تھا، کہ زروا کسی مصیبت میں پھنسے، بس اسی لیے وہ اس جنگل کے راستے پر آیا تھا۔

یہاں سے شہر کافی قریب ہی پڑتا تھا۔

اچانک ہی زائر نے زروا کو کھینچ کر خود سے لگایا تھا۔

ششش، پلیز زروا آواز مت نکالنا، وہ دیکھو سامنے ہی وہ لوگ کھڑے ہیں، مگر یہاں کافی اندھیرا ہے بس شاید اس لیے وہ ہمیں نہیں دیکھ پائے، اس نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو زروا نے ڈر کے اسکے سینے میں ہی منہ چھپالیا تھا۔

افف، آج تیرا امتحان ہے زید۔ کے، زائر نے سوچتے ہوئے قریب سے ایک پتھر اٹھا کر ایک جانب اچھالا تھا۔

تاکہ ان گنڈوں کا دھیان بٹ سکے، اور ہوا بھی ایسا ہی تھا۔

پتھر گرنے کی آواز پر وہ سب اسی سمت بھاگے تھے۔

آواز وہاں سے آئی ہے، ادھر دیکھو، اور دیکھتے ہی گولی مار دینا لڑکے کو، دادا کا شکار لے کر
بھاگا ہے سالہ، اسکی میھی سزا ہے، ہاں مگر اس چھمک چھلو کو کچھ نہیں ہونا چاہیے، ایک
آدمی سفاکیت سے بول رہا تھا۔

جبکہ زروا کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

مگر زائر کو جیسے کوئی فرق نا پڑا تھا۔

وہ لوگ دوسری جانب جا چکے ہیں، زائر نے سناٹے سے اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

زروا کچھ نا بولی تھی۔

چلو زروا زائر نے بولے کے ساتھ ہی اسکا ہاتھ تھاما تھا۔

انکے کسی رشتے دار بزرگ کا انتقال ہو گیا تھا، شہروز خان اور سماہر بیگم وہاں گئے ہوئے تھے۔

انکی واپسی کل شام تک ہونی تھی۔

گھر میں مشعال ضوریز اور عانیہ ہی تھے۔

جبکہ رات سے اب صائم بھی وہیں تھا۔

رات کے 3 بج رہے تھے۔

مگر نیند انکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ پریشانی سے لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔

صائم ہر وہ جگہ چھان چکا تھا جہاں زائر اور زروا کی موجودگی کے آثار تھے، مگر کوئی فائدہ نا ہوا تھا۔

وہ تھک کر آخر کار اپنے دوست کے بھائی سے جو کہ پولیس میں تھا، مدد کے لیے بول کر بس ابھی گھر آیا تھا۔

اس نے زائر اور زروا کو ڈھونڈنے کی حامی بھر لی تھی۔

اب انہیں اسکے فون کا انتظار تھا۔

رات لمحہ لمحہ سرک رہی تھی، اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

صائم، عانیہ، پلینز کچھ کھالو تم دونوں نے کھانا تک نہیں کھایا، مشعال ایک ٹرے میں چائے کے دو گلاسٹ اور شامی کباب لے کر آئی تھی۔

یار مجھے بھوک نہیں مٹی، ہاں مگر اسے کھلاؤ، اس نے کچھ نہیں کھایا، صائم خود انکار کرنے کے ساتھ عانیہ کے لیے بھی فکر مند سا ہوا تھا۔

عانیہ بھی متوجہ ہوئی تھی۔

ناٹک کرنے کی ضرورت نہیں میرے پیارے بھائی، آج نہیں لے ہم، بچپن سے جانتی ہوں تمہیں، زائر پریشان ہو اور تم کھانا کھالو امپا سبل، تو آج تو پھر وہ غائب ہے، مگر تم

ایسے بھوکے رہو گے تو اسے کیسے ڈھونڈو گے، اسلیے شاباش جلدی سے یہ کھاؤ، مشعال
ٹرے میز پر رکھتی ہوئی بڑی بہنوں کے سے انداز میں بولی تھی۔

یار پلیز ضد مت کرو، صائم لاچار سا بولا تھا۔

عانیہ چلو آؤ تم بھی، مشعال صائم کا انکار سرے سے نظر انداز کر گئی تھی۔

مگر زائر لالہ اور زروا ناجانے کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ مجھ سے نہیں کھایا جائیگا،
عانیہ روہانے انداز میں بولی تھی۔

کیا مطلب؟ کہاں ہے وہ دونوں؟ ضروریز جو کہ ناجانے کب وہاں آیا تھا، عانیہ کی آخری
بات پر پریشان سا ہوا اٹھا تھا۔

صائم اور عانیہ بھی اسے وہاں دیکھ پریشان سے ہو گئے تھے۔

ارے تم یہاں کیوں آئے ضریرز پلیرز روم میں جاؤ، تم ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے، چلنا ٹھیک نہیں تمہاری صحت کے لیے، مشعال اسکی جانب بڑھتی ہوئی پیار بھری فکر سے بولی تھی۔

میں ٹھیک ہوں مشعال، پلیرز بتاؤ؟ کہاں ہے جگر؟ کیا ہوا اسے؟ اور زروا؟ کیا وہ بھی اسکے ساتھ ہے؟ ضریرز کافی تیز آواز میں بولا تھا۔

اسی وقت صائم اٹھ کر اسکے قریب آیا تھا۔

لالہ پلیرز وہاں بیٹھے میں آپکو سب بتاتا ہوں، صائم نے کہا تو ضریرز اسکے ساتھ چلتا صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

صائم نے اسے مختصر لفظوں میں سب بتادیا تھا۔

جسے سن کر ضوریز کے دل پر بوجھ سا آگرا تھا۔

ایک تو پہلے ہی میری وجہ سے ان کے بچ اتنی دوریاں آگئیں تمہیں اور اب یہ سب؟ وہ
حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔

مجھے چاہیے جو کرنا پڑے میں کرونگا، مگر کل کا سورج غروب ہونے سے پہلے اپنے جگر جو
واپس لاؤنگا، اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

موبائل دو اپنا، ضوریز صائم سے بولا تھا۔

صائم نے بنا کسی تردد اسے موبائل دے دیا تھا۔

کیا کر رہے ہو تم یہ؟ مشعال نے اسے نمبر ڈائل کرتے دیکھ پوچھا تھا۔

جو کرنا چاہیے، وہ مبہم سا بولا تھا۔

عانیہ مشعال اور صائم پریشان سے ہو گئے تھے۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔

وہ کافی دور آ گئے تھے۔

خان بس، مجھ سے اب اور نہیں چلا جائیگا، زروا ایک پستھر پر بیٹھ کر تقریباً ہانپتے ہوئے بولی تھی۔

زائر بھی تھک کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔

زروا بس کچھ دور کی بات ہے، جنگل ختم ہونے والا ہے، پلیزیوں ہمت مت ہارو، ہم بس پہنچنے والے ہیں، زائر نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

زروا ناچاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اسی وقت کسی نے ان دونوں پر رائفلیں تانی تھیں۔

تم دونوں اب ہمارے قبضے میں ہو، اسلیے زرا سا بھی ہلنے کی کوشش مت کرنا ورنہ جان سے جاؤ گے، گرجدار آواز پر زروا اچھل ہی گئی تھی۔

جبکہ زائر بھی پریشان ہوا تھا۔

دیکھو تم اسے کچھ مت کہنا، تمہاری دشمنی مجھ سے ہے نا، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، اسے جانے دو، زائر نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا تھا۔

نن نہیں خان، میں تمہارے بنا کہیں نہیں جاؤنگی، زروا نے قہر سے سر ہلایا تھا۔

ہا ہا ہا، دیکھو رے دیکھو، لیلیٰ مجنوں والا سین چالو ہے ادھر تو، ایک آدمی جاہلانہ لہجے میں بولے ہوئے بھونڈے سے انداز میں ہنسا تھا۔

اٹھالو سالی کو، اور بھون ڈالو اس کمینے کو، ایک آدمی بولا تو دوسرا زروا کی جانب بڑھا تھا۔

زائر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور اسکی برداشت ختم ہوئی تھی۔

اس نے ایک کک سامنے کھڑے شخص کے سینے پر ماری تھی، وہ لڑکھڑا کر دور جاگرا تھا۔

اب وہ پھرتی سے دوسرے کی جانب بڑھا تھا، وہ اندھا دھند انہیں مار رہا تھا۔

زروا ششدر سی کھڑی تھی۔

زروا بھاگو، زائر انہیں مارتا ہوا چلایا تھا۔

نہیں خان میں نہیں جاؤنگی، زروا ٹس سے مس ہونے کو تیار نا تھی۔

زروا آئی سیڈرن، زائر دھاڑ کے بولا تھا۔

زروا نے نفی میں سرہلایا تھا۔

زروا تمہیں میری قسم جاؤ یہاں سے، یہاں سے کچھ دور ہی منزل ہے جہاں سے اس مصیبت کا آغاز ہوا تھا، سمجھ رہی ہو نا تم؟ وہ چلا کر جانے اسے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔

مگر زروا کو صرف اسکی قسم یاد تھی وہ دل پر پتھر رکھ کر زائر کو وہیں چھوڑتی ایک سمت بھاگی تھی۔

زروا نے مڑ کر ڈبڈباتی نظروں سے زائر کو دیکھا تھا۔

زروا جاؤ، زائر چیخا تو زروا اثبات میں سرہلاتی وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔

زائر نے ان سب کو اس قدر بری طرح پیٹا تھا کہ وہ سب بے سدھ سے ایک سائیڈ گرے ہوئے تھے۔

اسے اب زروا کی فکر ستائے جارہی تھی۔

آئی ہوپ وہ میری ہنٹ سمجھ گئی ہو اور درگاہ تک پہنچ جائے۔

زائر سوچتا ہوا ایک جانب بڑھا تھا۔

وہ جنگل سے نکلتا شہر والی سڑک پر آگیا تھا۔

زروا اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی۔

اسکے کپڑے مٹی میں بھرچکے تھے جبکہ بال بکھرے ہوئے تھے اور شال شانے سے ڈھل رہی تھی۔

اسکے پاؤں میں بھی بھاگنے کی وجہ سے جانجیاں چوٹیں آگئیں تھیں۔

مگر وہ تکلیف سے نظریں چرائے بس چلتی جا رہی تھی۔

یا اللہ میرے خان کی حفاظت کرنا، زروا نے دل سے دعا کی تھی۔

اسی وقت اچانک ہی اسکا پاؤں مڑا تو وہ لڑکھڑا کر زمین پر گری تھی۔

زروا نے سراٹھایا تو سامنے کچھ ہی قدم کی دوری پر وہی درگاہ تھی جہاں وہ دوپہر میں آئی تھی۔

زروا ہمت کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور درگاہ کی جانب بڑھی تھی۔

یہ کیا کر رہے ہو تم؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا کہیں؟

ضوریز کو دراز کھولے دیکھ مشعال چلائی تھی۔

میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے، اور جو میں کر رہا ہوں وہ میرا فرض ہے، ضروریز دراز کھلا چھوڑ،
شرٹ کے بٹن بند کرتا سنجیدگی سے بولا تھا۔

فرض کے لگتے، تم خود انہیں ڈھونڈنے جا رہے ہو، جبکہ تمہاری طبیعت بھی ابھی پوری طرح
سے ٹھیک نہیں ہوئی، تو پھر یہ کہاں کی سمجھ داری ہوئی؟ تمہیں ریسٹ کی ضرورت ہے،
وہ فکر مندی سے بولتی ریوالور میں گولی ڈالنے ضروریز کے قریب آئی تھی۔

جو کے اب بلیک جینس اور بلو شرٹ میں اپنی ڈیشنگ پرسنالٹی کے ساتھ بالکل ریڈی تھا۔

مشعال مجھے ہرگز بھی تم سے اس بزدلی کی امید نہ تھی، مجھے تو تم بہت بہادر لگتی تھی، مگر
آج تم مجھے میرے فرض سے روک رہی ہو، ضروریز مشعال کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تو
مشعال تنذیب کا شکار ہوئی تھی۔

میں بزدل نہیں ہوں ضروریز اور نا تمہیں تمہارے فرض سے روک رہی ہوں، مجھے بس تمہاری فکر ہے، وہ آنکھیں جھکائے آہستہ آہستہ بولتی ضروریز کو بے حد پیاری لگی تھی۔

میں اتنا بھی کمزور نہیں کہ اپنے یار کی مدد کو نا جاسکوں، میرے بازوؤں میں ابھی اتنا دم ہے کہ میں ایسی کئی مشکلات سے اکیلا نیپٹ سکتا ہوں مشعال، پلیز مجھے مت روکو، وہ کچھ اس طرح بولا تھا کہ مشعال نا چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

مگر میں تمہارے ساتھ چلونگی، وہ مزید بولی تو ضروریز نے اسے گھورا تھا۔

نووے، میں تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا، وہ صاف انکار کر گیا تھا۔

تو پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں کسی مصیبت میں اکیلا چھوڑ سکتی ہوں؟ وہ تب کر بولی تو ضروریز جھنجھلا گیا تھا۔

یار پلیز ڈونٹ بی سلی، میں اسی درگاہ والے جنگل میں جا رہا ہوں، اور تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں، ضروریز نے اسے سمجھایا تھا۔

تو پھر آپ اکیلے نہیں بلکہ ہم سب جائینگے، صائم اور عانیہ اندر آتے ہوئے بولے تھے۔

ضروریز نے کافی بحث کے بعد آخر انکی بات مان لی تھی۔

اب وہ چاروں جنگل جانے کے لیے نکلے تھے۔

کیونکہ ضروریز کا خیال تھا کہ درگاہ سے قریب ایک جنگل ہی ایسی جگہ ہے جہاں شاید ان کے ملنے کے آثار تھے۔

یہ رات کا پچھلا پہر تھا، درگاہ سنسان پڑی تھی۔

صرف وہاں کی دیکھ بھال کرنے والے یا کچھ ملنگ ہی وہاں موجود تھے۔

ان میں عورتیں اور مرد دونوں ہی تھے۔

زروا درگاہ کی سیڑھیوں پر بیٹھی رو رہی تھی جب کسی نے اسکے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

زور نے ڈر کر سراٹھایا تو سامنے وہی درویش عورت کھڑی تھی۔

زروا رونا بھول کر فورن اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

آپ؟ زروا حیرانگی میں تھی۔

مل گئی منزل؟ اس عورت نے سوال کیا تھا۔

"ہاں، الحمد للہ" زروا مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

چل سکوگی اکیلے؟ وہ مسکراتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

"اللہ ساتھ ہے"

حوصلہ ہے مشکلوں سے نمٹنے کا؟

"اللہ کی رسی مضبوط بہت ہے" زروا مطمئن سی تھی۔

گر گئیں تو؟ اس نے جیسے زروا کا امتحان لیا تھا۔

"اللہ تعالیٰ تمہام لیں گے، بچالیں گے" زروا پر اعتماد لہجے میں بولی تھی۔

یقین کرتی ہو اللہ پر؟ پھر سے سوال داغا گیا تھا۔

"اس سے بڑھ کر ہے ہی کیا؟ اس سے آگے ہے ہی کیا؟ وہ یقین دینے والا ہے وہ یقین دے کر اس کی حفاظت بھی کرنے والا ہے اور جس کو اللہ پر یقین مل جائے اس سے بڑھ کر پر سکون کوئی نہیں ہو سکتا" زروا ایک جذب سے بول رہی تھی۔

مگر آپ ہیں کون؟ زروا نے سوال کیا تو وہ عورت ہلکا سا مسکرائی تھی۔

تمہاری قسمت، وہ کہہ کر پلٹی تو زروا اسکے پیچھے بھاگی تھی۔

اچانک ہی اسکے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھا تھا۔

آہ، زراز سسک اٹھی تھی، اسکی نیند ٹوٹ چکی تھی۔

وہ غائب دماغی سے سر تھامے بیٹھو تھی۔

اسے کوئی کانٹا نا لگا تھا وہ تو وہیں اسی زمین پر بیٹھی تھی، اس درگاہ سے کچھ فاصلے پر۔

تو کیا وہ خواب تھا؟ زروا نے خود سے سوال کیا تھا۔

یا اللہ یہ سب کیا تھا؟ سوچتے ہوئے ایک سنسنی سی اسکے رگ و جاں میں دوڑ گئی تھی۔

اسی وقت بہت سی رائفلیں اسکے سر پر تان دی گئیں تھیں۔

وہ ایک بار پھر سے پھنس چکی تھی۔

زائر اب جنگل سے نکل آیا تھا، منزل قریب ہی تھی۔

وہ درگاہ کی جانب بڑھا ہی تھا کہ اسی وقت ایک جیپ اسکے قریب آکر کی تھی۔

جگر تو یہاں؟ ضرور جو کہ پچھلی سیٹ پر براجمان تھا، جیپ سے اتر کر زائر کے پاس آیا تھا۔

تم لوگ یہاں کیسے؟ زائر نے الٹا اس سے سوال کیا تھا۔

تھینک گاڈ تو ٹھیک ہے جگر، ضرور نے بنا اسکی بات کا جواب دیے زائر کو سینے سے لگایا تھا۔

زائر بھی مضبوطی سے اسکے گلے لگ گیا تھا۔

یہ سب کیا ہے اور زروا کہاں ہے؟ اور تو نے کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی؟ ضرور اس سے الگ ہوتا فکر مندی سوال پر سوال پوچھے گیا تھا۔

میری فکر چھوڑ یا، میری زروا نا جانے کس حال میں ہے، زائر نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔
پوری بات جان کر سب پریشان ہو گئے تھے۔

آپ نے آخری دفعہ اسے کہاں چھوڑا تھا لالہ؟ صائم نے پوچھا تو زائر نے زہن پر کافی زور دینے کے بعد جواب دیا تھا۔

میں نے اسے جنگل کے راستے سے درگاہ کی طرف بھیجا تھا، زائر پرسوچ انداز میں بولا تھا۔

اسکا دل بے حد پریشان ہو رہا تھا، جیسے کوئی انہونی ہونے کو تھی۔

آئیے پھر ہم سب ایک ساتھ چلتے ہیں، زروا کو ڈھونڈنے، صائم نے کہا تو زائر چونکا تھا۔

نووے، میں تم سب کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا، وہ لوگ بہت خطرناک ہیں، خاص کر جگر کی، اسے آرام کی ضرورت ہے، صائم تم مشعال عانیہ اور ضوریز کو لے کر گھر جاؤ، میں زروا کو ڈھونڈتا ہوں، زائر قہقہے سے بولا تھا۔

بکواس بند کر، ہم کبھی تجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جائیں گے، ضوریز پیار بھرے غصے سے اسے ڈانٹا تھا۔

یار بات سمجھنے کی کوشش کر، زائر بے بس سا ہوا تھا۔

کچھ نہیں سمجھنا ہمیں، ہم سب ساتھ چلیں گے، اس بار مشعل نے بھی جواب دیا تھا۔

ہاں لالہ ہم سب آپکے ساتھ ہیں، صائم اور عانیہ نے بھی تائید کی تھی۔

زائر نے بالآخر اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

انکارِ جنگل کی جانب تھا۔

کیا لگتا تھا تجھے؟ اتنی آسانی سے کلو دادا کی پہنچ سے نکل جائیگی؟ کلو دادا زروا کے بال
مسٹھی میں جکڑے اس سے سوال کر رہا تھا۔

وہ لوگ اسے پھر سے جنگل میں لے آئے تھے۔

زررا مارے تکلیف کے کراہ اٹھی تھی، آنسو مسلسل اسکی آنکھ سے جاری تھے۔

وہ جو تیرا عاشق تھا نا؟ اسے ہم کب کا مار چکے اور اب تیری باری ہے، کیونکہ تو نے ہم سے دھوکہ کیا ہے اسلیے تیری سزا موت ہے، وہ غصے سے بولتا سفاکیت کی حدود پر تھا۔

اسکی بات سن کر زررا کو زمین آسمان گردش میں گئے تھے۔

اسی وقت کلو دادا نے اسے ایک جھٹکے سے سامنے موجود کچھ دیر پہلے کھودے گئے،

گرڑھے نما قبر میں دھکا دیا تھا۔

زروا کا سر زمین پر لگا تھا تو وہ خوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

کھیل ختم اس لیلیٰ کا اب ڈھونڈنا پھر لگا اسکا وہ عاشق اسے، مجھ سے دشمنی کا انجام تو اسے
بھگتنا ہی ہوگا، وہ میرے شکار کو لے کر بھاگا تھا نا یہ میری نا ہوئی تو کیا ہوا اب یہ اسکی
بھی نہیں رہیگی، مٹی ڈال دو اس قبر پر، کلو دادا نے زہر خند لہجے میں اپنے آدمیوں کو حکم
دیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب زروا کو زندہ ہی زمین میں دفنا کر وہاں سے نکل گئے تھے۔

زروا! زائر دیوانہ وار زروا کو پکار رہا تھا۔

مگر وہ وہاں ہوتی تو اسکی آواز سنتی نا۔

وہ تو شاید اب اپنے خان سے منہ موڑنے والی تھی۔

لیکن کیا زائر ایسا ہونے دیتا؟

کیا ہوا عانیہ؟ صائم نے زمین پر بیٹھی عانیہ کے قریب آکر پوچھا تھا۔

یہ دیکھو صائم، یہ یہ زرزوا کا ہے، عانیہ نے اسے ایک بریسلٹ دیکھایا تو سب ہی اسکی بات سن کر وہاں آئے تھے۔

اسکا مطلب وہ آس پاس ہی ہے؟ ضروریز بولا تھا۔

جبکہ زائر نے عانیہ سے جھٹ سے وہ بریسلٹ لیا تھا۔

میری زروا، زائر ایک سمت دوڑا تو سب ہی اسکے پیچھے آئے تھے۔

ہم اتنے بڑے اور گھنے جنگل میں اسے کیسے ڈھونڈیں گے زائر؟ کیا پتہ وہ یہاں ہے بھی یا نہیں؟ مشعال نے پتے کی بات کی تھی۔

باقی سب بھی سوچ میں پڑ گئے تھے۔

تمہارے پاس موبائل ہے نا صائم؟ زائر نے اچانک پوچھا تو صائم نے اسے اپنا موبائل دے دیا تھا۔

میرے موبائل میں ایک چپ ہے، بالکل ویسی ہی چپ میں نے تمہارے موبائل میں بھی لگائی تھی، زائر موبائل میں کچھ دیکھتا ہوا بولا تو سب نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

مگر میرے موبائل میں کیوں؟ صائم نے سوال کیا تھا۔

ضویرز کو گولی لگنے کے بعد مجھے تمہاری فکر رہنے لگی تھی، تو ایک رات میں جب ہاسپٹل آیا تب تم سو رہے تھے بس تب ہی میں نے وہ چپ تمہارے موبائل میں لگایا تھا، زائر نے مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔

مگر اس سے ہم زروا کو کیسے ڈھونڈیں گے لالہ؟ عانیہ نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

زروا کے گلے میں جو پینڈٹ ہے اس میں بھی ایسی ہی سیم چپ ہے، میں نے کینیڈا میں زروا کی سیفی کے لیے یہ کیا تھا، میں اس چپ کو ٹریک کر لوں گا تو ہم اس تک پہنچ سکتے ہیں، زائر کا دماغ بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اسکی بات سنتے سب دنگ رہ گئے تھے۔

زائر نے کچھ ہی دیر میں وہ چپ ٹریک کر لیا تھا۔

اب وہ سب زائر کے ساتھ ایک طرف دوڑے تھے۔

رات ختم ہونے میں ایک گھنٹے سے بھی کم وقت تھا۔

وہ سب جنگل کے پیچ و پیچ کھڑے تھے۔

زروا؟ عانیہ نے اسے آواز دی تھی۔

اگر تم یہاں ہو تو پلیز باہر آ جاؤ، ہم سب آگے ہیں تمہیں بچانے، مشعال چلائی تھی۔

زروا، دیکھو میں بھی تمہیں لینے آیا ہوں، صائم کی آواز میں لرزش سی تھی۔

جبکہ زائر یہاں وہاں زروا کو تلاش رہا تھا۔

مگر سب کچھ رائیگاں ہو گیا تھا۔

انہیں زروا کہیں دیکھائی نہ دی تھی۔

چل جگر آئی تمہنگ وہ یہاں نہیں ہے، ہم واپس چل کر پولیس میں رپورٹ کرواتے ہیں،
کیا پتہ وہ گنڈے اسے پھر سے اغواہ کر کے لے گئے ہوں، ضوریز نے زائر کے کندھے
پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

نوووووو، اسے لے بنا کہیں نہیں جاؤں گا میں، زائر گرجدار آواز میں دھاڑا تھا۔

اسکی حالت دیکھ ضروریز کا دل کٹ سا گیا تھا۔

لالہ پلیر سنبھالے خود کو، وہ نہیں ہے یہاں، اگر یہاں ہوتی تو ہمیں کب کی مل چکی ہوتی،
عانیہ نے اسے تسلی دی تھی۔

وہ یہیں ہے، میرا دل بول رہا ہے، وہ یہیں کہیں ہے، وہ وہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہے
شاید اسلیے سامنے نہیں آرہی، زائر یہاں وہاں گھومتا ہوا عجیب سے لہجے میں بول رہا تھا۔

صائم پلیر، تم ہی انہیں سمجھاؤ زروا نہیں ہے یہاں، عانیہ نے کہا تو صائم آگے آیا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ کچھ بولتا زائر چلایا تھا۔

وہاں ہے زرو، وہ ایک سمت اشارہ کرتا اسی طرف دوڑا تھا۔

سب ہی ایک دوسرے کا منہ دیکھتے، اسکے پیچھے آئے تھے۔

مگر یہاں تو کچھ نہیں ہے، مشعال بولی تو جواب صائم نے دیا تھا۔

اومائی گاڈ، لالہ ازرائٹ، ان لوگوں نے شاید، اسے یہاں، اسکی بات پوری ہونے سے پہلے ہی زائر زمین پر بیٹھ چکا تھا۔

وہ جگہ کچھ گیلی سی تھی جس سے الگ ہی پتہ چل رہا تھا کہ اسے ابھی تازہ تازہ ہی بھرا گیا تھا۔

میرے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ نہیں ہوگا زندگی، زائر چلیختے ہوئے دونوں ہاتھوں سے قبر سے مٹی ہٹا رہا تھا۔

باقی سب بھی اسکا ساتھ دینے لگے تھے۔

زروا، زائر مسلسل چلیختا اسے آوازیں دے رہا تھا۔

سب ہی اسکی حالت دیکھ پریشان سے ہو گئے تھے، جبکہ انہیں زروا کی فکر الگ ستا رہی تھی۔

بالآخر وہ اسے ڈھونڈنے میں کامیاب رہے تھے، زروا انہیں اسی کھڑے میں ملی تھی۔

زروا، زائر نے مٹی میں اٹی بے جان سی ہوتی زروا کو اس قبر سے نکال کر سینے سے لگایا تھا۔

یا اللہ! اسکی تو نبض بہت دھیمی چل رہی ہے، عانیہ نے زروا کی نبض چیک کرتے ہوئے کہا تھا۔

زائر نے پھٹی آنکھوں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، زروا اٹھو، وہ دلخراش انداز میں چلایا تھا۔

زائر زروا کو تھامے زمین پر بیٹھا تھا، اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

صائم عانیہ کے ساتھ پانی لینے دوڑا تھا، جبکہ مشعال زروا کے پاؤں ہاتھ مسل رہی تھی۔

میں جیب یہاں لاتا ہوں، ہم اسے لے کر ہسپتال چلتے ہیں، ضرور سمجھداری سے بولا تھا۔

رکو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں، مشعال بھی اسکے ہمراہ ہو گئی تھی۔

اب وہاں صرف زائر اور زروا ہی بچے تھے۔

تمہیں اٹھنا ہوگا پارٹنر، تم مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاسکتی سنا تم نے یو کاٹ ڈیم اٹ،
اسے جھنجھوڑتے ہوئے زائر دیوانہ وار چلایا تھا۔

مگر زروا اُس سے مس نا ہوئی تھی۔

میری جان میری زندگی ایک بار اٹھ جاؤ پلیز، میں کبھی تم پر غصہ نہیں کرونگا، تمہاری
ہر بات مانونگا، تم جو کہوگی کرونگا، کبھی تم سے اونچے لہجے میں بات نہیں کرونگا، زائر زروا کو
خود سے لگائے جنونی انداز میں بول رہا تھا۔

جبکہ سانسیں لمحہ بہ لمحہ زروا کا ساتھ چھوڑ رہی تھیں۔

زائر کی آنکھ سے ایک آنسو بے اختیار ہی نکل کر زروا کے چہرے پر گرا تھا۔

اٹھ جاؤ پلیز میری جان مجھ سے منہ مت موڑو، زائر کے لہجے میں آج سختی کے بجائے نرمی سی تھی، ایک التجاء سی تھی۔

میں نہیں جانتا یہ سہی ہے یا غلط مگر مجھے یہ کرنا ہوگا۔

وہ بنا دیر کیے بے اختیار ہی زروا پر جھکا تھا۔

ہاں آج پہلی بار وہ اپنا حق اس پر جتا رہا تھا، مگر صرف اسکی زندگی بچانے کو، زائر اس پر جھکا اسے تنفس دے رہا تھا۔

کچھ ہی لمحوں بعد زروا کسمسائی تھی، اسے حوش آ رہا تھا۔

اذان فجر گونج رہی تھی، اور سیاہ رات گزر چکی تھی۔

صبح صادق خوشیوں کی نوید لائی تھی۔

کیونکہ آج عشق کی جیت ہوئی تھی۔

زروا نے جیسے تیسے بامشکل اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔

اسے آنکھیں کھولنے دیکھ زائر وہیں سجدے میں گر گیا تھا۔

یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے، سجدہ شکر ادا کرتا وہ شخص عشق کی جانے کو نلے منزل پر تھا۔

"وہ مغرور شہزادہ سجدے میں گرا تھا ولسا"

"جب ہی تو کہلایا تھا انکا عشق سجان اسدا"

میری زندگی تم ٹھیک ہو؟ اب زائر زروا کے پاس بیٹھا اسکا گال تھپتھپا رہا تھا۔

اتنے میں ضرورز اور باقی سب جیپ میں وہاں آگئے تھے۔

زائر نے زروا کو باہنوں میں بھرا تھا اور جیپ کی طرف دوڑا تھا۔

یہ صبح 9 بجے کا وقت تھا اور وہ سب اس وقت زائر کے بنگلے پر تھے۔

زروا بالکل ٹھیک تھی۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد، اسے سکون کا انجیکشن دیا تو وہ اب نیند میں تھی، جبکہ زائر بھی کافی تھک چکا تھا۔

اب وہ سب اسے زروا کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے واپس جا رہے تھے۔

زائر انہیں سی۔آف کرتا روم میں آگیا تھا۔

سامنے ہی بیڈ پر وہ دشمنِ جاناں گہری نیند میں تھی۔

جبکہ اس قدر تھکن زدہ رات کے باوجود نیند زائر کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

وہ روم لاکڈ کر کے پلٹا تھا اور صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

اسکے ذہن میں پچھلے دن کا ہر لمحہ کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا۔

ساری باتیں یاد آئی تو اچانک ہی زائر بے چین سا ہوا تھا۔

اگلے ہی پل وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا زروا کے قریب آیا تھا۔

اس نے ایک ہاتھ سے زروا کے بکھرے ہوئے بال پیچھے کیے تھے اور دوسرے ہاتھ سے اسکے چہرے کو چھوا تھا۔

زروا کسمائی تھی، نیند میں بھی جیسے اس نے اسکی موجودگی محسوس کر لی تھی۔

اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو زائر خان بھی جی ناپاتا، زائر نے اسکے چہرے کو نرمی سے چھوتے ہوئے دل میں سوچا تھا۔

اس پل اسکے دل نے شدت سے اعتراف کیا تھا، بے شک سامنے موجود لڑکی اسکی زندگی تھی۔

اللہ کا شکر ہے تم سہی سلامت ہو اور اب میں شدت سے اس وقت کا انتظار کروں گا جب تم پورے دل سے میری طرف لوٹ آؤ گی، زائر تصور میں ہی زروا سے مخاطب تھا۔

اسکی باتیں سنتی قسمت مسکرا رہی تھی کیونکہ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اسکی یہ خواہش بہت جلد پوری ہونے والی تھی۔

زائر کچھ دیر ایسے ہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھا تھا اور روم سے نکل گیا تھا۔

زروا کی آنکھ کھلی تو گھڑی صبح کے 11 بج رہی تھی۔

میں یہاں کیسے؟ اس کے حواس بیدار ہوئے تو اس کے زہن میں سب سے پہلے یہ بات آئی تھی۔

زہن پر زور ڈالنے سے ہلکا ہلکا سارات منظر اسکے زہن میں گھومنے لگا تھا۔

واشروم سے پانی کے گرنے کی آواز آرہی تھی، مطلب زائر یہیں تھا۔

تو کیا مجھے وہاں سے خان لائے ہیں؟ اس نے خودکلامی کی تھی۔

اب وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، اس کی نظر اپنے صاف ستھرے کپڑوں پر پڑی تو زروا کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔

میرے کپڑے کک کیسے؟ اس سے آگے اس سے سوچنا بھی دشوار ہوا تھا۔

اسی وقت فریش فریش سا زائر، بلو جینس پر گلے میں ٹاول ڈالے باہر آیا تھا۔

زروا کی نظریں اسے دیکھتے ہی جھک سی گئی تھیں۔

گڈ مارنگ سویٹ ہارٹ، وہ دوستانہ لہجے میں کہتا اسکے قریب آیا تو زروا حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

اسے کہاں عادت تھی زائر کے اس نرم رویے کی۔

ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ مانتا ہوں میں کافی ہینڈسم ہوں مگر، وہ کچھ کہتا کہ زروا بول پڑی تھی۔

میرے کپڑے کس نے بدلے خان؟ زروا عجیب سے انداز میں اس سے سوال کر رہی تھی۔

زائر کی زبان کو بریک لگا تھا۔

جبکہ زروا مارے شرم کے سر جھکا گئی تھی۔

مجھے معلوم نا تھا خان آپ ایسے میری بے حوشی کا فائدہ اٹھائیں گے، کہاں گئی آپکی محبت
آپکا وہ جنون جو کل تک آپ مجھے سنارہے تھے؟ بہت بڑی بڑی باتیں کی تھیں نا آپ
نے؟ کہاں گئے وہ سب دعوے؟ ہمارے نکاح والے دن کیا کہا تھا آپ نے؟ محافظ ہوں
لیٹرا نہیں؟ تو پھر آج کیوں اتنا گر گئے آپ؟ ہاں بولے؟ جواب دیجئے مسٹر خان، زروا اسکے
سامنے کھڑی اب غصے سے بھری اس سے سوالات کر رہی تھی۔

زائر نے اسے روکا نا تھا بلکہ بولے دیا تھا تاکہ اسکا دل ہلکا ہو جائے، جبکہ زروا کو احساس تک
نا تھا کہ وہ کیا کیا نا بول گئی تھی۔

زروا خاموش ہوئی تو زائر نے ایک پر شکوہ نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

اتنا گرا ہوا سمجھتی تھی وہ اسے؟ زائر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

کچھ پل کی خاموشی کے بعد وہ اپنی شرٹ پہن کر بنا اسے کوئی جواب دیئے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

جبکہ زروا ٹوٹی ہوئی سی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

ہیلو ایوری ون؟ ساحل نے اپنے مخصوص انداز میں وہاں اینٹری دی تو سب مسکرا دیے تھے۔

وہ ضوریز کے گھر آنے کے بعد وہ سوات میں ہی اپنے کسی کام سے کہیں گیا تھا اور آج واپس آیا تھا۔

اسکی آج رات کی فلائٹ تھی اسلیے بس وہ ان سب سے ملنے آیا تھا۔

اس وقت وہ سب ڈائینگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

سماہر بیگم اور شہروز خان کچھ ہی دیر پہلے واپس آئے تھے۔

جبکہ آج ضوریز بھی ڈائینگ ٹیبل پر موجود تھا۔

آؤ بھئی ساحل بیٹا، بالکل سہی وقت پر آئے ہو، ہم بس کھانا شروع کر رہے تھے، سماہر بیگم نے کہا تو وہ جی کہتا چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

پتہ ہے آئی آپ کے ہاتھ کا بنا کھانا ورلڈ کا بیسٹ کھانا ہے، میں نے ایسا ٹیسٹ کسی کے ہاتھ کے بنے کھانے میں نہیں دیکھا، بلیو می یو آر دا بیسٹ کک، وہ اپنے اذلی دوستانہ لہجے میں بول رہا تھا۔

ارے تمہیں پسند ہے تو اور لو نا، یہ فرائی چکن بھی ٹیسٹ کرو، مشعال نے ایک ڈش اسکی جانب بڑھایا تھا۔

ساحل نے مسکراتے ہوئے ڈش لے لیا تھا۔

ویلے سچ میں ضروریز برو آپ کو آج ایسے بالکل سہی اور سب کے ساتھ بیٹھے دیکھ بہت اچھا فیمل ہو رہا ہے، ساحل اب ضروریز سے مخاطب تھا۔

جواباً ضروریز مسکرایا تھا۔

یونو تم سے جو کام صائم نے کہا ہے وہ تم نے بہت اچھے سے انجام دیا ہے، ضروریز مبہم سا بولا تو ساحل ہنسنے لگا تھا۔

اوه تو آپ کو بهى اس كے بارے ميں پتہ ہے؟ اس نے بريانى كا اسپون منہ ميں ڈالے
ہوئے ضريرز سے سوال كيا تھا۔

ہاں بلكل اور آج تمہيں اس كام كا آخرى مرحلہ طے كرنا ہے، آريو ريڈى فار اٹ؟ ضريرز
نے اسكى جانب ديكتہ ہوئے پوچھا تو ساحل ہلكا سا مسكرايا تھا۔

جبكہ ضريرز نے اسے وكٹرى كا سائن ديا تھا۔

وہ دونوں كافى آہستہ باتيں كر رہے تھے اس ليے كسى كو پتہ نا تھا كہ وہ كس بارے ميں
بات كر رہے ہيں۔

يہ سوات كا كافى مشہور كيئفے تھا جہاں وہ دونوں اس وقت موجود تھے۔

صائم کافی لینے گیا تھا جبکہ زائر بیزار سا بیٹھا تھا۔

یہ لیجئے لالہ آپ کی کافی وداؤٹ شوگر، صائم نے اسکے سامنے کافی کا گک رکھتے ہوئے کہا
تو خیالوں میں گم زائر چونکا تھا۔

یار رکھ دو نہیں پینی مجھے، وہ چڑ کے بولا تھا۔

صائم نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔

اب تو سب ٹھیک ہے نا پھر بھی لالہ آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ صائم نے اسے سے
سوال کیا تو زائر نے کوئی جواب نا دیا تھا۔

پلیز لالہ اب یہ اینگری برڈ والے پوز دینا بند کیجئے، مجھے آپ کی فکر ہو رہی ہے، بتائیے کیا بات ہے؟ صائم کے لہجے میں زائر کے لیے فکر کے ساتھ بے پناہ پیار بھی موجود تھا۔

کچھ خاص نہیں بس یونہی کل رات جو ہوا اس سے ڈسٹرب تھا، زائر پھر سے ٹال گیا تھا۔

وہ تو دکھ رہا ہے، جب ہی آپ کی گاڑی روڈ پر ٹریفک نا ہونے کے باوجود ان بیلنس ہو گئی تھی، آج میں نا ہوتا تو آپ کے ساتھ خدا نخواستہ جانے کیا ہو جاتا، صائم نے سوچتے ہوئے جھرجھری سی لی تھی۔

زائر غصے میں گھر سے نکلا تھا اسی وجہ سے اسکا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔

صائم کے انداز پر زائر ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا تھا۔

اپنی عمر سے بڑی باتیں نہیں کرنے گے تم صائم خان؟ زائر نے سامنے رکھی کافی جاگ
اٹھاتے ہوئے صائم سے سے پوچھا تھا۔

وہ ایک چوٹی میرے لالہ تھوڑے سے یو نو کھسکے ہوئے ہیں نا سو مجھے انکی زمہ داریاں بھی
نبھانی پڑتی ہیں، صائم شرارتی انداز میں جواب دیتا زائر کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر گیا تھا۔

بہت خوب میرے بھائی، میرے سامنے بیٹھ کر میرے ہی بارے میں ایسے شاندار
کمیئنٹس؟ زائر نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

بس آپکی سنگت کا اثر ہے، اور ہاں جینے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے، وہ فرضی کالر
اکڑاتے ہوئے مزاحیہ انداز میں بولا تھا۔

سدھرو جاؤ صائم، ویلے تم ڈاکٹری پڑھ رہے ہو یا فلسفہ؟ زائر کا موڈ اب کافی خوشگوار ہو چکا
تھا۔

جبکہ اسے ہنستے ہوئے دیکھ دوسری جانب صائم بھی پرسکون سا ہوا تھا۔

کافی اچھی ہے، زائر نے دل سے تعریف کی تھی۔

میں نے خود بنائی ہے آپ کے لیے، وہ انکل ہے نا وہاں، ان سے بہت مشکل سے اجازت لے کر، کیونکہ آپکو جیسی کافی پسند ہے یہ میں اچھے سے جانتا تھا، صائم نے خوش دلی سے بتایا تو زائر نے فخر سے اپنے پیارے بھائی کو دیکھا تھا۔

وہ اسکی خوشی کے لیے کیا کیا نا کر جاتا تھا۔

کتنے خوش قسمت ہو تم زائر خان؟ تمہیں اتنے مخلص رشتوں کا ساتھ ملا ہے، زائر نے دل میں سوچا تھا۔

کیا ہوا لالہ؟ اسے سوچوں میں ڈوبے دیکھ صائم نے پوچھا تھا۔

آں ہاں، کچھ نہیں، چلیں؟ زائر نے پوچھا تو صائم اثبات میں سر ہلاتا اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ سب اس وقت "خان پیلیس" میں موجود تھے۔

ضوریز، مشعال کے ساتھ آج ٹھیک ہونے کے بعد پہلی بار یہاں آیا تھا۔

سب ہی بہت خوش تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

سب بڑے ایک ساتھ بیٹھے تھے جبکہ ینگ جنریشن ایک ساتھ الگ ہی محفل جمائے بیٹھی تھی۔

ہم سب یہاں جمع تو ہو گئے ہیں، لیکن پلان کیا ہے؟ عانیہ سے رہا نا گیا تو پوچھ بیٹھی تھی۔

ٹک کے بیٹھ جاؤ گریا بس ابھی پتہ چل جائیگا پلان، جواب ضرور نے دیا تھا۔

یہ صائم کہاں ہے؟ مشعال نے پوچھا تو اسی وقت صائم زروا کے ہمراہ لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

وہ رہا صائم، اور پلان ابھی پتہ چل جائیگا تم سب کو بس صبر رکھو، ساحل نے جواب دیا تو مشعال اور عانیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

چلو مشعال ہم زروا سے ملتے ہیں، عانیہ نے کہا تو مشعال اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اے چڑیل یہ چلو مشعال کیا ہوتا ہے؟ بھا بھی ہے نا وہ تمہاری، ضریرز نے عانیہ کو
مصنوعی غصے سے لوکا تو عانیہ نے منہ بگاڑا تھا۔

کیا ہے لالہ؟ آپ کی بیوی ڈانٹتی ہے کہ نام لو آپ کہتے ہیں بھا بھی کہو، جائے میں آپ
دونوں سے ہی نہیں بولتی، وہ ناراض ہو کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

اسکے انداز پر ساحل اور ضریرز دونوں ہی ہنس دیے تھے۔

ضریرز تم نا سدھر جاؤ، ناراض کر دیا نا اسے، مشعال ضریرز کو گھورتی عانیہ کے پیچھے بھاگی
تھی۔

واہ، یہ سہی ہے؟ ضریرز خان، تم تو بیوی کے آگے بالکل ہی رومیو بن گئے ہو، چڑیل کہیں
کی، مشعال کے رعب جمانے پر ضریرز بڑبڑایا تھا۔

بہت پیاری فیملی ہے یار برو آپکی، اسے سوچوں میں گم دیکھ ساحل نے پورے دل سے کہا
تو ضرور مسکرا دیا تھا۔

تمہاری وارڈروب کلکیشن تو بہت ہی اووسم ہے یار زروا، باتوں کے درمیان غانیہ نے زروا
سے کہا تو وہ چونکی تھی۔

تمہیں کیسے پتہ؟ زروا نے یونہی سوال کر ڈالا تھا مگر اسے معلوم نہ تھا کہ اس سوال کا
جواب اسے انتہائی شرمندگی میں گھیر لیگا۔

ارے آج صبح ہی دیکھا میں نے، تمہارے کپڑے بہت زیادہ مٹی دھول میں ہو گئے تھے، تم بے سکون ہو رہی تھیں، تو میں نے ہی تمہیں چیلنج کروادیا تھا، اور تمہارے ڈیزائنر ڈریسز بھی فرصت سے دیکھ لیے، سوری یار، عانیہ نے آخر میں شرمندگی سے کہا تھا۔

جبکہ دوسری طرف زروا شکوہ رہ گئی تھی۔

مطلب تم نے مجھے چیلنج کروایا تھا؟ زروا نے عانیہ سے پوچھا تھا۔

ہاں لیڈی ڈاکٹر نے کہا تھا، تمہیں دھول مٹی سے الرجی ہے نا سو بس اسی لیے، تمہیں برا لگا تو سوری، وہ شرمندہ سی تھی۔

نن نہیں اُس اوکے، زروا غائب دماغی سے بولی تھی۔

اوگاڈ، یہ میں نے کیا کردیا، زروا بڑبڑائی تھی۔

چھوڑو یہ سب، میں تمہیں اک مزے کی بات بتاؤں؟ روم میں داخل ہوتی مشعال بولی
تمھی۔

زروا نے جواب نا دیا تھا۔

مگر مشعال پھر بھی اسے کل کا واقعہ بتانے لگی تھی۔

زروا شذر سی اسکی باتیں سن رہی تھی۔

مشعال نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔

عانہ کسی کام سے باہر گئی تھی جبکہ مشعال بھی ضروریز کو میڈیٹیشن دینے جا چکی تھی۔

اب وہاں زروا اکیلی ہی رہ گئی تھی۔

وہ اب گم سم بیٹھی تھی۔

یعنی زائر نے جو کچھ پرسوں رات اس سے کہا تھا وہ سب سچ تھا؟ زروا شدید حیرت میں تھی۔

تو کیا وہ پتھر موم ہو گیا تھا؟ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

ہاں زروا خان، زائر خان بدل چکا ہے، جب ہی تو وہ پورے کا پورے تمہارے عشق میں ڈوب گیا ہے اور اس نے پورے دل سے تمہاری طرف قدم بڑھایا ہے، اس کے دل نے گواہی دی تھی۔

زروا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے؟

محبت تو وہ بھی زائر خان سے

بے تحاشہ کرتی تھی مگر کہنے کی ہمت اس میں نہ تھی اور آج تو وہ خان کو کیا کچھ نہ کہہ
آئی تھی، تو کیا خان مجھے معاف کر دینگے؟ اس کے ذہن میں یہ آخری سوچ آئی تھی۔

اسی وقت اسکا موبائل بجاتا تھا۔

زروا نے بے دھیانی میں ایس کا بٹن دبا دیا تھا۔

تم اگر اپنے خان کی جان کی سلامتی چاہتی ہو تو ابھی کہ ابھی "زیڈ" کے "ولا" آجاؤ، اور ہاں
اکیلی آنا، کوئی ہوشیاری کی تو بھول جانا اپنے خان کو، ایک مردانہ آواز موبائل میں گونجی
تھی۔

زرّوا کو جیسے سب کچھ بھولا تھا یاد تھا تو صرف یہ کہ اسکا "خان" مصیبت میں ہے، وہ ایک دم سے بیڈ سے اتری تھی۔

اس نے پیچھے مڑنے یا کسی کو کچھ بتانے کی زحمت بھی ناکی تھی۔

نا ہی کسی نے اسے روکا تھا۔

وہ جلدی سے کار میں بیٹھی تھی اور جلدی جلدی ڈرائور کو ہدایت دینے لگی تھی۔

اگر اپنی بیوی کی سلامتی چاہتے ہو تو ابھی گھر آجاؤ میں یہی ہوں تمہارے اپنے "زیڈ" کے
ولا" میں، ساحل کا لہجہ دل جلانے والا تھا۔

مجھے پہلے ہی پتہ تھا تم ہو ہی گھٹیا انسان، مگر اس بار تم نے غلطی کر دی ہے مسٹر ساحل مغل۔

تم میری گھر میں گھس کر مجھے ہی دھمکی دے رہے ہو، اگر میری زروا کو ایک خراش بھی آئی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، سمجھے تم؟ زائر غمیض و غضب میں بھرا دھاڑا تھا۔

آجاؤ خان صاحب پھر آج آئے سامنے بات کرت ہیں، میں انتظار کروں گا، ہا ہا ہا، ساحل نے کہتے ہی کال کٹ کر دی تھی۔

دوسری طرف کال کٹ ہوتے ہی زائر آندھی طوفان کی طرح گاڑی دوڑانے لگا تھا۔

اسے کسی بھی حال میں بس جلد سے جلد گھر پہنچنا تھا۔

#زروا_زائر_اسپیشل

زروا "زیڈ" کے "ولا پہنچی تو چوکیدار گیٹ سے غائب تھا۔

یہ بات اسے مزید پریشان کر گئی تھی۔

یا اللہ! جانے کیا ہوا ہے، میرے خان ٹھیک ہوں بس، وہ دل ہی دل میں بولتی، اندر کی جانب بڑھی تھی۔

وہ اندر داخل ہوئی تو پورا بنگلہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

خان؟ زروا نے زائر کو آواز دی تھی۔

آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ وہ اسے مسلسل آوازیں دیتی اندر آرہی تھی۔

کہ اسی وقت اسکا موبائل واٹس ایپٹ ہوا تھا۔

صائم کالنگ دیکھ کر زروا نے یس کر کے موبائل کان سے لگایا تھا۔

زائر کے آفس سے گھر تک کا راستہ آدھے گھنٹے کا تھا۔

مگر وہ بے حد ریش ڈراؤنگ کرتا گھر پہنچا تھا۔

وہ محض 15 منٹس میں ہی "زیڈ۔ کے والا" کے سامنے کھڑا تھا۔

آج تو یہ ساحل نہیں بچتا میرے ہاتھوں سے، یا اللہ بس میری زروا ٹھیک ہو، زائر اپنے آپ سے کہتا گاڑی وہیں گیٹ پر چھوڑ کر بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

اسی وقت لائٹس آن ہوئی تھیں۔

زروا لاؤنج میں کھڑی تھی اور اس نے صائم کی کال ریسپو کی ہی تھی کہ لائٹس آن ہوئی تھیں۔

لائٹس آن ہونے پر وہ چونک کر پلٹی تو اسکے بالکل سامنے ہی زائر کھڑا تھا۔

خان، زروا موبائل پر چلتی کال کی پرواہ کیے بنا زائر کی طرف دوڑی تھی۔

زروا، زائر بھی دیوانہ وار اسکی جانب آیا تھا۔

زائر نے باہنیں واہ کی تو زروا بناٹے کا توقف کیے اسکی باہنوں میں سما گئی تھی۔

آپ ٹھیک ہیں نا خان؟ وہ اسکے سینے سے لگی اسکا سر تھپ تھپاتی ہوئی جیسے اپنی تسلی کر رہی تھی۔

وہ اسٹے اپنی ناراضگی تک بھول چکی تھی۔

ہاں میں ٹھیک ہوں میری زندگی، تم ٹھیک ہو نا؟ تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا نا اس

ایڈیٹ نے؟ زائر نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا تو زروا حیرانگی

سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

کیا مطلب؟ مجھے کون نقصان پہنچاتا؟ زروا نے سوال کیا تو اب کہ زائر حیران ہوا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ کچھ بولتا موبائل میں صائم کی آواز گونجی تھی۔

پپی برتھ ڈے ٹو یو، پپی برتھ ڈے ٹو یو، پپی برتھ ڈے ڈیئر لالہ پپی برتھ ڈے ٹو یو، صائم کی مسکراتی ہوئی آواز موبائل میں گونجی تو زائر اور زروا چونکے تھے۔

اچھے میں ہی زائر کو سب سمجھ آگیا تھا۔

سامنے ہی گھڑی 12 بج رہی تھی، یعنی زائر کا برتھ ڈے شروع ہو چکا تھا۔

سوئیاں بارہ کے ہندسے پر دیکھ زائر کے لبوں پر مسکراہٹ رہینگ گئی تھی۔

پچھلے چار سالوں میں یہ پہلا برتھ ڈے تھا، جو یقیناً اسکے لیے یادگار ہونے والا تھا۔

اسے بے اختیار ہی اپنے بھائی پر پیار آیا تھا۔

زائر نے زروا کے ہاتھ سے موبائل لیا تو زروا شرمندہ سی ہوئی تھی۔

پپی برتھ ڈے جگر ررر، یہ آواز ضوریز کی تھی۔

زائر نے اب زروا کے موبائل کو اسپیکر پر ڈال دیا تھا۔

اب صائم اور ضوریز کے ساتھ مشعال عانیہ اور ساحل کی آواز بھی اسپیکر میں گونج رہی تھی۔

وہ سب اسے وش کر رہے تھے۔

جبکہ زائر کو جیسے اپنی قسمت پر ناز ہونے لگا تھا۔

اسے باتیں کرتے دیکھ زروا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

زائر نے بھی اسے روکا نہ تھا۔

تھینکس آلاٹ صائم میرے پیارے بھائی، مجھے فخر ہے تم پر، زائر کے لہجے میں بڑے
بھائی والا پیار تھا۔

اے او، ہم سب بھی شامل ہیں اس میں، کیا اس اکیلے کو کریڈٹ دیے جا رہا ہے تو، ضرور
کی لڑکا سی آواز پر زائر ہنس دیا تھا۔

سوری لالہ ہمیں آپ دونوں کو ملانے کے لیے یہ چھوٹا سا پلان بنانا پڑا، اسپیکر میں صائم
کی آواز گونجی تھی۔

ارے بھئی باقی تم سب کو بھی تھینکس، مجھے تو یاد ہی نا تھا آج میرا برتھ ڈے، عادت
نہیں رہی نا اس دن کو منانے کی، وہ اداس سا ہو گیا تھا۔

میں بھی یہاں ہوں بھئی، یہ ساحل تھا۔

سوری زائر برو، وہ سب جھوٹ تھا، ساحل کی آواز شرمندہ سی تھی۔

زائر لالہ آج تک جو کچھ ہوا وہ سب صرف آپکو آپکے دل میں زروا بھا بھی کے لیے موجود پیار کا احساس دلانے کے لیے تھا، ساحل نے سب کلیئر کر دیا تھا۔

اور ہاں میں آپکی وائف کو کڈنیپ کروں، میری کیا شامت آئی ہے، وہ صرف آپکی ہیں اور آپکی ہی رہینگی، میں صرف آپکا غصہ چیک کر رہا تھا، وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

زائر بے اختیار ہی مسکرا دیا تھا۔

اُس اوکے ساحل، تم نے بنا کسی فائدے کے یہ سب کیا، تم واقع ہی ایک اچھے انسان ہو، زائر کی بھاری دلکش آواز میں آج ساحل کے لیے نفرت نا تھی۔

یاہو، پھر آپ صائم کی طرح میرے بھی لالہ ہوئے؟ پکا نا؟ ساحل نے سوال کیا تو زائر کا قہقہہ جاندار تھا۔

ہاں بھئی میرے یلے تم دونوں برابر ہو آج سے، زائر دوستانہ لہجے میں بولا تو صائم اور ساحل
بحث کرنے گئے تھے۔

دیکھو میں بھی انکے کلوز ہو گیا، ہرے، ساحل نے اسے چڑایا تھا۔

لالہ ڈیٹس ناٹ فیئر ہاں، صائم نے زائر کو آواز دی تھی۔

ارے تم دونوں لڑتا بند کرو، انہیں بھی بولے دو، عانیہ نے صائم کو گھر کا تھا۔

میں لالہ سے بات کر رہا ہوں دکھ نہیں رہا تمہیں، صائم عانیہ پر تپ گیا تھا۔

ارے تم لڑو تو مت، زائر نے انہیں چپ کرانا چاہا تھا۔

اے یار انکو چھوڑ تو اور جا کر اپنا اسپیشل ڈے انجوائے کر، ہم سب کل ملتے ہیں تیرے
ایوارڈ سرمنی میں، چل اسد حافظ، ضوریز نے سب کو لڑتے دیکھا تو زائر کو کچھ کہنے کا موقع
دیے بنا کال کاٹ دی تھی۔

زائر موبائل دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

وہ ابھی سیڑھیوں کے قریب ہی تھا کہ اسکا اپنا موبائل وائبرٹ ہوا تھا۔

آج سے 4 سال پہلے اسی رات میرے ایک میسج نے سب برباد کر دیا تھا، آج میرا ایک میسج
آئی ہوپ سب ٹھیک کر دیگا، بڑس پر تم دونوں کے لیے ایک سرپرائز ہے، تیرے برتھ
ڈے کی خوشی میں، آئی ہوپ تجھے پسند آئیگا۔

تیرا جگر۔

زائر کو ضرور کے نمبر سے یہ میسج موصول ہوا تھا۔

زائر نے مسکرا کر موبائل پاکٹ میں ڈالا تھا اور اوپر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

آج خان کا برتھ ڈے ہے اور میں بھول گئی، ناجانے کیا سوچ رہے ہونگے وہ؟ اب کیا کروں، زروا روم میں تھی اور یہاں سے وہاں ٹھلتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

میں انہیں وش کروں؟ اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

مگر میں نے آج صبح ان سے کتنا برا بتاؤ کیا، اب کیسے ان کا سامنہ کروں؟ وہ سوچوں میں غلطاں تھی۔

اسی وقت زائر روم میں انٹر ہوا تھا۔

زروا جہاں کھڑی تھی وہیں رک سی گئی تھی۔

زائر چلتا ہوا اسکے بالکل قریب آکر رکا تو زروا دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

وش نہیں کروگی مجھے پارٹنر؟ پوچھنے کے ساتھ ہی وہ دلکشی سے مسکراتا، زروا کا دل ڈھکا گیا تھا۔

اس لمحے اسے مسکراتے دیکھ زروا کے دل نے اعتراف کیا تھا، زائر خان آفریدی واقع ہی مردانہ وجاہت کا مکمل شاہکار ہے۔

وہ رف سے حلیے میں بھی کافی ہینڈسم لگ رہا تھا۔

پیپی برتھ ڈے خان، زروا آہستہ سے بولی تھی۔

زائر نے اسی وقت ایک جھٹکے سے اسکی کمر کے گرد بازوں حمائل کرتے ہوئے اسے خود سے قریب تر کیا تو زروا کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا تھا۔

اتنا پھیکا وش؟ ناٹ فیئر زندگی، وہ مصنوعی غصے سے بولا تھا۔

جبکہ اسکے حصار میں قید زروا کی پلکھیں عارضوں پر لرز سی گئی تھیں۔

زائر نے دلچسپی سے اسکا حیا سے سرخ پرٹنا چہرہ دیکھا تھا۔

خان چھوڑیں مجھے، زروا مسمنائی تھی۔

آں ہاں، آج ایسے ہلکے میں نہیں بخشونگا تمہیں میں خان کی جان، کیونکہ، میری جان
خطرے میں ہے یہ سن کر جس طرح تم دوڑ کر آئی تھی اس سے میں اتنا تو سمجھ گیا
ہوں کہ تم مجھے معاف کر چکی ہو، وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پر اعتماد لہجے میں بولتا
زروا کو دنگ کر گیا تھا۔

معاف تو واقع ہی وہ اسے کر چکی تھی۔

غلط فہمی ہے آپکی، وہ مسکراتی ہوئی نظروں کا زاویہ بدل گئی تھی۔

اس نے بھی تو اسے کتنا ستایا تھا، اتنا تو آخر اسکا بھی حق تھا۔

زائر مسکرایا تھا۔

کیا واقع ہی؟ کیا میری قربت تمہیں اچھی نہیں لگ رہی؟ کیا میری موجودگی تمہارے دل میں ہلچل نہیں مچا رہی؟ کیا تمہارا دل نہیں چاہ رہا کہ یہ لمہیں یہیں ٹھہر جائیں؟ بولو پارٹنر؟ وہ اسکے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

زروا نے سراٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا، زائر کی نیلی سمندر سی گہری آنکھوں میں ڈھیروں جذبات کا سمندر موجزن تھا۔

اس ساحر کی قربت پر زروا کا ننھا سا دل بے قابو ہوا تھا۔

ہاں وہ اسے معاف کر چکی تھی مگر کچھ شکوے اب بھی اسکے دل میں اپنے خان کے لیے باقی تھے۔

زائر اچانک ہی اس پر جھکا تھا۔

خان پلینز نہیں، زروا نے آنکھیں سختی سے بند کرتے ہوئے بے اختیار ہی اسکی شرٹ مٹھی میں دبوچی تھی۔

"پھر میں نے دھڑکنوں کو بھی جنبش نا کرنے دی"

"باہنوں میں تھی وہ میری، مجھ سے ہی ڈری ہوئی"

دھیمی آواز میں شعر پڑھتے ہوئے زائر نے اسکے گرد گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔

جبکہ اسکی گھمبیر آواز نے زروا کے اوسان خطا کرنے میں کوئی کسر نا چھوڑی تھی۔

وہ اب حیرت زدہ سی زائر کی جانب دیکھ رہی تھی، جسکے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

وہ اپنی آہنی گرفت ڈھیلی کرچکا تھا مگر اس سے نگاہ چراتی زروا میں ہمت نا تھی کہ اس سے دور ہو جاتی۔

زائر نے خود ہی اسے دور کیا تو وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خاموش کھڑے تھے۔

کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں؟ زائر نے اچانک سوال کیا تو زروا اسکی جانب مڑی تھی۔

بولو، زائر نے پھر سے کہا تو زروا بول اٹھی تھی۔

کیسے معاف کردوں خان؟ کیا آپ نے جو میرے ساتھ کیا وہ بھلایا جاسکتا ہے؟ کیا آپکی معافی سے اس اذیت کا مدعاوا ہو جائیگا جو آپ نے مجھے دی؟ آپکی اس نفرت نے میرا دل چھلنی چھلنی کر دیا ہے، جب سے آپ میری زندگی میں آئے ہیں، کوئی دن ایسا نہیں گزرا، جب آپ نے مجھ سے اپنی بے وجہ کی نفرت کا اظہار نا کیا ہو، خان آپ کے اس رویے کو سہتی میں پل پل مرتی رہی ہوں، کیا میرا قصور اتنا بڑا تھا؟ صرف آپ سے محبت ہی تو کی تھی کتنی بڑی سزا دی آپ نے مجھے اسکی، وہ بوٹے بوٹے آخر میں رو دی تھی۔

اسکی آخری بات پر زائر کا دل خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

نم آنکھوں سے شکوہ کرتی وہ زائر کو بے حد پیاری لگی تھی جبکہ اب تو آخر میں وہ اس سے اظہار بھی کر گئی تھی۔

زروا، زائر سرعت سے اسکے پاس آیا تھا اور اسے شانوں سے تھام کر اسکا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔

کیا کہا تم نے آخر میں ؟ زائر نے اپنے اذلی سنجیدہ انداز میں پوچھا تھا۔

زروا چونکی تھی۔

مم میں نے تو، زائر نے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

میں نے پوچھا کیا کہا تم نے ابھی ؟ زائر نے مصنوعی غصے سے پوچھا تھا۔

میں نے کچھ بھی تو نہیں، زروا گھبرائی ہوئی بولی تھی۔

زائر کو وہ بہت معصوم لگی تھی۔

زروا تم جانتی ہو نا مجھے غصہ بھی آسکتا ہے؟ زائر نے اسکا چہرہ ایک ہاتھ سے اوپر کیا تھا۔

جج جی، زروا نے تھوک نگلا تھا۔

زائر نے بامشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی تھی۔

یہاں میری طرف دیکھو، زائر نے کہا تو زروا نے بامشکل نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا تھا۔

بولو اب، اب کہ زائر نے زرا سا سخت لہجے میں کہا تھا۔

زروا ڈر سی گئی تھی۔

میں بول رہی تھی میرا قصور، زائر نے پھر سے اسکی بات کاٹی تھی۔

اس کے بعد، زائر ہنوز سنجیدہ تھا۔

زروا نے خفگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

ارے یار اتنا بھی نہیں بول سکتی تم، محبت کرتی ہونا مجھ سے؟ زائر نے اچانک سوال کیا
تو زروا مارے حیا کے سر جھکا گئی تھی۔

جو کہ اس کے اقرار کا ثبوت تھا۔

زائر کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔

وہ میں باہر جا ہی ہوں، زروا جانے کو پرتو لے لگی تھی۔

زائر نے اچانک ہی اسے بھیج کر سینے سے لگالیا تھا۔

یو فول، سمجھ نہیں آ رہا تمہیں نہیں رہ سکتا میں تمہارے بنا، آئی لو یو یار، وہ اسے خود سے لگائے جذبات سے بوجھل لہجے میں اقرار محبت کر گیا تھا۔

"کبھی انکار کر گیا کبھی اقرار کر گیا"

"ہر بار وہ ہمیں نئے عذاب سے دوچار کر گیا"

"نظر انداز کر کے بھی دیکھا اسے مگر ہر بار"

"وہ شخص دل میں اتر کر ساری حدیں پار کر گیا"

اسکے اقرار پر زروا کا دل جیسے ایک دم سے پرسکون ہونے لگا تھا۔

ایک عجیب سی سرشاری اسے اپنے رگ جاں میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

ہاں وہ پتھر موم ہو چکا تھا اور زروا نے اس بار اسکا حصار توڑنے کی کوشش نا کی تھی بلکہ
دل کی آواز پر لبیک کہہ دیا تھا۔

شاید وہ بھی اب زندگی میں سکون چاہتی تھی اور اسکا سکون صرف زائر خان کے ساتھ میں
تھا، ہاں زروا زائر خان، زائر خان کے بنا ادھوری تھی، اس نے دل میں اقرار کیا تھا۔

زائر نے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

جوا بھی تم نے کہا وہ ایک بار پھر سے کہو، میں سننا چاہتا ہوں، زائر نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے فرمائش کی تھی۔

مم، میں آپ سے بہت، زروا ہچکچائی تھی۔

پلیز؟ زائر بضد ہوا تھا۔

میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں خان، زروا نے بالاخر کہہ ہی دیا تھا۔

زروا بولے کے ساتھ ہی بھاگتی ہوئی روم سے نکل گئی تھی، جبکہ زائر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

ارے او پارٹنر مجھے معاف کیا یا نہیں؟ زائر اسکے پیچھے ہی روم سے نکلا تھا۔

جبکہ زروا سنی ان سنی کرتی سیڑھیاں اتر گئی تھی۔

ارے ظالمہ، کچھ تو بتاتی جاؤ، وہ ہنستا ہوا اسکے پیچھے ہی سیڑھیوں سے اتر کر باہر کی جانب بھاگا تھا۔

وہ زائر سے اقرار کر آئی تھی یہ سوچ کر ہی اسکا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

زروا اس وقت اپنی من پسند جگہ، یعنی جھولے پر بیٹھی تھی جب زائر وہاں آیا۔

وہ بھی اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا۔

زروا نے اسے نظر انداز کیا تھا۔

بہت ظالم ہو تم یار، وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

زروا نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

آج میرا برتھ ڈے سویٹ ہارٹ اور تم اسے میرے ساتھ سیلیبرٹ کرنے کے بجائے یوں
یہاں آکر بیٹھ گئی ہو، زائر نے شکوہ کیا تھا۔

آئی ایم سوری خان، مجھے سچ میں یاد ہی نہیں تھا، زروا شرمندہ ہوئی تھی۔

وہ اسکی جانب دیکھنے سے گریزا تھی۔

بس بس، زیادہ گلٹ فیل کرنے کی ضرورت نہیں، تم بس 10 منٹس میں ریڈی ہو کر اوپر ٹیس پر آجاؤ، میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں، وہ بول کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

جبکہ زروا حیران سی وہی بیٹھی رہ گئی تھی۔

میں نے کہا میں ویٹ کر رہا ہوں، اچھے سے ریڈی ہو کر ٹیس پر آؤ، میں اپنا برتھ ڈے تمہارے ساتھ منانا چاہتا ہوں۔

وہ بات مکمل کرتے ہی لمبے لمبے قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

بلیک پینٹ پر بلیک ہی شرٹ اور ریڈ سلک کی ٹائی لگائے، بھورے بالوں کو جیل سے سیٹ کیے، چینل کی خوشبو میں رچا بسا زائر بلاشبہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

وہ کافی دیر سے زروا کا انتظار کر رہا تھا مگر وہ اب تک نا آئی تھی۔

وہ نہیں آئیگی ریڈ۔ کے سب ویسٹ ہو گیا، شاید وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہو گئی ہے، زائر نے دل میں سوچا تھا۔

اسی وقت ہیل کی ٹک ٹک کی آواز آئی تو زائر پلٹا تھا۔

سامنے ہی زروا کھڑی تھی۔

ریڈ کلر کے سلک کے گاؤن میں، نفاست سے کیے گئے میک اور ڈائمنڈ کی جیولری پہنے وہ زائر کو مبہوت کر گئی تھی۔

اسکے کھلے سنہری سلکی بال اسکی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔

زائر مسمرائز سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

جبکہ اسکے یوں خود کو دیکھنے پر زروا نروس ہوئی تھی۔

خان؟ اسے یوں کھویا ہوا دیکھ زروا نے اسے پکارا تو زائر حوش میں آیا تھا۔

وہ چلتا ہوا اسکے قریب جا کر رکا تھا۔

مے آئی؟ زائر نے اسکی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔

زروا نے اسكے ہاتھ میں اپنا نازك مرمرى ہاتھ تھما دیا تھا۔

زائر اسے لے كر آگے بڑھ رہا تھا، جبكہ زروا حیران سی ارد گرد ديكھ رہى تھى۔

زائر نے اسے ايك جگہ لا كر كھڑا كيا تھا۔

خود وہ اسكے سامنے كھڑا اسكى جانب مسكراتے ہوئے ديكھ رہا تھا۔

جبكہ زروا كى آنكھوں میں حیرانگى سی تھى۔

پورا ٹیرس سرخ گلابوں سے سجا ہوا تھا۔

سامنے ہی ایک ٹیبل پر زروا اور زائر کا فیورٹ چاکلیٹ کیک رکھا ہوا تھا۔

ٹپس پر جگہ جگہ کینڈلز لگائی گئی تھیں۔

زائر نے سب کینڈلز روشن کی تھیں جو کہ اب ماحول کو کافی خوبناک سا تاثر دے رہی تھیں۔

اب زائر آہستہ آہستہ چلتا زروا کے قریب آیا تھا۔

یہ تو کچھ زیادہ ہی پھیل رہے ہیں، میں نے اقرار کیوں کر دیا، اور یہ آج انہیں کیا ہوا ہے؟ سوچتے ہوئے وہ گھبرا کر کر رخ موڑ گئی تھی۔

"میں تم سے یہ وعدہ نہیں کروں گا کہ تم پر کبھی مصیبت آنے نہیں دوں گا، مگر میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری ہر مصیبت میں، میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں تمہاری ہر مصیبت کو پہلے مجھ سے ٹکرانا ہوگا"

وہ ایک جذب سے بول رہا تھا، دوسری طرف زروا اسے دیکھتی اسکے لفظوں پر غور کر رہی تھی۔

سامنے کھڑا یہ وجیہ سا شخص صرف اسکا ہے، زروا کو بے اختیار ہی اپنی قسمت پر رشک آنے لگا تھا۔

اے کہاں کھو گئی؟ اس نے اسے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔

آں ہاں سک کہیں نہیں، مگر یہ سب؟ وہ قصداً بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

صرف تمہارے لیے، زائر بولتا ہوا دلکشی سے مسکرایا تھا۔

جبکہ زروا کے دل کی ڈھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

مگر آج تو آپکا برتھ ڈے ہے نا، زروا اب اس سے آرام سے بات کر رہی تھی۔

تم میرے لیے بہت خاص ہو زندگی اور میں یہ دن تمہارے ساتھ یادگار بنانا چاہتا ہوں، زائر نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

اسکی بات سن کر وہ کھل کر مسکرا دی تھی۔

آؤ اب کیک کاٹیں، زائر نے کہا تو زروا مسکراتی ہوئی اسکے ساتھ چل دی تھی۔

زائر نے مسکراتے ہوئے کیک کاٹا تھا اور ایک پیس زروا کی جانب بڑھایا تھا۔

خان پہلے آپ، زروا نے اسکا ہاتھ تھام کر کیک اسے ہی کھلادیا تھا۔

اسکے بعد زائر نے وہی پیس زروا کی جانب بڑھایا تو زروا نے مسکراتے ہوئے کیک کھایا تھا۔

میرا گفٹ؟ زائر نے زروا سے اچانک ہی سوال کیا تھا۔

وہ تو میں لائی ہی نہیں، زروا نے اپنی ادلی سادگی سے جواب دیا تھا۔

کوئی بات نہیں میں خود اپنا گفٹ تم سے لے لیتا ہوں، زائر نے بولے کے ساتھ ہی اسکی کلائی تھام کر اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

وہ جھٹکے سے اسکے سینے سے آگئی تھی۔

خان پلینز چھوڑیں، زروا اتھل پتھل ہوتی سانسوں کو قابو کرتی آہستہ سے بولی تھی۔

جبکہ زائر نے اسکے گرد حصار باندھے اسکے شانے پر تھوڑی ٹکائی تھی۔

زروا جی جان سے لرز گئی تھی مگر آج اسے زائر کی قربت بری نالگی تھی۔

بہت ترپایا ہے تم نے ظالمہ، ایسے تو نہیں چھوڑونگا، وہ گھمبیر لہجے میں اسکے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

جبکہ زروا کا دل ہے جیسے ہتھیلی میں دھڑکنے لگا تھا۔

زائر نے اسے شانوں سے تھام کر اسکا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔

زروا کی پلکھیں رخساروں پر سایہ فگن ہوئی تھیں۔

زروا کی شرم سے اٹھتی گرتی پلکھوں کا یہ منظر زائر کو مبہوت کر گیا تھا۔

"تم جو ہنستی ہو تو پھوٹوں کی آدا لگتی ہو"

"اور چلتی ہو تو اک بادِ صبا لگتی ہو"

"دونوں ہاتھوں میں چھپا لیتی ہو اپنا چہرہ"

مشرقی خور ہو دِلہن کی حیا لگتی "ہو"

"کُچھ نہ کہنا میرے کندھے پہ جھکا کر سر کو"

"کتنی معصوم ہو، تصویر وفا لگتی ہو"

"بات کرتی ہو تو ساگر سے کھٹک جاتے ہیں"

"لہر کا گیت ہو، کوئل کی صدا لگتی ہو"

"کس طرف جاؤ گی زلفوں کے یہ بادل لے کر"

"آج مچلی ہوئی ساون کی گھٹا لگتی ہو"

"میں نے محسوس کیا تُم سے یہ باتیں کر کے"

"تُم زمانے میں زمانے سے جُدا لگتی ہو"

وہ گھمبیر لہجے میں یہ غزل پڑھتا زروا کو خود میں سمٹنے پر مجبور کر گیا تھا۔

لفظ تھے کہ جادو، زروا سحرزدہ سی اسکے لفظوں میں کھو کر رہ گئی تھی۔

زائر ایک دم سے اس پر جھکا تو زروا گھبرا گئی تھی۔

لگے ہی پل زائر نے اسکی پیشانی پر اپنے پاک عشق کی پہلی مہر ثبت کی تھی۔

زروا مسکرائی تھی اسے اس مٹے اپنا آپ معتبر ہوتا محسوس ہوا تھا۔

میں بھی نا، پتہ نہیں کیا سمجھ رہی تھی، وہ آنکھیں بند کیے سوچ رہی تھی۔

جو سوچ رہی ہو وہ ہو بھی سکتا ہے ویلے، زائر کی شرارت سے بھرپور آواز پر زروا نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

اسکی ہیزل گرین آنکھوں میں گھبراہٹ کے آثار تھے۔

اسے دیکھ کر زائر کا جاندار قہقہہ گونجا تھا۔

آپ بہت وہ ہیں، زروا سے کچھ بن نا پڑا تھا۔

وہ؟ پلیز والٹھی ڈیفائن دز "وہ" وہ ہنوز اسے چھیرنے کے موڈ میں تھا۔

زائر آپ، وہ بولے لگی تھی کہ زائر نے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

جی جان زائر؟ وہ معصومیت سے بولا تھا۔

زروا جو کچھ کہنے ہی لگی تھی مگر زائر کی آنکھوں میں موجود شرارت دیکھ وہ تب گئی تھی۔

مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی، وہ چڑ کے بولی تھی۔

بات نا سہی ڈانس ہی کرلو، اسی وقت زائر نے میوزک سسٹم آن کیا تھا۔

اب زروا ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا دی تھی۔

زائر نے اسکی جانب ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے قریب کیا تھا۔

اب زروا کا ایک ہاتھ زائر کے ہاتھ میں تھا جبکہ دوسرا اسکے شانے پر، جبکہ زائر نے ایک ہاتھ اسکی کمر کے گرد ڈالا ہوا تھا۔

زروا کی نگاہ اسکے خوبو چہرے پر جم سی گئی تمہیں زائر بھی اسکی آنکھوں میں ہی دیکھ رہا تھا۔

اسی وقت میوزک ختم ہوا تو سانگ شروع ہوا تھا۔

"کیسے کہوں عشق میں تیرے

کتنا ہوں بے تاب میں"

زائر نے زروا کو باہنوں میں لیے ہی گھمایا تھا۔

"آنکھوں سے آنکھیں ملا کے" "چرالوں تیرے خواب میں"

وہ اب زروا کی جانب دیکھتے ہوئے اسے لیے آگے پیچھے ہوتا ڈانس اسٹپ لے رہا تھا۔

زروا ٹرانس کی سی کیفیت میں اسکا ساتھ دے رہی تھی۔

"کیسے کہوں عشق میں تیرے کتنا ہوں بے تاب میں"

"آنکھوں سے آنکھیں ملا کے" "چرالوں تیرے خواب میں"

زائر نے زروا کو خود سے دور کرتے ہوئے پھر سے قریب کیا تھا۔

"میرے سائے ہیں ساتھ میں"

"یارا جس جگہ تم ہو"

"میں جو جی رہا ہوں"

"وجہ تم ہو، وجہ تم ہو"

وہ اب اسے دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے ڈانس کر رہا تھا۔

"میں جو جی رہا ہوں"

"وجہ تم ہو، وجہ تم ہو"

زائر نے زروا کا ہاتھ چھوڑا تھا۔

"ہے یہ نشہ، یا ہے زہر"

"اس پیار کو ہم کیا نام دیں"

اس نے پھر سے زروا کی جانب ہاتھ بڑھایا تو زروا نے مسکراتے ہوئے اسکا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"کب سے ادھوری ہے اک داستان"

"آجا اسے آج انجام دیں"

"تمہیں بھولوں کیسے میں"

"میری پہلی خطا تم ہو"

وہ زروا کو خود سے لگائے اسکے دونوں ہاتھوں میں اپنے ہاتھ پھسائے ہوئے اسے لیے گول
گھوما تھا، ایسے کے زروا کی پشت اسکے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

"میں جو جی رہا ہوں"

"وجہ تم ہو، وجہ تم ہو"

"میں جو جی رہا ہوں"

"وجہ تم ہو، وجہ تم ہو"

وہ سنگر کے ساتھ بول دہرا رہا تھا۔

زروا خود میں سمٹی جا رہی تھی۔

"کیا جانے تو، میرے ارادے"

"لے جاؤں گا سانسیں چراکے"

"کیا جانے تو، میرے ارادے"

"لے جاؤں گا سانسیں چراکے"

زائر زروا کی گردن پر جھکا تھا۔

زروا سانس روکے کھڑی تھی۔

"دل کہہ رہا ہے گنگار بن جا"

"بڑا چین ہے ان گناہوں سے آگے"

زائر نے اسے خود میں بھیج لیا تھا۔

"میں گمشدہ سی رات ہوں"

"میری خوشنا صبح تم ہو"

زائر نے اشارے سے زروا سے اجازت لیتے ہوئے اسے باہنوں میں بھر کر گود میں اٹھایا تھا۔

زروا نے خود کو اسکے سپرد کر دیا تھا۔

وہ اسے باہنوں میں لیے گھوم رہا تھا۔

"میں جو جی رہا ہوں"

"وجہ تم ہو، وجہ تم ہو"

"میں جو جی رہا ہوں"

"وجہ تم ہو، وجہ تم ہو"

گانے کے یہ خوبصورت بول اب بھی گونج رہے تھے۔

رات قطرہ قطرہ گزر رہی تھی جبکہ وہ دونوں نفوس ایک دوسرے میں کھولے ہوئے تھے۔

موسم پہلے ہی ابرآلودہ تھا اب تو اچانک ہی بادل گرتے گئے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے

موسلا دھار بارش شروع ہو چکی تھی۔

زائر نے آہستہ سے اسے نیچے اتارا تو زروا اس سے دور ہوتی جانے لگی تھی مگر زائر نے اسکا ہاتھ تھام کر اسے جانے سے روک لیا تھا۔

رک جاؤ، حکم دیا گیا تھا۔

زروا دونوں انگلیاں آپس میں مڑوٹی وہیں رک گئی تھی۔

زائر اسکے سامنے ہی کھڑا تھا۔

اب اس چھم چھم برستی برسات میں وہ دونوں ہی خاموشی سے پور پور بھیگ رہے تھے۔

بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ کرتیں ماحول میں سریلا سا ارتعاش پیدا کرنے پہ آمادہ تھی۔

لفظ جیسے کہیں گرمی نیند جا سوئے تھے بس کچھ تھا تو وہ تھی تنہائی اور..

اور وہ دونوں شاید آنکھوں کی زبان جانتے تھے؟؟؟ سمجھتے تھے کہی ان کہی کو...!!

زائر اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا جبکہ زروا اب اس کی طرف دیکھنے سے حد درجہ گریزاں
تھی۔

تمہیں یاد ہے یہ موسم ہم ایک ساتھ کتنا انجوائے کرتے تھے؟ زائر کی آواز نے خاموشی کو
توڑا تھا۔

ہاں اور آپ کو ہمیشہ اس موسم میں بھینگنے کے بعد فلو ہو جاتا تھا، شرارتی اور پراعتماد لہجے
میں بولتی آج اس لمحے وہ زائر کو بہت پیاری اور اپنی اپنی سی لگی تھی۔

صرف اور صرف اس کی..

اسکے بھیکے ہوئے بالوں نے شانوں کو ڈھانپا ہوا تھا جبکہ شریر لٹوں نے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا وہ باقاعدہ لرز رہی تھی۔

اسکی بات سن کر بے اختیار ہی زائر ہنس دیا تھا۔

مگر آج یہ موسم مجھے اور بھی حسین لگ رہا ہے کیوں کہ تم جو میرے ساتھ ہو، زائر کا لہجہ زو معنی تھا۔

اسکی زو معنی باتوں سے زروا بلش کر گئی تھی۔

وہ زائر سے نگاہیں ملانے سے قاصر تھی۔

ہچکچا رہی تھی شاید نئے نئے رشتے کی وجہ سے؟ زائر سے کترا رہی تھی۔

اب جیسے اس میں مزید زائر کی لوہ دیتی نظروں کا سامنا کرنے کی سکت نہ رہی تھی وہ تیزی سے واپس مڑی تھی مگر ہائے ری قسمت جیسے سارے ستم آج ہی ایک ساتھ کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔

بارش کی وجہ سے فرش کا بھیکا ہونا اس کے لئے بہت بڑا امتحان بنا تھا۔

وہ پیچھے ہی تھی اور اسے قدم لڑکھڑائے تو وہ پوری طرح سے زمین بوس ہونے کو تھی۔

اس نے گرنے کے خوف سے بے ساختہ زائر کے شانوں کو تھاما تھا۔

زروا کے بالوں نے دانستہ زائر کے چہرے سے شرارت کی تھی جبکہ زائر نے تیزی سے اس کو سہارا دیا تھا کمر سے تھام کر اس کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔

زروا کی سانسیں تھم سی گئی تھیں۔

اسے اپنے حصار میں لیے زائر نیچے روم میں آیا تھا۔

مم..می..وہ گرنے لگی تھی اس نے آپ کو..

اس سے آگے وہ خاموش ہو گئی تھی۔۔۔

میں تمہیں کبھی گرنے نہیں دوں گا میرے زور بازو میں اتنی طاقت ہے کہ اپنی بیوی کی حفاظت کر سکوں۔

لہجہ دھیمہ مگر سخت تھا ارادوں کی پختگی چھلکاتا ہوا۔

زرو ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

زائر نے اسے بے حد آرام سے بیڈ پر بٹھایا تھا۔

وہ محسوس کر رہی تھی اس کی بولتی قربت کو اس پہ تضاد جائز شرعی رشتہ اور یہ تنہائی۔

اب زائر اس کے چہرے پہ بکھرے قوس و قزاح کے رنگوں کو محظوظ ہو کر دیکھ رہا تھا۔

شاید وہ بھی اسے محسوس کر رہا تھا۔

وہ اگلے ہی مٹے جھکتا ہوا اسکے مزید قریب تر ہو گیا تھا۔

اتنا کہ اب وہ بہ آسانی زروا کی اتھل پھتل ہوتی سانسوں کو سن سکتا تھا۔

وہ اس کی نرم گرم سانسوں کی تپش کو اپنے چہرے محسوس کر رہی تھی۔

جب کہ رخسار سرخ ہوئے تھے نگاہیں ہنوز جھکی ہوئی تھی۔

زائر نے اس کی کمر کے گرد حصار مزید تنگ کیا۔

اتنا کہ زروا کو اس کی مضبوط انگلیاں اپنی کمر کے گرد پیوست ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

اجازت ہے؟ زائر نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو زروا دھک دھک کرتے دل کو
سنجھاتی آنکھیں موند گئی تھی۔

زائر نے اس کے انداز کو اس کی آمادگی سمجھتے ہوئے لائٹس آف کر دی تھیں۔

جبکہ زروا نے خود کو پوری طرح اپنے محبوب شوہر کے سپرد کر دیا تھا۔

وہ جو اس کی بچپن کی محبت تھا اور بلاشبہ اب اس کا عشق بن چکا تھا۔

نفرت ہار گئی تھی اور ایک بار پھر سے محبت فاتح عالم ٹھہری تھی۔

صبح اسکی آنکھ کھلی تو اس نے بیڈ پر خود کو اکیلا پایا تھا۔

واش روم سے پانی کی آواز آرہی تھی یعنی وہ جاگ چکا تھا۔

وہ لیٹے لیٹے ہی کل رات کے بارے میں سوچنے لگی تھی جب ضوریز نے اسے رات میں ہی واپس گھر چلنے کا کہا تو وہ اس سے ناراض ہو گئی تھی۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں ڈیم اٹ، دل نہیں لگتا تمہارے بنایا، اسی لیے کہہ رہا ہوں چلو واپس، ضوریز منہ بسورے بولا تو مشعال اسکی صورت دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

پھر ساحل کو ایئرپورٹ چھوڑتے ہوئے وہ سیدھا "ضوریز ہاؤس" آئے تھے۔

ضویرز کے کل والے الفاظ اب بھی اسکے کان میں گونج رہے تھے۔

اسکے چہرے پر ایک سرشار سی شرمیلیں مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

ابھی وہ مسکرا ہی رہی تھی کہ ہاتھ روم کا دروازہ کھلا تھا اور وہ بالوں کو تیلے سے رگڑنا باہر نکلا تھا۔

ہشاش ہشاش بالکل فریش سا.....

نگاہ بیڈ پر گئی تو وہ خلاف توقع آج نا صرف جاگ رہی تھی بلکہ چہرہ نیند کی خماری میں ڈوبا ہونے کے برعکس بالکل فریش لگ رہا تھا۔

رات والی ناراضگی بھی ختم ہو چکی تھی۔

ضوریز کو دیکھتے ہی وہ جھٹ نظروں کا زاویہ بدل گئی تھی۔

وہ مسکراہٹ چھپاتا ڈریسنگ روم میں چل دیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ اسکائے بلورنگ کی شرٹ پہنتا ہوا روم میں آیا تھا۔

تب تک مشعال بھی اٹھ کر فریش ہونے جا چکی تھی۔

وہ فریش ہو کر نکلی تو تب تک ضوریز ریڈی ہو چکا تھا۔

دونوں میں کوئی بات نا ہوئی تھی۔

مگر نگاہیں ایک دوسرے پر ہی مرکوز تھیں اور خاموشیاں بھی بہت بھلی لگ رہی تھیں۔

وہ کپڑے چینج کر کے نکلی تو ضوریز اس سے مخاطب ہوا تھا۔

چلو بریک فاسٹ کرنے چلیں۔

مشعال نے سر ہلا کر ہاں میں جواب دیا تھا اور اس کے ساتھ چل دی تھی۔

وہ دونوں سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ

سماہر بیگم جو کہ ٹیبل پر ناشتہ لگوا رہی تھیں، انکی نظر ایک دم اوپر اٹھی تو انکے منہ سے

بے اختیار ہی ماشاء اللہ نکلا تھا۔

ضوریز اور مشعال نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

وعلیکم اسلام، سب نے ہی انکے سلام کا جواب دیا تھا۔

ناشتہ کافی خوشگوار ماحول میں کیا گیا تھا۔

ناشتے کے بعد ضوریز اور شہروز خان آفس چلے گئے تھے۔

جبکہ عانیہ اور مشعال یونیورسٹی کے لیے نکل گئی تھیں۔

وہ یونیورسٹی پہنچا ہی تھا کہ اسے سامنے سے عانیہ اور مشعال آتی دیکھائی دی تھیں۔

ہے گرلز کیسی ہو تم دونوں؟ صائم نے اپنے مخصوص دوستانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

میں ٹھیک ہوں، مگر کوئی کل رات سے اداس ہے بہت، "خان پیلیس" نارکنے کا کافی گہرا صدمہ جو پہنچا ہے، مشعال کا اشارہ عانیہ کی طرف تھا۔

اسکی بات سن کر صائم کا قہقہہ جاندار تھا۔

جبکہ عانیہ ناراضگی کے اظہار میں رخ موڑ گئی تھی۔

تم اب زرا ظالم سماج کا رول کرنا بند کرو اور اپنی بے صوری شکل گم کرو تاکہ میں کسی کی اداسی کم کر سکوں، صائم نے مشعال کو چھیڑا تھا۔

ہاں ہاں جارہی ہوں احسان فراموش انسان، مشعال چڑ کر بولتی انہیں باتیں کرنے کا موقع دیتی آگے بڑھ گئی تھی۔

کیسی ہو؟ صائم نے عانیہ سے پوچھا تھا۔

تم سے مطلب؟ وہ رات کی بات پر اب بھی خفا تھی جب صائم نے اسے ڈانٹا تھا۔

مطلب تو تمہارے سارے مجھ سے ہی ہیں سویٹ ہارٹ، وہ اسکے خوبصورت چہرے کو نظروں کے حصار میں لیے گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

عانیہ ناراضگی کے باوجود جھینپ گئی تھی۔

آئی لو یو، صائم کے ڈائریکٹ اظہار کردینے پر عانیہ نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

کتنے آرام سے وہ اظہار کر گیا تھا، عانیہ کا دل بے حد زور سے دھڑک رہا تھا۔

صائم آنکھوں میں بے تحاشہ محبت لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

دونوں کی نظریں ملی تو عانیہ کی دھڑکنوں میں طلاطم سا برپا ہوا تھا اور لگے ہی محو وہ وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔

اسکے جانے کے بعد بھی صائم وہیں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ اسکے پیچھے بھاگا تھا۔

صبح 9 بجے زروا کی آنکھ کھلی تو اسکا سر زائر کے کشادہ سینے پر تھا، اور زائر نے اسکے گرد باہنوں کا حصار باندھا ہوا تھا اسطرح کہ زروا اٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔

سوتے ہوئے کتنے معصوم لگتے ہیں، زروا پیار بھری نظروں سے اپنے خان کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

اسے پھر زائر کا رات والا روپ یاد آنے لگا تھا، وہ پہلی بار شوہر والے استحقاق سے اسکی جانب بڑھا تھا، زروا نے بھی اسے روکا نہیں تھا، کیونکہ وہ اپنے شوہر کو ناراض کر کے اسکو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی، اتنی مشکل سے تو سب سیٹ ہوا تھا، زروا بھی اب زندگی میں سکون چاہتی تھی جو کہ زائر کے اقرار نے اسے دے دیا تھا۔

زائر کی بے باکیاں یاد کرتے ہوئے زروا اپنے آپ میں ہی سمٹ سی گئی تھی۔

اتنا ہینڈسم لگ رہا ہوں کیا؟ زائر نے آنکھیں بند کیے ہوئے ہی پوچھا تھا، اسکا اشارہ زروا کے اسے دیکھنے پر تھا۔

وہ جاگ رہا تھا اسکے لفظوں پر وہ جھینپ سی گئی تھی۔

گڈ مارنگ مائی سویٹ وائف، زائر نے مسکرا کر کہا تو زروا بھی مسکرا دی تھی۔

زائر اب آنکھیں کھولے اسے ہی دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

خان اٹھو، زروا نے اسکا دھیان خود پر سے ہٹایا تھا۔

اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ زائر کا کوئی ارادہ نا تھا اسکی بات ماننے کا۔

ساڑھے 9 ہو رہے ہیں خان، آپکو آفس نہیں جانا؟ زروا نے اس سے سوال کیا تھا۔

جانا ہے، اچھا یہ بتاؤ ویلے رات کو نیند کیسی آئی؟ زائر کا انداز زو معنی تھا۔

اسکی بات سن کر زروا کے کان کی لوہیں تک سرخ ہو گئی تھیں۔

مجھے نہیں پتہ، زروا مارے حیا کے رخ موڑ گئی تھی۔

زائر اس کے انداز پر ہنسا تھا۔

اسی وقت اس کا موبائل بجاتا تھا، زائر نے ناچاہتے ہوئے بھی موبائل اٹھایا تھا۔

جگر کالنگ دیکھ کر زائر نے فورن کال ریسپو کی تھی۔

دوسری طرف ضوریز اسے وش کرنے کے بعد اب جانے کیا باتیں کر رہا تھا۔

زروا اسے بڑی دیکھ اٹھ کر فریش ہونے چل دی تھی۔

ضوریز کافی عرصے بعد آفس آیا تھا، اسکا دل کام میں بالکل بھی ناگ رہا تھا۔

وہ بیزار سا بیٹھا تھا جب اسے صائم کی کال آئی تھی۔

صائم نے اسے جو بتایا وہ سن کر ضوریز فورن آفس سے نکل گیا تھا۔

زروا زائر کے ساتھ ہی یونیورسٹی آئی تھی۔

انہیں آتے دیکھ عانیہ مشعال اور صائم فورن وہاں آگئے تھے۔

سب نے ہی زائر کو وش کیا تھا۔

لالہ اچھا ہوا آپ آگئے، صائم نے کہا تو زائر نے اس سے پوری بات پوچھی تھی جس وجہ سے انہوں نے اسے یہاں بلایا تھا۔

لالہ وہ لوگ کافی گھٹیا پن پر اتر آئے ہیں، اور میں نے پتہ کیا ہے انہیں سر واجد کا فل سپورٹ ہے، صائم نے زائر کو تفصیل بتائی تھی۔

ان پر تو مجھے شروع سے ہی شک تھا، زائر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

زائر اب بھی یونیورسٹی کا لیڈر تھا اس لیے اس یہ اسکی ذمہ داری تھی کہ وہ اس مسئلے کو حل کرے۔

تم نے کسی کو کچھ بتایا تو نہیں؟ زائر نے صائم سے سوال کیا تھا۔

زررا، عانیہ اور مشعال سے باتوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

اسی وقت ضوریز وہاں پہنچا تھا۔

ہے جگر، وہ زائر سے بگلگیر ہوا تھا۔

ہے، زائر نے بھی خوش دلی سے اسے گلے لگایا تھا۔

گرلز تم لوگ اپنی کلاسز میں جاؤ، اور ہاں کوئی بھی مسئلہ ہو مجھے ٹیکسیٹ کر دینا، میں یہیں
پرنسپل آفس میں ہوں، زائر نے ان سب کو مشترکہ مخاطب کیا تھا۔

ٹھیک ہے، وہ سب اثبات میں سرہلا کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔

یار بات یونیورسٹی کی ریسپونڈیشن کی ہے، کچھ تو کرنا ہوگا، ضروریز بولا تھا۔

کچھ نہیں بہت کچھ، زائر کا انداز پراسرار سا تھا۔

میری بات غور سے سنو، زائر نے انہیں اپنا پلان بتایا تو وہ دونوں اسکی زبانت کے قائل ہوئے بنانا رہ سکے تھے۔

ہے زیڈ۔ کے یو لوکنگ کول، ایک لڑکی لاریب زائر کو دیکھتے ہی اسکے پاس آئی تھی۔

ہے سویٹ ہارٹ، زائر بھی فریڈلی ملا تھا۔

وائس اپ پرنس؟ وہ کچھ زیادہ ہی بے باکی سے زائر کے گلے کا ہار بننے کی کوشش میں تھی۔

ہے یو، تم، زائر کی برداشت ختم ہونے کو تھی۔

مگر پھر کچھ سوچ کر وہ بات پلٹ گیا تھا۔

تم کافی خوبصورت ہو، زائر نے دل پر پتھر رکھ کر اسے یہ لفظ کہے تھے۔

کچھ دور کھڑے ضروریز کا ہنسی روکنے کی کوشش میں حال برا تھا۔

جبکہ صائم کسی کام سے گیا ہوا تھا۔

کہاں پھنس گیا، زائر نے بیزاگی سے سوچا تھا۔

ٹوائیٹ لیٹ 8 پی۔ ایم ڈنر ودمی؟ زائر نے اس سے دلکشی سے پوچھا تھا۔

وہ لڑکی ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔

ویسے ایک بات بتاؤ، زائر نے ایک ہاتھ دیوار پر رکھتے ہوئے اس کے کان میں رازدارانہ انداز میں سوال کیا تھا۔

زائر اس سے ایک کے بجائے کافی سارے سوالات پوچھتا گیا تھا۔

ہے لالہ، کیا ہوا؟ کہاں تک پہنچا معاملہ؟ صائم نے ضریرز سے پوچھا تھا۔

خود ہی دیکھ لو، ضریرز نے زائر کی جانب اشارہ کیا تھا۔

اومائی گاڈ، صائم نے اونچی آواز میں کہا تو ضریرز چونکا تھا۔

کیا ہو گیا صائم؟ تمہیں پتہ تو ہے یہ سب ڈرامہ ہے تو چلیخ کیوں رہے ہو؟ ضریرز نے اس سے سوال کیا تھا۔

آپ کو پتہ چلیگا تو آپ بھی چلیخو گے، وہ دیکھا سامنے، صائم نے اشارہ کیا تھا۔

ضریرز نے سامنے دیکھا تو اسکے ہاتھ میں موجود کول ڈرنک زمین پر گری تھی۔

کیونکہ سامنے سے ہی مشعال اور زروا آرہی تھیں۔

مگر وہ زائر کو نہیں دیکھ سکتی تھیں، کیونکہ زائر کارڈور میں کھڑا تھا۔

صائم تم جگر کو سنبھالو، میں اس آفت کو روکتا ہوں ورنہ مشعال زروا کو بھی شک میں ڈال کر ہنگامہ مچا دیگی، ضروریز کہنے کے ساتھ ہی مشعال اور زروا کی جانب بھاگا تھا۔

وہ بھی اسے دیکھ چکی تھیں، اسی لیے اسکی طرف ہی آرہی تھیں۔

تم یہیں ہو اب تک؟ مشعال نے ضروریز سے سوال کیا تھا۔

ہاں بس جا ہی رہا تھا، ویلے تم لوگ یہاں؟ آئی من تمہاری تو کلاسز ہیں نا؟ ضوریز نے
یہاں وہاں دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

ہاں تمہیں مگر اب نہیں ہیں، کسی وجہ سے کینسل ہو گئی، اس لیے ہم گھر ہی جا رہے
تھے، زروا نے جواب دیا تھا۔

بیڑہ غرق، ضوریز بڑبڑایا تھا۔

کیا کہا تم نے؟ مشعال نے اسے خشمگین تیوروں سے گھورا تھا۔

کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں بس ویلے ہی، ضوریز جلدی جلدی بولا تھا، کہیں وہ آفت جان کو
ہی نا آجائے۔

ہوڑا سستے سے، مشعال نے شان بے نیازی سے کہا تھا۔

وہی تو نہیں کر سکتا، ضوریز پیچھے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

کیا مطلب؟ مشعال کو اسکے انداز میں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی۔ تھی۔

ہوٹم، وہ ضوریز کو سائیڈ میں کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

زروا مسکرا دی تھی۔

مشعال، مشی، یار کو، وہ مشعال کے پیچھے بھاگا تھا کہ کہیں وہ زائر کو اس لڑکی کے ہمراہ نا دیکھ لے۔

اولو مرگیا ضوریز، اسے کاریڈور کی جانب مڑتے دیکھ وہ بڑبڑایا تھا۔

جبکہ باقی سب بھی مسکرا دیے تھے۔

اچھا شام میں مل رہے ہو نا تم لوگ پھر؟ ضوریز نے زائر سے سوال کیا تھا۔

ہاں، بٹ فلحال میں چلتا ہوں، مجھے ضروری کام ہے، زائر نے بولے کے ساتھ ضوریز کو
ڈن کا سائن دیا تھا۔

جسے صرف ضوریز ہی سمجھ سکا تھا۔

زائر گلاسز لگاتے ہوئے زروا کو لے کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

جگر، اب وقت آگیا ہے دشمنوں سے سارے بدلے لینے کا، زائر زروا کو گھر چھوڑ کر ضوریز کے ساتھ اسی فلیٹ پر آیا تھا۔

جہاں اس نے میسم اور منان کو قید کیا ہوا تھا۔

یہ صرف ہمارے ہی نہیں پوری یونیورسٹی کے دشمن ہیں، ناجانے کتنی معصوم لڑکیوں کی عزت سے کھیل چکے ہیں یہ جانور، زائر زہر خند لہجے میں بولا تھا۔

ہاں، لاریب سے بات کر کے جو کچھ پتہ چلا، انتہائی شرمناک تھا، ضوریز پرسوچ انداز میں بولا تھا۔

ہاں وہ لڑکی سر واجد کے اور ان منحوسوں کے خلاف گواہی دینے کو تیار ہے، زائر نے اسے تفصیل بتائی تھی۔

مگر اب تک یہ دونوں یہاں کیوں ہیں؟ تو نے انہیں پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا؟
ضوریز نے فلیٹ کے اندر داخل ہوتے ہوئے زائر سے سوال کیا تھا۔

تو جانتا ہے جگر جس رات تجھے گولی لگی، اور میں تجھے ہاسپٹل لایا تھا، اسکے بعد میں وہاں
سے نکل گیا تھا۔

مجھے کسی بھی حال میں تیرے مجرم کو ڈھونڈنا ہی تھا۔

اسی رات میری گاڑی سے شہناز آئی، جانتا ہے نا تو میسم کی اسٹیپ مدر؟ وہ ٹکرائی تھیں۔

انہی نے مجھے ان کمینوں کے بارے میں بتایا تھا۔

زائر بوٹے بوٹے رکا تو ضوریز نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

اب وہ دونوں فلیٹ میں ایک روم کے سامنے کھڑے تھے۔

باقی اسٹوری تو خود اندازہ لگا لے، دروازہ انلاک کرتے ہوئے زائر ہلکا سا مسکرایا تھا۔

سامنے ہی رسیوں میں جکڑے میسم اور مانی زمین پر بے سدھ پڑے تھے۔

اندازہ؟ انکی حالت دیکھ کر مجھے پوری اسٹوری سمجھ آگئی ہے کہینے، بات کے آخر میں ضروریز کا قہقہہ جاندا تھا۔

اس سے ہائی فائی لیتا زائر بھی ہنس دیا تھا۔

تو نے انہیں مار مار کر سب اگلو الیا، ایم آئی رائیٹ؟ ضریرز زمین پر میسم کے قریب بیٹھتا ہوا
زائر سے مخاطب تھا۔

ایبسلوٹلی رائیٹ مائی فرینڈ، زائر اپنے مخصوص انداز میں بولا تھا۔

اٹھو سالوں، تمہاری رخصتی کا وقت آگیا ہے، زائر نے مانی کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا تو اس
نے بامشکل اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔

تت تم ززندہ بہ ہو، وہ ضریرز کو سہی سلامت دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

مرے اسکے دشمن، زائر نے ضریرز کو ہاتھ دیا تھا۔

ضریرز جو کہ ان دونوں کا معائنہ کر رہا تھا، زائر کا ہاتھ تھام کر اٹھ بیٹھا تھا۔

تم دونوں جانتے نہیں ہو، تم نے ہمیں یہاں قید کر کے کتنی بڑی غلطی کی ہے،
ہمارے ڈیڈ ہمیں ڈھونڈ لیں گے اور اسکے بعد، اس سے پہلے کے مانی کچھ کہتا ضرور نے
اسے کالر سے پکڑ کر اٹھایا تھا اور اسکے منہ پر بیچ رسید کیا تھا۔

یہ ہماری دوستی توڑنے کے لیے، اس نے مارنے کے ساتھ نفرت سے کہا تھا۔

یہ میری زروا کے بارے میں غلط سوچنے کے لیے، زائر نے مانی کو کک رسید کی تھی۔

وہ پہلے ہی رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اس لیے زائر کا وار برداشت ناکر سکا تھا اور لڑکھڑاتا ہوا منہ
کے بل زمین بوس ہوا تھا۔

تیری ہمت کیسے ہوئی میرے دوست پر ہاتھ اٹھانے کی، میسم بامشکل اٹھتا ہوا زائر کی
جانب بڑھا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ زائر پر ہاتھ اٹھاتا، ضوریز نے اسے اس قدر تیز پینچ مارا تھا کہ وہ وہیں
ڈھے گیا تھا۔

یہ پینچ میرے دوست پر گولی چلانے کے لیے بہت کم تھا، مگر جب جب تمہیں یہاں درد
ہوگا، تمہیں ضرور یاد آئیگا کہ تم نے خانز سے پینگا لینے کی غلطی کی تھی، زائر دھاڑا تھا۔

اسی وقت فلیٹ میں پولیس انٹر ہوئی تھی۔

دفع کر جگر، انہیں اب قانون سزا دیگا، ضوریز بولا تو زائر اپنی کالر جھٹکتا ایک سائیڈ ہو گیا تھا۔

مسٹر میسم علی اینڈ مسٹر منان یو آر انڈر اریسٹ، ایک پولیس والے نے بولنے کے ساتھ
انکے آگے ہتھکڑی لہرائی تھی۔

تھینکس آفیسر، ہمارے بلانے پر آپ یہاں آئے، زائر نے پولیس والے سے ہاتھ ملایا تھا۔

تھینکس تو ہمیں آپکو کہنا چاہیے مسٹر زائر خان آفریدی، آپ دونوں نے ہماری بہت مدد کی ہے، آپ کی وجہ سے یونیورسٹی میں موجود اتنا بڑا گینگ پکڑا گیا ہے، جن کے لیڈر وہاں کے استاد ہی تھے، افسوس کی بات ہے، مگر آپ جیسے لوگ جب تک اس دنیا میں موجود ہیں، برائی کبھی جیت نہیں سکتی، تھینکس اگین مسٹر زائر اینڈ ضوریز، پولیس والا تشکر سے بولا تھا۔

اسکے ساتھ ہی کچھ کانسٹیبلز نے میسم اور منان کو ہتھکڑی لگا کر قابو کیا تھا۔

تم یہ اچھا نہیں کر رہے خان، مانی چلایا تھا۔

او جسٹ شٹ اپ، زائر غرایا تھا۔

دیکھ لوں گا تم دونوں کو تو میں، منان پولیس والوں کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا
بری طرح چیخ رہا تھا۔

شوق سے دیکھنا، خوابوں میں، کیونکہ تم اب جیل سے نکلنے والے تو ہو نہیں، اب وہیں بیٹھ
کر پلانز بنانا اور خواب دیکھنا، ضروریز گلاسز لگاتا ہوا ان کے قریب آ کر دل جلانے والے
انداز میں بولا تھا۔

لے جائے انہیں، زائر نے پولیس والے سے کہا تھا۔

چل سالے، پولیس والا ان دونوں سے اجازت لے کر، میسم اور مانی کو گھسیٹنے کے انداز
سے پکڑتا، وہاں سے چل دیا تھا۔

انکے جانے کے بعد زائر نے ضروریز کو گلے لگایا تھا۔

تھینکس گاڈ جگر، اب سب کچھ ٹھیک ہے، زائر کی آواز خوشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

میں تو بہت خوش ہوں کہ میرا یار اب پھر سے میرے ساتھ ہے، ضرورز بھی ہنستے ہوئے
بولا تھا۔

یار تمہارے لالہ بہت زیادہ بورنگ ہیں، کچھ نہیں لاسکتا وہ اکڑو میرے لیے، مشعال عانیہ
پر تپ سی گئی تھی۔

کیونکہ وہ ایک گھنٹے سے پارٹی میں پہننے کے لیے ڈریس سلیکٹ کر رہی تھی مگر اسے کچھ
سمجھ نا آ رہا تھا، اور اوپر سے اسے عانیہ نے ضرورز سے کچھ منگوانے کا مشورہ دے دیا۔

مشعال آگ بگولا ہی تو ہو گئی تھی۔

ارے یار ایسا نہیں ہے، لالہ بہت لونگ انیڈ کیئرنگ ہیں تم ایک دفعہ بول کے تو دیکھو، وہ اسے پھر سے سمجھانے لگی تھی۔

اگر اتنا لونگ ہوتا تو خود لے آتا مجھے کہنا نا پڑتا، مشعال کی وہی رٹ تھی۔

باہر کھڑا ضوریز جو کہ کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا مشعال کو تپتے دیکھ ہنس دیا تھا۔

مشعال کی باتیں سن کر عانیہ سرتھام گئی تھی۔

دیکھو مشعال، زائر لالہ کی ایوارڈ سرمنی کی پارٹی آج رات 8 بجے ہے، اور اس وقت 7 بج رہے ہیں، تم اب جلدی سے کچھ ڈیسائیٹ کرلو پلینز، پھر نا کہنا دیر ہوگئی، میں بھی اب ریڈی ہونے جارہی ہوں، پلینز جلدی ریڈی ہو جانا، عانیہ روم سے نکلتے ہوئے اسے تاکید کر کے گئی تھی۔

اسے دیکھ کر انکی باتیں سنتا ضروریز ایک سائیڈ ہو گیا تھا۔

اب مشعال پھر سے کب بورڈ میں سر دیے کھڑی ہو گئی تھی۔

تو میری جنگلی بلی غصے میں ہے، اب منانا تو پڑیگا ہی ورنہ میرا دل نہیں لگیگا، ضروریز کچھ سوچتا ہوا واپسی کے لیے مڑ گیا تھا۔

ہیلو مسز؟ تمہکا ہوا سا زائر روم میں انٹر ہوا تو اسے دیکھ کر زروا مسکرائی تھی۔

آگئے آپ، وہ اسکا کوٹ اسکے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولی تھی۔

اسے دیکھ کر جیسے زائر کی ساری تھکان اتر گئی تھی۔

ہاں یار، تم کیا کر رہی تھیں؟ وہ بیڈ پر آڑھا ترچھا لیٹے اس سے سوال کر رہا تھا۔

میں بس تائی جان سے باتیں کر رہی تھی، وہ آپکا پوچھ رہی تھیں خان آپ پلیز انہیں کال بیک کر لیجئے گا، زروا اس سے کچھ فاصلے پر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

کرونگا، فلحال تم یہاں آؤ نا جانم، بہکا ہوا سا لہجہ، جذبات لٹاتی نظریں، زروا کی دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا ہوا تھا۔

میں بس ابھی وہ آپکے کپڑے نکالے جا رہی تھی، زروا نے وہاں سے جانے میں عافیت جانی تھی۔

زروا میں آئی سیڈ کم ہیئر، زائر کا لہجہ متحکم بھرا تھا۔

زروا نے شکوہ کناں نگاہ سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

اسی پل زائر اٹھ کر اسکی جانب آیا تو زروا گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

میں آواز دے رہا ہوں نا؟ سنائی نہیں دیتا؟ وہ اب سخت لہجے میں اس سے استفار کر رہا تھا۔

زروا کوئی جواب دیتی کہ زائر نے اسے کھینچ کر خود کے قریب کیا تھا۔

زروا کا دل بری طرح دھک دھک کرنے لگا تھا۔

یو نو واٹ مائی وائف؟ مجھے کسی کی بھی یوں من مانیاں بالکل نہیں پسند، اسلیے جب میں کہہ دوں تو فورن مان جایا کرو، وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا تو زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ ایسا ہی تھا، اپنی منوانا اسے اچھے سے آتا تھا۔

غلط کو سہی کرنا زائر خان کے لیے دائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

عشق میں بھی اسکے کچھ اصول تھے، جن پر زائر خان سمجھوتا بالکل نا کر سکتا تھا۔

ڈیس لائک مائی پرنسز، زائر نے اسکی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے تھے۔

اس سے پہلے کے وہ مزید پہلتا زروا اسکے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

زائر اسکی چالاکى پر کھل کر ہنس دیا تھا۔

پچھلے آدھے گھنٹے کی خواری کے بعد بالاخر اسے ایک ڈریس پسند آہی گیا تھا۔

ضوریز نے مشعال کے لیے ایک خوبصورت سا ڈریس پسند کیا تھا اور ساتھ ہی مچنگ سامان بھی لے لیا تھا۔

اسکارخ اب گھر کی جانب تھا۔

صائم کے ہمراہ وہ سب وہاں پہنچ چکے تھے سوائے سفیر خان کے۔

وہ سب ایک ساتھ ہی بیٹھے تھے اسی وقت زروا کے ہمراہ زائر وہاں پہنچا تھا۔

وہ انہیں دیکھ کر سیدھا انکے پاس ہی آیا تھا۔

اسلام و علیکم، ان دونوں نے ہی سب کو سلام کیا تھا۔

سب نے ہی انہیں مسکرا کر سلام کا جواب دیا تھا۔

جبکہ فرقان خان اور مراد خان نے اسے ایوارڈ کی مبارکباد کے ساتھ ہی برتھ ڈے بھی وش کیا تھا۔

نگین بیگم اور پلوشہ بیگم نے بھی زائر کو ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا۔

مگر زائر کو پھر بھی کچھ کمی سی محسوس ہوئی تھی۔

زروا سب کے ہمراہ ہی بیٹھ گئی تھی جبکہ زائر اپنے جاننے والوں سے ملنے انکی جانب بڑھ گیا تھا۔

لالہ کافی اپ سیٹ ہیں، صائم نے کہا تو سب ہی نے اسکی تائید کی تھی۔

آج دو دو خوشی کے موقعے ہیں اسکی لائف کے، اگر سفیر لالہ یہاں آجاتے تو اسے کتنا اچھا لگتا نا بھابھی بیگم، نگین بیگم نے پلوشہ بیگم سے کہا تو وہ محض سر ہلا گئی تھیں۔

مشعال نے خوشی خوشی ضوریز کا لایا ہوا ڈریس پہن لیا تھا۔

ضوریز پہلے ہی روم سے جاچکا تھا، مشعال بھی بالکل ریڈی تھی۔

جیسے ہی وہ نیچے آئی ضوریز کی نظریں اس پر سے پلٹنا بھول ہی گئیں تھیں۔

ہیلو، کہاں کھو گئے؟ مشعال نے اس کے سامنے چٹکی بجائی تو ضوریز حوش میں آیا تھا۔

لوڈے یو آر لوکنگ سو بیوٹی فل مائی وائف، ضوریز اس کی طرف جھکتا ہوا دلکش انداز میں بولا
تھا۔

اسکا مطلب میں صرف آج خوبصورت لگ رہی ہوں؟ مشعال کو جیسے صدمہ سا لگا تھا۔

اوگاڈیہ لڑکی بھی نا، ضریرز برڑایا تھا۔

میری جان تم تو ہمیشہ ہی حسین لگتی ہو، ضریرز نے جلدی سے کہا تھا مبادہ اسکی جنگلی
بلی اسی پر نا چڑھ دوڑے۔

ہاں ایسے کھونا، وہ مسکرا دی تھی۔

ضریرز اسے گھور بھی نا سکا تھا۔

ویسے تم بھی کافی ہینڈسم لگ رہے ہو، مشعال نے پیار بھری نظروں سے اپنے اکڑو کو
دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ تو میں ہوں ہی، ضروریز نے کالر اکڑائے تھے۔

ویسے زیادہ ہی خود پسند نہیں ہو تم؟ مشعال نے اسے چھیڑا تھا۔

کہہ سکتی ہو، بٹ فلحال تو مجھے تم بہت پیاری لگ رہی ہو سچی، وہ کہنے کے ساتھ ہی مشعال پر جھکا تھا۔

ضروریز، تمہارے پیچھے پھوپھو ہیں، مشعال آہستہ سے بولی تھی۔

ارے جاؤ، یہ والا گیم میں بچپن میں کھیلتا تھا، ضروریز نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

مگر میں سچ کہہ رہی ہوں، وہ پھر سے بولی تھی۔

اچھا، ہونے دو، ڈرتا تو میں اپنے باپ سے بھی نہیں ہوں، وہ ہنوز شرارتی موڈ میں تھا۔

اچھا، باپ سے نہیں ڈرتے مگر ماں سے ضرور ڈرتے ہونگے، ہے نا؟ سماہر بیگم جو کب سے اسکی بکواس سن رہی تھیں اسکا کان کھینچتے ہوئے شرارتی انداز میں بولی تو ضوریز گڑبڑایا تھا۔

آؤچ موم، میں تو مزاق کر رہا تھا یار کان تو چھوڑیں، ضوریز منہ بگاڑتے ہوئے بولا تو سماہر بیگم نے اسکا کان چھوڑ دیا تھا۔

اسکی حالت دیکھ کر مشعال کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

اسی وقت شہروز خان اور عانیہ بھی وہاں آ پہنچے تھے۔

چلو بھئی لیٹ ہو رہے ہیں بچوں، شہروز خان بولے تو ضوریز مشعال کو گھورتا ہوا باہر کی

جانب بڑھ گیا تھا۔

مسٹر زائر خان آپکی فادر نہیں آئے؟ ایک پریس رپورٹر نے زائر سے سوال کیا تھا۔

زائر لب بھینچ گیا تھا۔

اسی سوال سے وہ کب سے بچ رہا تھا، لیکن کب تک؟ ایوارڈ سرمنی شروع ہونے کو تھی۔

وہ ایکچوٹی باباجان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں سو وہ نہیں آسکے، صائم نے آگے بڑھ کر پریس والوں کو جواب دیا تھا۔

زائر نے تشکر آمیز انداز میں اپنے پیارے بھائی کی جانب دیکھا تھا۔

مگر ایوارڈ تو وہیں دینے والے تھے مسٹر زائر خان کو، تو اب کیا ہوگا، ایک اور سوال داغا گیا تھا۔

ایوارڈ وہی دینگے، کیونکہ میرے بیٹے سے بڑھ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں، بارعب آواز پر سب اسی جانب پلٹے تھے۔

سامنے سے، ضوریز کے ہمراہ سفیر خان اپنی پروتار اور بارعب پرسنالٹی کے ساتھ، انکی جانب آتے دیکھائی دیے تھے۔

انہیں دیکھ کر زائر کے لبوں پر ایک جاندار مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔

اسے لگا تھا اب اسکی خوشیاں مکمل ہو گئیں ہیں۔

سفیر خان نے آتے ہی زائر خان کو سینے سے لگایا تھا۔

آئی ایم پراؤڈ آف یو مائی سن، سفیر خان نے اپنے وجیہ بیٹے کو بازوؤں کے حصار میں لیے
فخر سے کہا تھا۔

کچھ فاصلے پر موجود پوری آفریدی فیملی یہ منظر دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

تھینکس آلاٹ باباجان، آج آپ نے یہاں آکر میری خوشیاں مکمل کر دی، زائر مسکراتے
ہوئے بولا تھا۔

خوشیاں ابھی مکمل نہیں ہوئیں جگر، ضروریز بولا زائر حیران ہوا تھا۔

ارے آپ لوگ اتنا پریشان تو مت ہوں، میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں کہ جب سفیر ماموں تمہیں اپنے ہاتھوں سے بزنس مین آف دا ایئر کا ایوارڈ دینگے، خوشیاں تو جب مکمل ہونگی نا جگر، ضرور نے بات مکمل کی تو زائر کے ساتھ سفیر خان بھی مسکرا دیے تھے۔

تو چلو پھر دیر کس بات کی ہے، سفیر خان بولے تو زائر انکے ساتھ اسٹیج کی جانب بڑھ گیا تھا۔

تالیوں کی گونج میں سفیر خان نے زائر خان کو اپنے ہاتھوں سے ایوارڈ دیا تھا۔

زائر ایوارڈ لینے کے ساتھ ہی کسی چھوٹے بچے کی طرح انکے سینے سے لگ گیا تھا۔

سفیر خان نے بھی دل سے بیٹے کو گلے لگایا تھا۔

کچھ ہی دیر میں سب اسے مبارکباد دینے اسٹیج پر آ گئے تھے۔

اب پوری آفریدی فیملی ایک ساتھ کھڑی تھی۔

فوٹوگرافر نے یہ مکمل منظر اپنے کیمرے میں قید کیا تھا۔

وہ سب ینگ پارٹی ایوارڈ سرمنی کے بعد گھر جانے کے بجائے لانگ ڈرائو پر نکل آئے تھے۔

انکا ارادہ ایک ساتھ زائر کا برتھ سیلیبرٹ کرنے کا تھا۔

اسی لیے وہ وہاں سے سیدھا اسی فلیٹ پر آئے تھے۔

جہاں سے یہ کہانی شروع ہوئی تھی۔

کیک کٹ کر لے بھی اب، زائر جو کہ محبت سے زروا کو دیکھنے مصروف تھا، ضریر کی بات پر حوش میں آیا تھا۔

آں ہاں بس کرنے ہی والا تھا، زائر نے ضریر کو گھورا تھا۔

جواباً ضریر نے اسے دل جلانے والی مسکراہٹ پاس کی تھی۔

زروا، بھئی یہاں آجاؤ ورنہ ہمیں کیک کھانے کو نہیں ملیگا، مشعال نے زائر کی طرف دیکھتے ہوئے شرارتی انداز میں عانیہ کے ساتھ کھڑی زروا سے کہا تھا۔

زروا اور عانیہ کھانے پینے کا سامان پلیٹس میں نکال رہی تھیں، مشعال کی بات پر وہ دونوں ہی مسکرا دی تھیں۔

یہ تیری بیوی تیرے ساتھ رہ رہ کر بالکل تیرے جیسی نہیں ہوگئی؟ زائر نے ضوریز کے کان میں سرگوشی کی تو فخر سے گردن اکڑا گیا تھا۔

زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں تعریف نہیں کر رہا، محسوس کر بے عزتی کی ہے، زائر نے ضوریز کے ساتھ حساب برابر کیا تھا۔

ضوریز نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

اتنے میں ہی زروا اور عانیہ بھی کولڈرنک اور باقی سامان لے آئی۔ تمہیں۔

وہ سب اس وقت فارم ہاؤس پر زائر کا برتھ ڈے سیلیبرٹ کر رہے تھے۔

پپی برتھ ڈے ٹو یو

پپی برتھ ڈے ٹو یو

سب نے مسکراتے ہوئے ساتھ گنگنایا تھا۔

جبکہ زروا نے زائر کے ساتھ نائف پکڑا تھا اور تالیوں کی آواز میں کیک کٹ کیا تھا۔

پپی برتھ ڈے خان، زروا نے ایک پیس زائر کو کھلایا تھا۔

تھینکس خان کی جان، زائر نے زروا کو باقی کا بچا ہوا کیک کھلاتے ہوئے پیار سے تھینکس کہا تھا۔

اسکے بعد باقی سب نے بھی زائر کو کیک کھلایا تھا۔

انکی پارٹی شروع ہو چکی تھی۔

وہ سب رات دیر تک ہنسی مزاق میں گے رہے تھے۔

کوئی 2 بجے جا کر زائر ہی نے سب کو اٹھنے کا کہا تھا۔

سب کا ارادہ وہیں رکنے کا تھا لیکن زائر کو کوئی ضروری کام تھا اس لیے انہیں واپسی کی راہ لینی پڑی تھی۔

اسطرح یہ خوبصورت شام اختتام پزیر ہوئی تھی۔

آج سنڈے تھا اور وہ سب ہی ڈائینگ ٹیبل پر موجود تھے۔

زروا اور زائر ایک ساتھ وہاں پہنچے تھے۔

کل رات جب سفیر خان نے زائر کو واپس گھر آنے کا کہا تھا تو اس بار وہ انہیں انکارنا کر سکا تھا۔

زائر خان آفریدی کے واپس آنے سے "خان پیلیس" کی خوشیاں بھی لوٹ آئی تھیں۔

زائر اور زروا نے سب کو سلام کیا تھا اور ناشتے کے لیے بیٹھ گئے تھے۔

آج سب کو ساتھ دیکھ کر کتنا اچھا لگ رہا ہے نا بھابھی بیگم، نگین بیگم نے پلوشہ بیگم سے کہا تھا۔

میں بھی بہت خوش ہوں نگین، آج میرے گھر کی رونق جو لوٹ آئی ہے، پلوشہ بیگم نے بیٹے اور بہو کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ دونوں بھی مسکرا دیے تھے۔

او کم آن مومی، اصل رونق تو میں ہوں اس گھر کی یو نونا، صائم شرارتی انداز میں بولتا ڈائینگ حال میں انٹر ہوا تھا۔

ہے مسٹر رونق خان شاید آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم، کہ صبح سب سے پہلے سلام کرتے ہیں، زائر نے اسے چھیڑا تھا۔

اسلام و علیکم ایوری ون، وہ ایک چوٹی کیا ہے نامیرا اسٹائل زرا ہٹ کے ہے، میں بات کرنے کے بعد سلام کرتا ہوں، فورن جواب آیا تھا کیونکہ وہ صائم ہی کیا جو شرمندہ ہو جائے۔

سب ہی انکی نوک جھوک انجوائے کرتے مسکرا رہے تھے۔

دیکھ رہی ہیں مومی کتنا شیطان ہو گیا ہے؟ زائر نے پلوشہ بیگم کو گفتگو میں شامل کیا تھا۔

میں ہوں ہی اتنا بینڈسم ظاہر ہے سب ہی مجھے دیکھتے ہیں، صائم کی زبان قینچی کی رفتار سے چل رہی تھی۔

منہ دھو رکھو، زروا نے اسے منہ چڑایا تھا۔

ہاں بالکل دیکھ رہی ہوں زائر بیٹا بلکہ کچھ سوچ بھی رہی ہوں، پلوشہ بیگم ہنستی ہوئی بولی تو صائم الرٹ ہوا تھا۔

کون کیا سوچ رہا ہے بھئی زہ ہم بھی تو سنیں؟ سفیر خان وہاں آئے تھے۔

سب ہی احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

میں سوچ رہی ہوں خان صاحب آپکی چھوٹی بہو بھی لے آؤں اب؟ پلوشہ بیگم سیدھا مدعے پر آئی تھیں۔

سب کے ساتھ ہی صائم بھی پورا پورا انکی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

مگر اس نے شویہ کراویا تھا گویا وہ یہاں ہے ہی نہیں۔

یا اللہ یہ مومی کو اچانک میری شادی کا خیال کہاں سے آگیا، صائم پریشان سا ہو گیا تھا۔

زائر بخوبی اسکے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

یہ تو آپ نے بہت اچھا سوچا ہے تائی جان، پھر بس جلدی سے عمل بھی کر ڈالیں، زروا نے بھی پلوشہ بیگم کی تائید کی تھی۔

ہاں تو پھر آپ سب لیڈیز مل کر صائم کے لیے کوئی اچھی اور بااخلاق لڑکی ڈھونڈنا شروع کیجئے نا، اب اسکی شادی کی عمر تو ہو ہی گئی ہے، فرقان خان نے بھی لاڈ لے بھتیجے کے حق میں ووٹ دیا تھا۔

ہاں بس شروع کرتی ہوں لڑکیاں دیکھنا، کیوں صائم؟ تمہارا کیا خیال ہے؟ پلو شہ بیگم نے
صائم سے پوچھا تو وہ ہڑبڑاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

مم میں میرا کیا خیال ہوگا، جیسا آپ لوگ ٹھیک سمجھیں، وہ بامشکل یہ کہہ سکا تھا۔

اسکی روتی صورت دیکھ کر زائر نے بامشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی تھی۔

ویسے مومی ایک لڑکی میری نظر میں بھی ہے، زائر بولا تو سب ہی نے چونک کر اسکی جانب
دیکھا تھا۔

جبکہ صائم اداس سا ہو گیا تھا۔

ہاں تو پھر بتاؤ نا، نگین بیگم نے کہا تو زائر مسکرایا تھا۔

زروا بھی اداس ہوئی تھی کیونکہ وہ صائم کے لیے شروع ہی سے عانیہ کو سوچے ہوئے
تھی۔

تمہیں میری پسند کی لڑکی پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا نا صائم؟ زائر نے پوچھا تو صائم نے
نفی میں سر ہلادیا تھا جبکہ دل کی حالت ابتر تھی۔

سب ہی زائر کی جانب متوجہ تھے۔

مومی میں سوچ رہا ہوں ہم سماہر پھوپھو کی طرف آج ہی چلتے ہیں؟ سنڈے ہے تو پھوپھا
جان بھی گھر پر ہی ہونگے آج ہی بات ہو جائیگی، زائر سنجیگی سے بول کر خاموش ہوا تھا۔

صائم منہ لٹکائے بیٹھا تھا، اسے اب ان سب سے کوئی دلچسپی نا تھی۔

ہاں بھئی بلکل، سماہر کے بنا تھوڑی جائینگے رشتہ لے کر مگر اس لڑکی کا تو بتاؤ؟ نگین بیگم
نے پوچھا تو جواب زروا نے دیا تھا۔

ارے چچی جان، آپ سمجھی نہیں، خان عانیہ کی بات کر رہے ہیں، عانیہ ہی وہ لڑکی ہے
جسے انہوں نے صائم کے لیے ڈن کیا ہے، زروا کی پرچوش سی آواز پر صائم نے سراٹھایا
تھا۔

زائر کے چہرے پر موجود مسکراہٹ نے اسے زروا کی بات سچ ہونے کا سگنل دے دیا
تھا۔

صائم خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

زائر کی بات سن کر سب بھی خوش ہو گئے تھے۔

انہیں صائم کے لیے عانیہ بلکل پرفیکٹ لگی تھی

لالہ، صائم اٹھ کر چھوٹے بچوں کی طرح زائر کے گلے لگ گیا تھا۔

تھینکس آلاٹ لالہ، آپ نے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی مجھے دے دی، وہ خوشی اور حیرانگی کے لیے جھلے تاثرات لیے بول رہا تھا۔

جب تم چھوٹے ہو کر میرے دل کی بات سمجھ سکتے ہو تو میں تو پھر بڑا ہوں میرے بھائی، تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں، تمہاری خوشی سے بڑھ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں صائم، زائر اسے خود سے لگائے بڑے بھائی والے پیار سے بولا تو سب مسکرا دیے تھے۔

زروا جا کر تیاری کرو، آج ہم تمہاری دیورانی کو دیکھنے جا رہے ہیں، زائر نے شرارتی انداز میں زروا سے کہا تو سب ہی ہنس دیے تھے۔

جبکہ پلو شہ بیگم سماہر بیگم کو کال کرنے چل دی تھیں۔

قدآور آئینے کے سامنے کھڑی وہ بال برش کر رہی تھی۔

زروا نے آج بلیک فراک پہنی تھی۔

جیولری کے نام پر کانوں میں ڈائمنڈ کے چھوٹے چھوٹے آویزے اور گلے میں زائر کا دیا ہوا
پینڈٹ ہی موجود تھا۔

اس نے آج لائٹ سامیک اپ بھی کیا تھا۔

اپنی تیاری کا مکمل جائزہ لے کر وہ پلٹی ہی تھی کہ زائر روم میں انٹر ہوا تھا۔

اسے دیکھ کر زائر وہیں تھم سا گیا تھا، ہلکی سی تیاری میں بھی وہ سیدھا اسکے دل میں اتر رہی تھی۔

وہ خود بھی بلیک جینس پر بلیک وائیٹ شرٹ اور بلیک بلیزر پہنے پرنس چارمنگ لگ رہا تھا۔

جبکہ اسکی نظروں سے کنفیوز ہوتی زروا اب رخ موڑے اپنا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔

ہے زندگی، زائر نے اسے پیچھے سے جا کر اپنے حصار میں لیا تھا۔

آئیے میں نظر آتا ان دونوں کا عکس دیکھ کے لگتا تھا جیسے اب سب کچھ مکمل تھا۔

"اتر کر میری بانہوں میں تمہیں محسوس یہ ہوگا"

"محبت کے تقاضوں میں میرے سب میٹھے وعدوں میں"

خوابوں میں خیالوں میں، رات کے اندھیروں میں تو کبھی دن کے اجالوں میں"

تمہارا ذکر ہوتا ہے " "خوابوں میں سوالوں میں اور میرے دلکش ارادوں میں

زائر نے آئینے میں دیکھتے ہوئے ایک ادا سے یہ نظم پڑھی تو زروانگاہیں جھکا گئی تھیں۔

تمہیں حق ہے کہ تم اتنی حسین لگو، کیونکہ تم میری بیوی ہو زندگی، زائر اب اسکے شانے پر
تھوڑی ٹکائے گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔

زروا اسکی قربت میں شرم سے گلابی ہوئی جا رہی تھی۔

تم بھی کچھ بول لو یا، یا میں اتنا برا لگ رہا کہ تم میری طرف ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں
رہیں، زائر کا اشارہ اسکی جھکی ہوئی نگاہوں کی طرف تھا۔

زروا نے یکلخت ہی پلکھیں اٹھائی تھیں۔

مگر زائر کے لبوں پر مچلتی شرارتی مسکراہٹ دیکھ کر وہ پھر سے چہرہ جھکا گئی تھی۔

اففف، انکی آنکھیں، واقع ہی بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، زروا نے نگاہیں جھکائے ہوئے ہی
دل میں سوچا تھا۔

دوسری جانب زائر نے اسکی اس ادا پر ہنستے ہوئے اسکا رخ موڑ کر اسے سینے سے لگالیا تھا۔

زروا پرسکون سی اسکے چوڑے سینے پر سرٹکائی تھی۔

اس وقت وہ سب "ضوریز ہاؤس" میں موجود تھے۔

دوپہر کا کھانا کھایا جاچکا تھا اور اب سب ہی اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

عانیہ کو صائم پہلے ہی کال پر سب بتا چکا تھا اسلیے وہ مارے شرم کے نیچے ہی نہیں آئی تھی۔

مشعال اور زروا خود ہی اس کے روم میں چلی گئی تھیں۔

داماد صاحب اب ہم وہ بات کرنا چاہتے ہیں جسکے لیے آج ہم سب یہاں موجود ہیں، سفیر خان نے تہمید باندھی تھی۔

سماہر بیگم اور شہروز خان دونوں ہی انکی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

ضوریز بھی ہمہ تن گوش تھا۔

ہے گاڑ میرے خیال سے ہم سب ان بڑوں کو باتیں کرنے کا موقع دیتے ہیں، زائر نے کہا تو ضوریز اور صائم نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

اسکی بات مان کر وہ دونوں ہی وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

مستی یار مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، عانیہ یہاں سے وہاں ٹھہرتی ہوئی بولی تو اسکی حالت دیکھ کر زروا اور مشعال دونوں ہی ہنس دی تھیں۔

دیورانی تو تم میری ہی ہنسی ٹینشن مت لو، زروا نے اسے چھیڑا تھا۔

عانیہ کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

یار کتنا مزہ آئیگا نا انکی شادی میں ہم سب ایک ساتھ ہیں، اور سب ٹھیک بھی ہے، مشعال پر جوش سی بولی تو زروا مسکرا دی تھی۔

جبکہ ٹینشن کے مارے عانیہ مسکرا بھی نا سکی تھی۔

ارے یار ہاں کردینگے پھوپھا پھوپو، صائم کوئی غیر تھوڑی ہے، ریلیکس کرو نا، مشعال نے عانیہ کو تسلی دی تھی۔

اللہ کرے ایسا ہی ہو، عانیہ نے آہستہ سے کہا تھا۔

مشعال اور زروا نے بھی بیک وقت یہی دعا کی تھی۔

آپ کوئی غیر نہیں ہیں اسلیے ہم سیدھا مدعے پر آئیں گے داماد صاحب، سفیر خان نے مسکرا کر کہا تھا۔

جی جی بڑے لالہ بولے، شہروز خان نے جواب دیا تھا۔

ہم آج آپ سے یہاں آپکی سب سے قیمتی چیز مانگنے آئے ہیں، شہروز لالہ اور سماہر، پلوشہ بیگم نے پراسرار سے انداز میں کہا تو وہ دونوں حیران سے ہو گئے تھے۔

جی بھابھی بیگم حکم کیجئے؟ سماہر بیگم کے لہجے میں بھابھی کے لیے بے حد احترام تھا۔

سفیر خان نے پلوشہ بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

ہم عانیہ کو اپنی بیٹی بنانا چاہتے ہیں، پلوشہ بیگم نے مسکراتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

باقی سب بھی مسکرا رہے تھے۔

ارے وہ تو آپکی ہی بیٹی ہے بھابھی بیگم، سماہر بیگم نے جواب دیا تھا مگر پھر خود ہی چونک گئی تھیں۔

ارے پاگل ہم عانیہ کو اپنے صائم کے لیے تم دونوں سے مانگنے آئے ہیں، سفیر خان نے سماہر بیگم سے کہا تو وہاں بیٹھے ہر شخص کے چہرے پر جاندار مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

سماہر بیگم اور شہروز خان بھی مسکرا رہے تھے۔

دیکھو بھئی ہم کوئی غیر نہیں ہیں، اسلیے تم کسی فارمیٹی میں مت پڑنا بلکل بھی، صائم
تمہارے سامنے کا پتہ ہے، جو مناسب گے ابھی ہی جواب دو، ہم امید کرتے ہیں آپ
دونوں کا جواب مثبت ہی ہوگا، پلوشہ بیگم نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔

انکی بے تابی بر سب ہی ہنس دیے تھے۔

ارے بھابھی بیگم، آپ ہمارے اپنے ہیں کوئی غیر تو نہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں اس
رشتے پر، کیوں سماہر؟ شہروز خان نے پلوشہ بیگم کو جواب دینے کے ساتھ اپنی شریک
حیات سے بھی رائے لی تھی۔

سماہر بیگم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

ہاں ہوتے ہی ہر طرف خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔

سب ہی ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے تھے۔

وہ تینوں اس وقت ضوریز کے روم میں تھے۔

نیچے جو بات ہو رہی ہے، تجھے پتہ ہے نا؟ زائر کو موبائل میں مصروف دیکھ ضوریز اس کے سر پر جاکھڑا ہوا تھا۔

ہاں معلوم ہے پر میں تجھے ابھی نہیں بتانے والا اس لیے اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جا، زائر نے جواب دے کر پھر سے موبائل میں سرگھسا لیا تھا۔

ضوریز اسے گھور کر صائم کے پاس آیا تھا۔

تم بتا دو صائم ایسی بھی کونسی بات ہے جو سب کو پتہ ہے سوائے میرے؟ ضرور نے
صائم سے سوال کیا تھا۔

صائم سر جھکا گیا تھا، جو کہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ بھی اسے جواب نہیں دینے والا۔

اتنے میں ہی ایک ملازم انہیں بلانے آگیا تھا۔

وہ سب ہی آگے پیچھے روم سے نکلے تھے۔

وہ سب لاؤنج میں پہنچے تو وہاں۔ ماحول کافی خوشگوار تھا۔

مبارک ہو بیٹا، آپکی پیاری بہنا کا رشتہ طے ہو گیا ہے، نگین بیگم نے داماد کی طرف میٹھائی
کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

ضوریز چونکا تھا۔

کس سے؟ اس نے ابو اچکائے تھے۔

میرے پیارے ہینڈسم بھائی سے، زائر نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔

مگر مجھے یہ رشتہ منظور نہیں، ضوریز کی بات پر وہاں ایک دم سے سنناٹا چھا گیا تھا۔

لاؤنج میں داخل ہوتیں زروا اور مشعال وہیں رک گئی تھیں۔

صائم اداس ہوا تھا جبکہ زائر بھی شکوہ رہ گیا تھا۔

ضوریز تمہیں اس رشتے سے کیا مسئلہ ہے؟ ضوریز کے انکار پر، سماہر بیگم اٹھ کر اسکے پاس آئی تھیں۔

یہ آپ اس سے پوچھ لیں، ضوریز نے سنجیگی سے زائر کی جانب اشارہ کیا تھا۔

جہاں اسکے انکار سے صائم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

وہیں باقی سب بھی پریشان سے ہوئے تھے۔

کیا ہو گیا یار؟ تو خوش نہیں اس رشتے سے؟ وجہ؟ زائر پوچھتا ہوا ضوریز کے قریب آیا تھا۔

جبکہ ضوریز سنجیدہ سا کھڑا تھا۔

اسے تو میں بتاتی ہوں ابھی، اپنی لو اسٹوری تو سیٹ کر لی اب انکے بچ کیوں ٹانگ اڑا رہا
رہے، ولن کہیں کا، مشعال تپی ہوئی آگے بڑھی تھی مگر زروا نے اسے روک لیا تھا۔

مستی رک جا میری بہن، خان بات کر رہے ہیں نا، زروا نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے
تسلی دی تھی۔

مشعال خاموش ہو گئی تھی۔

کوئی وجہ تو ہوگی؟ صائم تیرے سامنے ہے یار، کوئی برائی بھی نہیں میرے بھائی میں، پھر
تجھے اعتراض کیوں ہے آخر؟ زائر ضوریز کے سامنے کھڑا پریشان سا سوال کر رہا تھا۔

ضوریز نے ایک نگاہ اسکے پریشان چہرے پر ڈالی تھی اور لگے ہی پل ضروریز کا جاندار قہقہہ گونجا تھا۔

زائر نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

تجھے اعتراض کیوں ہے آخر؟ ضروریز نے زائر کی نقل اتاری تھی اور پھر سے ہنس دیا تھا۔

دوسری طرف اسکی شرارت سمجھ کر زائر تپ گیا تھا۔

شکل دیکھ زرا اپنی، ضروریز ہنستا جا رہا تھا۔

میں مزاق کر رہا تھا ایوری ون، مجھے یہ رشتہ دل و جان سے قبول ہے، ضروریز نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو سب ہی کی جان میں جان آئی تھی۔

صائم بھی پرسکون ہوا تھا۔

انکی نوک جھوک پر زروا اور مشعال بھی ہنس دی تھیں۔

جبکہ زائر اسکی شرارت پر اب خونخوار تیور لیے اسکی جانب بڑھا تھا۔

ضوریز اسکا تپا ہوا چہرہ دیکھ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

رک تجھے میں بتاتا ہوں، زائر صوفے پر رکھا کشن اٹھا ضوریز کے پیچھے بھاگا تھا۔

دیکھ جگر میں مزاق کر رہا تھا، ضوریز آہستہ آہستہ پیچھے جاتا ہوا ایک دم سے بھاگا تو زائر بھی پوری رفتار سے اسکے پیچھے دوڑا تھا۔

آج تو گیا میرے ہاتھوں سے کمینے، زائر چلاتا ہوا اسکے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

جبکہ ضوریز اب سیڑھیاں چڑھتا اوپر جا چکا تھا۔

سب ہی ہنستے ہوئے انکی شرارت انجوائے کر رہے تھے۔

آخر کو عرصے بعد وہ دونوں یوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

ضوریز ناک کر کے عانیہ کے روم میں انٹر ہو گیا تھا۔

جبکہ زائر اسے عانیہ کے پاس جاتے دیکھ وہیں دروازے پر رک گیا تھا۔

گرٹیا؟ ضروریز نے عانیہ کو مخاطب کیا تھا جو کہ آنکھیں موندے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔

جی لالہ؟ آئیے نا، بیٹھیے، عانیہ نے فورن ہی آنکھیاں کھولی تھی اور اسے جواب دیا تھا۔

ضروریز مسکراتا ہوا اسکے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

کیسی ہے میری گرٹیا؟ اس نے عانیہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تھا۔

میں ٹھیک ہوں لالہ، عانیہ نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

میں یہاں تم سے ایک بات پوچھنے آیا ہوں بچے، ضروریز کے لہجے میں بڑے بھائیوں والا پیار تھا۔

عانیہ نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

آج ماموں ود فیملی یہاں کس مقصد کے لیے آئے ہیں تمہیں پتہ ہے؟ ضروریز نے اس سے سوال کیا تو عانیہ نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

ضروریز مسکرایا تھا۔

دیکھو گریٹا تم میرے لیے میری زندگی سے بڑھ کر اہم ہو، تم صرف میری بہن ہی نہیں بلکہ میرے لیے میری سب کچھ ہو آج بھی تم میرے لیے میری وہی چھوٹی سی عانیہ ہو جس کی ہر بات ماننا جسکی ہر خواہش پوری کرنا میرے لیے فرض اول ہوتا تھا، ہے اور رہیگا، اسی

یلے میں نہیں چاہتا آج بھی تمہاری زندگی کا کوئی بھی فیصلہ تم سے پوچھے بنایا تمہاری مرضی کے خلاف ہو، ضروریز بوٹے بوٹے رکا تھا۔

عانیہ اسکے بوٹے کی منتظر تھی۔

اسی یلے میں تم سے خودیہ پوچھنے آیا ہوں، کیا تم صائم کے ساتھ اپنے رشتے پر دل سے راضی ہو؟ ضروریز نے دھیمے لہجے میں سوال کیا تو عانیہ بنا کچھ کے پلکھیں جھکا گئی تھی۔

اسکے معصومانہ انداز پر ضروریز نے اسے چھوٹی بچی کی طرح سینے سے لگالیا تھا۔

میری گریا، تم اتنی بڑی کب ہو گئی یار سہتہ ہی نہیں چلا، کل تک جو خود گریا کی شادیاں کرواتی تھی آج اسکی شادی کا وقت آن پہنچا ہے، ضروریز اسے اپنی شفقت بھری آغوش میں یلے اداسی سے بول رہا تھا۔

عانیہ کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

جبکہ باہر کھڑا زائر جو انکی باتیں سن رہا تھا، کچھ پل کے لیے وہ بھی اداس سا ہو گیا تھا۔

صائم بہت اچھا انسان ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا بچے، ضرور اب اسے پیار سے سمجھا رہا تھا۔

مگر مجھے آپ سے زیادہ کوئی خوش نہیں رکھ سکتا لالہ، عانیہ مسمنائی تھی۔

اسکی بات پر ضرور ہنس دیا تھا۔

مانتا ہوں تمہارے لالہ جتنا بینڈسم نہیں ہے نا وہ، نا ہی مجھ جتنا انٹیلیجنٹ ہے پر چلیگا، وہ بس تمہیں خوش رکھے میرے لیے اتنا کافی ہے، ضرور نے اسے چھیڑا تھا۔

اسکی بات پر عانیہ کا منہ لٹک گیا تھا جبکہ باہر کھڑا زائر ہنستے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔

ہے، یہ اموشنل سین ختم ہو گیا تو میں بھی اپنی بہنا سے مل لوں؟ زائر نے شرارتی انداز میں پوچھا تو ضرور مسکرا کر جگہ خالی کرتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔

جبکہ زائر کو یہاں دیکھ کر عانیہ بھی مسکرا دی تھی۔

ہے پریٹی گرل، یہ آنسو و انسومت نکالنا آئدہ، تمہارے بھائی ابھی زندہ ہیں، تمہیں کسی بھی قسم کی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، زائر نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اپنے رومال سے عانیہ کے آنسو صاف کیے تھے۔

عانیہ نم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔

تو کیا ہوا اگر تم ایک بھائی چھوڑ کر جا رہی ہو، تمہارا دوسرا بھائی وہاں موجود ہے جو ہر قدم پر اپنی بہن کے ساتھ کھڑا رہیگا، تمہاری خوشی کے لیے یہ بھائی ہر مصیبت کے آگے ڈٹ جائیگا، بس تم کبھی خود کو اکیلا مت سمجھنا بچی، زائر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ پیار بھرے انداز میں کہا تو ضوریز بھی مسکرا دیا تھا۔

اس پل عانیہ کو اپنی قسمت پر ناز ہوا تھا کہ اللہ نے اسے ضوریز اور زائر جیسے بھائیوں سے نوازا تھا۔

اب تو کیا منہ لٹکائے کھڑا ہے، یہ خوشی کا موقع ہے، اداسی کا نہیں، زائر نے بیڈ پر سے اٹھتے ہوئے گم سم کھڑے ضوریز کو لپیٹا تھا۔

ضوریز ایک دم سے ہی اس کے گلے لگ گیا تھا۔

میرا یاں، میرا جگر، ضوریز فرت جذبات سے بولا تو زائر نے بھی اسکے گرد اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔

زائر خوش تھا، انکی دوستی کی بنیاد مزید مضبوط ہونے جارہی تھی۔

لیکن ضوریز اداس تھا عانیہ کی وداعی کا سوچ کر۔

واقع ہی بہت مشکل ہوتا ہے بھائیوں کے لیے بہن کو وداع کرنا، ضوریز کو یہ آج سمجھ آ رہا تھا۔

ان سب کی واپسی شام 6 بجے کے قریب ہوئی تھی۔

تب تک عانیہ روم سے ناکلی تھی جب تک مشعال نے اسے سب کے جانے کا نا بتادیا تھا۔

شہروز خان اور سماہر بیگم نے بھی سب کے جانے کے بعد لاڈلی بیٹی کو مبارکباد دی تھی۔

پوشہ بیگم منگنی جیسی جھنجٹ میں نا پڑنا چاہتی تھیں۔

اسلیے انہوں نے عانیہ کو نیک دینے کے ساتھ ہی سیدھا شادی کی بات کی تھی۔

شہروز خان اور سماہر بیگم کو کوئی اعتراض نا تھا اس لیے بڑوں نے آپس میں بات کر کے اگلے 10 دن بعد کی ڈیٹ فلکس کردی تھی۔

اس خبر سے سب ہی بہت خوش تھے۔

صائم کے تو جیسے پاؤں زمین پر نالک رہے تھے۔

مگر لاکھ کوشش کے باوجود وہ غانیہ کو نا دیکھ سکا تھا۔

مجبوراً وہ ایسے واپس ہولیا تھا۔

زائر کافی دیر سے زروا کو یہاں سے وہاں چکر کاٹتے دیکھ رہا تھا، اسے وہ پریشان لگ رہی تھی۔

بیٹھ جاؤ زروا، وہ زروا کو پریشانی سے مسلسل ٹھہلتا دیکھ کر بالآخر ٹوک ہی گیا تھا۔

زروا خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

کیا مسئلہ ہے؟ تم پریشان لگ رہی ہو، زائر نے اپنا لیپ ٹاپ ایک سائیڈ رکھتے ہوئے اس سے فکر مندی سے سوال کیا تھا۔

نہیں بس یونہی، زروا ٹال گئی تھی۔

ہے پارٹنر مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں تم اسلیپ پلیز کوشش بھی مت کرو، اب بتاؤ کیا بات ہے؟ زائر اب اسکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے پیار سے پوچھ رہا تھا۔

وہ میں، میرا مطلب تائی جان نے کہا ہے، میں عانیہ کو شاپنگ کے لیے لے کر جاؤں اور انہوں نے بری کی ساری ذمہ داری مجھے دے دی ہے، خان مجھے تو بالکل بھی نہیں پتہ یہ

سب، آئی من مجھے تو اپنی ہی شلپنگ کرنا نہیں آتی، تائی جان کیا سوچینگى مىں كام سے
جان چھڑا رہى ہوں، وہ آہستہ آہستہ بولتى زائر كو بے حد معصوم لگى تھى۔

اسكى پورى بات سن كر زائر كا قہقہ بے ساختہ تھا۔

اوماى گاڈ، تم اتنى سى بات كے يلے پریشان ہو رہى تھىں؟ زائر نے دلچسپى سے اسكا پھولا
ہوا چہرہ ديكھتے ہوئے پوچھا تھا۔

خان آپ ہنس رہے ہىں؟ مجھے كل كا سوچ كے نىند بھى نہىں آرہى، زروا خفگى سے بولى
تھى۔

مىں اسلئے ہنس رہا ہوں كيونكہ تم دنيا كى پہلى لڑكى ہو كہ رہى ہے مجھے شلپنگ كرنا نہىں
آتى، زائر شرارتى انداز مىں بولا تھا۔

ہاں بس میں ایسی ہی ہوں، وہ ناراضگی سے رخ موڑ گئی تھی۔

ارے، ادھر تو دیکھو؟ زائر نے اسے مخاطب کیا تھا۔

زروا نے آنکھوں میں خفگی لیے اسکی جانب دیکھا تھا۔

دیکھو پہلی بات تو یہ کہ جیسا تم نے کہا مومی ایسا کچھ نہیں سوچینگے، اسلیے یہ ٹینشن لینا بند کرو اور اسمائیل کرو، تم ایسے اداس اچھی نہیں لگتیں، زائر چاہت بھرے انداز میں بولا تو زروا مسکرا دی تھی۔

ڈیس لائک مائی پرنسز، زائر نے اسکا گال چھوٹے بچوں کی طرح کھینچا تو زروا کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

خان میں اب بچی نہیں ہوں ہاں، زروا اک ادا سے بولی تھی۔

وہ تو میں اچھے سے جانتا ہوں جانم، وہ اسکے نازک سراپے کو گہری نظروں کے حصار میں
لیے زو معنی انداز میں بولا تھا۔

مگر زروا اسکی بات کا مطلب نا سمجھ سکی تھی کیونکہ وہ تو اپنی ہی بات میں الجھی ہوئی
تھی۔

مگر خان میری پر اہلم تو سولو نہیں ہوئی نا، زروا معصومیت سے بولی تو زائر نے سرتھام لیا
تھا۔

یا اللہ اتنی بے وقوف بیوی کسی کو مت دینا، زائر بڑبڑایا تھا۔

کیا ہوا خان؟ زروا نے پوچھا تو زائر نے کچھ نہیں کہہ دیا تھا۔

تم مشعال کو ساتھ لے جانا وہ خود ہی سب دیکھ لیگی، زائر نے اسے مشورہ دیا تھا۔

اسکا مشورہ زروا کو بہت پسند بھی آیا تھا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے، وہ خوشی سے بولی تھی۔

تمہارا مسئلہ حل ہو گیا نا اب میرے مسئلے پر بھی غور کرلو، وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

زروا نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

زائر جو کہ کہنی کے بل ہی بیڈ پر لیٹا ہوا تھا ایک دم سیدھا ہوا تھا اور زروا کو کھینچ کر اپنے اوپر گرایا تھا۔

خان، یہ کیا ہے بھئی چھوڑیں مجھے، زروا نے اس پر سے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

مگر زائر نے دونوں بازوؤں اسکے گرد لپیٹتے ہوئے اسکی یہ کوشش ناکام بنادی تھی۔

زائر نے کروٹ لیتے ہوئے اسے خود پر سے ہٹا کر بیڈ پر لٹایا تھا۔

زروا نے زور سے آنکھیں موند لی تھیں۔

"میں نے دی ہے اشاروں میں اجازت تجھے"

"مانگنے سے ناملوں تو چرا لینا مجھے"

زائر مسکراتا ہوا اس پر جھکا تھا۔

کمرے میں معنی خیز خاموشی کا دورانیہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔

زروا کی مزاحمتیں زائر کی فولادی گرفت میں کمزور پڑتی گئی تھیں۔

زائر نے سائیڈ لیپ آف کر دیا تھا۔

"ہم آخری سانس تک یار تیرے ہیں"

"دل پہ اب سارے اختیار تیرے ہیں"

زائر زروا کو قطرہ قطرہ اپنے پیار کی بارش میں بھگوتا چلا گیا تھا۔

"نظروں میں حسن دل میں تمہارا خیال ہے"

"اتنے قریب ہو پھر بھی کیوں تصور محال ہے"

مسلسلِ بختی بیل پر عانیہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ کالِ رسیو کر ہی لی تھی۔

ظالمِ حسینہ، کال کیوں نہیں پک کر رہی تھیں؟ صائم کی شکوہ بھری آواز گونجی تھی۔

عانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

وہ اصل میں، وہ میں سو گئی تھی، عانیہ سے کچھ بن نا پڑا تو یہ ہی بول دیا تھا۔

رات کے اس پہر بھی پچھلے 20 منٹس سے میں تمہیں کال کر رہا ہوں میڈم تو اسکا مطلب یہ ہے کہ میں جانتا ہوں تم جاگ رہی ہو، صائم نے شرارتی انداز میں کہا تو عانیہ اسکے درست اندازے پر حیران رہ گئی تھی۔

کیونکہ جب سے صائم نے اسے وہ تمہری میچیکل ورڈز کے تھے عانیہ اسکا سامنہ کرنے سے کترات رہی تھی۔

اسے صائم سے شرم سی محسوس ہو رہی تھی۔

اب حیران ہونا بند کرو اور یہ بتاؤ کیسا محسوس کر رہی ہو مائی وائف ٹو۔ بی؟ صائم کی چہکتی ہوئی آواز اسکی خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔

جبکہ عانیہ خاموش تھی، اسے سمجھ نا آ رہا تھا، کہ کیا کھے؟ اس نے تو کل تک یہ سب سوچا بھی نا تھا۔

اسے اسکی محبت اتنی آسانی سے ملنے والی تھی، اسے یقین تک نا آ رہا تھا، واقع ہی ہمارا رب بہت رحیم ہے، بے شک وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔

اس نے عانیہ کے دل کی دعاہوں سے نکلتے ہی قبول کر لی تھی۔

کچھ بولوگی نہیں؟ صائم نے اسکی خاموشی محسوس کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔

کیا بولوں؟ عانیہ نے غائب دماغی سے پوچھا تو دوسری جانب صائم مسکرا دیا تھا۔

یہی کہ ہماری شادی کی ڈیٹ رکھی جا چکی ہے، یعنی آج سے دس دن بعد ہماری شادی

ہے، تمہیں یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟ صائم نے سوال دہرایا تھا۔

سچ کہوں صائم تو مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا بلکہ ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ سب کوئی خواب ہے، عانیہ نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا۔

یہ حقیقت ہے مس خان، اور کل آپکو یقین بھی آجائے گا، جب زروا آئیگی زائر لالہ کے ساتھ، صائم بول کے رکا تھا۔

کل واقع ہی وہ لوگ یہاں آرہے ہیں؟ عانیہ نے پرجوش انداز میں پوچھا تھا۔

ہاں بھئی تمہیں شادی کی شلپنگ پر لے جانے، صائم نے بات مکمل کی تو عانیہ مسکرا دی تھی۔

ایسے ہی مسکراتی رہا کرو، صائم نے کہا تو عانیہ حیران ہوئی تھی۔

تمہیں کیسے پتہ میں مسکرا رہی ہوں؟ اس نے فوراً ہی صائم سے سوال کیا تھا۔

بس مجھے سب معلوم ہے، اور کیسے؟ یہ میں کبھی فرصت میں بتاؤں گا، فلحال تم سو جاؤ، کافی ٹائم ہو گیا ہے، گڈ نائٹ، صائم نے کہتے ہی کال کاٹ دی تھی۔

عانیہ اسکی چالاکي پر ہنس دی تھی۔

زروا اس وقت نگین بیگم اور پلوشہ بیگم کے ساتھ بیٹھی تھی۔

صائم یونیورسٹی گیا ہوا تھا اور زائر بھی صبح ہی آفس چلا گیا تھا۔

تم نے زائر کو کال کی؟ کب تک آئیگا وہ؟ پلوشہ بیگم نے شاپنگ لسٹ چیک کرتی زروا سے پوچھا تھا۔

ہاں بس وہ آنے ہی والے ہیں، زروا نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

اتنے میں ہی زائر کی گاڑی کا بارن سنائی دیا تھا۔

زائر سلام کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں انٹر ہوا تو سب نے ہی اسکے سلام کا جواب دیا تھا۔

میں بس فریش ہو کر آتا ہوں زروا پھر ہم پھوپھو کی طرف چلتے ہیں، اس نے زروا سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

جب کہ زائر فریش ہونے چل دیا تھا۔

زروا تم اپنے لیے بھی اچھی سی شاپنگ کرنا، تم اس گھر کی بڑی بہو ہو، تمہیں سب سے اچھا دکھنا ہے، سمجھی نا؟ پلو شہ بیگم نے پیار بھرے انداز میں کہا تو زروا مسکرا دی تھی۔

ہاں بھی می تو دن ہوتے ہیں پہننے اوڑھنے کے، گھومنے پھرنے کے، پھر بعد میں تو مصروفیات بڑھ جاتی ہے، گھر اور بچوں میں ٹائم ہی کہاں ملتا ہے، نگین بیگم سوٹ ٹانگتی ہوئی مصروف سے انداز مل بولی تھیں۔

مگر انکی بات سن کر زروا مارے شرم کے سر جھکا گئی تھی۔

اسی وقت بلیک پیسٹ اور براؤن شرٹ پہنے آنکھوں کو بلیک گلاسز سے کور کیے زائر وہاں آیا تھا۔

اہم اہم، زائر نے زروا کے قریب آکر آہستہ سے کہا تھا، مگر زروا اچل پڑی تھی۔

کیا خیال ہے پھر؟ زائر شرارتی انداز میں بولا تھا۔

پلوشہ بیگم اور نگین بیگم بری میں رکھے جانے والے کپڑے دیکھ رہی تھیں اسلیے انکا دھیان کپڑوں میں ہی تھا، زائر کی بات بھی انہوں نے نہیں سنی تھی۔

کس بارے میں؟ زروا نے سوال کیا تھا، اس سے پہلے کہ وہ زروا کو مزید حواس باختہ کرتا پلوشہ بیگم انکی جانب متوجہ ہو چکی تھیں۔

ارے تم آگئے بچے، اچھا ہے، اب جاؤ تم دونوں، پلوشہ بیگم نے کہا تو زائر جی مومی کہہ کر رہ گیا تھا۔

زروا جاؤ بھئی اپنی چادر لے آؤ، نگین بیگم نے کہا تو زروا فوراً اٹھ گئی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد زروا اور زائر گھر سے نکلے تھے۔

15 منٹس کی ڈراؤ کے بعد دوپہر کے 2 بجے وہ دونوں "ضوریز ہاؤس" پہنچے تھے۔

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ پانچوں شاپنگ مال میں گھوم رہے تھے۔

زروا اور مشعال نے عانیہ کے لیے ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک پسند کی تھی۔

بری کے سب ڈریسز فائل ہو چکے تھے، جیولری بھی لی جا چکی تھی۔

وہ تینوں اب سینڈل پسند کر رہی تھیں۔

مایوں مہندی کا ڈریس بھی لیا جا چکا تھا، جبکہ برائیل ڈریس کے لیے انہیں صائم کا انتظار

تھا، کیونکہ رواج کے مطابق صائم کو ہی عانیہ کے لیے ڈریس لینا تھا۔

زائر اور ضوریز بیزاگی سے شاپ کے باہر ہی کھڑے تھے۔

مجھے نہیں پتہ تھا ہمارے یہ دن بھی آئینگے، زائر نے مال کی تیسری منزل سے نیچے جھانکتے ہوئے کہا تو ضوریز ہنس دیا تھا۔

کم آن جگر، ہم لائف میں اور بھی بہت کچھ ایسا کر چکے ہیں جو ہم نے کبھی سوچا بھی نا تھا، ضوریز شرارتی انداز میں بولا تو اسکا اشارہ سمجھ کر زائر ہنس دیا تھا۔

ویسے میں نے کبھی سوچا نا تھا کہ تم اور مشعال آگے چل کر لوہڑ بن جاؤ گے، زائر موبائل چیک کرتے ہوئے بولا تھا۔

مگر میں نے بچپن میں ہی سوچ لیا تھا کہ زروا کو تیری ہی دلہن بنواؤں گا، ضوریز بوٹے بوٹے ایک دم ہی چپ ہو گیا تھا۔

سوری جگر، میری وجہ سے تم دونوں کے بیچ اتنا سب ہوا، ضروریز شرمندہ سا تھا۔

او کم آن یار، میں نے بھی کوئی کم غلطیاں تو نہیں کی، قصوروار ہم دونوں ہی ہیں، زائر نے اسے شرمندگی سے نکالنا چاہا تھا۔

ایک سیکینڈ، مجھے کچھ بتانا ہے تجھے، ضروریز بولا تو زائر چونکا تھا۔

ہاں بول، زائر نے جواب دیا تھا۔

وہ لاکٹ یاد ہے؟ ارے وہی زیڈ۔ کے کا؟ ضروریز نے اسے یاد دلایا تو زائر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ میں نے نہیں دیا تھا زروا کو، وہ چچی جان کی نشانی ہے، ضروریز نے جسے ایک نیا انکشاف کیا تھا۔

زائر کے دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔

آئی ایم سو ساری یار، وہ کچھ غلط فہمیاں ہی ایسی تھیں ہمارے درمیان، بس میں نے تجھے جلانے کو، یو نونا واٹ آئی من، ضروریز شرمندگی سے بول رہا تھا۔

جبکہ زائر کو اپنا وہ رویہ یاد آ رہا تھا جو اس نے اس لاکٹ کی وجہ سے زروا کے ساتھ اپنایا تھا۔

اوگاڈ، زائر نے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

کیا ہوا جگر؟ آریو اوکے؟ ضروریز نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا۔

یاہ یاہ آئی ایم فائن، بس یونہی، زائر نے اسے مطمئن کیا تھا مگر خود عجیب سے احساسات میں گھر گیا تھا۔

اسی وقت صائم وہاں آیا تھا۔

مشعال غانیہ اور زروا بھی بس فارغ ہو کر باہر ہی آرہی تھیں۔

ہیلو ایوری ون، صائم نے سب کو ہائی کہا تھا۔

اوہ، تو تم سے رہا نہیں گیا، آہی گئے نا، بے صبرے، مشعال نے صائم کو چھیڑا تھا۔

غانیہ نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔

وہ ایک چوٹی پھوپھو اور مومی نے ہی کہا تھا عانیہ کا برائیدل ڈریس سلیکشن میں ہی کروں، وہ کوئی رواج ہے، صائم نے سر کجھاتے ہوئے جواب دیا تھا مگر نظریں عانیہ پر ہی تھیں۔

یہاں عانیہ کہ ایک عدد لالہ بھی موجود ہیں مسٹر صائم خان، سو بی کیئر فل ہاں، ضرور نے اسے مصنوعی غصے سے ڈراتے ہوئے کہا تھا۔

یاہ یاہ آف کورس لالہ جان، صائم معصومیت سے بولا تھا۔

اسکی فرمانبرداری پر سب ہی ہنس دے تھے۔

سوائے زائر کے، وہ ہنوز خاموش کھڑا تھا۔

زروا نے اسکی خاموشی نوٹ کی تھی مگر وجہ نا پوچھ سکی تھی۔

چلو گاڑ پھر شاپنگ کنٹینر کرتے ہیں، ضرور یز نے کہا تو سب اسکے ساتھ ہی چل دیے تھے۔

زروا یہ دیکھو یہ فراک کیسا ہے؟ تم پر جھجکا نا؟ عانیہ نے ایک اورنج اور شاکنگ پنک فراک زروا کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

یہ بہت ہیوی نہیں؟ زروا نے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر وہ ڈریس خود سے لگاتے ہوئے پوچھا تھا۔

کوئی ہیوی نہیں ہے یار، ہماری شادی کے بعد یہ پہلا فنکشن ہے گھر کا، ہمارا حق ہے اتنی تیاری کرنا ے تو، مشعال جو کہ ایک ڈریس پہن کے چیک کرتی چیخنگ روم سے باہر آئی تھی، زروا سے بولی تھی۔

یار پھر بھی اسکا کلر تو دیکھو، میں گولا گنڈا لگونگی، زروا پلٹتی ہوئی بولی تھی۔

واؤ مش، یولکنگ پریٹی، زروا نے کہا تو عانیہ بھی وہاں آئی تھی۔

مشعال تم پر یہ بہت سوٹ کر رہا ہے، آئی تنگ یوشڈ بائی اٹ، عانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

کیا واقع ہی یہ مجھ پر اچھا لگ رہا ہے؟ مشعال نے اپنا ڈریس سیٹ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

ایک سیکینڈ، عانیہ نے بوٹے ہی پرس سے موبائل نکال کر اسکی پک کلک کی تھی اور اگلے ہی لمحے ضریرز کو وٹس ایپ کردی تھی۔

مشعال ارے ارے کرتی ہی رہ گئی تھی۔

جبکہ عانیہ وہ تصویر ضریرز کو سینڈ کر کے اب ہنس رہی تھی۔

اب لالہ کی کال آئیگی نا وہ خود بتا دینگے تمہیں کہ تم کیسی لگ رہی ہو، عانیہ شرارتی انداز میں بولی تو زروا اور مشعال بھی ہنس دی تھیں۔

مار کھاؤگی تم مجھ سے، مشعال نے اسکے بال بگاڑ دیے تھے۔

پر یار میرا مسئلہ تو حل ہوا ہی نہیں، زروا نے منہ بناتے ہوئے کہا تو جواب مشعال نے دیا تھا۔

میری شلپنگ ہو چکی اب میں یہ ڈریس لے کر جا رہی ہوں باہر، اور عانیہ تم بھی صائم کے ساتھ اپنا برائڈل ڈریس آرڈر کرنے جاؤ اب، وہ ویسٹ کر رہا ہے تمہارا، مشعال کا انداز مصروف ساتھ۔

ارے پر لیکن میرا ڈریس؟ زروا نے سوال کیا تو مشعال مسکرائی تھی۔

اسکا بندوبست کر دیا ہے میں نے، وہ دیکھو، مشعال نے کہنے کے ساتھ سامنے اشارہ کیا تھا۔

سامنے ہی گلاس ڈور سے زائر آتا دیکھائی دیا تھا۔

اسے آتے دیکھ، زروا جھینپ گئی تھی۔

کیا ہوا گرلز؟ شاپنگ ہو گئی تم سب کی؟ زائر نے سوال کیا تو جواب عانیہ نے دیا تھا۔

لالہ ہماری تو ہو گئی، پر یہ زروا ہے نا اسکی باقی ہے، میں اور مشعال جا رہے ہیں، آپ پلیز اسکی ہیلپ کر دیں، اوکے بائی، عانیہ نے جلدی جلدی کہا تھا تاکہ زائر یا زروا کوئی بہانہ نہ کر سکیں اور بات تم کرتے ہی وہ جانے کو مڑی تھی۔

مشعال بھی اسکے ساتھ ہی وہاں سے نکل گئی تھی۔

زائر انکی حرکت پر مسکرا دیا تھا۔

جبکہ زروا خاموش کھڑی تھی۔

چلیے مسز آج آپ کو شاپنگ کرنا سیکھاتے ہیں، زائر نے کچھ اسطرح سے کہا کہ زروا کو بے اختیار ہی ہنسی آگئی تھی۔

آپ کو کیا پتہ لیڈرز شلپنگ کا؟ زروا نے اسی کے انداز میں سوال کیا تھا۔

آؤ نا بتاتا ہوں سب تمہیں، اس نے زروا کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے لیے ایک جانب بڑھ گیا تھا۔

زرائر اور زروا کے علاوہ وہ چاروں اس وقت شلپنگ کرنے کے بعد اب آسکریم پارلر میں بیٹھے آسکریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

میں تو شادی کے سارے فنکشنز بہت انجوائے کرنے والی ہوں، آفٹر آل میرے پیارے دوست اور اکلوتی نند کی شادی ہے، مشعال پر جوش سے انداز میں بولی تو ضرور ہنس دیا تھا۔

تم تو میری طرف سے شامل ہو رہی ہو نا؟ صائم نے پوچھا تو جواب ضروریز نے دیا تھا۔

بلکل نہیں داماد جی، یہ ہماری طرف سے آئیگی، وہ صائم کو چڑاتے ہوئے بولا تھا۔

عانیہ سر جھکائے آسکریم کے کپ میں اسپون چلا رہی تھی۔

ایک سیکنڈ، بائے داوے تم سے کسی نے پوچھا؟ مشعال نے اسے تیکھے چتونوں سے گھورا تھا۔

تو بھی پوچھنے کی کیا بات ہے اس میں؟ یو آر مائی وائف سو اس حساب سے تم دلہن والی ہوئی، ضروریز نے جیسے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

صائم انکی نوک جھوک سن کر مسکرا رہا تھا۔

اوسیلو، میں نے پھوپھو سے بات کر لی ہے سب فنکشنز کمبائن ہونگے، اس لیے میں دونوں طرف سے شامل ہوؤنگی، رہی بات شادی کی تو ہاں تب میں تمہاری بات مان لوںگی، کیا یاد کرو گے، مشعال ایک شان سے بولی تو ضریرز دانت پیس کر رہ گیا تھا۔

تم پر فرض ہے نا میری ہر بات سے انکار کرنا؟ وہ تپے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

کچھ ایسا ہی سمجھ لو، وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتی ہوئی بولی تھی۔

دیکھ لونگا تمہیں تو میں، ضریرز چڑ کر بولا تو صائم اور عانیہ بھی ہنس دیے تھے۔

جبکہ مشعال اب بے نیازی سے اپنا میک۔اپ سیٹ کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

زائر نے زروا کے نانا کرنے کے باوجود بھی اسے کافی سارا سامان دلادیا تھا۔

زائر کی چوائس واقع ہی لاجواب تھی، زروا نے دل ہی دل میں اسے سرہایا تھا۔

زائر اب اسے لے کر ایک شاپ میں آیا تھا۔

اس نے زروا کے لیے اپنی پسند سے ایک بلیک اینڈ پنک نیٹ کی ساڑھی لی تھی۔

اتنا سب تو لے لیا تھا ہم نے، اب اسکی کیا ضرورت ہے خان؟ زروا نے ساڑھی دیکھتے ہی

منہ بناتے ہوئے پوچھا تھا۔

ضرورت تھی نا خان کی جان تب ہی تولی ہے، وہ زروا کی جانب دیکھتے ہوئے شرارتی انداز میں بولا تھا۔

میں یہ نہیں پہننے والی ہاں، زروا کو تو اسکا گرے گلے والا بلاؤز دیکھ کے ہی چکر آگیا تھا۔

یہ میں نے شادی میں پہننے کے لیے نہیں لے کر دی تمہیں پاگل، ایسے کیسے نہیں پہنوں گی،
زائر کاؤنٹر پر بل پے کرتے ہوئے پلٹا تھا۔

تو پھر؟ زروا چونکی تھی۔

گھر چل کر بتاتا ہوں، تم چلو میرے ساتھ، وہ زروا کا ہاتھ تھام کر باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہ سب شام کے وقت گھر پہنچے تھے۔

زائر ہی انہیں ڈاپ کر کے گیا تھا۔

ارے آگے تم سب، آؤ بچوں بیٹھو یہ دیکھو کون آیا ہے؟ سماہر بیگم نے کہا تو وہ تینوں چونکے تھے۔

سامنے ہی صوفے پر دو لڑکے اور دو لڑکیاں براجمان تھیں۔

ان میں سے ایک نے بلیک چست جینس پر ریڈ ہاف سلیوز ٹاپ پہنا تھا۔

جبکہ دوسری جو کہ دکھنے میں تھوڑی صحت مند تھی، نے وٹ کیپری اور شارٹ شرٹ زیب تن کی ہوئی تھی۔

دوسری جانب دونوں لڑکے بھی جینس اور ٹی۔ شرٹ پہنے کچھ انگریزوں جیسے حلیے میں ہی تھے۔

ہے شمرز، فروا عامر اینڈ سونیا، واٹس آپلیزینٹ سرپرازز گائز، ضریرز پرشوش سا انکی جانب بڑھا تھا۔

کیسی ہیں سونیا آپی؟ فروا؟ شمرز لالہ عامر لالہ؟ عانیہ بھی اب ان سے مل رہی تھی۔

جبکہ مشعال ایک سائیڈ کھڑی تھی۔

ارے آؤ نا مشعال ان سے ملو، یہ ہیں میرے کزنز، ڈیڈ کے جو یو۔ کے والے کزن ہیں نا؟
ارے وہی رضوان چچو؟ انکے بیٹے بیٹی ہیں، کافی دیر بعد ضریرز نے تعارف کا فریضہ انجام دیا تھا۔

مشعال کو عجیب سا محسوس ہوا تھا لیکن پھر بھی وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

تم لوگ باتیں کرو میں ڈنر کا انتظام کرواتی ہوں، سماہر بیگم کہتی ہوئی اٹھ کر وہاں سے چل دی تھیں۔

اسلام و علیکم، مشعال نے سب کو سلام کیا تو وہ چاروں ہنسنے لگے تھے۔

مشعال کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

اپس، آئی ایم ساری یار، وہ ایکچوٹلی ہم کچھ ہنس مکھ ٹائپ ہیں، ماسٹر مت کرنا، سونیا نے کہا تو مشعال جبراً مسکرائی تھی۔

شمرز اور عامر مشعال کو ہی دیکھ رہے تھے، فروا نے تو اس سے بات تک ناکی تھی۔

مشعال کو وہ چاروں ہی کچھ خاص پسند نہیں آئے تھے۔

Wooh...

ہے ہے ہے ایک سکیئنڈ، آئی گیس یہ تمہاری وائف ہے نا ضروریز؟ سونیا نے سوال کیا تھا۔

میش شی۔ از مائی لولی وائف، وہ مشعال کے قریب آتے ہوئے بولا تھا۔

مشعال نے مسکرانا بھی ضروری نا سمجھا تھا۔

یہ کونلے گیسٹ ہیں جو اتنے پہلے ہی آگئے ہیں؟ صائم نے عانیہ سے پوچھا تھا۔

کچھ دیر پہلے ہی عانیہ نے اسے کال کی تھی، گیسٹ کا بتانے کے لیے۔

وہ ڈیڈ کے یو۔ کے والے کزن ہیں نا؟ انکے ہی بیٹا بیٹی آئے ہیں بس، اور تمہیں پتہ ہے، وہ اچانک آئے ہیں انہیں شادی کا تو یہاں آکر پتہ چلا ہے، اب انکا ارادہ شادی اٹینڈ کر کے جانے کا ہی ہے، عانیہ کافی پرچوش سی بتا رہی تھی۔

صائم مسکراتے ہوئے اسکی باتیں سن رہا تھا۔

ہے برائیڈ۔ ٹو۔ بی ویئر آر یو؟ سونیا اسے آواز دیتی اسکے روم تک آگئی تھی۔

اچھا میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں، سونیا آپ کو کوئی کام ہے شاید، اوکے حافظہ،
عانیہ نے اسے بولے کا موقع دیے بنا کال کٹ کر دی تھی۔

ہے، کس سے بات کر رہی تھیں؟ ایک سیکنڈ، لیٹ می گیس، یاہ یاہ، تمہارا ہونے والے
ہی تھا نا؟ سونیا نے زومعنی انداز میں عانیہ سے پوچھا تو عانیہ جھینپ گئی تھی۔

آپی بس وہ یونہی، آپ بتائیے کوئی کام تھا آپکو؟ عانیہ نے اسے غور سے دیکھ کر پوچھا تھا۔

او یاہ وہ ایکچوٹی مجھے پین کلر چاہیے، آفٹر فلائٹ، آئی ایم فیلینگ سو ٹائرد، اچھی سی نیند لینا
چاہتی ہوں، وہ اک ادا سے بال جھٹکتے ہوئے انگریزی لب و لہجے میں بولی تھی۔

میرے پاس تو نہیں ہے، ہاں مگر مشعال کے پاس ضرور ہوگا، وہ ضرور لالہ لیتے تھے نا،
آپ رکے میں لادیتی ہوں، عانیہ نے کہا تو سونیا نے اسے روک دیا تھا۔

ویٹ آمنٹ، میں خود لے لیتی ہوں، اسی بہانے اس کا روم بھی دیکھ لوں گی، وہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

جبکہ عانیہ سر جھٹک کر سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی جب زائر روم میں آیا۔

کیا کر رہی ہو زنگی؟ اس نے وہیں دروازے کے پاس کھڑے کھڑے پیار بھرے لہجے میں سوال کیا تھا۔

کچھ خاص نہیں بس یونہی سونے کو لیٹ رہی تھی، زروا نے بیڈ شیٹ جھاڑتے ہوئے مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔

زائر چلتا ہوا اسکے قریب آیا تھا۔

چھوڑو اسے اور میرے ساتھ چلو، زائر نے اسکا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو زروا نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

ایسے مت دیکھو ظالمہ اغواہ نہیں کر رہا تمہیں، زائر شرارتی انداز میں بولا تو زروا ہنس دی تھی۔

یہ بھی کر سکتے ہیں آپ، آپ سے کیا بعید، زروا نے اسے چھیڑا تھا۔

تو پھر یہی سمجھ لو کہ زائر خان اپنی حسین بیوی کو اغواہ کر رہا ہے، وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

زروا کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

زائر اب اسے لیے روم سے نکلنے لگا تھا۔

ارے پر ہم اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ زروا نے رک کر پوچھا تھا۔

لانگ رائیڈ پر، زائر نے پلٹ کر اسے پرسکون انداز میں جواب دیا تھا اور پھر سے اسے لیے چلنے لگا تھا۔

اب کی بار زروا نے ہاتھ نہیں چھڑوایا تھا۔

کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ چاہے کچھ بھی کر لے، زائر کریگا اپنے من کی ہی، اس لیے انکار کا فائدہ نا تھا۔

لیس کم ان، دروازہ ناک ہونے پر مشعال نے اجازت دی تھی۔

لیکن اندر آنے والی شخصیت کو دیکھ کر اسکی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

ویئر از ضریر؟ سونیا نے اس سے سوال کیا تھا۔

مشعال نے اسے سر سے لے کر پاؤں تک گھورا تھا۔

وہ اس وقت بلیک سلک کی نائیٹی میں تھی، جس کا گلا کافی گہرا تھا، جبکہ سلیوزیچ میں سے اوپن تھیں جس وجہ سے اسکے گورے بازؤں پوری طرح نظر آرہے تھے۔

شاہر لینے گہا ہے وہ، مشعال نے اسے بیٹھنے کا بھی نہیں کہا تھا بلکہ خود نے بھی بیڈ پر لیٹے لیٹے ہی جواب دیا تھا۔

سونیا کو خود سے کوئی تین سال چھوٹی یہ لڑکی کچھ خاص نا لگی تھی۔

اسی وقت وائیٹ شلوار اور بنیان میں ٹاول گلے میں ڈالے ضروریز واشروم سے باہر آیا تھا۔

ہے سونی، تم یہاں؟ آؤ بیٹھو نا، وہ سونیا کو دیکھتے ہی ہشاش بشاش لہجے میں کہتا سونیا کے قریب آیا تھا۔

میں تو بس تم سے ملنے آئی تھی مگر شاید تمہاری وائف کو میرا آنا کچھ اچھا نہیں لگا؟ وہ بظاہر مسکراتے ہوئے مگر طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

مشعال کا دل چاہا اسے کھینچ کر ایک لگادے اور کہے جب پتہ ہے تو پھر اپنی شکل دفع کرو یہاں سے، مگر وہ ایسا صرف سوچ سکی تھی۔

ارے نہیں ایسا کچھ نہیں، اسے کیوں کچھ برا لگیگا، آؤ تم بیٹھو نا، ضوریز مسکراتے ہوئے بولا تو مشعال کو اس پر بھی شدید غصہ آیا تھا۔

مجھ سے بات کرتے وقت تو کانٹے آگ جاتے ہیں اسکی زبان پر، اور اب اس چڑیل کے سامنے کیسے پھول جھڑ رہے ہیں، مشعال نے جل کر سوچا تھا۔

نہیں بس تم پین کلر لادو، میں ریسٹ کرنے جا رہی تھی، کل پھر تمہارے سٹی بھی تو گھومنا ہے، سونیا نے ضوریز کو جواب دیتے ہوئے مشعال کو سرے سے نظر انداز کیا تھا۔

اوہ اوکے مائی ڈیئر، ضوریز نے سر کو زرا سا خم دیا تو سونیا ہنس دی تھی۔

مشعال اسے ٹیبلٹس پاس کرنا پلینز، ضریرز نے مشعال کو آواز دی تھی۔

مشعال کا دل چاہا فوراً انکار کر دے مگر پھر مروت اڑھے آگئی، سو اس نے اٹھ کر سائیڈ ڈرا سے سونیا کو ٹیبلٹس لادی تھیں۔

تھینکس ضریرز، اینڈ گڈ نائٹ، وہ اک ادا سے بولی تھی۔

گڈ نائٹ ہنی، ضریرز بھی اسی کے انداز میں بولا تھا۔

تمہارے ڈرامے ختم ہو گئے ہوں تو لائٹس آف کر دو، مجھے سونا ہے، سونیا کے جانے کے بعد مشعال کی غصے میں بھری آواز گونجی تو ضریرز نے پلٹ کر حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

مگر مشعال سر تک بلینکٹ اوڑھ چکی تھی۔

وہ بھی کندھے اچکاتا لائٹس آف کرتے ہوئے سونے کو لیٹ گیا تھا۔

خان یہ کہاں جا رہے ہیں ہم؟ زرو زائر کے ساتھ بانک پر بیٹھی ہوئی اس کے کان میں بولی تھی۔

مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا، زائر نے کافی تیز آواز میں کہا تو زرو نے پھر سے اپنی بات دہرائی تھی۔

زائر نے ایک دم ہی بانک کی اسپید بڑھادی تھی۔

زروا نے ڈر کر فوراً ہی اسے کس کر پکڑ لیا تھا۔

اب وہ تقریباً زائر سے چپک کر بیٹھی تھی۔

زائر کے لب مسکرا دیے تھے جبکہ نیلی سمندر سی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی۔

خان پلیر آہستہ چلائیں مجھے ڈر لگ رہا ہے، زروا روبانسی انداز میں بولی تھی۔

میرے ساتھ ہوتے ہوئے میری زروا کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ریلیکس مائی لائف،
وہ ٹرن لیتا ہوا بولا تھا۔

اسکا جواب سن کر زروا مسکرا دی تھی۔

کیونکہ وہ جانتی تھی، وہ سچ کہہ رہا ہے، اسکے ہوتے ہوئے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

زرا نے دل میں سوچا تھا۔

زرا نے اب کے پورے حق سے اسکے گرد دونوں ہاتھ باندھے تھے۔

اس طرح کے اب اسکے دونوں ہاتھ آگے سے زائر کے سینے پر تھے۔

اب بھی ڈر لگ رہا ہے؟ زائر نے سوال کیا تھا۔

بالکل نہیں، کیونکہ میں جانتی ہوں، آپ میرے ساتھ ہیں تو مجھے کچھ بھی نہیں ہوسکتا، زرا پر یقین لےجے میں بولی تو زائر سرشار سا ہو گیا تھا۔

مگر ہم جا کہاں رہے ہیں؟ زروا نے اسکے کان میں پوچھا تھا۔

اسی وقت زائر نے بانک روکی تھی۔

سامنے ہی آسکریم پارلر تھا۔

ہم آسکریم کھانے آئے ہیں، زروا نے پرچوش سے انداز میں کہا تھا۔

بچپن کی طرح تم آسکریم کھانا میں تمہیں دیکھ لوں گا، زائر آہستہ سے بولا تو زروا کے چہرے پر
گلال سا بکھر گیا تھا۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ سب بچپن میں آیا کرتے تھے۔

یہ شہر کا واحد آسکریم پارلر تھا جو رات 12 بجے کے بعد بھی کھلا رہتا تھا۔

وقت کے ساتھ کافی کچھ بدلتا ہے، اسی طرح یہاں بھی کافی چینجز آئے تھے۔

بدل تو انکا رشتہ بھی گیا تھا، مگر جو چیز پہلے جیسی ہی تھی۔

وہ تھی انکی محبت، جو اب عشق کا روپ اختیار کر چکی تھی۔

زروا بانک سے اتر کر اندر کی جانب بڑھی تھی۔

زائر بھی اسکے پیچھے ہی اندر چلا گیا تھا۔

بیٹھو، زائر نے ایک چیئر زروا کے لیے سیٹ کی تھی۔

زروا مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی تھی۔

زائر بھی اسکے سامنے ہی بیٹھ گیا تھا۔

ویٹر، زائر نے آواز دی تھی۔

ایک چاکلیٹ آسکریم، اس نے صرف ہی کپ آرڈر کیا تھا۔

آپ نہیں کھائینگے؟ زروا نے پوچھا تھا۔

میں نے ایسا تو نہیں کہا زندگی، زائر زو معنی انداز میں اسکی جانب دیکھتا ہوا بولا تھا۔

تو پھر؟ زروا نے پھر سے سوال جیا تھا۔

اس سے پہلے کے زائر کوئی جواب دیتا ویٹر انکا آرڈر لے آیا تھا۔

ہم آج ایک ہی کپ سے کھائینگے، وہ تو سنا ہوگا تم نے کہ ایک دوسرے کا جھوٹا کھانے سے پیار بڑھتا ہے؟ زائر نے اسکی جانب آسکریم کا اسپون بڑھاتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا تو زروا شرما گئی تھی۔

اب لو بھی، زائر نے اسے آسکریم کھلائی تھی۔

زروا نے اسکے ہاتھ سے اسپون لیا تھا اور اسے بھی آسکریم کھلائی۔ تھی۔

گڈ، تم بھی رو مینٹک ہو گئی ہو میرے ساتھ رہ کر، زائر اسکی جانب دیکھ کر بوٹے ہوئے
ہنس دیا تھا۔

زروا اسکی بات سن کر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

زائر نے دلچسپی سے اسکا شرم سے گلابی پڑتا چہرہ دیکھا تھا۔

وہ اس وقت پنک کالر کے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس زائر کے حواسوں پر چھا رہی تھی۔

زروا؟ زائر نے جذبات سے بھرپور لہجے میں اسے پکارا تھا۔

زروا نے یکایک پلکھوں کی چلمن اٹھائی تھیں۔

آئی۔ لو۔ یو زندگی، زائر نے اسکے ٹھنڈے ہوتے ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھتے ہوئے جذبات سے چور لہجے میں کہا تھا۔

زروا کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

"مجھے چوم کر، مجھے تھام کر، میری شدتوں میں قیام کر"

"اے دلربا، نازک ادا، تجھ پر فدا، اک شب تو میرے نام کر"

زائر آنکھوں میں چاہت سموئے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

زروا سے اب اس سے نظریں ملانا محال ہوا تھا۔

کچھ کہوگی نہیں؟ زائر نے گھمبیر لہجے میں سوال کیا تھا۔

میں کیا کہوں وہ آپ جانتے تو ہیں، زروا آہستہ سے بولی تھی، جبکہ گلابی لبوں پر شریکیں
مسکراہٹ رقصاں تھی۔

دوسری طرف زائر اسکی دل کیفیت جان گیا تھا اس لیے اس نے بات بدل دی تھی۔

اچھا سنو مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا ہے؟ زائر نے پھر سے بات شروع کی تھی۔

جی کیسے؟ زروا نے جواب دیا تھا۔

"سوری" زائر یہ یک لفظی جملہ بول کر خاموش ہو گیا تھا۔

زروا حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مگر کس لیے؟ زروا نے پوچھ ہی لیا تھا۔

اسی وقت زائر نے ایک لاکٹ اسکے سامنے لہرایا تھا۔

اسے پہچانتی ہو؟ زائر نے سوال کیا تھا۔

جبکہ دوسری جانب زروا ششدر رہ گئی تھی۔

یہ یہ تو، مارے خوشی کے اس سے بولنا محال ہوا تھا۔

یہ تمہاری ماما کی نشانی ہے نا؟ زائر نے خود ہی سوال کر کے اسکی مشکل حل کر دی تھی۔

مجھے تو لگا تھا یہ آپ نے پھینک دیا؟ یہ کہاں ملا آپکو؟ وہ نم ہوتی آنکھوں سے پوچھ رہی تھی۔

جواباً زائر نے اسے یہ بتایا تھا کہ اسے اور غلط فہمیوں کی طرح اس لاکٹ کو لے کر بھی غلط فہمی ہو گئی تھی، وہ ضروریز کی بات سرے سے گول کر گیا تھا۔

وہ زروا کو ضروریز کی جانب سے بدظن نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تم کہو تو تمہیں پہنادوں؟ زائر نے لاکٹ دیکھتی زروا سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

زائر نے اٹھ کر اسے وہ لاکٹ پہنادیا تھا۔

آپ نہیں جانتے یہ لاکٹ واپس دے کر آپ نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے خان، زروا خوشی سے بھاری ہوتی آواز میں بولی تھی۔

جانتا ہوں یہ تمہارے لیے کتنا خاص ہے، اسی لیے واپس دیا ہے، زائر ٹیبل پر آگے کی جانب جھکتا ہوا بولا تو زروا پلکھیں جھکا گئی تھی۔

مگر آپ نے یہ سنبھال کر کیوں رکھا؟ زروا نے کچھ دیر بعد پھر سے سوال کیا تھا۔

کیونکہ یہ میری زندگی کے گلے کی زیست رہ چکا تھا، اور میں نہیں چاہتا تھا کوئی اور اسے چھوئے، میرا بس چلے تو ہوا کو بھی تمہیں چھو کر ناگزرنے دوں، وہ سخت لہجے میں بولتا زروا کو ایک بار پھر سے حیران ہی تو کر گیا تھا۔

وہ اسکے لیے اتنا پوزیسیو تھا؟ زروا کو جیسے خود پر ناز سا ہوا تھا۔

اسکے لبوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ نے چھب دیکھائی تھی۔

کہاں کھو گئی مسز خان؟ زائر نے اسکے آگے چٹکی بجائی تو زروا چونکی تھی۔

کہیں نہیں بس یونہی، وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

تم نے مجھے معاف کیا؟ زائر نے زروا سے پوچھا تھا۔

خان جو خوشی مجھے اسے لاکٹ کو پا کر ہوئی ہے اس کے آگے آپ کو میں ہزار بار بھی معاف کرنے کو تیار ہوں، وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی تو زائر مطمئن سا مسکرا دیا تھا۔

چلیں؟ زائر نے پوچھا تو زروا نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

تم رکو میں بل پے کر کے آیا، زائر بوٹے ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ واپسی کے لیے نکلے تھے۔

عشق کی راہ سہل ہو گئی تھیں، وہ سب اب ایک ساتھ تھے، انا ہار گئی تھی اور عشق جیت گیا تھا۔

کچھ بول بھی اب، زروا جھلائی تھی۔

وہ صدا کی نرم مزاج تھی، اسے غصہ بھی برائے نام ہی آتا تھا مگر پچھلے آدھے گھنٹے سے مشعال کے خاموشی سے یہاں سے وہاں چکر کاٹنے پر اسکا دماغ گھما دیا تھا۔

وہ آدھا گھنٹہ پہلے زائر کے ساتھ یہاں آئی تھی، سب لاؤنج میں عانیہ اور صائم کی شادی کے فنکشنز کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

مگر اسے مشعال وہاں نا دکھی تو وہ اسکے روم میں آگئی تھی۔

مسئلہ کیا ہے آخر؟ اس دن گھر بھی نہیں آئیں تم ضروریز کے ساتھ، نا ہی شلپنگ کے لیے چل رہی ہو، ہوا کیا ہے؟ زروا نے اب کے نرمی سے پوچھا تھا۔

جواباً مشعال نے اسے سونیا کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔

زروا حیرانگی سے اسکی باتیں سن رہی تھی۔

یار وہ صرف ضروریز کی کزن ہے بس، اور تم اسکی بیوی اسکی محبت ہو، تم اتنا انسکیور کیوں ہو رہی ہو؟ زروا نے پریشان سی کھڑی مشعال سے پوچھا تھا۔

تم تو پاگل ہو، تم تو اس فتنی فروا پر بھی دھیان نہیں دیتی، کیسے وہ زائر کے گرد منڈلاتی
رہتی ہے، مشعال نے زروا کو بھی احساس دلانا چاہا تھا۔

مگر وہ تو خان کی بس پرانی فریڈ ہیں، زروا سادگی سے بولی تھی۔

اففف، چلو میرے ساتھ، مشعال نے زروا کو اٹھا کر کھڑا کیا تھا۔

مگر کہاں؟ وہ اب بھی حیران سی ہو رہی تھی۔

مشعال اسے یلے باہر کی جانب چل دی تھی۔

ہاہاہا، کم آن یار زیڈ۔ کے تم اب بھی ویلے ہی ہو، فروا نے ہنستے ہوئے زائر سے ہائی فائی لیا
تھا۔

وہ شاید کوئی پرانی بات یاد کر کے ہنس رہی تھی۔

جبکہ زائر بھی کافی خوشگوار موڈ میں تھا۔

زروا اور مشعال آؤنا، بیٹھو تلوگ بھی؟ شمرز نے انہیں آفر کیا تھا۔

زائر اور فروا ایک ہی صوفے پر کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے تھے، جبکہ سامنے ہی دوسرے صوفے پر ضوریز سونیا اور شمرز براجمان تھے۔

عامر فلحال وہاں نا تھا۔

زروا کو بھی اب یہ کافی عجیب لگا تھا۔

دیکھا؟ مشعال اسکے کان میں گھسی بولی تو زروا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

فرسٹ آف آل شمرز لالہ، ضریرز آپ سے ایک سال بڑا ہے سو اس حساب سے میں آپکی
بھا بھی ہوئی نا، مشعال نے ہلکے پھلکے انداز میں مگر کافی گہرا طنز کیا تھا۔

شمرز کی مسکراہٹ سمی تھی۔

جبکہ اسکی بات سنتا ضریرز بھی مسکرا دیا تھا۔

اسے پرسوں رات مشعال کا خود سے لڑٹا یاد آگیا تھا، جب وہ "خان پیلیس" سے لیٹ آیا
تھا۔

تب اسے مشعال کی سونیا سے جیلیسی محسوس ہو گئی تھی۔

جب سے ہی وہ جان بوجھ کر اپنی جنگلی بلی کو ستارہا تھا۔

کبھی سونیا کے ساتھ شاپنگ تو کبھی اسے سوات کی کسی فیمیس جگہ گھمانا، کبھی اسکے
لے آسکریم لانا، یہ سب وہ ان دو دنوں میں کرچکا تھا۔

نتیجہ وہی تھا جو اس نے سوچا تھا۔

مشعال اس سے سخت چڑ گئی تھی۔

اوہ... مشعال کی بات پر شمرز نے ہونٹ سکیڑے تھے۔

آئی تمھنگ کل سے فنکشن شروع ہیں تو ہم سب پرانی باتوں کی جگہ اسکے بارے میں باتیں
لرلیتے ہیں؟ کیا خیال ہے خان؟ زروا بھی اب کے پراعتماد انداز میں بولی تھی۔

یہ وائی ناٹ، زائر نے سنجیگی سے جواب دیا تھا۔

اسکے بعد ان سب نے مل کر سارے فنکشنز اور تھیم ڈیسائیڈ کر لیا تھا۔

بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ مشعل نے سب سے اپنی پسند منوالی تھی۔

یہ ان دونوں کو ہوا کیا ہے آخر؟ اس طرح ویئڈ بیہو کیوں کر رہی تھیں؟ زائر نے ضوریز سے سوال کیا تھا۔

زائر اور ضوریز اس وقت کسی کام سے باہر آئے تھے اور کار میں تھے۔

وہی جو ہونا چاہیے؟ ضوریز نے ڈرائونگ کرتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔

یار ایک تو پہلے ہی میں الجھا ہوا ہوں اوپر سے تیری بکواس، زائر چڑگیا تھا۔

ساحل کو زروا کے ساتھ دیکھ کر جو تو فیل کر رہا تھا وہی وہ دونوں ہمیں ان دونوں کے ساتھ دیکھ کر فیل کر رہی ہیں بس، ضوریز نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

او آئی سی، یعنی میں سسی سوچ رہا تھا، زائر بڑبڑایا تھا۔

چل پھر اور جلاتے ہیں ان دونوں کو؟ زائر نے ضوریز کی جانب دیکھتے ہوئے شرارتی انداز میں آنکھ کا کونا دبایا تھا۔

سب بتاتا ہوں، زائر نے سامنے دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

ضوریز اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

وہ آج بھی جان بوجھ کر لیٹ آیا تھا۔

اسے مشعال کو جاگتی دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

اسے اپنی اس مغرور حسینہ کو چھیڑنا اچھا لگتا تھا، اسے ستانے اسے غصہ دلانے میں مزہ آتا تھا۔

وہ آج دیر تک زائر کے ساتھ ہی تھا۔

اب جب روم میں آیا تو وہ جلی بھنی بیٹھی تھی۔

ضوریز نے اپنی شرٹ کے بٹن کھولے تھے ساتھ ہی اپنی واچ بھی اتاری تھی۔

"اوہ تو تمہارے پاس واچ ہے؟ میں تو سمجھی کہ شاید مجھے گفٹ کرنی پڑے گی" وہ اس کے ہاتھ میں واچ دیکھ کر طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

"کوئی بات نہیں، میں یہ واچ کسی اور کو دے دوں گا۔"

تم پھر مجھے گفٹ کر سکتی ہو، اور پرامس میں پھر ہمیشہ وہی پہنوں گا" اس نے کہاں باز آنا تھا۔

جس کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ لگا رہے تھے، اسی سے کہو تمہیں گفٹ کر دیگی، مجھ سے فری ہونے کی کوشش بھی مت کرنا، وہ کروٹ بدلتی ہوئی تپے ہوئے انداز میں بولی تو ضرور ہنس دیا تھا۔

یہ جناتی قہقہے تم باہر جا کر لگاؤ، مجھے سخت نیند آرہی ہے، وہ اٹھ کر قدرے چڑے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

ضرور سنی ان سنی کرتا فریش ہونے چل دیا تھا۔

بدتمیزی، بے پرواہ، مشعال برہڑائی تھی۔

اسے بار بار وہ منظر یاد آ رہا تھا جب ضوریز سونیا کے لیے آسکریم لایا تھا۔

وہ کتنے حق سے آگے بڑھی تھی مگر سونیا پہلے ہی اس سے آسکریم لے چکی تھی۔

اسکے بعد اس سے وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ کچھ ہی دیر بعد وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

اہم۔ اہم؟ میرے خیالوں میں گم ہو؟ ضوریز نے اسکے قریب ہی لیٹے ہوتے ہوئے شرارتی

انداز میں پوچھا تھا۔

مشعال جو کہ مختلف سوچوں میں گم تھی، اسکی آواز پر چونک کر پیچھے ہوئی تو اسکا چہرہ ضریرز کے سینے سے مس ہوا تھا۔

یہ کیا بد تمیزی ہے، ہٹو پیچھے، مشعال نے اسے پیچھے ہٹانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

مگر وہ تھا کہ ٹس سے مس نا ہو رہا تھا۔

مشعال جھنجھلائی ہوئی بیڈ سے اتر کر صوفے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

ضریرز بھی اس کے پیچھے آیا تھا۔

جبکہ وہ صوفے پر سر پر ہاتھ رکھے لیٹ چکی تھی۔

یہ کیا بچپنا ہے مشعال؟ چلو اپنی جگہ پر چل کر سوؤ، وہ قدرے نرمی سے بولا تھا۔

میں اپنی جگہ پر ہی ہوں، وہ نروٹھے انداز میں بولی تو ضوریز نے اسے بازوں سے پکڑ کر تھوڑا ایک طرف کیا تھا اور خود بھی وہیں ٹک گیا تھا۔

مشعال فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔

ضوریز تھوڑا اور سرکا تھا، اسطرح کے اب وہ مشعال کے بالکل قریب بیٹھا تھا۔

ٹھیک ہے پھر میں بھی یہیں سو جاؤں گا، اب اسکے لیے بھلے مجھے تمہارے ساتھ یہ صوفہ شیئر کرنا پڑے، آئی ڈونٹ مائنڈ، وہ آنکھوں میں شرارت لیے اسکی جانب جھکتا ہوا بولا تھا۔

مشعال جو کہ بلا کی کانفیڈنٹ تھی، ضوریز کی اس بے باکی پر پل بھر میں اسکے چہرے پر ہوائیاں اڑی تھیں۔

کیوں دماغ خراب کر رہے ہو میرا؟ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں اب اس سے سوال پوچھ رہی تھی۔

مسئلہ جاننا چاہتی ہو؟ ضروریز اس کے مزید قریب ہوا تو مشعال کے دل دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا ہوا تھا۔

پہلے تو تم دور ہٹ کر بات کرو، بہری نہیں ہوں میں، وہ چڑ کر بولی تھی۔

ضروریز نے اسے کھینچ کر خود کے قریب کیا تھا اور خود صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔

یہ کیا بے خودگی ہے؟ اس کے کشادہ سینے سے لگی مشعال گرہڑا ہی تو گئی تھی۔

میں نے تو ابھی کچھ کیا ہی نہیں، اپنا مسئلہ بتا رہا ہوں تمہیں، وہ اسکے بالوں سے چہرہ مس کرتے ہوئے اسکی خوشبو اپنے اندر اٹلاتا ہوا گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔

اسکی اس قربت پر مشعال کو فل اے۔ سی میں بھی پسینہ آنے لگا تھا۔

اسکا سر جھک سا گیا تھا۔

اسی لمحے ضوریز نے اچانک اسکے بالوں کو کیچر سے آزاد کیا تھا۔

مشعال کے بال اسکی کمر پر جھوٹے گئے تھے۔

وہ اسکی بڑھتی جسارتوں پر ایک دم ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

مش بس یار، کیوں ترپڑا رہی ہو، ضوریز جذبات سے بوجھل ہوتی آواز سے بولا تھا۔

مشعال رخ موڑے کھڑی تھی۔

اسے خاموش دیکھ ضوریز اٹھ کر اسکے قریب آیا تھا۔

ضوریز نے اپنے دھکتے لب اسکے بالوں پر رکھ دیے تھے۔

ضوریز پلیز، وہ مسمنائی تھی۔

کیا پلیز؟ وہ اسکا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

مجھے سونا ہے، وہ اپنا آپ اس سے چھڑاتی ہوئی بولی تھی۔

مگر مجھے نہیں سونا، وہ اسکی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے مخمور لہجے میں بولا تھا۔

مشعال نے ایک شکوہ کناں نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

ضوریز مسکرا دیا تھا۔

"جب سے تم روٹھی ہو مجھ سے ہر خوشی ناراض ہے"

"دل سے چین آنکھوں سے نیند لب سے ہنسی ناراض ہے"

وہ اسے خود سے مزید قریب کرتا ہوا اک ادا سے یہ شعر پڑھ گیا تھا۔

تمہیں کیا فرق پڑتا ہے میری ناراضگی سے؟ وہ بالاخر اس سے شکایت کر ہی گئی تھی۔

یعنی ناراض ہو؟ ضریر د لچسپی سے اسکا یہ انداز دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

ہاں ہوں، تو پھر؟ مشعال اب کے پورے حق سے اپنی اسی ٹون میں بولی تھی جو کہ اسکی شخصیت کا خاصہ تھی۔

تو آپکو منانے کے لیے بندہ حاضر ہے میڈم، وہ مسکراتا ہوا اسکی براؤن آنکھوں میں اپنی گرے آنکھیں گاڑتے ہوئے بولا تھا۔

کل اس سونیا کو شاپنگ کرانے کیوں گئے؟ مشعال منہ پھلائے پوچھ رہی تھی۔

ارے یار میں نہیں لے کر گیا، میں تو اپنے کام سے اس شاپ پر گیا تھا، وہ پہلے ہی وہاں موجود تھی ڈرائور کے ساتھ، پھر وہ میرے پیچھے پڑ گئی کہ اسے سوات دیکھاؤں۔

میں نے بہت ٹالا، مگر وہ جان ہی نہیں چھوڑ رہی تھی۔

میں اسے ایک دو جگہ دکھا لایا، مہمان ہے یار وہ، ہماری عانیہ کی شادی میں آئی ہے، بس اس لیے میں اسے لے گیا، ضرور نے اسکی غلط فہمی دور کی تھی۔

اور اسکے لیے آسکریم کیوں لائے تھے؟ مشعل جیسے اب بھی مطمئن نا ہوئی تھی۔

اوگاڈ، تمہاری عقل کیا گھانس چرنے چلی گئی ہے؟ تم نے یہ نہیں دیکھا وہ کونسی آسکریم تھی؟

ہاں اسٹرابری فلیور تھا، مشعل تپ کے بولی تھی۔

زرا یہ بھی بتادو کس کو پسند ہے اسٹرابری ہمارے گھر میں ؟ ضریرز اسے باہنوں میں لیے
ہی پوچھ رہا تھا۔

آفکورس مجھے، وہ ایک ادا سے بولی تھی مگر پھر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ آسکریم اسکے لیے
تھی۔

کیونکہ اس نے سونیا اور عامر کو بات کرتے سنا تھا، کہ سونیا کو وینیل پسند ہے مگر یہ ضریرز
لایا ہے تو وہ یہ بھی خوشی سے کھا لگی۔

مشعال نجل سی ہوئی تھی۔

اسکے منہ کے بگڑے ہوئے زاویے دیکھ کر ضریرز ہنس دیا تھا۔

اب بھی کوئی شکوہ بچا ہوا ہے تو کرلو، ورنہ بعد میں کہوگی میں بہت ظالم شوہر ہوں، ضرور
نے اسے چھیڑا تو مشعال اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

ہائے، قسم سے تم جو یہ اپنی ان بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھتی ہونا، اف دل بے ایمانی
پر اکسانے لگتا ہے، ضرور زو معنی انداز میں کہتا اس پر جھکا تو مشعال نے اس کے سینے پر
ہاتھ رکھ کر اسے روکا تھا۔

یار اب کیا ہو گیا؟ وہ اسکی بار بار کی دخل اندازی پر چڑ گیا تھا۔

مجھے سونا ہے، مشعال چہرہ جھکائے بولی تھی، ضرور کے ارادے دیکھ کر اسکی جان ہوا
ہو رہی تھی۔

پر کیوں؟ وہ اسے زچ کرنے کو پوچھ رہا تھا۔

کیا کیوں ہاں؟ مجھے نیند آرہی ہے، وہ زچ ہو بھی گئی تھی۔

پر مجھے تو نیند نہیں آرہی، تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں سونے دوں؟ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔

اب تم مجھے نا انتہائی زہر لگ رہے ہو، وہ جل کر بولی تھی۔

اچھا واقعہ ہی؟ پوچھنے کے ساتھ ہی وہ اب کہ اسکی مزاحمت کو خاطر میں لائے بنا اسکے باہنوں میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

ضویریز نیچے اتارو مجھے، مشعال نے احتجاج کیا تھا۔

جبکہ ضویریز اسے بیڈ پر لٹا کر لائٹس آف کرتے ہوئے اسکے احتجاجات پر بندھ باندھتا چلا گیا تھا۔

مشعال نے اسے روکا نا تھا مگر وہ اس سے چھپنے کو اسی کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

دور کہیں چاند انکے اس کھٹے میٹھے رشتے اور اس حسین ملاپ پر مسکرایا تھا۔

آج کی صبح "ضوریز ہاؤس" میں خوشیوں کی کرن لے کر آئی تھی۔

کیونکہ آج عانیہ اور صائم کی مہندی کا کمبائن فنکشن تھا، جو کہ مشعال کا پلان تھا۔

صبح ہی سے ہر طرف بھگ دڑ سی مچی ہوئی تھی اور اب دوپہر تک تقریباً سب کام ہی نمٹ چکے تھے۔

زائر کے بھی دونوں گھر کے چکر لگ رہے تھے، وہ دونوں ہی طرف کی ذمہ داریاں نبھا رہا تھا۔

جبکہ ضرورز بھی بھائی والا ہر فرض بخوبی انجام دے رہا تھا۔

سماہر بیگم بھی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

شہروز صاحب بھی خود سب اربمختار دیکھ رہے تھے۔

یہ دوپہر 2 بجے کا وقت تھا اور مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔

ہے آنٹی، آپ کہاں ان کاموں میں لگی ہوئی ہیں، سرونٹس ہیں نا ان سب کے لیے،
آپ یہاں آئے تھوڑی دیر بیٹھ جائے، سونیا نے لہجے میں چاشنی سموئے سماہر بیگم سے
کہا تھا۔

سماہر بیگم جو کہ کچھ سامان لیے کچن میں جا رہی تھیں اسکی بات سن کر مسکرا دی تھیں۔

ارے بیٹا شادی کے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کرنے چاہیے اچھا لگتا ہے، اور یہ تو
پھر میری اکلوتی بیٹی کی شادی ہے، میں چاہتی ہوں سب کچھ پرفیکٹ ہو، سماہر بیگم ہلکا
سا مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

افف یہ سوکالڈ رسمیں، سونیا دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئی تھی۔

اوکے آنٹی ایز یور وش، وہ کندھے اچکا گئی تھی۔

اس سے زیادہ اچھا بننا اسکے بس میں نا تھا۔

زروا؟ نکین بیگم زروا کو آواز دیتی لاؤنج میں آئی تھیں۔

ارے یہ ابٹن اور مہندی عانیہ کے لیے بھیجی ہے، ہمیں جاتے ہوئے تو لیٹ ہو جائیگا، اور یہ پہلے ہی بھجوانی تھی، وہ ایک ہی سانس میں بول گئی تھیں۔

ارے آپ پریشان مت ہوں، یہ پہنچ جائیگی، آپ بس ریلیکس کریں چچی جان، زروا نے انہیں مطمئن کیا تھا۔

لاؤنج میں آتی پلوشہ بیگم مسکرا دی تھیں۔

کیونکہ زروا بہت ہی خوش اسلوبی اور ذمہ داری سے ہر کام انجام دے رہی تھی۔

عانہ کی بری میں بھی ہر چیز وہ ایک سے بڑھ کر ایک لائی تھی۔

اسکے علاوہ بھی گھر کے کام اور مہمانوں کی آؤ بگھت بھی وہی کر رہی تھی۔

اس نے سب سرونٹس کو گویا ٹرینڈ کر دیا تھا کاموں کے لیے۔

کیا ہو رہا ہے لیڈرز؟ انہیں باتیں کرتے دیکھ زائر وہاں آیا تھا۔

اس نے ایک نظر زروا پر ڈالی تھی۔

وہ اسے کل والے لان کے سوٹ میں ملبوس، ایک دن پہلے کے پونی کیے بالوں میں
کافی تھکی تھکی سی لگی تھی۔

اپنی بیوی سے پوچھ لو، پلوشہ بیگم مسکرا کر کہتی وہاں سے چل دی تھیں۔

مجھے کچھ کام ہے زروا تم پلیز یہ مہندی یاد سے پہنچا دینا، نگین بیگم بھی اسے ہدایات دیتی
وہاں سے چلی گئی تھیں۔

اب لاؤنج میں صرف وہ دونوں ہی تھے۔

کھانا کھایا تم نے؟ زائر نے اسکی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

زروا نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

اچھا کیا بنا ہے آج؟ زائر نے کھڑے کھڑے ہی ایک اور سوال کیا تھا۔

زروا تذبذب کا شکار ہوئی تھی، کیونکہ اسے تو یہ پتہ نہ تھا کہ آج کیا بنا ہے۔

ارے زروا، کاموں میں لگ کر کھانا مت گول کر دینا، میں نے تمہارے لیے فرج میں کھانا رکھا ہے یاد سے کھالینا، دوسرے روم میں موجود پلوشہ بیگم کی آواز آئی تھی۔

زروا زائر کے سامنے جھوٹ پکڑا جانے پر سخت شرمندی ہوئی تھی۔

زائر کو پہلے ہی معلوم تھا کہ اس نے، ہونا ہو، کھانا نہیں کھایا ہوگا، وہ اسکا غصہ خود پر نکال رہی ہوگی۔

تم نے جھوٹ کیوں بولا مجھ سے؟ اس نے سر جھکائے کھڑی زروا سے قدرے غصے سے
پوچھا تھا۔

مجھے بھوک نہیں تھی، زروا مہمنائی تھی۔

زائر نے زروا کی جانب دیکھ کر نفی میں سر ہلایا تھا، گویا تاسف کر رہا ہو۔

گل، گل؟

ملازمہ کو آواز دیتا زائر تقریباً دھاڑا تھا۔

جج جی زائر صاحب؟ ملازمہ ڈری ہوئی سی وہاں آئی تھی۔

دس منٹ کے اندر کھانا گرم کرو اور میرے روم میں لاؤ، خیال رہے صرف دس منٹس، ایک سیکنڈ بھی اوپر ہوا تو تمہاری خیر نہیں، وہ ملازمہ کو حکم دیتا اب زروا کی جانب بڑھا تھا۔

تمہیں کیا انویٹیشن دینا پڑیگا؟ وہ زروا کو گھورتے ہوئے بولا تھا۔

مگر وہ ٹس سے مس نا ہوئی تو اس نے ایک دم ہی زروا کو باہنوں میں بھر کر گود میں اٹھایا
تمہا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا۔

اسکے پیار جتانے کا انداز بھی بھی اسکے جیسا ہی تھا، ضدی اور ہٹ دھرم بالکل اسی کی
طرح۔

خان یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ گھر میں اتنے مہمان موجود ہیں، کسی نے دیکھ لیا تو کیا
سوچیکا، زروا مارے حیا کے سر جھکائے بول رہی تھی۔

مگر زائر اسکی بات سن ان سنی کرتا چلتا جا رہا تھا۔

خان کوئی کیا کہے گا آپ مجھے یوں بچوں جیسے کیوں ٹیوٹ کر رہے ہیں، میں چل سک، وہ
پھر سے بولی تو زائر نے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

بیوی ہو تم میری، کسی غیر کو نہیں لے جا رہا، حق رکھتا ہوں میں تم پر ہر قسم کا، جو
چاہوں کر سکتا ہوں، سمجھیں؟ وہ دو ٹوک انداز میں بولتا زروا کی بولتی بند کروا گیا تھا۔

وہ اب خاموشی سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

منظر وہی انکی شادی والی رات جیسا تھا مگر اب حالات میں بہت فرق تھا۔

یہی سوچتی آج تو قسمت بھی مسکرا رہی تھی۔

زروا اب خفگی سے زائر کو گھور رہی تھی۔

زائر نے پاؤں کی ٹھوکر سے روم کا ڈور اوپن کیا تھا اور اسے روم کے اندر لا کر بیڈ پر بٹھایا تھا۔

بہت بدتمیز ہیں آپ، وہ منہ پھلائے بولی تھی۔

یس آئی ایم، زائر نے سر کو زرا سا خم دے کر اقرار کیا تھا۔

بہت ڈھینٹ بھی ہیں، وہ چڑ کر بولی تھی۔

یاہ یاہ آئی ایم، وہ شرارتی مسکراہٹ چہرے پر سجائے ترکی بہ ترکی بولا تھا۔

انتہائی اکڑو، ضدی اور ہٹ دھرم بھی ہیں، وہ تپ ہی تو گئی تھی۔

زائر اب کے کھل کے ہنس دیا تھا۔

یا اللہ اتنے ہینڈسم شوہر کو تم یہ کیا کیا بول رہی ہو مسز؟ لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر، وہ اب اسے چھیڑ رہا تھا۔

مر ہی جائیں تو اچھا ہے، وہ بیڈ پر بیٹھی بڑبڑائی تھی۔

کچھ کہا تم نے؟ زائر نے بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں پوچھا تھا مگر زروا جواب دیتی کے اس سے پہلے ہی روم ناک ہوا تھا۔

دروازے پر گل ٹرے یلے کھڑی تھی۔

کم ان، زائر نے اجازت دی تو وہ ٹرے رکھ کر چلی گئی تھی۔

اتنے جلد ہیں آپ کیسے اس بیچاری کو ڈرا دیا، آٹھ منٹس میں ہی وہ کھانا لے آئی ہے، زروا نے طنز لہجے میں کہا تو کمرے میں زائر کا جاندار قمقہ گونجا تھا۔

تو تم اسکا بھی حساب لگا کر بیٹھی ہو؟ شرارتی انداز میں پوچھا گیا تھا۔

زروا اب کہ کچھ نا بولی تھی۔

اچھا اب اچھے بچوں کی طرح کھانا کھاؤ، زائر نے نرمی سے کہا تو زروا نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

زروا، زائر نے تنبیہ انداز میں اسے پکارا تو اس نے ایک شکوہ کناں نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

زائر کو اسکا یہ خفا خفا سا انداز دیکھ کر ایک لطف سا آیا تھا۔

اچھا پہلے کھانا کھاؤ، مجھے پھر آرام سے گھور لینا، زائر کا انداز بہلانے جیسا تھا۔

زروا نے پھر بھی کھانے کو ہاتھ نا لگایا تو وہ اٹھ کر ہاتھ دھو کر آیا تھا اور زروا کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

میں نے بھی کھانا نہیں کھایا مسز، میرا ساتھ دینے کو ہی کھالو؟ وہ معصومیت سے بولا تو زروا نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

خان آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا، زروا اب فکر مندی سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

یعنی ناراضگی میں بھی وہ اسکی فکر کر رہی تھی، زائر مسرور سا ہوا تھا۔

مجھے آج کچھ عجیب لگا ٹیسٹ بس اس لیے، وہ اسے جواب دے کر اب اسکے لیے پلیٹ میں چاول نکال رہا تھا۔

ہیں؟ کھانا تو تائی جان نے خود بنایا ہے خان پھر بھی آپکو اچھا نہیں لگا؟ زروا نے حیرانگی سے پوچھا تھا کیونکہ زائر کو پلو شہ بیگم کے ہاتھ کا کھانا بہت پسند تھا۔

تم ٹیسٹ تو کرو، آج کچھ عجیب ہے؟ زائر نے چاول کا اسپون اس کے منہ میں ڈالا تھا۔

ارے یہ تو کافی مزے کے ہیں، زروا نے چاول کھاتے ہوئے کہا تھا۔

اچھا، مجھے تو نیک کم لگا، زائر نے ایک اور اسپون اسکے منہ میں ڈال دیا تھا۔

ارے نیک تو بالکل ٹھیک ہے، زروا نے پھر سے جواب دیا تھا۔

کیا واقع ہی، زائر نے بولنے کے ساتھ ایک اور اسپون چاول اسے کھلا دیے تھے۔

زائر دلچسپی سے اسکے معصوم سے چہرے کو دیکھتا اسے کھانا کھلا رہا تھا۔

ایک سیکنڈ، زائر نے پلیٹ نیچے رکھتے ہوئے ایک ہاتھ سے زروا کے ہونٹ سے چاول ہٹائے تھے۔

زروا کو جیسے کرنٹ سا لگ گیا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر خود سے منہ صاف کرنے لگی تھی۔

زائر نے اسکی یہ گھبراہٹ انجوائے کی تھی۔

تمہیں چاول پسند ہیں نا؟ زائر نے زروا سے پوچھا تھا۔

ہاں بالکل، اور یہ چاول سادھے کھانے میں کیا مزہ خان، وہ اچار تو ڈالیں اس میں، زروا نے جیسے بڑی پتے کی بات کی تھی۔

زائر نے اچار چاول میں مکس کرتے ہوئے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

زروا اب آرام سے اسے اپنا اچار اور چاول کا قصہ سناتی ہوئی اسکے ہاتھ سے کھانا کھا رہی تھی۔

ارے یہ مکس سبزی تو تم نے ٹیسٹ ہی نہیں کیے، زائر نے ایک لقمہ اسکے منہ میں ڈالا تھا۔

یہ تو میری فیورٹ ہے، خان آپکو پتہ ہے میں اور صائم مکس سبزی کے لیے لڑائی تک کر لیتے تھے، وہ اب ہنستی ہوئی اسے بھی ہنسنے پر مجبور کر گئی تھی۔

خان بس، میرا پیٹ بھر گیا، زروا نے اسے مزید کھلانے کو ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر روک دیا تھا۔

بس اتنی سی تو بات تھی مسز، اسکے لیے تم نے اتنا رونا ڈالا ہوا تھا، زائر لُشو سے ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا تو زروا کو احساس ہوا تھا کہ وہ اسے کھانے کے لیے نانا کرتی ہوئی اسی کے ہاتھ سے کافی ٹھیک ٹھاک کھانا کھا چکی تھی۔

اسے خاموش دیکھ زائر مسکرایا تھا۔

تم میری بیوی ہی نہیں میری محبت بھی ہو زندگی میرا عشق میرا جنون ہو تم، اور تم سے اہم
میرے لیے کچھ بھی نہیں اس لیے اب فضول باتیں سوچنا بند کرو اور جا کر فریش ہو آؤ، دیکھو
کیا حلیہ بنایا ہوا ہے تم نے اپنا، زائر کے لہجے میں زروا کے لیے، پیار کے ساتھ ساتھ فکر
بھی تھی۔

فضول باتیں سے اسکا اشارہ کس جانب تھا وہ۔ اچھے سے سمجھ گئی تھی۔

پل میں ہی زروا کے دل سے بدگمانیاں ختم ہوئی تھی اور وہ کھل کر مسکرا دی تھی۔

اسے مسکراتے دیکھ زائر پرسکون سا ہو گیا تھا۔

عانیہ اور صائم کے مایوں مہندی کا فنکشن کمبائن رکھا گیا۔

فنکشن کا سارا انتظام لان میں کیا گیا تھا۔

پورا "ضویرز ہاؤس" برقی قمقموں سے روشن تھا، ہر سمت پھول ہی پھول، رنگین آنچل، چوڑیوں کی کھنک، مہندی و ابٹن کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

ضویرز نے پورے گھر کو پھولوں سے سجوا کر چار چاند لگا دیئے تھے، اکلوتی بہن کی شادی تھی آخر، وہ کوئی کمی کیسے چھوڑ دیتا۔

مہمان آنا شروع ہو چکے تھے، عانیہ اور مشعال پارلر گئی ہوئی تھیں۔

سب لوگ لان میں لگی چیئرز پر بیٹھے تھے، چیئرز کے بالکل سامنے ہی کچھ فاصلے پر گلاب اور گیندے کے پھول سے سجا خوب صورت اسٹیج بہت ہی دلکش لگ رہا تھا۔

ہر طرف افراتفری کا عالم تھا، ہر کوئی کاموں میں الجھا دکھائی دے رہا تھا۔

بلیک شلوار قمیض پر ملٹی کلر کا اسٹالر گلے میں ڈالے، بالوں کو جیل سے سیٹ کیے وہ
بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

جب وہ لان میں داخل ہوا تو ہزاروں نظریں اس پر اٹھی تھیں۔

وہ تھا ہی ایسا، جہاں جاتا تھا، نگاہیں اس پر جم جاتی تھیں، بلاشبہ ضوریز خان آفریدی لوگوں
کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا ہنر رکھتا تھا۔

ہے ضوریز یولکنگ ہینڈسم، سونیا اسے دیکھ کر اسکے قریب آئی تھی۔

وہ بائل گرین چست کرتی اور بیل باٹم کے ٹراؤزر میں ملبوس تھی، جسکا دوپٹہ نداد تھا۔

میک۔ اپ بھی اس نے کافی ڈارک کیا ہوا تھا۔

ضویر نے مجبوراً اسے اسمائل پاس کی تھی۔

اتنے میں ہی فروا عامر اور شمرز بھی وہاں چلے آئے تھے۔

ہے یہ تم لوگ کا ٹریڈیشنل فنکشن کتنا بورنگ ہے، آئی من جسٹ لک اٹ دیئر، وہ گرلز کیسے عجیب سا کوئی سانگ گنگنا رہی ہیں نا؟ فروا نے اسٹیج پر بیٹھی لڑکیوں کی جانب دیکھتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

ہا ہا ہا، فری وہ کیسے کلیپنگ کر رہی ہیں یار، سانگ گنگناتے ہوئے کلیپنگ کون کرتا ہے؟ آئی من سو ویڑ نا؟ لائک آ سرکس، شمرز نے جیسے ان لڑکیوں کا مزاق اڑایا تھا۔

باقی تینوں بھی ہنس دیے تھے۔

جسٹ شٹ اپ، ہر بات مزاق نہیں ہوتی، ضروریز تیز آواز میں بولا تو ان سب کو چپ لگی تھی۔

اتنے میں ہی انٹرنس سے، پوری آفریدی فیملی آتی دیکھائی دی تھی۔

ضروریز ان سے ایسکیوز کرتا آگے بڑھ گیا تھا۔

ویلکم ڈیئر بہنوئی صاحب، ضروریز نے ہنستے ہوئے صائم کو گلے لگایا تھا۔

سب ہی اسکی بات پر ہنس دیے تھے۔

وائیٹ شلوار قمیض پر گرین اسٹالر گلے میں ڈالے، صائم بے حد پیارا لگ رہا تھا۔

اسکا چہرہ خوشی سے تمنا رہا تھا۔

ہے جگر، ضوریز زائر کے گلے لگا تھا۔

بلیک شلوار قمیض کریم کلر کی شال گلے میں ڈالے، بالوں کو جیل سے سیٹ کیے، زائر
خان آفریدی، بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

بلیک کلر اسکی سرخ و سفید رنگت پر خوب بچ رہا تھا۔

جبکہ اسکے ساتھ کھڑی اسکی متاں حیات، اسکی پارٹنر، زرو زائر خان، کو دیکھ کر بھی آج کسی شہزادی کا گمان ہو رہا تھا۔

زرو آج فنکشن کی مناسبت سے آتشی گلابی اور اسکائی بلو کنٹراسٹ کے لہنگے اور کرتی میں ملبوس تھی، سنہری بالوں کو اس نے چوٹی کی شکل دے کر آگے ڈالا ہوا تھا، لائٹ سے میک۔ اپ اور پھولوں کی جیولری پہنے زائر کے ہمراہ کھڑی وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

زائر کی نظریں بھٹک بھٹک کر اسکے چہرے پر جا رہی تھیں، جن سے وہ کنفیوز ہوتی کبھی اپنا دوپٹہ سیٹ کرتی تو کبھی بالوں کو پیچھے ہٹا رہی تھی۔

زائر کو اسکا یہ شرمانا لطف سادے رہا تھا۔

سب ہی ایک دوسرے سے مل کر اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

زروا اب وہیں کھڑی مشعال کو میسج کر رہی تھی۔

چلیں؟ یا واپس گھر جانا ہے؟ زائر نے اچانک زروا کے کان میں سرگوشی کی تو وہ جھینپ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

زائر ہنستا ہوا اسکے پیچھے گیا تھا۔

شموز سونیا عامر اور فروا صائم کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھے اسے اپنی باتوں میں گھیرے ہوئے تھے۔

صائم اب بے زار ہونے کو تھا۔

ابھی تک عانیہ اور مشعال پارلر سے نہیں آئی تھی۔

جبکہ زائر اور ضوریز بھی کچھ ہی دور کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔

سو سیڈ، ابھی تک نہیں آئی؟

ضوریز کی نظریں انٹرنس پر ٹکی ہوئیں تھیں، اسی وجہ سے زائر نے اسے چھیڑا تھا۔

جواباً ضوریز نے اسے گھورا تھا۔

جس پر زائر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

اسی وقت مشعال اور عانیہ انٹرنس سے آتی دیکھائی دی تھی۔

مجھے گھورنا بند کر، وہ دیکھ آگئی تیری مشی، زائر نے کہا تو ضرور نے انٹرنس کی جانب نگاہ دوڑائی تھی۔

اسکائی بلو اور اورنج کنٹراسٹ کے لہنگے میں لائٹ سے میک اپ اور پھولوں کی جیولری پہنے جہاں عانیہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، وہیں اسکے ہمراہ چلتی مشعال بھی کسی سے کم نا لگ رہی تھی۔

یلو اور آتشی ہی کنٹراسٹ کے گراہ اور لانگ کرتی میں لائٹ سے میک اپ اور پھولوں کی ہی جیولری پہنے وہ کافی حسین لگ رہی تھی۔

ضروریز مہبوت سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مشعل بھی اسے دیکھ چکی تھی، اور اسماءؓ پاس کرتی عانیہ کے ساتھ ہی اسکے قریب سے گزر گئی تھی۔

ضوریز ایک دم حوش میں آیا تھا اور اسکے پیچھے اسٹُج کی جانب بڑھ گیا تھا۔

سب بڑے اس وقت اسٹُج پر عانیہ اور صائم کے ابٹن کی رسم کر رہے تھے جبکہ وہ چاروں اسٹُج کے قریب ہی ایک ساتھ کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔

انہیں دیکھ کر عامر اور فروا وہاں آئے تھے۔

ہے گائز وائس اپ؟ عامر نے سب کو ہائے کیا تو مشعال کے علاوہ سب ہی نے جواب دیا تھا۔

ہے زیڈ۔ کے یولوکنگ ہینڈسم، فروا نے بے باکی سے زائر کو کمینٹ پاس کیا تھا۔

ضوریز نے زائر کی جانب دیکھا تھا مگر وہ سپاٹ تاثرات لیے کھڑا تھا۔

زروا کو بھی کافی عجیب لگا تھا مگر وہ کچھ بولی نا تھی۔

اسی وقت مشعال نے زروا کو کچھ اشارہ کیا تھا، مگر وہ سمجھ نا سکی تھی۔

یس آئی۔ ایم، زائر نے شان بے نیازی سے جواب دیا تو ضوریز اور مشعال کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

بٹ تمہاری وائف، آئی من تم میں اور اس میں کچھ بھی سیم نہیں، وہ عجیب سے انداز میں بولی تھی۔

ہاں کیونکہ یہ سب سے الگ ہے، دوسرے لوگوں کی طرح بناوٹی نہیں ہے میری زروا، اسی لیے مجھے اس سے عشق ہے، وہ فروا کی باتوں سے اداس ہوتی زروا کا ہاتھ تھامتے ہوئے کچھ اس لہجے میں بولا تھا کہ فروا کو چپ لگ گئی تھی۔

زروا نے ایک نظر اپنے خان کی جانب دیکھا تھا، جو کہ اپنی نیلی آنکھوں میں نرم تاثرات لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

لوگ کہتے ہیں نیلی آنکھیں وفا نہیں کرتیں، مگر یہ مثال آج زروا کو سراسر جھوٹ لگی تھی۔

کیونکہ زائر خان آفریدی کی آنکھوں میں اس کی محبت کے ساتھ اس وقت ایک رنگ وفا کا بھی تھا۔

زائر مسکرایا تو زروا بھی مسکرا دی تھی۔

اسکے عشق حقیقی نے اسے اسکا عشق مزاجی، محرم جو بنا کر دے دیا تھا، اور وہی محرم اب اسکی محبت کا امین تھا، زائر خان آفریدی کا عشق تھی زروا، تو زروا زائر خان کی دیوانگی تھا زائر خان آفریدی، اور اب تو وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بھی تھے پاس بھی، لہذا اب زندگی سہل گزرنی تھی۔

"ہاتھ میں تیرا ہاتھ کیا آیا"

"زندگی ہاتھ لگ گئی جیسے"

زائر، جس کا ارادہ پہلے زروا کو جیلیس فیل کروانے کا تھا، مگر اسکا دوپہر والاری۔ ایکشن دیکھ کر وہ ارادہ بدل گیا تھا۔

اب وہ زروا کے لیے پورے حق سے بول رہا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسکے چھوٹے سے مزاق سے وہ پاگل لڑکی خود کو اذیت میں رکھے۔

جواب مل گیا تمہیں؟ آئی تمہنگ تم دونوں کو اب جانا چاہیے، تمہارے شمرز برو اور سونیا آپی ڈھونڈ رہے ہونگے تمہیں؟ مشعال پٹاخ سے بولی تھی۔

ہسنہ، فروا تلملاتی ہوئی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

سوری گائز، سسٹر تھوڑی آؤٹ اسپوکن ہے، میں اسکی طرف سے ایسکیوز کرتا ہوں، عامر بھی ایسکیوز کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

وہ اداس سی اکیلی چیئر پر بیٹھی تھی۔

آئی، ایک دو یا تین سالہ بچی نے زروا کا ڈوپٹہ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے آواز دی تو اسکی سوچوں میں خلل پڑا تھا۔

میلی مہاتھیں اے (میری مہا کہاں ہیں؟) وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتی زروا سے اپنی مہا کا پوچھ رہی تھی۔

زروا نے آس پاس دیکھا مگر اسے کوئی عورت نظر نہ آئی تھی۔

زروا نے اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھالیا تھا۔

آپکی ماما کا نام کیا ہے گڑیا؟ زروا نے پیار سے اسکے گال چھوئے تھے۔

میلی ماما کا نام ماما اے (میری ماما کا نام ماما ہے) اس نے اپنی وہی بات دہرائی تو زروا کو بے ساختہ ہی اس پر پیار آیا تھا۔

میرا نام زروا ہے، اور آپکا نام کیا ہے؟ زروا نے اس سے سوال کیا تھا۔

وہ بچی شاید مہمانوں میں سے کسی کی تھی۔

نام تیا ہوتا ہے؟ (نام کیا ہوتا ہے؟) بچی نے اپنا سر ہلاتے ہوئے اسی سے سوال پوچھ ڈالا تھا۔

آئی آپکو پتہ اے ماما میلے لیے تمھانا لینے دئی اے (آئی آپکو پتہ ہے ماما میرے لیے کھانا لینے گئی ہیں)

اسکی بچکانی حرکتوں پر زروا ہنس دی تھی۔

اسی وقت زائر وہاں آیا تھا۔

واؤ کیوٹی ڈول، تم نے تو میری ڈول کو ہنسا دیا، وہ زروا کے برابر والی چیئر پر بیٹھتے ہوئے
بولا تو زروا مسکرا دی تھی۔

آپ تو ن این؟ (آپ کون ہیں؟) اس بچی نے اب زائر سے سوال کیا تھا۔

وہ شاید بہت باتونی تھی۔

میں، آپکا فرینڈ ہوں لٹل ڈول، زائر نے پیار سے اسکے گال کھینچتے ہوئے جواب دیا تھا۔

واؤ اننا بلا فلینڈ، (واؤ اتنا بڑا فرینڈ) وہ تالی بجاتی ہوئی بولی تو زائر اور زروا دونوں ہنس دیے تھے۔

خان کتنی پیاری ہے نایہ، زروا اسکے بال سنواری ہوئی نرم لہجے میں بولی تھی۔

اسکے چہرے پر کچھ دیر پہلے والی اداسی کا نام و نشان تک نا تھا۔

تھینک گاڈ تمہاری اداسی تو کم ہوئی، زائر نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

ہاں ہے تو پیاری، زائر نے بچی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

جبکہ زروا ابھی بھی اس گریا جیسی بچی سے باتوں میں لگی ہوئی تھی۔

علیشہ؟ علیشہ بیٹا کہاں ہو آپ؟ ایک لڑکی اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں آئی تھی، وہ شاید اس بچی کی ماما تھی۔

ماما آپ تہاں تیں؟ (ماما آپ کہاں تھیں؟) وہ بچی اپنی ماما کو دیکھ کر زروا کی گود میں سے اتر کر اپنی ماما کے پاس چلی گئی تھی۔

تھینکس مسٹر زائر اینڈ مسز زروا آپ لوگوں نے میری بیٹی کا خیال رکھا۔

اٹس اوکے مسز راؤ، زائر مسکرا کر بولا تھا۔

وہ لڑکی انہیں جانتی تھی، اسی لیے بنا کسی الجھن، انہیں تھینکس کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

کاش وہ کچھ دیر اور رک جاتی، کتنی کیوٹ تھی نا، زروا زائر سے بولی تھی، وہ پھر سے اداس ہو گئی تھی۔

کیا خیال ہے پھر مومی کی بات پر عمل کر لیا جائے؟ زائر نے اسکے کان میں سرگوشی کی تھی۔

زروا نے چونک کر اسکی جانب دیکھا تھا، اس دن کی طرح آج بھی اسکے پلے خاک بھی نا آئی تھی۔

جبکہ زائر آنکھوں میں شرارت لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ارے یار زندگی، تم بھی نا، زائر اسکے قریب ہوا تو زروا گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔

علیشہ جیسی بیٹی چاہیے مجھے، سوچنا اس بارے میں، وہ زو معنی انداز میں کہتا اسکے چھکے
چھڑا گیا تھا۔

زروا کان کی لوہوں تک سرخ پڑی تھی۔

خان بہت بے شرم ہیں آپ، وہ کہتی ہوئی اسکے قریب سے گزرنے لگی ہی تھی کہ زائر
نے اسکی کلائی تھام کر اسے خود سے قریب کیا تھا۔

میں کتنا بے شرم ہوں یہ میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا، تم بس میری خواہش پر غور کرو
اب، وہ اسکی پیشانی سے سرٹکراتا ہوا گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

زروا کا دل پھسلایا توڑ کر باہر آنے کو تھا۔

مجھے جانے دیں پلیز، کوئی آجائیکا، زروا مہمنائی تھی۔

پہلے جواب دو؟ زائر ہٹ دھڑمی سے بولا تھا۔

زروا نے ایک شکوہ کناں نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

نگاہ ناز کی معصومیت ارے توبہ؟

جو ہم دل ہارتے تو اور کیا کرتے؟

دیتی ہوں جواب، آپ پہلے مجھے چھوڑ تو دیں، زروا آہستہ سے بولی تو زائر نے اسے نرمی سے خود سے الگ کیا تھا۔

ہاں بولو اب؟ وہ ابھی ابھی اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔

زروا اسکے قریب آئی تھی۔

میں کہہ رہی ہوں کہ آپ بہت بے شرم ہیں خان، زروا اسکے کان میں بولتی وہاں سے
بھاگ نکلی تھی۔

زائر اسکی چالاکي پر ہنستا چلا گیا تھا۔

وہ ایک سائیڈ کھڑی مسکراتی ہوئی اسٹیج کی جانب دیکھ رہی تھی، جہاں عانیہ اور صائم بیٹھے
تھے۔

ہیلو بیوٹیفل، ضوریز نے اچانک مشعال کے کان میں سرگوشی کی تو وہ ڈر کر مڑی تھی۔

سامنے ہی ضوریز کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اوگاڈ، یہ تم ہو بدتمیز، تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا ضوریز، مشعال اس کے سینے پر ہلکا سا مکا مارتے ہوئے بولی تھی۔

آہ ظالم بیوی، بندہ پہلے ہی گھاٹل ہے، اب کیا جان لوگی مجھ معصوم کی؟ ضوریز مصنوعی آہ بھرتے ہوئے بولا تو مشعال اس کی نوٹنکی پر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

اسکی جھرنوں سی شفاف ہنسی میں ضوریز کھو سا گیا تھا۔

بہت خوبصورت ہو تم، ضوریز اسے نظروں کے حصار میں لیے ایک جذب سے بولا تھا۔

اسکا انداز ہنوز کھویا کھویا سا تھا۔

مشعال کو خود پر اسکی لودیتی نظروں کا احساس ہوا تو وہ ایک دم ہی پلکھیں جھکا گئی تھی۔

"میری ہر خوشی، میری زندگی مکمل ہو گئی"

"جو اک تم لے، میرا عشق میری بنگی مکمل ہو گئی"

تم نے میری زندگی مکمل کر دی مشعال، ضروریز اسکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے محبت سے لبریز لہجے میں بولا تو مشعال نے نگاہ اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

ضروریز بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اور تم نے مجھے مکمل کردیا ضریر، مشعال بھی پورے دل سے بولی تھی۔

آئی۔ لو۔ یو مائی لائف، ضریر نے کہتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

وہ لوگ لان کے قدرے خاموش حصے میں تھے۔

مشعال کی پلکھیں عارضوں پر لرز گئی تھیں

آئی وانٹ آنسر مائی وانٹی؟ وہ اسکے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا تھا۔

مشعال نے اسکی جانب دیکھا تھا۔

آئی۔ لو۔ یو۔ ٹو، وہ کہتے ہی اسکا حصار توڑ کر، شرمائی ہوئی سی وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔

اسکے پہلی بار اسطرح شرمانے پر ضوریز کا قفقہ جاندار تھا۔

شادی بہت بہت مبارک ہو میرے پیارے دوست، مشعال نے ٹھیک ٹھاک ابٹن ہاتھ میں لے کر صائم کے گال پر لگادیا تھا۔

یار، میرا فیس، صائم نے منہ بنایا تھا۔

زائر اور ضوریز اسکی درگت بنتے دیکھ ہنس رہے تھے۔

آپ دونوں کتنی جلدی بدل گئے، ڈیسٹ ناٹ فیئر ہاں، صائم نے منہ پھلا کر کہا تھا۔

ضویرز اور مشعال، صائم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جبکہ زائر اور زروا عانیہ کی سائیڈ بیٹھے تھے۔

میری پیاری دیورانی، زروا نے پورا گلاب جامن عانیہ کے منہ میں ڈال دیا تھا۔

لو بھئی صائم تمہارے بھابھی نے تمہارا ساتھ دے دیا، سماہر بیگم نے ہنستے ہوئے کہا تو سب مسکرا دیے تھے۔

ویسے کہہ تو بالکل ٹھیک رہی ہیں پھوپھو، آج میں صائم کی بھابھی بن کے ہی یہاں آئی ہوں، زروا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو زائر نے ترچھی نگاہ سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

مگر زروا اسکی جانب متوجہ نا تھی۔

انہیں یوں ہنستے ہوئے دیکھ کچھ فاصلے پر کھڑے سفیر خان اور پلوشہ بیگم نے اپنے بچوں کی
دائمی خوشیوں کی دعا کی تھی۔

ماہوں مہندی کے فنکشن کی تقریب رات گئے تک چلی تھی سب نے ہی بہت انجوائے کیا
تھا۔

یوں یہ خوشیوں بھری شام اختتام کو پہنچی تھی۔

عانیہ اداس سی بیٹھی تھی، آج اسے ہمیشہ کے لیے کسی اور کا ہو جانا تھا اور بابل کا آنگن
چھوڑ کر پیا دیس چلے جانا تھا۔

صائم بے شک اسکی محبت تھا مگر ماں باپ کا گھر چھوڑنا ہر لڑکی کے لیے ہی امتحان جیسا ہوتا ہے۔

فجر کی نماز سے ہی عانیہ کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں، یہ وقت ہی ایسا تھا، ہر بیٹی کے لیے یہ لمحے بہت دشوار ہوتے ہیں۔

مشعل اسے ناشتہ دینے آئی تو اسکی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

مشتی میں لالہ اور باقی سب کے ساتھ کرونگی آج ناشتہ پلیز منع مت کرنا، وہ نم آنکھوں سے بولی تھی۔

اسی وقت وائیٹ شلوار قمیض میں فریش سا ضوریز ناک کرتے ہوئے روم میں انٹر ہوا تھا۔

ارے بس اب رونا مت میری پیاری گریا دیکھو دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، میں بھی یہی سوچ رہا تھا، اسی لیے میں موم ڈیڈ کو بھی یہیں تمہارے ساتھ ناشتے کا بول آیا ہوں، ضوریز نے اسکے پاس بیٹھ کر اسے خود سے لگاتے ہوئے پیار کیا تو عانیہ اسکے گلے لگ کر جو روئی تو مشعال اور روم میں داخل ہوتی سماہر خان کو بھی رلا گئی۔

ارے یار آپ سب لیڈیز رونا بند کیجئے یہ خوشی کا دن ہے، آج ہماری گریا کی زندگی کی نئی شروعات ہونے والی ہے، صبح ہی صبح رو کر یوں اداسی تو مت پھیلائیں، ضوریز سماہر بیگم اور مشعال کو رونا دیکھ نرمی سے بولا تھا۔

کیونکہ عانیہ نے واقع ہی کل رات سے اپنا حشر کر لیا تھا۔

اداس تو شہروز خان کا دل بھی ہو رہا تھا، آسان نہیں ہوتا بیٹی کو وداع کرنا، مگر وہ صفائی سے آنسو صاف کر گئے تھے۔

ارے آج میں اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے ناشتہ کرواؤں گا، جیسے بچپن میں کرواتا تھا، وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولے تو عانیہ نم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔

اتنے میں ہی ملازمہ ٹرالی میں ناشتہ لے آئی تو ضریرز اٹھ کر ہاتھ دھونے چلا گیا تھا، اس کا دل بھی تو اداس تھا، آخر کو عانیہ اسکی اکلوتی اور لاڈلی بہن تھی، اسکے دل کا ٹکرا، کیسے نا اسے تکلیف ہوتی اسے رخصت کرتے ہوئے؟

مگر وہ مطمئن بھی تھا، کیونکہ اسے پتہ تھا صائم عانیہ سے بے پناہ محبت کرتا ہے، اور وہ اسے بہت خوش رکھیگا۔

بس یہی سوچ اسے مطمئن کر گئی تھی۔

کہاں کھو گئے؟ ضریرز ہاتھ دھو کر آیا تھا اور روم کے وسط میں کھڑا سوچوں میں گم تھا جب مشعال نے اسکے آگے ہاتے لہرایا تو وہ چونکا تھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

کچھ نہیں، اس نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

چلو آؤ ناشتہ کریں، مشعال نے مسکراتے ہوئے کہا تو ضوریز اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

یا اللہ یہ کیا ہے؟ زروا جو کہ صائم کے روم اس کا کلاہ اور شیروانی رکھوانے آئی تھی، صائم کے روم کی حالت دیکھ کر اس نے سرتھام لیا تھا۔

بی بی جی یہ کہاں رکھوں؟ ملازمہ نے زروا سے پوچھا تھا۔

میرے سر پر رکھ دو، کیونکہ اس روم میں تو کوئی جگہ دکھ نہیں رہی مجھے، زروا بکھرے ہوئے
کپڑے سمیٹتی ہوئی چڑکر بولی تھی۔

اتنے میں ہی صائم وہاں آیا تھا۔

ہے سویٹ سسر، کیا حال ہیں؟ مسکرا کر پوچھتا وہ اپیل کرتے ہوئے بیڈ پر ڈھے گیا
تھا۔

حال تو تمہارے روم کی خراب ہے، سدھر جاؤ تم، آج بارات ہے تمہاری صائم، اپنی حرکتیں
دیکھو، یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے اپنے روم کی، زروا جھنجلائی ہوئی بولی تو صائم نے
سر کجھایا تھا۔

ارے یار میں اپنا کچھ سامان ڈھونڈ رہا تھا، سوری نا سسر غلطی ہوگئی، وہ شرمندہ سا اپنی
جگہ سے اٹھا تھا۔

بی۔ بی یہ شیروانی ؟ ملازمہ نے اپنی بات دہرائی تھی۔

ایسا کرو یہیں بیڈ پر رکھ دو فلحال ، صائم نے جواب دیا تو ملازمہ شیروانی رکھتے ہی چلی گئی تھی۔

زروا ہنوز خفا سی کھڑی تھی۔

اچھا بیٹھو بھی، صائم نے صوفے سے سامان ہٹاتے ہوئے اسکے لیے جگہ بنائی تھی۔

زروا بیٹھ گئی تھی۔

ناراض ہو بہنا؟ صائم نے سوال کیا تو زروا نے نفی میں سر ہلادیا تھا۔

تمہیں تو عانیہ ٹھیک کرگی اب، زروا نے اسکے کان کھینچے تو صائم مسکرا دیا تھا۔

ہاں تو میں تیار ہوں نا، وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

پاگل، زروا نے اسکے سر پر چپٹ لگائی تھی۔

میری دعا ہے اللہ تمہاری یہ مسکراہٹ سلامت رکھے اور تم دونوں کی آنے والی زندگی خوشیوں سے بھر دے میرے پیارے بھائی، زروا نے دل سے دعا کی تو صائم نے آمین کہا تھا۔

اچھا اب میں چلتی ہوں اور تم وقت پر ریڈی ہو جانا صائم ورنہ اپنے لالہ کو تو تم جانتے ہونا، زروا اسے زائر کی دھمکی دیتے ہوئے روم سے نکل گئی تھی۔

صائم ہنستا ہوا اپنی شیروانی دیکھنے لگا تھا۔

لائٹ پنک کلر کی قدموں تک آتی گھیردار فراک اور اسکاٹی بلو چوڑی دار میں لائٹ سے
میک اپ اور نازک سی ڈائمنڈ کی جیولری میں بالوں کو کھلا چھوڑے زروا کوئی نازک سی
گریپا ہی معلوم ہو رہی تھی۔

جبکہ نیوی بلو کلر کی شیروانی میں ایک اسٹائل سے بالوں کو جیل سے سیٹ کیے اپنی تمام
تروجاہتوں کے ساتھ زائر خان آفریدی بھی کسی ریاست کا شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔

اوہ ہو آج تو کوئی بہت سچ رہا ہے، ابھی ابھی روم میں داخل ہوتے زائر نے زروا کو آئیے
کے سامنے کھڑے دیکھ کر شرارتی انداز میں کہا تھا۔

اسکی بات سن کر زروا مسکرائی تھی۔

زائر چلتا ہوا اسکے بالکل قریب آکر رکا تھا اور اسکی کمر کے گرد بازوؤں حمائل کیے تھے۔

اسکے قریب آنے پر زروا کا دل بہت تیز دھڑکا تھا۔

"کبھی اسطرح میرے ہمسفر سبھی چاہتیں میرے نام کر"

"میرے دل کے سائے میں آکر میرے دھڑکنوں میں قیام کر"

پرفیکٹ، زائر نے آئینے میں نظر آتے اپنے اور زروا کے عکس کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

زروا بھی مسکرا دی تھی۔

تو یعنی، اپنی دیورانی لانے کے لیے اور جھٹانی کا رول نبھانے کے لیے ریڈی ہے میری
پارٹنر؟ زائر نے اسکا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

زروا کو اسکا یہ نیا حوالہ کافی پیارا لگا تھا۔

ہاں بالکل، میں تو بالکل تیار ہوں خان، زروا نے اسکی شیروانی پر انگلیاں پھیرتے ہوئے
جواب دیا تھا۔

زائر ہنس دیا تھا۔

چلیں پھر؟ زائر نے ہاتھ اسکی جانب بڑھاتے ہوئے پوچھا تو زروا نے اپنا نازک ہاتھ اسکے
مضبوط ہاتھ میں تھمادیا تھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ ہی روم سے باہر نکلے تھے۔

سب لوگ میرج حال میں پہنچ چکے تھے اور بارات کا انتظار کر رہے تھے۔

سماہر بیگم کے ہمراہ مہمان عورتوں کو ویلکم کرتی مشعال آج بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

اس نے آج مہرون کلر کی فراک پہنی تھی جس پر وائیٹ کام تھا، جب کہ ضوریز نے وائیٹ شیروانی پر مہرون کلر کا اسٹالر گلے میں ڈالا ہوا تھا۔

بلاشبہ انکا کپل بہت پیارا تھا۔

ضوریز بیٹا پتہ کرو زائر سے بارات کب تک پہنچے گی؟ کافی ٹائم ہو گیا ہے اب تک تو انہیں آجانا چاہیے تھا، شہروز خان نے مشعال کی طرف بڑھتے ضوریز سے کہا تو وہ جی کہہ کر زائر کو کال ملانے لگا تھا۔

گولڈن کلر کی شیروانی پر ڈارک براؤن اسٹول ڈالے وائیٹ پاجامے اور کھسے میں صائم کسی ریاست کے شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا اپنی محبت کو پالینے کی خوشی اسکی مسکراہٹ میں شامل تھی۔

وہ ابھی اپنے روم سے نکلا ہی تھا کہ اسے راستے میں زائر ملا تھا۔

زائر جو اسے ہی دیکھنے آ رہا تھا، وہی رک گیا تھا۔

یو لوکنگ ہینڈسم مائی ڈیئر برو، زائر نے صائم کو گلے سے لگایا تھا۔

مجھ سے زیادہ ہینڈسم تو آپ لگ رہے ہیں لالہ، صائم اس سے الگ ہوتا ہوا بولا تو زائر مسکرا دیا تھا۔

نہیں صائم، آج میرے بھائی کا دن ہے، اور صرف اسے ہی ہینڈسم لگنا چاہیے، زائر کے لہجے میں بڑے بھائی والا پیار تھا۔

صائم مسکرا دیا تھا۔

ہمیشہ یونہی مسکراتے رہو، گاڈ بلیس یو، زائر نے اپنے مخصوص انداز میں پورے دل سے کہا تھا۔

چلیں ؟ زائر نے پوچھا تو صائم نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ایک سیکینڈ، زروا وہاں آئی تھی۔

خان یہ بروج لگا دیجئے، اسکے کلمے پر، زروا نے بروج زائر کے ہاتھ میں دیا تھا۔

زائر نے آرام سے وہ گولڈن بروج جس میں نگینے جڑے ہوئے تھے، صائم کے کلاہ پر لگا دیا تھا۔

اب ٹھیک ہے بھابھی جان؟ صائم شوخ ہوا تو زائر کے ساتھ ہی زروا ہنس دی تھی۔

جی چلیے دیور جی، زروا نے اس ء کے انداز میں کہا تو وہ تینوں ساتھ ہی نیچے کی جانب بڑھے تھے۔

عانیہ کچھ کمز کے ساتھ برائیل روم میں موجود تھی۔

کچھ دیر پہلے ہی وہ مشعال کے ساتھ پارلر سے آئی تھی جبکہ مشعال اسے یہاں بٹھانے کے بعد خود کسی کام سے باہر چلی گئی تھی۔

سرخ اور گولڈن لہنگے میں بیوٹیشن کے ماہرانہ ہاتھوں سے کیے گئے میک اپ اور مچنگ جیولری پہنے وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

مشعال دوبارہ اسکے پاس آئی تھی۔

اب اس نے سب لڑکیوں کو باہر بھیج دیا تھا۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو عانیہ، صائم کی خیر نہیں آج، وہ شرارتی انداز میں بولی تو عانیہ کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا تھا۔

مشعال نے اسکی یہ خوشیاں قائم رہنے کی دعا کی تھی۔

بارات آنے والی ہے، مشعال نے آہستہ سے کہا تو عانیہ کو دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔

مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے یار، عانیہ روہانسی انداز میں بولی تو مشعال نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دی تھی۔

ارے کچھ نہیں ہوتا، یہ وقت تو ہر لڑکی کی زندگی میں آتا ہے، میں بھی تو تمہارے لالہ کے ہمراہ آئی تھی، مشعال نے آنکھیں بند کر کے کھوٹے ہوئے جیسے وہ وقت یاد کیا تھا۔

مگر مجھے پھر بھی ڈر لگ رہا ہے، عانیہ آہستہ سے بولی تھی۔

وہ ایسی ہی تھی نازک سی، کبھی کبھی تو چھوٹی سے چھوٹی بات میں گھبرا جاتی تھی۔

میرا بھائی بہت پیارا ہے تم سے بہت پیار کرتا ہے تمہیں بہت خوش رکھیگا وہ پاگل گھبراؤ مت، مشعال نے اسے سمجھایا تھا۔

اب پریشان مت ہونا، مشعال نے کہا تو عانیہ نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

"خان پیلیس" مہمانوں سے بھرا پڑا تھا وہ مسکراتا ہوا پلوشہ بیگم اور سفیر خان کے پاس آیا تھا۔

بابا جان آئی ایم ریڈی، صائم نے مسکراتے ہوئے کہا تو سفیر خان نے اسے گلے لگایا تھا۔

بہت پیارے لگ رہے اسد بری نظر سے بچائے، سفیر خان نے دل ہی دل میں اپنے خوبو بیٹے کی نظر اتاری تھی۔

جبکہ پلوشہ بیگم نے اسکی خوشیاں ہمیشہ قائم دائم رہنے کی دعا کی تھی۔

تھینکس بابا مومی اب چلیں؟ ضرور لالہ کی 2 دفعہ کال آچکی ہے پھوپھا بھی بارات کا پوچھ رہے ہیں، صائم نے انہیں تفصیل میں بتایا تھا۔

اوہ تو میرے بھائی کو بہت جلدی ہے عانیہ کو لے کر آنے کی، زروا نے اچانک آکر اسکی بات پکڑی تو سب ہنس دیے تھے۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب بارات لے کر نکل چکے تھے۔

آتش بازی کی آوازوں کے ساتھ بارات کے آنے کا شور اٹھا تو سب ہی لوگ انٹرنس کی جانب بڑھ گئے تھے۔

بارات کا استقبال کافی پرچوشی سے کیا گیا تھا۔

گلاب کے پھولوں کی پتیاں سب باراتیوں پر برسائی گئی تھیں۔

ویلکم برادران لاء، ضروریز نے صائم کو گلے لگاتے ہوئے کہا تو سب ہنس دیے تھے۔

بہت پیارے لگ رہے ہو، بالکل میری گریا کے شہزادے، سماہر بیگم نے پیار سے بھیتجے کی پیشانی چومی تھی۔

صائم کے چہرے پر سچی خوشیوں کی رک تھی۔

شہروز خان نے بھی اسے گلے لگایا تھا۔

اہم اہم، ہم بھی ہیں منتظر کھڑے راہوں میں، زائر بولا تو ضروریز ہنستا ہوا اسکے گلے لگ گیا تھا۔

میرا یار، زائر بھی گرمجوشی سے اس سے بگلگیر ہوا تھا۔

اب سب ہی ایک دوسرے سے مل کر اندر کی جانب بڑھے تھے۔

نکاح کی رسم کے بعد عانیہ کو صائم کے برابر میں لا کر بٹھادیا گیا تھا۔

سب ہی نے صائم اور عانیہ کو مبارکباد پیش کی تھی۔

پلوشہ بیگم نے ان دونوں کا ہی صدقہ دیا تھا، جبکہ سماہر بیگم دونوں کی بلائیں لیتی نہیں
تھک رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر میں کھانے کا دور چلا تھا، جس کے بعد رخصتی کا شور گونج اٹھا تھا۔

"عانیہ خود تو روئی ہی روئی ساتھ ہال میں باقی سب کو رلا ڈالا تھا۔

کچھ ڈی جے والے کا کمال تھا جس نے بیک گراؤنڈ میں رخصتی کا میوزک پلے کیا ہوا

عانیہ کو ایک سائیڈ سے ضوریز نے پکڑ رکھا تھا اور دوسری سائیڈ پر زائر تھا۔

زائر واقع ہی عانیہ کے بھائی کا حق ادا کر رہا تھا۔

عانیہ سب سے مل کر صائم کے ہمراہ کار میں بیٹھ چکی تھی۔

"شہروز صاحب جتنا دکھی تھے اتنا خوش بھی تھے"

بیٹی کی ذمہ داری مضبوط ہاتھوں میں سوئپ کے اب وہ پر سکون تھے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ صائم بلاشبہ عانیہ کے لیے بہترین ہمسفر ثابت ہوگا۔

رخصتی کے وقت ایک گماگھی سی ہو گئی تھی، سب لوگ ہال سے باہر نکل رہے تھے۔

ہال آہستہ آہستہ خالی ہو گیا تھا۔

وہ سب ہال کے باہر کھڑی گاڑیوں کے قریب موجود تھے۔

عانیہ کو کار میں بٹھادیا گیا تھا جبکہ صائم سب سے مل رہا تھا۔

میری بہن کا خیال رکھنا، ضروریز نے صائم کو گلے لگاتے ہوئے ہدایت کی تو صائم مسکرایا تھا۔

بے فکر رہیے لالہ جان، اب سے عانیہ میری زمہ داری ہے، اور یقین کیجئے میں خود سے بڑھ کر اسکا خیال رکھونگا، کیونکہ صائم خان زمہ داریوں سے پیچھے نہیں ہٹتا، اور پھر عانیہ تو میری محبت ہے، آخری بات اس نے دل میں کہی تھی۔

ضروریز نے اسے الگ کرتے ہوئے اسکا شانہ تھپتھپایا تھا۔

سب ہی مسکرا دیے تھے۔

مجھے تم سے یہی امید ہے صائم، ضوریز کے لہجے میں اعتماد تھا۔

ضوریز خان کی بہن رخصت ہو کر "خان پیلیس" جا رہی ہے، جو بھلے اسکا سسرال ہے مگر وہاں اسکا ایک اور بھائی ہمیشہ ہر مشکل میں اسکے لیے سب سے پہلے موجود ہوگا، یہ وعدہ ہے زائر خان آفریدی کا اپنے یار سے، زائر نے ضوریز کا ہاتھ تھام کر عہد کیا تو ضوریز اسکے گلے لگ گیا تھا۔

میں جانتا ہوں جگر، ضوریز کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں، کیا کرتا مرد تھا، رو جو نہیں سکتا تھا۔

ضوریز زائر سے الگ ہو کر زروا کے پاس آیا تھا۔

آج تک مجھ سے جو بھی غلطیاں ہوئی ہوں، ان سب کے لیے میں تم سے معافی چاہتا ہوں زروا، ضوریز سر جھکائے شرمندہ سے لہجے میں بول رہا تھا۔

زائر نے ایک نظر زروا پر ڈالی تھی، جبکہ زروا خاموش کھڑی تھی۔

ضوریز اس کے جواب کا منتظر تھا۔

کیا تم نے مجھے معاف کیا؟ ضوریز نے سوال کیا تھا۔

ٹھیک ہے زروا، تمہارا حق ہے یہ کہ تم مجھے معاف نہ کرو، میں تمہیں فورس نہیں کرنا چاہتا میں بس معافی مانگنے آیا تھا، معاف کرنا نا کرنا تم پر ہے، اب میں چلتا ہوں، وہ پلٹا ہی تھا کہ زروا کی آواز پر اس کے قدم رک گئے تھے۔

زائر بھی زروا کی جانب متوجہ تھا۔

زروا تنذب کا شکار ہوئی تھی۔

ضوریز مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں، آفرآل وی آر پارٹنرز، اور پھر ایک ہی لمحہ لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں کیونکہ وہ زیادہ دیر کسی سے ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔

ضوریز مسکرایا تو زروا بھی مسکرا دی تھی۔

زائر پرسکون سا ہوا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زروا اسکے جگر اسکے بیسٹ فرینڈ، سے نفرت کرے۔

پر اب سے تم میری بھابھی ہوئی، وہ شرارتی انداز میں بولا تو زائر بھی ہنس دیا تھا۔

اسکے بعد وہ سب اجازت لے کر واپسی کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

"خان پیلیس" میں عانیہ کا شاندار استقبال ہوا تھا۔

مختلف رسموں کے بعد اسے صائم کے روم میں پہنچادیا گیا تھا۔

اس وقت وہ سجے سجائے بیڈ پر بیٹھی صائم کا انتظار کر رہی تھی۔

دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔

آج وہ یہاں عانیہ صائم خان کی حیثیت سے موجود تھی۔

اس نے زیر لب صائم کے ساتھ اپنا نام لیا تھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گئی تھی۔

اسکے لب مسکرا رہے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد روم انلاک ہونے کی آواز آئی تو عانیہ سنبھل کر بیٹھی گئی تھی۔

صائم سرشار سے قدم اٹھاتا اسکے قریب آیا تھا۔

اسلام و علیکم، صائم نے مہذب لہجے میں اسے سلام کیا تو عانیہ نے کپکپاتے ہونٹوں سے اسے جواب دیا تھا۔

صائم اسکے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

اسکے قریب بیٹھنے سے ہی عانیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں تھیں۔

عانیہ پلیز ریلیکس یار، میں کوئی اجنبی نہیں ہوں، صائم نے اسکی گھبراہٹ نوٹ کر لی تھی اسی لیے اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی تو عانیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو، وہ گھمبیر لہجے میں بولا تو عانیہ کی پلکھیں عارضوں پر سایہ فگن ہوئی تھیں۔

"میری سادہ سی مسکراہٹ میں"

"تیری چاہت کے رنگ بوٹے ہیں"

صائم نے غور سے اسکی یہ اٹھتی جھکتی پلکھوں کا دلفریب منظر دیکھا تھا اور دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

یہ تمہاری رونمائی، صائم نے دو جڑاؤ کنگن اسکے سامنے کیے تو عانیہ مسکرا دی تھی۔

میں پہنادوں؟ صائم نے اجازت لی تو عانیہ نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

یار تم بول بھی لو کچھ بس سر ہلا رہی ہو کب سے، صائم نے کچھ اس طرح سے کہا کہ عانیہ کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

صائم نے کنگن اسکے ہاتھ میں پہنادیے تھے۔

پرفیکٹ، صائم نے ستائشی انداز کے کہا تو عانیہ نے بھی ان کنگن کو ہاتھ ہلا کر دیکھا تھا۔

یہ بہت خوبصورت ہیں صائم، عانیہ آہستہ سے بولی تھی۔

جانتی ہو میں یہ کیوں لایا ہوں؟ صائم نے سوال کیا تو عانیہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

تمہارے یہ ہاتھ بہت حسین ہیں، اور جب تم ان سے پینٹنگ کرتی ہو، تو اور بھی حسین لگتے ہیں، اس لیے ان خوبصورت ہاتھوں کے لیے مجھے یہی تحفہ بہتر لگا، صائم نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

عانیہ شرما سی گئی تھی۔

صائم یک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا، کچھ پل کی خاموشی کے بعد عانیہ نے سر اٹھایا تھا۔

صائم میرے پاس بھی تمہارے لیے کچھ ہے، عانیہ نے کہنے کے ساتھ ہی سائیڈ سے ایک پینٹنگ اس کے سامنے کی تھی۔

صائم نے حیرت سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

اب کھولو نا اسے، عانیہ نے کہا تو صائم پیک شدہ پینٹنگ کھولنے لگا تھا۔

اس رپر میں صائم کی ایک بہت خوبصورت پینٹنگ موجود تھی۔

جس میں وہ بلو جینس پر بلو ہی شرٹ پہنے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

وہ تصویر حقیقت سے اتنی قریب تر تھی کہ صائم خود حیران رہ گیا تھا۔

واؤ، یہ تو بہت زبردست ہے عانیہ، صائم کی آنکھوں میں خوشی کے رنگ تھے۔

سچ میں؟ عانیہ نے خوشی سے سوال کیا تو صائم نے اسے خود سے لگایا تھا۔

تھینک یو سوچ میری جان، یہ واقع ہی انمول تحفہ ہے، وہ ایک جذب سے بول رہا تھا۔

عانیہ اسکی اس بے ساختہ حرکت ہر خود میں ہی سمٹ گئی تھی۔

زائر جب فریش ہو کر آیا تو زروا ڈریس وغیرہ چیلنج کر کے بیٹھی ہوئی تھی۔

آج کا دن بہت اچھا تھا نا خان؟ زروا نے اس سے سوال کیا تو زائر مسکرایا تھا۔

جاننے ہیں آج موسم بھی ابرآلودہ ہو رہا تھا، میں صبح سے یہی سوچ رہی تھی، کہ کہیں بارش
نا ہو جائے، زروا کھرکی کے پردے صحیح کرتے ہوئے بول رہی تھی۔

زائر نے اچانک ہی اسے باہنوں میں بھرا تھا۔

زروا کے دل کی دھڑکن معمول سے تیز ہونے لگی تھیں۔

خان پلیز ہٹے نا، زروا کسمسائی تھی۔

"میری دھڑکن میں رہے سدا"

"یونہی تیرے آنے جانے کا سلسلہ"

ایسے ہی چھوڑ دوں، اتنا حسین موسم اور اس سے بڑھ کر حسین بیوی ہو تو، کون کافر نگاہ
چرا سکتا ہے، وہ گھمبیر لہجے میں بولتا زروا کے چھلکے چھڑا گیا تھا۔

اتنے میں ہی باہر بادل زور سے گرجتے گئے تھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش چھم چھم برسنے
لگی تھی۔

باہر سے آتی بادلوں کی خوفناک آوازوں نے زروا کو سہما دیا تھا۔

خان مجھے ڈر لگتا ہے بارش سے، زروا ڈری ہوئی سی بولی تو زائر نے اسے خود سے لگالیا تھا۔

اب کیا ہوگا؟ وہ زائر کے سینے سے لگی خوفزدہ ہو کر زائر سے پوچھنے لگی تھی۔

"تم بتاؤ اب کیا ہونا چاہیے"

زائر اسے لیے بیڈ کی جانب آیا تھا، اس نے بیڈ پر لیٹے لیٹے ہی زروا کو اپنے حصار میں لے کر اسے تحفظ کا احساس فراہم کرتے ہوئے الٹا اس سے سوال کیا تھا۔

زروا بنا جواب دیے اسکی قربت کو فراموش کرتی اسکے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

اسکی معصومیت پر زائر کا دل بے ایمان ہوا تھا۔

مگر زروا کی حالت دیکھتے ہوئے وہ اسے خود سے لگائے اسکی کمر سہلاتا ہوا اسکا ڈر کم کرنے میں لگا ہوا تھا۔

زروا سوچکی تھی زائر بھی اسے باہنوں میں لیے سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

جو کہ اس دشمنِ جانان کی قربت میں مشکل ہی تھا۔

"میری دھڑکنوں کی روانی ہے تم
سے"

"میری ہر خوشی ہر کہانی ہے تم
سے"

ظالمہ، زائر نے اسکے بالوں پر لب رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا تھا۔

"زندگی ایک خواب جیسی ہے"

"خواہشوں کی کتاب جیسی ہے"

خوشگوار صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔

زروا صبح جلدی اٹھ گئی تھی اور اب 9 بجے رہے تھے، وہ پلوشہ بیگم کے ہمراہ کچن میں موجود تھی۔

زروا نے آج ناشتہ اپنی نگرانی میں بنوایا تھا۔

گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا، وہ سب کو ناشتہ نبھوا رہی تھی۔

ارے بیٹا تم یہ سب چھوڑو، جا کر عانیہ اور صائم کو تو جگا آؤ، ضروریز اور مشعال ناشتہ لے کر آنے ہی والے ہیں، نگین بیگم نے زروا سے کہا تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

زروا کے ایک دفعہ ہی ناک کرنے پر صائم نے دروازہ کھول دیا تھا۔

گڈمارنگ دیور جی، میری دیورانی کہاں ہے؟ وہ شرارتی انداز میں بولتی اب صائم کے پیچھے عانیہ کو دیکھنے لگی تھی۔

واہ بھئی ایک ہی دن میں پارٹی چنچ، صائم نے اسے گھورا تھا۔

عانیہ صائم کے پیچھے ہی کھڑی مسکرا رہی تھی۔

گڈمارنگ دیورانی صاحبہ، زروا ہنستی ہوئی عانیہ سے گلے لگی تھی اور اسکے ساتھ ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

زروا اور عانیہ باتیں کر رہے تھے جبکہ صائم عانیہ یک ٹک کو دیکھ رہا تھا۔

اسی وقت مشعال نے اسکے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ حوش میں آیا تھا۔

کہاں کھوئے ہو ڈاکٹر صاحب؟ مشعال نے سوال کیا تھا۔

تم کب آئیں؟ صائم نے الٹا اسی سے سوال کر لیا تھا۔

جب تم اپنی دہن کو نہا رہے تھے، مشعال نے اسے چھیڑا تو وہ ہنس دیا تھا۔

تم لوگ باتیں کرو میں لالہ سے مل کر آتا ہوں، صائم کہتا ہوا روم سے نکل گیا تھا۔

اسلام و علیکم، مشعال سلام کرتی زروا اور عانیہ کے پاس آئی تھی۔

کیسی ہو دلسن صاحبہ؟ مشعال نے عانیہ سے شرارتی انداز میں پوچھا تھا۔

میں ٹھیک ہوں اور تم؟ عانیہ نے جواب دیا تھا۔

میں تو ٹھیک ہوں، تم زرا اپنی منہ دیکھائی تو دیکھاؤ، مشعال نے سوال کیا تو عانیہ نے شرما تے ہوئے کنگن اسکے سامنے کر دیئے تھے۔

واؤ بھئی زبردست، زرا اور مشعال نے دل سے تعریف کی تھی۔

ضوریز بھی آیا ہے نا؟ زرا نے سوال کیا تو مشعال نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ہم ناشتہ لے کر آئے ہیں تم رکو میں منگواتی ہوں یہیں ضوریز اور زائر کو بھی بلالوں،

مشعال نے کہا تو زرا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ولیمے کا فنکشن چونکہ دوپہر کا تھا اسی لیے ناشتے کے بعد ہی سب کاموں میں لگ گئے تھے۔

جبکہ ناشتے کے بعد، مشعال اور ضوریز واپس چلے گئے تھے۔

ولیمے کی تقریب شہر کے سب سے فیس بینکوائٹ میں رکھی گئی تھی۔

زائر دو دن پہلے ہی سارے انتظامات کروا چکا تھا۔

یہ 12 بجے کا وقت تھا جب صائم روم میں آیا تھا۔

جبکہ سارا وقت مہمان خواتین میں گھری رہنے کے بعد اب جا کر عانیہ آرام کی غرض سے لیٹی ہی تھی۔

پنک کلر کے کام دار ٹراؤزر شرٹ میں بڑا سا دوپٹہ سلیقے سے سیٹ کیے، وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔

اہم اہم، صائم اسکے قریب آکر کھنکھارا تو عانیہ نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔

صائم اسکے سامنے ہی کھڑا تھا، اسے دیکھ کر عانیہ مسکرائی تھی۔

تو مسز صائم خان ریسٹ کیا جا رہا ہے؟ صائم مسکراتا ہوا اسکے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔

میں بس ایسے ہی بیٹھی تھیں، عانیہ جواب دیتی ہوئی سنبھل کر بیٹھی تھی۔

ارے لیٹی رہو، تھک گئی ہوں گی جانم، صائم اسکے صبح چہرے کو نظروں کے حصار میں
یلے پیار سے بولا تھا۔

نہیں نہیں میں ٹھیک ہوں، عانیہ نے جھجکتے ہوئے جواب دیا تھا۔

کیا واقع ہی؟ صائم نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

پنک اور اسکائی بلو کلر کے سوٹ میں میک اپ سے پاک چہرے پر صرف پنک لب اسٹک
اور کاجل ڈالے، مہندی رچے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مڑوڑتے ہوئے پلکھیں جھکائے
اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی، وہ سیدھا صائم کے دل میں اتر گئی تھی۔

"وہ سر سے پاؤں تک دھنک دھوپ چاندنی ہے"

"وہ دھلے دھلے موسموں کی بے ساختہ شاعری ہے"

اچھا سنو؟ صائم نے اسے پکارا تھا۔

عانیہ نے یکایک پلکھیں اٹھائیں تھیں۔

اسی وقت روم ناک ہوا تھا۔

کیا ہے یار، اس گھر میں تو بندے کو سکون ہی نہیں لینے دیتے، صائم جھنجھلایا تھا۔

آ رہا ہوں بھئی، روم دوبارہ ناک ہوا تو وہ چڑکر بولا تھا۔

اسے تپتے دیکھ عانیہ کھلکھلا دی تھی۔

اسی وقت صائم نے اچانک اسکا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا تھا۔

عانیہ کی ہنسی کو بریک لگا تھا اس کے جسم و جاں میں سنسنائٹ سی دوڑ گئی تھی۔

وہ اسکی اس شوخ سی جسارت پر بار حیا سے پلکھیں جھکا گئی تھی۔

کیا ہوا؟ اب ہنسونا؟ صائم اسے آنکھ مارتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

اف، کتنے بد تمیز ہو تم، عانیہ اپنی اتھل پتھل ہوتی سانسوں کو سنبھالتی ہوئی آہستہ سے
بر بڑائی تھی۔

صائم نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی زروا کھڑی تھی۔

صائم کے بچے، کان میں روئی ٹھونس لی تھی کیا؟ کب سے ناک کر رہی ہوں سنائی نہیں دیتا؟ وہ اسے گھورتی ہوئی شروع ہو چکی تھی۔

بندہ شرم ہی کر لے، ایک تو نیو نیو میرڈ کیل کو ڈسٹرب کرتی ہو اوپر سے مجھے ہی سنارہی ہو۔

صائم نے اسے چھیڑا تھا۔

نیو میرڈ کیل کے لگتے، 2 بجے ولیمہ ہے، اور اس وقت سوا بارہ بج رہے ہیں، عانیہ کو پارلر جانا ہے، اسلیے تم نا مجھ سے پنگا مت لو، وہ اسے وارن کرتی عانیہ کی جانب بڑھ گئی تھی۔

صائم منہ بگاڑتا باہر چلا گیا تھا۔

وہ کسی کام سے نیچے جا رہی تھی کہ اس کا پاؤں مڑ گیا۔

اس سے پہلے کے وہ بل کھا کر سیڑھیوں سے نیچے گرتی، کسی نے اسے تھام لیا تھا۔

مشعال نے آنکھیں ڈر سے بند کر لی تھیں۔

خود کو محفوظ پا کر اس نے آنکھیں کھولی تو وہ ضریر کی مضبوط باہنوں کے حصار میں تھی۔

وہ مسکراتا ہوا اسے لیے اسی پوزیشن میں کھڑا تھا۔

تم ٹھیک ہو سویت ہارٹ؟ ضوریز نے اسے غور سے دیکھتے سوال کیا تھا۔

اسکی نظروں سے گھبرا کر مشعال سنبھل کر سیدھی ہوئی تھی۔

ہاں میں ٹھیک ہوں، شکر تم نے بچالیا ورنہ آج تو، وہ کچھ بولتی کے اس سے پہلے ہی ضوریز نے اسکے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کروایا تھا۔

ششش، میرے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ نہیں ہو سکتا، وہ مظب لہجے میں بولا تو مشعال مسکراتی ہوئی اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

"ہر اک شخص چلے گا ہماری راہوں پر"

"عشق کی ہمیں ایک ایسی مثال ہونا ہے"

ویسے میری تیزگام اتنی اسپید میں جا کہاں رہی تھی؟ ضرور نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

مجھے پارلر جانا ہے، وہ میں یہ کلچ لینے آئی تھی، مشعل نے زمین پر گرے ہوئے کلچ کی جانب اشارہ کیا تھا۔

چلو میں ڈراپ کر دیتا ہوں، ضرور نے اسے کلچ اٹھا کر دیا تھا۔

ہاں چلو، مشعل اس کے ساتھ ہی آگے بڑھی تھی۔

پیس نما ہوٹل میں ولیمہ رکھا گیا تھا ہر طرف ماڈرن کپڑے پہنے لوگ گھوم رہے تھے۔

سفیر خان اپنی فیملی کے ساتھ کھڑے آپس میں مسکرا کر بات کر رہے تھے۔

اسی وقت شہروز خان سماہر بیگم اور ضوریز مشعال وہاں پہنچے تھے۔

کیسے ہیں داماد صاحب؟ سفیر خان نے حسب عادت بگلگیر ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

ان کو دیکھ کر سب کھڑے ہو گئے، سب ہی ان سے مسکرا کر لے تھے۔

کیسے ہو ضوریز بیٹا؟ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

"الحمد للہ ٹھیک ہوں ماموں جان، اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

ان کی مسکراہٹ ایک دم گہری ہوئی تھی وہ کتنا بدل گیا تھا۔

مشعل بھی سب سے خوش اخلاقی سے ملی تھی۔

انہیں ایک ساتھ خوش دیکھ کر نگین بیگم اور مراد خان بھی پرسکون ہو گئے تھے۔

مما زرو کہاں ہے؟ مشعل نے نگین بیگم سے سوال کیا تھا۔

وہ عانیہ کے ساتھ پارلر گئی ہے بیٹا بس آتی ہی ہوگی، نگین بیگم نے جواب دیا تو مشعل نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

فل بلیک کلر کے تھری پیس میں ریڈ ٹائی لگائے، بال جیل سے سیٹ کیے، زائر خان آفریدی، مردانہ وجاہت کا مکمل شاہکار لگ رہا تھا۔

جبکہ اسکے ہمراہ بلیک اینڈ ریڈ کمبینیشن کے انگ رکھا اسٹائل ڈیس میں ولیمے کی مناسبت سے کیے گئے میک اپ اور میچنگ جیولری میں زروا زائر خان بھی کوئی آسمان سے اتری اپسرا ہی معلوم ہو رہی تھی۔

جبکہ انکے بالکل برابر میں سلور اور نیوی بلو کلر کی خوبصورت قدموں کو چھوتی فراک میں نفاست سے کیے گئے میک اپ اور ڈائمنڈ کی جیولری پہنے عانیہ بھی بے حد حسین لگ رہی تھی۔

وہیں گرے تھری پیس میں نیوی بلو ٹائی لگائے اسٹائل سے سیٹ کیے بالوں میں، صائم بھی بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

انکی اینٹری بے حد شاندار طریقے سے ہوئی تھی۔

انکے دونوں اطراف سے گلاب کے پھولوں کی برسات کی جارہی تھی۔

جبکہ وہ چاروں مسکراتے ہوئے آگے بڑھے تھے۔

سب ہی کی نظریں ان پر جم سی گئی تھیں۔

زائر نے زروا کو اور صائم نے عانیہ کو ہاتھ تھام کر اسٹیج پر چڑھنے میں مدد کی تھی۔

صائم اور عانیہ ایک ساتھ بیٹھے بہت پیارے لگ رہے تھے، سب ہی نے انکی جوڑی کو

سرمایا تھا۔

ولیمے کی تقریب عروج پر تھی، وہ سب ینگ جنریشن بھی اسٹیج پر براجمان تھی۔

ویسے سب ساتھ ہیں کتنا اچھا لگ رہا ہے نا؟ مشعال نے پرچوش سے انداز میں کہا تو سب مسکرا دیے تھے۔

یہ تو ہے، زروا نے بھی تائید کی تھی۔

تم لوگ ہنی مون پر کہاں جا رہے ہو ویسے؟ مشعال کی زبان کے آگے خندق ہی تو تھا۔

زروا نے مشعال کو گھورا تھا جسے وہ سرے سے نظر انداز کر گئی تھی۔

اسکی حرکت پر صائم نے بامشکل اپنی ہنسی روکی تھی جبکہ عانیہ سر کو مزید جھکا گئی تھی۔

تم کبھی عقل سے کام بھی لوگی یا نہیں؟ یا اوپر کا مالا کھالی ہے تمہارا؟ انکی مرضی جہاں بھی جائیں، ضروریز نے اسے جھاڑ پلائی تو وہ منہ پھلا کر رہ گئی تھی۔

سدھر جا جگر، ایسا بھی کیا کہہ دیا اس نے، زائر نے ضروریز کو جھاڑا تھا۔

ویسے میں کچھ سوچ رہا تھا، صائم نے بھی گفتگو میں حصہ ڈالا تھا۔

کیا؟ زائر نے سوال کیا تھا۔

میں سوچ رہا ہوں ہم سب کل فارم ہاؤس چلتے ہیں؟ کچھ دن مل کر انجوائے کرینگے، شہر سے دور بس ہم سب، اور پرانی یادیں؟ کیا خیال ہے؟ صائم نے پورا پلان بتا کر رائے مانگی تو تھوڑی سی بحث کے بعد سب مان ہی گئے تھے۔

کافی دیر تک کھانے کا دور چلا تھا، اسکے بعد عانیہ اور صائم کا فوٹو سیشن ہوا تھا۔

یوں کوئی چار بجے کے قریب ولیمے کی یہ خوبصورت تقریب اختتام کو پہنچی تھی۔

عانیہ ہال سے ہی "ضوریز ہاؤس" روانہ ہو گئی تھی۔

زائر زروا اور صائم ناشتے کے فورن بعد ہی "ضوریز ہاؤس" آ گئے تھے۔

اسلام و علیکم پھوپو جان، زائر نے بلند آواز میں سماہر بیگم کو سلام کیا تھا۔

و علیکم اسلام میری جان، آؤ نا بچوں بیٹھو، سماہر بیگم نے پیار سے کہا تھا۔

سب ہی ان سے مل کر صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

ہے جگر، ضوریز مسکراتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

ہے بڈی، زائر اٹھ کر اس سے ملا تھا۔

اسی وقت مشعال اور عانیہ بھی وہاں آگئی تھیں۔

صائم نے عانیہ کو اسماعیل پاس کی تھی۔

ہاں مبھئی تو ریڈی ہو تم سب؟ زائر نے گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ہاں مبھئی میں تو ریڈی ہوں اکسائیڈ بھی ہوں، مشعال نے پرچوش آواز میں جواب دیا تھا۔

یہ تو کل سے ہی ریڈی ہے، ضروریز نے مشعال کو چھیڑا تھا۔

مشعال جھینپ گئی تھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب زائر کی گاڑی میں فارم ہاؤس کے لیے نکلے تھے۔

یار کیا بورنگ سفر ہے، آدھا گھنٹہ کیسے گزریگا ایسے، مشعال جھنجلائی تھی۔

تو تم گانا گالو، صائم نے پیچھے مڑ کر اسے چھیڑا تھا۔

اگر اپنی سلامتی عزیز ہے تو تم اپنی زبان کم استعمال کرو اور اپنا منہ آگے گم کرلو، مشعال نے بولے کے ساتھ ہی اسے گھورا تھا۔

صائم فوراً آگے مڑ گیا تھا۔

سانگ سنوگی؟ زائر نے فرنٹ سیٹ پر اپنے برابر بیٹھی زروا سے پوچھا تھا۔

زروا نے حیرانگی سے اسکی جانب دیکھا تھا۔

زائر نے آگے ہاتھ بڑھا کر خود ہی میوزک پلیئر آن کر دیا تھا۔

خوبصورت میوزک کی آواز گاڑی میں گونجی تھی، سب اسی میں کھو سے گئے تھے۔

بلاوے تجھے یار آج میری گلیاں

بساؤں تیرے سنگ میں الگ دنیا

نا آئے دونوں میں زرا بھی فاصلے

بس اک تو ہو، اک میں ہوں اور کوئی نا

زائر نے زروا کی جانب دیکھتے ہوئے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا رو زروا کا دل بے حد زور سے
دھڑکا تھا۔

اس نے ہاتھ پیچھے کرنا چاہا تھا مگر زائر کی گرفت مضبوط تھی اسلیے اسکی کوشش بے کار
ہو گئی تھی۔

ہے میرا سب کچھ تیرا تو سمجھ لے

تو چاہے میرے حق کی زمین رکھ لے

زائر اب ڈراؤنگ کرتے ہوئے بار بار اس پر بھی نگاہ ڈال رہا تھا۔

اسکی بولتی آنکھوں سے شرماتی زروا مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سر جھکا گئی تھی۔

زائر کے لبوں پر بھی دلکش مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔

تو سانسوں پر بھی نام میرا لکھ دے

میں جیوں جب جب تیرا دل دھڑکے

کیا ہے بدتمیز، ضریر نے مشعال کے شانوں کے گرد اپنا حصار باندھا تو مشعال تپ گئی
تھی۔

ضوریز اور مشعال لاسٹ والی سیٹس پر بیٹھے ہوئے تھے، میوزک کی وجہ سے کسی نے اسکی آواز نا سنی تھی۔

چپ کر کے یہ سانگ سنو میرے دل کی آواز، ضوریز نے گھمبیر لہجے میں کہا تو مشعال رخ موڑ گئی۔

ضوریز نے اب بھی اسکے شانے سے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا۔

تجھ سے میرا یہ جی نہیں بھرتا

کچھ بھی نہیں اثر اب کرتا

مشعال اس سے کچھ دیر پہلے والی بات پر ناراض تھی اور اسی لیے وہ رخ موڑے بیٹھی تھی۔

ضوریز کو اسکا پھولا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے ہنسی آرہی تھی۔

مگر اس وقت ہنس کر وہ اپنی شامت نہیں لانا چاہتا تھا۔

میری راہ تجھ سے

میری چاہ تجھ سے

مجھے بس یہیں رہ جانا

لگی ہیں تیری عادتیں مجھے جب سے

ہیں تیرے بنا پل بھی برس لگتے

بلاوے تجھے یار آج میری گلیاں

بساؤں تیرے سنگ الگ دنیا

آئی۔ لو۔ یو میری جھانسی کی رانی اب موڈ سیٹ کرلو، ضروریز نے اسکے کان میں سرگوشی کی
تھی۔

مشعل اسکی طرف مڑی تھی۔

تو ہووے جو اداس مجھے دیکھے ہنس دے

تو سانسوں پر بھی نام میرا لکھ دے

میں جیوں جب جب تیرا دل دھڑکے

مشعل اسے دیکھتے دیکھتے ایک دم سے کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

اب آیا مزہ، بدلا پورا، ہرے، وہ شرارتی انداز میں بولی تو ضوریز بھی ہنس دیا تھا۔

روڈ بریکر آیا تو عانیہ نے بے اختیار ہی صائم کا ہاتھ پکڑا تھا۔

تجھ سے ملی تو سیکھا میں نے ہنسنا

آیا مجھے سفر میں ٹھہرنا

میں تو ڈھونڈ رہی دنیا کا پتہ

ہے اب جگ سے تجھے لے جانا

صائم اسے ہی دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور اس نے مضبوطی سے عانیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں
لیا ہوا تھا۔

ڈونٹ وری میں ہوں نا، صائم اسکی طرف جھکتے ہوئے اسکے کان میں بولا تھا۔

ہے تو ہی دل جانیا میرا اب سے
کہ ذکر تیرا نا جائے میرے لب سے

اسکی بات سنتی عانیہ بھی مسکرائی تھی۔

بلاوے تجھے یار آج میری گلیاں

بساؤں تیرے سنگ میں الگ دنیا

سفر تمام ہوا تھا اور گاڑی ایک جھٹکے سے فارم ہاؤس کے سامنے کی تھی۔

وہ سب اپنے اپنے رومز میں آگئے تھے۔

فریش ہو کر ان سب کا ارادہ لُنج کا تھا۔

جو وہ ساتھ ہی لائے تھے بس گرم کرنا تھا۔

وہ سب اس وقت لاؤنج میں ہی تھے۔

زائر ضروریز اور صائم ساتھ لائے ہوئے بیٹ اور بال نکال کر کرکٹ کھیلنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔

اتنے میں ہی زروا عانیہ اور مشعال نے مل کر کھانا گرم کر کے ٹیبل پر لگادیا تھا۔

آجاؤ بوائز، مشعال نے کھانے کے لیے سب کو آواز دی تھی۔

نو وے لالہ، یہ نہیں چلیگا ہاں، سب کے پارٹنرز وہی ہونگے ہاں، صائم نے زائر سے کہا تھا۔

وائس رائنگ و دیو یار، زائر جھنجھلایا تھا۔

کیا ہو رہا ہے بھئی یہاں؟ زروا بھی وہیں آئی تھی۔

ارے تم آگئیں، چلو اب تم ہی بتادو تم کس کی سائیڈ ہو؟ ضریرز نے زروا سے سوال کیا تھا۔

کیا مطلب لالہ؟ عانیہ نے سوال کیا تھا۔

ہم سب یہاں بچپن کی یادیں انجوائے کرنے آئے ہیں نا؟ بس وہی کر رہے تھے، صائم نے جواب دیا تھا۔

مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا، مشعال نے کہا تو صائم ضریرز اور زائر ہنس دیے تھے۔

کھانا کھا لو سب پہلے، اسکے بعد آرام سے سمجھاتا ہوں، زائر بولا تو سب اٹھ کر کھانا کھانے چل دیئے تھے۔

یہ فارم ہاؤس کے خوبصورت و عالیشان لان کا منظر تھا۔

آسمان پر ہلکے ہلکے بادل ہوئے تھے جبکہ ہوا بھی کافی ٹھنڈی چل رہی تھی۔

سورج ڈوب رہا تھا، سوات میں شام ڈھلنے کو تھی۔

لان کے وسط میں زروا ہاتھ میں بال اٹھائے کھڑی تھی۔

جبکہ اسکے عین سامنے زائر خان آفریدی بیٹ تھا مے کھڑا تھا۔

یہ منظر وہی بہت پرانا سا تھا، مگر پھر بھی اس منظر میں اب بہت کچھ بدل چکا تھا۔

آج بھی نیلی آنکھوں والا وہ شہزادہ ہاتھ میں بیٹ تھامے شاٹ لگانے کو بیڑی تھا۔

جبکہ کسپر کی ڈیوٹی انجام ضریرز بھی اپنی پوزیشن سنبھالے کھڑا تھا۔

زروا کے دونوں ساتھی یعنی صائم اور عانیہ بھی آس پاس ہی تھے۔

وہ سب بچپن کی طرح آج بھی کرکٹ کھیل رہے تھے۔

صائم نے زروا سے پوچھا کہ وہ کس کی ٹیم میں ہوگی؟ تو اس نے ہمیشہ کی طرح صائم اور عانیہ کے ساتھ ٹیم بنالی تھی۔

جبکہ زائر مشعال اور ضریرز ایک ساتھ تھے۔

اسی وقت اس زروا نے بال ڈالی تھی اور سامنے کھڑا زائر پھر سے غلط شارٹ کھیل کر جان بوجھ کر آؤٹ ہو گیا تھا۔

ہپ ہپ ہرے، ہم جیت گئے، زروا مارے خوشی کے چلاتی ہوئی اپنے ساتھیوں کی جانب بھاگی تھی۔

جبکہ زائر کے اس طرح غلط شارٹ کھیل کر آؤٹ ہونے پر ہمیشہ کی طرح آج بھی اسکے دونوں ساتھی مشعال اور ضوریز ہکا بکا اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کے انہیں اس سے ایک بار پھر غداری کی توقع نہیں تھی۔

جبکہ دوسری طرف زروا صائم اور عانیہ کے ساتھ مل کر اپنی جیت سیلیبرٹ کر رہی تھی اس بات سے انجان کے اسکا وہ نیلی آنکھوں والا شہزادہ اسے اس طرح خوشی سے جھومتا دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔

زائر خان کو آج بھی اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اسکی وجہ سے اسکی ٹیم ہار چکی ہے۔

ابھی شائد وہ اس مشغلے میں مصروف رہتا کہ ضوریز کے غصے سے پکارنے پر وہ انکی طرف متوجہ ہوا تھا۔

یہ فاول ہے زائر ضوریز نے اسے دیکھتے ہوئے غصے میں کہا تھا۔

جبکہ مشعال نے بھی اسکی تائید کی تھی لیکن زائر ہنوز مسکراتے ہوئے ان دونوں کے غصے سے تپے ہوئے چہرے دیکھ رہا تھا۔

یار دیکھو وہ کتنی خوش ہے، زائر بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ اسطرح سے کہا تھا کہ مشعال اور ضوریز بھی ہنس دیے تھے۔

کے مجنوں بن گئے تم تو، مشعال نے اسے چھیڑا تھا۔

یعنی آپ جان بوجھ کر آؤٹ ہوئے؟ زروا جو کہ انکی جانب آرہی تھی معاملہ سمجھ کر حیران تھی۔

مجھے نہیں جیتنا ایسے، وہ ناراضگی سے کہتی اندر کی جانب بھاگ گئی تھی۔

لے بھئی اب لگ جا کام پر، پکا ناراض ہو گئی ہے آج تو یہ، ضروریز نے زائر سے کہا تھا۔

اوشٹ، زائر بھی فوراً زروا کے پیچھے بھاگا تھا۔

لو کافی، مشعال نے ضوریز کی جانب کافی کا مگ بڑھایا تھا۔

ضوریز جو کہ لان میں گے جھولے پر بیٹھا تھا، نے مسکراتے ہوئے اسکے ہاتھ سے مگ لے لیا تھا۔

میں زروا کو دیکھ کر آؤں وہ ناراض ہو گئی ہے، مشعال بول کر جانے ہی لگی تھی کہ ضوریز نے اسکا ہاتھ تھام کر اسے روکا تو مشعال نے اسے گھورا تھا۔

ارے یار بیٹھو یہاں، ضوریز نے بولنے کے ساتھ ہی اسے بٹھالیا تھا۔

یہ تم ہر وقت نا فری مت ہوا کرو مجھ سے، مشعال کا اشارہ اسکے ہاتھ میں موجود اپنے ہاتھ پر تھا۔

فری تو میں ہوؤں گا تم روک نہیں سکتیں مجھے، کیونکہ یہ حق تو میں آج سے ایک سال پہلے
لے چکا ہوں مسز، ضروریز کا لجر استحقاق سے بھرپور تھا۔

مشعل نگاہیں جھکا گئی تھیں۔

اب بولتی کیوں بند ہو گئی تمہاری؟ ضروریز نے کافی کاسپ لیتے ہوئے اس سے سوال کیا
تھا۔

بہت بدتمیز ہو، مشعل منمنائی تھی۔

ضروریز نے مگ ایک سائیڈ رکھا تھا۔

کیا واقع ہی؟ وہ اسکی جانب جھکتا ہوا بولا تھا۔

وہ میں تو، ایسے ہی بول رہی تھی، مشعال اسکے یوں قریب آنے پر گر بڑا گئی تھی۔

ضوریز نے جھک کر اسکی پیشانی پر اپنے پاک عشق کی مہر ثبت کی تھی۔

مشعال شرمائی ہوئی سی، آنکھیں موند گئی تھی۔

پاگل لڑکی کہتے ہوئے ضوریز نے اسکے شانوں کے گرد باہنوں کا حصار باندھا تھا۔

قسمت عشق کا ہاتھ تمھارے کھڑی تھی۔

کیونکہ آج ان دونوں کا فیصلہ ایک ہی تھا۔

"جب خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے دلوں کا فیصلہ"

"تب ہی تو کہلاتا ہے عشق سبحان اللہ"

عانیہ؟ عانیہ؟ صائم عانیہ کو آواز دیتا روم میں داخل ہوا تو وہ کپ بورڈ کھولے کھڑی تھی۔

کیا ہوا صائم؟ کچھ چاہیے تھا کیا؟ عانیہ کپ بورڈ بند کرتی اسکے پاس آئی تھی۔

ہاں یہاں آؤ، صائم کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

عانیہ جلدی سے اسکے پاس آئی تھی۔

کیا ہوا؟ عانیہ نے سوال کیا تو صائم نے بنا جواب دیئے اسے کھینچ کر خود سے قریب کیا تھا۔

عانیہ اسکی اس حرکت پر گھبرا گئی تھی۔

یہ کلک کیا کر رہے ہو تم، تمہیں تو کچھ چاہیے تھا نا، وہ بامشکل صائم سے پوچھ رہی تھی۔

تم چاہیے ہو، صائم عانیہ آنکھوں میں دیکھتا ہوا دلکش لہجے میں بولا تھا۔

عانیہ نظریں جھکائے اسکی باہنوں میں قید تھی۔

میری طرف دیکھو نا؟ صائم نے ضدی سے لہجے میں کہا تو عانیہ نے نظریں اٹھائی تھیں۔

صائم غور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا، عانیہ اسکی نظروں کی تپش سے پگھلنے کو تھی۔

میں تو مل چکی تمہیں، وہ اسکی جانب دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولی تھی۔

تم نے میری زندگی مکمل کردی عانیہ، آئی۔ لو۔ یو، صائم نے اقرار کیا تھا۔

آئی۔ لو۔ یو۔ ٹو عانیہ نے جھجکتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا تو صائم اسے خود میں بھینچتے ہوئے پرسکون سا ہو گیا تھا۔

"اقرار عشق سے ہی ملتا ہے عشق کا صلہ"

"عشق اگر کامل ہو تبھی تو کہلاتا ہے عشق سبحان اللہ"

زروا زائر سے خفا ہوتی ٹیرس پر آگئی تھی۔

زائر جانتا تھا وہ یہیں ہوگی، اسی لیے وہ بھی ٹیرس پر آگیا تھا۔

زروا رخ موڑے کھڑی سامنے دیکھ رہی تھی۔

زائر چلتا ہوا اسکے قریب گیا تھا۔

ناراض ہو؟ اس نے زروا کے قریب پہنچ کر پوچھا تھا۔

جبکہ زروا اسے سرے سے نظر انداز کر گئی تھی۔

اچھا سوری نا، زائر نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا تھا۔

مجھے نہیں چاہیے آپکا سوری، وہ منہ پھلا کر بولی تو زائر ہنس دیا تھا۔

پھر کیا چاہیے؟ وہ مسکراتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

کچھ بھی نہیں، وہ تپ کر بولی تھی۔

کیا میں بھی نہیں؟ زائر نے گھمبیر لہجے میں پوچھا تھا۔

زروا نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔

آپ تو میرے ہی ہیں، ناراضگی میں بھی وہ اس پر حق جتا گئی تھی۔

اسکے انداز پر زائر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

زروا شرما کر اسکے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

جانتی ہوں نا میں تم سے دیوانگی کی حد تک عشق کرتا ہوں میری زندگی، کبھی مجھ سے مت روٹھنا، میں نہیں رہ سکوں گا اپنی پارٹنر کے بنا، وہ اسے خود سے لگائے جیسے اسکے کانوں میں سحر پھونک رہا تھا۔

میں بھی تو آپ کے بنا نہیں رہ سکتی خان، آپ ہی تو میرا سب کچھ ہیں، زروا نے اسکے سینے پر سر رکھے ہی اعتراف کیا تھا۔

میں جانتا ہوں خان کی جان، زائر نے اسکے بالوں پر لب رکھتے ہوئے گھمبیر لہجے میں اسکے
کان میں سرگوشی کی تھی۔

زرا خود میں ہی سمٹ گئی تھی۔

زائر نے اسکے گرد باہنوں کا حصار باندھا تھا۔

انکے اس حسین ملاپ پر بادلوں کے بچ سے نکلتا چاند مسکرایا تھا۔

"عشق کو عشق سے جب عشق ہوا"

"تب جا کے بنا عشق سبجان اسدا"

بالاخر ایک دوسرے کے عشق میں ڈوبے وہ سب لوگ اپنی منزل پاچکے تھے۔

اسی لیے آج یہ سفر تمام ہوا۔

"ختم شد"



اردو میٹریل
Classic Urdu Material